سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مفصل و مستند تصنیف

علامہ علی ابن برہان الدین حلبی کی

انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون کا اردو ترجمہ

اُمُّ السِیَر

مع اضافات

سیرتِ حلبیہ اردو

مرتب و مترجم اردو ○ مولانا محمد اسلم قاسمی فاضل دیوبند

زیر سرپرستی ○ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب

دارالاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مفصل و مستند تصنیف

علامہ علی ابن برہان الدین حلبی کی مایہ ناز عربی تصنیف کا اردو ترجمہ

اُمّ السِّیَر

سیرت حلبیہ اردو

مع اضافات

۲
جلد اوّل
نصف آخر

مرتب و مترجم اردو ○ مولانا محمد اسلم قاسمی فاضل دیوبند

زیر سرپرستی ○ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب

دار الاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون 2631861

جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں
کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر 8141

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : مئی ۲۰۰۹ء علمی گرافکس
ضخامت : ۶۱۲ صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿........ ملنے کے پتے ....﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park, London E12 5Qa
Tel : 020 8911 9797

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست عنوانات سیرت حلبیہ اردو جلد اول نصف آخر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک عجیب و غریب واقعہ

ایک شخص نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ میں اپنی بیوی سے جدا ہو کر سفر میں گیا میری عدم موجودگی میں ایک شیطان (جو میری بیوی پر فریفتہ ہو گیا تھا) بالکل میری شکل و صورت، میری ہی جیسی آواز اور میری ان تمام عادتوں کے ساتھ اس کے پاس شوہر کی حیثیت میں آنے لگا جو وہ میرے بارے میں جانتی تھی۔

کچھ عرصے کے بعد جب میں سفر سے واپس آیا تو میری بیوی نے مجھے دیکھ کر نہ تو کسی خاص خوشی کا اظہار کیا اور نہ میرے انتظار میں کچھ تیاری اور بناؤ سنگار کے ساتھ بیٹھی ملی۔ حالانکہ اس سے پہلے جب بھی میں سفر سے واپس آیا کرتا تھا تو وہ میرے لئے اس طرح بن سنور کر اور تیار ہو کر بیٹھا کرتی تھی جیسے دلہن کا بناؤ سنگار ہوتا ہے۔ میں نے اس سے اس بات کی شکایت کی تو اس نے کہا۔

"تم گئے ہی کہاں تھے"۔

ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ اچانک وہ شیطان میرے سامنے آگیا اور مجھ سے کہنے لگا۔

میں ایک جن ہوں مجھے تمہاری بیوی سے عشق ہو گیا ہے۔ میں ہی اس کے پاس تمہاری صورت میں آتا رہا اس لئے تم اس پر یہ ظاہر مت کرو کہ وہ تم نہیں تھے اور دوسرے یہ کہ (میں تمہاری بیوی کو نہ چھوڑ سکتا ہوں اور نہ بھول سکتا ہوں اس لئے) یا تو ایسا کرلو کہ رات میں اس کے پاس تم رہا کرو اور دن میں میں رہا کروں اور یا یہ کرلو کہ رات میں اس کے پاس میں رہا کروں اور دن میں تم رہا کرو"۔

میں اس جن سے اتنا خوفزدہ ہو گیا تھا کہ (مجھے اس کی بات ماننی پڑی اور) میں نے دن کا وقت اپنے لئے کر کے رات کا وقت اس کو دے دیا۔

اس کے بعد ایک رات وہ جن میرے پاس آیا اور کہنے لگا

"آج رات میں، بھی تم ہی اپنی بیوی کے پاس رہ سکتے ہو کیونکہ آج آسمانی خبروں کی سن گن لینے کی میری باری ہے (اور میں وہاں جا رہا ہوں)"۔

میں نے حیرت سے پوچھا

"کیا تم آسمانی خبروں کو چوری چھپے سنتے ہو"۔

اس نے کہا

"ہاں کیا تم چاہتے ہو کہ تم بھی میرے ساتھ آسمانوں میں چلو"؟
میں نے کہا۔ ہاں۔ چنانچہ رات میں وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا
"ذرا اپنا منہ اس طرف پھیر لو"۔

میں نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ کچھ وقفے کے بعد جب میں نے گردن گھمائی تو دیکھا کہ وہ جن ایک خنزیر کی صورت میں تھا اور اس کے دو بازو یعنی پر بھی تھے۔ پھر اس نے مجھے اپنی کمر پر بٹھا لیا میں نے دیکھا کہ اس کی گردن پر خنزیر کے جیسے ہی بال تھے۔ اس نے مجھ سے کہا۔

"ان بالوں کو اچھی طرح پکڑ لو کیونکہ تمہیں بڑی بڑی خوفناک اور بھیانک چیزیں نظر آئیں گی مگر تم مضبوطی سے مجھے پکڑے رکھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے"۔

اس کے بعد وہ اوپر اٹھنا شروع ہوا یہاں تک کہ آسمان میں پہنچ گیا اسی وقت مجھے کسی کی آواز آئی جو یہ کہہ رہا تھا۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ. مَاشَاءَ اللّٰہُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَاءَ لَمْ يَكُنْ

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں کوئی طاقت و قوت نہیں ہے جو کچھ اس نے چاہا ہو ہوا اور جو نہیں چاہا نہیں ہوا۔

یہ سنتے ہی وہ مجھے لیئے ہوئے تیزی کے ساتھ نیچے اترنا شروع ہوا یہاں تک کہ ایک جگہ گر پڑا۔ میں نے ان کلمات (کی تاثیر دیکھ لی تھی اسلئے ان) کو اچھی طرح یاد کر لیا۔ غرض اگلے دن میں اپنی بیوی کے پاس آگیا۔ رات ہوئی تو مقرر وقت پر وہ جن آگیا۔ میں نے اس کو دیکھتے ہی وہ کلمات دہرانے شروع کر دیئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ جن سخت بے چین اور بدحواس ہو گیا میں مسلسل یہ کلمات دہراتا رہا یہاں تک کہ وہ شیطان خاک کا ڈھیر ہو گیا۔

اب اس واقعے کو یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ جاہلیت کے زمانے کا ہے ورنہ اس کو غلط ماننا ضروری ہو گا۔ کیونکہ جنات کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی شکل بدلنے پر قدرت رکھتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں ہر شخص پر سے بھروسہ اور یقین اٹھ سکتا ہے کہ آیا وہ آدمی ہی ہے یا آدمی کی صورت میں کوئی جن ہے) ظاہر ہے ایسے میں کوئی شخص اپنی بیوی یا اولاد کو دیکھ کر ان کے بارے میں بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ انسان ہی ہیں (اور جب یہاں تک شک ہو سکتا ہے تو دین، وحی اور جبرئیلؑ کے بارے میں بھی کمزور عقیدے کے لوگ شک کر سکتے ہیں) لہٰذا اس بارے میں علماء کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں اس اُمت کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے کہ اس میں کوئی اس قسم کی بات پیش آئے جس سے خود دین کے بارے میں لوگوں کو شبہات اور شک پیدا ہونے لگیں (اور جب اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے یہ ذمہ داری لی ہے تو ظاہر ہے کہنا پڑے گا کہ یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے)۔

لاحول کی فضیلت کے متعلق حدیث میں آتا ہے۔

جس شخص کو ہم و غم یعنی رنج و غم بہت زیادہ ہوں تو وہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کو کثرت سے پڑھے پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ ننانوے بیماریوں کے لئے شفا ہے جن میں سب سے کم درجے کی بیماری ہم و غم یعنی رنج و غم اور حزن ہے۔"

(حدیث میں غم کے ساتھ ہم کا لفظ بھی آیا ہے۔ ہم بھی عربی میں غم کو ہی کہتے ہیں) ان دونوں میں

فرق یہ ہے کہ غم سے بیداری میں بے چینی رہتی ہے اور ہم سے بے خوابی پیدا ہوتی ہے۔
طبیب (ہم اور غم کا فرق بتلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ) ہم براہ راست دل کو کمزور کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں زندگی ہی سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں جیسا کہ حزن یعنی غم کے نتیجے میں آدمی کی بینائی چلی جاتی ہے۔
ظہور سے پہلے اور ظہور کے وقت شہاب ثاقب کا سلسلہ...... حدیث میں آتا ہے کہ جس کو ہم یعنی رنج و صدمات زیادہ ہوتے ہیں اس کا بدن کمزور ہو جاتا ہے۔
غرض (اس کے بعد پھر شہاب پھینکے جانے کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ) یہ ماننے کے بعد کہ شہاب پھینکنے کا سلسلہ ولادت سے پہلے اور بعد میں آپ کے ظہور کے زمانے تک رہا۔ معلوم ہوا کہ ظہور کے زمانے سے کافی پہلے کے دور میں شہاب پھینکے ضرور جاتے رہے مگر ایک تو یہ کہ کم پھینکے جاتے تھے اور دوسرے یہ کہ کبھی نشانے پر لگ جاتے تھے اور کبھی نہیں بھی لگتے تھے (جس کی بناء پر شیاطین اکثر آسمانی خبریں لے کر محفوظ واپس آجاتے تھے اور کاہن کو وہ خبر دے دیتے تھے اسی لئے ظہور سے کافی پہلے کے دور تک کہانت کا وجود رہا) لیکن جب ظہور کا زمانہ قریب آگیا تو اول تو شہاب بہت زیادہ پھینکے جانے لگے اور دوسرے یہ کہ اس وقت سے وہ ضرور نشانے پر لگنے لگے۔
اب معلوم ہوا کہ عربوں کو جس انوکھی بات سے گھبراہٹ ہوئی تھی (اور وہ عبدیالیل کاہن کے پاس گئے تھے) وہ شہابوں کی کثرت تھی یعنی گھبراہٹ کا سبب شہاب ٹوٹنے کی کثرت تھی یہ نہیں تھا کہ اب یعنی ظہور کے قریبی زمانے میں وہ ہمیشہ نشانے پر لگنے لگے تھے صرف شہاب کا ہمیشہ نشانے پر لگنا گھبراہٹ کی وجہ نہیں بن سکتا کیونکہ یہ تبدیلی ایسی چیز ہے جس کی ہر ایک کو خبر نہیں ہو سکتی۔ اس کے مقابلے میں شہاب کی کثرت ایسی تبدیلی ہے جو ہر ایک کو نظر آسکتی ہے (لہٰذا عربوں کو یہی کثرت دیکھ کر گھبراہٹ پیدا ہوئی ورنہ عام لوگوں کو کیا خبر تھی کہ اب پھینکے جانے والے ستارے ہمیشہ اپنے نشانوں پر لگنے لگے ہیں)۔
کہانت ختم ہو گئی...... اسی طرح پھینکے جانے والے شہابوں کی صرف کثرت کہانت کے ختم ہونے کا سبب نہیں بن سکتی (کیونکہ اگر شہاب کثرت سے ہی پھینکے جاتے لیکن وہ نشانوں پر ہمیشہ نہ لگتے تو بہت سے شیاطین بچ کر زمین پر آسکتے اور کاہنوں کو آسمانی خبریں دیتے رہتے۔ جب کہ ہوا یہ کہ کثرت سے شہاب پھینکے جانے کے ساتھ ہی وہ سب یقینی طور پر نشانے پر لگنے لگے جس کے نتیجے میں وہاں کی خبریں سن لینے والا کوئی جن بھی صحیح سلامت زمین تک نہیں پہنچ پاتا تھا۔ چنانچہ کاہنوں کو آسمانی خبریں ملنے کا سلسلہ بالکل بند ہو گیا۔ تو کہانت کے ختم ہونے کا سبب شہاب کی کثرت نہیں تھی بلکہ ان کا نشانوں پر بیٹھنا تھا) یا یہ کہ بعثت اور ظہور سے پہلے کسی ایک طرف سے شہاب پھینکے جاتے تھے جبکہ ظہور کے بعد ہر طرف سے شہاب پھینکے جانے لگے جس کے متعلق حق تعالیٰ نے اس آیت پاک میں اشارہ فرمایا ہے۔

وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا (الآیۃ) پ ۲۳ سورہ صفت ع ۱

ترجمہ :۔ اور ہر طرف سے مار کر دھکے دیئے جاتے ہیں۔

چنانچہ عربوں کی گھبراہٹ کا سبب یہ بھی بن سکتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر جانب سے شہاب کا پھینکا جانا اور ساتھ ہی ان کا نشانوں پر لگنا کہانت کے ختم ہونے کا سبب بنا۔
بہر حال جب جنوں کے خبریں لانے کا سلسلہ بند ہو جانے کی وجہ سے کہانت ختم ہو گئی تو عربوں نے کہا

"آسمان میں جو تھا وہ ہلاک ہو گیا"۔

چنانچہ اب تمام لوگ گھبرا کر اپنی طرف سے زیادہ سے زیادہ قربانیاں کرنے لگے کہ اونٹوں کے مالک روزانہ اونٹ قربان کرتے، گائے کا مالک گائے قربان کرتا اور بکری مالک بکری قربان کرتا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بڑی تیزی سے اپنا مال خرچ اور ضائع کرنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر بنی ثقیف کے لوگوں نے جو عربوں میں سب سے زیادہ سمجھ دار لوگ سمجھے جاتے تھے کہا۔

"لوگو! اپنا مال اس طرح مت ضائع کرو آسمان والا مرا نہیں ہے کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ مشہور ستارے اور سورج اور چاند جوں کے توں موجود ہیں"۔

بعض علماء نے اسی طرح کہا ہے

غالباً اس روایت میں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ شہاب پھینکے جانے کو دیکھ کر عربوں میں جو لوگ سب سے پہلے گھبرائے وہ بنی ثقیف کے لوگ تھے اور یہ کہ وہ فوراً ہی اپنے ایک عالم عمرو ابن امیہ اور ایک دوسرے شخص عبدیالیل کے پاس اس بارے میں پوچھ تاچھ کرنے گئے تھے۔ کیونکہ ممکن ہے یہاں جو بیان ہوا ہے (کہ بنی ثقیف نے لوگوں کو سمجھایا) یہ بات یہاں تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہی اور اس کے بعد سب مل کر عمرو ابن امیہ اور عبدیالیل کے پاس گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

<u>شہاب ثاقب کی اصلیت</u>...... قرآن پاک کی آیات اور احادیث کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سن گن لینے والے شیاطین پر جو چیز پھینکی جاتی ہے وہ خود نجم یعنی ستارہ ہی ہوتا ہے (کیونکہ آیات اور احادیث میں نجم کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ستارہ کے ہیں) اسی لفظ کو کہیں کوکب کہا گیا ہے کہیں مصباح اور کہیں شہاب (ان میں کوکب اور شہاب ستارے ہی کو کہتے ہیں اور مصباح چراغ کو کہتے ہیں جو اکثر ستاروں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے) مگر ایک قول یہ ہے کہ شہاب سے مراد آگ کا وہ شعلہ ہے جو ستارے میں سے نکلتا ہے (تو گویا خود ستارہ نہیں پھینکا جاتا بلکہ اس میں سے شعلہ لے کر پھینکا جاتا ہے) جیسا کہ پیچھے بھی ذکر کیا گیا اور (ستارے کے ٹکڑے کو کہیں ستارہ کہا گیا، کہیں مصباح اور کہیں کوکب کہا گیا ہے اب اسی کی روشنی میں یہ کہا جائے گا کہ اوپر گزرنے والی آیت پاک کے یہ الفاظ۔

وَجَعَلْنَا هَا رُجُوْمًا یعنی ہم نے ان ستاروں کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنایا

اب ان کے معنی یہ ہوں گے کہ۔ ہم نے ان ستاروں میں سے یعنی ان کے ٹکڑوں کو مارنے کا ذریعہ بنایا اور وہی ٹکڑے شہاب یعنی یہ پھینکے جانے والے شعلے ہوتے ہیں۔ اب ان ستاروں کے آسمانوں کے لئے محافظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے نکلنے والے شعلے حفاظت کا کام انجام دیتے ہیں۔

ان شہابوں کے بارے میں (قدیم) فلسفیوں کا قول یہ ہے کہ یہ آگ کے اجزاء ہوتے ہیں اور نیچے سے بخارات کے اٹھنے پر فضا میں پیدا ہوتے ہیں اور آسمان سے پہلے موجود آگ سے ٹکرانے پر پیدا ہوتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ جب فضا میں بادل یعنی (بخارات ایک دوسرے سے رگڑ کھاتے ہیں تو اس کے نتیجے میں) وہ بہت لطیف اور نہایت تیز رفتار آگ کا شعلہ نکلتا ہے جو اتنا شدید اور تیز رفتار ہوتا ہے کہ جس چیز کے پاس سے بھی گزرتا ہے اس کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ البتہ یہ آگ جتنی تیز ہوتی ہے اتنی ہی جلدی ختم بھی ہو جاتی ہے (چنانچہ اس کے اتنا جلد بجھ جانے کی صلاحیت کا اندازہ اس حکایت سے ہو سکتا ہے کہ) کہا جاتا ہے کہ ایک

دفعہ ایک درخت پر بجلی گری درخت اسی گھڑی آدھا جل سکا کیونکہ فوراً ہی آگ بجھ گئی۔ (مگر یہ مثال گرنے والی بجلی کی ہے جس کو برق کہا جاتا ہے جبکہ شہاب اور برق بالکل علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں) اس حکایت کو کشاف نے بیان کیا ہے۔

جیسا کہ پچھلی سطروں میں بیان کیا گیا کہ شہاب اصل میں خود ستارے نہیں ہوتے بلکہ ان سے نکلے ہوئے آگ کے شعلے ہوتے ہیں۔ اس کی تائید حضرت سلمان فارسی کے ایک قول سے بھی ہوتی ہے جو یہ ہے کہ "یہ تمام ستارے آسمان دنیا میں قندیلوں کی طرح ایسے آویزاں ہیں جیسے مسجدوں میں قندیلیں آویزاں ہوتی ہیں اور یہ نور سے پیدا کئے گئے ہیں"۔

ستارے آسمان دنیا سے نیچے ہیں...... اس قول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ستارے رسیوں میں آویزاں اور لٹکے ہوئے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ سب آسمان دنیا سے نیچے نیچے ہی ہیں جن سے اس آسمان کو زینت اور آرائش مل رہی ہے بالکل اسی طرح جیسے مسجدوں میں قندیل لٹکا کر مسجد کو سجایا جاتا ہے۔ گویا اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ ستارے زیب و زینت کا کام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کو پیدا کرنے سے اور بھی بہت سے مقاصد ہوں گے جو اللہ کے علم میں ہیں۔ پھر اسی قول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شہاب پھینکے جاتے ہیں وہ خود یہ نجوم نہیں ہوتے بلکہ ان سے نکلے ہوئے شعلے ہوتے ہیں)۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ان ستاروں کو فرشتے اپنے ہاتھوں سے لٹکائے ہوئے ہیں۔ اس قول کی تائید میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش کیا جاتا ہے۔

إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ ، وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ الآیۃ پ ۳۰ سورہ انفطار ع ۱

ترجمہ :۔ جب آسمان پھٹ جائیگا اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے

کیونکہ ستارے اسی وقت بکھریں گے جب وہ لوگ مر جائیں گے جو ان کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ کسی کا ایک کمزور قول یہ بھی ہے کہ یہ آسمان میں سوراخ ہیں۔

ستاروں کے اچانک فضا میں بکھر جانے کے دو واقعے...... کہا جاتا ہے کہ ۱۹۹ ھ میں ایک مرتبہ یہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ ایک رات اچانک ستارے منتشر ہو کر ٹڈیوں کی طرح فضا میں تیرنے لگے۔ یہ کیفیت صبح تک رہی تمام مخلوق انتہائی خوف زدہ اور دہشت زدہ ہو گئی اور اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑا کر اور رو رو کر دعائیں مانگنے لگی۔ مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ صورت آنحضرت ﷺ کے ظہور کے وقت پیش آئی تھی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں : کہا جاتا ہے کہ)اسی قسم کا ایک واقعہ ۳۴۱ ھ میں بھی پیش آیا ہے کہ ستارے منتشر ہو کر ٹڈیوں کی طرح فضا میں تیرنے لگے۔ یہ صورت رات کے زیادہ حصے میں رہی۔ (کہا جاتا ہے کہ) یہ ایک ایسا دہشت ناک واقعہ تھا کہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ اسی طرح (کہا جاتا ہے کہ) ۳۰۰ ھ میں بھی ایسا ہی ایک واقعہ پیش آچکا ہے جس میں ستارے بڑے عجیب انداز میں مشرق کی جانب میں منتشر ہوئے تھے۔ واللہ اعلم

قدیم کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک

آپ کا نام، آپ کی صفات اور آپ کی امت کی صفات کا ذکر قدیم کتابوں میں ملتا ہے (جو

آنحضرت ﷺ کے وجود سے بہت پہلے دنیا میں اتاری جاچکی تھیں) جیسے تورات جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی تھی۔ تورات کے نازل ہونے کے متعلق اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ کتاب رمضان کی چھ تاریخ کو نازل ہوئی تھی اسی طرح انجیل ہے جو عیسیٰ پر نازل ہوئی تھی۔ یہ کتاب رمضان کی بارہویں تاریخ کو نازل ہوئی تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ رمضان کی اٹھارہویں تاریخ کو نازل ہوئی تھی۔ اسی طرح زبور ہے جو حضرت داؤد پر نازل ہوئی تھی۔ اس کے نازل ہونے کی تاریخ میں اختلاف ہے مشہور قول تو یہ ہے کہ بارہویں رمضان کو اتاری گئی تھی مگر ایک قول تیرہویں رمضان کا ہے ایک اٹھاریوں رمضان اور ایک چھ رمضان کا ہے۔ اسی طرح حضرت شعیاء پر نازل ہونے والے صحیفوں میں آپ کا ذکر موجود ہے جن کو شعیاء یا مزامیر داؤد کہا جاتا ہے اسی طرح حضرت شیثؑ کے صحیفے تھے۔ ان پر پچاس صحیفے اتارے گئے تھے۔ ایک قول کے مطابق ساٹھ صحیفے نازل کئے گئے تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ پر نازل گئے صحیفے تھے ان پر بیس صحیفے نازل کئے گئے تھے۔ ایک قول کے مطابق تیس صحیفے نازل کئے گئے تھے۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ ابراہیمؑ پر رمضان کی پہلی تاریخ کو یہ صحیفے نازل کئے گئے تھے۔ اسی طرح حضرت شعیبؑ کی کتاب میں آپ کا ذکر موجود تھا۔

<u>آسمانی صحیفوں کی تعداد</u>...... یہاں حضرت ادریسؑ پر نازل ہونیوالے صحیفوں کا ذکر نہیں کیا گیا جن پر تیس صحیفے اتارے گئے تھے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ موسیٰ پر تورات کے اتارے جانے سے پہلے بیس صحیفے اتارے گئے تھے ایک قول یہ ہے کہ دس صحیفے اتارے گئے تھے۔

اب ان سب کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی ہے جب کہ عام طور پر مشہور قول یہ ہے کہ آسمان سے اتاری جانے والی کتابوں کی کل تعداد ایک سو چار ہے۔

قرآن پاک کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ اکثر حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن چوبیسویں رمضان کو اتارا گیا ہے۔ مگر ابو قلابہ سے روایت ہے کہ تمام آسمانی کتابیں مکمل طور پر چوبیسویں رمضان کو اتاری گئیں۔ حالانکہ بعض حضرات نے تورات اور ابراہیمؑ کے صحیفوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ چھٹی رمضان اور پہلی رمضان کو نازل ہوئیں۔ اب اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان راویوں کی اس روایت پر نظر نہیں رہی ہو گی جو ابو قلابہ سے نقل کی گئی ہے۔ یا اگر اس پر ان کی نظر ہو گی تو انہوں نے اس روایت کو قابل توجہ نہیں سمجھا ہو گا۔

غرض ان قدیم کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک ملتا ہے جو آسمانی کتابیں ہیں۔ اسی طرف علامہ سبکیؒ نے اپنے قصیدے کے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وَفِیْ كُلِّ كُتُبِ اللّٰهِ نَعْتُكَ قَدْاَتَى
يَقُصُّ عَلَيْنَا مِلَّةٌ بَعْدَ مِلَّةٍ

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کی ہر کتاب میں آپ ﷺ کی تعریفیں اور ذکر خیر موجود ہے جسے ہم ہر ہر قوم سے یہی سنتے آئے ہیں

اسی سلسلے میں کسی شاعر کا ایک شعر اور بھی ہے مگر علامہ سبکی کا شعر اس سے زیادہ بہتر ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔

وَمِنْ قَبْلِ مَبْعَثِهٖ جَآئَتْ مُبَشِّرَةً
بِهٖ زَبُوْرٌ وَ تَوْرَاتٌ وَاِنْجِيْلُ

ترجمہ :۔ آپ کے ظہور سے بھی پہلے زبور، تورات اور انجیل میں آپ کی آمد کی خوش خبریاں آچکی تھیں۔

(پہلا شعر جو علامہ سبکی کا ہے اس دوسرے شعر سے اس لئے بہتر ہے کہ اس میں تمام آسمانی کتابوں میں آپ کا ذکر پائے جانے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جبکہ اس دوسرے شعر میں صرف تین مشہور کتابوں کا ہی حوالہ ہے)۔

اس شعر پر بعض نا سمجھوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جہاں تک تورات اور انجیل کا تعلق ہے اس کو ماننا ممکن ہے کہ ان میں آنحضرت ﷺ کے متعلق بشارت اور خوش خبری موجود ہے لیکن جہاں تک زبور کا تعلق ہے اس کے بارے میں ہمیں کچھ پتہ نہیں ہے لہذا جس کے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں ہے اس کے بارے میں ہم کوئی دعوی بھی نہیں کر سکتے۔

مگر اس بارے میں میں علامہ سبکی کے ایک قول سے اعتراض کا جواب مل جاتا ہے (جو انہوں نے خود اپنے شعر کی دلیل کے سلسلے میں لکھا ہے۔ وہ یہ ہے کہ)۔

(آپ کا نام زبور میں ذکر ہونے کی دلیل) حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ قرآن حکیم پ ۱۹ سورہ شعراء ع ۱۱ آیہ ۱۹۶

ترجمہ :۔ اور اس قرآن کا ذکر پہلی امتوں کی آسمانی کتابوں میں بھی ہے۔

چنانچہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کیونکہ اضافت کے سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر اس کا اشارہ متعین نہ ہو تو اس کو عموم پر محمول کر لیا جاتا ہے۔ آگے اس بارے میں ایسی صاف روایتیں آئیں گی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زبور میں آنحضرت ﷺ کا نام نامی موجود ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ تورات میں آپ ﷺ کا نام احمد ذکر کیا گیا ہے کہ آسمان اور زمین والے آپ کی تعریف اور حمد کرتے ہیں۔ جیسا کہ پیچھے بیان ہوا ہے۔

قرآن پاک کی ایک آیت ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ الآیۃ پ ۱ سورہ بقرہ ع ۱۶

ترجمہ :۔ اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو۔

اس آیت پاک کے نازل ہونے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبد اللہؓ بن سلام نے جو پہلے یہودی تھے) اپنے دونوں بھائیوں سلمہ اور مہاجر کو اسلام کی دعوت دی اور ان سے کہا۔

تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا ہے کہ میں اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ایک نبی ظاہر کرنے والا ہوں جو شخص ان پر ایمان لائے گا وہ ہدایت اور خوش نصیبی حاصل کر لے گا اور جو ان پر ایمان نہیں لائے گا اس پر لعنت ہو گی۔"

یہ بات سنکر سلمہ اور ابو مہاجر مسلمان ہو گئے جس پر اللہ تعالی نے وہ آیت نازل فرمائی جو اوپر بیان ہوئی۔

<u>تورات میں آنحضرت ﷺ کے مختلف نام</u>...... تورات میں آپ کا نام محمد بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح آپ کا نام حمیاط اور ایک قول کے مطابق حمطایا بھی ذکر کیا گیا ہے یعنی۔ حرم کی حفاظت کرنے والا۔ اسی طرح تورات میں آپ کا نام قدمایا بھی ذکر ہوا ہے جس کے معنی ہیں اولین۔ نیز اسی میں آپ کا نام یند یند اور احید بھی بتایا گیا ہے جس کے معنی ہیں اپنی امت کو جہنم کی آگ سے بچانے والا۔ اسی طرح اسی میں آپ کا نام نامی

طاب طاب بھی ذکر ہوا ہے جس کے معنی ہیں طیب یعنی پاک۔ اسی طرح کشاف کے حوالے کے مطابق تورات میں آپ کا نام محمد حبیب الرحمٰن یعنی اللہ کے دوست محمد بھی ذکر ہوا ہے۔

لفظ تورات کا اصل...... اسی کے ساتھ تورات میں آپ کی صفت پاک نفس بتلائی گئی ہے۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ آپ کا نام محمد ابن عبداللہ ہے۔ آپ کی جائے پیدائش مکہ ہوگی اور آپ کی ہجرت گاہ طابہ ہوگی اور آپ کی سلطنت شام میں ہوگی (یعنی ملک شام آپ کے ہاتھوں فتح ہوگا)۔

جہاں تک خود لفظ تورات کا تعلق ہے تو اگر اس کو عربی لفظ ہی مانا جائے تو یہ توریہ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں تعریض یعنی دوسرے پر بات ڈھال کر کہنے کے ذریعہ راز اور اصل بات چھپالینا۔ (اگر تورات کو عربی لفظ مان کر اصل اس کی توریہ مانی جائے جس کے یہی معنی ہوں گے جو یہاں بیان کئے گئے تو) اس کی وجہ یہ ہوگی کہ تورات میں اکثر اشارات ہی ہیں جن میں صراحتیں اور تفصیلات نہیں ہیں۔

انجیل میں آنحضرت ﷺ کے نام...... انجیل میں آپ کا نام مُنْحَمَنّاذکر کیا گیا ہے یہ سریانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں محمد (یعنی خود حمد کرنے والا اور جس کی دوسرے حمد کریں)۔

سہل سے روایت ہے خُثَیمَہ کے غلام تھے کہ میں یتیمی کی حالت میں اپنے چچا کی پرورش میں تھا (یہ لوگ عیسائی تھے) ایک روز میں نے انجیل اٹھائی اور پڑھنے لگا۔ پڑھتے پڑھتے میں ایک ایسے صفحہ پر پہنچا جو گوند سے اگلے صفحے کے ساتھ چپکادیا گیا تھا۔ میں نے اس صفحہ کو دوسرے سے الگ کر کے کھول ڈالا۔ اس صفحہ پر آنحضرت ﷺ کا حلیہ اور صفات لکھی ہوئی تھیں۔ اسی وقت میرے چچا آگئے۔ جب انہوں نے مجھے انجیل کا وہ صفحہ پڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے مجھے مارا اور کہنے لگے۔

"یہ کیا حرکت ہے۔ تم نے یہ ورق کھول کر کیوں پڑھا"۔

میں نے کہا

"اس میں تو نبی احمد ﷺ کا حلیہ اور صفات لکھی ہوئی ہیں"۔

انہوں نے جواب دیا۔ "اب وہ نبی ظاہر ہونے والا نہیں ہے"۔

(ی) انجیل میں آپ کا نام حَنْبَطَا بھی ذکر ہے جس کا مطلب ہے کہ حق اور باطل۔ اور سچ اور جھوٹ کو الگ الگ کر دینے والا۔ آپ کی نشانیوں میں اس میں یہ لکھا ہے کہ وہ زرہ بکتر والے ہوں گے۔ اس کے ساتھ اس میں آپ کی ایک نشانی یہ بھی موجود ہے کہ گدھے اور اونٹ آپ کی سواری میں شامل ہوں گے۔ مگر اس بارے میں آگے ایک روایت آرہی ہے کہ گدھے پر سواری کرنے والے حضرت عیسیٰؑ ہیں جبکہ آنحضرت ﷺ اونٹ سوار ہیں۔ روایتوں کے اس اختلاف کے متعلق جواب بھی آگے ذکر ہوگا۔ انجیل میں ہے کہ

عیسیٰؑ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے متعلق بشارت...... "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میری ایک وصیت یاد رکھو میں اپنے پروردگار سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ تمہیں ایک بار قلیط یعنی نجات دہندہ عطا فرمائے مگر وہ نجات دہندہ اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک کہ میں یہاں سے چلا نہیں جاؤں گا۔ جب وہ نجات دہندہ ظاہر ہوں گے تو برائیوں اور غلطیوں پر لوگوں کو ملامت کریں گے، وہ کوئی بات بھی اپنی طرف سے نہیں کہیں گے بلکہ جو کچھ (وحی کے ذریعہ) سنیں گے وہی لوگوں سے کہیں گے، انہیں سچائی کا راستہ دکھلائیں گے اور آنے والے حادثوں اور غیب کی باتوں کے متعلق لوگوں کو بتلائیں گے (جن کی حق تعالیٰ آپ کو خبر دیں گے)۔"

(ی) اب ظاہر ہے کہ یہ مقصد لے کر ظاہر ہونے والے اور آئندہ کی اور غیب کی باتیں بتلانے والے آنحضرت ﷺ کے سوا حضرت عیسیٰ کے بعد دوسرا کوئی نہیں ہے (لہذا یہ بات متعین ہے کہ انجیل میں یہاں بار قلیط اور نجات دہندہ سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہی ہے۔

جہاں تک غیب کی باتیں بتلانے کا تعلق ہے تو اس کا مطلب صرف وہ پیش آنے والی باتیں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے اطلاع دے دی تھی ورنہ غیب کا حال جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے)۔

بار قلیط یا فار قلیط کے معنی رسول اور حکمت کی باتیں بتلانے والا ہے۔

لفظ انجیل کی اصل...... خود لفظ انجیل کے معنے کے متعلق ایک قول ہے کہ اگر اس کو عربی لفظ ہی مانا جائے تو کہا جائیگا کہ یہ نجل سے بنایا گیا ہے جس کے معنی ہیں نکلنا۔ اسی وجہ سے بچے کو نَجْل کہا جاتا ہے (کیونکہ وہ ماں کے رحم سے نکل کر آتا ہے) پھر نجل کے معنی اصل کے بھی ہیں چنانچہ عربی میں کہا جاتا ہے لَعَنَ اللّٰهُ اَنَاجِیْلَه یعنی اس کی اصل نسل پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ غرض اس کتاب کا نام انجیل رکھا گیا کیونکہ یہ عیسائی دین کی اصل ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لفظ نَجْلَتہٌ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں کشادگی اور فراخی۔ کیونکہ یہ کتاب بنی اسرائیل کے لئے وسعت اور کشادگی لے کر آئی تھی اس لئے کہ اس شریعت نے بعض ایسی چیزوں کو ان پر حلال کر دیا تھا جو پہلے حرام تھیں۔

تورات میں آنحضرت ﷺ کی نشانیاں و صفات...... اسی طرح عطاء ابن یسار ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک روز عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے کہا۔

"تورات میں رسول اللہ ﷺ کی جو صفات اور نشانیاں بیان کی گئی ہوں وہ مجھے بتلائیے"۔

انہوں نے کہا۔

"ضرور! تورات میں آپ کی بعض بالکل وہی صفات ذکر ہیں جو قرآن پاک میں بیان ہوئی ہیں کہ اے موسیٰ ہم نے تمہیں گواہ بنا کر اور (نیکو کاروں کو) خوش خبریاں دینے والا بنا کر اور (بدکاروں کو) ڈرانے والا بنا کر اور آپ کی امت کے لئے آپ کو محافظ اور نگہبان بنا کر بھیجا ہے۔ تم میرے بندے اور میرے رسول ہو میں نے تمہارا نام متوکل یعنی توکل کرنے والا رکھا ہے۔ جو نہ بد اخلاق ہے اور نہ سخت زبان ہے اور نہ سڑکوں میں چیختے پھرنے والا ہے (سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے اور چیختے پھرنے والوں کے متعلق)۔ حدیث میں آتا ہے کہ جن لوگوں کو سب سے زیادہ سخت عذاب دیا جائے گا وہ سڑکوں میں چیختے ٹھٹھے لگاتے اور بازاروں میں بیٹھ کر پیشاب کرنے والے ہوں گے۔ غرض وہ برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ دینے والوں میں سے نہیں ہیں بلکہ معاف کرنے والوں میں سے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک موت نہیں دے گا جب تک کہ ملت ابراہیم ان کی پیرو اور فرمانبردار نہیں بن جائے گی یعنی وہ ملت ابراہیم جس کو عربوں نے بدل ڈالا ہے اور اس کو بگاڑ دیا ہے۔ (حق تعالیٰ اس وقت تک اس نبی کو نہیں اٹھائیں گے جب تک کہ) وہ عرب لا الہ الا اللہ نہ کہہ دیں جس کے ذریعہ وہ آنکھیں جو اندھی ہو چکی ہیں وہ کان جو بہرے ہو چکے ہیں اور وہ دل جو بند ہو چکے ہیں کھل جائیں گے"۔

حضرت عطا کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت کعب احبار سے ملا اور ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا جس میں ایک حرف کا بھی فرق نہیں تھا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: مگر حضرت کعب احبار کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ (اللہ تعالیٰ نے

تورات میں آنحضرت ﷺ کے متعلق فرمایا کہ)

"آنحضرت ﷺ وہ چیز لے کر آئیں گے جس سے اندھی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ روشنی عطا فرمائے گا اور بند کانوں کو سننے کی طاقت ملے گی اور بند زبانوں کو گویائی کی طاقت ملے گی، وہ مظلوم کی مدد کریں گے اور اس کو ظلم کے ذریعہ دبائے جاتے سے روکیں گے۔

تورات میں ہی آنحضرت ﷺ کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان میں ہے کہ آپ کی مروت اور نرم مزاجی غصے سے زیادہ ہوگی اور غصہ اور غیظ و غضب کبھی آپ کے مزاج کی نرمی پر غالب نہیں آئے گا۔

ایک یہودی کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے تحمل کا امتحان...... ایک یہودی عالم سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے متعلق تورات میں جو صفات بھی ذکر ہیں ان کو میں نے آپ ﷺ میں پالیا تھا اور تصدیق کرلی تھی مگر صرف یہی دو صفتیں ایسی رہ گئی تھیں جن کا اب تک مجھے تجربہ نہیں ہوا تھا (یعنی آپ کی نرمی اور بردباری غصے سے زیادہ ہوگی اور مزاج کی نرمی پر غصہ غالب نہیں آئے گا) میری خواہش تھی کہ میں آپ کی اس صفت کی تصدیق بھی کروں۔ ایک دن آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آپ سے روپے پیسے کی کچھ مدد مانگی۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے فوراً (دینار نکال کر دیتے ہوئے) کہا۔

"یہ دینار موجود ہے آپ یہ اس شخص کو دے دیجئے اور اس کے بدلے میں آپ سے فلاں دن اتنی کھجوریں لے لوں گا۔"

چنانچہ آپ ﷺ نے ان دیناروں میں سے اس شخص کی مدد فرمادی۔ ابھی میرے قرض کی مدت پوری ہونے میں دو تین دن باقی تھے کہ میں آپ کے پاس تقاضے کے لئے پہنچ گیا اور میں نے اپ کی قمیص اور چادر پکڑ کر کھینچی اور سخت غضب ناک ہو کر آپ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اے محمد! کیا تم میرا قرض ادا نہیں کرو گے۔ عبدالمطلب کی اولاد واقعی تم لوگ بڑے نادہند اور ٹال مٹول کرنے والے ہو"۔

یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ (جو وہاں موجود تھے غضبناک ہوگئے اور انہوں) نے کہا۔

"او دشمن خدا! کیا جو کچھ میں سن رہا ہوں تو یہ بات اللہ کے رسول سے کہہ رہا ہے"۔

اس کے ساتھ ہی حضرت عمرؓ میری طرف جھپٹے مگر اسی وقت آنحضرت ﷺ نے انتہائی پر سکون انداز میں ان کی طرف دیکھا۔ آپ مسکرائے اور پھر فرمایا۔

"اے عمر۔ یہ یہودی اور میں دونوں تمہاری طرف سے کسی دوسری بات کے ضرورت مند اور مستحق تھے۔ کہ مجھے تم سچائی کے ساتھ ادائیگی کرنے کے لئے کہتے اور اس شخص کو اچھے انداز میں مطالبہ کرنے کی فہمائش کرتے۔ اب جاؤ اور اس شخص کا حق ادا کرو اور جتنا مجھ پر اس کا واجب ہے اس سے بیس صاع زائد دے دو"۔

(یہ معاملہ دیکھ کر) وہ یہودی فوراً" مسلمان ہوگیا اور اس نے یہ پورا واقعہ بیان کیا۔

تورات میں ہے کہ

"حکومت و سلطنت یہودیوں کے ہاتھوں میں ہی رہے گی یہاں تک کہ وہ نبی آجائیں گے جن کا دنیا

انتظار کر رہی ہے (ی) یعنی یہودیوں کا غلبہ اسی طرح چلتا رہے گا یہاں تک کہ وہ پیغمبر ظاہر ہو جائیں گے دنیا جن کی راہ دیکھ رہی ہے۔ یعنی جو تمام لوگوں کے لئے رسول ہوں گے اور وہ حضرت محمد ﷺ ہی ہوں گے کیونکہ آپ ہی وہ نبی ہیں جو ساری امتوں اور قوموں کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے (آپ کے علاوہ جتنے نبی بھی **ہیں** وہ اپنی اپنی قوموں کی اصلاح کے لئے ظاہر ہوئے تھے ساری دنیا کے لئے نہیں آئے تھے)۔

تورات میں جس نبی کا ذکر ہے وہ آنحضرت ﷺ ہی کیوں ہیں...... (تورات میں جس آنے والے نبی کی پیش گوئی موجود ہے اس کے متعلق) یہودی یہ دعویٰ بھی کیا کرتے تھے کہ یہ پیشین گوئی حضرت یوشع کے متعلق تھی (یہ بھی بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے) مگر یہودیوں کے اس دعویٰ کی تردید خود تورات ہی میں ایک دوسری جگہ ہو جاتی ہے جہاں یہ ہے کہ

"اللہ تعالیٰ بے شک تمہارا رب ہے جو تمہاری برادر قوم میں سے میری ہی طرح کا ایک نبی ظاہر فرمائے گا۔ اس نے مجھ سے فرمایا ہے کہ۔ میں بنی اسرئیل کی برادر قوم میں سے تیری ہی طرح کا ایک نبی ظاہر فرماؤں گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا جو شخص بھی اس نبی کی بات نہیں مانے گا میں اس سے انتقام اور بدلہ لوں گا۔ کیونکہ اس نبی کا قول بھی میری ہی طرح سچا ہو گا۔"

یعنی وہ بھی رسول ہوں گے اور میری ہی طرح ان پر بھی ایک کتاب نازل ہو گی جس میں شریعت کے احکام اور مسائل ہوں گے اور اس کا ذکر ہو گا کہ اس کی ابتدا کیا ہے اور اس کی انتہا اور انجام کیا ہے۔

(تورات کی اس عبارت سے یہودیوں کے اس دعویٰ کی تردید اس لئے ہو رہی ہے کہ) حضرت یوشع کوئی مستقل کتاب اور شریعت لے کر نہیں آئے تھے بلکہ وہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کو ہی عام کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کے لئے آئے تھے۔ **نیز** وہ خاص طور پر صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے ہی بھیجے گئے تھے (ساری قوموں کی اصلاح کے لئے نہیں آئے تھے) پھر یہ کہ (تورات میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم ایک نبی تمہاری برادر قوم میں سے ظاہر فرمائیں گے جس کے لئے اخواتهم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جبکہ) حضرت یوشع بنی اسرائیل کی برادر قوم میں سے نہیں تھے بلکہ خود بنی اسرائیل میں سے ہی تھے (جس کے لئے یہ کہا جاتا کہ ہم تمہارے میں سے ہی ایک نبی ظاہر کرنے والے ہیں) تو اگر حضرت یوشع ہی مراد ہوتے تو یہ نہ کہا جاتا کہ تمہاری برادر قوم میں سے نبی ظاہر کریں گے بلکہ یہ کہا جاتا کہ ہم تمہارے میں سے یعنی بنی اسرائیل میں سے ایک نبی ظاہر کریں گے۔

اسی طرح عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ تورات میں جس آنے والے نبی کا ذکر ہے وہ حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ یہ دعویٰ بھی انجیل کی ہی بعض عبارتوں سے غلط ہو جاتا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ

"اللہ تعالیٰ تمہاری برادر قوم میں سے تمہارے لئے ایک نبی ظاہر فرمائیں گے۔"

یہاں بھی وہی دلیل ہے کہ عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی برادر قوم میں سے نہیں بلکہ خود بنی اسرائیل میں سے ہی ہیں کیونکہ وہ بھی حضرت داؤدؑ کی نسل میں سے ہیں (حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں سے نہیں ہیں) اس کی دلیل خود زبور کی ایک عبارت سے ملتی ہے جس میں ہے کہ

"اے داؤد! تمہاری اولاد میں ایک لڑکا پیدا ہو گا جس کے متعلق دعویٰ کیا جائے گا کہ میں اس کا باپ ہوں اور وہ میرا بیٹا ہے"۔

اب جہاں تک بنی اسرائیل کی برادر قوم کا تعلق تو وہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہے (جو عرب کے لوگ ہیں) کیونکہ بنی اسرائیل کے لوگ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں ہیں اور حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ دونوں بھائی تھے (جو حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے تھے) پھر یہ کہ اگر حضرت عیسیٰؑ ہی مراد ہوتے تو تورات کی جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ اس کے مطابق نہیں ہوتے۔

انجیل میں ہے کہ

"اللہ تعالیٰ کی تجلی طور سینا نامی پہاڑ سے آئی۔ مساعیر کے مقام سے اس کا ظہور ہوا اور فاران کے علاقے سے اس کا اعلان اور چرچا ہوا"۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کو دنیا میں بھیج کر اپنے آپ کو پہنچوایا۔

کیونکہ موسیٰؑ کی نبوت کا ظہور طور پہاڑ پر ہوا تھا۔ اس بارے میں یہ روایت گزر چکی ہے کہ یہ پہاڑ مصر و شام کے علاقے میں ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ مصر اور ایلیا کے درمیان میں ہے یہیں موسیٰؑ پر تورات نازل ہوئی۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا ظہور ساعیر کے مقام پر ہوا جو قدس پہاڑ ہے اس لئے کہ حضرت عیسیٰؑ جس گاؤں میں رہتے تھے وہ ارض خلیل تھا اس گاؤں کو ناصرہ کہا جاتا تھا۔ اسی لئے جن لوگوں نے عیسیٰؑ کی تصدیق کی ان کا نام نصاری پڑا عیسیٰؑ پر یہیں انجیل نازل ہوئی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا ظہور فاران یعنی مکے میں ہوا (فاران ایک پہاڑ کا نام ہے جو مکے میں ہے) یہیں آپ ﷺ پر قرآن پاک نازل ہوا۔

تورات میں ہے کہ

اسماعیلؑ فاران کے علاقے میں رہتے تھے۔

<u>ایک نکتہ</u>...... (پچھلی سطروں میں گزرا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی طور پہاڑ سے "آئی") یہاں موسیٰؑ کی طرف کئے گئے اشارے میں "آنے" کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا کہ وہ پہلے نبی ہیں جو ایک پوری کتابی شریعت لے کر آئے کیونکہ ان کی کتاب یعنی تورات ہی وہ پہلی آسمانی کتاب ہے جس میں احکام اور شریعت پیش کی گئی ہے۔ اس کے برخلاف تورات سے پہلے نازل ہوئی کتابیں جو ہیں وہ احکام اور شریعت لے کر نہیں آئیں۔ بلکہ ان کتابوں میں (بنیادی حقیقت کے طور پر) صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کو ایک جاننے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اسی لئے ایسی تمام کتابوں کو کتاب کے بجائے صحف یعنی صحیفے کہا گیا ہے کہ کتاب نہیں کہا گیا ان صحیفوں کو مجازی طور پر کتاب کہہ دیا جاتا ہے۔

پھر عیسیٰؑ کی تبلیغ اور ان پر نازل شدہ کتاب انجیل سے آسمانی تعلیم جس طرح ظاہر ہوئی وہ ایک طرح کا ظہور تھا اسی لئے عیسیٰؑ کی طرف جو اشارہ کیا گیا اس میں "ظہور" کا لفظ استعمال کیا گیا جو "آنے" کے مقابلے میں زیادہ قوی چیز ہے۔

پھر چونکہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد یہ ظہور زیادہ عام ہوا اس کے لئے "اعلان" کا لفظ استعمال کیا گیا کیونکہ کسی چیز کا اعلان اور چرچا صرف ظہور سے کہیں زیادہ قوی اور اونچے درجے کی چیز ہے۔

<u>آنحضرت ﷺ امت کے لئے سہولتیں لے کر تشریف لائے</u>...... حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

....اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ (پ ۹ سورہ اعراف ع ۱۹) آیہ

ترجمہ :۔ جولوگ کہ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جن کی صفت یہ بھی ہے وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو بدستور ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔

اس آیت پاک کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ اپنی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے اوصاف پاتے تھے کہ آپ لوگوں کو بھلائی اور اچھے کاموں کا حکم فرمائیں گے جن سے مراد بلند اور اچھے اخلاق اور رشتہ داروں کی خبر گیری ہے۔ اور یہ کہ آپ لوگوں کو برائیوں سے دور رہنے کی تبلیغ فرمائیں گے جس سے مراد شرک ہے۔ نیز آپ ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال قرار دیں گے جس سے مراد چربی وغیرہ ہے یہ بنی اسرائیل پر حرام کردی گئی تھی۔ اسی طرح بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام جانور تھے کہ ان جانوروں کو جاہلیت کے زمانے میں عربوں نے خود ہی اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ (یہ سب وہ اونٹنیاں وغیرہ تھیں جن کے ناک کان کاٹ کر عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے اور پھر ان کا گوشت اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے۔ ان سب کی تفصیل **پہلے گذر** چکی ہے)۔

اسی طرح یہ کہ آپ ان پر ان بری اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دے دیں گے جن کو انہوں نے خود سے اپنے لئے حلال کر لیا تھا جیسے مردار جانور کا گوشت، خون اور خنزیر کا گوشت۔ اسی طرح یہ کہ آپ ان پر سے وہ پابندیاں ہٹائیں جو انہوں نے اپنے اوپر لگا رکھی تھیں یعنی ہفتے کے روز کوئی کام نہیں کرتے تھے، اسی طرح مقتول آدمی کی جان کی قیمت یعنی خون بہا نہیں لیتے تھے (حالانکہ اسلام نے اس کو جائز قرار دیا ہے) اور اسی طرح اگر ان کے کپڑوں پر پیشاب یا کوئی گندگی لگ جاتی تھی تو ان کی شریعت میں وہ حصہ پاک نہیں ہو سکتا تھا بلکہ کپڑے کا وہ حصہ کاٹنا ہوتا تھا (چونکہ بنی اسرائیل ایک سخت گیر اور سخت مزاج قوم تھی اس لئے ان کے لئے ایسی ہی شریعت اتاری گئی تھی جو ان کے مزاجوں کے مطابق تھی۔ البتہ اس میں بعض چیزیں خود ان لوگوں نے اضافہ کرلی تھیں جن کا اس شریعت سے کوئی تعلق نہ تھا) واللہ اعلم۔

<u>تورات اور حضرت نعمانؓ سبائی کا واقعہ</u>......اسی طرح حضرت نعمان سبائی کا واقعہ ہے جسے انہوں نے بیان کیا ہے یہ یمن کے یہودی عالموں میں سے تھے۔ وہ کہتے ہیں۔

"جب میں نے آنحضرت ﷺ کے ظہور کا چرچا سنا تو میں آپ کے پاس حاضر ہوا اور آپ سے بہت سی باتوں کے بارے میں سوالات کئے (جن کے جوابات سن کر مجھے آپ کی سچائی کا یقین ہو گیا) آخر اس کے بعد میں عرض کیا۔

"میرے باپ جب (تورات کا) ایک سفر یعنی باب ختم کیا کرتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے کہ تم اس باب کو یہودیوں کے سامنے اس وقت تک مت پڑھنا جب تک کہ تم یہ نہ سن لو کہ ایک نبی یثرب میں ظاہر ہو گیا ہے۔ جب تم یہ خبر سن لو تو پھر اس کو کھول سکتے ہیں"۔

چنانچہ حضرت نعمان کہتے ہیں۔

"میں نے آپ کے متعلق سنا تو میں نے وہ سفر کھولا۔ میں نے دیکھا کہ اس میں آپ کی وہ تمام صفتیں لکھی ہوئی تھیں جو میں اس وقت آپ میں دیکھ رہا ہوں۔ پھر اس میں یہ سب تفصیلات تھیں کہ آپ کن چیزوں کو حلال قرار دیں گے اور کن چیزوں کو حرام قرار دیں گے۔ اس کے بعد اس میں یہ لکھا تھا کہ آپ سب سے بہترین

نبی ہیں اور آپ کی امت سب امتوں سے بہترین امت ہے۔ یہ کہ آپ کا نام نامی احمد ﷺ ہے اور آپ کی امت حماد ہو گی۔ یعنی تنہائیوں میں اور کھلے عام ہر طرح اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنیوالی ہو گی۔ ان کی نذر و نیاز خود ان کی جانیں ہوں گی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب اور نزدیکی حاصل کرنے کے لئے وہ لوگ جہاد میں اپنی جانوں کی سوغات پیش کریں گے۔ یہ کہ ان کی کتاب یعنی قرآن پاک ان کے سینوں میں محفوظ ہو گا۔ یعنی اپنی کتاب کی پوری طرح حفاظت کریں گے۔ وہ جب بھی کسی لڑائی میں شریک ہوں گے تو جبرئیلؑ ان کے ساتھ ہوں گے جو اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ان پر سایہ کئے رکھیں گے جیسے پرندہ اپنے بچوں پر چھایا رہتا ہے"۔

(پھر حضرت نعمان کہتے ہیں)۔

"مجھ سے میرے باپ نے کہا تھا کہ جب بھی تم اس نبی کے متعلق خبر سنو تو فوراً ان کے پاس حاضر ہونا ان پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق کرنا"۔

یہ واقعہ سن کر آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ آپ کے صحابہ بھی اس واقعہ کو سنیں۔ چنانچہ ایک روز آپ نے حضرت نعمان کو بلایا اور ان سے فرمایا۔

"اے نعمان! ہمیں وہ واقعہ پھر سناؤ"۔

چنانچہ حضرت نعمان نے اپنا پورا واقعہ شروع سے آخر تک سنایا۔ جب نعمان یہ واقعہ سنا رہے تھے تو اس وقت آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر مسکراہٹ تھی۔ (واقعہ سن لینے کے بعد) آپ نے فرمایا

"میں گواہی دیتا ہوں کہ میں خدا کا رسول ہوں"۔

<u>نعمان سبائی اور اَسْوَد عنسی</u>...... اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہ نعمانؓ وہی ہیں جن کو اسود عنسی نے قتل کیا تھا یہ اسود عنسی وہی ہے جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ اس نے حضرت نعمانؓ کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹا تھا جبکہ اس وقت نعمان صرف یہ کہہ رہے تھے۔

"بے شک محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تو جھوٹا ہے اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتا ہے"۔

اس کے بعد اسود نے نعمان کو جلا کر ختم کرنے کے لئے آگ میں ڈالا۔ (ی) لیکن آگ نے ان کے جسم کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور وہ اسی طرح محفوظ رہے جیسے حضرت ابراہیمؑ آگ سے محفوظ رہے تھے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس شخص کو اسود عنسی نے آگ میں ڈالا تھا اور وہ جلے نہیں تھے وہ ذویب ابن کلیب یا ذویب ابن وہب تھے۔

غرض جب آنحضرت ﷺ کو حضرت نعمانؓ کے متعلق یہ خبر ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ سے اس کا ذکر فرمایا۔ جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہماری اس امت میں بھی ابراہیم خلیلؑ جیسے لوگ پیدا کر دیئے"۔

جہاں تک اس سفر یا باب کا تعلق ہے (جس کے متعلق حضرت نعمان نے اپنا واقعہ سنایا ہے) ممکن ہے کہ یہ تورات کے باب کا خلاصہ اور اختصار ہو۔

<u>جنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ فرشتوں کی شرکت</u>...... (اسی طرح اس روایت میں گزرا ہے کہ اس امت کے لوگ جب بھی جہاد کریں گے تو جبرئیلؑ انکے ساتھ محافظ کے طور پر ہوں گے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیلؑ ہر اس لڑائی میں موجود رہے ہیں جو صحابہؓ نے کفار کے ساتھ کی ہے۔ بلکہ روایت کے ظاہری

الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ تمام ہی لڑائیوں میں موجود رہتے ہیں یہاں تک کہ جو لڑائیاں امت کے لوگوں نے غیر مسلموں سے لڑی ہیں ان میں بھی شریک رہے ہیں۔

ایک روایت اور ہے جو تورات کے ایک سفر سے ہی نقل کی جاتی ہے کہ

"جب بھی یہ امت اپنے دشمنوں کے سامنے پہنچے گی تو ان کے درمیان میں نیزے لئے ہوئے فرشتے موجود ہوں گے (جو دشمنوں سے مسلمانوں کی حفاظت کریں گے)۔

تہبند اور عمامہ اس امت کی نشانی ہے...... تورات میں آنحضرت ﷺ کی امت کی جو نشانیاں ذکر ہیں ان میں ان صفات کے علاوہ جو پیچھے بیان ہوئی ہیں کچھ اور نشانیاں بھی ذکر ہیں کہ ان کے بدن کے اطراف اور سرے چمکتے ہوئے ہوں گے (مراد ہیں وہ حصے جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں) ان کے بدن کے درمیانی حصے تہبند سے ڈھکے ہوں گے اور وہ لوگ اپنی نمازوں میں بھی اسی طرح صف بندی کیا کریں گے جیسے جنگوں میں صف بندی کرتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ

"اسی طرح تہبند باندھا کرو جیسے میں نے معراج کی رات میں فرشتوں کو تہبند باندھے ہوئے دیکھا تھا۔ (ی) یعنی جیسے وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں تہبند باندھے ہوئے حاضر تھے۔"

ایک حدیث میں آتا ہے۔

"تم عمامے باندھتے اور اس کا پلہ کمر پر لٹکانے کو لازم کر لو۔ اس لئے کہ یہ فرشتوں کی خاص نشانی ہے"۔

یہ دونوں چیزیں یعنی تہبند اور عمامہ کا پشت کا پلہ اس امت کی ہی خصوصیتوں میں سے ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے

"عمامہ مسلمانوں کی نشانیوں میں سے ہے"۔ ایک روایت میں ہے۔ مسلمانوں کی علامتوں میں سے ہے یعنی جو ان کو دوسری قوموں کے مقابلے میں ممتاز کرتا ہے۔"

وضو اس امت کی خصوصیت ہے...... یہاں چونکہ مسلمانوں کی ایک نشانی یہ بتلائی گئی ہے کہ ان کے بدن کے اطراف چمکتے ہوں گے جس سے مراد ہیں وہ حصے جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں اور اسی وضو کی وجہ سے وہ چمکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی امتوں میں سے کسی امت میں بھی وضو نہیں تھی ورنہ وضو کے نتیجہ میں بدن کے اطراف کے چمکنے کو مسلمانوں کی خصوصیت کے طور پر تورات میں ذکر نہ کیا جاتا۔ اسی بات کی تائید علامہ حافظ ابن حجر کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ

وضو ہمیشہ نبیوں کی خصوصیت رہی ہے انکی امتوں کی نہیں۔ امتوں میں یہ خصوصیت صرف اسی امت کی ہے۔

حافظ ابن حجر کے اس قول کی تائید حضرت ابن مسعودؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو مرفوع روایت ہے (مرفوع روایت کی تعریف پہلے گزر چکی ہے)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اس امت کے لوگوں پر ہر نماز کے لئے پاکی حاصل کرنا اسی طرح فرض کیا ہے جس طرح میں نے اس بات کو تمام نبیوں پر فرض کیا تھا۔"

(یہاں اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وضو کرنا اور پاکی حاصل کرنا ہر نماز سے پہلے مستقلاً ضروری

ہے اس بارے میں کہتے ہیں کہ) اس سے مراد ہے کہ وہ پاک ہوں ورنہ پھر یہ مراد ہو سکتی ہے کہ اسلام کے شروع میں ہر نماز کے لئے علیحدہ علیحدہ وضو کرنا ضروری رہا ہوگا جو فتح مکہ تک رہا اور پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا جیسا کہ آگے اس کا بیان آرہا ہے۔

مگر ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو اس امت کی ہی خصوصیت نہیں ہے (بلکہ اس سے پچھلی امتوں پر بھی وضو فرض تھی اس روایت کو طبرانی نے اپنی کتاب اوسط میں ذکر کیا ہے مگر اس کی سند میں ابن لہیعہ بھی ہیں (جو معتبر راوی نہیں ہیں) وہ روایت یہ ہے جسے حضرت بریدہؓ نے بیان کیا ہے کہ۔

"ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور پھر اس طرح وضو فرمائی کہ اس میں ہر عضو کو ایک ایک دفعہ دھویا (یعنی ایک دفعہ کلی کی ایک ہی دفعہ منہ پر پانی ڈالا اور ایک ہی دفعہ ہاتھ دھوئے) اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

"یہ تو وہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول ہی نہیں فرماتا (یعنی کم سے کم ایک دفعہ ہر عضو کا دھونا فرض ہے)"

پھر اس کے بعد آپ نے دوبارہ وضو فرمائی اور اس میں ہر عضو کو دو دو دفعہ دھویا اور فرمایا

یہ وہ وضو ہے جو تم سے پچھلی امتیں کیا کرتی تھیں (یعنی وہ لوگ ہر عضو کو دو دو دفعہ دھویا کرتے تھے)۔"

اس کے بعد پھر آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور اس میں ہر عضو کو تین تین دفعہ دھویا اور اس کے بعد فرمایا۔

"یہ وضو میرا اور میرے سے پہلے نبیوں کا وضو ہے۔"

اب اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو تو پچھلی امتوں پر بھی فرض تھا مگر ہر عضو کو دو دو دفعہ دھویا جاتا تھا جبکہ ان امتوں کے نبیوں پر اور آنحضرت ﷺ پر ہر عضو تین تین دفعہ دھونا ضروری تھا۔ لہٰذا اب مطلب یہ ہوا کہ امت کی خصوصیت (خود وضو نہیں ہے بلکہ) ہر عضو کو تین تین دفعہ دھونا ہے جیسا کہ پچھلے نبیوں کی وضو تھی۔ (ی) اسی طرح جیسے کہ وضو میں دھوئے جانے والے اعضاء کے چمکنے میں یہ امت دوسری امتوں کے مقابلے میں خصوصیت رکھتی ہے۔

اسی بنیاد پر علامہ ابن حجر ہیثمی کا قول ہے کہ وضو اس امت کی خصوصیت ضرور ہے مگر صرف دوسری امتوں کے مقابلہ میں نہ کہ دوسرے نبیوں کے مقابلے میں

علامہ ابن عبد البرؒ کہتے ہیں: ایک کمزور قول ہے کہ دوسری تمام ہی امتیں وضو کیا کرتی تھیں مگر میں تحقیق سے یہ بات نہیں جانتا۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ہماری امت کی جو چیز خصوصیت ہے وہ یا تو وضو کی وہ خاص کیفیت ہے جو (اسلام نے پیش کی ہے) اور یا وضو کے نتیجہ میں قیامت کے دن ان اعضاء کا چمکنا ہے۔ یہاں تک علامہ ابن حجرؒ کا کلام ہے۔

اس سب تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو کی یہ مخصوص کیفیت جس میں مثلاً "وضو کی ترتیب بھی داخل ہے۔ یہ بھی یقینی خصوصیت نہیں ہے بلکہ احتمالی قسم کی ہے کیونکہ جو حدیث پیچھے بیان ہوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وضو کر کے فرمایا کہ۔ یہ تم سے پچھلے امتوں کی وضو ہ۔ اس میں (صرف اسی بات کی طرف اشارہ نہیں ہے کہ ایک دفعہ ہر عضو کو دھونا پچھلی امتوں کی وضو ہے بلکہ اس میں) وضو کی اسی خاص ترتیب کی طرف بھی اشارہ ہے (جس کے مطابق آپ نے وضو کر کے دکھائی تھی یعنی پہلے منہ دھونا پھر ہاتھ دھونا پھر مسح

کرنا اور پھر پیر دھوتا) چنانچہ ہمارے ائمہ نے وضو کی ترتیب کو اسی بنیاد پر واجب قرار دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ نے ہمیشہ ترتیب کے مطابق ہی وضو کی ہے۔ کیونکہ اگر اس ترتیب کو چھوڑنا جائز ہوتا تو آنحضرت ﷺ کبھی کبھی اس کو چھوڑتے (لیکن آپ نے ہمیشہ اس کی پابندی کی جس سے ترتیب کا واجب ہونا ضروری ہوا)۔

بعض حضرات نے اس بات پر اعتراض کیا ہے کہ تمام صحابہ نے باتفاق وضو کی اس ترتیب کی پابندی کی ہے وہ دلیل میں یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ نے بالکل اسی طرح وضو کر کے دکھائی جیسے آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے چناچنہ انہوں نے وضو شروع کی تو پہلے منہ دھویا پھر ہاتھ دھوئے پھر پیر دھوئے اور اس کے بعد سر کا مسح کیا (جبکہ سر کا مسح ہاتھوں کے دھونے کے بعد اور پیروں کے دھونے سے پہلے کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام صحابہ نے آنحضرت ﷺ کو ایک ہی ترتیب کی پابندی کے ساتھ وضو کرتے نہیں دیکھا تھا بلکہ آپ نے اس ترتیب کو چھوڑا بھی ہے جسے حضرت ابن عباسؓ نے دیکھا اور انہوں نے اسی کے مطابق آنحضرت ﷺ کی وضو کا طریقہ دوسروں کو بتلایا)

اس اعتراض کے دو جواب دیئے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ روایت کمزور ہے (جس پر بھروسہ کر کے مسئلہ نہیں نکالا جاسکتا اور دوسرے یہ کہ) اگر اس کو درست بھی مان لیا جائے تو اس میں امکان ہے کہ شاید حضرت ابن عباسؓ وضو کرتے وقت سر کا مسح کرنا بھول گئے ہوں اور پھر پیر دھونے کے بعد انہیں یاد آیا ہو تو انہوں نے سر کا مسح کر کے پھر دوبارہ پیر دھوئے ہوں۔ (لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ اگر یاد آنے پر حضرت ابن عباسؓ نے مسح کر کے پھر دوبارہ پیر دھوئے ہوتے تو روایت میں یا تو صحیح تریب ہی ذکر کی گئی ہوتی اور یا یہی ذکر ہوتا کہ پیر دھونے کے بعد جب مسح یاد آیا تو انہوں نے مسح کر کے دوبارہ اس کے بعد پیر دھوئے مگر) اس سلسلے میں امکان ہے کہ راوی کو اس کا علم نہ ہوا ہو کہ حضرت ابن عباسؓ نے دوبارہ پیر دھوئے تھے (تاکہ وضو کی صحیح ترتیب پوری ہو جائے)۔

<u>تورات میں اس امت کی ایک اور نشانی</u>...... (غرض اس کے بعد پھر ان نشانیوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو اس امت کے متعلق تورات میں ذکر ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ) تورات میں آنحضرت ﷺ کی امت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ذکر ہے کہ

"ان کی یعنی مسلمانوں کی مسجدوں میں ان (کے ذکر و شغل اور تسبیحات پڑھنے) کی گونج اس طرح آیا کرے گی جیسا کہ شہد کی مکھیوں کے مہال کے گزرنے پر اس کی گونج سنائی دیتی ہے۔"

ایک روایت میں اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ:۔

"راتوں میں آسمان کی فضا میں ان کی آوازیں اس طرح ابھرا کریں گی جیسا کہ شہد کی مکھیوں کے مہال کی گونج ہوتی ہے۔ راتوں میں وہ یعنی آنحضرت ﷺ کے امتی عابد و زاہد ہوں گے اور دنوں میں وہ شیروں کی طرح بہادر مجاہد ہوں گے۔ (اور اللہ تعالیٰ ان پر اتنا مہربان ہوگا کہ) اگر ان میں سے کسی نے کوئی نیکی کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر اسے نہیں کرسکا تو (صرف ارادہ ہی کرنے پر اس کے نامہ اعمال میں) اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر اس نے وہ نیکی کرلی تو اس ایک کے بدلے میں اس کے نام پر دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اسی طرح اگر ان میں سے کسی نے کوئی برائی کرنے کا ارادہ کیا اور پھر اس کو نہیں کیا تو اس کے نام پر کوئی برائی نہیں لکھی جائے

گی اور اس برائی کو کر گزرا تو ایک ہی برائی لکھی جائے گی۔ وہ لوگ نیک کاموں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے دنیا کو روکیں گے۔ وہ لوگ اولیں کتاب پر ایمان لائیں گے۔ (ی) اس سے مراد یا تو تورات ہی ہے جو سب سے پہلی آسمانی کتاب ہے اور یا پچھلی سب کتابیں مراد ہیں۔ اور آخری کتاب یعنی قرآن عظیم پر ایمان لائیں گے۔"

اس امت کی تعریف میں عیسیٰؑ سے حق تعالیٰ کا ارشاد...... امام احمد وغیرہ نے صحیح سند کے ساتھ ایک روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ سے فرمایا

اے عیسیٰؑ! میں تیرے بعد ایک نبی بھیجنے والا ہوں جس کی امت ایسی ہوگی کہ اگر ان کو ایسی چیزیں حاصل ہوں گی جو ان کو محبوب اور پسندیدہ ہیں تو وہ حمد اور شکر کریں گے اور اگر ایسی باتیں پیش آئیں گی جو ان کو ناپسند اور ناگوار ہیں تو وہ صبر کریں گے اور اپنے اعمال کا جائزہ لیں گے حالانکہ نہ علم ہی باقی ہوگا اور نہ حلم یعنی مروت اور نرمی باقی ہوگی۔"

عیسیٰؑ نے پوچھا

"یہ کیسے ہوگا جبکہ علم اور حلم نہیں ہوگا۔"

حق تعالیٰ نے فرمایا

"اس طرح کہ میں ان کو اپنے حلم اور علم میں سے حصہ دوں گا۔"

اب گویا علم اور حلم باقی نہ رہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے پاس علم اور حلم مکمل نہیں ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے علم اور حلم میں سے دے کر ان کے علم اور حلم کو مکمل فرمادے گا۔

اسی طرح بعض علماء کے اس قول سے اشارہ ملتا ہے کہ

"علم اور حلم کو اللہ تعالیٰ نے سب امتوں پر تقسیم فرمایا تھا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اخلاق کو تمہارے درمیان تقسیم فرمایا۔ تو یہ امت آخری امت ہے اور علم اور حلم میں سے پیس کر تقسیم کیا گیا تھا آخری امت کو بہت تھوڑا سا حصہ ملا جب کہ اس کے ساتھ ہی ان کی عمریں بھی تھوڑی رکھی گئی تھیں (کہ لمبی عمر تک عبادت کر کے بھی یہ اس کمی کو پورا نہیں کر سکتے تھے) اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور اپنے حلم میں سے ان کو بخشش عطا فرمائی۔"

ایک حدیث میں آتا ہے کہ تورات میں اس امت کے لوگوں کو صفوۃ الرحمٰن یعنی اللہ تعالیٰ کے دوست کہہ کر پکارا گیا ہے۔ انجیل میں ان لوگوں کو یہ کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ایسے حلیم و بردبار، علماء، پاکباز اور پرہیزگار ہوں گے جو دین کی سمجھ میں انبیاء کی طرح ہوں گے۔

طبرانی میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت کعب احبار سے پوچھا۔

"تورات میں میرا ذکر کس انداز میں ہے۔"

انہوں نے کہا (آپ کے بارے میں تورات میں یہ ذکر ہے کہ)۔

"وہ لوہے کے سینگ والے خلیفہ ہوں گے اور ایسے سخت امیر ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے یعنی دین کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔"

ایک روایت کے مطابق حضرت کعب احبار نے اپنے جواب میں تورات کا یہ حوالہ بھی دیا تھا کہ

"پھر آپ کے بعد جو خلیفہ ہوں گے ان کو ظالموں کی ایک جماعت قتل کر دے گی اور اس کے بعد سے

ہی فتنوں اور فساد کا دور شروع ہو جائے گا۔"

شعیاءؑ کے صحیفوں میں آنحضرت ﷺ کا ذکر...... حضرت شعیاءؑ کے صحیفوں میں بھی آنحضرت ﷺ (کا تذکرہ آیا ہے اور وہاں آپ) کا نام رُکن المتواضعین ذکر کیا گیا ہے (جس کا مطلب ہے کہ آپ تواضع اور انکسار پسند لوگوں میں سب سے بلند اور اونچے درجہ کے مالک ہیں) ان ہی صحیفوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ۔

میں ایک امی یعنی ان پڑھ نبی بھیجنے والا ہوں جس کے ذریعہ میں بہرے کانوں، بند دلوں اور اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا وہ نبی مکے میں پیدا ہو گا، اس کی ہجرت گاہ طیبہ یعنی مدینہ ہو گی اور اس کی سلطنت ملک شام ہو گی۔ وہ نبی مومنوں کے حق میں بے انتہا نرم اور رحیم ہو گا یہاں تک کہ اس کا دل ان جانوروں تک کے لئے روئے گا جن کو زیادہ بوجھ سے لاد دیا جاتا ہے اور ان یتیم بچوں کے لئے بھی درد و محبت سے بھر جائے گا جو اپنی بیوہ ماؤں کی گودوں میں ہوں گے، وہ اس قدر نرم مزاج اور سبک رفتار ہو گا کہ اگر چراغ کے برابر سے بھی گزرے گا تو اس طرح کہ وہ دامن کی ہوا سے گل نہ ہو جائے (کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو سراج منیر یعنی ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا تھا اور آپ روشنی پھیلانے کے لئے آئے تھے نہ کہ اندھیرا پھیلانے اس لئے آپ کا یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ آپ اپنی چال ڈھال میں بھی اس قدر نرم تھے کہ اس کے ذریعہ غیر اختیاری طور پر بھی کوئی ایسی بات نہیں پیش آتی تھی جو دنیا میں آپ کی تشریف آوری کے اصل مقصد کے خلاف ہو، یہاں تک کہ اگر آپ سوکھی لکڑیوں اور ٹہنیوں پر سے بھی گزرتے تھے تو آپ کے قدم اس قدر ہلکے ہوتے تھے کہ ان میں سے چرچراہٹ کی آواز تک نہیں نکلتی تھی۔"

اس کے بعد روایت کا بقیہ حصہ غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس روایت کو علامہ جلال سیوطیؒ نے اپنی کتاب خصائص کبری میں نقل کیا ہے۔

شعیاءؑ کے مختصر حالات...... یہ حضرت شعیاءؑ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے بعد اور حضرت زکریا و حضرت یحییٰؑ سے پہلے ہوئے ہیں۔ جب انہوں نے بنی اسرائیل کو ان کی سرکشی اور گناہوں سے روکا تو وہ سب ان کی جان کے دشمن بن گئے اور ان کو قتل کرنے کے لئے ان کی تلاش میں نکلے حضرت شعیاء ان لوگوں سے بچنے کے لئے وہاں سے بھاگے (جبکہ ان کے دشمن ان کا پیچھا کر رہے تھے) یہاں تک کہ راستے میں خدا کی قدرت سے اچانک ان کے لئے ایک درخت کا تنا پھٹ کر کھل گیا اور وہ اس میں داخل ہو گئے مگر اسی وقت شیطان ان تک پہنچ چکا تھا جیسے ہی حضرت شعیاء درخت کے تنے میں داخل ہوئے شیطان نے ان کے کرتے کا دامن پکڑ لیا (حضرت شعیاء کے اندر داخل ہوتے ہی درخت کا تنا بند ہو کر اپنی اصلی حالت پر آگیا مگر) ان کے کپڑے کا کچھ حصہ باہر نکلا رہ گیا جب لوگوں نے یہ دیکھا تو وہ فوراً آرہ لے کر آئے اور انہوں نے درخت کے تنے کو آری کے ذریعہ بیچ میں سے کاٹ کر دو کر دیا جس کے ساتھ حضرت شعیاء کے جسم مبارک کے بھی دو حصے ہوگئے (اور وہ شہید ہوگئے)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ (پ ا سورہ بقرہ ع ۱۰)۔ آیت ۸۷

ترجمہ:۔ اور پھر ان کے بعد یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجتے رہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے جن سات نبیوں کے متعلق اشارہ فرمایا ہے حضرت شعیاء بھی ان میں

شامل ہیں اور ان سات پیغمبروں میں یہ تیسرے نمبر پر ہیں۔ حضرت شعیاء نے حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کے متعلق بشارت و خوشخبری بھی دی ہے۔ ان سے جب بیت المقدس نے فریاد کی تھی کہ وہ ویرانہ بنتا جارہا ہے اور لوگ اس میں گندگی ڈالنے لگے ہیں تو حضرت شعیاء نے بیت المقدس کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

"خوش خبری سن لے۔ تیرے پاس ایک گدھے سوار۔ مراد ہیں عیسیٰؑ۔ اور ایک اونٹ سوار۔ مراد ہیں آنحضرت ﷺ۔ آنے والے ہیں۔"

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی صفات میں پچھلے صفحوں میں بیان ہوا ہے کہ آپ گدھے اور اونٹ دونوں سواری فرمایا کریں گے۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ممکن ہے عیسیٰؑ ہمیشہ صرف گدھے پر ہی سوار ہوئے ہوں جبکہ آنحضرت دونوں جانوروں پر سوار ہوتے رہے ہوں لیکن گدھے پر کم اور اونٹ پر زیادہ۔ روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

ان ہی سات پیغمبروں میں سے جن کے متعلق قرآن پاک کی اس گذشتہ آیت میں اشارہ کیا گیا ہے ایک حضرت ارمیاءؑ بھی ہیں۔ ان کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ یہی حضرت خضرؑ ہیں۔ واللہ اعلم

زبور میں آنحضرت ﷺ کے نام...... زبور میں آنحضرت ﷺ کا نام حاط حاط اور فلاح ذکر کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے وہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ باطل کو مٹاتا ہے۔ اسی طرح زبور میں آپ کو فارق اور فاروق بھی کہا گیا ہے یعنی حق اور باطل میں فرق کرنے والا۔ یہی معنی فارقلیط اور بارقلیط کے بھی ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ فارقلیط کے معنی ہیں وہ جو پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہوں۔

کتاب ینبوع میں ہے کہ یہ ان لفظوں میں سے ہے جن کو عیسائیوں نے اپنی مرضی کے مطابق معنی پہنادیئے ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق ان کا ترجمہ کیا ہے۔ حضرت مسیحؑ نے ایک دفعہ فرمایا تھا۔

"میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمہارے لئے ایک اور بارقلیط ظاہر فرمائے جو ہمیشہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔ جو تمہیں سب چیزیں بتلائے گا اور پوشیدہ باتوں اور رازوں کو تمہارے سامنے کھول دے گا اور وہ میری بھی اسی طرح گواہی دے گا جیسے میں نے اس کی گواہی دی ہے اور وہ خاتم النبین یعنی آخری پیغمبر ہو گا۔"

اب جہاں تک حضرت عیسیٰؑ کی برات اور ان کی نبوت کی گواہی دینے کا معاملہ ہے تو وہ ظاہر ہے کہ ان کے بعد آنحضرت ﷺ نے ہی فرمائی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا اپنے متعلق ارشاد...... کتاب در منظم کے مصنف نے اپنی سند سے ایک روایت نقل کی ہے۔

کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا۔

"اے عمر! کیا تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں وہ ہوں جس کو تورات میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کے لئے بھیجا انجیل میں عیسیٰؑ کے لئے بھیجا اور زبور میں داؤدؑ کے لئے ظاہر فرمایا۔ اور یہ بات بڑائی کی خاطر نہیں ہے۔"

یعنی میں یہ شکر کسی فخر و غرور کے جذبے سے نہیں کررہا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بیان کرنے کے لئے کررہا ہوں (اس کے بعد آپ نے فرمایا)۔ "اے عمر! کیا تم جانتے ہو میں کون ہوں۔ میں وہ ہوں جس کا نام تورات میں اَحید ہے، انجیل میں بارقلیط ہے، زبور میں حِماط ہے اور ابراہیمؑ کے صحیفوں میں طاب طاب ہے۔

اور یہ میں فخر کے لئے بیان نہیں کر رہا ہوں۔"

کتاب شفاء صدور کے مصنف نے آنحضرت ﷺ کے فضائل میں ایک روایت بیان کی ہے جس کو مقاتل ابن سلیمان نے بیان کیا ہے کہ

میں نے زبور میں یہ لکھا ہوا پایا۔

اِنِّي اَنَا اللّٰه، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلِيْ

ترجمہ :۔ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ میرے رسول ہیں۔

اسی طرح حضرت داؤدؑ کے نغموں میں آپ کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ

"آپ ان کمزوروں کی مدد فرمائیں گے جن کا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور غریبوں اور مسکینوں پر رحم کھائیں گے۔ آپ کے اوپر اللہ تعالیٰ ہر وقت برکتیں نازل فرمائے گا اور آپ کا ذکر سدا باقی رہے گا۔"

اسی طرح داؤدؑ کے نغموں (یعنی زبور) میں آپ کو جبار کے لفظ سے بھی یاد کیا گیا ہے اور یہ ذکر ہے کہ

"اے جبار! اپنی تلوار کو گلے میں حمائل کر لے۔"

(یہاں آنحضرت ﷺ کو زبور میں جبار کہا گیا ہے جبکہ دوسری طرف قرآن پاک میں صاف طور پر اسی بات سے انکار کیا گیا ہے بلکہ آپ کو رحمت عالم قرار دیا گیا ہے) اس لئے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ پ ۲۶ سورہ ق ع ۷ آیۃ ۴۵

ترجمہ :۔ اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔

مگر اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ (جبار کے معنی دو طرف کئے جاسکتے ہیں) زبور میں جہاں جبار کا لفظ آیا ہے اس کا مطلب ہے وہ جو مخلوق کو حق کی طرف لانے میں جبر و سختی کرے اور قرآن پاک میں جہاں آپ کے جبار ہونے کا انکار کیا گیا ہے وہاں جبار کے معنی ہیں متکبر اور مغرور و سرکش انسان (اور یہ دونوں باتیں واقعہ کے لحاظ سے بالکل درست ہیں کہ آپ مخلوق کو سیدھی راہ پر لانے کے معاملے میں سخت بھی تھے جب کہ اس کے ساتھ ہی آپ انتہائی نرم مزاج اور ایسی ملائم طبیعت کے مالک تھے کہ آپ میں غرور و تکبر کا نام و نشان بھی نہیں تھا)۔

اسی طرح حضرت داؤدؑ کے نغمات میں آپ ﷺ کا اس طرح بھی ذکر ہے کہ

"اے داؤد! تیرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد ﷺ اور محمد ﷺ ہوگا جو سچا اور راست باز ہوگا جس پر میں کبھی غضبناک نہیں ہوں گا اور جو کبھی میرے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ اور اس کے میرے حکموں کی خلاف ورزی کرنے سے پہلے ہی میں اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر چکا ہوں۔"

<u>آنحضرت ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہونے کا مطلب</u>...... (یہاں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کبھی کوئی گناہ نہ کریں گے اور دوسرے یہ کہ آپ ﷺ کے گناہ کرنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما چکے ہیں۔ اس دوسرے جملے سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ سے نعوذ باللہ گناہ سرزد ہوں گے) مگر اس شبہ کا جواب اول تو یہ ہے کہ اگر بفرض آپ سے گناہ سرزد ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ معاف فرما چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ گناہ سے مراد یہاں حقیقی گناہ نہیں ہے بلکہ افضل کام کو چھوڑ کر صرف جائز

کام کو کرلینا ہے کیونکہ ایک اصول یہ ہے کہ

حَسَنَاتُ الاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْن

ترجمہ :۔وہ کام جو عام نیک لوگوں کے حق میں اچھائیاں شمار ہوتی ہیں انتہائی مقرب لوگوں کے حق میں گناہ کے درجہ میں آجاتی ہے۔

تشریح...... (یعنی۔ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔جو شخص جتنا زیادہ قریب ہوتا ہے اس سے اتنی ہی زیادہ محبت اور تعلق نیز قربانی کی امید کی جاتی ہے۔ایک عام آدمی کوئی معمولی سا اچھا کام کرتا ہے تو وہ بہت بڑی قیمت رکھتا ہے لیکن ایک خاص آدمی جس سے اس سے بھی زیادہ کی توقع کی جاتی ہو اگر وہ معمولی نیکی کرتا ہے اور اس سے بڑے درجہ کی نیکی کو چھوڑ دیتا ہے تو اگرچہ وہ بھی نیکی ہی ہے جو اس نے کی مگر اس کے مرتبے کے لحاظ سے کم ہے اس لئے وہ بجائے خوشنودی کے افسوس کا سبب بن جاتی ہے۔چنانچہ انبیاء اور پیغمبر حضرات جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور انتہائی مقرب حضرات ہیں ہمیشہ وہ کام کرتے ہیں جو صرف اچھے ہی نہیں ہوتے بلکہ نیک کاموں میں بھی افضل اور اعلیٰ ترین ہوتے ہیں کیونکہ ان کے مرتبے کے لحاظ سے ان سے ایسے ہی کاموں کی توقع اور امید کی جاتی ہے۔ معمولی درجہ کی نیکیاں ان کے حق میں گناہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ تو انبیاء سے اگر کبھی کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو وہ گناہ کے درجہ کی ہرگز نہیں ہوتی کیونکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ گناہوں سے حفاظت فرماتا ہے ان حضرات کی لغزش سے مراد یہی ہے کہ افضل چیز یا کام کے مقابلے میں غیر افضل کام پر عمل کر لیا جو اگرچہ نیکی ہے مگر اس درجہ کی نہیں ہے جس کی ایسے مقرب اور خاص حضرات سے امید کی جاتی ہے چنانچہ ایسی ہی لغزش پر ان حضرات کی پکڑ ہو جاتی ہے جبکہ وہی کام اگر کوئی عام آدمی کرے تو اس کو اس پر انعام دیا جاتا ہے کیونکہ اس سے اتنی نیکی کا عمل بھی بہت ہے تو گویا عام نیک آدمی کے مقام اور درجے کے لحاظ سے جو کام نیکی میں شمار ہوتا ہے وہ اکثر مقرب اور خاص بندوں کے مقام کے اعتبار سے ان کے حق میں برائی شمار ہوتا ہے کیونکہ ان کا مقام بے حد بلند اور ان کی شان بہت اونچی ہے۔ تشریح ختم)۔

(غرض اس کے بعد زبور کے نغمات میں آپ ﷺ کے متعلق جو ذکر چل رہا ہے اس کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہیں کہ)۔

"اس نبی کی امت مرحومہ یعنی ایسی ہوگی جس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں ہوں گی۔وہ لوگ قیامت کے دن اس طرح اٹھیں گے کہ ان کا نور پیغمبروں کے نور کی طرح جگمگاتا ہوگا۔"

حضرت داؤدؑ کے بعض نغمات میں یہ فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ صیہون یعنی مکے سے ایک قابل تعریف اکلیل یعنی امام اور سردار ظاہر فرمائے گا۔ جو محمد ﷺ ہوں گے۔

شیثؑ کے صحیفوں میں آپ نام...... حضرت شیثؑ کے صحیفوں میں آپ کو اخوناخ کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں صحیح اسلام والا شخص۔

(حضرت داؤدؑ کے لغموں میں آنحضرت ﷺ کے تذکرے کے متعلق مختلف روایتیں گذری ہیں جن میں آپ کو مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داؤدؑ کے نغمات کے جو نسخے دستیاب تھے وہ مختلف ہیں جن میں کمی بیشی ہے۔

ابراہیمؑ کے صحیفوں میں آپ کا نام...... حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں میں آپ کو یوذ موذ کے نام سے یاد کیا گیا۔ مگر ایک قول یہ ہے کہ یہ نام تورات میں ذکر ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ یہی لفظ دونوں میں استعمال کیا گیا ہو۔ مگر پیچھے یہ بیان ہوا ہے کہ ابراہیمؑ کے صحیفوں میں آپ کا نام طاب طاب ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے آپ کے یہ دونوں وصف اور نام ان دونوں صیفوں میں ذکر کئے گئے ہوں۔

شعیبؑ کی کتاب میں آپ کا ذکر...... حضرت شعیبؑ کی کتاب میں یہ ہے کہ

"میرا وہ بندہ جس کی شان مضبوط ہو گی میں اس پر اپنی وحی نازل کروں گا جو دنیا کی قوموں میں میرے انصاف کا بول بالا کرے گا اور جو کبھی بلند آواز سے نہیں ہنسے گا۔"

آنحضرت ﷺ کبھی بلند آواز سے یا قہقہہ مار کر نہیں ہنستے تھے بلکہ اگر کسی بات پر زیادہ خوش ہوتے تھے تو آپ اتنا مسکراتے کہ آپ ﷺ کے دانت نظر آئے لگتے تھے) اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ آوازوں میں آپ کی آواز کبھی بلند نہیں ہوتی تھی کیونکہ آپ کی ہنسی ایک تبسم اور مسکراہٹ سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔ (غرض اس کے بعد شعیبؑ کی کتاب میں ہے کہ)۔

"وہ اندھی اور کور آنکھوں کو کھول دے گا، بہرے کانوں میں اپنی آواز پہنچا دے گا اور مردہ دلوں کو زندگی دے گا (مراد ہیں ایسے سرکش اور سر پھرے لوگ جو کبھی سچائی کی طرف توجہ نہیں دیتے اور جو ہمیشہ حق کی طرف سے اندھے بہرے اور بے تعلق رہتے ہیں آنحضرت ﷺ ان کو بھی اپنی سچائی کی آواز اور حق کی صدا پہنچادیں گے جس سے ان کے مردہ دلوں میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑ جائے گی)۔ اور میں اس کو جو کچھ دوں گا وہ کسی اور کو نہیں دوں گا۔"

اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ

"وہ بڑے روشن چہرے والا ہو گا اور ایسے نئے نئے طریقوں سے اللہ کی حمد بیان کرے گا کہ اس سے پہلے کبھی کسی نے اس طرح نہیں کی۔ وہ زمین کی وسطی علاقے سے ظاہر ہو گا۔ مراد ہے غالباً "مکہ۔ اس کے ذریعہ سے ملک عرب کو خوشی و مسرت حاصل ہو گی۔ وہ تواضع وانکسار پسند لوگوں کا سر تاج ہے۔ وہ اللہ کا نور ہو گا کہ اس کی طاقت کی روشنی اس کے مونڈھے پر کبھی مدھم نہیں ہو گی۔"

یہاں ملک عرب کے لئے بریہ وشکا نہا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ آپ کے مونڈھے پر آپ کی طاقت سے مراد مہر نبوت ہے کیونکہ وہ مہر نبوت آپ کی نبوت کی علامت اور دلیل ہے۔

دوسرے آسمانی صحیفوں میں آپ کا تذکرہ...... ابن ظفر نے بیان کیا ہے کہ بعض آسمانی کتابوں میں یہ ذکر ہے کہ:

"میں ان پڑھ لوگوں میں سے ایک رسول بھیجنے والا ہوں جس کو میں ہر خوبی سے آراستہ کروں گا اور تمام نیک اخلاق سے مزین کروں گا، میں حکمت و دانائی کو اس کی زبان اور گفتگو بناؤں گا، سچائی اور وفا کو اس کی گھٹی میں ڈالوں گا، معاف کرنے اور احسان کرنے کو اس کی طبیعت بناؤں گا، حق کو اس کی شریعت بناؤں گا انصاف کو اس کی سیرت و مزاج بناؤں گا، اسلام کو اس کی ملت بناؤں گا، میں اس کے ذریعہ پست لوگوں کو اونچا کروں گا اور گمراہوں کو ہدایت دوں گا، میں اس کے ذریعہ پھوٹ پڑے ہوئے دلوں اور مختلف ذہن رکھنے والے لوگوں کو ایک کردوں گا اور اس کی امت کو میں بہترین امت بناؤں گا۔"

پتھروں وغیرہ پر آنحضرت ﷺ کے نام کا قدرتی نقش

ایسی بہت سی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نام نامی یعنی لفظ محمد پتھروں، درختوں کے پتوں اور جانوروں وغیرہ کے اوپر قدرتی طور پر نقش پایا گیا۔ چنانچہ حضرت جابر ابن عبداللہؓ سے ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

سلیمانؑ کے نگین انگشتری میں کلمہ کا نقش...... حضرت سلیمان ابن داؤدؑ کی انگوٹھی پر جو نقش تھا وہ یہ تھا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

(قال) یہاں انگوٹھی سے مراد اس کا نگینہ ہے چنانچہ حضرت عبادہ ابن صامتؓ ایک مرفوع[1] حدیث بیان کرتے ہیں کہ

حرصت سلیمانؑ کی انگوٹھی کا نگین آسمان سے بھیجا گیا تھا۔ (ی) یعنی خاص طور پر ان کے لئے آسمان سے اتارا گیا تھا جس کو سلیمانؑ نے اپنی انگوٹھی میں جڑوالیا تھا۔ (ی) اسی انگوٹھی کے ذریعہ وہ اپنی سلطنت کے انتظامات کرتے تھے۔ اسی نگین پر یہ کلمہ نقش تھا۔ "میں اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے محمد ﷺ میرے بندے اور رسول ہیں"

اب اس روایت کے بعد گذشتہ وہ روایت جو حضرت جابرؓ سے نقل کی گئی ہے اور وہ جو آگے بیان ہونے والی ہے ایک دوسرے سے مختلف ہو گئیں (کیونکہ گذشتہ روایت میں اور آگے آنے والی روایت میں اس نگین پر نقش عبارت کے الفاظ دوسرے ہیں) اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ شاید ان میں سے ایک روایت میں بعینہ اصل[2] الفاظ نقل کئے گئے ہیں اور دوسری روایتوں میں عبارت کے اصل الفاظ نقل کرنے کے بجائے اس کا مفہوم اور مطلب نقل کیا گیا ہے۔

حضرت سلیمانؑ جب بیت الخلاء میں جاتے یا اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری کرتے تو اس وقت اس انگوٹھی کو اتار دیا کرتے تھے مگر جب کبھی وہ اس انگوٹھی کو پہنے ہوئے نہیں ہوتے تھے تو ہمیشہ رعایا اور سلطنت کے معاملات میں ان کو دشواریوں کا سامنا ہوتا رہتا تھا اور اس کے پہننے کی حالت میں ان کو جو سکون اور اطمینان خاطر حاصل رہتا وہ اس انگوٹھی کے انگلی میں نہ ہونے کی صورت میں نہیں ہوتا تھا۔

کتاب انس جلیل میں ہے کہ سلیمانؑ کی انگھوٹھی پر یہ کلمہ نقش تھا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ مُحَمَّدٌ عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ

ترجمہ:۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے جو تنہا ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

---

[1] حدیث مرفوع کا مطلب ہے جس کی سند براہ راست آنحضرت ﷺ تک پہنچتی ہو اس کی تفصیلی تعریف سیرت حلبیہ اردو جلد اول میں گزر چکی ہے۔

[2] جس روایت میں اصل الفاظ نقل کئے گئے ہوں اس کو محدثین کی اصطلاح میں روایت بالالفاظ کہتے ہیں اور جس روایت میں اصل الفاظ کے بجائے صرف مفہوم اور مطلب بیان کیا گیا ہو اس کو روایت بالمعنی کہتے ہیں۔ مرتب

اسی طرح بعض پرانے پتھروں پر یہ عبارت نقش پائی گئی کہ۔ محمد ﷺ پرہیزگار، مصلح، سردار اور امانت دار ہیں۔"

ملک مغرب یعنی مراقش کے شہر قرطبہ کی جامع مسجد میں ایک پتھر ہے جس پر قدرت کی طرف سے لفظ "محمد" نقش ہے

دعاء آدمؑ اور آنخضرت ﷺ کے طفیل کا واسطہ...... حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ آنخضرت ﷺ نے فرمایا۔

"جب آدمؑ سے وہ غلطی سرزد ہو گئی (جس کی سزا میں ان کو جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا) تو انہوں نے اس طرح دعا کی تھی۔ "اے اللہ! میں تجھ سے محمد ﷺ کے طفیل اور صدقے میں درخواست کرتا ہوں کہ میرا گناہ معاف فرمادے۔"

حق تعالیٰ نے فرمایا

"تم نے محمد کو کیسے پہچانا۔" اور کتاب وفا کی روایت کے الفاظ کے مطابق حق تعالیٰ نے یہ فرمایا۔

"محمد کیا ہیں اور محمد کون ہیں۔"

آدمؑ نے عرض کیا

"جو آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنایا اور مجھ میں روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا۔ اس وقت میں نے عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ۔ اس سے میں نے سمجھا کہ آپ اپنے نام کے ساتھ اسی ذات کے نام کا اضافہ فرمائیں گے جو آپ کو مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہو۔"

حق تعالیٰ نے فرمایا۔

"تو نے سچ کہا آدم! اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔"

اس بارے میں شفاء میں جو روایت ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آدمؑ نے فرمایا۔

"جب تو نے مجھے تخلیق فرمایا تو میں نے تیرے عرش کی طرف سر اٹھایا اور میں نے وہاں یہ لکھا ہوا دیکھا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس سے میں نے یہ جان لیا کہ اس ذات سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ تجھے اپنی مخلوق میں اور کوئی نہیں جس کے نام کو تو نے اپنے نام کے ساتھ جگہ دی۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے پاس وحی بھیجی جس میں یہ فرمایا کہ

"میری عزت اور میرے جلال کی قسم کہ وہ تیری نسل میں آخری پیغمبر ہوں گے اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔"

کتاب وفا میں حضرت میسرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنخضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! آپ ﷺ کس وقت نبی بنے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا

"جب کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان کو ہموار کر کے سات آسمان بنائے اور عرش کو بنایا تو اس کے ستون پر یہ لکھا کہ محمد اللہ کا رسول ہے اور آخری پیغمبر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو بنایا جس میں آدم و حواؑ کو بسایا تو اس کے دروازوں، درختوں کے پتوں اور در و دیوار اور خیموں پر میرا نام لکھا۔ (ی) جس کے

ساتھ آپ کی نبوت کی صفت ذکر کی گئی تھی۔ یا پھر وہ صفت ذکر کی گئی تھی جو اس سے زیادہ خاص صفت تھی یعنی رسالت جیسا کہ مشہور قول بھی یہی ہے (غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا بقیہ حصہ ہے کہ)۔ حالانکہ آدمؑ اس وقت تک جسم اور روح کے رشتے کے درمیان درمیان میں ہی تھے۔ (ی) اس وقت تک ان کے جسم خاکی میں روح نہیں پھونکی گئی تھی۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو زندگی دی اور انہوں نے عرش کی طرف دیکھا تو انہوں نے وہاں میرا نام لکھا ہوا پایا تب اللہ تعالیٰ نے ان کو بتلایا کہ یہ یعنی محمد تمہاری اولاد کے سردار ہیں۔"

چنانچہ اس کے بعد جب شیطان نے آدم و حواء کو ورغلایا اور اس کے بعد ان دونوں نے توبہ کی تو انہوں نے میرے نام کے ذریعہ حق تعالیٰ کو توبہ کی سفارش پیش کی۔"

(ی) تو گویا آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے وجود سے بھی پہلے نبوت سے آراستہ فرمایا تھا۔

سب سے افضل انسان کے متعلق آدمؑ کی اولاد میں بحث...... اسی سلسلے میں حضرت سعید ابن جبیرؓ سے ایک روایت ہے کہ آدمؑ کی اولاد میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کو کون سب سے زیادہ عزیز ہے۔ بعض نے کہا۔

"آدمؑ سب سے زیادہ عزیز ہیں اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنے فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا۔"

کچھ دوسروں نے کہا

"نہیں ملائکہ یعنی فرشتے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو عزیز ہیں اس لئے کہ وہ مخلوق کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتی۔"

آدمؑ کا فیصلہ...... آخر فیصلے کے لئے انہوں نے یہ بات آدمؑ کے سامنے رکھی۔ آدمؑ نے فرمایا۔

"جب مجھ میں روح پھونکی گئی تو ابھی میرے پیروں تک بھی نہیں پہنچی تھی کہ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسی وقت عرش الٰہی بجلی کی طرح میری آنکھوں میں چمکا۔ میں نے اس کو دیکھا کہ وہاں یہ لکھا ہوا تھا۔ محمد رسول اللہ تو وہی اللہ عزوجل کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ عزیز اور پیارے ہیں۔"

ایک قول ہے کہ آدمؑ کے دو لقب تھے ایک "ابو محمد" اور ایک "ابو البشر" (یعنی محمد ﷺ کے باپ یا تمام انسانوں کے باپ)۔

اس روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ کو اس لقب یعنی ابو البشر کے لقب سے دنیا میں پکارا جاتا تھا جبکہ یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ "ابو محمد" کے لقب سے ان کو جنت میں یاد کیا جاتا تھا۔

اسی طرح حضرت عمر ابن خطابؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ حضرت کعب احبار سے فرمایا"

"آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے پہلے آپ کے جو فضائل بیان ہوتے رہے) ہمیں ان کے متعلق کچھ بتلایئے۔"

حضرت کعب نے فرمایا۔

"ضرور اے امیر المومنین! میں نے (تورات میں) پڑھا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیلؑ کو ایک پتھر ملا

جس پر چار سطریں لکھی ہوئی تھیں۔ پہلی سطر یہ تھی۔

"بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اس لئے میری عبادت و بندگی کرو۔"

دوسری سطر میں یہ لکھا تھا۔

میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ محمد ﷺ میرے رسول ہیں۔ اس کے لئے خوش خبری ہے جو ان پر ایمان لے آیا اور ان کی پیروی کرنے لگا۔"

تیسری سطر میں یہ لکھا ہوا تھا

"میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے حرم میرا ہے اور کعبہ میرا گھر ہے، جو میرے گھر میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔"

مگر تورات میں چوتھی سطر کی عبارت نکال دی گئی ہے۔

__خراسان کے ایک پہاڑ پر آنحضرت ﷺ کے نام کا نقش__......(ی) بعض علماء نے لکھا ہے کہ ۵۴۴ھ میں خراسان میں ایک ایسی زبردست اور خوفناک آندھی آئی کہ جس سے قوم عاد پر عذاب کی شکل میں آنے والی آندھی کا تصور ہوتا تھا یہاں تک کہ آندھی کے نتیجہ میں پہاڑ تک پلٹ گئے (یعنی بڑی بڑی چٹانیں الٹ گئیں) اور وحشی جانور بدحواس ہو کر بھاگنے لگے۔ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ قیامت کا وقت آگیا ہے چنانچہ بہت زور سے کلمہ و استغفار پڑھنے لگے۔ اسی دوران میں اچانک ان کی نظر اٹھی تو انہوں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک زبردست نور اتر رہا ہے اور ان پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر آرہا ہے۔ اسی وقت لوگوں نے وحشی جانوروں کی طرف دیکھا کہ اب وہ (بدحواس ہو کر بھاگنے کی بجائے) اچانک مڑ کر اسی پہاڑ کی طرف جانے لگے جس پر وہ نور اترا تھا۔ اب لوگ بھی جانوروں کے ساتھ ساتھ اسی پہاڑ کی طرف چلے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے ایک پتھر دیکھا جو ایک ہاتھ لمبا تھا اور تین انگل چوڑا تھا۔ اس پتھر پر تین سطریں قدرتی طور پر لکھی ہوئی تھیں۔ پہلی سطر یہ تھی۔

"میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس لئے میری عبادت کرو۔"

دوسری سطر یہ تھی

"محمد ﷺ جو قریشی ہیں اللہ کے رسول ہیں"

تیسری سطر میں یہ تھا

"مغرب میں پیش آنے والے واقعہ سے بچو اس لئے کہ وہ ان سات یا تین میں ہوگا (جو اخیر زمانے کی نشانیوں میں سے ہوں گے۔ مغرب سے مراد یہاں سمت مغرب بھی ہو سکتی ہے اور ملک مراقش بھی ہو سکتا ہے جس کو عام طور پر مغرب کہا جاتا ہے) اور قیامت قریب آچکی ہے۔"

__آسمانوں اور جنتوں میں ہر جگہ آنحضرت ﷺ کے نام کے نقش__......ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

میں تمام آسمانوں میں گھوما، آسمانوں میں میں نے ایسا کوئی مقام نہیں دیکھا جہاں محمد ﷺ کا نام لکھا ہوا نہ ہو۔ نہ ہی مجھے جنت میں کوئی ایسا محل اور کھڑکی نظر آئی جس پر آپ کا نام نامی لکھا ہوا نہ ہو۔ اسی طرح میں نے حضرت ﷺ کا نام حور عین کی گردنوں پر اور جنت میں بانس کے درختوں تک پر لکھا ہوا پایا۔ اسی طرح جنت

میں شجرہ طوبی، سورۃ المنتہی یعنی بیری کے درخت اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان اور ہر پردے میں آپ کا نام لکھا ہو لیا یا۔

مگر بعض محدثین نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

لوح محفوظ میں قلم کی سب سے پہلی تحریر اور آپ ﷺ کا ذکر......ایک قول ہے کہ لوح محفوظ میں (یعنی اس تختی پر جس پر کہ اس عالم کے بنانے سے پہلے یہاں پیش آنے والا چھوٹا اور بڑا ایک ایک واقعہ لکھ دیا گیا ہے اس پر) قلم نے سب سے پہلے جو کلمات لکھے وہ یہ ہیں

بسم الله الرحمن الرحيم . انى انا الله لا اله الا انا محمد رسولى . الخ

ترجمہ :۔ آغاز ہے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ محمد ﷺ میرے رسول ہیں۔ جو شخص میری تقدیر پر راضی رہا اور جس نے میری بھیجی ہوئی سختیوں پر صبر کیا اور جس نے میری بھیجی ہوئی نعمتوں پر شکر ادا کیا اور جو میرے فیصلوں پر سر جھکاتا رہا میں اس کا نام صدیقین (کے بلند مقام میں لکھوں گا اور قیامت کے دن اس کو صدیقین کے ساتھ اٹھاؤں گا۔"

ایک روایت میں یہ ہے کہ لوح محفوظ کے شروع میں یہ کلمات لکھے ہوئے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کا دین اسلام ہے محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جو اس بات پر ایمان لائے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔"

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو حکم دیا کہ اگلی اور پچھلی تمام باتیں لکھ دے تو اس نے عرش کے پردوں پر یہ کلمہ لکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اس بارے میں روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے (کیونکہ یہاں روایتوں کے اختلاف کے علاوہ لوح محفوظ اور عرش کے پردوں دونوں کا دو روایتوں میں ذکر ہوا ہے کہ قلم کو جب اللہ تعالیٰ نے اگلے اور پچھلے واقعات لکھنے کا حکم دیا تو ایک روایت کے مطابق قلم نے لوح محفوظ پر لکھا اور دوسری روایت کے مطابق اس نے عرش کے پردوں پر لکھا) اب یہاں روایت کے ظاہر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب قلم کو اگلی پچھلی تمام باتیں لکھنے کا حکم دیا گیا تو سب سے پہلے اس نے عرش کے پردوں پر وہ کلمہ لکھا جو بیان ہوا اور اس کے بعد اس کو جس چیز کے لکھنے کا حکم دیا گیا اس نے اس کو تحریر کیا۔ جیسا کہ جب اس کو حکم دیا گیا تھا تو اس نے لوح محفوظ میں وہ کلمات لکھے تھے جو بیان ہوئے۔ یہ مراد روایتوں کے ظاہر سے معلوم ہوتی ہے اور اگر حقیقت میں یہی مراد ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قلم نے اگلی اور پچھلی تمام باتیں لوح محفوظ اور عرش کے پردوں دونوں پر لکھیں۔

اسی طرح ایک روایت ہے جسے حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آدمؑ نے فرمایا۔

"میں نے شجر طوبی اور سدرۃ المنتہی (ی) اور جنت کے بانس کے درختوں کے پتوں پر آنحضرت ﷺ کا نام نامی لکھا ہوا دیکھا۔"

اسی بناء پر علامہ سیوطی نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں لکھا ہے۔

"یہ بات آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ عرش پر اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ آپ ﷺ کا نام نامی بھی لکھا ہوا ہے۔"

اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا

میں نے عرش کو پانی کے اوپر پیدا کیا تو اس کی ہیبت سے پانی لرزنے لگا تب میں نے عرش پر لاالہ الا اللہ محمد الرسول اللہ لکھ دیا۔ جس کی برکت سے عرش ساکن ہو گیا۔"

اسی طرح اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ تمام ملکوت یعنی آسمانوں اور جنتوں اور ان میں جو کچھ ہے ان سب پر آنحضرت ﷺ کا نام نامی لکھا ہوا ہے۔

علامہ سیوطیؒ کی ہی دوسری کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ عرش پر، ہر آسمان پر، تمام جنتوں اور ان میں موجود چیزوں پر اور تمام ملکوت میں جو کچھ بھی ہے ان سب پر آپ ﷺ کا نام نامی لکھا ہوا ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) ایک روایت پچھلے صفحوں میں گزری ہے کہ جب آدمؑ زمین پر اترے تو تنہائی کی وجہ سے بہت پریشان اور وحشت زدہ ہوئے۔ آخر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے زور سے اذان دی جس میں دو مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہا، دو مرتبہ اشہد ان لا الہ الا اللہ کہا اور دو مرتبہ اشہد ان محمد الرسول اللہ کہا۔ آنحضرت ﷺ کا نام سن کر آدمؑ نے حضرت جبرئیل سے پوچھا۔

"محمد کون ہیں۔"

جبرئیلؑ نے فرمایا

"وہ آپ کی اولاد میں سب سے آخری نبی ہوں گے۔"

اب اس روایت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر عرش اور جنتوں اور آسمانوں میں ہر جگہ اور ہر ہر چیز پر آنحضرت ﷺ کا نام لکھا ہوا موجود ہے تو آدمؑ نے جنت میں رہتے ہوئے اس نام کو ضرور دیکھا ہو گا اور آپ کو جانتے ہوں گے۔ یا ایسے ہی ایک روایت گزری ہے کہ آدمؑ نے فرمایا کہ جب مجھ میں روح ڈالی جارہی تھی تو روح کے ٹانگوں تک پہنچنے سے پہلے ہی میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور عرش پر میری نظر پڑی تو وہاں آنحضرت ﷺ کا نام لکھا ہوا دیکھا۔ تو ان سب روایتوں میں معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ آنحضرت ﷺ کو جانتے تھے لہٰذا اس روایت میں انکا آنحضرت ﷺ کے متعلق حضرت جبرئیلؑ سے پوچھنا شبہ کا باعث بنتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کو درست ماننے کی صورت میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے اس سوال کے ذریعہ آدمؑ یہ اطمینان کرنا چاہتے ہوں کہ آیا یہ محمد ﷺ کوئی اور ہیں یا وہی ہیں جن کا نام انہوں نے آسمانوں میں لکھا ہوا دیکھا تھا اور جن کے بارے میں ان کو بتلایا گیا تھا کہ ان کی اولاد میں وہ آخری نبی ہوں گے اور یہ کہ اگر وہ یعنی آنحضرت ﷺ نہ ہوتے تو خود آدمؑ کو بھی پیدا نہ کیا جاتا اور جن کے نام سے آدمؑ نے اپنی دعا میں سفارش کی تھی بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے۔

اس اشکال کے جواب کے شروع میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر یہ روایت درست ہے تو یہ اس لئے کہا گیا ہے کہ آگے جہاں اذان کی ابتداء کا بیان آئے گا وہاں اس روایت کے متعلق یہ تفصیل آرہی ہے کہ اس حدیث کی سند میں بعض راوی غیر معروف ہیں۔

<u>محمد ﷺ نہ ہوئے تو کچھ بھی نہ ہوتا</u>...... کتاب سفاء الصدور کے مصنف نے اپنی مختصر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خبر دی کہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے محمد! میری عزت اور میرے جلال کی قسم! اگر تم نہ ہوتے تو میں نہ اپنی یہ زمین پیدا کرتا اور آسمان، نہ میں یہ سبز چھت آویزاں کرتا اور نہ یہ فرش خاک بچھاتا۔"

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ

"نہ میں زمین پیدا کرتا نہ آسمان، نہ لمبائی پیدا کرتا اور نہ چوڑائی۔"

اسی بات کو ایک شاعر نے نظم کیا ہے

لولاہ ما کان لافلك ولا فلك
کلا ولا بان تحریم و تحلیل

ترجمہ :۔ اگر آنحضرت ﷺ نہ ہوئے تو زمین و آسمان کچھ بھی نہ ہوتے۔ بے شک کچھ بھی نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ نہ حرام کا پتہ ہوتا نہ حلال کا یقینی شریعتیں ہی نہ آتیں۔

بعض علماء نے اس شعر کے مضمون کی مخالفت کی ہے مگر اس گذشتہ روایت سے ان کے قول کی تردید ہو جاتی ہے اس مضمون کو غلط بتانے والوں کا دعوی ہے کہ اس قسم کی بات دلیل کی محتاج ہوتی ہے جبکہ قرآن و حدیث میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو اس بات کی دلیل بن سکتی ہو۔ مگر اس روایت کی روشنی میں ان کو جواب دیا جا سکتا ہے کہ حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے جو اس دعوی کو ثابت کرتی ہے۔ واللہ اعلم

درختوں کے پتوں پر آپ ﷺ کے نام کے نقش

اسی طرح ایک بزرگ نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ ہم جہاد میں تھے اسی دوران میں اتفاق سے ایک جھاڑی میں پہنچ گیا وہاں میں نے ایک درخت دیکھا جس پر سرخ رنگ کے پتے پر سفید رنگ میں یہ لکھا ہوا تھا

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔

اسی طرح ایک بزرگ سے روایت ہے کہ میں نے ایک جزیرے میں ایک بہت بڑا درخت دیکھا جس کے پتے بھی بہت بڑے بڑے تھے اور بہت خوشبودار تھے۔ ان سب سبز رنگ کے پتوں پر سرخ اور سفید رنگ سے بڑے صاف صاف اور واضح انداز میں قدرتی طور پر پتے کے اندر تین سطریں لکھی ہوئی تھی۔ پہلی سطر میں یہ لکھا ہوا تھا۔

لا الہ الا اللہ

دوسری سطر میں لکھا تھا

محمد الرسول اللہ

اور تیسری سطر میں یہ تحریر تھا کہ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔

ایسے ہی ایک اور بزرگ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں ہندوستان کے علاقے میں گیا۔ وہاں کے ایک گاؤں میں میں نے ایک سیاہ رنگ کا گلاب کا پودا دیکھا جو ایک بڑے سیاہ گلاب میں سے پھوٹ رہا تھا۔ اس میں بڑی عمدہ خوشبو تھی اور اس پر سفید رنگ میں یہ لکھا ہوا تھا۔

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق

مجھے اس کو دیکھ کر شک ہوا کہ شاید ایسا ہاتھ سے لکھا گیا ہو۔ اس لئے میں ایک دوسرے گلاب کی

طرف گیا جو ابھی کھلا نہیں تھا مگر اس میں بھی مجھے وہی عبارت نظر آئی جو دوسری تمام پتیوں پر تھی۔ اس بستی میں اس قسم کے پودے بہت سارے ہیں حالانکہ اس علاقے کے لوگ بتوں اور پتھروں کو پوجنے والے ہیں۔

گلاب کی پنکھڑی پر عجیب تحریر...... ابن مرزوق نے شرح بردہ میں کسی بزرگ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ ہم بحر ہند کے گہرے پانیوں میں سفر کر رہے تھے اچانک ایک زبردست آندھی چلی۔ ہماری کشتی ہوا کے زور میں ایک جزیرے پر پہنچ گئی وہاں ہم نے ایک سرخ گلاب کا پودا دیکھا۔ یہ گلاب بڑا خوشبودار تھا اور اس پر زرد رنگ میں یہ لکھا ہوا تھا۔

"رحمٰن ورحیم کی جانب سے نعمتوں سے بھرپور جنتوں تک پہنچنے کے لئے یہ فرمان اور پروانہ مقرر کیا گیا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اسی طرح ایک مورخ نے لکھا ہے کہ میں نے ہندوستان کے علاقوں میں ایک درخت دیکھا جس پر بادام کے جیسا پھل لگتا ہے اور اس پر دو چھلکے ہوتے ہیں اسے توڑا جائے تو اس میں سے سبز رنگ کا ایک لپٹا ہوا پتہ سا نکلتا ہے اور اس پر یہ لکھا ہوا ہوتا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ کلمہ اس پر بڑے صاف الفاظ۔ میں لکھا ہوتا ہے وہاں کے لوگ اس درخت سے برکت حاصل کرتے ہیں اور اگر خشک سالی کا زمانہ ہوتا ہے تو اس سے بارش کی دعا مانگتے ہیں۔

کتاب مزیل الخفاء میں بھی یہ واقعہ ذکر ہے مگر اس میں صرف لا الہ الا اللہ لکھا ہوا ہونے کا ذکر ہے۔ اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا یہ روایت ہمارے اس موضوع کی دلیل نہیں بنے گی (جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا نام نامی پتھروں اور درختوں وغیرہ پر لکھا ہوا پایا گیا ہے)۔

اسی طرح ایک روایت ہے جس کو علامہ حافظ سلفی نے کسی سے نقل کیا ہے کہ ہندوستان کے ایک علاقے میں ایک درخت ہے جس کے پتے ہلکے سبز ہوتے ہیں اور ہر پتے پر گہرے سبز رنگ میں یہ لکھا ہوا ہوتا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس علاقے کے لوگ بت پرست تھے وہ اس درخت کو کاٹ ڈالتے تھے اور کچھ جڑیں باقی رہنے دیتے تھے یہ درخت بہت تھوڑے سے وقت میں پھر دوبارہ بڑھ کر اپنی اصلی حالت پر آجاتا تھا۔ آخر ایک دفعہ انہوں نے سیسہ پگھلا کر اس کی جڑ میں بھر دیا مگر اس سیسے کے چاروں طرف سے درخت کی چار شاخیں پھوٹیں اور ہر شاخ پر لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس (حیرت ناک کرامت) کو دیکھ کر وہ لوگ اس درخت سے برکت حاصل کرنے لگے اور بیماری میں اس کو شفاء حاصل کرنے کے لئے استعمال کرنے لگے۔ وہ اس کو زعفران اور دیگر بہترین خوشبوؤں کے ساتھ استعمال کرنے لگے۔

انگور کے دانے میں لفظ محمد ﷺ کا نقش...... اسی طرح ایک روایت ہے کہ ۸۰۷ھ یا ۸۰۹ھ میں انگور کا ایک ایسا دانہ پایا گیا تھا جس میں سیاہ رنگ سے بہت صاف صاف محمد لکھا ہوا تھا۔

جانوروں کے جسموں پر آنحضرت ﷺ کے نام کے قدرتی نقوش

ایک مچھلی کے دونوں پہلوؤں پر کلمہ کے دونوں جز...... اسی طرح ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک مچھلی شکار کی تھی جس کے دائیں جانب لا الہ الا اللہ لکھا ہوا تھا اور بائیں جانب محمد رسول اللہ ﷺ تحریر تھا

راوی کہتا ہے کہ جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے احترام کے طور پر اس کو واپس نہر میں ہی ڈال دیا۔

ایک اور شخص سے حکایت ہے کہ ایک مرتبہ میں مغربی علاقے کے سمندر میں سفر کر رہا تھا ہمارے ساتھ ایک غلام تھا جس کے پاس مچھلی پکڑنے کا جال تھا۔ اس نے اس کو دریا میں ڈالا اور ایک مچھلی پکڑی۔ یہ مچھلی ایک بالشت لمبی تھی۔ ہم نے اس کو دیکھا تو اس کے کان کے پاس "لا اله الا الله" لکھا ہوا تھا اور اس کی گردن کی پشت سے لے کر دوسرے کان کی جگہ "محمد رسول الله" لکھا ہوا تھا۔ ہم نے یہ دیکھ کر اس مچھلی کو واپس سمندر میں ڈال دیا۔

ایک شخص سے حکایت ہے کہ اس نے ایک مچھلی دیکھی جو سفید رنگ کی تھی اور اس کی گردن کی پشت پر سیاہ رنگ سے لا اله الا الله محمد رسول الله لکھا ہوا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک پرندہ آیا جس کی چونچ میں سبز رنگ کا ایک بادام تھا اس نے اس کو وہیں گرا دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو اٹھا لیا۔ اس کے اندر ایک سبز رنگ کا کیڑا تھا جس پر زرد رنگ سے لا اله الا الله محمد الرسول الله تحریر تھا۔

بادلوں سے ظاہر ہونے والی کلمے کی تحریر

اسی طرح ایک بزرگ سے روایت ہے کہ طبرستان کے علاقے میں ایک فرقہ تھا جو لا اله الا الله وحده لا شريك له کو تو مانتا تھا یعنی یہ تو مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو تنہا ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے مگر وہ لوگ آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کو نہیں مانتے تھے ان لوگوں کی وجہ سے کافی فتنہ پھیل رہا تھا۔ ایک روز جبکہ سخت گرمی پڑ رہی تھی اچانک ایک سفید بادل ظاہر ہوا اور پھیلنا شروع ہوا یہاں تک کہ مشرق سے مغرب تک وہ بادل چھا گیا اور آسمان اس کے پیچھے چھپ گیا۔ اسی حالت میں جب زوال کا وقت ہوا تو اچانک بادلوں کے اندر بالکل صاف اور واضح انداز میں یہ کلمہ لکھا ہوا ظاہر ہوا لا اله الا الله محمد رسول الله یہ کلمہ زوال سے لے کر عصر کے وقت تک اسی طرح باقی رہا۔ اس حیرت ناک واقعہ کو دیکھ کر اس فرقے کے لوگوں نے فوراً توبہ کر لی۔ ادھر ساتھ ہی وہاں جو یہودی اور عیسائی رہتے تھے ان میں سے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے۔

واقعہ خضرؑ و موسیٰؑ میں دیوار والے خزانے کی حقیقت...... اسی طرح حضرت عمر ابن خطابؓ سے روایت ہے کہ قرآن پاک میں حق تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے۔

وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا (پ ۱۶ سورہ کہف ع ۹)۔ آیت ۸۲

ترجمہ:۔ اور اس دیوار کے نیچے ان کا کچھ مال مدفون تھا (جو ان کے باپ سے میراث میں پہنچا ہے)۔

سونے کی اس تختی پر عبرت آمیز کلمات اور آنحضرت ﷺ کا نام...... (یہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے واقعہ کا ایک حصہ ہے جس کو مترجم اس روایت کے بعد تفصیلی علم کے لئے پیش کر رہا ہے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس خزانے اور مال کے متعلق روایت پہنچی ہے کہ یہ ایک سونے کی تختی تھی اور ایک قول کے مطابق سنگ مرمر کی ایک تختی تھی جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

"اس شخص پر حیرت ہے جو موت پر ایمان رکھتا ہے یعنی یہ مانتا ہے کہ ایک دن اسے اس دنیا کو خیر باد کہنا ہے۔ اور پھر بھی وہ ہنستا اور خوش رہتا ہے۔ اس شخص پر حیرت ہے جو حساب و کتاب پر یقین رکھتا ہے یعنی یہ ایمان رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد (قیامت کے دن) اس کے عمل کا حساب و کتاب ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود بھی غافل رہتا ہے۔ اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر تو ایمان رکھتا ہے یعنی یہ جانتا ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے تحت ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ (ناگوار حادثوں پر) غمگین ہوتا ہے۔ اس انسان پر حیرت ہے جو دنیا کو اور اس میں رہنے والوں کے ساتھ اس کے الٹ پلٹ اور انقلابات کو دیکھتا ہے اور پھر بھی اس دنیا سے مطمئن اور خوش رہتا ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

(اسی خزانے کے متعلق) علامہ بیہقی وغیرہ نے حضرت علیؓ کی روایت بیان کی ہے کہ (ان دونوں لڑکوں کا) وہ خزانہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تذکرہ فرمایا ہے سونے کی ایک تختی تھی جس پر یہ لکھا ہوا تھا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مجھے اس پر حیرانی ہے جو تقدیر الٰہی پر یقین رکھنے کے باوجود (مشکل حالات میں) گھبراتا اور پریشان ہوتا ہے۔ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جس کے سامنے ذکر آتا ہے جہنم کا لیکن اس کے باوجود بھی اس کے ہونٹوں پر ہنسی باقی رہتی ہے۔ مجھے اس شخص پر حیرت ہے جس کے سامنے موت کا ذکر ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی غافل رہتا ہے! لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور ایک روایت کے الفاظ کے مطابق لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدِیْ وَ رَسُوْلِیْ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ میرے بندے اور رسول ہیں۔"

تفسیر بیضاوی میں یہ ہے (کہ اس تختی پر یہ لکھا ہوا تھا)۔

"مجھے حیرت ہے کہ جو شخص تقدیر پر ایمان رکھتا ہے وہ (کسی بھی ناگوار واقعہ پر) کیوں غمگین ہوتا ہے! مجھے تعجب ہے کہ جو شخص رزق پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو رزق دینے والا ہے (مشکل حالات اور تنگی سے) کیوں تھکتا اور پریشان ہوتا ہے! مجھے حیرت ہے کہ جو آدمی موت پر ایمان رکھتا ہے وہ کیسے خوش رہتا ہے! مجھے تعجب ہے کہ جو شخص (قیامت کے دن) حساب و کتاب پر ایمان رکھتا ہے وہ کیسے غفلت کرتا ہے! مجھے حیرانی ہے کہ جو شخص دنیا اور یہاں رہنے والوں کے ساتھ اس کی بے وفائی اور انقلابات کو دیکھتا ہے وہ کیسے اس سے مطمئن اور خوش رہتا ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

اقول۔ مولف کہتے ہیں (: چونکہ اس تختی پر نقش عبارت کے متعلق کئی روایتیں اور الفاظ آئے ہیں جس سے آپس میں روایتوں کا اختلاف اور کمزوری ظاہر ہوتی ہے اس لئے مولف کہتے ہیں کہ) اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے پہلی روایت میں جو عبارت ذکر کی گئی ہے وہ تختی کے ایک طرف ہو اور دوسری روایت میں جو الفاظ بیان ہوئے ہیں وہ اس تختی کے دوسری طرف نقش ہوں۔ یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے بعض راویوں نے عبارت کے الفاظ میں کچھ زیادتی کر دی ہے اور بعض نے کمی کر دی ہے اور بعض نے روایت بالمعنی بیان کی ہے (روایت بالمعنی کا مطلب جیسا کہ پیچھے بھی بیان ہوا یہ ہے کہ روایت سن کر اس کو ان ہی الفاظ میں نقل نہ کیا جائے جن میں اسے سنا گیا ہے بلکہ روایت کے مطلب اور مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔ اس کے مقابلے میں ایک روایت بالالفاظ ہوتی ہے جو وہ ہے کہ روایت کو ان ہی الفاظ میں نقل اور بیان کیا جائے

جن میں سے اسے سنا گیا ہے)۔

انسان کی نیکی اس کی اولاد در اولاد تک کے کام آتی ہے...... ان دونوں بھائیوں کی خاطر اللہ تعالیٰ نے یہ خزانہ اتنی لمبی مدت تک اس لئے محفوظ رکھا کہ ان کا وہ باپ بہت نیک اور صالح آدمی تھی جس نے وہ خزانہ محفوظ کیا تھا۔ یہ شخص ان لڑکوں کا نویں پشت میں دادا ہوتا تھا۔

علامہ محمد ابن مکندرؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نیک آدمی کی خاطر اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد تک کی حفاظت فرماتا ہے اور اس جگہ تک کی حفاظت فرماتا ہے جس میں وہ ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے قرب وجوار اور آس پاس کی چیزوں تک کی حفاظت فرماتا ہے۔ چنانچہ یہ سب کے سب ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگہبانی میں رہتے ہیں۔

اسی سلسلے میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک علوی شخص کو ہارون رشید بادشاہ نے قتل کرنے کا ارادہ کیا (اور اسی نیت سے اس کو بلوایا) مگر جب وہ بادشاہ کے پاس آیا تو ہارون رشید نے اس کا بہت اعزاز واحترام کیا اور پھر اس کو چھوڑ دیا۔ بعد میں اس شخص سے کسی نے پوچھا۔

"تم نے وہ کون سی دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں قتل سے نجات دے دی۔"

اس نے کہا

میں نے یہ دعا مانگی تھی کہ اے وہ ذات جس نے ان دونوں بچوں کے خزانے کی ان کے باپ کی نیکی کی وجہ سے حفاظت فرمائی، میرے باپ دادا کی نیکیوں کی وجہ سے میری بھی بادشاہ سے حفاظت فرما۔"

کتاب عرائس میں یہ واقعہ اسی طرح ذکر ہے۔ واللہ اعلم

حضرت موسیٰ وخضرؑ کا واقعہ

تشریح...... اس واقعہ کی تفصیلات احقر مترجم البدایۃ والنہایۃ، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر خازن سے لے کر پیش کر رہا ہے تاکہ پیچھے گزرنے والی حضرت عمرؓ کی روایت میں اس واقعہ کے جس قصے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ بھی تفصیل سے سامنے آجائے اور پورے واقعہ کے متعلق بھی پڑھنے والوں کو ضروری معلومات حاصل ہو جائیں۔

اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورہ کہف میں ذکر فرمایا ہے۔ وہ آیات پاک یہ ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِىَ حُقُبًا. فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ سَرَبًا. فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا،لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا. قَالَ اَرَاَيْتَ اِذْ اَوَيْنَا اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ،وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَ اتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ عَجَبًا. قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ،فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا،فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (الآیۃ پ سورہ کہف ع ۸)۔

ترجمہ:۔ اور وہ وقت یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں اس سفر میں برابر چلا جاؤں گا یہاں تک کہ اس موقعہ پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملے ہیں یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا۔ پس جب چلتے چلتے دونوں دریاؤں کے جمع ہونے کے موقعہ پر پہنچے اس اپنی مچھلی کو دونوں بھول گئے اور مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی اور

چل دی۔ پھر جب دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ۔ ہم کو اس سفر میں (یعنی آج کی منزل میں) بڑی تکلیف ہوئی۔ خادم نے کہا کہ لیجئے دیکھیئے (عجیب بات ہوئی) جب ہم اس پتھر کے قریب ٹھہرے تھے سو میں اس مچھلی کے تذکرے کو بھول گیا اور مجھ کو شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کو ذکر کرتا اور (وہ قصہ یہ ہوا کہ) اس مچھلی نے (زندہ ہونے کے بعد) دریا میں عجیب طور پر پناہ لی۔ موسیٰ نے (یہ حکایت سن کر) فرمایا کہ یہی وہ موقعہ ہے جس کی ہم کو تلاش تھی۔ سو دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے الٹے لوٹے۔ سو وہاں پہنچ کر انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جن کو ہم نے اپنی خاص رحمت (یعنی مقبولیت) دی تھی اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک خاص علم سکھلایا تھا۔ (ترجمہ تھانویؒ)۔

موسیٰؑ کے خضر کے پاس جانے کا سبب...... اس واقعہ کے متعلق علامہ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں بعض اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ موسیٰ جو حضرت خضرؑ کے پاس گئے تھے (پیغمبر حضرت موسیٰؑ ابن عمرانؑ نہیں تھے بلکہ) یہ موسیٰ ابن میشا ابن یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیمؑ تھے۔ اس بات کو بعض ایسے لوگوں نے بھی مانا ہے جو اسرائیلی صحیفوں کے عالم ہیں اور ان کے واقعات نقل کرتے ہیں جیسے نوف ابن فضالہ لیکن صحیح یہ ہے جس پر قرآن وحدیث سے بھی تائید ملتی ہے اور جس پر علماء میں اتفاق ہے کہ یہ حضرت موسیٰ ابن عمرانؑ تھے جو بنی اسرائیل کے نبی تھے۔ بخاری میں سعید ابن جبیرؒ سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے کہا۔

لوئی البکالی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت خضرؑ کے ساتھ جانے والے موسیٰ بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت موسیٰ ابن عمران نہیں تھے؟

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔

"وہ خدا کا دشمن جھوٹ بولتا ہے ہمیں ابی ابن کعب نے بتلایا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ایک مرتبہ موسیٰؑ اپنی قوم کے درمیان خطبہ دے رہے تھے۔ اسی دوران میں کسی نے ان سے پوچھا۔

"کون شخص سب سے زیادہ عالم ہے؟"

موسیٰؑ نے کہا کہ میں ہوں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوئی کیونکہ انہوں نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ اللہ ہی کو خبر ہے (کہ کون آدمی سب سے زیادہ عالم ہے) چنانچہ اسی وقت وحی نازل ہوئی کہ

"مجمع البحرین یعنی جہاں دو دریاؤں کے پانی ملتے ہیں وہاں ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے بڑا عالم ہے۔"

(موسیٰؑ کو وہاں جانے کا حکم ملا تو وہ وہاں پہنچنے اور ان سے ملنے کے لئے بیتاب ہوئے) چنانچہ انہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا۔

"اے پروردگار! میں وہاں کیسے پہنچوں گا؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اپنے ساتھ ایک مچھلی ناشتہ دان میں رکھ لو جہاں بھی وہ مچھلی کھو جائے اسی جگہ وہ بندہ ملے گا۔"

چنانچہ موسیٰؑ نے ایک مچھلی (پکا کر) توشہ دان میں رکھ لی اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھ ایک نوجوان یوشع ابن نون کو خادم کے طور پر ہمراہ لے لیا۔ یہاں تک کہ جب وہ ایک خاص پتھر تک پہنچے تو دونوں (تھکن کی وجہ سے) اس پتھر پر سر رکھ کر لیٹے اور سو گئے۔ اسی وقت توشہ دان میں مچھلی تڑپی اور اس میں

سے نکل کر دریا میں جاکودی اور اس طرح سمندر کی تہہ میں اتر گئی جیسے کسی سرنگ میں اتر جاتے ہیں۔ جس جگہ وہ مچھلی سمندر میں کودی وہاں اللہ کی قدرت سے چاروں طرف سے پانی رک کر ایک سوارخ سا پیدا ہو گیا اور اسی طرح باقی رہا۔

اس کے بعد جب موسیٰؑ اور ان کے ساتھی جاگے تو وہ خادم آپ سے یہ بتلانا بھول گئے کہ مچھلی یہاں تو شہ دان سے نکل کر پانی میں کود گئی ہے۔ چنانچہ وہ دونوں وہاں سے روانہ ہو گئے اور بقیہ پورا دن اور ایک رات چلتے رہے صبح ہوئی تو موسیٰؑ نے اپنے ساتھی سے فرمایا۔

"ہمارا ناشتہ (یعنی وہ مچھلی) لاؤ آج کے سفر نے تو ہمیں بہت تھکا دیا۔"

<u>مچھلی کی گمشدگی اور خضرؑ کی دریافت</u>...... یہ تھکان بھی موسیٰؑ کو اس جگہ سے آگے نکلنے کے بعد ہی معلوم ہوئی جہاں جانے کا ان کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا اس سے پہلے انہیں کوئی تھکن محسوس نہیں ہوئی تھی۔ غرض ناشتہ مانگنے پر اب ان کے خادم نے ان سے کہا۔

"دیکھئے جب ہم نے اس پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو اس وقت اس مچھلی کا ذکر کرنا میں بھول گیا۔ یہ بات یقیناً شیطان نے ہی مجھے بھلائی ہے اور اس مچھلی نے تو عجیب طریقے سے سمندر میں اپنا راستہ بنالیا تھا اور پانی میں کود گئی تھی۔"

اس طرح مچھلی کے لئے تو پانی میں سرنگ بن گئی اور موسیٰؑ اور ان کے خادم کے لئے یہ ایک حیرت ناک واقعہ بن گیا۔ موسیٰؑ نے فرمایا۔

"اسی جگہ تو (جہاں وہ مچھلی گم ہوئی ہے) ہم جانا چاہتے تھے!"

<u>موسیٰ و خضر کی ملاقات اور رفاقت کے لئے زبان بندی کی شرط</u>...... چنانچہ اب دونوں اپنے پیروں کی نشانات دیکھتے ہوئے وہاں سے لوٹے یہاں تک کہ اسی پتھر کے پاس پہنچے اور دیکھا کہ وہاں کپڑا اوڑھے ہوئے ایک شخص بیٹھا ہے (یہ بزرگ حضرت خضر تھے) موسیٰؑ نے ان کو سلام کیا۔ حضرت خضر نے (یہ سلام سن کر حیرت سے) کہا۔

"آپ کے اس علاقے میں سلام کا یہ طریقہ کہاں سے آیا؟"

حضرت موسیٰؑ (سمجھ گئے کہ یہ ان کو پہچانتے نہیں ہیں اس لئے انہوں) نے کہا"

"میں موسیٰ ہوں۔"

حضرت خضرؑ نے پوچھا کیا بنی اسرائیل کے (پیغمبر) موسیٰؑ؟

موسیٰؑ نے کہا

"ہاں اور آپ کے پاس میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے بھلائی اور نیکی کی وہ باتیں بتلائیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے سکھلائی ہیں۔"

حضرت خضرؑ نے کہا

"مگر آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے موسیٰ۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے وہ علم دیا ہے جو تم نہیں جانتے اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے جو باتیں بتلائی ہیں وہ میں نہیں جانتا۔"

موسیٰؑ نے فرمایا

"آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والا ہی پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔"

آخر حضرت خضر نے فرمایا

"اچھا اگر آپ میرے ساتھ چلنا ہی چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کے بارے میں خود سے کچھ مت پوچھنا یہاں تک کہ میں خود ہی اس کے متعلق آپ کو بتلادوں۔"

موسیٰ کی بے صبری......اس کے بعد دونوں وہاں سے روانہ ہوئے اور سمندر کے کنارے پہنچے وہاں ایک کشتی کھڑی ہوئی تھی۔ حضرت خضر نے ان کشتی والوں سے بات کی کہ وہ ان کو دوسرے کنارے پر پہنچادیں۔ وہ لوگ حضرت خضر کو پہچان گئے اور بغیر اجرت لئے ان کو کشتی میں بٹھالیا تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ موسیٰ نے دیکھا حضرت خضر ایک کلہاڑی سے کشتی کا ایک تختہ توڑنے لگے۔ موسیٰ نے (حیران ہو کر) کہا

"جن لوگوں نے ہمیں بغیر کرایہ لئے سوار کر لیا آپ ان کی کشتی کو تباہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں تاکہ کشتی والے بیچارے غرق ہو جائیں۔ یہ تو آپ بڑی نامناسب بات کر رہے ہیں۔"

حضرت خضر نے فرمایا

"کیا میں نے آپ سے کہا نہ تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔"

موسیٰ نے فرمایا

"مجھ سے بھول ہو گئی آپ اس غلطی کو معاف کریں اور سختی نہ کریں۔"

آنحضرت ﷺ نے (موسیٰ کی اس پہلی بھول کے متعلق) فرمایا ہے کہ

"پہلی بار موسیٰ سے واقعی بھول ہی ہو گئی تھی۔"

(قال) اس سفر کے دوران ہی میں) کشتی کے ایک تختے پر ایک چڑیا آکر بیٹھی۔ اس نے سمندر میں چونچ ڈال کر پانی پیا اور پھر اڑ گئی۔ حضرت خضر نے یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ سے فرمایا

"مجھے اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے جو علم دیا ہے اس سے اللہ کے علم میں اگر کوئی کمی ہوئی ہے تو اتنی ہی جتنی اس چڑیا کے ایک قطرہ پانی پینے سے اس سمندر میں ہوئی ہے۔

غرض دوسرے کنارے پہنچنے کے بعد دونوں کشتی میں سے اترے اور ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگے اسی وقت حضرت خضر نے ایک لڑکے کو دیکھا جو چند دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر نے فوراً بڑھ کر اس لڑکے کا سر اپنے ہاتھ میں پکڑا اور ایک دم اس کی گردن مروڑ دی جس سے وہ بچہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ موسیٰ نے یہ منظر دیکھا۔

تو (ان سے صبر نہ ہو سکا اور) فوراً بولے۔

"آپ نے اس معصوم بچے کو بغیر کسی وجہ کے مار ڈالا! یہ تو آپ نے بہت ہی نامناسب کام کیا ہے؟"

حضرت خضر نے فرمایا

"میں نے پہلے آپ سے کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر سے نہیں رہ سکتے!"

حضرت خضر نے اس دفعہ پہلے سے بھی زیادہ سختی سے یہ بات کہی تھی۔ حضرت موسیٰ (کو فوراً ہی اپنی بھول کا خیال ہوا اور انہوں) نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا اگر اس کے بعد میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ میرا ساتھ چھوڑ دیں۔ اب آپ بے

شک معذور ہوں گے۔"

جدائی اور افشائے راز...... اس کے بعد یہ دونوں پھر آگے روانہ ہوگئے۔ آخر یہ ایک گاؤں میں پہنچے حضرت خضر نے ان سے کھانا کھلانے کی درخواست کی مگر بستی والوں نے ان مسافروں کو کھانا کھلانے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آگے بڑھے تو اسی بستی میں انہیں ایک دیوار نظر آتی جو (بوسیدہ ہوکر) ایک طرف کو جھک گئی تھی اور کسی بھی وقت گر سکتی تھی۔ حضرت خضر نے اس کو دیکھا تو فوراً بڑھ کر اپنے ہاتھ سے اس کو سیدھا کر دیا۔ یہ صورت دیکھ کر حضرت موسیٰ (سے پھر صبر نہ ہو سکا اور انہوں) نے کہا۔

"یہ ایسے لوگ ہیں کہ ہم ان کے یہاں آئے تو انہوں نے ہمیں کھانا بھی نہیں دیا اور ہماری میزبانی سے صاف انکار کر دیا۔ آپ نے ان لوگوں کا یہ کام کیا ہے آپ کو اس پر اجرت لینی چاہئے تھی (تاکہ اس کے ذریعہ ہی پیٹ بھی بھر سکتے)۔!"

حضرت خضر موسیٰؑ کو دو مرتبہ سوال کرنے پر ٹوک چکے تھے آخر اب انہوں نے موسیٰؑ سے صاف کہہ دیا۔

"بس یہیں سے تمہارا اور میرا ساتھ چھوٹتا ہے۔ لیکن (جدا ہونے سے پہلے) میں تمہیں ان سب باتوں کا سبب ضرور بتلائے دیتا ہوں جن کے متعلق آپ سے صبر نہ ہو سکا۔"

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کاش موسیٰؑ کچھ اور صبر کر لیتے تاکہ اللہ تعالیٰ ان باتوں کے متعلق ہمیں مزید تفصیلات بتلاتا!"

دوسری روایت...... سعید ابن جبیرؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ اس آیت میں کَانَ وَرَائَهُمْ کے بجائے کَانَ اَمَامَهُمْ بھی پڑھتے تھے اسی طرح کُلَّ سَفِینَةٍ صَالِحَةٍ پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح اَمَّا الْغُلَامُ کے بعد فَکَانَ کَافِرًا بھی پڑھا کرتے تھے۔ امام بخاریؒ نے بھی اس قرات کو سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ موسیٰؑ اپنے خادم یوشع ابن نون کے ساتھ ایک مچھلی لے کر روانہ ہوئے اور ایک پتھر کے پاس پہنچے اور وہاں (آرام کرنے کے لئے) رکے۔ پھر کہتے ہیں۔ موسیٰؑ اس پتھر پر سر رکھ کر لیٹے اور سو گئے۔ پھر کہتے ہیں۔ اس پتھر کی جڑ میں سے ایک چشمہ نکلتا تھا جس کا نام نہر حیات تھا۔ جس چیز کو بھی اس چشمے کا پانی چھو جاتا ہے وہ زندہ ہو جاتی ہے (اسی کو اردو میں آب حیات کہتے ہیں) چنانچہ اس چشمہ کا پانی کسی طرح اس مردہ مچھلی کو چھو گیا (جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تھی) وہ فوراً زندہ ہو کر حرکت کرنے لگی اور کود کر پانی میں پہنچ گئی۔ پھر جب موسیٰؑ کی آنکھ کھلی تو انہوں نے اپنے خادم سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر اسی روایت میں ہے کہ اسی دوران میں ایک چڑیا آکر کشتی کے ایک تختے پر بیٹھ گئی اور اس نے پانی پینے کے لئے اپنی چونچ سمندر میں ڈالی۔ اس وقت حضرت خضر نے موسیٰؑ سے کہا۔

"تمہارا اور میرا علم اور ساری مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنا ہی ہے جتنا پانی اس چڑیا نے سمندر میں سے اپنی چونچ میں لیا ہے۔" الخ

حضرت سعید ابن جبیر کی ایک حدیث ہے کہ ایک دفعہ ہم حضرت ابن عباسؓ کے پاس ان کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ہم سے کہا کہ مجھ سے کچھ سوال کرو۔ میں نے کہا۔

"اے ابن عباس۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے۔ کوفے میں ایک واعظ ہے جس کا نام نوف ہے وہ یہ کہتا ہے کہ (موسیٰ اور خضر کے واقعہ میں) یہ موسیٰ وہ نہیں ہیں جو بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔"

اس روایت کو ابن جُریج نے دو آدمیوں سے نقل کیا ہے ایک یعلی ابن مسلم سے اور دوسرے عمرو ابن دینار سے اور یہ دونوں اس کو حضرت سعید ابن جبیرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ غرض ابن جریج اتنی روایت بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ جہاں تک عمرو ابن دینار کا تعلق ہے انہوں نے کہا کہ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے یہ فرمایا کہ اس خدا کے دشمن نے جھوٹ کہا۔ اور جہاں تک یعلی ابن مسلم کا تعلق ہے انہوں نے یہاں تک بیان کرنے کے بعد کہا کہ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کے رسول موسیٰؑ نے ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر وعظ کہا جس کو سن کر سننے والوں کے دل بہت متاثر ہوئے اور وہ رونے لگے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ وعظ ختم کر کے واپس روانہ ہوئے۔ ایک شخص ان کے پیچھے گیا (جو ان کا وعظ سن کر اور ان کا علم دیکھ کر بہت حیران اور متاثر ہو رہا تھا) اور ان سے پوچھنے لگا۔

"کیا اس دنیا میں آپ سے بڑا بھی کوئی عالم ہے!"

اس پر موسیٰؑ نے فرمایا۔ "نہیں!"

یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوئی کہ موسیٰؑ نے جواب میں یہ کیوں نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے چنانچہ حق تعالیٰ کی طرف سے موسیٰؑ سے فرمایا گیا کہ بے شک (تم سے بڑا عالم موجود) ہے۔

موسیٰؑ نے عرض کیا

"پروردگار۔ وہ کہاں ہے ؟"

فرمایا گیا، "جہاں دو دریا ملتے ہیں۔"

موسیٰؑ نے عرض کیا۔

"اے پروردگار! مجھے ایسا علم عطا فرما جس کے ذریعہ میں اس جگہ کا پتہ لگا سکوں

جواب ملا۔ "جہاں مچھلی تمہارا ساتھ چھوڑ جائے (وہی وہ جگہ ہو گی)۔"

اس روایت کو یعلی نے جس طرح بیان کیا اس کے مطابق حق تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔

تم ایک مری ہوئی مچھلی اپنے ساتھ لے کر چلو۔ جہاں بھی وہ زندہ ہو جائے (وہیں وہ جگہ ہو گی جہاں وہ عالم موجود ہیں جو تم سے زیادہ جانتے ہیں) چنانچہ موسیٰؑ نے ایک مچھلی اپنے ساتھ لی اور اس کو توشہ دان میں رکھ لیا۔ پھر انہوں نے اپنے خادم سے کہا۔

"تمہیں صرف اتنا کام کرنا ہے کہ جہاں یہ مچھلی تمہارا ساتھ چھوڑ دے وہیں مجھے فوراً خبر کر دوں۔"

خادم نے کہا

"یہ تو آپ نے بڑا آسان سا کام بتایا ہے۔"

آیت پاک میں خادم سے مراد یہی یوشع ابن نون ہیں۔ غرض اب یہی دونوں ایک ٹھنڈی اور سائے دار جگہ پہنچ کر ٹھہرے جو سمندر کے کنارے تھی۔ موسیٰؑ کی اس وقت آنکھ لگ گئی تھی۔ اسی وقت وہ مچھلی اچانک زندہ ہو کر تڑپی اور پانی میں کود گئی۔ خادم نے دل میں سوچا کہ فوراً جگا کر خبر کرنا ٹھیک نہیں۔ اس لئے انہوں نے موسیٰؑ کے خود ہی جاگنے کا انتظار کیا مگر جب وہ جاگے تو خادم ان کو اس واقعہ کی اطلاع دینا بھول گیا۔ ادھر مچھلی

سمندر میں کودی اور پانی کے اندر اتر گئی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پانی اس جگہ سے رک گیا اور پتھر کی طرح سے سخت ہو گیا۔ وہ مچھلی جس جگہ سے پانی میں اتری وہاں اس طرح سوراخ سا بن کر رہ گیا جیسے پتھر میں سوراخ ہو جایا کرتا ہے۔ حدیث کے راوی ابن جریج کہتے ہیں کہ عمرو ابن دینار نے مجھے اپنے انگوٹھوں اور ان کے برابر کی انگلیوں سی سوراخ سا بنا کر اس کے متعلق بتلایا

موسیٰؑ نے اپنے خادم سے ناشتہ مانگتے ہوئے کہا تھا۔

"ہم اپنے اس سفر سے تو آج بہت زیادہ تھک گئے۔"

حالانکہ اس سے پہلے وہ جتنا سفر کر چکے تھے اس میں بالکل تھکن محسوس نہیں ہوئی (گویا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوا کہ حضرت موسیٰؑ نے تھک کر آرام کیا اور ناشتہ مانگا جس پر خادم کو مچھلی کے گم ہونے کی بات یاد آئی) غرض اس کے بعد (جب حضرت موسیٰؑ کو مچھلی کے غائب ہونے کا حال معلوم ہوا تو) وہ فوراً اپنے خادم کے ساتھ وہاں سے واپس ہوئے اور اس جگہ پہنچ کر انہوں نے وہاں حضرت خضر کو دیکھا جو ایک سبز رنگ کا گدا بچھائے ہوئے اس پر لیٹے تھے انہوں نے ایک کپڑا اپنے اوپر اس طرح اوڑھ رکھا تھا کہ اس کا ایک سرا تو پیروں کے نیچے دبا رکھا تھا اور دوسرا سرا سر کے نیچے دبائے ہوئے تھے موسیٰؑ نے قریب پہنچ کر ان کو سلام کیا۔ حضرت خضر نے اپنا منہ چادر میں سے نکال کر موسیٰؑ کو دیکھا اور کہا۔

"کیا اس سرزمین میں بھی کوئی ایسا شخص ہے جو (حق تعالیٰ کا یہ پسندیدہ) سلام کرتا ہو! آپ کون ہیں۔"

انہوں نے کہا۔ "میں موسیٰ ہو۔"

حضرت خضر نے پوچھا۔ "کیا اسرائیلیوں کے پیغمبر موسیٰ۔"، انہوں نے "ہاں!"

تب حضرت خضر نے پوچھا

"کیا مقصد ہے۔"

موسیٰؑ نے فرمایا

"میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے وہ بھلائیاں اور علم سکھلائیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہیں۔"

حضرت خضر نے فرمایا

"اے موسیٰ! کیا آپ کو یہ بات یعنی یہ علم کافی نہیں کہ آپ کے ہاتھ میں تورات ہے اور یہ کہ آپ کے پاس وحی آتی! جہاں تک اس علم کا تعلق ہے جو میرے پاس ہے اس کا جاننا آپ کے لئے اچھا نہیں ہے اسی طرح آپ کے پاس جو علم ہے اس کا جاننا میرے لئے مناسب نہیں ہے۔"

اسی وقت (جبکہ یہ باتیں کر رہے تھے) ایک پرندہ آیا اور سمندر میں اپنی چونچ ڈال کر پانی پینے لگا حضرت خضر نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا۔

"خدا کی قسم میرا علم اور تمہارا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنا ہی ہے جتنا پانی اس پرندے نے سمندر میں سے اپنی چونچ میں بھرا ہے۔"

پھر اس کے بعد جب (حضرت موسیٰؑ کو اپنے ساتھ لے چلنے پر تیار ہو گئے اور وہ دونوں وہاں سے چل پڑے تو) ایک کشتی میں جا کر سوار ہو گئے۔ یہ کشتی والے لوگوں سے اجرت لے کر ان کو اس کنارے سے اس

کنارے تک پہنچادیا کرتے تھے۔ انہوں نے حضرت خضرؑ کو پہچان لیا اور کہاکہ ہم ان سے اجرت نہیں لیں گے۔"
حضرت خضر کشتی میں سوار ہوئے توانہوں نے اس میں ایک سوراخ کر دیا۔ موسیٰؑ یہ دیکھ کر پھر ایک دم بول اٹھے
کہ آپ نے یہ کیا کیا۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس کشتی کے لوگ غرق ہو جائیں۔ حضرت خضر نے ان کو یاد دلایا کہ
میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکتے۔ موسیٰؑ نے اس پر فوراً "معذرت کی
اور پھر حضرت خضر کے ساتھ چل پڑے۔ کچھ دور چل کر انہیں ایک لڑکا ملا جسے حضرت خضر نے قتل کر دیا۔
یہاں کچھ لڑکے کھیل رہے تھے۔ حضرت خضرؑ نے ان میں کافر لڑکے کو پکڑا جو بہت ذہین اور سمجھ دار تھا۔ پھر
انہوں نے اس کو زمین پر ڈال کر چھری سے ذبح کر دیا۔ موسیٰؑ یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئے اور فوراً "بول اٹھے کہ آپ
نے بلا سبب ایک جان لے لی۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک قرأت کے مطابق یہ لڑکا مومن تھا۔ (حضرت خضر نے
پھر حضرت موسیٰؑ کو ٹوکا اور انہوں نے پھر معذرت کر کے آئندہ کچھ نہ پوچھنے کا وعدہ کیا۔ پھر وہاں سے آگے چلے
تو ایک جگہ انہیں ایک دیوار نظر آئی جو جھک رہی تھی اور گرنے کے قریب تھی۔ حضرت خضر نے اس دیوار کو
سیدھا کر دیا۔ موسیٰؑ پھر بول اٹھے کہ آپ چاہتے تو اس بستی کے لوگوں سے اس کام کی اجرت بھی لے سکتے تھے
(کیونکہ یہاں کے لوگوں نے ان دونوں مہمانوں کو کھانا تک کھلانے سے انکار کر دیا تھا)۔ حوالہ البدایۃ والنہایۃ
جلد اص ۲۹۸/۲۹۵۔ اس کے بعد کی تفصیل احقر مترجم نے تفسیر خازن سے لی ہے)۔

یعنی دیوار کی مرمت کرنے کی اجرت آپ بستی والوں سے لے سکتے تھے کیونکہ آپ کو معلوم ہے ہم
لوگ بھوکے ہیں اور بستی کے لوگوں نے ہمیں کھانا کھلانے سے انکار کر دیا ہے اس لئے بہتر تھا کہ آپ اپنے اس
کام کی اجرت لیتے۔ آخر حضرت خضرؑ نے اس دفعہ حضرت موسیٰؑ کے سوال کرنے پر صاف صاف کہہ دیا کہ بس
اب میرے اور آپ کے درمیان یہاں سے جدائی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ انکار اجرت نہ لینے کے سلسلے میں
تھا (لیکن ساتھ ہی حضرت خضر نے کہا)۔

"میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔"

اس سلسلے میں بھی کہا گیا ہے کہ (حضرت خضر نے خود سے ان باتوں کی حقیقت بتلانے کے متعلق
نہیں کہا تھا بلکہ) یہ ہوا کہ پہلے موسیٰؑ نے حضرت خضر کا دامن پکڑ لیا اور کہا۔

"اس سے پہلے کہ آپ میرا ساتھ چھوڑیں مجھے ان سب کاموں کی حقیقت بتلائیے جو آپ نے کئے
ہیں۔"

<u>حقیقت حال اور کشتی کا راز</u>...... حضرت خضرؑ نے فرمایا

"جہاں تک اس کشتی کا تعلق ہے (جس میں میں نے سوراخ کر دیا تھا) وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو
(اس کے ذریعہ سے) دریا میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے تھے۔"

ایک قول یہ ہے کہ یہ دس بھائی تھے جن میں سے پانچ دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے اور اس کے
ذریعہ روزی کماتے تھے۔ یہاں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ یہ کشتی چند مسکینوں کی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ
مسکین شخص اگر کسی چیز کا مالک بھی ہو تب بھی اس کو مسکین ہی کہا جائے گا یعنی اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس
سے وہ اطمینان سے اپنی ضرورتیں پوری کر سکے تو اس کو مسکین ہی کہا جائے گا (چاہے وہ کسی ایک آدھ معمولی چیز
کا مالک ہی کیوں نہ ہو) اس کے مقابلے میں فقری وہ ہوتا ہے جو بالکل خالی ہاتھ اور مفلس ہو۔ وہ مسکین سے زیادہ

تنگ حال ہوتا ہے۔ مسکین کی تعریف یہ اس لئے بتلائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مسکین فرمایا ہے حالانکہ وہ لوگ اس کشتی کے مالک تھے۔ غرض اس کے بعد حضرت خضر فرماتے ہیں۔

"میں نے اس کشتی میں عیب ڈالنے کا اس لئے ارادہ کیا کہ ان لوگوں کے پیچھے ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیا کرتا تھا۔ یعنی جو بھی اچھی کشتی ہوتی تھی اسی کو وہ ظالم بادشاہ چھین لیا کرتا تھا۔ اس لئے میں نے اس میں سوراخ کر کے اسے عیب دار کر دیا تھا کہ وہ جابر بادشاہ اس کشتی کو نہ چھینے۔"

اس بادشاہ کا نام جُلندی ازدی تھا۔ یہ ایک کافر بادشاہ تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا نام ہدد ابن بدد تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ کشتی میں سوراخ کرنے کے بعد حضرت خضر نے کشتی والوں سے معذرت کی تھی اور ان کو اس ظالم بادشاہ کے متعلق بتلایا جو ہر اچھی کشتی چھین لیا کرتا تھا۔ یہ لوگ اس بات سے واقف نہیں تھے کہ آگے وہ بادشاہ موجود ہے جو اس طرح کشتیاں چھین لیتا ہے۔ چنانچہ حضرت خضرؑ نے ان سے فرمایا۔

"میں چاہتا تھا کہ جب اس بادشاہ کے پاس سے کشتی گزرے تو وہ اس کو عیب دار اور خراب سمجھ کر چھوڑ دے۔"

جب یہ کشتی وہاں سے صحیح سلامت گزر گئی تو ان لوگوں نے اس کو ٹھیک کر لیا اور اس سے برابر فائدہ اٹھاتے رہے۔

لڑکے کو قتل کرنے کا راز..... (پھر حضرت خضر نے اس لڑکے کو قتل کرنے کا راز بتلاتے ہوئے کہا)۔

"جہاں تک اس لڑکے کا تعلق ہے تو اس کے ماں باپ مومن تھے۔ اس لئے ہمیں خوف ہوا کہ (اس لڑکے کی محبت ان کو کفر اور سرکشی میں ڈال دے۔ اس لئے ہم کو یہ منظور ہوا کہ اس کے بجائے ان کا پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی یعنی دین میں اس سے بہتر ہو۔"

یعنی اس کے بدلے میں ماں باپ کو ایسی اولاد میسر آئے جو نیک اور پارسا اور محبت کی مستحق ہو۔ چنانچہ ایک قول ہے کہ اس لڑکے کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بیٹی عطا فرمائی جس سے ایک پیغمبر نے نکاح کیا اور پھر خود اس کے پیٹ سے بھی ایک نبی پیدا ہوئے جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے ایک پوری امت کو ہدایت عطا فرمائی۔ ایک کمزور قول یہ بھی ہے کہ اس لڑکی کے پیٹ سے ستر نبی پیدا ہوئے۔ اسی طرح ایک قول یہ ہے کہ اس لڑکے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک اور لڑکا عطا فرمایا تھا جو مسلمان تھا۔

ایک روایت ہے کہ یہ لڑکا جس کو قتل کیا گیا (اپنے ماں باپ کا بہت چہیتا تھا) جب پیدا ہوا تھا تو اس وقت ماں باپ نے بہت خوشیاں منائی تھیں اور جب قتل ہوا تو انہوں نے اس کا بہت ماتم کیا۔ اگر وہ لڑکا زندہ رہ جاتا تو اس کے ذریعہ ان دونوں کی بربادی لازمی تھی۔ لہذا بندے کو اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر ہمیشہ راضی رہنا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے مومن کے لئے اگر بظاہر ناپسندیدہ بھی نظر آئیں تو حقیقت میں ہمیشہ خیر اور بھلائی سے بھرے ہوئے ہیں۔

دیوار کا راز..... (پھر حضرت خضر نے اس بستی کی دیوار کو سیدھا کرنے کا راز بتلاتے ہوئے کہا)۔

"اور جہاں تک اس دیوار کا تعلق ہے تو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں رہتے ہیں۔ اس کے نیچے ان کا کچھ مال دفن تھا (جو انہیں اپنے باپ سے میراث میں پہنچا ہے) ان کا باپ (جو مر چکا ہے) ایک نیک آدمی تھا اس لئے آپ کے پروردگار نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائیں اور اپنا مال نکال

لیں۔ یہ سارے کام میں نے الہام الٰہی سے کئے ہیں۔ ان میں سے کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ بس یہ ہے ان سب باتوں کی حقیقت جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔"

واقعہ کی مزید تفصیلات...... کہا جاتا ہے ان دونوں لڑکوں کے نام اصرم اور صریم تھے۔ جہاں تک اس خزانے کا تعلق ہے تو حضرت ابودرداء آنحضرت ﷺ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ وہ سونا اور چاندی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اصل میں علمی خزانہ تھا کچھ تحریریں تھیں جن میں علم تھا۔ (اس بارے میں یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر ایک عبارت تحریر تھی جو بیان ہو چکی ہے) اور اس کے دوسری طرف یہ عبارت تحریر تھی۔

"میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبارت کے لائق نہیں ہے، میں اکیلا ہوں۔ میرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں نے ہی بھلائی اور برائی کو پیدا کیا ہے پس اس کے لئے خوش خبری ہے جس کو میں نے خیر کے لئے پیدا کیا ہے اور اس خیر اور بھلائی کو اس کے ہاتھوں پر ظاہر کر دیا۔ اور اس کے لئے افسوس ہے۔ سخت افسوس جس کو میں نے برائی کے لئے پیدا کیا اور اس برائی اور شر کو اس کے ہاتھوں پر ظاہر کر دیا۔"

ایک قول یہ ہے کہ خزانے کا لفظ جب مطلق یعنی بلا قید استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد مال ہی ہوتا ہے اور اگر اس کے ساتھ کوئی قید بھی ہو جیسے کہا جائے کہ فلاں کے پاس علم کا خزانہ ہے تو پھر دولت کے سوا دوسری چیز مراد ہو سکتی ہے مگر اس تختی کو دونوں ہی طرح کا خزانہ کہا جا سکتا ہے (کیونکہ دولت کا خزانہ تو اس لئے تھی کہ یہ ایک روایت کے مطابق سونے کی تھی اور علم کا خزانہ اس لئے تھی کہ اس پر حکمت کی باتیں لکھی ہوئی تھیں)

جہاں تک ان دونوں لڑکوں کے باپ کا تعلق ہے کہا جاتا ہے کہ اس کا نام کاشح تھا اور وہ بڑے نیک اور پرہیز گار لوگوں میں سے تھا۔ حضرت عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ خزانہ ان لڑکوں کے لئے ان کے باپ کی نیکی کی وجہ سے محفوظ رکھا گیا تھا۔ ایک قول ہے کہ ان لڑکوں اور ان کے اس باپ کے درمیان سات پشتوں کا فاصلہ تھا (یعنی وہ نیک شخص ان لڑکوں کا حقیقی باپ نہیں تھا بلکہ ساتویں پشت میں دادا تھا جس کو باپ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ غرض باپ کی نیکی اور پرہیز گاری اس کی اولاد کے کام آتی ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں ایک روایت گزر بھی چکی ہے، اسی طرح حضرت سعید ابن میتبؒ کہتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے جب مجھے اپنے بیٹے کا خیال آجاتا ہے تو اپنی نماز اور زیادہ لمبی کر دیتا ہوں (تاکہ میری یہ عبادت میری اولاد کے بھی کام آئے)۔

غرض اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ جب یہ لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں تو ان کا خزانہ محفوظ ہو یعنی وہ بڑے ہو جائیں اور اپنے مال اور رزق کو سمجھنے لگیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بالغ ہو جائیں۔ ایک قول کے مطابق جوانی کی عمر اٹھارہ سال کی ہوتی ہے۔

قرآنی الفاظ کا اعجاز...... یہاں ایک چیز قابل غور ہے قرآن پاک کی آیت میں ہے کہ وہ کشتی کچھ مسکین لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے اس لئے میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں۔ یہاں یہ کہا گیا ہے کہ "میں نے چاہا" پھر اسی آیت میں آگے فرمایا گیا ہے کہ اس لڑکے کے ماں باپ مومن تھے اور ڈر تھا کہ اس لڑکے کی محبت انہیں گمراہی اور سرکشی میں نہ ڈال دے اس لئے "ہم نے چاہا کہ "اس کے بجائے ان کو نیک اولاد میسر ہو۔ تو یہاں "ہم نے چاہا" کہا گیا۔ اس کے بعد آگے جہاں اس دیوار کو سیدھا کرنے کی مصلحت بتلائی گئی ہے جس کے نیچے ایک خزانہ تھا وہاں کہا گیا ہے کہ "پس آپ کے رب نے چاہا" تینوں جگہ اس فرق کے متعلق

سوال کیا جاسکتا ہے کہ ایسا کس لئے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بار جہاں "میں نے چاہا" کہا گیا ہے وہاں کشتی میں عیب ڈالنے کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے اس فعل کی نسبت حضرت خضر نے حق تعالیٰ کی طرف کرنے کے بجائے ادب کی وجہ سے اپنی ذات کی طرف کی ہے دوسری جگہ لڑکے کو قتل کرنے کے فعل کو بھی اپنی ذات کی طرف نسبت دی لیکن "میں" کے بجائے "ہم" کہا جس سے اپنی اونچی شان کا خاص طور پر اظہار کرنا مقصود ہے کہ وہ باطن اور حکمت کے علم میں ایک اونچے درجے کے عالم ہیں اور یہ کہ وہ اس قتل جیسے فعل کو کسی بہت بڑی اور اہم حکمت کے بغیر ہرگز نہیں کر سکتے۔ پھر تیسری جگہ یتیم کے مال کا ذکر ہے کہ ان دونوں یتیموں کے باپ کی نیکی کی وجہ سے ان کے اس حق کی حفاظت کی گئی تو اس فعل کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف نسبت دی گئی کیونکہ باپ دادا کے نیک اعمال کی وجہ سے اولاد کی حفاظت اور ان کے حالات کو صحیح رکھنا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے بس میں نہیں ہے۔

حضرت خضر...... آیت پاک میں ہے کہ حضرت خضر نے موسیٰؑ کو ان تینوں کاموں کو حکمت بتلانے کے بعد کہا کہ میں نے یہ کام اپنی مرضی اور رائے سے نہیں کئے بلکہ ان کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم اور الہام ملا تھا۔ کیونکہ ظاہر ہے لوگوں کا مال خراب کر دینا یا خون بہا دینا یا بلا اجازت کسی چیز کی حالت بدل دینا ایسے کام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور صاف نص کے بغیر نہیں کئے جاسکتے۔ چنانچہ آیت پاک کے اسی حصے کی بنیاد پر بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت خضر نبی تھے کیونکہ اس طرح حکم آنے کا مطلب وحی ہے اور وحی صرف نبیوں کے پاس ہی آتی ہے۔ مگر اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ حضرت خضر صرف ایک ولی اللہ تھے نبی نہیں تھے۔ جہاں تک اس آیت سے حضرت خضر کی نبوت ثابت کرنے کا تعلق ہے اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ حکم وحی نہیں بلکہ الہام تھا جو ولی اللہ کے درجہ کے مطابق ہے۔

ایک قول کے مطابق اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں نے یہ کام اس غرض سے کئے ہیں کہ ان کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ظاہر ہو۔ اس تفسیر سے بھی ایک ہی معنے پیدا ہوتے ہیں یعنی کسی بڑے نقصان سے بچانے کے لئے کسی چھوٹے نقصان میں ڈالنا اور اسے برداشت کرنا۔

غرض اپنے کاموں کی یہ حکمت بتلانے کے بعد حضرت خضر نے موسیٰ سے کہا کہ یہ ہے ان کاموں کی حقیقت اور اصلیت جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

روایت ہے کہ جب موسیٰؑ حضرت خضر سے جدا ہونے لگے تو حضرت خضر سے کہنے لگے۔

"مجھے کوئی نصیحت ووصیت کیجئے"

حضرت خضر نے فرمایا

"علم اس لئے حاصل نہ کیجئے کہ اس کو لوگوں کو سنائیں بلکہ اس لئے حاصل کیجئے کہ اس پر عمل کریں۔"

کیا حضرت خضر زندہ ہیں...... اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا حضرت خضر آج تک زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔ ایک قول ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ اکثر علماء کا قول یہی ہے اور صوفیاء کے یہاں اسی قول پر سب کا اتفاق ہے۔ (یہ قول علامہ علاؤالدین خازن نے نقل کیا ہے۔ اس کے خلاف جو دوسرے قول ہیں وہ احقر مترجم دوسری کتابوں سے آگے پیش کر رہا ہے) غرض حضرات مشائخ اور صوفیاء کے یہاں ان کو دیکھنے، ان سے ملنے اور نیک اور خیر کی جگہوں پر ان کے موجود ہونے کے متعلق بھی اتفاق ہے۔

چشمۂ حیات...... شیخ عمر و ابن صلاح نے لکھا ہے کہ حضرت خضر جمہور علماء اور صالحین کے نزدیک زندہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس دونوں زندہ ہیں اور ہر سال حج کے موسم میں مکے میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ حضرت خضر کے زندہ رہنے کا جو سبب بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے چشمۂ حیات کا پانی پی لیا تھا (چشمۂ حیات کو اردو میں اکثر آب حیات کہا جاتا ہے)۔

یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ سکندر ذوالقرنین دنیا کو فتح کرنے کے بعد چشمۂ حیات کی تلاش میں روانہ ہوئے اور وادی ظلمت میں داخل ہوئے اس وقت حضرت خضر ذوالقرنین کے ہراول میں موجود تھے۔ اتفاق سے حضرت خضر چشمۂ حیات تک پہنچ گئے انہوں نے اس میں غسل کیا اور اس کا پانی پیا (جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس چشمہ کا پانی پی لینے والا قیامت تک زندہ رہتا ہے) اس کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے نماز پڑھی۔ ادھر ذوالقرنین جو چشمۂ حیات کی تلاش میں نکلے تھے اور حضرت خضر کے پیچھے پیچھے آرہے تھے راستہ بھول گئے (اور چشمۂ حیات تک پہنچنے کی حسرت دل میں لئے ہوئے واپس لوٹ گئے۔ ان علماء کے برخلاف کچھ حضرات کی رائے یہ ہے کہ حضرت خضر کی وفات ہو چکی ہے۔ ان علماء کی رائے اس آیت پاک کی بنیاد پر ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ آیہ پ ۱۷ سورہ انبیاء ع ۳

ترجمہ :۔ اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا۔

ایک حدیث ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد صحابہ سے فرمایا۔

"تم آج کی یہ رات دیکھ رہے ہو۔ آج سے سو سال کے بعد اس زمین کی پشت پر ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا جو آج موجود ہیں۔"

تو اگر حضرت خضر اس وقت زندہ تھے تو اس سو سال کے اندر وہ بھی گزر چکے ہیں (جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے) تفسیر خازن ص ۴۸/۵ ۲۴ جلد سوم مرتب و مترجم)۔

خضر کے متعلق مختلف قول...... حضرت خضر کے متعلق تاریخ البدایۃ والنہایۃ میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے جس کا کچھ حصہ احقر مترجم یہاں پیش کر رہا ہے۔

ان ہی آیات میں حق تعالیٰ نے حضرت خضر کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ

رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي (پ ۱۶ سورہ کہف ع ۹)۔ آیہ ۸۹

ترجمہ :۔ اور یہ سارے کام میں نے الہام الٰہی سے کئے ہیں ان میں سے کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔

(یہاں الہام کے بجائے بعض علماء نے وحی مراد لی ہے) لہذا یہ بات اس کی دلیل بنتی ہے کہ وہ نبی تھے اور یہ کہ انہوں نے کوئی کام اپنی رائے اور مرضی سے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم یعنی وحی سے کیا ہے لہذا وہ نبی تھے۔ ایک قول یہ ہیں کہ وہ رسول تھے، ایک قول یہ ہے کہ وہ ولی تھے۔ اس سے بھی زیادہ ایک عجیب قول یہ ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ اور میرے خیال میں اس سے بھی کہیں زیادہ عجیب قول یہ ہے کہ حضرت خضر فرعون کے بیٹے تھے۔ ایسے ہی ایک قول یہ ہے کہ وہ ضحاک بادشاہ کے بیٹے تھے جس نے ایک ہزار سال تک دنیا پر حکومت کی (اب گویا نبی، رسول، ولی اور فرشتہ ہونے کے علاوہ ایسے قول بھی موجود ہیں جن کے مطابق حضرت خضر شہزادے تھے)۔

علامہ ابن جریر کہتے ہیں عام طور پر اہل کتاب کی رائے یہ ہے کہ حضرت خضر فارس کے بادشاہ افریدوں کے زمانے میں تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اس ذوالقرنین کے ہراول میں موجود تھے جس کے متعلق مشہور

ہے کہ وہ دہی افریدوں اور ذوالقرس تھا جو حضرت ابراہیم خلیلؑ کے زمانے میں تھا۔ کچھ علماء کا قول ہے کہ حضرت خضر نے چشمہ حیات کا پانی پی لیا تھا اس لئے وہ ہمیشہ زندہ ہیں اور اب تک موجود ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے کسی کی اولاد ہیں جو حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لائے تھے اور بابل کے علاقے سے ابراہیمؑ کے ساتھ ہجرت کر آئے تھے۔ ایک قول ہے کہ ان کا نام ملکان تھا۔ ایک قول کے مطابق ارمیا ابن خلقیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ سیاسب ابن ہراہب کے زمانہ میں نبی تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد اول صفحہ ۲۹۹)۔

تفسیر ابن کثیر میں اس بارے میں یہ کہ

امام ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ ان کا نام ملیا ابن ملکا تھا اور نوحؑ کی اولاد میں سے تھے۔ ان کی کنیت ابو العباس اور لقب خضر ہے۔ ابن صلاح نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہ آج تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ اگرچہ کچھ حدیثیں ایسی ہیں جن سے حضرت خضر کے زندہ ہونے کے متعلق معلوم ہوتا ہے مگر وہ سب حدیثیں کمزور ہیں ان میں سے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ بہر حال اکثر محدثین حیات خضر کے قائل نہیں ہیں۔ اس کی ایک دلیل تو وہی قرآن پاک کی آیت ہے جو پچھلے صفحوں میں گزری ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی کو ہمیشگی کی زندگی نہیں دی۔ اس کے علاوہ ایک دلیل اور بھی ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر میں فتح کی دعا مانگتے ہوئے حق تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔

"اے اللہ! اگر میری یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر زمین پر کوئی شخص تیری عبادت کرنے والا نہ رہے گا۔"

(چنانچہ اگر حضرت خضر جو ایک ولی اللہ تھے زندہ ہوتے تو آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کیسے صحیح ہوتا) اس کے علاوہ حضرت خضر کے زندہ نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یقیناً" اسلام قبول کرتے اور آپ کے صحابہ میں سے کہلاتے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سارے عالم اور تمام انسانوں اور جنات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"اگر آج موسیٰ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو ان کے پاس بھی میری اطاعت اور مجھ پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔" (تفسیر ابن کثیر پ ۱۶ سورہ کہف)۔

چنانچہ اس کی دلیل میں قرآن پاک کی یہ آیت ہے

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ الآیہ ۸۱ پ ۳ سورہ آل عمران ع ۹

ترجمہ :- "اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا انبیاء سے کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور علم دوں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو مصدق ہو اس کا جو تمہارے پاس ہے تو ضرور اس رسول پر اعتقاد بھی لانا اور اس کی طرف داری بھی کرنا فرمایا کہ آیا تم نے اقرار کیا۔"

تو اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ عہد لیا تھا کہ ان کے بعد جو نبی آئے (اگر وہ اس وقت تک زندہ رہے) تو اس بعد والے پر ایمان لائے اور اس کی مدد کرے۔ لہذا اس کی روشنی میں معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر حضرت خضر رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زندہ ہوتے تو ان کے پاس بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کا اتباع کرتے، آپ کے ساتھ شریک ہوتے اور آپ کے مددگار بنتے، اسی طرح غزوہ بدر کے وقت وہ بھی آنحضرت ﷺ کے جھنڈے تلے موجود ہوتے جیسا کہ حضرت جبرئیل اور دوسرے بڑے بڑے

فرشتے تک موجود تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد اول ص ۳۹۹)۔

لفظ خِضر اصل میں خَضِرٌ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں سبزی یا سبز رنگ کے۔ حضرت خضر کو خضر اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ ایک دفعہ سوکھی اور سفید گھاس پر یا خشک زمین پر بیٹھ گئے تھے کہ ان کی برکت سے وہ گھاس فوراً ہری بھری ہو گئی اور وہ جگہ سبزہ زار ہو کر لہلہانے لگی۔ (تفسیر ابن کثیر سورہ کہف) تشریح ختم۔ از مترجم و مرتب۔

آدمیوں اور جانوروں کے جسموں پر آنحضرت ﷺ کے نام اور کلمہ کے نقش

اصل بیان آنحضرت ﷺ کے نام نامی کے پتھروں اور درختوں وغیرہ پر لکھا ہوا پایا جانے کا چل رہا ہے چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت آدمؑ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان میں یہ کلمہ لکھا ہوا تھا۔

محمّد رسول اللّٰہ خاتم النّبیّن

محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری پیغمبر ہیں۔

نو مولود بچے کے مونڈھوں پر کلمہ کا نقش...... اسی طرح ایک بزرگ نے اپنا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے خراسان کے علاقے میں ایک نو مولود بچے کو دیکھا جس کے ایک مونڈھے پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

ایک بزرگ روایت کرتے ہیں کہ ۸۷۴ھ میں میرے یہاں بکری کا ایک بچہ پیدا ہوا جس کی پیشانی پر ایک بالکل گول سفید دائرہ تھا اور اس میں بہت خوبصورت اور صاف خط میں محمد ﷺ لکھا ہوا تھا۔

ایسے ہی ایک روایت ہے کہ میں نے افریقہ کے ملک مغرب یعنی مراقش میں ایک بچہ دیکھا جس کی دائیں آنکھ کے سفید ڈھیلے میں نیچے کی طرف سرخ پانی سے بہت باریک خط میں محمد رسول اللہ ﷺ لکھا ہوا تھا۔

علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے اللہ تعالیٰ ان کے علم سے ہم سب کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے اپنی کتاب لواقح الانوار القدسیۃ فی قواعد السادۃ الصوفیہ میں لکھا ہے کہ

جس روز میں اس کتاب کا یہ حصہ لکھ رہا تھا اس روز میں نے نبوت کی ایک نشانی دیکھی وہ یہ کہ ایک شخص میرے پاس ایک بکرے کے بچے کا سر لے کر آیا یہ بکری اس نے ذبح کی تھی اور اس کو پکا کر کھا بھی چکا تھا اس نے مجھے دکھایا کہ اس سر میں قدرتی تحریر سے پیشانی پر بہت صاف صاف یہ لکھا ہوا تھا۔

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے جس کے ذریعہ وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔"

پھر علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نام نامی بار بار لکھنے میں حکمتیں چھپی ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ بھولتا نہیں۔ یہاں تک علامہ کا کلام ہے۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ شاید اس ہدایت کے بلند اور اونچے مقام کی وجہ سے یہ تاکید کی گئی ہے۔

ایک افتادہ پتھر پر تحریر...... علامہ زہری سے روایت ہے کہ ایک روز میں ہشام بن عبدالملک کے پاس جا رہا تھا۔ جب میں بلقار کے مقام پر پہنچا تو مجھے وہاں ایک پتھر ملا جس پر عبرانی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ میں اس پتھر کو لے کر ایک شیخ کے پاس پہنچا جو عبرانی زبان جانتے تھے وہ اسے پڑھ کر ہنسے اور بولے کہ یہ عجیب معاملہ ہے اس پر

یہ لکھا ہے کہ

"اے اللہ! تیرے نام سے شروع کرتا ہوں۔ صاف عربی زبان میں تیرے رب کی طرف سے حق اور سچائی کا پیغام آگیا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اس کو (حضرت) موسیٰ ابن عمرانؑ نے لکھا ہے۔"

باب نوزدھم (۱۹)

ظہور سے پہلے آنحضرت ﷺ کو درختوں اور پتھروں کا سلام کرنا

حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
"میں مکے میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو میرے ظہور سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں۔"

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ پتھر حجر اسود تھا۔ (ی) ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ اس کے علاوہ دوسرا تھا اور یہ کہ وہی پتھر تھا جو مکے کی زقاق حجر نامی گلی میں تھا یہ زقاق حجر کے نام سے مشہور ہے (ایک پتھر اور تھا جس کو زقاق مرفق کہا جاتا ہے اور جس پر آنحضرت ﷺ کی کہنی کا نشان تھا) مگر یہ زقاق حجر اس کے علاوہ کوئی اور تھا۔ زقاق مرفق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اس پتھر پر اپنی کہنی سے سہارا لیا تھا (جس کے نتیجہ میں اس پتھر پر آپ کی کہنی کا نشان رہ گیا) اسی کو زقاق مرفق کہا جاتا ہے۔ (زقاق کے معنی تنگ راستہ گلی اور گھاٹی کے ہیں۔ اور مرفق کے معنی کہنی ہیں) اسی طرح وہ پتھر وہ بھی نہیں تھا جس پر آپ ﷺ کی انگلیوں کے نشان پڑے ہوئے تھے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ظہور کے قریبی زمانے میں جب قضاء حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو بستی سے اتنی دور نکل جاتے کہ وہاں سے آبادی نظر نہیں آتی تھی۔ پھر وہاں آپ گھاٹیوں اور وادیوں کے اندرونی حصوں میں جاکر فراغت حاصل فرماتے۔ اس دوران میں آپ جس درخت اور پتھر کے پاس سے گزرتے تو اس سے یہ آواز آتی۔

"السلام علیکم یا رسول اللہ۔ اے اللہ کے رسول آپ پر سلامتی ہو۔"

آپ یہ آواز سن کر اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے دیکھتے مگر کوئی نظر نہ آتا۔ اسی بات کی طرف عیون الاثر کے مصنف نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

لَمْ يَبْقَ مِنْ حَجَرٍ صُلْبٍ وَّلَا شَجَرٍ
اِلَّا وَسَلَّمَ بَلْ هَنَّاهُ مَا وَهَبَا

کوئی سخت پتھر اور درخت ایسا باقی نہیں رہا جس نے آنحضرت ﷺ کو سلام نہ کیا ہو بلکہ آپ کو جو کچھ نعمت ملی اس پر اس نے مبارکباد نہ دی ہو۔

اسی بات کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے بھی اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وَالْجَمَادَاتُ افْصَحَتْ بِالَّذِیْ
اَخْرَسَ عَنْہُ لِاَحْمَدِ الْفُصَحَاءِ

مطلب: یعنی جمادات جیسے پتھروں وغیرہ نے جن میں کوئی روح اور زندگی نہیں ہے نہایت صاف انداز میں بغیر اٹکے ہوئے کلام کیا اور آپ کی نبوت و رسالت کی شہادت دی جبکہ اتنی فصاحت کے ساتھ بڑے بڑے فصیح لوگوں یعنی قریش کے کفار نے بھی کلام نہیں کیا۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب میں مکے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا تو ہم ایک دفعہ مکے کے نواحی علاقوں میں گئے اس وقت جس پہاڑ اور درخت کے سامنے سے آپ گزرتے تھے وہ یہ کہتا تھا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ

اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ آپ کی نبوت سے پہلے پتھروں کے آپ کو سلام کرنے کے متعلق علامہ سبکی نے اپنے قصیدے میں اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وَمَا جزت بِالاحجار اِلَّا وَسَلَّمَتْ
عَلَیْکَ بِنُطْقٍ شَاھِدٍ قَلَّ بَعْثُہٗ

ترجمہ:۔ اور آپ ظہور سے پہلے جب کسی پتھر کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ آپ کو آواز کے ساتھ اس طرح سلام کرتا تھا جس میں آپ کی نبوت کی گواہی ہوتی تھی۔

اس بارے میں حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔

"جب مجھ پر وحی نازل کی گئی تو اس کے بعد میں جب درخت یا پتھر کے پاس سے بھی گزرتا تھا وہ مجھ کو ان الفاظ سے سلام کرتا تھا۔ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ"

اسی طرح ایک روایت ہے کہ مکے میں رسول اللہ ﷺ نے جنات سے پوچھا۔

"اس بات کی گواہی کون دیتا ہے کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔"

آپ نے فرمایا۔ "یہ سب درخت"۔

پھر آپ نے ان درختوں سے پوچھا کہ۔ میں کون ہوں۔

انہوں نے کہا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

(تو ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے پتھروں اور درختوں نے نبوت کے بعد سلام اور کلام کیا ہے مگر) ان روایتوں کے متعلق صحیح تفصیلات معلوم نہیں ہیں۔

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ:

یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ کو پتھروں نے سلام کیا اور درختوں نے آپ سے کلام کیا اور انہوں نے آپ کی نبوت کی گواہی دی اور آپ کی دعوت کی تصدیق کی۔

کیا درختوں اور پتھروں کا کلام شعور کے ساتھ تھا...... علامہ سہیلی نے اس بارے میں لکھا ہے کہ یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ درختوں اور پتھروں کا آپ سے کلام کرنا زندگی اور سمجھ کے ساتھ رہا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ

محض آوازیں رہی ہوں (جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان میں پیدا فرمادیں) ان میں زندگی اور سمجھ کو دخل نہ رہا ہو۔ مگر دونوں صورتوں میں یہ ظاہر ہے کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

علامہ شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ اکثر فلسفیوں بلکہ سب ہی کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ جمادات یعنی پتھروں وغیرہ میں عقل اور شعور بالکل نہیں ہوتا (مگر فلسفیوں کے یہاں ہر بات عقل اور مشاہدہ کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اس بارے میں چونکہ عقل یہی کہتی ہے کہ پتھروں وغیرہ میں عقل اور سمجھ بالکل نہیں ہوتی) اس لئے انہوں نے اپنے مشاہدہ کے مطابق یہ فیصلہ کر دیا ہے جبکہ ہمارے یعنی اہل مذہب اور علماء کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ فلسفیوں کے سامنے اگر کسی نبی کا کوئی معجزہ یا ولی کی کوئی ایسی کرامت آئے (جس میں پتھروں کا کلام کرنا معلوم ہوتا ہو) تو وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس چیز میں صرف اسی وقت کے لئے زندگی اور علم پیدا فرمادیا تھا۔

غرض علماء کے نزدیک ایسا نہیں ہے بلکہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ زندگی دنیا کی ہر چیز سرایت کئے ہوئے ہے چنانچہ ایک حدیث ہے کہ جب موذن اذان دیتا ہے تو اس کی آواز دنیا کی ہر چیز سنتی ہے چاہے وہ خشک ہو یا تر ہو (یعنی چاہے پتھر ہو اور چاہے درخت ہوں) اور سن کر اس سب کی گواہی دیتی ہیں جو موذن کہتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ شہادت بغیر علم اور سمجھ کے نہیں ہوتی۔ علامہ ابن عربی نے اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس کے بعد مزید لکھا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کو اتنی طاقت نہیں دی کہ وہ جمادات اور پتھروں وغیرہ کی زندگی کو جان سکیں سوائے اس کے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے چاہا انہوں نے اس کو محسوس کر لیا ہے جیسا کہ ہم یعنی علماء اور ہم جیسے دوسرے حضرات۔ کیونکہ ہمیں اس بات کو ماننے میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جمادات کی زندگی کو ہمارے سامنے مشاہدہ کرادیا (جیسا کہ رسول اللہ کو ان چیزوں نے سلام کیا) اور ان چیزوں کی تسبیح اور ذکر کو ہم پر ظاہر فرمادیا ہے۔ اسی طرح مثلاً "اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کی وجہ سے طور پہاڑ کا اس وقت لرزنا اور بیٹھ جانا ہے جب اس پر حق تعالیٰ کی تجلی پڑی کیونکہ حقیقت میں پہاڑ کا دب جانا حق تعالیٰ کی عظمت کی سمجھ کے ساتھ ہوا اگر پہاڑ کو عظمت حق کا علم نہ ہوتا تو وہ ہرگز نہ بیٹھ جاتا واللہ اعلم

باب بستم (۲۰)

آنحضرت ﷺ کے ظہور کا وقت اور آپ ﷺ کے پیغام کی عمومیت

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ

جب رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو آپ کو اللہ تعالی نے تمام عالموں اور تمام انسانوں کے لئے رحمت بنا کر ظاہر فرمایا۔ اللہ تعالی نے اس سے پہلے تمام نبیوں سے آپ ﷺ کے متعلق عہد لیا تھا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں، آپ کی تصدیق کریں اور آپ کے مخالفوں کے مقابلے میں آپ کی مدد اور حمایت کریں۔ اور یہ کہ وہ انبیاء ان سب لوگوں تک بھی یہ پیغام پہنچائیں جو ان پر ایمان لائیں اور ان کی پیروی کریں۔

(ی) اس طرح گویا پچھلے تمام پیغمبر اور ان کی امتیں بھی رسول اللہ ﷺ کی ہی امت میں شامل ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں آگے علامہ سبکی کی روایت بھی بیان ہو گی۔

نبوّت کے وقت عمر مبارک...... (جہاں تک نبوت کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک کا تعلق ہے) اس بارے میں حضرت انس ابن مالک سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں ظاہر فرمایا گیا۔

(قال) اکثر محدثین اور سیرت نگاروں کے درمیان یہی قول سب سے زیادہ مشہور ہے، مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ اس وقت آپ کی عمر چالیس سال اور ایک دن کی تھی۔ اس کے علاوہ چند قول اور بھی ہیں جیسے چالیس سال دس دن اور چالیس سال دو مہینے، بعض نے بیالیس سال کی عمر بتلائی ہے مگر یہ قول بہت شاذ ہے (یعنی اس قول کے ماننے والے علماء بالکل گنے چنے ہیں۔ پھر اس سے بھی زیادہ شاذ دو قول ہیں جن میں سے ایک میں نبوت کے وقت آپ کی عمر تینتالیس سال اور دوسرے میں پینتالیس سال بتلائی گئی۔

عقل و شعور کے کمال کی عمر...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ چالیس سال کی عمر عقل و شعور کے کمال کی عمر ہوتی ہے اور عمر کی اسی حد پر (یا اس کے بعد) انبیاء کا ظہور ہوتا ہے یعنی انبیاء کو اس عمر سے پہلے رسالت نہیں ملتی۔ چنانچہ علامہ کشاف نے لکھا ہے کہ روایت ہے کہ چالیس سال کی عمر سے پہلے کسی نبی کا ظہور نہیں ہوا۔ یہ علامہ کشاف کا کلام ہے۔

اب جہاں تک حضرت مسیحؑ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب ان کو آسمان پر اٹھایا گیا اس وقت ان کی عمر تینتیس یا چونتیس سال کی تھی جبکہ یہ بات ظاہر ہے کہ آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے ان کو نبوت مل چکی تھی۔ تو اس قول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ شاذ ہے جس کو وہب ابن منبہ نے عیسائیوں سے روایت کیا ہے۔ (ق) اور بہت سے مفسرین نے یہی قول قبول کر لیا ہے۔ بلکہ کتاب ینبوع الحیات میں تو یہ لکھا ہے کہ مجھے کوئی مفسر ایسا نہیں ملا جو یہ کہتا ہو کہ آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت حضرت عیسیٰؑ کی عمر تینتیس سال سے زیادہ تھی۔ یہاں تک کشاف کا کلام ہے۔

ظہور کے وقت عیسیٰؑ کی عمر...... کتاب ہدی میں یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے متعلق جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ اٹھائے جانے کے وقت ان کی عمر تینتیس سال کی تھی تو اس کی تائید میں کوئی ایسا مضبوط اثر اور روایت نہیں ہے کہ اس کو قبول کرنا ضروری ہو۔ یہاں تک کتاب ہدی کا حوالہ ہے۔

عام مفسرین کے متعلق جو بات گذشتہ سطروں میں بیان کی گئی ہے۔ اسی کے مطابق کتاب عرائس میں بھی لکھا ہے کہ

جب عیسیٰؑ کی عمر پورے تینتیس سال کی ہو گئی تو اللہ تعالی نے ان پر وحی نازل فرمائی کہ وہ لوگوں کے سامنے پیغمبر کی حیثیت سے ظاہر ہو جائیں، ان کو ہدایت کی طرف بلائیں اور پچھلوں کی مثالیں دے کر سمجھائیں، بیماروں موذیوں، اندھوں اور دیوانوں کی مسیحائی کریں اور شیطانوں کو دھتکاریں اور ذلیل و خوار کر کے لوگوں سے دور کریں۔ چنانچہ عیسیٰؑ نے وہ سب کچھ کیا جس کا ان کو حکم دیا گیا، انہوں نے معجزات دکھلائے، چنانچہ انہوں نے ایک مردے کو زندہ کیا جو تین دن پہلے مرا تھا جس کو عازر کہا جاتا ہے۔

اس بارے میں علامہ جلال محلی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے چار مردوں کو زندہ کیا تھا ایک اپنے ایک دوست کو ایک بڑھیا کے لڑکے کو اور لڑکی کو اور نوحؑ کے بیٹے سام کو۔ یہاں تک علامہ بغوی کا کلام ہے۔ علامہ بغوی نے ان چاروں کے پورے پورے واقعے بھی لکھے ہیں۔ تفصیل کے لئے ان کی تفسیر دیکھی جا سکتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ وہ پانی پر بھی چل سکتے تھے۔ نبوت ملنے کے بعد وہ تین سال تک زمین پر رہے اس کے بعد ان کو اٹھالیا گیا۔

(عیسیٰؑ کو تینتیس سال میں ہی نبوت ملنے کا جو یہ قول ہے) اسی کی تائید علامہ ابن جوزی کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ۔ ہر ایک نبی کو چالیس سال کی عمر کے بعد ہی نبوت ملی تو یہ حدیث موضوع یعنی من گھڑت ہے اس لئے کہ عیسیٰؑ کو نبوت ملی اور اسکے بعد جب ان کو آسمان پر اٹھایا گیا تو اس وقت ان کی عمر تینتیس سال کی تھی (ی) یعنی جب ان کو نبوت ملی تو اس وقت وہ تیس سال کے تھے اور جب ان کو اٹھایا گیا اس وقت ان کی عمر تینتیس سال تھی۔ بلکہ ان کے متعلق تو یہاں تک بھی کہا جاتا ہے ان کو لڑکپن میں ہی نبوت مل چکی تھی لہذا انبیاء کے سلسلے میں چالیس سال کی شرط ہونا بے معنی بات ہے۔ یہاں تک ابن جوزی کا کلام ہے۔

مگر ابن جوزی کے اس قول پر بھی اعتراض ہو سکتا ہے کیونکہ انہوں نے جن بنیاد پر اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت بتلایا ہے وہ بنیاد کافی نہیں ہے چنانچہ قاضی بیضاوی کا جو قول ہے وہ بھی اسی حدیث کے موافق ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نوحؑ کو جب نبوت ملی تو اس وقت ان کی عمر پچاس سال کی تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے

کہ چالیس سال تھی۔

پھر اسی حدیث کے مطابق بعض دوسرے علماء کا یہ قول بھی ہے کہ

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبوت کے لئے چالیس سال کی عمر کو پہنچنا شرط نہیں ہے وہ اس کی دلیل میں حضرت یحییٰؑ کا واقعہ بھی پیش کرتے ہیں کیونکہ ان کے بارے میں قرآن پاک میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا الآیہ پ ۱۶ سورہ مریم ع ۱

ترجمہ :۔ اور ہم نے ان کو ان کے لڑکپن ہی میں دین کی سمجھ اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی اخلاق کی عطا فرمائی تھی۔

وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں حکم سے مراد حکمت اور تورات کا فہم نہیں ہے بلکہ نبوت ہے (کہ بچپن میں ہی ان کو نبوت کا اعزاز عطا فرمایا گیا ہے) اور بچپن ہی میں ان کو عقل کی پختگی اور شعور سے سرفراز فرمایا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر دو سال یا تین سال تھی۔

جب خلیفہ مقتدر عباسی کو خلافت ملی اس وقت وہ بالغ نہیں تھا چنانچہ اس کی خلافت کے اس مسئلے پر امام اصولی نے ایک کتاب تصنیف کی کہ بالغ ہونے سے پہلے کسی کا حکم سنبھال لینا جائز ہے یا نہیں۔ انہوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور اس بات سے دلیل لی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کو جب نبوت عطا فرمائی اس وقت تک وہ بالغ نہیں تھے۔ ساتھ ہی علامہ نے اپنی اس کتاب میں ان تمام بچوں کا بھی ذکر کیا ہے جن کو نابالغ ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے کسی کسی وقت قائم مقام بنایا ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ کتاب بہت عمدہ ہے اور اس میں بہت سے فائدے ہیں۔

یہ حضرت یحییٰؑ جن کا ذکر اوپر گزرا ہے ان کے متعلق کچھ تفصیل احقر مترجم نے قسط نمبر ۲ میں پیش کی ہے ان کو حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے سے تقریباً" ڈیڑھ سال پہلے ذبح کر دیا گیا تھا۔

<u>ظہور کے بعد انبیاء کی عمریں</u>...... پیچھے کتاب ہدیٰ کے حوالہ سے یہ بات گزری ہے کہ یہ غلط ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کو اٹھایا گیا اسوقت ان کی عمر تینتیس سال تھی۔ اس انکار کی بنیاد بعض علماء کا یہ قول ہے کہ بہت سی صحیح حدیثیں ایسی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسیٰؑ کو جس وقت آسمان پر اٹھایا گیا اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی۔ ان احادیث میں سے ایک آنحضرت ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے اپنے مرض وفات میں فرمایا کہ

"مجھے جبرئیلؑ نے بتلایا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جو اپنے سے پہلے نبی کی عمر کے آدھے کے برابر زندہ نہ رہا ہو انہوں نے ہی مجھے بتلایا ہے کہ عیسیٰؑ ایک سو بیس سال تک زندہ رہے ہیں۔ انہوں نے میرے بارے میں کہا ہے کہ ساٹھ سال کی عمر ہونے کے بعد میری وفات ہو گی۔"

اسی طرح کتاب جامع صغیر میں حدیث ہے کہ

"اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا ظاہر نہیں فرمایا جو اپنے سے پہلے نبی کی عمر کے آدھے حصے کے برابر زندہ نہ رہا ہو۔"

مگر جہاں تک ان حدیثوں کو ماننے کا تعلق ہے تو اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ کی سب نبیوں میں سب سے زیادہ عمر ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے ان کو "کبیر الانبیاء" اور "شیخ المرسلین" کہا گیا ہے۔ اور

آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے نبی ہوں گے جن پر سے زمین شق ہوگی۔
مگر پھر میں نے دیکھا کہ علامہ ہیثمی نے اس حدیث کو کمزور قرار دیا ہے کہ ہر نبی اپنے سے پہلے نبی کی کل عمر کے (کم از کم) نصف حصے تک ضرور زندہ رہتا ہے۔ علامہ عماد ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ حدیث بہت زیادہ غریب ہے (حدیث غریب کی تعریف سیرت حلبیہ میں پہلے گزر چکی ہے)۔

رسول اللہ ﷺ کی پانچ خصوصیات...... عمرو ابن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے سال میں ایک روز آنحضرت ﷺ رات میں اٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کے صحابہ آپ کے پاس آکر چاروں طرف حلقہ بنا کر کھڑے ہوگئے (جو حفاظت کے لئے نہیں تھا بلکہ) وہ آپ کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگے کیونکہ یہ وقعہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی خود حفاظت فرماتا ہے (وہ آیت یہ ہے)۔

واللہ یعصمك من الناس پ۶ سورہ مائدۃ ع ۹ آیت ۶۷

ترجمہ :۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

غرض جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔
پہلی خصوصیت...... "مجھے آج رات پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کبھی کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک روایت میں اس کے بعد ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے کہ میں ان چیزوں کا ذکر کسی فخر و غرور کی وجہ سے نہیں کر رہا ہوں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ مجھے ساری دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔
(ی) یعنی خود آپ کے زمانے کے لوگوں کے علاوہ آپ سے پہلے کے زمانے والوں کے لئے بھی اور آپ کے بعد کے زمانے والوں کے لئے بھی۔ (ی) یہاں تک کہ درختوں اور پتھروں کے لئے بھی جیسا کہ یہ پوری روایت آگے آئے گی۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا ہے۔ (ی) یعنی اپنے زمانے کے تمام انسانوں کی طرف یا کسی خاص جماعت اور امت کی طرف۔"
چنانچہ ان میں سب سے پہلے حضرت نوحؑ ہیں کیونکہ ان کو ان تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا جو ان کے دور میں اس زمین پر بستے تھے۔ جب ان کو یعنی حضرت نوحؑ کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ سوائے کشتی والوں کے ان پر کوئی ایمان نہیں لائے گا تو انہوں نے ان باقی تمام آدمیوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بددعا کی کہ ان پر عذاب نازل فرمائے۔ کشتی کے یہ لوگ کل ملا کر اسی آدمی تھے جن میں چالیس مرد تھے اور چالیس عورتیں تھیں۔ مگر کتاب عوارف المعارف میں یہ ہے کہ کشتی والوں کی تعداد چار سو تھی۔
(ان دونوں میں لوگوں کی تعداد کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کو دور کرنے کے لئے) یہ کہا جاتا ہے کہ چار سو کی تعداد انسانوں اور غیر انسانوں سب کی ملا کر تھی کیونکہ اس میں جانور بھی تھے۔ اس طرح یہ اختلاف دور ہو جاتا ہے۔
غرض حضرت نوحؑ کی بددعا کے بعد طوفان آیا اور تمام زمین پر بسنے والے اس سے ہلاک ہوگئے صرف وہ لوگ زندہ بچے جو ان پر ایمان لے آئے تھے۔ تو اگر نوحؑ تمام انسانوں کے پیغمبر نہ ہوتے تو ان کے مخالفت کرنے اور بت پرستی کرنے کی وجہ سے نوحؑ ان کے حق میں بددعا نہ کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا ﷺ ا پ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۱ آیت ۱۵

ترجمہ :۔ اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک کہ کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔

یہ بات ثابت ہے کہ نوحؑ ہی وہ پہلے نبی ہیں جو بتوں کی پوجا کرنے والوں کے خلاف نبی بنا کر بھیجے گئے کیونکہ بت پرستی سب سے پہلے ان ہی کی قوم نے شروع کی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنا کر ظاہر فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو بت پرستی سے روکیں۔

آدمؑ کے متعلق روایت ہے کہ وہ سب سے پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اس کے پسندیدہ طریقوں پر چلیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آدمؑ کو جنت میں ہی حضرت حواء کے لئے پیغمبری عطا فرمائی گئی تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کو وہ سب باتیں بتلائیں جو حق تعالیٰ کو پسند ہیں نیز وہ جو ناپسند ہیں تو اس کے ذیل میں ان کو یہ بھی حکم فرمایا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ باتوں پر عمل کرنے کے لئے حضرت حوا کو حکم دیں اور ناپسندیدہ باتوں سے بچنے کی ہدایت کریں۔

چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ

(پ ا سورہ بقرہ ع ۳)۔ آیہ ۳۵

ترجمہ :۔ اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم اور تمہاری بیوی بہشت میں پھر کھاؤ دونوں ان میں سے با فراغت جس جگہ سے چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے۔

چنانچہ بعض علماء کا قول ہے کہ نبوت و پیغمبری کی حقیقی اور عین منشاء یہی ہے۔

نوحؑ و آنحضرت ﷺ کی نبوت کے عموم میں فرق...... بہر حال اس کے باوجود بھی یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت نوحؑ کی نبوت اگرچہ ساری دنیا کے لوگوں کے لئے عام تھی مگر وہ عمومیت اس عمومیت کے برابر نہ تھی جو آنحضرت ﷺ کو عطا فرمائی گئی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت ان لوگوں تک کے لئے بھی عام ہے جو آپ کے زمانے کے بعد دنیا میں آنے والے ہیں۔ لہٰذا اب یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے کہ طوفان کے بعد زمین پر سوائے مومنوں کے کوئی باقی نہیں رہا تھا اور جس سے حضرت نوحؑ کی نبوت کا سب کے لئے عام ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ (اور جب حضرت نوحؑ کی نبوت بھی ساری دنیا کے لئے عام تھی تو آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہو گا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کبھی کسی کو نہیں دی گئیں اور ان میں سے ایک میری نبوت کا ساری دنیا کے لئے عام ہونا ہے تو گویا پچھلی سطروں میں نوحؑ اور آنحضرت ﷺ دونوں کی نبوتوں کے عام ہونے کے باوجود ان میں جو فرق ظاہر کیا گیا ہے اور اس کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کی فوقیت ظاہر کی گئی ہے اس کے بعد یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے)۔

اس اشکال کا ایک جواب علامہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی دیا ہے (مگر اس پچھلے جواب کے بعد وہ بھی اہم نہیں رہتا) علامہ ابن حجرؒ نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ نوحؑ کی نبوت کو جو عمومیت حاصل ہوئی وہ طوفان کے بعد حاصل ہوئی (کیونکہ اس وقت سوائے ان کے ماننے والوں کے زمین پر کوئی دوسرا باقی نہیں رہا تھا) ورنہ اصل کے لحاظ سے ان کی نبوت کو یہ عمومیت حاصل نہیں تھی۔ جب کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت اصل کے لحاظ سے ہی ساری دنیا کے لئے عام تھی۔

کہاجاتا ہے کہ حضرت نوح کے تبلیغ شروع کرنے اور طوفان آنے کے درمیان ایک سو سال کا فاصلہ تھا۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ آدمؑ سے لے کر نوحؑ سے پہلے پہلے جتنے نبی گزرے ہیں ان سب کی نبوت کا اصل منشاء اور مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر ایمان لانے کی ہدایت کریں اور خدا کے ساتھ شرک نہ کرنے کی ہدایت کریں۔ اگرچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ شرک اور بت پرستی حضرت نوحؑ کے زمانے میں شروع ہوئی اور اس کے بعد سے ہی باقی ہے۔

ایک یہودی فرقہ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی آدھی تصدیق..... اس بارے میں یہودیوں اور ان کے ساتھ یہودیوں کے ایک خاص فرقے عیسویہ جو عیسیٰ اصفہانی کے پیرو ہیں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ خاص طور پر صرف عربوں کے لئے ظاہر ہوئے تھے بنی اسرائیل کے لئے نہیں اور یہ کہ آنحضرت ﷺ سچے نبی تھے (مگر صرف عربوں کے لئے ہی آپ کی پیروی کرنی ضروری تھی دوسری قوموں کے لئے نہیں)۔ تو یہودیوں کا یہ قول فاسد اور لغو ہے۔ کیونکہ جب انہوں نے یہ بات تسلیم کرلی کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ آپ سچ بولتے ہیں جھوٹ کچھ نہیں کہتے تو پھر انہوں نے آپ کی اس بات پر کیوں یقین نہیں کیا کہ آپ ساری دنیا کے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں کیونکہ یہ حدیث تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ تمام انسانوں کی طرف اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے

اقول۔ مولف کہتے ہیں: حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ پ ۱۳ سورہ ابراہیم ع ۱ آیۃ ۴

ترجمہ :۔ اور ہم نے تمام پہلے پیغمبروں کو بھی ان ہی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا۔

(جس کا مطلب بظاہر یہ ہوتا ہے کہ ہر نبی صرف اس قوم کے لئے ہوتا ہے جن کی زبان وہ بولتا ہے لہذا کسی نبی کو ساری دنیا کا نبی کیسے کہا جاسکتا ہے کیونکہ وہ ساری دنیا کی زبانیں تو ظاہر ہے بول نہیں سکتا) اس اشکال کا جواب بعض علماء نے دیا ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نبی کی نبوت صرف اسی قوم تک محدود ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس قوم میں وہ تبلیغ کررہا ہے اسی کی زبان وہ بولتا ہو تاکہ وہ خود پہلے ان کو ہدایت کرے اور پھر اس سے ہدایت حاصل کرنے والے دوسروں تک وہ پیغام پہنچادیں۔ اور اس طرح اس نبی کی زبان نہ جاننے والوں یعنی دوسری قوموں تک ترجمانوں کے ذریعہ اس نبی کا پیغام پہنچ جائے۔ لہذا یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ ساری دنیا کے انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اگرچہ آپ اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب یعنی قرآن پاک عربی ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور موسیٰؑ کو عبرانی زبان میں کتاب یعنی تورات دی گئی اور عیسیٰؑ کو سریانی زبان میں انجیل دی گئی حالانکہ بنی اسرائیل میں بہت سے لوگ وہ بھی تھے جو عبرانی یا سریانی زبان نہیں سمجھتے تھے جیسے اروام تھے کہ وہ بنی اسرائیلی تو تھے مگر ان کی زبان یونانی تھی۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کی دوسری خصوصیت...... اصل بیان اس کا چل رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں جن میں سے ایک تو یہ کہ آپ ساری دنیا کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا) اس کے بعد آپ نے دوسری خصوصیت کی طرف اشارہ فرمایا کہ :۔

"اللہ تعالیٰ نے میرے دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب پیدا فرما کر میری مدد فرمائی ہے چاہے میرے

وہ دشمن مجھ سے ایک مہینے کی مسافت کے فاصلے پر ہی کیوں نہ ہوں ان کے دلوں میں میرا رعب موجود ہے)"

(ی) یعنی سامنے ہوں یا پیچھے ہوں ان کے دل میرے رعب سے بھرے رہتے ہیں اور وہ آپ سے مرعوب رہتے ہیں۔ آپ نے اس حدیث میں خاص طور پر ایک مہینے کی مسافت کا ذکر فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے جتنے بھی ایسے دشمن تھے جو آپ سے جنگ کرنے پر آمادہ تھے ان میں سے کوئی بھی آپ کے شہر سے ایک مہینے کی مسافت سے زیادہ پر نہیں تھا۔

سلیمانؑ کی طرف سے اس خصوصیت کی تصدیق...... حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت سلیمانؑ جنوں اور انسانوں کے اپنے تمام لشکر کے ساتھ حرم میں تشریف لے گئے تھے ان کے ساتھ اتنا بڑا لشکر تھا کہ روزانہ پانچ ہزار اونٹنیاں، پانچ ہزار بیل اور بیس ہزار بکریاں کھانے کے لئے ذبح کی جاتی تھیں، ان کا لشکر سو فرسخ کے رقبے میں ٹھہرا ہوا تھا (ایک فرسخ تقریباً "بارہ ہزار گز یعنی آٹھ کلو میٹر کے قریب ہوتا ہے)۔ غرض ایک دن جبکہ لشکر کے تمام بڑے بڑے سردار موجود تھے حضرت سلیمانؑ نے ان سے فرمایا۔

"یہی وہ جگہ ہے جہاں سے ایک نبی عربی ظاہر ہوں گے۔ ان کو ان تمام لوگوں پر فتح و نصرت عطا فرمائی جائے گی جو ان کے مخالف ہوں گے، ان کی ہیبت ان دشمنوں تک کے دلوں میں ہو گی جو ان سے ایک مہینے کے فاصلے پر ہوں گے، سچ بات کہنے میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہیں کریں گے۔"

اس پر لشکر والوں نے ان سے پوچھا۔

"اے اللہ کے نبی! وہ کس دین پر چلیں گے۔"

سلیمانؑ نے فرمایا

"وہ حنیفیت کے دین پر چلیں گے خوش خبری ہے ان لوگوں کے لئے جو ان پر ایمان لے آئیں گے۔"

لشکر والوں نے پوچھا

"ہمارے اور ان کے زمانے میں کتنا فاصلہ ہے۔"

سلیمانؑ نے فرمایا

"ایک ہزار سال کی مدت ہے۔"

تیسری خصوصیت...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تیسری چیز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

میرے لئے یعنی میری امت کے لئے تمام مال غنیمت حلال کیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے جو نبی گزرے ہیں ان میں جن کو جہاد کا حکم دیا گیا وہ تمام مال غنیمت دوسروں کو دے دیتے تھے اور اپنے اوپر اس کو حرام رکھتے (ی) وہ سب مال کو جمع کر لیتے تھے یہاں غنیمت میں حیوانات کے علاوہ سب چیزیں مراد ہیں جیسے پونجی، کھانے پینے کی چیزیں اور دوسرا مال و متاع، کیونکہ جہاں تک حیوانات کا تعلق ہے جو مال غنیمت میں آئے ہوں وہ لڑنے والوں کی ہی ملکیت ہوتے ہیں انبیاء کی نہیں۔ انبیاء کے لئے ان میں سے کوئی بھی چیز مال غنیمت کی حیثیت سے لینی جائز نہیں ہے کتاب وفا میں اسی طرح ہے۔ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ آپ کی امت پر مال غنیمت حلال کیا گیا ہے جبکہ اس سے پہلے کسی امت پر غنیمت کا مال حلال نہیں تھا۔

چنانچہ ایک روایت ہے کہ پچھلے نبی جب مال غنیمت سے پانچواں حصہ نکالتے تو آسمان سے ایک سفید رنگ کی آگ آیا کرتی تھی اور اس مال کو کھالیا کرتی تھی اگر اس میں کوئی خیانت نہ ہوئی ہو لیکن مجھے حکم دیا گیا ہے

کہ میں اس مال کو اپنی امت کے غریب لوگوں میں تقسیم کر دوں (یعنی پانچویں حصے کو)۔

یوشع ابن نون اور مال غنیمت...... (تشریح) پچھلی امتوں پر مال غنیمت حلال نہیں تھا بلکہ یہ آنحضرت ﷺ کی امت پر حلال کیا گیا ہے۔ مشکوٰۃ کی حدیث ہے جسے حضرت ابوہریرہؓ نے نقل کیا ہے کہ

"ہم سے پہلے کسی پر بھی مال غنیمت حلال نہیں تھا۔ ہم پر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہمارے ضعف اور کمزوری کو دیکھ کر غنیمت کے مال کو ہمارے لئے جائز فرمادیا ہے۔"

پچھلی امتوں میں یہ دستور تھا کہ غنیمت کا مال اکٹھا کرتے اور اس کو جنگل میں لے جا کر رکھ دیتے۔ اگر اس مال غنیمت میں سے کسی نے کوئی خیانت اور بددیانتی نہیں کی ہے تو آسمان سے آگ اترتی اور اس مال کو کھا لیتی جس سے وہ سمجھ لیتے کہ ان کا جہاد قبول ہو گیا ہے۔ چنانچہ حضرت یوشع ابن نونؑ کا واقعہ حدیث میں آیا ہے جسے ابوہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے۔ یہ حدیث مشکوٰۃ میں ہے جس کا کچھ حصہ یہاں احقر مترجم نقل کر رہا ہے کہ

"حضرت یوشع ابن نون نے ایک بستی جنگ کے ذریعہ فتح کی۔ اس کے بعد انہوں نے غنیمت کا مال جمع کر کے ایک جگہ رکھ دیا آگ آئی مگر اس نے اس مال کو نہیں کھایا۔ حضرت یوشع نے یہ ماجرا دیکھ کر ساتھیوں سے فرمایا۔

تم لوگوں میں سے کسی نے یقیناً" خیانت اور بددیانتی کی ہے (یعنی اس مال سے کچھ چھپا لیا ہے) لہٰذا اب یہ ضروری ہے کہ ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی میرے ہاتھ پر بیعت کرے۔ چنانچہ بیعت شروع ہوئی تو ایک شخص کا ہاتھ حضرت یوشع کے ہاتھ پر رکھتے ہی چپک کر رہ گیا۔ حضرت یوشع نے فرمایا۔

"تمہارے قبیلے میں سے کسی نے بددیانتی کی ہے"

آخر اس قبیلے کے لوگ ایک گائے کا سر لائے جو سونے کا بنا ہوا تھا اور جسے انہوں نے چُھپا لیا تھا) اس کو انہوں نے جیسے ہی باقی مال کے ساتھ رکھا فوراً" آگ آئی اور اس سارے مال کو کھا گئی۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ مال غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو غیر مسلموں سے جنگ کے نتیجہ میں فتح کے بعد حاصل ہوتا ہے یعنی دشمن کے کیمپ کا مال و متاع اور جانور وغیرہ۔ دوسری چیز "فئی" ہوتی ہے یہ وہ مال ہوتا ہے جو بغیر جنگ کے دشمن کے کیمپ سے حاصل ہوتا ہے۔ تشریح ختم۔ مرتب)۔

علامہ جلال سیوطیؒ نے اپنی تفسیر کے تکملہ میں لکھا ہے کہ یہ صورت حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں نہیں ہوئی اور غالباً" وہ ان نبیوں میں سے نہیں ہیں جن کو جہاد کا حکم دیا گیا تھا۔ لہٰذا یہ بات گذشتہ کے خلاف نہیں ہے۔

چوتھی خصوصیت...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے چوتھی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"اور میرے لئے ساری زمین کو پاک مسجد بنا دیا گیا ہے جس جگہ بھی نماز کا وقت آجائے میں وہاں اگر پانی بھی میسر نہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہوں۔ لہٰذا زمین پر مسجدوں کے لئے کوئی ایک جگہ خاص نہیں کی گئی جبکہ مجھ سے پہلے لوگوں کو یہ سہولت میسر نہیں تھی کہ وہ جہاں بھی چاہیں نماز پڑھ لیں بلکہ وہ لوگ صرف اپنی عبادت گاہوں میں ہی نمازیں پڑھ سکتے تھے۔"

(ی) اسی طرح ان امتوں میں سے کسی کو تیمم کی سہولت بھی حاصل نہیں تھی کیونکہ تیمم صرف

ہماری امت کی ہی خصوصیت ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ پچھلے نبیوں میں سے کوئی نبی ایسا نہیں تھا کہ وہ سوائے اپنی خاص محراب اور عبادت گاہ کے کہیں اور نماز پڑھ سکتا ہو۔

قرآن پاک کی آیت ہے

واختار موسیٰ قومه (پ۹ سورہ اعراف ع ۱۸) آیت ۱۵۵

ترجمہ :۔ اور موسیٰ نے ستر آدمی اپنی قوم میں سے ہمارے وقت معین پر لانے کے لئے منتخب کئے تھے۔

<u>بنی اسرائیل کو منجانب اللہ ایک سہولت اور ان کا کفران</u>...... اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا۔

"میں تمہارے لئے تمام زمین کو مسجد بنا رہا ہوں۔"

موسیٰؑ نے اپنی قوم کو حق تعالیٰ کا یہ فرمان پہنچایا کہ حق تعالیٰ نے تمام زمین کو تمہارے لئے عبادت گاہ بنا دیا ہے (تم کہیں بھی بیٹھ کر عبادت کر سکتے ہو) یہ سن کر ان کی قوم نے کہا۔

"ہم سوائے اپنے کنیسوں کے کہیں بھی نماز پڑھنا نہیں چاہتے۔"

اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيْنَهُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ تا مفلحون الآیۃ پ۹ سورہ اعراف ع ۱۸

ترجمہ :۔ تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام تو ضرور ہی لکھوں گا جو کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

ان سے مراد آنحضرت ﷺ کی امت ہی ہے۔

مگر اس میں یہ اشکال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جو سارے علاقے میں گھوما اور تبلیغ کیا کرتے تھے وہ جہاں بھی عبادت و نماز کا وقت ہوتا وہیں ادا کر لیا کرتے تھے۔ اب اس روایت میں اور آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں جو پیچھے بیان ہوا موافقت پیدا کرنا ضروری ہو گئی ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں تھا جو اپنی عبادت گاہ کے علاوہ کہیں نماز پڑھتا ہو اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی نبی اپنی امت کے ساتھ اپنی عبادت گاہ کے علاوہ کہیں اور نماز ادا نہیں کرتا تھا اس کے علاوہ جہاں تک خود حضرت عیسیٰؑ کا تعلق ہے تو یہ ان ہی کی خصوصیت تھی کہ جہاں بھی نماز کا وقت ہو جاتا تھا وہ وہیں ادا کر لیا کرتے تھے۔ آگے خصائص کے باب میں اس مسئلے پر تفصیل سے بحث ہو گی۔

<u>پانچویں خصوصیت</u>...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی پانچویں خصوصیت بتلاتے ہوئے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا کہ

"جو کچھ مانگنا ہو مانگو اس لئے کہ ہر نبی نے ہم سے کچھ نہ کچھ مانگا ہے"

"میں نے اپنے سوال کو قیامت کے دن تک کے لئے ملتوی کر دیا ہے۔ میرا وہ سوال تمہارے اور ہر اس شخص کے لئے ہو گا جس نے اس بات کی گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میرا یہ سوال ایسے لوگوں کو عذاب سے نکالنے کے لئے ہو گا جن کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھی ہو گا اور توحید یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک جاننے کے سوا ان کا کوئی نیک عمل نہیں ہو گا۔"

<u>حق شفاعت</u>...... (ی) یعنی آپ اپنا سوال ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکالنے کے لئے استعمال فرمائیں گے جن کا

ذکر ہوا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے سوا جو دوسرے شفاعت کرنے والے ہوں گے (جیسے انبیاء، فرشتے اور اولیاء اللہ) ان کی شفاعت ایسے لوگوں کے لئے ہوگی جن کے پاس توحید کے علاوہ بھی کچھ یعنی نیک اعمال ہوں گے۔ یہ قول قاضی عیاض کا ہے۔ (ی) حدیث میں جہاں ان حضرات کا بیان ہوا ہے جو شفاعت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی اجازت ملنے کے بعد شفاعت کریں گے وہاں فرمایا گیا ہے کہ کوئی نبی اور کوئی شہید ایسا نہیں رہے گا جو شفاعت نہیں کرے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ

"پھر تمام فرشتے، نبی، شہید، نیک اور مومن شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔"

ایک حدیث ہے کہ

"سب سے پہلے شفاعت کرنے والے حضرت جبرئیلؑ ہوں گے پھر ابراہیمؑ پھر موسیٰؑ اور پھر تمہارے نبی کی باری ہوگی۔ جس کے بعد شفاعت کے لئے پھر کوئی شخص کھڑا نہیں ہوگا۔"

ایک حدیث میں ہے کہ

"میں عرش کے نیچے آکر سجدے میں گر جاؤں گا تب فرمایا جائے گا۔"

میدان حشر میں امت کے لئے فریاد......اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ تمہاری بات پوری کی جائے گی اور تم جس کی شفاعت کرو گے اس کے لئے شفاعت قبول کی جائے گی "اس وقت میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا۔" اے پروردگار! میری امت! اے پروردگار! میری امت۔ "حق تعالیٰ فرمائیں گے۔ "اچھا جاؤ، جس کے دل میں ایک حبہ بھر بھلائی اور بال برابر بھی ایمان ہے اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ ایک روایت کے الفاظ میں یوں ہے کہ جس کے دل میں رائی کے چھوٹے سے چھوٹے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو میں جہنم سے نکال دوں گا۔ چنانچہ میں جاؤں گا اور ایسے لوگوں کو جہنم سے نکلواؤں گا اور ان کو جنت میں داخل کراؤں گا۔"

اس سے پہلے جنتیوں کو جنت میں پہنچانے کے لئے بھی جب کہ وہ پل صراط سے گزر چکے ہوں گے آنحضرت ﷺ شفاعت فرما چکے ہوں گے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ

"جب میں جنت میں داخل ہوں گا تو اپنے رب کی طرف دیکھوں گا اور سجدے میں گر جاؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ مجھے اجازت دیں گے کہ میں ان کی حمد و ثنا بیان کروں اس کے بعد فرمائیں گے۔ اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ، تمہاری بات پوری کی جائے گی اور تم جس کی شفاعت کرو گے اس کے لئے شفاعت قبول کی جائے گی۔ تم جو کچھ مانگو گے وہ دیا جائے گا۔ "تب میں عرض کروں گا۔ "اے میرے پروردگار! میں جنت کے مستحق لوگوں کی شفاعت کرتا ہوں کہ ان کو جنت میں داخل فرمادے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت عطا فرمائیں گے "اس کے بعد حدیث کا حصہ وہی ہے جو گزر چکا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کو جہنم سے جس وقت نکلوائیں گے اس وقت آپ جنت میں ہوں گے جبکہ پچھلی حدیث میں تھا کہ میں عرش کے نیچے پہنچ کر سجدے میں گر جاؤں گا (جس کا مطلب ہے کہ آپ اس وقت جنت میں نہیں ہوں گے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے کہتے ہیں

کہ) یہ شفاعت دراصل حساب کتاب کے دوران کی ہو گی (جب آپ عرش کے نیچے جاکر سجدے میں گریں گے) مگر اس بارے میں راویوں کو مغالطہ ہو گیا اور انہوں نے اس شفاعت کو جو کہ حساب کتاب کے وقت ہو گی اور اس شفاعت کو جو پل صراط سے گزرنے کے بعد جنت کے حق داروں کو جنت میں بھجوانے کے لئے کی جائے گی۔ ان دونوں کو خلط ملط کر دیا۔

جہاں تک خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھنے والوں یعنی اہل توحید کو جہنم سے نکلوانے کی شفاعت اور حساب کتاب کے وقت کی شفاعت کا تعلق ہے تو اس کا اشارہ اس حدیث سے ملتا ہے جس میں ہے کہ

واعطیت الشفاعۃ یعنی مجھے شفاعت کا حق دیا جائے گا۔

چنانچہ ابن دقیق کہتے ہیں کہ یہاں "الشفاعۃ" میں الف لام عہد کے لئے ہے اور مراد ہے شفاعت عظمٰی یعنی سب سے بڑی شفاعت جس کے ذریعہ اس جگہ کی دہشت اور ہول کو لوگوں کے دلوں سے دور کیا جائے گا۔ (ی) اور یہی وہ مقام محمود ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی جائے گی اور جس کے لئے اولین اور آخرین سب آرزومند ہیں۔ چنانچہ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الآیہ پ سورہ بنی اسرائیل ع ۹ آیت ۳۹

ترجمہ :۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ لوگوں کو ایک بلند جگہ جمع کیا جائے گا اس وقت سب سے پہلے جن کو بلایا جائے گا وہ محمد ﷺ ہوں گے جو یہ فرماتے ہوئے آئیں گے۔

"میں حاضر ہوں بسر و چشم حاضر ہوں۔ کوئی برائی تیری طرف نہیں ہے۔ ہدایت یافتہ وہی ہوتا ہے جس کو تو نے ہدایت عطا فرمادی۔ تیرا بندہ تیرے سامنے ہے۔ جو تیرا ہے اور تیری طرف آرہا ہے۔ تجھ سے سوائے تیرے کہیں کوئی پناہ اور ٹھکانہ نہیں ہے۔ تو ہی بابرکت اور بلند و برتر ہے اور تو ہی پاک اور بیت اللہ کا رب ہے۔"

جو آیت پچھلی سطروں میں نقل کی گئی اس پر بغداد میں ایک زبردست اور خون آشام فتنہ برپا ہو گیا تھا۔ حنابلہ یعنی امام احمد ابن حنبل کے پیرو تو یہ کہتے تھے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو عرش پر بٹھائیں گے جبکہ دوسرے علماء یہ کہتے تھے کہ اس سے وہ شفاعت عظمٰی مراد ہے جو حساب کتاب کے دن آپ فرمائیں گے۔ یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ آخر خوں ریزی اور قتل و قتال تک نوبت پہنچ گئی اور دونوں طرف کے بے شمار لوگ قتل ہو گئے۔

<u>روز محشر میں شفاعت عظمٰی</u>...... یہ شفاعت عظمٰی ان تین شفاعتوں میں سے ایک ہے جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے (کہ وہ آپکو دی گئی ہے) آپ کا ارشاد ہے۔

"حق تعالیٰ کے یہاں مجھے تین شفاعتوں کا حق ہے جن کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔"

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حساب کتاب کے وقت کی شفاعت عظمٰی کے علاوہ آپ کو نو مزید شفاعتوں کا وعدہ دیا گیا ہے۔ مگر ان میں سے ایک شفاعت کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص کرنے کے سلسلے میں علماء میں اختلاف ہے۔ وہ شفاعت یہ ہے کہ آپ قوم کو بغیر حساب کتاب اور بغیر سزا کے جنت میں داخل کرا دیں گے۔ امام نووی نے فرمایا ہے کہ ایک وہ جماعت جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص ہو گی اور ایک ان لوگوں کی شفاعت جو جہنم کے مستحق ہوں گے مگر ان کو جہنم میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ ان

میں اللہ تعالیٰ جن کو چاہے گا وہی شامل ہوں گے۔

اسی طرح ایک وہ شفاعت ہوگی جس کے ذریعہ ان توحید پرستوں کو آپ دوزخ سے نکلوادیں گے جن کے دلوں میں ایک حبہ برابر بھی ایمان ہوگا۔ یہ شفاعت صرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی خاص ہوگی۔

اسی طرح ایک شفاعت وہ ہوگی جس کے ذریعہ آپ ان لوگوں کو جہنم سے نکلوائیں گے جن کے دلوں میں حبہ برابر سے زیادہ ایمان ہوگا۔ ایسے لوگوں کی شفاعت کا حق آنحضرت ﷺ کے علاوہ دوسرے نبیوں، فرشتوں اور مومنوں کو بھی ہوگا۔

<u>لا الہ الا اللہ کہنے والوں کو جہنم سے نجات</u>...... یہاں ایسے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے دلوں میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں آنحضرت ﷺ امت اور دوسری امتوں کے عام لوگ سب شامل ہوں گے۔ ادھر اس روایت سے بعض علماء کے اس قول کی مخالفت ہوتی ہے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ (حشر کے دن سجدے سے سر اٹھا کر) میں عرض کروں گا۔

"اے میرے پروردگار! مجھے ایسے لوگوں کی شفاعت کی اجازت عطا فرما جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا (ہی) اور اسی حالت میں (یعنی بے عمل مسلمان ہونے کی حالت میں) مر گئے۔"

اس پر حق تعالیٰ فرمائیں گے

یہ تمہارا حق نہیں ہے بلکہ میری عزت، میری کبریائی اور میری عظمت کی قسم میں ان لوگوں کو جہنم سے نکال دوں گا جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہے۔"

اس روایت میں اور آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس حق تعالیٰ کے پاس سے ایک آنے والا آیا اس نے مجھے حق تعالیٰ کی طرف سے دو باتوں میں سے کوئی ایک لے لینے کا اختیار دیا ایک یہ کہ یا تو میری آدھی امت اور ایک روایت کے مطابق میری تہائی امت کو بغیر حساب کتاب اور عذاب کے جنت میں داخل کر دیا جائے اور یا میں شفاعت کا حق لے لوں۔ میں نے ان دونوں باتوں میں سے شفاعت کا حق لے لیا۔ یہ شفاعت ان لوگوں کے لئے ہے جو اس حالت میں مرے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے تھے۔ میں نے شفاعت کے حق کو اس لئے ترجیح دی کہ اس میں زیادہ گنجائش ہے۔

یہاں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کا حق حاصل تھا تو پھر آپ نے جب شفاعت فرمائی تو یہ کیوں کہا گیا ہے کہ "یہ تمہارا حق نہیں ہے۔"

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں میں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کیا اور جنہیں آنحضرت ﷺ کی شفاعت حاصل ہوگی ان میں صرف آپ کی ہی امت کے لوگ شامل ہوں گے۔ اور جن کیلئے یہ فرمایا گیا کہ یہ آپ کا حق نہیں ہے۔ ان میں پچھلی امتوں کے توحید پرست شامل ہوں گے۔ مگر پھر بھی یہ اشکال رہتا ہے کہ پیچھے گزرنے والی روایتوں کے مطابق دوسرے نبیوں، فرشتوں اور مومنوں کو بھی شفاعت کا حق حاصل ہوگا۔ (لہٰذا ان پچھلوں کیلئے ان کی شفاعت کیوں کام نہیں آئے گی) بہرحال یہ اختلاف قابل غور ہے۔

<u>آنحضرت ﷺ کا دوسرا حق شفاعت</u>...... اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کو جن شفاعتوں کا حق حاصل ہے ان کا ذکر کرتے ہیں کہ) اسی طرح وہ شفاعت ہوگی جس کے ذریعہ آپ جنت والوں کے درجات میں اضافہ کرائیں گے۔ اس شفاعت کو علامہ نووی نے آنحضرت ﷺ کی خصوصیت بتلایا ہے۔

اسی طرح ایک وہ شفاعت ہوگی جس کے ذریعہ آپ بعض کفار کے عذاب میں کمی کرائیں گے جیسے کہ ابو طالب کے عذاب میں اور جیسے کہ ابو لہب کے عذاب میں ہر پیر کے دن کمی کی جائے گی (جس کا تفصیلی واقعہ سیرت حلبیہ کی کسی گذشتہ قسط میں گزر چکا ہے)۔ اسی طرح ایسے لوگوں کی شفاعت جو مدینے میں مرے ہیں۔ یہاں شاید یہ مراد ہے کہ ایسے لوگوں سے حساب کتاب نہیں لیا جائے گا۔

علامہ ابن قیم نے آنحضرت ﷺ کی شفاعتوں کو بیس سے بھی زیادہ گنایا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ مجھے وہ چیزیں دی گئی ہیں جو کسی نبی کو نہیں دی گئیں، مجھ پر دوسروں کے لئے رعب دیا گیا اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں۔ (ی) اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ

"ایک رات جبکہ میں سویا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے سامنے رکھ دی گئیں۔"

ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے پہلے آپ کو خواب میں اس طرح زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہوں اور اس کے بعد بیداری اور جاگنے کی حالت میں پیش کی گئی ہوں۔ (پھر اسی حدیث میں آگے فرمایا گیا ہے کہ) "اور میرا نام احمد (ی) اور محمد رکھا گیا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے پہلے یہ نام کسی نبی کا نہیں تھا۔

لہذا نبیوں میں یہ بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک ہے کتاب خصائص صغریٰ میں اسی طرح ہے۔ ادھر ایک قول یہ گزر چکا ہے کہ احمد نام ہونا سارے انسانوں میں آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی (یعنی آپ سے پہلے کسی آدمی کا یہ نام نہیں رکھا گیا تھا)۔

<u>اظہار نعمت اور خود ستائی کا فرق</u>...... یہاں آنحضرت ﷺ نے اپنے اوصاف بتلائے ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے پالنے میں کلام کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کے بعد وہ سب باتیں جن کا قرآن پاک میں بھی ذکر ہوا ہے۔ اسی طرح حضرت سلیمانؑ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ ہمیں پرندوں کو بولیاں سمجھنے کا علم دیا گیا ہے (جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے) تو یہ آیتیں ہی وہ بنیاد ہیں جن پر بعض علماء نے اپنی کتابوں میں اپنے اوصاف کا ذکر کیا ہے۔ ان سب کی اصل قرآن پاک میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ الآیۃ پ ۳۰ سورہ ضحیٰ ع ۱

ترجمہ :۔ اور اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"اللہ تعالیٰ کے انعامات کا تذکرہ کرنا شکر ہے اور نہ کرنا کفر ہے۔"

اسی طرح حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ الآیۃ پ ۱۳ سورہ ابراہیم ع ۱

ترجمہ :۔ تمہارے رب نے تم کو اطلاع فرمادی کہ اگر تم شکر کرو گے تو تم کو نعمت زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یہ سمجھ رکھو کہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ ممبر پر چڑھے اور آپ نے فرمایا

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اتنا بڑا بنایا کہ (اس ملک میں) مجھ سے بڑا عہدہ کسی کا نہیں ہے۔"

اس کے بعد حضرت فاروق اعظم ممبر پر سے اتر آئے۔ اس پر لوگوں نے ان پر اعتراض کیا کہ (آپ نے اپنی تعریفیں کیں) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا

میں نے صرف شکر کا اظہار کرنے کے لئے ایسا کہا اور کیا ہے۔"

حضرت سفیان ثوری سے روایت ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا تذکرہ نہیں کیا تو گویا اس نے ان انعامات کو زوال کے دہانے پر رکھ دیا۔

بہر حال اس بارے میں اصل یہ ہے کہ جس شخص کو یہ ڈر ہو کہ اگر اس نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر کیا تو اس میں ریاکاری اور تکبر کا احساس شامل ہو جائے گا تو ان انعامات کا تذکرہ اور اظہار نہ کرنا ہی اس کے لئے بہتر ہے اور جس شخص کو اس بات کا ڈر نہ ہو (بلکہ وہ سمجھتا ہو کہ وہ سچائی کے ساتھ صرف اللہ کے انعامات کو گنوائے گا) تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ ان انعامات کا تذکرہ کرے۔

کتاب شفا میں ہے کہ آنحضرت ﷺ وہ ہیں کہ تعریف کئے جانے والوں میں سب سے زیادہ آپ کی تعریفیں کی گئیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے والوں میں سب سے زیادہ آپ کی حمد و ثنا بیان کی گئی ہے۔ قیامت کے دن اگلے اور پچھلے تمام لوگ آپ کی تعریفیں بیان کریں گے کیونکہ آپ ان سب کی شفاعت فرمائیں گے۔ لہذا آنحضرت ﷺ ہی سب سے زیادہ اس بات کے حقدار اور سچے مستحق ہیں کہ آپ کا نام احمد اور محمد رکھا جائے۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ بات کتاب ہدی کے اس قول کے مطابق ہے جو پیچھے گزر چکا ہے اور جس میں کہا گیا ہے کہ لفظ احمد میں تعریف کرنے کا جو فعل ہے وہ مفعول پر واقع ہو رہا ہے۔

حدیث میں ہے کہ

"میں محمد یعنی وہ ہوں جس کی تعریفیں کی گئیں، میں احمد یعنی وہ ہوں جو سب سے زیادہ حمد و ثنا کرنے والا ہے، میں ماحی یعنی مٹانے والا ہوں کہ میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا، میں جمع کرنیوالا ہوں کہ لوگوں کو میرے قدموں پر جمع کیا جائے گا، میں آخری پیغمبر ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اور میری امت کو تمام امتوں میں بہترین امت بنایا گیا ہے"

قاضی بیضاوی کہتے ہیں کہ عربی زبان کے ناموں میں بچے کا نام رکھنا اس کی عظمت و اقبال کو اونچا کرنا ہے۔ یہاں تک قاضی بیضاوی کا کلام ہے۔

شب معراج میں قرب خداوندی...... ایک روایت ہے کہ جب معراج کے موقعہ پر میرے پروردگار نے مجھے آسمانوں پر بلایا تو میرے رب نے مجھے اپنے اتنا قریب تک بلایا کہ میرے اور اس کے درمیان اتنا فاصلہ رہ گیا جتنا کمان کے گوشوں میں ہوتا ہے یا اس سے بھی کم۔ پھر مجھ سے فرمایا گیا۔

"میں نے تمہاری امت کو آخری امت بنایا ہے اس اعتبار سے کہ اس کے لوگ تمام دوسری امتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ عالم اور جاننے والے ہوں گے یعنی ان پچھلی امتوں کے حالات جاننے والے ہوں گے اس اعتبار سے نہیں کہ یہ لوگ سب سے آخر میں ہونے کی وجہ سے دوسروں سے کمتر ہوں گے۔"

تو گویا لفظ "دنا" میں (جو قرآن پاک میں استعمال کیا گیا ہے) ضمیر فاعل خود آنحضرت ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے (وہ آیت یہ ہے جس میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے)۔

ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى پ ۲۷ سورہ نجم رکوع ۱ آیت ۸،۹

ترجمہ :۔ پھر وہ فرشتہ آپ کے نزدیک آیا اور پھر اور نزدیک آیا سو دو کمانوں کی برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم۔

(تو گویا اس قول کے مطابق خود آنحضرت ﷺ حق تعالی کے قریب تک پہنچ گئے) مگر بعض دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ یہاں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آنحضرت ﷺ کو اپنے قریب تک بلا لیا۔ اب گویا دنا میں ضمیر فاعل حق تعالی کی طرف لوٹتی ہے اور اس طرح اس کے معنی بہت لطیف ہو جاتے ہیں۔

آخری امت کا حساب کتاب سب سے پہلے...... ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

"ہم دنیاوالوں کے لحاظ سے آخری (امت) ہیں مگر قیامت میں ہم سب سے پہلے لوگ ہوں گے کہ تمام مخلوق سے پہلے ہمارا حساب و کتاب کیا جائے گا۔"

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ :۔

ہم آخری امت ہیں لیکن ہمارا حساب کتاب سب سے پہلے ہوگا، دوسری تمام امتیں ہمارے لئے راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہو جائیں گی اور ہم پاکیزگی اور طہارت کے اثر سے بڑی آسانی سے وہاں سے گزریں گے۔"

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ وضو کی برکت اور اثر سے ہم وہاں سے سہولت سے گزر جائیں گے تب دوسری امتیں کہیں گی۔ یہ ساری کی ساری امت تو ایسی ہے جیسے سب نبی ہوں۔"

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ۔ "ہم سجدوں کے اثر سے روشن اور وضو کے اثر سے جگمگاتے ہوئے چہرے لئے وہاں سے بڑھتے جائیں گے۔"

ایک روایت میں ہے کہ مجھے دوسرے تمام نبیوں پر چھ فضیلتیں دی گئی ہیں۔ یہاں چھ فضیلتوں کا ذکر آیا ہے جبکہ اس سے پہلے پانچ کا ذکر ہوا ہے۔ اس فرق کی وجہ سے کوئی شبہ نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے کہ جس وقت آپ نے پانچ کا ذکر فرمایا اس وقت اللہ تعالی نے آپ کو ان پانچ فضیلتوں کے متعلق ہی بتلایا ہو اور بعد میں باقی خصوصیتوں کی اطلاع دی ہو۔ غرض اس کے بعد آپ نے ان چھ فضیلتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

"مجھے گفتار کی فصاحت دی گئی، دوسروں پر میرا رعب دیا گیا، میرے لئے یعنی میری امت کے لئے مال غنیمت کو حلال کیا گیا، میرے لئے تمام سرزمین کو پاک اور مسجد بنایا گیا، مجھے تمام کی تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ یہاں مخلوق میں جنات، فرشتے، حیوانات، نباتات اور جمادات سب شامل ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کہتے ہیں کہ جہاں تک آپ کے فرشتوں کے لئے رسول ہونے کا تعلق ہے میں نے اپنی کتاب خصائص میں اس قول کو ترجیح دی ہے۔ مجھ سے پہلے اس قول کو شیخ تقی الدین سبکیؒ بھی قبول کر چکے ہیں۔ نیز انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وقت سے لے کر قیامت تک تمام مخلوق کے نبی ہیں یہاں تک کہ پچھلے نبیوں اور پچھلی امتوں کے لئے بھی آپ رسول ہیں۔ اسی قول کو علامہ باذری نے بھی قبول کیا ہے اور یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ آپ کی رسالت تمام حیوانات اور جمادات یعنی اینٹ پتھر تک کے لئے ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے کہا ہے کہ آپ خود اپنی ذات کے لئے بھی رسول تھے۔

کیا آنحضرت ﷺ کی رسالت فرشتوں کے لئے بھی ہے...... مگر علماء کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ آپ کی رسالت فرشتوں کے لئے نہیں تھی۔ ان ہی علماء میں حافظ عراقی بھی ہیں جنہوں نے ابن صلاح پر اپنے تبصرہ میں یہ بات لکھی ہے۔ اسی طرح علامہ جلال محلی نے کتاب شرح جمع الجوامع میں یہی لکھا ہے۔ یہی

بات شرح تقریب میں ہے۔ اسی طرح علامہ فخر رازی نے اپنی تفسیر میں اور برہان نفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اسی بات پر علماء کا اجماع اور اتفاق ہے۔ یہاں تک علامہ سیوطی کا کلام ہے۔

اسی دوسرے حکم کے مطابق یعنی یہ کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت فرشتوں کے لئے نہیں تھی، ہمارے شیخ رملی کے والد نے بھی فتوی دیا ہے۔ اس فتوی کی روشنی میں اب رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے سلسلے میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے

"مجھے ساری مخلوق کے لئے رسالت دے کر بھیجا گیا ہے۔"

اسی طرح حق تعالی کا ارشاد ہے

لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الآیہ پ ۱۸ سورہ فرقان ع ۱)

ترجمہ :۔ تاکہ وہ بندہ تمام دنیا جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔

لہذا ان دونوں فرمانوں کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ اگرچہ یہ حکم عام ہیں مگر ان میں کچھ خصوص بھی ہے (یعنی اگرچہ ساری مخلوق کا ذکر کیا گیا ہے جس میں فرشتے بھی شامل ہیں مگر اس عمومیت میں فرشتے شامل نہیں ہیں) یا یہ کہ یہاں عام لفظ بول کر مخلوق کا خاص حصہ مراد لیا گیا ہے (جس میں فرشتے شامل نہیں ہیں) اسی طرح ایک حدیث ہے جس کو حضرت سلمانؓ نے نقل کیا ہے کہ۔

"اگر کسی جگہ ایک شخص تنہا ہے اور وہ تنہا ہی نماز پڑھتا ہے تو اس کے پیچھے فرشتے نماز پڑھنے لگتے ہیں جو نظر سے اوجھل رہتے ہیں جو اس کے ساتھ رکوع کرتے ہیں اور اس کے ساتھ سجدے کرتے ہیں۔"

اس فتویٰ کے بعد (جس میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت فرشتوں کے لئے نہیں تھی) اس حدیث پر بھی اشکال ہوتا ہے (کہ اگر آنحضرت ﷺ کی رسالت فرشتوں کے لئے نہیں تھی تو فرشتے اسلامی نماز نہ پڑھتے۔ مگر اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ حکم آنحضرت ﷺ کی نبوت کے تحت نہ ہو۔

اسی طرح ایک اور حدیث ہے کہ میں سرخ اور سیاہ سب کے لئے رسالت دے کر بھیجا گیا ہوں۔ اس سے بھی یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب ہے آپ ساری مخلوق کے لئے نبی بنائے گئے ہیں لہذا فرشتوں کو آپ کی امت اور نبوت سے نکالنا کیسے ٹھیک ہوگا۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سرخ اور سیاہ سے مراد عرب اور عجم کے لوگ ہیں ساری مخلوقات مراد نہیں ہیں۔ کتاب شفاء میں ہے کہ ایک قول کے مطابق سرخ سے مراد انسان ہیں اور سیاہ سے مراد جنات ہیں۔

اس کے مقابلے میں جو علماء یہ کہتے ہیں کہ آپ کی رسالت و نبوت فرشتوں کے لئے بھی تھی وہ اللہ تعالی کے اس قول سے دلیل لیتے ہیں۔

وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِنْ دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ الآیہ پ ۱۷ سورہ انبیاء ع ۲

ترجمہ :۔ اور ان میں سے جو شخص فرضاً یوں کہے کہ میں علاوہ خدا کے معبود ہوں سو ہم اس کو سزا جہنم دیں گے۔

تو گویا اس طرح آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے فرشتوں کو ڈرایا گیا اور قرآن پاک میں ڈرایا گیا ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ لہذا اس کے ذریعہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت فرشتوں کے لئے بھی تھی۔

جہاں تک اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت فرشتوں کے لئے نہ ہونے پر علماء کا

اجماع اور اتفاق ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے لہذا اس دعوی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ پھر میں نے علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب دیکھی جنہوں نے اس دلیل کا ذکر کیا ہے جو یہاں پیش بھی کی گئی ہے۔ پھر انہوں نے تو مزید دلیلیں اور پیش کی ہیں مگر ان سے بھی یہ مقصد ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت فرشتوں کے لئے بھی تھی۔ جیسا کہ ہر وہ شخص اس کا اندازہ کر سکتا ہے جس کو ان دلیلوں کے سمجھنے کی صلاحیت دی گئی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی رسالت تمام نبیوں اور امتوں کے لئے بھی ہے...... غرض اب یہ بات تو ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت تمام گذشتہ نبیوں اور ان کی امتوں تک کے لئے ہے کیونکہ یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ آپ کا وجود ان نبیوں کے زمانوں میں بھی تھا۔ اس لئے کہ اللہ تعالی نے ان تمام نبیوں اور ان کی امتوں سے اس بات کا عہد لیا تھا کہ وہ اپنی اپنی نبوت اور اپنی امت کے پیغمبر رہنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ پر اور آپ کی حمایت و نصرت پر ایمان لائیں، لہذا آپ کی نبوت عام بھی ہے اور سب کو شامل بھی ہے۔ اسی طرح آپ کی شریعت ان امتوں کی نسبت سے اور ان کے نبی جو شریعت لے کر آئے تھے ان کی نسبت سے ان زمانوں میں بھی موجود تھی کیونکہ احکام اور شریعتیں اشخاص اور اوقات کے فرق سے بدلتی رہتی ہیں۔ یہ قول علامہ سبکیؒ کا ہے لہذا تمام نبی اور ان کی امتیں بھی آنحضرت ﷺ کی امت میں سے ہی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا تھا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر آج موسیٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔"

اس حدیث کو احمد وغیرہ نے عبداللہ ابن ثابت سے نقل کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔

"یا رسول اللہ! میں بنی قریظہ کے بھائی کے پاس سے گزرا (بنی قریظہ مدینے میں یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا) اس نے تورات کے کچھ حصے لکھ کر مجھے دیئے، کیا میں وہ حصے آپ کو پیش کروں؟"

یہ سن کر آنحضرت ﷺ کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا

"ہم اللہ تعالی کو پروردگار بنا کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور محمد ﷺ کو اپنا رسول بنا کر ہی راضی ہیں۔"

اس پر آپ کے چہرے سے ناگواری کے آثار دور ہو گئے اور پھر آپ نے فرمایا۔

"قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر آج تمہارے سامنے موسیٰ آئیں اور تم ان کی پیروی کرنے لگو تو تم گمراہ ہو گے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم میرا حق ہو اور میں تمام نبیوں میں تمہارا حق ہوں۔"

کتاب نہر میں ابو حیان سے حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق ایک روایت ہے (یہ عبداللہ بن سلام مدینے کے ایک بہت بڑے یہودی تھے جو ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔ ان کی متعلق روایت ہے کہ) ایک دفعہ ان عبداللہ ابن سلام نے آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگی کہ یوم سبت میں (جو یہودیوں کا تہوار ہے) وہ رات کو عبادت کرنا چاہتے ہیں اور نماز میں تورات کی آیتیں تلاوت کرنا چاہتے ہیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی۔

پچھلی سطروں میں بیان کیا گیا ہے کہ گذشتہ تمام نبی اور ان کی امتیں آنحضرت ﷺ کی امت میں شامل

ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب باعتبار آنحضرت ﷺ کی دعوت اور پیغام کے آپ کے امتی ہیں، اس پیغام کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کے اعتبار سے آپ کے امتی نہیں ہیں (کیونکہ ظاہر ہے وہ اس دنیا سے گزر چکے ہیں اور ان کے آپ کی دعوت کو قبول کرنے کا سوال نہیں ہے۔ ہاں پیغام اور دعوت کو حق جاننے کے اعتبار سے وہ سب آپ کے امتی ہیں کیونکہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے سب مخلوق سے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا۔ اسی لحاظ سے وہ سب آپ کے امتی ہیں) جہاں تک پیغام کو قبول کر کے امتی بننے کا تعلق ہے تو وہ تو ایسا ہی شخص ہو گا جس نے آنحضرت ﷺ کے ظہور کے بعد آپ کی نبوت کو مانا اور آپؐ کے پیغام کو قبول کیا ہو۔ جیسا کہ پیچھے بھی یہ بات بیان ہو چکی ہے اور آگے بھی اس کا ذکر آئے گا۔

آنحضرت ﷺ کفار کے لئے بھی رحمت ہیں...... جہاں تک آنحضرت ﷺ کے رحمت ہونے کا معاملہ ہے تو آپ کا ظہور کفار تک کے لئے رحمت ہے کہ ان کے عذاب میں آپ کے ظہور کی وجہ سے تاخیر کی گئی ہے اور ان کے کفر و شرک کے نتیجہ میں ان کو فوراً انجام کا منہ نہیں دیکھنا پڑتا ہے جیسا کہ گذشتہ ان امتوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے جنہوں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا اور یہاں تک کہ ملائکہ کے ساتھ بھی یہی ہے کہ غلطی کی پاداش ان کو فوراً ملتی ہے (لیکن اس امت پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان آنحضرت ﷺ کے طفیل میں ہے کہ اس امت کے مشرکوں کو ان کے کفر و شرک اور گمراہیوں کی سزا فوراً اور اسی دنیا میں نہیں دی جاتی بلکہ اس کو حشر تک موخر کیا گیا ہے جبکہ پچھلی امتوں میں ایسا نہیں تھا۔ مثلاً نوحؑ کی قوم کو اپنے نبی کو جھٹلانے کی وجہ سے طوفان میں غرق کر دیا گیا اور عاد و ثمود کی قوموں کو کفر و شرک نہ چھوڑنے پر تباہ و برباد کر دیا گیا۔ یہ سب اس بات کے ثبوت ہیں کہ آپ ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں یہاں تک کہ اس میں جاندار اور بے جان سب شامل ہیں کیونکہ تباہی جب بھی آتی ہے تو اس کی لپیٹ میں انسانوں اور جانوروں کے ساتھ بے جان چیزیں تک آجاتی ہیں) چنانچہ حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ لآیہ پ ۱۷ سورہ انبیاء ع ۷

ترجمہ :۔ اور ہم نے ایسے مضامین نافعہ دے کر آپ کو کسی اور کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لئے۔

کتاب شفا میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیلؑ سے پوچھا:

اس رحمت سے جبرئیلؑ بھی مستفید ہوئے...... کیا میرے اس رحمت ہونے سے آپ کو بھی کوئی فائدہ پہنچا ہے۔"

جبرئیلؑ نے کہا

"ہاں! میں انجام اور عاقبت سے ڈرا کرتا تھا مگر جب سے اللہ تعالیٰ نے ان کلمات کے ساتھ قرآن پاک میں میری تعریف فرمائی مجھے اس ڈر سے امن مل گیا۔"

ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ پ ۳۰ سورہ تکویر ع ۱ آیت ۲۰

ترجمہ :۔ (قرآن کلام ہے ایک معزز فرشتہ یعنی جبرئیلؑ کا لایا ہوا) جو قوت والا ہے، مالک عرش (یعنی باری تعالیٰ) کے نزدیک مرتبہ والا ہے۔

علامہ جلال سیوطیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے۔ غرض

آنحضرتؐ تمام رسولوں اور تمام مقرب فرشتوں سے افضل ہیں۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

"مجھے تمام نبیوں پر چھ ایسی فضیلتیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کبھی کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ایک تو یہ کہ میرے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے، میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا، میری امت کو بہترین امت بنایا گیا، میرے لئے ساری زمین کو مسجد اور پاکیزہ بنایا گیا، مجھے حوض کوثر دی گئی، مجھے دوسروں پر رعب دیا گیا، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تمہارا یہ نبی قیامت کے دن لواء حمد اٹھائے ہوئے ہوگا جس کے نیچے آدمؑ اور ان کے بعد والے سب ہوں گے۔"

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ

"پس کوئی ایسا نہیں ہوگا جو قیامت کے دن میرے اس جھنڈے کے نیچے نہیں ہوگا اور آسانی کا انتظار کرتا ہوا نہ ہوگا، میرے پاس لواء حمد ہوگا، میں چلتا ہوا ہوں گا اور تمام لوگ میرے ساتھ ساتھ چلیں گے یہاں تک کہ میں ان سب کو لئے ہوئے جنت کے دروازے پر پہنچوں گا۔" (حدیث)

<u>فضیلت عیسیٰؑ کے لئے ایک انگریز کی طرف سے دعوت مناظرہ</u>......اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بیان کیا ہے کہ مصر میں ایک انگریز آیا اور اس نے کہا۔

"میرا ایک شبہ اور اعتراض ہے اگر اس کو حل کر دیا جائے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔"

چنانچہ دار الحدیث کاملیہ میں اس کے لئے ایک مجلس کا انتظام کیا گیا اور وہاں تمام علماء کی سربراہی شیخ عز الدین ابن عبد السلام نے کی چنانچہ وہاں جبکہ زبردست ہجوم تھا اس نصرانی نے شیخ سے کہا۔

"آپ لوگوں کے نزدیک کیا وہ بات زیادہ افضل ہے جو متفقہ ہو یعنی جس پر سب لوگوں کا اتفاق ہے یا وہ بات زیادہ افضل ہے جس میں اختلاف ہو۔"

شیخ عز الدین نے کہا کہ متفقہ بات ہی زیادہ افضل ہے۔ تو نصرانی نے کہا

"تب پھر ہم عیسائی اور آپ مسلمان سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی تھے جبکہ ہم میں اور آپ میں اس بات پر اختلاف ہے کہ محمد ﷺ نبی تھے یا نہیں۔ لہذا اب ثابت ہوا کہ عیسیٰؑ محمد ﷺ سے زیادہ افضل ہیں!"

شیخ عز الدین یہ بات سن کر سر جھکا کر خاموش ہو گئے اور اسی حالت میں صبح سے دوپہر کا وقت ہو گیا۔ آخر مجلس میں ہلچل پیدا ہو گئی اور لوگوں میں سخت بے چینی ظاہر ہونے لگی۔ آخر شیخ نے سر اٹھایا اور کہا

"عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ میں تمہیں خوش خبری دیتا ہوں ایک ایسے رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور جس کا نام احمد ہوگا۔ لہذا اب آپ پر لازم ہے کہ عیسیٰؑ نے جو کچھ کہا ہے اس کی پیروی کریں اور ان احمد ﷺ پر ایمان لائیں جن کے متعلق عیسیٰؑ نے خوش خبری دی ہے۔"

اس جواب کے بعد نصرانی پر حجت قائم ہو گئی اور وہ مسلمان ہو گیا۔

اس واقعہ کے بارے میں مجھ سے (یعنی مولف سے) پوچھا گیا کہ علامہ عز الدین نے نصرانی کو جو کچھ جواب دیا اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ پیغمبر تھے یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ آپ عیسیٰؑ سے زیادہ افضل تھے (مولف کہتے ہیں کہ) جب یہ ثابت ہو گیا کہ محمد ﷺ اللہ کے نبی ہیں تو آپ پر اور آپ کے لائے

ہوئے پیغام پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ اور جو کچھ آپ لے کر آئے اور جس کی آپ نے خبر دی اس میں سے ایک یہ ہے کہ آپ تمام نبیوں سے افضل ہیں (لہٰذا علامہ کے جواب سے خود بخود یہ ثابت ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ عیسیٰؑ سے زیادہ افضل ہیں۔

اسی طرح ایک واقعہ ہے کہ ابوالحسن حمّال نے ہمارے شافعی فقہاء سے پوچھا کہ محمد و عیسیٰؑ میں کون زیادہ افضل ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ محمد ﷺ اس نے پوچھا کہ اس کی دلیل کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔

"اس لئے کہ حق تعالیٰ نے اپنے اور موسیٰؑ کے درمیان ملکیت ظاہر کرنے والی "ل" کو داخل کیا ہے (عربی میں ل جارہ ملکیت ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں برائے، واسطے، لئے) چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (جو آپ نے خاص طور پر موسیٰؑ سے فرمایا تھا)۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ (قرآن حکیم) پ۱۶ سورہ طٰہٰ ع ۲ آیۃ

ترجمہ:۔ اور یہاں آنے پر میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا۔

اور آنحضرت ﷺ کے لئے یہ ارشاد فرمایا

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ پ۲۶ سورہ فتح ع ۱ آیۃ ۱۰

ترجمہ:۔ اور جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ واقعہ میں اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔

لہٰذا اس طرح حق تعالیٰ نے دونوں میں یہ فرق فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک کو یعنی موسیٰؑ کو حق تعالیٰ نے اپنی صفات دے کر کھڑا کیا اور دوسرے کی جگہ حق تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو قائم فرمایا"۔ واللہ اعلم

قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کی شان...... ایک روایت میں آتا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو میرے پاس لواء الحمد ہوگا اور میں تمام رسولوں کا امام اور ان کی شفاعت والا ہوں گا۔"

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ

"فرق یہ ہوگا کہ میں اللہ کا حبیب ہوں گا اور یہ بات میں بڑائی سے نہیں کہتا، میں ہی قیامت کے دن لواء حمد کو اٹھائے ہوئے ہوں گا اور یہ بات میں بڑائی کے لئے نہیں کہتا، اور میں ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگلوں اور پچھلوں سب میں سب سے زیادہ معزز ہوں گا اور یہ بات میں بڑائی کے طور پر نہیں کہتا، اور قیامت کے دن میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا اور یہ بات میں بڑائی کے طور پر نہیں کہتا، اور میں ہی وہ پہلا آدمی ہوں گا جو جنت کا دروازہ ہلاؤں گا، اللہ تعالیٰ اس کو میرے لئے کھول دے گا اور میں اپنے ساتھ غریب و مسکین مومنوں کو لے کر اس میں داخل ہوں گا اور یہ بات میں بڑائی کی خاطر نہیں کہتا۔"

رضوان جنت کی طرف سے آپ کا استقبال...... ایک روایت ہے کہ میں قیامت کے دن جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور اس پر دستک دے کر کھولنے کی درخواست کروں گا یعنی پکار کر نہیں کھلواؤں گا۔ اس وقت جنت کا خازن یعنی رضوان پوچھے گا کہ آپ کون ہیں۔ میں کہوں گا۔ "محمد"۔ اور ایک روایت کے مطابق میں محمد ہوں۔ تب وہ کہے گا۔

"مجھے آپ ہی کیلئے حکم دیا گیا ہے کہ آپ سے پہلے کسی کیلئے جنت کا دروازہ نہ کھولوں۔" ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کے بعد کسی کے لئے دروازہ کھولنے کے لئے نہ کھڑا ہوں۔"

چنانچہ یہ بات آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ جنت کا رضوان صرف آپ کے لئے خود

دروازہ کھولے گا اور آپ کے علاوہ دوسرے نبیوں وغیرہ کے لئے وہ دروازہ نہیں کھولے گا بلکہ اس کے بعد یہ ذمہ داری کسی دوسرے خازن کو مل جائے گی۔ آنحضرت ﷺ کی اس خصوصیت کو علامہ قطب خضری نے بہت عظیم قرار دیا ہے۔

اس سے پہلے یہ بیان ہوا ہے کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جنت کا دروازہ کھول دے گا۔ جبکہ اس روایت میں رضوان جنت کا ذکر ہے۔ اس سے کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا (کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دروازہ کھولنے کا مطلب یہی ہے کہ رضوان جنت سے حق تعالیٰ دروازہ کھلوادیں گے) کیونکہ رضوان بھی حق تعالیٰ کے حکم پر ہی دروازہ کھولے گا لہذا حقیقت میں دروازہ کھولنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہوگا۔

جنت کا دروازہ سب سے پہلے آپ کے لئے کھلے گا...... ایک روایت میں ہے کہ میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جس کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔ یہ بات میں بڑائی کی خاطر نہیں کہتا۔ چنانچہ میں جنت کے دروازہ کی زنجیر ہلاؤں گا تو پوچھا جائے گا کون ہے، میں کہوں گا۔ محمد ﷺ۔ اسی وقت دروازہ کھول دیا جائے گا تب اللہ جبار جل جلالہ، میرے سامنے ہوں گے۔ میں فوراً ہی سجدے میں گر جاؤں گا۔

(یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ادریسؑ تو پہلے ہی جنت میں پہنچ چکے ہیں لہذا آنحضرت ﷺ کا سب سے پہلے جنت میں داخل ہونا کیسے ہوگا۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ) یہاں گفتگو قیامت کے دن کے متعلق ہو رہی ہے (جبکہ ادریسؑ قیامت سے بہت پہلے جنت میں داخل ہوئے ہیں) لہذا اس حدیث سے اس واقعہ کے متعلق کوئی اشکال نہیں ہوتا کیونکہ ان کا جنت میں داخل ہونا دروازہ کھلنے پر ہی ہوا ہو مگر وہ قیامت سے پہلے ہو چکا ہے جبکہ قیامت کے دن وہ جنت سے باہر نکل کر میدان حشر میں آئیں گے اور اپنی امت کے ساتھ حساب کتاب کے لئے پیش ہوں گے۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ سب سے پہلے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے وہ بلال حمامہ ہوں گے تو اس روایت کو درست ماننے کی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ جنت کا دروازہ وہی کھٹکھٹائیں گے جبکہ آنحضرت ﷺ دروازے کی زنجیر ہلانے والے پہلے آدمی ہوں گے۔ یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بلال ابن حمامہ اس امت میں سب سے پہلے آدمی ہوں گے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ واللہ اعلم

طبرانی کی کتاب اوسط میں سند حسن کے ساتھ حدیث بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

"جب تک میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں اس وقت تک وہ تمام نبیوں کیلئے حرام رہے گی اور اسی طرح جب تک کہ میری امت جنت میں داخل نہ ہو جائے اس وقت تک جنت تمام دوسری امتوں کیلئے حرام رہے گی۔"

آگے بیان آرہا ہے کہ یہ ارشاد ان خبروں میں سے ایک ہے جو آپ کو معراج کی رات میں وحی کے ذریعہ بتلائی گئیں اور جن کیطرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآاَوْحٰی (پ ۲۷ سورہ نجم ع ۱) آیت

ترجمہ :۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی تھی۔

امت محمدیؐ دوسری امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی...... شاید یہی مراد حضرت ابن عباسؓ کی اس مرفوع حدیث سے بھی ہے جو یہ ہے کہ

"جب تک میں اور میری امت جنت میں داخل نہ ہو جائیں اس وقت تک جنت تمام امتوں پر حرام

رہے گی۔" جیسا کہ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ جب تک یہ امت جنت میں داخل نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی دوسرا نبی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

بہر حال ان دونوں روایتوں سے امت محمدی کی زبردست عظمت و بزرگی ظاہر ہوتی ہے کہ پچھلی امتوں میں کا کوئی شخص یہاں تک کہ ان میں کے بڑے زاہد، علماء و صلحاور صوفیاء بھی جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکیں گے جب تک کہ اس امت کے گنہگار لوگ جن کو جہنم میں ڈالا جائے گا اپنی سزا پوری کر کے واپس جنت میں نہ پہنچ جائیں۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اس امت میں سے بھی سرکش لوگوں کی ایک جماعت کو یقیناً "عذاب دیا جائے گا اور یہ بات بعید نہیں ہے (کہ دوسری امتوں کو اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا جب تک کہ اس امت کے گنہگار اپنی سزا پوری کر کے جنت میں نہیں پہنچ جائیں گے) کیونکہ یہ بیان گزر چکا ہے کہ سب سے پہلے جس امت کا حساب کتاب لیا جائے گا وہ یہی امت محمدی ہوگی۔ لہذا یہ بات ممکن ہے کہ دوسری امتیں اس وقت تک اپنے حساب کتاب سے بھی فارغ نہ ہوں اور جنت کے دروازے تک بھی نہ پہنچیں کہ اس وقت تک اس امت کے وہ گنہگار جن کو جہنم میں ڈالا جائے گا اپنی سزا پوری کر کے جہنم سے باہر آچکے ہوں اور جنت میں داخل ہو چکے ہوں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ کی امت کے ستر ہزار آدمی اس طرح آپ سے پہلے جنت میں پہنچ چکے ہوں گے کہ ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار آدمی ہوں گے جن کا کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔

مگر اس حدیث اور اس روایت میں اختلاف پیدا ہوتا ہے جس میں ہے کہ میں سب سے پہلا آدمی ہوں گا جو جنت میں داخل ہوگا۔ اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ جنت کے دروازے سے داخل ہونے والے سب سے پہلے شخص آنحضرت ﷺ ہی ہوں گے۔ جہاں تک ان ستر ہزار کے داخل ہونے کا سوال ہے تو اس بارے میں ایک روایت آتی ہے کہ یہ لوگ جنت کے ایک بلند گوشے سے داخل ہوں گے۔ لہذا اس کے بعد دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

اسی طرح اس حدیث سے اس روایت کا خلاف بھی نہیں ہوتا جس میں ہے کہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے شخص حضرت ابو بکر صدیقؓ ہوں گے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے آزاد لوگوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے وہی ہوں گے۔

اسی طرح اس حدیث سے حضرت بلالؓ کی اس روایت کا خلاف بھی نہیں ہوتا جو پیچھے گزری ہے کہ جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والا پہلا شخص میں ہوں گا کیونکہ دروازہ کھٹکھٹانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ داخل بھی ہو جائیں گے لیکن اگر یہ ہی مانا جائے کہ دروازہ کھٹکھٹانے سے داخل ہونے ہی کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو پھر مراد یہ ہوگی کہ غلاموں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے حضرت بلالؓ ہوں گے۔

ایسے ہی اس حدیث سے اس روایت کا خلاف بھی نہیں ہوتا جس میں ہے کہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والی میری بیٹی فاطمہ ہوگی کیونکہ ظاہر ہے یہاں مراد یہ ہے کہ اس امت کی عورتوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والی حضرت فاطمہؓ ہوں گی۔ لہذا یہاں یہ اولیت اضافی ہے (کہ وہ مردوں کے لحاظ سے تو بعد میں لیکن عورتوں کے لحاظ سے سب سے پہلے داخل ہونے والی ہوں گی)۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ میں قیامت میں زمین کی مخلوقات میں اکثر چیزوں کی شفاعت کروں گا

جیسے درخت وغیرہ۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے لوگوں پر چار چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے سخاوت، شجاعت، قوت اور کثرت جماع۔

چنانچہ حضرت سلمٰیؓ سے روایت ہے جو آنحضرت ﷺ کی باندی تھیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اپنی نو بیویوں کے پاس ایک ہی رات میں تشریف لے گئے اور ایک سے فارغ ہونے کے بعد دوسری کے پاس آنے سے پہلے آپ غسل فرمالیتے تھے اور اس بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہی طریقہ زیادہ پاکیزہ اور مناسب ہے (کہ ہر دفعہ غسل کر کے پاکی حاصل کر لی جائے)۔

جہاں تک آپ کی قوت کی بات ہے تو اس کی دلیل میں وہ واقعہ ہے جس میں آپ ﷺ نے اپنی ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا ہے اور جو آگے آئے گا۔

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ساری دنیا میں بہترین شہ سوار تھے۔

غرض آپ تمام اولاد آدم میں سب سے بہترین اور اعلیٰ انسان تھے جیساکہ آپ تمام اچھے اخلاق و عادات اور عمدہ اوصاف کے لحاظ سے ساری مخلوق میں سب سے زیادہ مکمل اور افضل تھے، سب سے زیادہ بہادر تھے اور سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

علامہ ابن عبدالسلام نے لکھا ہے آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دینے کی خبر دے دی تھی جبکہ آپ سے پہلے نبیوں میں سے کسی کے متعلق اس قسم کی کوئی روایت نہیں ہے۔ (ی) کیونکہ اگر اس قسم کا واقعہ ہوا ہوتا تو بہت سے اسباب کی بناء پر وہ ضرور نقل کیا جاتا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ آپ کا مقام اور خصوصیت تو یہ ہے کہ اگلے اور پچھلے خود گناہ کے وجود ہی کو معاف کر دیا گیا۔ جیساکہ پیچھے اس بیان میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد گزرا ہے کہ دوسرے نبیوں کے مقابلے میں آپ کو کیا کیا خصوصیتیں حاصل ہیں۔ چنانچہ ان خصوصیات میں آپ نے فرمایا ہے کہ میرے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔

یہاں حق تعالیٰ کے اس قول سے اس قول کی ممانعت نہیں ہوتی جس میں حضرت داؤدؑ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

"ہم نے ان کا یہ گناہ معاف کر دیا۔" کیونکہ یہاں صرف ایک گناہ کی مغفرت کی گئی ہے۔

علامہ ابن عبدالسلام کہتے ہیں بلکہ دوسرے نبیوں کے اگلے پچھلے گناہ معاف کئے جانے کے بارے میں ظاہر یہی ہے کہ ان کو اس کی کوئی خبر نہیں دی گئی اس کی دلیل یہ ہے کہ قیامت کے دن میدان محشر میں وہ بھی نفسی نفسی کہتے ہوں گے۔

ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ "میرے متعلق جس یہودی یا نصرانی نے سنا اور پھر وہ اس کو نہیں مانا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔" کیونکہ اس شخص پر واجب ہے کہ آپ پر ایمان لائے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: مسلم شریف میں یہ ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اس امت کا کوئی بھی شخص چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی میرے متعلق کچھ سنے اور اسے نہ مانے اور پھر اسی حالت میں اس کا انتقال ہو جائے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

یعنی ہر ایسا شخص جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں موجود تھا یا آپ کے بعد کے زمانے میں قیامت

تک کبھی بھی ہو وہ آپ ﷺ کے متعلق سنے اور پھر آپ کے دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو وہ جہنمیوں میں سے ہوگا اور جہاں تک ان باتوں کا تعلق ہے جو آپ لے کر آئے ان میں سے مثلاً ایک یہی ہے کہ آپ سارے عالم کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں خاص طور پر عربوں ہی کے لئے نہیں۔ یہ روایت قابل غور ہے۔

یہاں خاص طور پر یہودیوں اور نصرانیوں کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ حالانکہ یہ لوگ خود اہل کتاب ہیں لیکن اس کے باوجود اگر یہ لوگ آپ کے متعلق سنیں اور پھر ایمان نہ لائیں تو جہنم میں داخل ہوں گے اس لئے ان کے علاوہ دوسری قوموں کے لوگ جیسے آتش پرست ہیں کہ ان کے پاس کوئی کتاب بھی نہیں ہے تو وہ یقیناً ایسا کرنے پر جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔ یعنی یہودیوں کے پاس آسمانی کتاب تورات ہے اور عیسائیوں کے پاس آسمانی کتاب انجیل ہے۔ اور تورات کی شریعت موسیٰؑ کی شریعت ہے جس کو یہودیت کہا جاتا ہے۔

اس کو یہودیت اس لئے کہا جاتا ہے موسیٰؑ نے فرمایا تھا۔ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ اَیْ رَجَعْنَا ترجمہ: ہم تیری طرف لوٹے ہیں۔ لہذا جو شخص بھی موسیٰؑ کی شریعت پر چلا اس کو یہودی کہا گیا۔ اسی طرح انجیل کی شریعت کو نصرانیت اس لئے کہا گیا کہ عیسیٰؑ نے فرمایا تھا۔ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ترجمہ:۔ اللہ کی طرف میرا مددگار کون بنتا ہے۔

لہذا جس شخص نے بھی عیسیٰؑ کی شریعت کو قبول کیا اس کو نصرانی کہا گیا۔ اگرچہ قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ اس کو انصاری کہا جاتا ویسے جیسا کہ بیان ہوا ایک قول یہ بھی ہے کہ نصرانی سے ناصرہ نامی ایک گاؤں کی طرف نسبت ہے جو شام کے علاقہ میں ہے اور جہاں عیسیٰؑ جاکر ٹھہرے تھے۔ بہر حال ہو سکتا ہے کہ یہ نام پڑنے میں دونوں باتوں کو دخل ہو۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ (نماز میں) ہماری صفیں ایسی بنائی گئی ہیں جیسی فرشتوں کی صفیں ہوتی ہیں (ی) جبکہ پچھلی امتیں علیحدہ علیحدہ نماز ادا کیا کرتی تھیں (ان کو کوئی اجتماعی شکل نہیں دی گئی تھی) اسی طرح آنحضرت ﷺ کی امت کی بھول چوک معاف کر دی گئی ہے اور انکو ان چیزوں کا پابند نہیں کیا گیا جو ان کی طاقت سے باہر ہیں جیسا کہ اس کی طرف سورہ بقرہ کے آخری حصے میں اشارہ کیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ آنحضرت ﷺ کا شیطان یعنی وہ شیطان جو ہر انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے) مسلمان ہو گیا تھا اور آپ ﷺ شیطان کے ورغلانے سے محفوظ فرما دیئے گئے تھے) چنانچہ خصائص صغریٰ میں بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا شیطان مسلمان ہو گیا تھا۔ غرض آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیات (جو آپ کو اور صرف آپ کو حاصل تھیں) کل ملا کر سترہ ہوتی ہیں۔ علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مزید خصوصیات تلاش کرے تو ممکن ہے اور بھی خصوصیات مل جائیں۔ چنانچہ ابو سعید نیشاپوری نے اپنی کتاب شرف المصطفےٰ میں لکھا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی وہ خصوصیات شمار کیں جو دوسرے نبیوں کو نہیں ملی تھیں بلکہ صرف آپ کو ملی تھیں تو انہوں نے ساٹھ خصوصیات تک تلاش کیں۔

چنانچہ یہ بھی آپ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کی امت کو اسلام کی صفات دی گئیں جب کہ اس امت سے پہلے سوائے نبیوں کے کسی دوسری امت کو یہ وصف حاصل نہیں ہوا۔ اس طرح یہ اسی امت محمدی کا شرف ہے کہ اس کو اس وصف سے نوازا گیا جو صرف نبیوں کے لئے مخصوص تھا یعنی اسلام۔ اس سلسلے میں مضبوط قول یہی ہے جو روایت سے بھی ثابت ہے اور اس کے لئے عقلی دلیلیں بھی موجود ہیں جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بیان کیا ہے۔

باب (۲۱)

آغاز وحی

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ :-

"جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے درجات بلند کرنے اور آپ کو شرف و بزرگی عطا فرمانے کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے جس چیز سے نبوت کی ابتداء ہوئی وہ رویاء صالحہ یعنی سچے خواب تھے کہ آپ جو بھی خواب دیکھتے وہ اس طرح روشن ہو کر حقیقت بن جاتا جیسے صبح کی تابندگی اور روشنی ہوتی ہے۔ چنانچہ کوئی شخص بھی ان خوابوں پر شک نہیں کر سکتا تھا جیسا کہ کوئی شخص صبح کی روشنی اور نورانی کرنوں کے سامنے آنے پر ان سے انکار نہیں کر سکتا۔ ایک جگہ یہ لفظ ہیں کہ آپ جو کچھ بھی خواب میں دیکھتے تھے وہ بات بالکل اسی طرح حقیقت میں بھی سامنے آجاتی تھی۔"

حدیث میں ان سچے خوابوں کو رُؤیَاءِ صَالِحَہ یعنی نیک خواب کہا گیا ہے لیکن یہاں "صالحہ" سے مراد صادقہ یعنی سچے خواب ہیں۔

بخاری کی روایت کی تفسیر میں آتا ہے کہ۔ آنحضرت ﷺ کے تمام خواب چاہے وہ کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں ہمیشہ سچے ہوتے تھے اور حقیقت میں سامنے آجاتے تھے جیسا کہ احد کی جنگ کے موقعہ پر ہوا

سچے خواب...... قاضی بیضاوی وغیرہ نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی ابتداء خوابوں سے اس لئے کی گئی تاکہ نبوت یعنی رسالت لے کر فرشتے کی اچانک آمد سے آپ کو دہشت نہ ہو جائے اور انسانی قوی اس بوجھ کو سنبھال نہ سکیں کیونکہ چاہے فرشتہ اپنی اصلی شکل میں سامنے نہ آئے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے مگر پھر بھی انسانی قوی میں فرشتے کو دیکھنے کی طاقت نہیں ہے۔ اسی طرح انسانی قوی نہ فرشتے کی آواز سننے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ان خبروں کو برداشت کرنے کی وجہ فرشتہ لے کر آئے خاص طور پر رسالت اور نبوت کی خبر۔ لہٰذا یہ سچے خواب آنحضرت ﷺ کو رفتہ رفتہ عادی اور خوگر بنانے کے لئے تھے۔

یہاں فرشتے سے مراد جبرئیلؑ ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ہم پر یہ اللہ تعالیٰ کا زبردست احسان ہے

کہ ہم فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے (ی) یعنی ان کی اس اصلی صورت پر جس پر حق تعالیٰ نے ان کو بنایا ہے کیونکہ فرشتے انتہائی حسین اور خوبصورت چہروں والے بنائے گئے ہیں۔ اس لئے اگر ہم فرشتوں کو دیکھ سکتے تو اس حسن اور خوبصورتی کو دیکھ کر ہماری آنکھیں چندھیا جاتیں اور ہم اپنی جانیں دے دیتے۔

سب سے پہلے انبیاء کو سچے خواب دکھائے جاتے ہیں...... حضرت علقمہؓ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے نبیوں کو جو چیز دی جاتی ہے وہ خواب ہوتے ہیں یعنی جو خواب کی صورت میں نظر آتے ہیں تاکہ ان کے دل مطمئن رہیں اس کے بعد ان کے پاس وحی آتی ہے جو جاگنے کی حالت میں آتی ہے۔ جہاں تک انبیاء کے خوابوں کا تعلق ہے تو وہ وحی ہوتے ہیں اور سچے اور حق ہوتے ہیں بدخوابی یا طبیعت کی گرانی کا نتیجہ ہرگز ہرگز نہیں ہوتے، نہ ہی وہ خواب شیطانی واہمے ہوتے ہیں اس لئے انبیاء تک شیطان کی پہنچ نہیں ہوتی (نبیوں کے خواب سے ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ) ان کے قلوب نورانی ہوتے ہیں اس لئے وہ جو کچھ بھی خواب میں دیکھتے ہیں وہ جاگنے کی حالت میں دیکھنے کی برابر ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کے عالم مثال میں جو بھی نقش اور چھاپ ہوتی ہے وہ صرف حق ہوتی ہے اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ:۔

"ہم نبیوں کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل ہرگز نہیں سوتے۔"

وحی کی تین قسمیں...... اقول۔ مولف کہتے ہیں: وحی کی تین قسمیں ہیں۔ سب سے پہلی قسم تو سچے خواب ہیں، دوسرے اللہ تعالیٰ سے براہ راست کلام اور تیسرے اللہ تعالیٰ سے حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ کلام ہے بعض علماء کا قول ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کو وحی کی تینوں قسمیں حاصل ہوئیں مگر اس قول کے ماننے میں اشکال ہے کیونکہ جہاں تک سچے خوابوں کا تعلق ہے تو اس میں تمام نبی شریک ہیں اور جہاں تک تینوں قسم کی وحی کا تعلق ہے اس میں حضرت موسیٰؑ شریک ہیں کہ ان کو سچے خواب بھی نظر آئے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہ راست بھی اور حضرت جبرئیلؑ کے واسطے سے بھی کلام کرنے کا موقعہ ملا (لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وحی کی تینوں قسمیں حاصل ہونا ضروری آنحضرت ﷺ کی ہی خصوصیت ہے)۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان سچے خوابوں کے نظر آنے کی مدت چھ مہینے تھی۔ (قال) اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ان خوابوں کا سلسلہ ربیع الاول کے مہینہ میں شروع ہوا یعنی جس مہینے میں آنحضرت ﷺ کی پیدائش ہوئی ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ پر جاگنے کی حالت میں وحی بھیجی تو یہ وحی رمضان کے مہینہ میں آئی جیسا کہ علامہ بیہقی وغیرہ نے لکھا ہے۔

سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں...... حدیث میں آتا ہے کہ

"سچے خواب، اور بخاری میں یہ لفظ ہیں کہ نیک آدمی کے اچھے یعنی سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتے ہیں۔"

بعض علماء نے (چھیالیسواں حصہ ہونے کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہور کے بعد تیرہ سال مکے میں رہے اور دس سال مدینے میں رہے اور اس پورے زمانے میں آپ پر وحی نازل ہوتی رہی۔ لہٰذا جاگنے کی حالت میں آپ پر تیئیس سال وحی نازل ہوئی۔ ادھر سوتے کی حالت میں یعنی خواب میں آپ پر وحی نازل ہونے کی مدت چھ مہینے ہے (جس کا مطلب یہ ہوا کہ جاگنے کی حالت میں وحی نازل ہونے کا جو تیئیس سال کا زمانہ ہے اس کو اگر خواب کی حالت میں وحی نازل ہونے کی مدت پر تقسیم کیا جائے جو چھ مہینے ہے تو تیئیس

سال کا زمانہ ہے اس کو اگر خواب کی حالت میں وحی نازل ہونے کی مدت پر تقسیم کیا جائے جو چھ مہینے ہے تو تئیس کا دوگنا چھیالیس ہوگا۔ اسی لئے سچے خوابوں کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے) لیکن اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سچے خوابوں کے نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہونے کی بات صرف آنخضرت ؐ کی نبوت کے لحاظ سے ہے (دوسرے نبیوں یا مطلق نبوت کے لحاظ سے نہیں) اسی قول کو کتاب ہدی نے نقل کیا ہے اور یہ کہہ کر اس کو درست قرار دیا ہے کہ آپ کے خوابوں کی مدت چھ ماہ تھی اور نبوت کی مدت تئیس سال تھی۔ لہٰذا یہ سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کتاب ہدی کا حوالہ ہے۔

لہٰذا اوپر جو حدیث ذکر ہوئی ہے اب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میرے خواب میری نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں اب ظاہر ہے حدیث کے جو یہ لفظ ہیں کہ نیک آدمی کے اچھے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتے صحیح نہیں رہتے کیونکہ ان الفاظ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مطلق سچے خواب مطلق نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتے ہیں اور اس نبوت میں آنخضرت ﷺ کے علاوہ دوسرے نبیوں کی نبوت بھی شامل ہے (حالانکہ چھیالیسواں حصہ صرف اس حساب سے بنتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے خوابوں کی مدت اور آپ کی نبوت کی مدت ہے (جبکہ دوسرے نبیوں کی نبوت کی مدتیں مختلف ہیں اس لئے اس حساب سے چھیالیسواں حصہ نہیں بن سکتا) لہٰذا یہ روایت قابل غور ہے۔

میں نے کسی ایسے نبی کے متعلق کسی کتاب میں نہیں پڑھا جس کے سچے خوابوں اور نبوت کی مدت رسول اللہ کی ان دونوں مدتوں کے برابر ہو۔ لہٰذا اب اس کو آنخضرت ﷺ کی ہی خصوصیت کہا جائے گا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس حدیث سے صرف آنخضرت ﷺ کی نبوت مراد نہیں ہے بلکہ مطلق نبوت اور سچے خواب مراد ہیں۔ اس بارے میں مختلف روایتوں کے الفاظ ہیں جن کی تعداد پندرہ تک ہے جن میں سے کچھ یہ ہیں کہ ایک روایت کے الفاظ کے مطابق سچے خواب نبوت کا ساٹھواں جز ہوتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق چوالیسواں جز ہوتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق پچاسواں جز ہوتے ہیں۔ اسی طرح انچاسواں جز ہوتے ہیں۔ اسی طرح چہتر ہواں جز ہوتے ہیں۔ ایسے ہی چھبیسواں جز ہوتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق چھبیسواں جز ہوتے ہیں اور ایک روایت کے مطابق چوبیسواں جز ہوتے ہیں۔ تو یہ مختلف الفاظ اور تعداد میں مختلف شخصیتوں کے اعتبار سے ہیں کیونکہ انبیاء کی نبوت کی مدت مختلف ہے اسی لحاظ سے یہ تعداد بھی مختلف ہے۔ علامہ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ صحیح روایت چھیالیسواں جز ہونے کی ہے۔ پھر اس کے بعد والی روایت ساٹھواں جز ہونے کی ہے۔ غرض اب معلوم ہوا کہ سچے خواب مطلق نبوت کا جز ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ بھی غیب کی باتوں کی خبر ملتی ہے اس لئے یہ سچے خواب ایسے ہی ہیں جیسے کہ نبوت کا جز ہوں۔ لہٰذا اب یہ بات ٹھیک ہو جائے گی کہ آنخضرت ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں آتا ہے۔

نبوت ختم ہو گئی مگر بشارتیں باقی ہیں...... "نبوت ختم ہو گئی۔ (ی) یعنی میرے بعد اب نبوت نہیں رہے گی۔ البتہ مبشرات یعنی خوش خبریاں باقی رہیں گی۔"

یعنی خوابوں کے ذریعہ بشارتیں باقی رہیں گی جو نبیوں کے لئے نبوت کی خوش خبریاں ہوتی تھیں۔ اس بات کی دلیل یہ روایت ہے کہ

"میرے بعد بشارتیں باقی نہیں رہیں گی یعنی نبوت کی بشارتوں میں سے سوائے خوابوں کے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔ یعنی ایسے خواب باقی رہیں گے جن کا نبوت کی بشارت سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔"

اس تشریح کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے کہ

سوائے اچھے خوابوں کے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی جو ایک مسلم کو نظر آئیں گے جو وہ اپنے لئے دیکھ سکے گا اس کے لئے دکھلائے جائے گے۔"

یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ سچے خواب تو کافر بھی دیکھتا ہے جو وہ خود اپنے لئے دیکھتا ہے یا اس کے لئے دکھائے جاتے ہیں جبکہ وہ نہ تو نیک آدمی کہلا سکتا ہے اور نہ مسلمان ہے (جب کہ پچھلی اور موجودہ دونوں حدیثوں میں یہ شرطیں کیونکہ نیک آدمی کے سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتے ہیں یا یہ کہ مسلمان کو نظر آنے والے اچھے خوابوں کے سوا کوئی بشارت باقی نہیں رہے گی)۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اگر یہ بات فرض بھی کرلی جائے تو

مگر اس پر بھی یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ بات تو واقعہ میں پیش آتی ہے جبکہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سچے خواب صرف مسلمان کو ہی نظر آتے ہیں۔ پھر یہ کہ جس طرح کسی جلد یا دیر سے پیش آنے والی بھلائی اور خیر کی خوش خبری دیتے ہیں ایسے ہی کبھی آنے والی برائی اور شر کی طرف سے جو گنا کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کبھی کبھی بشارت یعنی اچھی خبر کا اطلاق یعنی بری خبر پر بھی کیا جاتا ہے ایسا مجازی طور پر کیا جاتا ہے کیونکہ بشارت اس خبر کو کہا جاتا ہے جس سے انجام کار خیر اور بھلائی ظاہر ہو۔ اس لئے کہ نذارت یعنی بری اور ڈرانے والی خبر سے بھی کبھی کبھی انجام کے طور پر خیر ظاہر ہوتی ہے۔ کتاب اتقان میں ہے کہ مجاز کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ کسی چیز کو اس کی ضد اور مخالف چیز کے نام سے پکارا جائے جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (قرآن حکیم پ ۳۰ سورۂ انشقاق ع ۱)۔ آیۃ

ترجمہ: سو ان اعمال کفریہ کے سبب آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے۔

(اس آیت میں کافروں کو خوفناک عذاب کی "خوش خبری" کے لئے کہا گیا ہے۔ جبکہ ظاہر ہے یہ خوش خبری نہیں ہے بلکہ ان کے لئے انتہائی بری خبر ہے مگر یہاں مجازی طور پر اس نذارت یعنی ڈراوے کو خوش خبری کہا گیا ہے، جس سے کافروں کی تضحیک کرنی یعنی ان کی ہنسی اڑانی مقصود ہے۔

<u>برے خوابوں کے اثر سے حفاظت کا طریقہ</u>...... ایک مرتبہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے یہ صحابی حضرت ابو قتادہؓ انصاری تھے انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! مجھے ایسے خواب نظر آتے ہیں جو ناگوار ہوتے ہیں اور ان سے طبیعت پر بوجھ ہو جاتا ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا

"اچھے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اس لئے جب تم ایسے خواب دیکھو جو تمہارے لئے ناپسندیدہ ہیں تو شیطان سے اللہ کو پناہ مانگو اور اپنے بائیں جانب تین بار تھوک دو۔ تمہیں یہ خواب کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

جہاں تک اس حدیث میں تھوکنے کی ہدایت ہے تو اس کی حکمت یہ ہے کہ اس سے شیطان کی تذلیل

اور تحقیر مراد ہے (یہاں مراد تھوکنا نہیں بلکہ تھوکنے کی آواز پیدا کرنا ہے)۔

برے خوابوں کے اثر سے حفاظت کی دعائیں...... اسی طرح ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ "جب تم میں سے کوئی شخص ناگوار خواب دیکھے تو وہ اس خواب اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور یہ دعا پڑھے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ مَا رَأَیْتُ وَمِنْ شَرِّ الشَّیْطَانِ

ترجمہ :- میں نے جو کچھ خواب دیکھا اس سے اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔

پھر وہ تین مرتبہ تھوک دے اور وہ خواب کسی کو نہ سنائے اس طرح وہ اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اور پھر اپنی وہ کروٹ بدل لینی چاہئے جس پر لیٹا ہوا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ۔ پھر وہ اٹھکر نماز پڑھ لے (ی) تاکہ اس برے خواب کے مقابلہ میں یہ نماز اس کی سلامتی کا ذریعہ بن جائے۔

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ۔

"تم میں سے جب کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو اس کو پسندیدہ ہے تو سمجھ لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لہٰذا وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور اس خواب کو بیان کرے۔ (ی) یعنی ان ہی لوگوں کو سنائے جن کو وہ سنانا پسند کرتا ہے۔ اور اگر ایسا خواب دیکھے جو اس کو ناپسند ہے تو سمجھ لے کہ وہ شیطان کی طرف سے ہے۔ (ی) اور اس کی کوئی حقیقت واصلیت نہیں ہے۔ یہ صرف ایک تخیل اور واہمہ ہوتا ہے جس کا مقصد انسان کو ڈرانا اور دہشت زدہ کرنا ہوتا ہے لہٰذا اس پر اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور اس کو کسی سے نہ سنائے اس سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

کتاب اذکار میں یہ ہے کہ برا خواب دیکھنے کے بعد یہ کہے

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ وَ سَیِّئَاتِ الْاَحْلَامِ

ترجمہ :- اے اللہ میں شیطان کے اثر اور برے خوابوں کی برائیوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

عربی میں اچھے خوابوں کو رؤیا اور برے خوابوں کو احلام کہا جاتا ہے) چنانچہ حدیث میں ہے کہ

رؤیا یعنی اچھے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور احلام یعنی برے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔"

اچھے خوابوں یعنی رؤیا اور احلام یعنی برے خوابوں کے معنی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اچھا خواب دیکھنے والا شخص جس چیز کو دیکھتا ہے وہ اصلی اور حقیقی ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں برے خواب دیکھنے والا جس چیز کو دیکھتا ہے وہ اصلیت کے خلاف ہوتی ہے اس لئے کہ یہاں حلم کا لفظ حلم جلد سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں کھال میں کیڑے پڑ جانا جبکہ رؤیا یعنی سچے خوابوں میں دیکھنے والا اپنے قلب کے اس جز اور حصے سے جس پر نیند کا غلبہ نہیں ہوا چیزوں کی مثالی شکلوں کو دیکھتا ہے اور جب قلب کے اکثر حصے سے نیند کا غلبہ کم ہو جاتا ہے تو خواب زیادہ صاف اور واضح ہو جاتے ہیں۔

برے خوابوں کی تعبیر جلد اور اچھے خوابوں کی دیر میں ظاہر ہوتی ہے...... علامہ فخر رازی لکھتے ہیں کہ برے خوابوں کی تعبیر جلد سامنے آجاتی ہے لیکن اچھے خوابوں کی تعبیر کچھ وقت گزرنے کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ برائی اور شر کے آنے کی علامتیں اس شر کے

آنے کے قریب ہی ظاہر ہوں تاکہ غم اور تکلیف کم ہو کیونکہ اگر کسی مصیبت کے آنے کی خبر یا علامتیں بہت پہلے سے ظاہر ہو جائیں تو آدمی خوف ہی خوف میں مر جائیں (لہذا برے خواب اس وقت نظر آتے ہیں جبکہ مصیبت بالکل سر پر آچکی ہو تاکہ ایسے خوابوں کے بعد مصیبت کا جو اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے وہ زیادہ دیر تک نہ رہے بلکہ جلد ہی وہ برائی ظاہر ہو جائے) اس کے مقابلے میں جہاں تک اچھائیوں اور خیر کی علامتوں کا تعلق ہے تو وہ اپنے ظہور سے بہت زیادہ پہلے نظر آجاتی ہیں تاکہ اس راحت و آرام کے آنے کا انتظار رہے اور اس طرح اس کی خوشی بھی زیادہ سے زیادہ ہو۔

ان معاملات میں عام طور پر تو ایسا ہی ہوتا ہے (لیکن کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے) جیسا کہ ایک دفعہ کسی نے حضرت جعفر صادق سے پوچھا۔

"خوابوں کی تعبیر کتنے کتنے عرصہ بعد تک ظاہر ہوتی ہے؟"

جعفر نے کہا

"رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ جیسے ایک سیاہ و سفید کتا اپنا خون پی رہا ہے۔ لو یہ سیاہ و سفید کتا اصل میں شمر نامی شخص تھا جس نے حضرت حسین کو قتل کیا۔ یہ شخص کوڑھی تھا (یعنی اس کے جسم پر سیاہ اور سفید داغ تھے)۔"

اس طرح اس خواب کی تعبیر پچاس سال کے بعد ظاہر ہوئی۔

آغاز نبوت کی علامتیں..... حضرت عمرو ابن شر جیل روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔

"جب میں تنہائی میں جا کر بیٹھتا ہوں تو مجھے آواز سنائی دیتی ہے۔ اے محمد..... اے محمد..... ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ مجھے ایک نور نظر آتا ہے جو جاگنے کی حالت میں نظر آتا ہے اور ایک آواز سنائی دیتی ہے، مجھے ڈر ہے کہ خدا کی قسم اس کے نتیجہ میں کہیں کوئی بات نہ پیش آجائے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ۔ خدا کی قسم مجھے کسی چیز سے اتنی نفرت اور بیر نہیں ہے جتنی مجھے ان بتوں سے ہے اور اسی طرح کاہنوں سے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں کاہن نہ ہو جاؤں۔ (ی) یعنی مجھے جو آواز سنائی دیتی ہے وہ کسی تابع جن کی ہو۔ اس لئے کہ ان بتوں کے اندر جنات داخل ہو جایا کرتے تھے اور اس میں سے بتوں کے مجاور اور خادم سے بات کیا کرتے تھے (جس سے وہ خادم یہ سمجھا کرتے تھے کہ یہ آواز بتوں کی ہی ہے) اسی طرح کاہنوں کے پاس ان کے تابع جن آسمان کی خبریں چرا کر لایا کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ مجھ پر جنوں کا اثر نہ ہو۔ (ی) یعنی جن کا اثر نہ ہو گیا ہو۔"

یہ سن کر حضرت خدیجہؓ نے (آپ کو تسلی دیتے ہوئے) فرمایا۔

"ہرگز نہیں میرے چچا کے بیٹے! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔ کیونکہ خدا کی قسم آپ امانت ادا کرنے والے ہیں، رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے ہیں اور ہمیشہ سچ بات کہنے والے ہیں۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ۔ آپ کے اخلاق بہت شریفانہ ہیں۔ (ی) لہذا شیطان کی آپ تک ہرگز پہنچ نہیں ہو سکتی۔"

حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ میں جو اونچی صفات اور عمدہ اخلاق دیکھے تھے ان ہی کے پیش نظر یہ

بات فرمائی تھی کہ آپ کے ساتھ جو کچھ بھی پیش آئے گا وہ خیر اور بھلائی ہی ہو سکتی ہے کیونکہ جس شخص میں یہ خوبیاں موجود ہوں اس کو اچھی جزاء ہی مل سکتی ہے۔

جبرئیلؑ سے پہلے اسرافیلؑ آنحضرت ﷺ کے ہمدم تھے...... علامہ ماوردی نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیلؑ کو تین سال تک اپنے ہی آنحضرت ﷺ کا ہمدم بنا دیا تھا کہ آپ ﷺ ان کی موجودگی کو محسوس تو فرماتے تھے مگر ان کو دیکھ نہیں سکتے تھے وہ آنحضرت ﷺ کو ایک ایک کر کے سب چیزوں کے متعلق علم دیتے تھے مگر قرآن پاک کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ اس طرح اس میں آپ کو نبوت کی خوش خبریاں دی جاتی رہیں۔ یہ مدت اس طریقہ پر اس لئے گزاری گئی تا کہ آپ کو وحی کے لئے تیار کیا جا سکے۔

یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ جب اس مدت میں آپ کو نبوت کی خوش خبر دی جا رہی تھی تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے وہ بات کہیں فرمائی جو پیچھے گزری ہے۔ اس کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ پیچھے جو بات بیان ہوئی وہ آنحضرت ﷺ نے شروع شروع کے زمانے میں فرمائی تھی۔ اس بات کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ (نبوت سے پہلے) آنحضرت ﷺ پر پندرہ سال ایسے گزرے جس کے دوران کبھی کبھی آپ یہ آواز سنا کرتے تھے لیکن کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ پھر سات سال ایسے گزرے کہ آپ کو ایک نور نظر آیا کرتا تھا اس کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی اور یہ کہ آپ کو (خواب میں) نبوت کی خوش خبری اور بشارت ملنے کی مدت چھ مہینے تھی۔ چھ مہینے اس بائیس سال کی مدت میں سے ہیں (جن میں سے پندرہ سال تک آپ کو کبھی کبھی آوازیں سنائی دیں اور سات سال محمد نظر آیا) جہاں تک ان باتوں کا تعلق ہے جو حضرت اسرافیل آپ کو سکھایا کرتے تھے ان کے متعلق مجھے کوئی تفصیل نہیں مل سکی واللہ اعلم

آنحضرت ﷺ کو تنہائی اور خلوت نشینی کا شوق...... غرض اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے دل میں تنہائی اور خلوت نشینی کا شوق پیدا فرما دیا جہاں آدمی کا دل ہر چیز سے فارغ ہو جاتا ہے اور مخلوق سے علیحدہ رہ کر دنیا کے تمام مشغلوں اور فکروں سے بیگانہ بن جاتا ہے کیونکہ اس طرح انسان ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہتا ہے جس سے اس کے قلب میں صفائی پیدا ہوتی ہے اور اس کا چہرہ معرفت کے نور سے جگمگا اٹھتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کو تنہائی اور خلوت نشینی سب سے زیادہ عزیز ہو گئی آپ غار حرا میں جا کر خلوت نشین ہوا کرتے تھے۔ یہی وہ حرا پہاڑ ہے جس نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کو ان لفظوں میں پکارا تھا۔

"میری طرف تشریف لائیے یا رسول اللہ!"

یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ آنحضرت ﷺ ثبیر پہاڑ کے اوپر تھے اور اس پہاڑ نے آپ سے کہا تھا۔

"مجھ پر سے اتر جائیے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ آپ یہاں قتل نہ ہو جائیں اور پھر اس کے نتیجہ میں مجھے عذاب دیا جائے۔"

غرض رسول اللہ ﷺ اس غار حرا میں خلوت نشین ہو کر کئی کئی راتیں عبادت کیا کرتے تھے۔ یہاں کئی راتوں کے لئے الليالي ذوات العدد کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایک روایت میں اولات العدد کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں کئی کئی راتیں جن کے ساتھ دن بھی شامل ہیں۔ ان روایتوں میں رات کا لفظ خاص طور پر اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ تنہائی کے لئے راتیں ہی مناسب ہوتی ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ راتوں کی تعداد اس لئے صاف طور پر ذکر نہیں ہوئی ہے کہ یہ تعداد مختلف ہوتی تھی آپ تین راتوں تک وہاں رہتے تھے کبھی سات

راتوں تک رہتے تھے اور کبھی پورا رمضان کا یا کوئی دوسرا مہینہ آپ اس غار میں گزارتے تھے۔ مگر بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک مہینہ سے کم کبھی غار میں نہیں رہے اب (اگر اس کو صحیح مانا جائے تو) کئی کئی راتوں سے مراد یہ ہوگی کہ وہ تعداد جن کا کھانا آپ ﷺ اپنے ساتھ لے کر جایا کرتے تھے۔ چنانچہ جب وہ کھانا ختم ہو جاتا تو آپ واپس مکے تشریف لاتے اور مزید راتوں کا کھانا ساتھ لے کر پھر تشریف لے جاتے یہاں تک کہ اسی طرح ایک مہینہ پورا ہو جاتا۔ اسی طرح ان اقوال سے بھی یہی مراد ہوگی جن میں ہے کہ آپ کبھی تین رات رہتے کبھی سات رات رہتے اور کبھی ایک مہینہ رہتے تھے۔

<u>آپ ﷺ ایک مہینے تک خلوت نشین رہتے تھے</u>...... مگر یہ قول صحیح نہیں ہے کہ آپ ایک مہینے سے زیادہ بھی خلوت نشیں ہوا کرتے تھے۔ علامہ سراج بلقینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ احادیث میں ایسی کوئی بات ذکر نہیں ہے۔ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ غار حرا میں آپ کس طرح عبادت کیا کرتے تھے یہاں تک علامہ کا کلام ہے مگر اس کا بیان آگے جلد ہی آرہا ہے۔

<u>خلوت نشینی کے دوران آنحضرت ﷺ کی غذا</u>...... غرض غار حرا میں خلوت نشینی کے دوران جب آپ کے پاس کھانا ختم ہو جاتا تو آپ واپس حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے اور اتنا ہی کھانا پھر لے جاتے۔ (ی) آپ کے کھانے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ کیک یعنی بھنی ہوئی روٹی اور زیتون کا تیل ہوا کرتا تھا۔ مگر اس بارے میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کیک اور زیتون کا تیل تو کافی مدت تک خراب نہیں ہوتا اس لئے آپ پورا ایک مہینہ بھی مسلسل غار میں ٹھہر سکتے تھے جو آپ کی خلوت نشینی کی مدت ہوتی تھی۔

اس بارے میں علامہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خلوت نشینی کی مدت ایک مہینہ ہوا کرتی تھی آپ مہینے کے چند دنوں کا کھانا ساتھ لے کر غار میں تشریف لے جایا کرتے جب یہ کھانا ختم ہو جاتا تو آپ واپس اپنے گھر تشریف لاتے اور اتنا ہی کھانا پھر ساتھ لے جایا کرتے تھے (پورے مہینے کا کھانا ایک ساتھ اس لئے نہیں لے جایا کرتے تھے کہ) آپ ﷺ کے پاس اتنا روپیہ پیسہ نہیں تھا (کہ ایک مہینہ کا انتظام ایک وقت میں فرما سکیں) اکثر آپ کا کھانا دہی اور گوشت ہوا کرتا تھا یہ کھانا ویسے بھی ایک مہینہ تک نہیں رکھا جا سکتا کیونکہ یہ جلد خراب ہو جاتا ہے دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ کے اوصاف میں سے تھا کہ آپ کے پاس جو بھی آتا تھا آپ اس کی تواضع بھی فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک علامہ ابن حجرؒ کا کلام ہے۔

<u>زیتون کا تیل</u>...... اس قول سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کے گھرانے کی مالی حیثیت اتنی نہ تھی کہ ایک وقت میں ایک مہینہ کے لئے کیک اور زیتون کا کھانا آپ کے واسطے تیار کر کے دیا جا سکتا، دوسرے یہ کہ آپ کے گھر والوں کا عام کھانا دہی اور گوشت ہوتا تھا اور یہ دونوں چیزیں ایک مہینے تک نہیں رکھی جا سکتیں۔ تیسری بات یہ کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آپ ایک مہینے تک کا کھانا لے جاتے تھے یعنی کیک اور زیتون کی قسم سے تو (اس کے ایک مہینہ تک کافی نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ) آپ اس میں سے آنے جانے والوں کی تواضع بھی فرمایا کرتے تھے اس لئے جو کچھ ہوتا تھا وہ اکثر جلد ختم ہو جاتا تھا۔ جہاں تک سالن کے طور پر زیتون کا تیل استعمال کرنے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی چکنائی سے (مسلسل استعمال کرنے کے باوجود) طبیعت بیزار نہیں ہوتی جبکہ دہی اور گوشت ایسی چیزیں ہیں کہ ان سے طبیعت جلد ہی بیزار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔

"زیتون کے تیل کو سالن بناؤ اسی کو بطور لگانے کے تیل کے استعمال کرو اس لئے کہ یہ ایک مبارک درخت سے نکلتا اسی طرح ایک ارشاد ہے"

"اسی مبارک درخت کو سالن بناؤ"۔ یعنی اسی مبارک درخت جس کو زیتون کہتے ہیں کہ عرق یعنی زیتون کے تیل کو سالن بناتی۔ اس درخت کو مبارک اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ صرف اسی قسم کی زیتون میں ہی پیدا ہوتا ہے جیسے بیت المقدس کی سرزمین ہے۔

(غرض آنحضرت ﷺ اسی طرح تنہائی نشین ہوا کرتے تھے) یہاں تک کہ ایک روز اللہ تعالیٰ نے اچانک حق کو ظاہر فرمادیا جبکہ آنحضرت ﷺ اس دن بھی غار حرا میں ہی خلوت نشین تھے اور وہ مہینہ تھا جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

کچھ دوسرے قریشی بھی خلوت نشین ہوا کرتے تھے...... حضرت عبیدہ ابن عمیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال ایک مہینہ غار حرا میں خلوت نشین ہو کر گزارا کرتے تھے۔ یہ وہی مہینہ ہوتا تھا جس میں قریش کے کچھ لوگ جاہلیت کے زمانے میں خلوت نشین ہو کر عبادت گزاری کیا کرتے تھے۔ (ی) یعنی قریش کے وہ لوگ جو خدا کو ماننے والے تھے۔"

(ی) قریش میں سب سے پہلے آدمی جنہوں نے یہاں اس طرح عبادت گزاری کی وہ آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب تھے چنانچہ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں۔

"سب سے پہلے آدمی جنہوں نے حرا کے غار میں خلوت نشین ہو کر عبادت گزاری کی وہ عبدالمطلب تھے۔ جب رمضان کا مہینہ آتا تھا تو وہ حرا پہاڑ کے اوپر جا کر عبادت کیا کرتے تھے اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے پھر اس معاملہ میں دوسرے خدا پرستوں نے یہی راستہ اختیار کیا جیسے ورقہ ابن نوفل اور ابوامیہ ابن مغیرہ (جن کے حالات گذشتہ قسطوں میں گزر چکے ہیں)۔

آنحضرت ﷺ کی اس عبادت گزاری اور خلوت نشینی کا حال قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے بھی ان شعروں میں بیان کیا ہے۔

أَلِفَ النُّسْكَ وَ الْعِبَادَةَ وَ الْخَلْوَةَ
طِفْلاً　　وَهٰكَذَا　　النُّجَبَاءُ
وَاِذَا　　حَلَّتِ　　الْهِدَايَةَ　　قَلْباً
نَشَطَتْ　　فِيْ　　الْعِبَادَةِ　　الْاَعْضَاءُ

مطلب...... آنحضرت ﷺ کو بچپن ہی میں عبادت گزاری اور خلوت نشینی سے محبت تھی حقیقت یہ ہے کہ اونچے مرتبے والے اور شریف انسانوں کی یہی شان ہوتی ہے کیونکہ جب قلب کو ہدایت اور سچائی حاصل ہو جاتی ہے تو عبادت گزاری کے ذریعہ جسم کے ہر ہر عضو اور حصے کو سکون اور فرحت حاصل ہوتی ہے کیونکہ سارے بدن کا سردار ہوتا ہے اسی کے ٹھیک رہنے سے جسم ٹھیک رہتا ہے اور اسی کے خراب ہونے سے جسم خراب ہو جاتا ہے۔

(یہاں ایک بات یہ واضح رہنی چاہئے کہ) شاید ان شعروں میں قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے خلوت نشینی سے صرف آنحضرت ﷺ کا لوگوں سے علیحدہ ہو کر ایک طرف بیٹھ رہنا مراد لیا ہے اور اس زمانے کا ذکر کیا

ہے جبکہ آنحضرت ﷺ بچپن میں دایہ حلیمہؓ کے پاس دودھ پیتے تھے (نبوت کے قریب کا وہ زمانہ اور عبادت گزاری مراد نہیں لی ہے جبکہ آپ غار حرا میں عبادت کے لئے خلوت نشین ہوا کرتے تھے) کیونکہ آپ کے بچپن کے متعلق دایہ حلیمہ کی یہ روایت گزر بھی چکی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کچھ بڑے ہو گئے تو آپ بچوں کے پاس تشریف لے جایا کرتے۔ بچے کھیلتے ہوتے تھے مگر آپ ان کے کھیل کود سے دور رہتے (اور ایک طرف بیٹھ کر اس کائنات کی چیزوں کی حقیقت پر غور فرمایا کرتے تھے) بہر حال ان شعروں میں خاص طور پر آپ ﷺ کی وہ خلوت نشینی مراد نہیں ہے جس میں آپ غار حرا میں جاکر عبادت کیا کرتے تھے لہذا ان شعروں میں بچپن کے لفظ کی وجہ سے اس قول کی مخالفت نہیں ہوتی کہ آپ غار حراء میں اس زمانے میں جاکر خلوت نشین ہوا کرتے تھے جبکہ حضرت خدیجہؓ سے آپ ﷺ کا نکاح ہو چکا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی غریب پروری...... غرض آنحضرت ﷺ ایک مہینے میں تنہائی نشین رہتے اور جو مسکین وہاں آپ ﷺ کے پاس پہنچتے آپ ان کو کھانا کھلاتے کیونکہ جاہلیت کے زمانے میں قریش کے اونچے لوگوں کی یہ شان تھی کہ اس جگہ جو مسکین بھی ان کے پاس پہنچتے وہ ان کو جو کچھ بھی حاضر ہوتا پیش کرتے اور ان کا پیٹ بھرتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ غار حراء میں آپ کی عبادت گزاری یہی تھی یعنی لوگوں سے علیحدہ رہنا۔ ورنہ ظاہر ہے اگر صرف کھانا کھلانا عبادت ہوتا تو اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اسی جگہ یعنی غار حراء میں کھلایا جائے (تو عبادت ہوگی ورنہ نہیں) ہاں البتہ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ اس خاص مہینے میں غریب اور مسکین لوگ وہاں کھانے کی امید میں پہنچا کرتے تھے (اس لئے آپ غار حراء میں مسکینوں کو کھانے کھلانے کی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے اور یہی وہاں آپ کی عبادت تھی)۔

آنحضرت ﷺ خلوت نشین ہو کر کائنات کی حقیقت پر غور و فکر فرماتے تھے...... ایک قول یہ ہے کہ غار حراء میں آپ کی عبادت لوگوں سے علیحدہ ہو کر کائنات اور اس کی حقیقت پر غور و فکر ہوتی تھی۔ (ی) خاص طور پر اس لئے کہ لوگ باطل اور گمراہی کے راستے پر تھے کیونکہ تنہائی میں دل پوری طرح ایک طرف متوجہ ہو جاتا ہے جبکہ اپنے ہم جنسوں اور لوگوں کے درمیان رہنے سے دھیان بٹتا ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ خلوت نشینی پاکباز لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ علماء کا یہ قول جو ہے کہ غار حراء میں آپ غور و فکر کے ذریعہ عبادت گزاری فرمایا کرتے تھے اس کے ساتھ لوگوں سے علیحدگی بھی عبادت میں شامل تھی ورنہ ظاہر ہے کہ (کائنات کی حقیقت پر صرف سوچ بچار کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اسی جگہ یعنی غار حراء میں ہو۔ ہاں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس خاص جگہ میں آکر سوچ بچار اور غور و فکر زیادہ مکمل ہو جاتا تھا کیونکہ یہاں دھیان بٹانے والی چیز کوئی نہیں ہوتی تھی۔

غار حراء میں آپ کی عبادت کیا ہوتی تھی...... ایک قول یہ ہے کہ آپ وہاں ذکر اللہ کے ذریعہ عبادت کیا کرتے تھے اس قول کو کتاب سفر السعادہ میں بھی صحیح کہا گیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے علاوہ آپ کا کوئی دوسرا عبادت کا طریقہ تھا۔ اس دوسرے طریقے کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ آپ نبوت سے پہلے ابراہیمؑ اور ایک قول کے مطابق حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے ان احکام کے ذریعہ عبادت فرمایا کرتے تھے جو شریعت محمد ﷺ میں باقی رکھے گئے ہیں۔ ایک قول ہے کہ آپ اپنے سے پہلے نبیوں کی ہر شریعت کے ان احکام کے ذریعہ

عبادت کیا کرتے تھے جو ہماری شریعت میں باقی رکھے گئے ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نبوت ملنے سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کی شریعت کے ذریعہ عبادت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک روز آپ پر اچانک وحی نازل کی گئی اور آپ کو رسالت و پیغمبری دی گئی لہذا ولی کامل کے واسطے ضروری ہے کہ اسی پاک شریعت پر پوری طرح عمل کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو صحیح سمجھ کے لئے کھول دے تاکہ اس کے قلب میں قرآن پاک کے معانی اور مطالب سما سکیں۔ اور پھر وہ مخلوق کی رہبری کر سکے۔

حراء سے واپسی پر آنحضرت ﷺ کی عادت...... غرض جب آنحضرت ﷺ ایک مہینہ تک عبادت کر کے فارغ ہوتے تو وہاں سے واپس آکر سب سے پہلے آپ ﷺ جو کام کرتے وہ یہ تھا کہ آپ کعبے میں تشریف لے جاتے اور بیت اللہ شریف کے سات 7 یا جتنے اللہ تعالیٰ چاہتا اتنے طواف کرتے وہ اس کے بعد اپنے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ مہینہ آگیا جس میں اللہ تعالیٰ آپ کو بزرگی اور اونچا مرتبہ عطا فرمانے والا تھا یہ مہینہ رمضان کا تھا ایک قول ہے کہ ربیع الاول کا مہینہ تھا کہ ایک قول کے مطابق رجب کا مہینہ تھا۔

غار حراء کو روانگی اور اس کا دن و تاریخ...... غرض آنحضرت ﷺ اس دفعہ بھی ہمیشہ کی طرح غار حراء میں رہنے کے لئے روانہ ہوئے آپ کے ساتھ آپ کے اہل یعنی حضرت خدیجہؓ بھی تھیں اب یہ کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ تھیں یا تنہا (اس کا صحیح علم نہیں ہے) آخر وہ رات آگئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت کا اعزاز عطا فرمایا اور آپ کی پیغمبری کے ذریعہ اپنے بندوں پر احسان فرمایا یہ اس مہینے کی سترہویں تاریخ تھی۔ ایک قول ہے کہ چودھویں رات تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ تھی اور ایک قول کے مطابق اس مہینے کی تیسری تاریخ تھی۔

اس بارے میں بعض علماء کہتے ہیں کہ ربیع الاول میں وحی کے نازل ہونے کا جو قول ہے اس سے وہ قول بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ کو چالیس سال پورے ہونے پر نبوت ملی۔ کیونکہ صحیح قول کے مطابق آپ کی پیدائش ربیع الاول کے مہینے میں ہی ہوئی ہے یعنی اکثر محدثین کا قول یہی ہے (اب ربیع الاول میں پیدائش اور ربیع الاول میں ہی وحی کی ابتداء ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ٹھیک چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی جیسا کہ اس بارے میں ایک قول گزر چکا ہے اور وہ اس روایت سے ثابت ہو جاتا ہے۔

تاریخ نبوت میں اختلاف...... ایک قول ہے کہ یہ رجب کی سترہویں رات یا سترہواں دن تھا۔ یہ قول اس روایت کی روشنی میں ہے جسے حافظ دمیاطی نے اپنی سیرت کی کتاب میں حضرت ابوہریرہؓ سے بیان کیا ہے کہ

"جو شخص رجب کی سترہویں تاریخ کو روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ساٹھ مہینوں کے روزوں کا اجر و ثواب دیتا ہے یہی وہ دن ہے جس میں جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ کے پاس نبوت و رسالت لے کر آئے اور یہی وہ پہلا دن ہے جس میں جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ پر اترے۔"

یہاں تک حافظ دمیاطیؒ کا قول ہے۔ یعنی یہ وہ پہلا دن ہے کہ اس میں جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ پر وحی لے کر نازل ہوئے اس سے پہلے وہ آپ کے پاس نہیں آئے تھے۔ بعض روایتوں میں آگے آئے گا کہ جبرئیلؑ اس رات کے آخر یعنی سحر کے وقت میں نازل ہوئے تھے اور یہ پیر کی رات تھی۔ یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ جن جن تاریخوں کے متعلق روایتیں گزری ہیں یہ سب پیر کی راتیں ہی رہی ہوں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے حضرت بلال ؓ سے فرمایا۔

"پیر کے دن کا روزہ کبھی مت چھوڑو کیونکہ میں پیر کے دن ہی پیدا ہوا اور پیر کے دن ہی مجھے نبوت ملی۔"

نبوت ملنے کا وقت...... اب یہاں ایک اشکال باقی رہتا ہے کہ نبوت آپ کو رات میں ملی یا دن میں کیونکہ گذشتہ سطروں میں دونوں قول گزرے ہیں) مگر اس فرق کی وجہ سے کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا (کیونکہ جہاں وقت کہا گیا ہے اس کو ہی کہیں دن کہہ دیا گیا اور کہیں رات) اس لئے کہ سحر کا وقت ایسا ہوتا ہے جو رات سے پہلے ہوتا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ

"رسول اللہ ﷺ کے پاس جبرئیل ؑ پہلے سنیچر کی رات میں آئے اور دوسری مرتبہ اتوار کی رات میں ائے اور پھر پیر کے دن آپ کے پاس نبوت لے کر آپ کے سامنے ظاہر ہوئے جبکہ رمضان کی ستو تاریخ تھی اور آپ اس وقت غار حراء میں تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل ؑ آپ کے پاس (نبوت کی یہ دولت لے کر) آئے۔"

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ آپ کو نبوت رمضان کے مہینے میں ملی اس بارے میں بہت سے علماء کا قول یہی ہے ان ہی میں سے ایک امام صرصری ہیں جنہوں نے اس شعر میں یہی بات کہی ہے۔

وَاَتَتْ عَلَيْهِ اَرْبَعُوْنَ فَاَشْرَقَتْ
شَمْسُ النُّبُوَّةِ مِنْهُ فِيْ رَمَضَانِ

ترجمہ :۔ جب آپ کی عمر مبارک کا چالیسواں سال آیا تو اس میں سے رمضان کے مہینے میں نبوت کا سورج جگمگانے لگا۔

یہ علماء (رمضان کا مہینہ ہونے کی) دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو اس کی ابتداء اس سے ہوئی کہ آپ پر قرآن پاک اتارا گیا (اور قرآن پاک ظاہر ہے رمضان میں اتارا گیا ہے جیسا کہ خود قرآن پاک میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مگر جو علماء اس بات کو نہیں مانتے کہ وحی کی ابتداء رمضان کے مہینے میں ہوئی ان کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ رمضان میں قرآن پاک کے نازل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کو شب قدر میں بیت العزت میں اتارا گیا تھا جو کہ آسمان دنیا میں ہے۔

نبوت سے سرفرازی

جبرئیل کی آمد...... غرض رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ

جب کہ میں سو رہا تھا میرے پاس جبرئیل ؑ ایک ریشمی کپڑا لئے ہوئے آئے جس میں ایک کتاب تھی (ی) یعنی ایک تحریر تھی اور انہوں نے مجھ سے کہا

"اقراء پڑھئے"......!

میں نے کہا

"میں نہیں پڑھ سکتا۔ (ی) یعنی میں ان پڑھ ہوں پڑھ نہیں سکتا (ی) یعنی لکھا ہوا نہیں پڑھ سکتا اور بالکل پڑھ ہی نہیں سکتا۔"

اس پر انہوں نے مجھے اپنے سینے سے ملا کر بھینچا (ی) یعنی اس ریشمی کپڑے سمیت اس طرح بھینچا کہ وہ کپڑا آپ کے منہ اور ناک سے چھوا۔ غرض آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ انہوں نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھے اس پر موت کا گمان ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا کہ۔ پڑھیے۔ یعنی اس لکھے ہوئے کے بجائے ویسے پڑھو (یعنی جو میں کہوں وہ کہو) اس پر میں نے کہا۔

"میں کیا پڑھوں اور کیا کہوں؟"

آنحضرت ﷺ پر خوف اور گھبراہٹ...... یہ بات میں نے صرف اس ڈر سے کہی کہ کہیں وہ فرشتہ مجھے دوبارہ بھی اسی طرح نہ بھینچے۔ یعنی میں نے اس دفعہ ان سے اس چیز کے متعلق پوچھا جو وہ پڑھانا چاہتے تھے۔ پڑھنے سے انکار اس لئے نہیں کیا کہ کہیں اسی طرح پھر وہ نہ بھینچنے لگیں جیسا کہ پہلی دفعہ انکار کرنے پر بھینچا تھا۔" (ی) اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ)۔ "خدا کی قسم میں نے کبھی کچھ نہیں پڑھا اور نہ میں ایسی کوئی چیز جانتا ہوں جسے پڑھ سکوں۔ (ی) اس لئے کہ میں نے کبھی کچھ نہیں پڑھا۔ اس طرح یہاں آپ نے دونوں باتوں کا انکار کیا کہ نہ میں نے کبھی کچھ پڑھا اور نہ کوئی ایسی بات جانتا ہوں جسے پڑھ سکوں۔ اس پر جبرئیلؑ نے فرمایا

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ (الآیہ پ ۳۰ سورہ علق ع ۱)۔

(اے پیغمبر ﷺ) آپ (پر جو) قرآن (نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے (یعنی جب پڑھیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجئے) جس نے مخلوقات کو پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور ایسا ہے) جس نے (لکھے پڑھوں کو قلم سے تعلیم دی اور عموماً) انسان کو دوسرے ذرائع سے) ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔

میں نے (ان آیتوں کو) اسی طرح پڑھ دیا جس کے بعد وہ فرشتہ میرے پاس سے چلا گیا۔ اس کے بعد میں نیند سے جاگا تو ایسا لگتا تھا گویا میرے دل میں ایک تحریر لکھ دی گئی ہو۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ یہ کلمے میرے دل میں جم گئے اور مجھے زبانی یاد ہو گئے۔ نیز یہ بات واضح رہے کہ ان بعض علماء کا قول کہ جبرئیلؑ آپ کے سنیچر اور اتوار کی راتوں میں آئے اور پیر کی سحر میں آپ کے سامنے آکر ظاہر ہوئے۔ اس قول کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ یہی ریشمی کپڑا لے کر سنیچر کی رات اتوار کی رات اور پیر کی سحر میں صبح کے وقت آئے جبکہ آپ سو رہے تھے جاگنے کی حالت میں نہ تھے اس کی وجہ وہ لفظ ہیں کہ پھر میں نیند سے بیدار ہو گیا۔

(یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ ایک قول گزرا ہے کہ پیر کی سحر میں فرشتہ آپ کے سامنے ظاہر ہو گیا (جبکہ یہاں روایت میں گزرا ہے کہ خواب میں جبرئیلؑ نظر آئے تھے) مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہر ہونے کا مطلب ہے کہ انہوں نے پیر کی سحر میں اس چیز کا اعلان کر دیا جو آپ کی نبوت و پیغمبری کا سبب ہے اور وہ لفظ اقراء ہے جو بیداری اور جاگنے کی حالت میں آپ سے کہا گیا۔ تو اب گویا جبرئیلؑ کا بار بار آنا ہی ان کلموں کے آنحضرت ﷺ کے دل میں جم جانے کا سبب بنا۔ اسی طرح اب (ان بعض علماء کے قول کی روشنی میں) دوسری رات میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا بھی درست ہو جاتا ہے کہ میں نے کچھ نہیں پڑھا ہے۔ کیونکہ اب اس کی مراد

یہ ہو گی کہ میرے پاس آپ کے آنے سے پہلے مجھے کبھی پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اسی طرح آپ کا یہ فرمانا بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔ کہ میں نہیں جانتا کہ کیا پڑھوں۔ کیونکہ اس سے قبل یہ کلمے آپ کے دل میں نہیں جمے تھے اس لئے کہ دل میں جمنے کا سبب فرشتے کا بار بار آنا بنا ہے۔ لہذا پہلی رات میں یہ کلمے آپ کے دل میں نہیں جمے تھے۔

فرشتے کی آمد کے متعلق دوسری روایت...... مگر سیرت شمس شامی میں یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ اس ریشمی کپڑے کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک سے زائد بار نہیں آئے اور جب آئے تھے تو آپ ﷺ کے غار حراء میں داخل ہونے سے پہلے آئے تھے جب کہ اس (گذشتہ روایت) سے معلوم ہوتا ہے کہ غار مین داخل ہونے کے بعد آئے تھے۔

اس بارے میں کتاب سفر السعادت میں جو کچھ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیلؑ غار حراء میں اس ریشمی کپڑے کے ساتھ آئے تھے اور اس وقت آپ سو نہیں رہے تھے بلکہ بیداری کی حالت میں تھے اس کو درست قرار دیتے ہوئے اس میں ہے کہ ایک روز جبکہ آپ حراء پہاڑ پر کھڑے ہوئے تھے اچانک ایک شخص آپ ﷺ کے سامنے ظاہر ہوا اور اس نے کہا

"اے محمد! آپ کو خوش خبری ہو۔ میں جبرئیل ہوں اور آپ اس امت کے نبی ہیں۔"

اس کے بعد اس شخص یعنی جبرئیلؑ نے ایک ریشمی رومال نکالا جس پر جواہرات ٹکے ہوئے تھے انہوں نے اس رومال کو آپ کے ہاتھ میں رکھ کر کہا۔

"پڑھئے"

آپ نے فرمایا

"خدا کی قسم میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں نہ میں لکھی ہوئی تحریر کو جانتا ہوں۔"

یعنی نہ میں پڑھا لکھا ہوں اور نہ اس تحریر کو جانتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر اتنے زور سے بھینچا کہ مجھے سخت تھکن ہو گئی۔ انہوں نے تین بار ایسا ہی کیا اور ہر مرتبہ مجھے پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ غرض اس کے بعد انہوں نے کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ

ترجمہ :۔ (اے پیغمبر ﷺ) آپ (پر جو قرآن نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے۔

یہاں تک کتاب سفر السعادۃ کا حوالہ ہے۔ واللہ اعلم۔

وحی لانے سے پہلے جبرئیل کی آمد...... (اس کے بعد اس روایت کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہیں جس میں تھا کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ غار حراء میں گوشہ نشین ہونے کے لئے تشریف لے گئے یہاں تک کہ وہ رات آگئی جس میں اللہ تعالیٰ آپ کو یہ عظیم نعمت عطا فرمانے والا تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ) میں غار سے نکل کر ایک طرف چلا یہ بات حضرت جبرئیل کے آنے سے پہلے کی ہے جبکہ وہ اقراء کی تعلیم لے کر آئے تھے اگرچہ یہ بات گذشتہ روایت کے خلاف ہے (کیونکہ گذشتہ روایت میں یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ غار کے اندر ہی تشریف لائے تھے) غرض آپ فرماتے ہیں کہ جب میں پہاڑ کے ایک جانب میں پہنچا تو میں نے اچانک آسمان سے آنے والی ایک آواز سنی جو یہ کہہ رہی تھی۔

"اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں!"

میں وہیں ٹھہر کر آواز کی طرف دیکھنے لگا۔ اچانک میں نے جبرئیلؑ کو ایک آدمی کی شکل میں دیکھا جو کھڑے ہوئے تھے۔ (ی) ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ جو آسمان کے قریب اپنے ایک پیر پر دوسرا پیر رکھے کھڑے ہوئے تھے اور یہ کہہ رہے تھے۔ اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں

حضرت خدیجہؓ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی تلاش...... میں وہیں رک کر آواز کی طرف دیکھنے لگا نہ میں اپنی جگہ سے آگے بڑھتا تھا اور نہ پیچھے ہٹتا تھا۔ میں ان پر سے نظریں ہٹا کر آسمان کے کناروں کی طرف دیکھتا مگر جس طرف بھی میری نظر جاتی مجھے وہ سامنے نظر آتے۔ میں اسی حالت میں دیر تک کھڑا رہا کہ نہ اپنی جگہ سے آگے بڑھتا تھا اور نہ پیچھے ہٹتا تھا۔

ادھر حضرت خدیجہؓ نے (جو غار میں آپ کا انتظار کر رہی تھیں) میری تلاش میں آدمی روانہ کئے جو (مجھے ڈھونڈتے ہوئے) مکے گئے اور پھر وہاں سے واپس حضرت خدیجہؓ کے پاس آگئے جب کہ میں اسی طرح اپنی جگہ پر کھڑا ہوا تھا۔ آخر جبرئیلؑ میرے سامنے سے چلے گئے اور میں وہاں سے واپس اپنی بیوی کے پاس آنے کے لئے چلا۔ یہاں تک کہ میں غار میں خدیجہؓ کے پاس پہنچ گیا۔ میں ان کی ران سے سہارا لے کر ان کے پاس بیٹھ گیا تو انہوں نے کہا۔

"اے ابوالقاسم (!جو آنحضرت ﷺ کی کنیت تھی) آپ کہاں تھے۔ میں نے تو خدا کی قسم آپ کی تلاش میں اپنے آدمی روانہ کر دیئے تھے جو مکے تک آپ کو ڈھونڈھ کر میرے پاس واپس آئے۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت خدیجہؓ غار حراء میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں۔ یہ بات اس قول کے مطابق ہے جو پیچھے ذکر ہوا کہ (جب رسول اللہ ﷺ غار حراء میں تشریف لے گئے تو آپ کی بیوی آپ کے ساتھ گئیں۔ مگر یہ بات ایک دوسری روایت کے خلاف ہے جس میں ہے کہ

(جب آنحضرت ﷺ غار حراء میں گئے ہوئے تھے) حضرت خدیجہؓ نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا اور پھر اس کو آپ کے پاس بھجوایا مگر آپ غار میں نہیں ملے۔ پھر انہوں نے آپ کی تلاش میں آپ کے چچاؤں اور ماموں کے گھر آدمی بھیجے مگر آپ وہاں بھی نہیں ملے جس سے حضرت خدیجہؓ کو سخت تشویش ہو گئی۔ ابھی وہ اسی پریشانی میں تھیں کہ اچانک آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے اور آپ نے ان کو وہ سب واقعہ بتلایا کہ آپ نے کیا کیا دیکھا اور کیا کیا سنا۔"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت خدیجہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ غار میں موجود نہیں تھیں۔ ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کے لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے حضرت خدیجہ ابتداء میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی غار حراء میں گئی ہوں (پھر آپ غار سے نکل کر تنہا ہی پہاڑ کے ایک طرف تشریف لے گئے اور جب دیر تک آپ نہیں لوٹے) تب حضرت خدیجہؓ نے غار حراء میں سے آپ کی تلاش میں آدمی بھیجے ہوں مگر آپ نہ مل سکے اور یہ کہ ان کے آدمی آپ کی تلاش میں پہاڑ کے اس حصے میں نہ گئے ہوں جہاں آپ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر اس کے بعد حضرت خدیجہؓ وہاں سے واپس مکے لوٹ آئی ہوں اور اب انہوں نے آپ کی تلاش میں غار حراء میں آدمی بھیجے ہوں کہ ممکن ہے آپ وہاں واپس پہنچ چکے ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کے چچاؤں اور ماموں کے گھر آدمی بھیجے ہوں۔ تو اس طرح گویا حضرت خدیجہؓ نے دو

مختلف جگہوں (یعنی غار حراء اور اپنے گھر) سے دو مرتبہ آپ کی تلاش میں آدمی بھیجے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ قول جو پیچھے گزرا ہے کہ پھر میں واپس اپنی بیوی کے پاس آگیا۔ اب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اپنی بیوی کے پاس واپس مکے آئے غار حراء میں نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے آپ کو پتہ ہو گیا ہو کہ حضرت خدیجہؓ غار حراء سے واپس مکے چلی گئی ہیں۔ یہ سب مطلب اسی صورت میں ہوگا جبکہ پیچھے گزرنے والی دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کی جائے۔ ورنہ پہلی روایت کی روشنی میں آپ کے واپس اپنی بیوی کے پاس آنے کا مطلب یہی ہوگا کہ آپ غار حرا میں واپس ان کے پاس آئے جیسا کہ بیان کیا گیا۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ پہاڑ کے ایک سمت میں جو تشریف لے گئے وہ غار حراء سے روانہ ہو کر گئے مکے سے نہیں جیسا کہ علامہ شمس شامی کے قول سے یہی معلوم ہوتا ہے (کہ آپ مکے سے روانہ ہو کر پہاڑ کی ایک جانب میں تشریف لے گئے۔ وہ قول یہ ہے)۔

ایک مرتبہ پھر غار حرا کی طرف تشریف لے گئے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ۔ "میں روانہ ہوا یہاں تک کہ پہاڑ کی ایک جانب میں پہنچ گیا جہاں میں نے اچانک ایک آواز سنی۔" الخ

غرض یہ بات قابل غور ہے۔ واللہ اعلم

حضرت خدیجہؓ سے واقعہ کا بیان...... اس کے بعد حدیث کا بقیہ حصہ ہے جو یہاں بیان ہو رہی ہے۔ آپ جب واپس حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے تو) آپ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ دیکھا تھا یعنی جو کچھ آواز سنی تھی اور حضرت جبرئیل کو دیکھا تھا ان کا سارا واقعہ خدیجہ کو بتلایا اور حضرت جبرئیل کا یہ جملہ بھی بتلایا کہ۔ اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں

حضرت خدیجہؓ کی طرف سے تسلی و دلاسہ...... یہ سن کر حضرت خدیجہؓ نے کہا

اے میرے چچا کے بیٹے! آپ کو خوش خبری ہو اور آپ یقین کیجئے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے مجھے امید ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔"

حضرت خدیجہؓ ورقہ ابن نوفل کے پاس...... اس کے بعد اٹھ کر انہوں نے اپنا لباس تبدیل کیا (ی) یعنی وہ کپڑے پہنے جو کہیں آنے جانے کے وقت وہ آرائش کے طور پر پہنا کرتی تھیں۔ پھر وہ ورقہ ابن نوفل کے پاس گئیں اور ان کو وہ سارا واقعہ بتلایا جو آنحضرت ﷺ نے ان کو سنایا تھا کہ آپ نے جبرئیلؑ کو دیکھا اور ان کی آواز سنی کہ آپ خدا کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں۔ ورقہ یہ سارا واقعہ سن کر ایک دم پکار اٹھے۔

ورقہ کی طرف سے حیرت و خوشخبری...... "قدوس۔ قدوس۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ خدیجہ اگر تم سچ کہہ رہی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان کے پاس وہی ناموس اکبر۔ یعنی جبرئیلؑ۔ آئے ہیں جو موسیٰؑ کے پاس آیا کرتے تھے اور وہ یعنی محمد ﷺ اس امت کے نبی ہیں پس ان سے کہہ دو کہ وہ اس بات پر یقین رکھیں۔"

قدوس کے معنی ہیں وہ ذات جو ہر عیب سے پاک ہو۔ یہ لفظ تعجب کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے مگر ایک روایت میں قدوس کے بجائے۔ سبوح۔ سبوح کا لفظ آتا ہے (اس کے بعد ورقہ کا بقیہ جملہ ہے کہ)۔ "یہ کیا بات ہے کہ اس بت پرست دنیا میں جبرئیل کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ وہ جبرئیل جو اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان امین یعنی امانتدار قاصد ہوا کرتے ہیں۔"

(ی)ورقہ کو جبرئیل کا نام سن کر اس لئے تعجب ہوا کہ مکے اور عرب کے دوسرے شہروں میں لوگوں نے یہ نام سنا بھی نہیں تھا۔ غرض اسکے بعد حضرت خدیجہ وہاں سے رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آگئیں اور جو کچھ ورقہ نے بتلایا تھا وہ آنحضرت کو سنایا۔

<u>ورقہ کی آنحضرت ﷺ سے براہ راست گفتگو</u>.....(اس سے پہلے یہ روایت چل رہی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب میں خدیجہ کے ساتھ غار حراء میں پہنچا تو میں تنہا ہی غار سے نکل کر پہاڑ کی ایک جانب چلا اور اچانک مجھے جبرئیل ؑ نظر آئے جنہوں نے کہا کہ اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں یہ آواز سن کر میں وہیں ٹھہر گیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اسی وقت حضرت خدیجہ غار حراء میں سے میری تلاش میں آدمی روانہ کر چکی تھیں۔ تو اس روایت کے مطابق اس وقت جبرئیل ؑ اقراء باسم ربك کے ساتھ نازل نہیں ہوئے تھے مگر یہ واقعہ اسی گوشہ نشینی کے دوران پیش آیا جس میں بعد میں آپ پر وحی نازل ہوئی جیسا کہ بیان بھی ہو چکا ہے تو اسی گوشہ نشینی میں جو ایک مہینے تک رہا کرتی تھی جب آپ کا کھانا ختم ہو گیا اور آپ مزید کھانا ساتھ لے جانے کے لئے درمیان میں مکے آئے تو ہمیشہ کی طرح آپ سیدھے بیت اللہ شریف میں تشریف لے گئے جہاں آپ نے طواف کیا۔ اسی طواف کے دوران ورقہ ابن نوفل سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ وہ بھی اس وقت طواف کر رہے تھے (ورقہ یہ واقعہ سن چکے تھے جس میں سب سے پہلے آپ کے پاس جبرئیل ؑ بغیر اقراء کے آئے تھے) اس لئے انہوں نے آپ کو دیکھ کر پوچھا۔

"اے بھتیجے! تم نے کچھ دیکھا اور جو آواز سنی اس کے متعلق مجھے بھی بتلاؤ۔"

<u>ورقہ کی طرف سے نبوت کی تصدیق و پیشین گوئی</u>.....اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو وہ واقعہ سنایا ورقہ نے یہ سن کر کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے بے شک آپ اس امت کے نبی ہیں۔ آپ کے پاس وہی ناموس اکبر یعنی جبرئیل ؑ آئے ہیں جو اس سے پہلے موسیٰ ؑ کے پاس آیا کرتے تھے۔ یاد رکھئے آپ کو جھٹلایا جائے گا، تکلیفیں پہنچائی جائیں گی، آپ کے ساتھ جنگیں کی جائیں گی اور آپ کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو اللہ کی حمایت کروں گا۔"

اس کے بعد ورقہ نے آنحضرت ﷺ کے سر کے پاس اپنا منہ جھکایا اور نافوخ یعنی آپ کے سر کے درمیان میں بوسہ دیا۔ نافوخ ہی کی طرح یافوخ بھی سر کے درمیانی حصے کو کہا جاتا ہے۔ غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے گھر لوٹ آئے۔ اب جہاں تک ورقہ ابن نوفل کے الفاظ کا تعلق ہے جو انہوں نے حضرت خدیجہؓ سے واقعہ سننے کے بعد کہے اس بارے میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے انہوں نے دو مرتبہ کی گفتگو میں ایک دفعہ قدوس قدوس کہا ہو اور ایک دفعہ سبوح سبوح کہا ہو۔ یا ایک دفعہ کی گفتگو میں دونوں لفظ استعمال کئے ہوں مگر بعض راویوں نے دونوں میں سے صرف ایک لفظ ذکر کیا ہے۔

<u>آنحضرت ﷺ کے ساتھ ابو بکر صدیقؓ کی ورقہ سے ملاقات</u>.....ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت خدیجہؓ کے پاس گئے اس وقت وہاں آنحضرت ﷺ موجود نہیں تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان کو وہ سارا واقعہ سنایا جو آنحضرت ﷺ نے ان کو سنایا تھا جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آئے گی اس کے بعد حضرت خدیجہؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا

"اے عتیق! محمد ﷺ کو لے کر ورقہ ابن نوفل کے پاس جائیے (یعنی یہ واقعہ ورقہ کو سنا کر ان سے

پوچھئے)۔"

چنانچہ تھوڑی دیر بعد جب آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لائے تو ابو بکرؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"آیئے ہمارے ساتھ ورقہ کے پاس چلئے۔"

جب یہ دونوں ورقہ کے پاس پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے ورقہ سے فرمایا

"جب میں وہاں گوشہ نشین ہوا تو میں نے اپنے پیچھے یہ آواز سنی۔ اے محمد اے! میں اس آواز کو سن کر پریشان ہو کر ادھر ادھر گیا۔"

ورقہ نے یہ سن کر کہا

"جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ایسا نہ کیجئے بلکہ اپنی جگہ ٹھہر کر بیٹھئے کہ وہ فرشتہ کیا کہتا ہے اور پھر مجھے آکر بتلایئے۔"

(ی) یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ جبرئیلؑ کو آپ نے دیکھا نہیں تھا (بلکہ صرف آواز سنی تھی) نہ ان سے باتیں ہوئی تھیں اور نہ اس وقت تک وحی لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ورقہ ابن نوفل سے تین مرتبہ بات ہوئی سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ذریعہ سے ہوئی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب تک کہ آپ ﷺ نے جبرئیلؑ کو دیکھا نہیں تھا (بلکہ جب آپ حرا پہاڑ پر تھے تو اچانک آپ کو یا محمد یا محمد کی آواز آئی تھی۔ دوسری بار اس وقت جب آپ نے جبرئیل کی یہ آواز سنی کہ۔ اے محمد آپ خدا کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں۔ مگر اس وقت تک جبرئیلؑ آپ کے پاس نہیں آئے تھے۔ یہ وہ موقعہ ہے جبکہ ورقہ ابن نوفل سے حرم میں آپ کی ملاقات ہوئی تھی۔ اور تیسری بار حضرت جبرئیلؑ کے آنے کے بعد ورقہ ابن نوفل سے بات ہوئی جبکہ جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ کے پاس جاگنے کی حالت میں قرآن پاک لے کر آئے تھے (ی) یعنی اقراء باسم ربك کی آیت کے ساتھ آئے تھے جیسا کہ مشہور قول یہی ہے کہ یہ سب سے پہلے نازل ہونے والی وحی ہے۔ غرض تیسری بار ورقہ سے جو بات ہوئی یہ حضرت خدیجہؓ کی (اس طرح یہ ظاہر ہوا کہ یہ تین واقعے ہیں جو تین مختلف موقعوں کے ہیں)۔

لیکن علامہ حافظ ابن حجرؒ نے اس بارے میں یہ لکھا ہے کہ یہ واقعہ ایک ہی ہے کئی بار کا نہیں ہے اور اس واقعہ کی اصل ایک ہے۔ اس قول کی تفصیل آگے آئے گی۔ علامہ کے اس قول سے کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ان کی مراد یہاں حضرت جبرئیلؑ کے آنے اور اقراء باسم ربك کی وحی لانے سے ہے۔ مگر اس جواب میں بھی شبہ ہے جس کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔

(جب حرم میں ورقہ کی آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی تو) ورقہ نے آنحضرت ﷺ کو بھتیجا کہا تھا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ورقہ کا نسب آنحضرت ﷺ کے والد سے قصی ابن کلاب پر جا کر مل جاتا ہے اور اس طرح حضرت عبداللہ، ورقہ ابن نوفل کے لئے بھائی کے درجہ میں تھے۔ ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ شاید ورقہ نے صرف آنحضرت ﷺ کے احترام میں آپ کو بھتیجا کہا تھا۔

ناموس اکبر ...... اسی طرح ورقہ نے کہا تھا کہ جبرئیلؑ وہی ناموس اکبر ہیں جو اس سے پہلے موسیٰؑ کے پاس آئے تھے) یہاں انہوں نے صرف موسیٰؑ کا ذکر کیا عیسیٰؑ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ عیسیٰؑ کا زمانہ ان سے زیادہ قریب تھا اور وہ خود عیسائی ہی تھے یعنی پہلے یہودی تھے اس کے بعد انہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ تو

صرف موسیٰؑ کا ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ موسیٰؑ کی نبوت ایسی ہے جس پر پچھلی نبوتیں جمع ہوتی ہیں کیونکہ ان کی نبوت کے بعد پچھلے نبیوں کی نبوتیں ختم ہو گئی تھیں۔ جبکہ عیسیٰؑ کی نبوت ایسی تھی کہ اس پر پچھلی نبوتیں پوری ہوتی تھیں اور ان کی نبوت نے موسیٰؑ کی نبوت کو برقرار رکھا تھا اسے ختم نہ کیا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ورقہ عیسائی تھے جیسا کہ ذکر ہوا اور عیسائی یہ نہیں کہتے کہ عیسیٰؑ کے پاس جبرئیلؑ آیا کرتے تھے بلکہ ان کے نزدیک عیسیٰؑ غیب کا علم رکھتے تھے اس لئے عیسائیوں کا دعوی ہے کہ عیسیٰؑ ان تین اصلوں یعنی بنیادوں میں سے ایک میں باری تعالیٰ کی ذات و صفات کے عالم ہیں (جن کو تین لاہوتی اصلیں کہا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ، روح القدس یعنی جبرئیلؑ اور عیسیٰؑ ہیں جن کو وہ خدا کا بیٹا مانتے ہیں) ان کے دعوی کے مطابق یہ تین اصلیں کلمے کی اصلیں ہیں اور کلمہ ہی علم ہے (لہذا یہ تین اصلیں ہی علم کی اصل اور بنیاد ہیں) اور یہ کلمہ یعنی علم مسیحؑ کی طبیعت اور فطرت میں شامل ہو کر ان کی ذات میں مل گیا اسی لئے وہ غیب کا علم رکھتے تھے اور کل کی خبریں جانتے تھے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں (: یہ سب اس بات کا بیان کیا گیا ہے کہ ورقہ ابن نوفل نے جبرئیلؑ کے متعلق یہ کہا کہ یہ وہی ناموس اکبر ہیں جو موسیٰؑ کے پاس آتے تھے اور اس طرح عیسائی ہونے کے باوجود انہوں نے عیسیٰؑ کا نام نہیں لیا) مگر اس جواب پر ایک شبہ ہوتا ہے کہ ایک روایت کے مطابق ورقہ نے آنحضرت ﷺ سے یہ کہا تھا۔

"آپ موسیٰ و عیسیٰؑ کے ناموس اور مقام پر ہیں۔"

تو اب گویا بعض روایتوں کے مطابق انہوں نے موسیٰ و عیسیٰؑ دونوں کا ذکر کیا اور بعض کے مطابق صرف موسیٰؑ کا نام لیا۔ اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جن بعض روایتوں میں صرف ایک کا نام ہی لیا گیا ہے ان میں موسیٰؑ ہی کا نام کیوں لیا گیا عیسیٰؑ کا کیوں نہیں لیا گیا۔ اس کی وجہ پچھلے جواب میں بیان ہو چکی ہے۔ مگر پھر میں نے ایک حدیث دیکھی جو صحاح میں کی نہیں ہے۔ اس میں صرف عیسیٰؑ کا ہی نام لیا گیا ہے چنانچہ اس روایت کے مطابق ورقہ نے آنحضرت سے یہ کہا تھا۔

"یہ وہی ناموس ہے جو عیسیٰؑ پر بھی نازل ہوا تھا۔"

تو اب گویا تینوں قسم کی روایتیں ہو گئیں۔ بعض وہ جن میں دونوں کا ذکر کیا گیا ہے، بعض وہ جن میں صرف موسیٰؑ کا ذکر ہے اور بعض وہ جن میں صرف عیسیٰؑ کا ذکر ہے۔ اب جہاں تک اس روایت کے مطابق عیسیٰؑ کے پاس جبرئیل کے آنے کا تعلق ہے تو اس سے اس جواب میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق تو جبرئیلؑ عیسیٰؑ پر نازل ہی نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ ممکن ہے مراد یہ ہو کہ عیسیٰؑ کے پاس جبرئیلؑ ہمیشہ وحی لے کر نہیں آتے تھے بلکہ کبھی کبھی آیا کرتے تھے اور دوسرے اوقات میں عیسیٰؑ غیب کی باتیں بغیر وحی کے بلاواسطہ جان لیا کرتے تھے۔

پھر میں نے کتاب فتح الباری میں دیکھا کہ جب حضرت خدیجہؓ نے ورقہ ابن نوفل کو جا کر یہ واقعہ سنایا تھا تو انہوں نے جواب میں کہا تھا کہ یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ کے پاس بھی آیا تھا۔ یہاں یہ بات انہوں نے اس مشابہت کی وجہ سے کہی تھی جو آنحضرت ﷺ اور موسیٰؑ کے درمیان تھی کیونکہ موسیٰؑ کو فرعون کی سرکوبی اور اس کو سزا دینے کے لئے بھیجا گیا تھا اور ادھر اسی قسم کا واقعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس امت کے فرعون یعنی ابوجہل کے بارے میں پیش آیا۔ یہاں تک فتح الباری کا حوالہ ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ بدر کے دن ابو جہل کے بارے میں فرمایا تھا۔

"یہ اس امت کا فرعون ہے۔" واللہ اعلم

نبوت بیداری کی حالت میں ملی...... حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ۔ آنحضرت ﷺ کے پاس فرشتہ (یعنی جبرئیلؑ سحر یعنی سویرے کے وقت آیا تھا (ی) یعنی پیر کے سحر میں آنحضرت ﷺ کے جاگنے کی حالت میں آیا تھا سونے کی حالت میں نہیں (ی) یعنی بغیر کسی ریشمی کپڑے کے آیا تھا۔ اس فرشتہ نے آپ سے کہا۔ اقراء یعنی پڑھئے۔ آپ نے فرمایا

"میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ (ی) یعنی میں پڑھنا نہیں جانتا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد اس فرشتے مجھے بہت زور سے اپنے ساتھ بھینچا۔ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ مجھے گردن سے بھینچا یہاں تک کہ مجھی سخت تھکن ہو گئی۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا اقراء یعنی پڑھئے۔ میں نے پھر کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں یعنی میں پڑھنا نہیں جانتا یعنی مجھے کوئی ایسی چیز یاد نہیں جسے میں پڑھ سکوں۔ اس فرشتے نے پھر مجھے پکڑ کر اتنے زور سے بھینچا کہ میں تھک گیا۔ پھر اس نے چھوڑ کر کہا اقراء یعنی پڑھئے۔ میں نے پھر کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں یعنی کیا چیز ہے جو میں پڑھوں۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہوا تھا تو آپ یہ کہتے کہ میں پڑھنا نہیں ہوں یا میں کیا پڑھوں۔ اس کا جواب یہی دیا جاسکتا ہے کہ آپ نے ایک عام بات کہی جس سے مراد وہی تھی جو ایسے موقعہ پر ہونی چاہئے اور وہ یہی سوال ہوتا ہے۔ غرض آپ فرماتے ہیں کہ اس فرشتے نے اب تیسری بار پھر مجھے اتنے ہی زور سے بھینچا کہ مجھے تکان ہو گیا۔ پھر مجھے چھوڑ کر کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔

ترجمہ :۔ اے پیغمبر! آپ پر جو قرآن نازل ہوا کرے گا اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے (یعنی جب پڑھئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجئے) جس نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے) اور ایسا ہے جس نے (لکھے پڑھو کو) قلم سے تعلیم دی (اور عموماً) "انسان کو (دوسرے ذرائع سے) ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس روایت میں ہم نے یہ وضاحت کی ہے کہ جبرئیلؑ وحی لے کر آئے لیکن کوئی تحریر ساتھ لے کر نہیں آئے تھے۔ یہ وضاحت روایتوں کے ظاہر کی وجہ سے کی گئی ہے (کیونکہ اس روایت میں ریشمی تحریر کا کوئی ذکر نہیں ہے) لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ (اصل میں روایت میں یہ لفظ موجود ہو لیکن اس روایت میں ذکر ہونے سے رہ گیا ہو جیسا کہ دوسری بعض روایتوں میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے (دوسری روایتوں میں بھی) اس کا ذکر نہ ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ لفظ سیرت ابن ہشام میں آیا ہے کہ جبرئیلؑ ایک جزدان لے کر آئے تھے۔ پھر یہ کہ یہاں تین قول ہو گئے ہیں ایک یہ جو یہاں بیان ہوا (کہ انہوں نے کہا پڑھو تو میں نے کہا میں پڑھنا نہیں جانتا یا کیا پڑھوں) ایک اس سے پہلی روایت میں بیان ہوا ہے کہ جبرئیلؑ جو کچھ لے کر آئے وہ گویا انہوں نے میرے قلب پر لکھ دیا تھا (جس کے بعد آپ کے اس جواب کا مقصد سمجھنا مشکل ہوگا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا کیونکہ جب قلب پر لکھ دیا گیا تھا تو آپ فوراً" پڑھ دیتے کیونکہ یہ بات تھوڑی ہی دیر

پہلے پیش آئی تھی لہذا ان میں موافقت پیدا نہیں ہو سکے گی۔ ہاں اس کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے جبرئیلؑ اس کے علاوہ کچھ اور پڑھوانا چاہتے ہیں جو اس کے علاوہ ہے جو انہوں نے زبان سے کہا اور جو آپ کے قلب پر لکھ دیا تھا۔

ادھر یہ بات ظاہر ہے کہ آپ یہی سمجھے کہ جبرئیلؑ کا یہ کہنا کہ پڑھئے) آپ کو پڑھنے کا حکم تھا۔ اس میں البتہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ (اگر یہ پڑھنے کا حکم تھا تو ایک ایسی بات کا حکم آپ کو کیوں دیا جو کم از کم اس وقت آپکی طاقت سے باہر تھا (کیونکہ آپ اُمّی یعنی ان پڑھ تھے) چنانچہ اسی اشکال کی بنا پر بعض علماء نے لکھا ہے کہ پڑھنے کا یہ حکم محض آپ کو متوجہ کرنے اور چونکانے کے لئے تھا تاکہ آپ اس کے لئے تیار ہو جائیں جو علم آپ کو دیا جانے والا ہے۔

پھر اس میں بھی یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اگر بات یہی تھی تو آپ کا جواب ٹھیک نہیں رہتا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں جس کے معنی ہیں کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا (کیوں کہ اگر یہ بات صرف آپ کو متوجہ کرنے کے لئے کہی گئی تھی تو یہ پڑھنے کا حکم نہیں ہوا) اس بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ جبرئیلؑ نے تو یہ بات صرف آپ کو متوجہ کرنے کے لئے ہی کہی تھی لیکن آنحضرت ﷺ نے جو جواب دیا وہ جبرئیلؑ کے ظاہری الفاظ کے مطابق تھا کیونکہ آنحضرت ﷺ یہی سمجھے کہ وہ بغیر بتلائے ہوئے کچھ پڑھوانا چاہتے ہیں (لہذا اب یہ اشکال نہیں رہتا کہ آپ ﷺ کو کسی ایسی بات کا حکم کیسے دیا گیا جو آپ کی طاقت سے باہر تھا۔ کیونکہ یہ بات صرف آپ کو چونکانے اور تیار کرنے کے لئے کہی تھی۔ جہاں تک اس حکم کی تعمیل کا تعلق ہے تو اس کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے آپ میں استعداد اور صلاحیت پیدا فرمائی کہ جو کچھ پڑھوانا تھا اس کو آپ کے قلب پر لکھ دیا)۔

<u>آنحضرت ﷺ کے تین جواب اور ان کا مطلب</u>...... جہاں تک آنحضرت ﷺ کے جواب کا تعلق ہے (جو آپ نے جبرئیلؑ کو دیا) اس کے بارے میں یہ بات صاف ہے کہ تین مرتبہ آپ نے ایک جملہ کہا مگر تینوں دفعہ میں اس کے معنی الگ ہیں پہلی بار جو آپ نے فرمایا اس سے جبرئیلؑ کو یہ بتلانا تھا کہ میں پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ دوسری بار کے جواب میں آپ کی مراد یہ تھی کہ (چونکہ میں ان پڑھ ہوں اس لئے) میں کوئی چیز اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا۔ اگرچہ یہ دوسری بار کا جواب تھی پہلے جواب ہیں کہ لحاظ سے ہے۔ پھر تیسری بار کے جواب میں آپ کا مقصد یہ پوچھنا ہے کہ میں کیا چیز پڑھوں اس میں جو اشکال ہوتا ہے وہ بیان ہو چکا ہے۔ بعض علماء نے آپ کے پہلے جواب کے معنی ہی یہ بتلائے ہیں کہ میں کوئی چیز ٹھیک سے نہیں پڑھ سکتا۔ اس کی دلیل میں وہ ایک روایت کے یہ الفاظ پیش کرتے ہیں کہ (آپ نے فرمایا) میں ٹھیک طرح نہیں پڑھ سکتا۔ تو اب گویا یہ پہلا جواب بھی دوسرے جواب کے معنی میں ہی کہلائے گا اور گویا دوسرا جواب پہلے جواب کی تاکید کے لئے تھا مقصد دونوں کا ایک ہی تھا۔

<u>سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات کی تفسیر اور حکمت</u>...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ (سب سے پہلے جو آیتیں نازل ہوئی ان میں دو باتوں کا ذکر کیا گیا ہے ایک گوشت کے لوتھڑے سے آدمی کی تخلیق و پیدائش اور دوسرے تعلیم اور علم دینا) ان دونوں باتوں کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ آدمی کا سب سے نچلا مقام یہ ہے کہ وہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے اور سب سے اونچا اور اعلیٰ مقام یہ ہے کہ وہ عالم اور دانا انسان ہو چنانچہ حق تعالیٰ نے انسان کو اس کے نچلے اور پست ترین مقام یعنی گوشت کے ایک لوتھڑے سے اٹھا کر اس کے بلند ترین

مقام یعنی علم سکھانے کے مقام تک پہنچایا ہے۔

(یہ آیتیں قرآن پاک کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات ہیں) ان میں براعت استہلال کی صنعت موجود ہے براعت استہلال ادب کی ایک اصطلاح ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی مضمون کا عنوان ایسا جامع اور مکمل رکھا جائے کہ صرف اس عنوان سے پوری کتاب کے مضامین کا اندازہ ہو سکے اور یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں کس موضوع پر کلام کیا گیا ہے۔ ان آیتوں میں یہ صنعت اس لئے موجود ہے کہ اس میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنے کی ہدایت کی گئی ہے یہ بات کتاب اتقان میں ذکر ہے جس میں آگے چل کر لکھا ہے کہ اسی وجہ سے یہ آیات حقیقت میں اسی کی مستحق تھیں کہ ان کو کتاب کا عنوان بنایا جائے کیونکہ کتاب کا عنوان اس کے شروع میں ایسی ہی جامع اور مکمل عبارت میں ہونا چاہئے کہ اسے پوری کتاب کے مقصد کا اندازہ ہو سکے (چنانچہ قرآن پاک کی تعلیم یہی ہے کہ انسان کو اس کی حقیقت اور اصلیت بتلائے کہ وہ کتنے پست اور نیچے درجہ سے بنا ہے لیکن پھر اس کے بنانے والے پروردگار نے ہی اس کو اٹھا کر بلند درجہ پر پہنچا دیا۔ اسی طرح قرآن پاک میں عبرت اور سبق کے لئے پچھلی قوموں کے واقعات کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ وہ اپنے معبود اور اپنے پیدا کرنے والے کی طرف متوجہ ہوں اور اپنا انجام بہتر بنائیں۔ ان سب باتوں کا اشارہ ان آیات سے ملتا ہے)۔

جبرئیلؑ کے آنحضرت ﷺ کو تین بار بھینچنے کی حکمت...... جہاں تک آنحضرت ﷺ کو جبرئیلؑ کے تین بار دبانے کا تعلق ہے تو اس سے بعض تابعین جیسے قاضی شریح نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ قرآن پاک کی تعلیم کے سلسلے میں بچے کو استاد تین ہاتھ سے زیادہ نہ مارے۔ اسی سلسلے میں حافظ سیوطی نے کمزور سند کے ساتھ ایک حدیث ابن عدی سے نقل کی ہے یہ حدیث ابن عمرؓ نے بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے استادوں کو اس سے روکا ہے کہ وہ بچے کو تین بار (یعنی تین ہاتھ سے) زیادہ نہ ماریں۔" تین بار دبانے کے سلسلے میں ہی علامہ سیوطی نے ایک یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو تین بار بہت سخت حالات سے دوچار ہونا پڑے گا جس کے بعد آپ کے لئے سہولتیں پیدا ہو جائیں گی۔ چنانچہ پہلی سختی یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کو شعب ابوطالب (جو ایک گھاٹی کا نام تھا) میں پابند کر کے آپ ﷺ کا (اور آپ کے صحابہ کا) بائیکاٹ کیا گیا۔ دوسری سختی یہ تھی کہ تمام قریش نے یک زبان ہو کر آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور تیسری سختی یہ تھی کہ آپ کو آپ کے محبوب ترین شہر یعنی مکے سے ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

کیا اقراء بسم اللہ کے ساتھ نازل ہوئی...... آنحضرت ﷺ کے پاس جبرئیل و میکائیلؑ آئے یعنی اس سے پہلے کہ جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ کو اقراء کی ہدایت کی پھر جبرئیلؑ نے آپ کا پیٹ اور آپ کا قلب چاک کیا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ رضاعت یعنی دودھ پلانے کے باب میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اس کے بعد جبرئیلؑ نے آپ سے عرض کیا۔ اقراء۔ پڑھئے۔ آخر حدیث تک۔ اس سے معلوم ہوا کہ اقراء باسم ربک بغیر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے نازل ہوئی ہے۔ امام بخاری نے بھی اسی کی تصریح کی ہے مگر حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے جبرئیلؑ حضرت محمد ﷺ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا۔ "اے محمد ﷺ! شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگئے کہ حق تعالیٰ سب کچھ سننے والے اور سب کچھ جاننے والے ہیں۔" پھر جبرئیلؑ نے کہا کہئے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"۔ اس کے بعد کہا۔ "اقراء باسم ربک۔"

علامہ ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب[۱] ہے اور اس کی سند میں ضعف[۲] اور انقطاع[۳] ہے۔ لہذا اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ اس بات کو ابن نقیب نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے علامہ سیوطیؒ کے قول کو رد کیا ہے کہ میرے نزدیک بسم اللہ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت نہیں ہے کیونکہ یہ مستقلاً نازل نہیں ہوئی بلکہ اقراء کے نازل ہونے کے وقت اس کی ضرورت سے نازل ہوئی یعنی اصل میں سورہ اقراء نازل ہونے والی تھی اس کی وجہ سے بسم اللہ سے ابتداء کر کے سورت نازل کی گئی ہے لہذا اقراء ہی حقیقت میں سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت ہے یہاں تک ابن نقیب کا کلام ہے واللہ اعلم

آغاز وحی کے واقعات...... علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ وحی کے شروع ہونے کے وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے وہ آپ کی خصوصیات میں سے ہیں کیونکہ آپ سے پہلے کسی نبی کو بھی وحی کے شروع ہونے کے وقت اس قسم کے واقعات پیش نہیں آئے ۔ جب آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے آپ کے مونڈھے کانپنے لگے۔

پہلی وحی کے بعد آپ کی گھبراہٹ اور خدیجہؓ کے پاس آمد...... ایک قول کے مطابق آپ کا دل لرزنے لگا۔ مگر دونوں باتوں کے پیش آنے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ مونڈھوں کی کپکپی بھی دل کے خوف کی وجہ سے ہی ہوتی ہے۔ غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے

زَمِّلُوْنِیْ . زَمِّلُوْنِیْ ۔ مجھے کپڑا اڑھادو۔ مجھے کپڑا اڑھادو۔"

چنانچہ فوراً آپ کو کپڑا اڑھادیا گیا یہاں تک کہ آپ کا خوف اور گھبراہٹ دور ہو گیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کو تمام واقعہ بتلایا اور فرمایا۔

"مجھے اپنی جان کا خوف ہو گیا۔ اور امتاع کی روایت کے مطابق۔ مجھے اپنی عقل کی طرف سے خطرہ ہو گیا ہے۔" حضرت خدیجہؓ نے جواب میں عرض کیا۔

"ہر گز نہیں۔ خوش خبری ہو آپ کو۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو ہر گز رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ رشتہ داروں کی خبر گیری کرتے ہیں، سچی بات کہتے ہیں، دوسروں کے لئے مصیبت اور پریشانیاں اٹھاتے ہیں، بیکس مفلسوں کی امداد کرتے ہیں۔ یہاں مفلس کو معدوم کہا گیا جس کا مطلب ہے کہ جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو کیونکہ جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو وہ ایسا ہی ہے جیسے معدوم یعنی جس کا وجود ہی نہ ہو۔

حضرت خدیجہؓ کا مقصد یہ ہے کہ ایسے مفلس اور قلاش آدمیوں کو آپ کے پاس سے وہ خیر حاصل ہوتی ہے جو آپ کے علاوہ دوسروں سے نہیں ملتی (کہ آپ ان کی بے انتہا خبر گیری اور امداد کرتے ہیں جو ہر در سے ٹھکرائے ہوئے ہوں) معدوم کے متعلق اس تشریح کے بعد اب علامہ خطابی کا یہ قول بے معنی ہو جاتا ہے کہ

---

[۱] حدیث غریب کی تعریف سیرت حلبیہ میں پہلے گزر چکی ہے۔ [۲] حدیث ضعیف کی تعریف بھی پہلے گزر چکی ہے۔ [۳] حدیث منقطع وہ حدیث کہلاتی ہے جس کی سند میں سے ایک یا ایک سے زیادہ راوی مختلف جگہوں سے ساقط ہو گئے ہوں۔ مرتب

اصل میں صحیح لفظ یہاں معدم ہے (یعنی جس کے پاس کچھ نہ ہو) جبکہ معدوم کے معنی یہ ہیں کہ ایسا شخص جس کا وجود ہی نہ ہو تو ظاہر ہے وہ کمائے گا ہی کیا۔ (غرض اس کے بعد حضرت خدیجہؓ کے بقیہ جملے ذکر کرتے ہیں کہ)۔

"آپ مہمانوں کی عزت کرتے ہیں اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں (اور ظاہر ہے کہ جو شخص ایسے نیک کام کرتا ہو اور جس میں اتنی بھلائیاں ہوں اس کو اللہ تعالیٰ ذلیل و رسوا نہیں کر سکتا۔ لہذا آپ خوش ہو جائیے کہ اس معاملے میں آپ کے لئے خیر ہی خیر ہے۔)"۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ آپ کو لے کر چلیں اور ورقہ ابن نوفل کے پاس آئیں۔

انہوں نے ورقہ سے کہا۔ "اے چچا! اپنے بھتیجے کی بات سنو۔"

یہاں حضرت خدیجہؓ نے ورقہ کو چچا کہا ہے لیکن اصل میں وہ ان کے چچازاد بھائی تھے جیسا کہ مسلم شریف کے الفاظ ہیں۔ اس بارے میں علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ چچا کہنا محض راوی کا وہم ہے (ورنہ یہاں بھی چچا کے بیٹے ہی کہا گیا ہوگا) کیونکہ اگر یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ حضرت خدیجہؓ نے ورقہ کے اعزاز کے طور پر ان کو بھائی کے بجائے چچا کہہ دیا ہو تو بھی یہ اشکال رہتا ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے (جس کو کئی سندوں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے) اور ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے (لہذا جو کچھ بھی کہا گیا ہے ایک ہی دفعہ کہا گیا ہے) یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پہلی وحی آنے کے بعد حضرت خدیجہؓ ورقہ کے پاس دو مرتبہ آئیں اور ایک دفعہ ان کو چچا کہا اور دوسری مرتبہ بھتیجا کہا۔

<u>ورقہ کی آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی تفصیل</u> ..... غرض ورقہ نے یہ سن کر آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔ "اے بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا۔"

اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو وہ سب واقعہ بتلایا جو آپ کو پیش آیا تھا اور جو کچھ آپ نے دیکھا تھا۔ ورقہ نے یہ سن کر کہا۔

"یہ (یعنی حضرت جبرئیلؑ) وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰؑ پر بھی نازل ہوا تھا جو کہ وحی کے رازداں تھے۔ کاش جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو دعوت دی جائے گی یعنی اس رسالت کا اظہار ہوگا اور لوگوں کو ڈرایا جائے گا اس وقت میں بھی جوان آدمی ہوتا تاکہ میں اس عظیم کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا اور آپ کی مدد کرتا۔ کاش میں بھی اس وقت زندہ ہوں جبکہ آپ کی قوم آپ کو یہاں سے نکالے گی۔!"

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ نبوت اور رسالت میں فرق ہے رسالت کے مقابلے میں نبوت پہلے ہوتی ہے (کیونکہ نبوت تو یہ ہے کہ نبی کے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہو جائے اور رسالت یہ ہے کہ اس پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کا حکم مل جائے۔ (غرض ورقہ کی یہ بات سن کر آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا۔

"کیا (میری قوم کے لوگ) مجھے یہاں سے نکال دیں گے۔"

ورقہ نے کہا

"ہاں جو چیز آپ لے کر آئے ہیں اس کے ساتھ جو شخص بھی آیا اس پر ظلم کئے گئے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دشمنی اور ظلم ہی آپ کو نکالنے کا سبب بنے گی۔ اس کے ظاہر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جتنے نبی بھی پہلے گزرے ہیں انہیں اپنی قوم کی دشمنی اور ظلم کی وجہ سے اپنے گھروں سے نکلنا پڑا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ صرف دشمنی اور ظلم سے تو یہ ضروری نہیں کہ وطن سے نکال بھی دیا گیا ہو۔ لہذا یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کہ دشمنی وطن سے نکالنے کی علامت بنتی ہے (جہاں تک دوسرے نبیوں کے وطن سے نکالے

جانے کا تعلق ہے تو)اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو تعمیر کعبہ کے بیان میں گزری ہے کہ جس نبی کو بھی اس کی قوم نے جھٹلایا وہ اپنی قوم کے درمیان سے نکل کر مکے آگیا جہاں وہ اپنی موت تک اللہ عزوجل کی عبادت میں مصروف رہا اس روایت میں جو اشکال ہے وہ بھی وہیں ذکر ہو چکا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی وطن سے محبت کی دلیل...... جب ورقہ نے آنحضرت ﷺ کو یہ بتلایا کہ آپ کو جھٹلایا جائے گا اور تکلیفیں پہنچائی جائیں گی تو اس پر آنحضرت ﷺ نے کچھ نہیں کہا لیکن جب ورقہ نے یہ بتلایا کہ آپ کو آپ کے وطن سے نکال دیا جائے گا تو آپ نے ایک دم یقین نہ کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا مجھے نکال دیا جائے گا۔ یہ بات اس کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے وطن سے بے انتہا محبت تھی لہذا اس وطن سے جدائی کا تصور آپ کیلئے بہت تکلیف دہ بنا خاص طور سے وہ وطن جو اللہ کا حرم ہے اور جہاں اس کے گھر کا پڑوس میسر ہے۔

غرض پھر ورقہ نے کہا۔ "اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو آپ کی پوری پوری مدد کروں گا۔"

حدیث صحیح میں ورقہ کے یہ الفاظ ہیں کہ۔ اگر آپ کے زمانے نے مجھے پایا۔ ایسے ہی ایک روایت میں آگے آئے گا۔ اگر اس دور نے مجھے پایا۔ مگر علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ یہ قیاس ہے اس لئے کہ حقیقت میں ورقہ اپنے وجود کے اعتبار سے پہلے ہیں اور جو چیز پہلے ہوتی ہے وہی اپنے سے بعد والی چیز کا زمانہ پایا کرتی ہے (نہ کہ بعد والی چیز اپنے سے پہلے کی چیز کا زمانہ پائے) جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے (جو اسی قیاس کی دلیل ہے کہ)۔

"کم نصیب ہے وہ انسان جس کو اس کی زندگی میں قیامت کا زمانہ پائے۔"

(یعنی قیامت کے قائم ہونے سے پہلے مر جانا خوش قسمتی کی بات ہے) یہاں تک علامہ سہیلی کا کلام ہے

ایک روایت میں ہے کہ ورقہ نے حضرت خدیجہؓ سے کہا تھا۔

"تمہارے چچا کا بیٹا (یعنی آنحضرت ﷺ) بے شک سچا ہے اور حقیقت میں یہ بات نبوت کی ابتدائی ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ۔ وہ اس امت کا نبی ہے۔"

آنحضرت ﷺ کے خوف کی حقیقت و سبب...... کتاب شفاء میں ہے: رسول اللہ ﷺ کا حضرت خدیجہؓ سے یہ فرمانا کہ ۔ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کا جو اعزاز عطا فرمایا آپ کو اس میں کوئی شک تھا بلکہ شاید آپ کو ڈر تھا کہ آپ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ آپ فرشتے کی آمد اور وحی کے بوجھ کو برداشت کر سکیں گے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے یہ بات فرشتے سے ملاقات اور اس کے نبوت لا کر دے دینے کے بعد فرمائی (اس سے پہلے جب صرف فرشتے کی آواز آتی تھی اور آپ کی نبوت کی خوشخبری ملی تھی اس وقت آپ نے یہ بات نہیں فرمائی جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو نبوت کے سلسلے میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا بلکہ فرشتے سے ملاقات ہو جانے اور نبوت حاصل ہو جانے کے بعد آپ نے محسوس فرمایا کہ شاید یہ بوجھ آپ کی برداشت سے باہر ہو)لہذا حقیقت میں نبوت کا بوجھ اتنا شدید ہوتا ہے کہ اس کو صرف اولوالعزم رسول ہی برداشت کر سکتے ہیں۔

علامہ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس خوف کے متعلق علماء میں اختلاف ہے اور اس سلسلے میں بارہ قول ہیں ان بارہ اقوال میں سب سے صحیح اور شک وشبہ سے بلند یہ قول ہے کہ اس خوف سے مراد موت یا مرض یا کسی مرض کے مستقل ہو جانے کا خوف ہے۔ یہاں تک علامہ کا کلام ہے مگر اس بارے میں ایک روایت کے مطابق

آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ ہیں کہ مجھے اپنی عقل کا خوف ہے۔ لہذا ان لفظوں کی روشنی میں علامہ کا یہ جواب قابل غور ہو جاتا ہے۔

خدیجہ کی آنحضرت ﷺ کے ساتھ عداس کاہن سے ملاقات...... (قال) ایک روایت میں ہے کہ ورقہ کے پاس آنحضرت ﷺ کو لے جانے سے پہلے حضرت خدیجہؓ آپ کو لے کر ایک شخص عداس کے پاس گئی تھیں یہ شخص نصرانی تھا اور نینوی کا رہنے والا تھا۔ یہ وہی بستی ہے جہاں کے حضرت یونسؑ تھے۔ حضرت خدیجہ نے عداس سے کہا۔

"اے عداس! میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دیتی ہوں کہ جو کچھ میں پوچھوں اس کے متعلق مجھے بتلانا۔ کیا تم لوگ جبرئیل کے متعلق کچھ جانتے ہو؟"

(ی) یہ بات پوچھنے کا سبب یہ تھا کہ یہ نام مکے اور عرب کے دوسرے علاقوں میں لوگوں کے لئے قطعاً نامانوس تھا جیسا کہ پہلے بھی یہ بات بیان ہو چکی ہے۔ غرض عداس یہ سنتے ہی پکار اٹھا۔

"قدوس۔ قدوس! حیرت کی بات ہے کہ اس علاقے میں جبرئیلؑ کا نام لیا جارہا ہے جہاں کے لوگ بتوں کے پجاری ہیں!"

"ان کے یعنی جبرئیل کے متعلق تم جو کچھ جانتے ہو مجھے بتلاؤ۔"

عداس نے کہا

"وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان امین اور قاصد ہیں یہ وہی ہیں جو موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے پاس آیا کرتے تھے۔"

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے۔ آگے جہاں ابو طالب کی موت کے بعد آنحضرت ﷺ کے طائف جانے اور قبیلہ ثقیف کو اسلام کی دعوت دینے کا ذکر ہو گا وہاں یہ بیان آئے گا کہ طائف میں آنحضرت ﷺ کی ایک شخص عداس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس عداس کی صفات بھی یہی تھیں جو یہاں ذکر ہوئی ہیں مگر واقعے کی جو تفصیلات ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عداس اور اس عداس میں آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

ادھر میں نے ایک کتاب میں دیکھا کہ عداس جس کا یہاں ذکر ہوا ایک راہب تھا اور بے حد بوڑھا آدمی تھا یہاں تک کہ اس کی دونوں بھنویں یعنی ابرو بڑھاپے کی وجہ سے جھک کر بالکل اس کی آنکھوں پر لٹک آئی تھیں۔ اور یہ کہ حضرت خدیجہ نے اس سے کہا تھا۔

"صبح بخیر عداس!"

عداس نے حضرت خدیجہؓ کی آواز سن کر کہا (کیونکہ وہ ابروؤں کے جھک جانے کی وجہ سے دیکھ نہیں سکتا تھا)۔

"ایسا لگتا ہے یہ گفتگو تو قریشی عورتوں کی سردار خدیجہ کی ہے!"

حضرت خدیجہ نے کہا۔ بے شک میں ہی ہوں۔ عداس نے کہا

"میرے قریب آجاؤ کیونکہ میں بہت اونچا سننے لگا ہوں۔"

حضرت خدیجہ اس کے قریب آگئیں پھر انہوں نے اس سے وہی سب کچھ کہا جو پیچھے بیان ہو چکا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عداس دوسرا تھا اور وہ دوسرا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ صرف اتنا ہے کہ ان دونوں کا نام وطن اور مذہب ایک ہی تھا۔ (ی) نیز یہ کہ یہ دونوں ہی عتبہ ابن ربیعہ کے غلام تھے کیونکہ ابن وحیہ نے لکھا ہے کہ

"عداس نینوی کا رہنے والا تھا یہ عتبہ ابن ربیعہ کا غلام تھا اور یہ آسمانی کتاب یعنی انجیل کا عالم تھا۔ حضرت خدیجہ نے اس کے پاس آدمی بھیجا اور اس سے جبرئیلؑ کے متعلق سوالات کئے جس پر اس نے کہا قدوس۔ قدوس۔ (آخر حدیث تک)۔

مگر یہاں یہ بات ظاہر ہے کہ یہ محض مغالطہ ہے جو بعض راویوں کو پیش آیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے

عداس راہب کا جوب...... ایک روایت میں ہے کہ اسی عداس نے حضرت خدیجہؓ سے یہ کہا تھا۔

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کے سامنے شیطان ظاہر ہوتا ہے اور اس کو عجیب عجیب باتیں دکھلا دیتا ہے اس لئے تم میری یہ کتاب (یعنی انجیل) لے کر ان ہی صاحب (یعنی آنحضرت ﷺ کے پاس جاؤ اگر ان پر جنون کا اثر ہوگا تو فوراً وہ اثر دور ہو جائے گا اور اگر جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔"

حضرت خدیجہ اسی وقت وہ کتاب لے کر اپنے ساتھ روانہ ہوئیں جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوئیں انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبرئیلؑ موجود ہیں اور وہ آپ کو یہ آیتیں پڑھا رہے ہیں۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ، مَا اَنْتَ بِنِعْمَتِهِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ، وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ (الآیہ پ ۲۹ سورہ قلم ع ۱)۔

ترجمہ :۔ قسم ہے قلم کی اور قسم ہے ان فرشتوں کے لکھنے کی جو کہ کاتب الاعمال ہیں کہ آپ اپنی رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں اور بے سک آپ کے لئے اس تبلیغ احکام پر ایسا اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں اور بے شک آپ کے اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں سو ان کے مہملات کا غم نہ کیجئے کیونکہ عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کس کو جنون تھا۔

حضرت خدیجہ کی خوشی اور عداس سے دوسری ملاقات...... حضرت خدیجہؓ نے جیسے ہی یہ آیتیں سنیں وہ خوشی سے کھل اٹھیں پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! میرے ساتھ عداس کے پاس چلئے۔"

عداس کو مہر نبوت کا دیدار اور تصدیق نبوت...... (چنانچہ آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ عداس کے پاس گئے) جب عداس نے آپ کو دیکھا تو اس نے آپ کی کمر کھول کر دیکھی تو آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت جگمگاتی ہوئی نظر آئی جیسے ہی عداس کی اس پر نظر پڑی وہ یہ کہتا ہوا سجدہ میں گر گیا۔

قدوس۔ قدوس۔ خدا کی قسم آپ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں موسیٰؑ وعیسیٰؑ نے خوش خبری دی ہے۔ (حدیث)

اس روایت کی روشنی میں ایک اشکال ہوتا ہے کہ اگر یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہے جبکہ حضرت خدیجہ آپ کو ورقہ کے پاس لے کر گئی تھیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ سورہ ن کی یہ آیتیں اقراء سے پہلے نازل ہوئی ہیں

(کیونکہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ ورقہ کے پاس آپ اقراء کے نازل ہونے کے بعد ہی گئے تھے) پھر یہ کہ اگر اقراء سے پہلے سورہ نٓ کی یہ آیتیں نازل ہو چکی تھیں تو پھر اقراء کے نازل ہونے کے وقت حضرت جبرئیل سے آپ کا یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا جبکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اقراء سے پہلے حقیقت میں آپ نے کبھی کچھ نہیں پڑھا تھا۔ اس لئے یہی مشہور قول ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت اقراء ہے۔

یہاں سورہ ن کے نازل ہونے کا جو سبب بیان کیا گیا ہے وہ اس کے خلاف ہے جو کتاب اسباب النزول میں اس آیت کے نازل ہونے کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں یہ سبب بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جب کہ مشرکوں نے آپ کو مجنون کہا تھا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو۔

خدیجہ کی بحیرا راہب سے تصدیق...... ابن دحیہ نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہ کو جبرئیلؑ کے متعلق بتلایا تو چونکہ انہوں نے اس سے پہلے کبھی یہ نام نہیں سنا تھا اس لئے انہوں نے فوراً بحیراء راہب کو لکھا اور اس سے جبرئیل کے متعلق پوچھا (کہ یہ کون ہیں اور کیا ہیں) بحیراء نے جواب میں کہا۔

"قدوس۔ قدوس! اے قریشی عورتوں کی سردار تم نے یہ نام کہاں سے سنا۔

حضرت خدیجہؓ نے کہا

اپنے شوہر سے جو میرے چچا کے بیٹے ہیں انہوں نے مجھے بتلایا ہے کہ وہ ان کے پاس آتے ہیں۔"

تب بحیراء نے کہا

حقیقت میں وہ یعنی جبرئیلؑ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبیوں کے درمیان سفیر ہیں اور شیطان کو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ ان کی صورت میں آسکے نہ ہی وہ ان کا نام اپنے لئے استعمال کر سکتا ہے۔"

جبرئیلؑ ہی اللہ تعالیٰ کے سفیر اور ایلچی ہیں...... یہاں یہ الفاظ کہ۔ جبرئیلؑ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبیوں کے درمیان سفیر ہیں۔ حافظ سیوطیؒ کہتے ہیں اس کے بعد انہوں نے لکھا ہے۔ یہ شان یعنی سفیر ہونا ان کے علاوہ دوسرے فرشتوں کو حاصل نہیں ہے۔

بعض علماء نے اس بات پر اعتراض کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت اسرافیلؑ بھی (جو قیامت کے دن صور پھونکیں گے) اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان سفیر رہے ہیں۔ اس کی دلیل شعبی کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب چالیس سال کے ہوئے تو آپ کو نبوت عطا فرمائی گئی۔ آپ کی نبوت کے سلسلے میں حضرت اسرافیل تین سال تک آپ سے وابستہ ہوئے۔ شعبی ہی کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ۔ جب تین سال گزر گئے تو اسرافیلؑ آپ سے رخصت ہو گئے اور جبرئیلؑ آپ سے وابستہ ہو گئے۔

اس بارے میں ایک روایت یہ گزر چکی ہے کہ اسرافیلؑ آپ کی نبوت سے پہلے تین سال تک آپ سے وابستہ رہے آنحضرت ﷺ ان کی آواز اور سرسراہٹ سنتے تھے لیکن ان کو دیکھ نہیں سکتے تھے وہ آنحضرت ﷺ کو ایک ایک کر کے مختلف چیزوں کے بارے میں بتلاتے تھے۔ اب اس گذشتہ روایت کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسرافیلؑ آپ کی نبوت کے بعد بھی تین سال تک آپ سے وابستہ رہے۔ اس بارے میں آگے بعض محدثین کا قول آئے گا کہ یہ تین سال کی مدت جس میں اسرافیلؑ آپ کی نبوت کے بعد آپ سے وابستہ رہے۔ وہ مدت ہے جس میں اچانک وحی کا سلسلہ بند ہو گیا تھا اور جس کو شریعت کی اصطلاح میں "فترہ وحی" کا زمانہ کہا جاتا

ہے۔(اس کی تفصیل آگے آئے گی کہ اس دوران میں جبرئیلؑ کی آمدورفت بند ہو گئی تھی۔ یہاں کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس فترہ کے زمانے میں جبکہ جبرئیلؑ کی آمدورفت آپ کے پاس بند ہو گئی تھی اسرافیلؑ آپ کے پاس آتے رہے)۔

اس اعتراض کا جواب حافظ سیوطیؒ نے یہ دیا ہے کہ سفیر تو وہی تھے جن کا انتظار تھا(اور جو وحی لے کر آیا کرتے تھے)اور یہ شان جبرئیلؑ کے سوا کسی دوسرے فرشتے میں نہیں تھی۔ لہذا اب اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کہ کبھی کبھی جبرئیلؑ کے سوا دوسرا کوئی فرشتہ بھی آپ کے پاس آیا ہو(کیونکہ صرف آپ کے پاس آنے کی وجہ سے وہ فرشتہ سفیر نہیں کہلا سکتا سفیر تو صرف وہی فرشتہ کہلائے گا جو اللہ تعالیٰ کا پیغام اور وحی لے کر آتا ہو اور وہ صرف جبرئیلؑ ہی تھے)پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر فرشتے کے آنے سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر آنا ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو اس روایت سے(یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ اسرافیلؑ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا کرتے تھے مگر)یہ ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اس مدت میں آپ کے پاس وحی لے کر آیا کرتے تھے۔ مگر حافظ سیوطیؒ کے جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جبرئیلؑ کے نبوت کی وحی لانے سے پہلے اسرافیل اور دوسرے فرشتے وحی لے کر آیا کرتے تھے جو نبوت کی وحی نہیں تھی۔ اس روایت کے باوجود بھی جبرئیلؑ کو ہی سفیر کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اسرافیلؑ سوائے آنحضرت ﷺ کے دوسرے نبیوں کے پاس نہیں آئے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ بہرحال اسرافیلؑ اللہ تعالیٰ کے اور دوسرے تمام نبیوں کے درمیان سفیر نہیں رہے ہیں۔ ایک قول ہے کہ ان کو یہ خصوصیت اس لئے ملی کہ یہ پہلے فرشتے ہیں جنہوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا تھا۔

<u>کیا جبرئیل آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی زمین پر آسکتے ہیں</u>۔۔۔۔ میں نے ایک کتاب میں دیکھا کہ کسی نے اس کتاب کے مولف سے سوال کیا۔

کیا عیسیٰؑ کے زمین پر اترنے کے بعد بھی ان کے پاس وحی آیا کرے گی۔"

انہوں نے جواب دیا۔ ہاں ۔ پھر انہوں نے واس ابن سمعان کی حدیث نقل کی جس کو امام مسلم، احمد، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہ نے بیان کیا ہے جس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ آسمان سے اترنے کے بعد عیسیٰؑ پر وحی نازل ہو گی۔ پھر انہوں نے کہا کہ یہ بات ظاہر ہے کہ وحی لے کر آنے والے جبرئیلؑ ہی ہوں گے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ ان ہی کا آنا یقینی ہے اس میں کوئی تردد نہیں ہے اس لئے کہ یہ ان ہی کا فریضہ ہے اور وہی اللہ تعالیٰ اور تمام نبیوں کے درمیان سفیر ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے فرشتوں میں سے کسی کے متعلق یہ بات نقل نہیں ہے کہ ان کا یہ کام رہا ہے۔ پھر اس پر انہوں نے اور بھی دلیلیں بیان کیں جن کا یہاں نقل کرنا غیر ضروری ہے۔ پھر کہتے ہیں جہاں تک اس بات کا تعلق ہے جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اب جبرئیلؑ کبھی زمین پر نہیں آئیں گے تو اس بات کی کوئی حقیقت اور بنیاد نہیں ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ عیسیٰؑ پر آسمان سے آنے کے بعد وحی تو آئے گی مگر وہ الہامی وحی ہو گی (یعنی وہ وحی جبرئیلؑ لے کر نہیں آیا کریں گے بلکہ الہام کے طور پر ان کے دل میں ڈال دی جایا کرے گی۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ حدیث کہ۔ میرے بعد کبھی وحی نہیں آئے گی۔ بے بنیاد اور باطل ہے۔

(ی)اس بات کی تائید ایک اور ذریعہ سے بھی ہوتی ہے۔ میں نے ایک کتاب میں دیکھا کہ

جبرئیلؑ ایک عظیم فرشتے ہیں، ایک معزز قاصد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقرب اور بہت خاص فرشتے ہیں اورحق تعالیٰ کی وحی کے امین ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام نبیوں کے درمیان سفیر ہیں اسی لئے ان کا نام روح القدس اور روح الامین رکھا گیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے مقرب فرشتوں میں سے انتخاب کر کے سفیر بنایا۔

جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ کے پاس کتنی بار آئے...... (قال) علامہ شامی کہتے ہیں کہ میں نے ایک تاریخ میں دیکھا کہ جبرئیلؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس چھبیس ہزار مرتبہ آئے جبکہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے نبی کے پاس اتنی بار نہیں آئے۔

(تشریح) اس سلسلے میں شرح زرقانی علی المواہب میں دوسرے انبیاء کے پاس جبرئیلؑ کے آنے کی تعداد بھی بیان کی گئی ہے جسے احقر مترجم یہاں پیش کر رہا ہے۔

دوسرے انبیاء کے پاس کتنی بار آئے...... ابن عادل نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جبرئیلؑ چوبیس ہزار مرتبہ آئے، آدمؑ کے پاس بارہ مرتبہ آئے اور، ادریسؑ کے پاس چار مرتبہ ائے، نوحؑ کے پاس پچاس مرتبہ آئے اور ابراہیمؑ کے پاس بیالیس مرتبہ آئے۔ حافظ عثمان دیمی نے ابراہیمؑ کے پاس آنے کی تعداد صرف چالیس ہی بتلائی ہے۔ موسیٰؑ کے پاس چار سو مرتبہ آئے اور عیسیٰؑ کے پاس دس مرتبہ آئے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ عیسیٰؑ کے پاس تین مرتبہ تو ان کے بچپن میں آئے اور سات مرتبہ ان کے بڑے ہونے کے بعد آئے۔

اس کے بعد حافظ دیمی نے مزید پیغمبروں کے بارے میں لکھا ہے اس تفصیل کو ان کے شاگرد شمس تتائی نے نقل کیا ہے کہ۔ یعقوبؑ کے پاس چار مرتبہ آئے اور ایوبؑ کے پاس تین بار آئے۔

شرح زرقانی میں آگے ہے کہ۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ تمام انبیاء کے پاس وحی سونے کی حالت میں آتی تھی سوائے اولوالعزم اور بلند مرتبہ پیغمبروں کے جیسے آنحضرت ﷺ، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰؑ کہ ان انبیاء کے پاس وحی بیداری اور نیند دونوں حالتوں میں آتی تھی۔

حقیقی شکل میں جبرئیل کو صرف آنحضرت ﷺ نے دیکھا ہے...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ فرشتے کی دو شکلیں ہیں ایک حقیقی شکل اور ایک مثالی شکل۔ جہاں تک حقیقی شکل کا تعلق ہے وہ صرف آنحضرت ﷺ کے سامنے آئی جبکہ مثالی شکل بقیہ تمام پیغمبروں کے لئے واقعہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اس مثالی شکل کو دیکھنے میں ان انبیاء کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ بھی شریک ہیں۔ تشریح ختم۔ شرح زرقانی علی المواہب جلد اول ص ۲۴۴۔ از مرتب)۔

جبرئیل کی آمد سے متعلق ایک دوسری روایت...... علامہ واحدی کی کتاب اسباب نزول میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ

جب رسول اللہ ﷺ نے (حرا پہاڑ پر) یہ آواز سنی کہ۔ اے محمد! ۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں حاضر ہوں۔ پھر آواز آئی۔

کہئے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰه۔

ترجمہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

پھر آواز آئی۔

"کہیے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔"

یہاں تک کہ یہ سورہ فاتحہ پڑھی۔ پھر جب وَلَا الضَّآلِّيْنَ پر پہنچے تو آواز آئی "کہیے۔ آمین۔"

چنانچہ آپ نے آمین کہی۔ وکیع اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں اسی طرح ہے۔

لفظ آمین اور اس کی برکت واہمیت......ایک حدیث میں آتا ہے جس کی سند کو بعض محدثین نے مضبوط نہیں کہا ہے۔

جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو اس کو چاہئے کہ آمین پر ختم کرے کیونکہ دعا کے بعد آمین ایسی ہے جیسے دستاویز پر مہر لگا کر اسے مضبوط کر دیا جائے۔"

کتاب جامع صغیر میں ہے کہ

لفظ آمین اللہ تعالیٰ کی مہر ہے جو اس نے اپنے مومن بندوں کی زبانوں پر جاری فرمائی ہے۔ (ی) یعنی پروردگار عالم سے مانگی جانے والی دعاؤں کی مہر ہے (جس طرح ایک دستاویز بغیر مہر کے نامکمل اور نا قابل اعتبار رہتی ہے اسی طرح دعا بھی بغیر آمین کے پختہ اور مضبوط نہیں ہوتی) اور آمین کا لفظ دعا کو نامقبول ہونے سے بچاتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے شخص کو دعا مانگتے سنا تو آپ نے فرمایا۔

"اس پر ضروری ہے کہ اس دعا کو آمین پر ختم کرے۔"

(غرض اس درمیانی تفصیل کے بعد پھر اصل قصہ شروع کرتے ہیں کہ) پھر رسول اللہ ﷺ ورقہ کے پاس تشریف لائے اور ان کو یہ سب واقعہ سنایا۔ ورقہ نے یہ سن کر کہا۔

" آپ کو خوش خبری ہو اور پھر خوش خبری ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جن کے متعلق ابن مریم یعنی عیسیٰؑ نے خوش خبری دی تھی، آپ اسی ناموس سے سرفراز ہوئے ہیں جو موسیٰؑ کا تھا آپ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نبی ہیں اور آج کے بعد آپ کو جہاد کا حکم بھی دیا جائے گا اگر وہ وقت مجھے میسر آسکا تو میں یقیناً" آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں گا۔"

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات میں اختلاف......اقول۔ مولف کہتے ہیں اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت فاتحہ ہے جیسا کہ علامہ کشاف کے مطابق اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ کیونکہ یہ بات قیاس سے بہت دور ہے کہ یہ روایت اقراء باسم ربك کے نازل ہونے سے پہلے کی ہو۔

پھر میں نے علامہ بیہقی کا قول دیکھا جو انہوں نے اس آیت کے نازل ہونے کے سبب میں بیان کیا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے راوی قابل اعتبار ہیں (حدیث مرسل کی تعریف و تفصیل سیرت حلبیہ اردو میں بیان ہو چکی ہے) غرض وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ محفوظ[1] حدیث ہے تو ممکن ہے کہ اقراء اور سورہ مدثر کے نازل ہونے کے بعد اس کے نازل ہونے کے متعلق خبر دی گئی ہو اور سورہ مدثر سورہ یا ایہا المزمل کے نازل ہونے کے بعد نازل ہوئی ہے۔ علامہ ابن حجر نے کشاف کے اس قول پر اعتراض کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں امت کے اکثر علماء کا جو قول ہے وہ یہ ہے کہ اقراء سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت ہے۔ اور جس قول کے متعلق کشاف

---

(۱) حدیث محفوظ کی تعریف سیرت حلبیہ اردو میں پہلے گزر چکی ہے۔

نے یہ کہا ہے کہ اکثر مفسرین کا قول ہے تو یہ قول چند گنے چنے علماء کا ہے جو پہلے قول کے ماننے والے علماء کے مقابلے میں بہت ہی تھوڑے ہیں۔ یہاں تک علامہ ابن حجر کا کلام ہے۔

پھر میں نے امام نووی کا قول دیکھا جو کہتے ہیں کہ یہ قول کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت فاتحہ ہے یہ صاف طور پر اتنا باطل اور بے بنیاد ہے کہ اس کو بتلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (ی) اس بات کی دلیل کے طور پر جو حدیث ہے وہ مختلف سندوں کے ساتھ مجاہد نے بیان کی ہے وہ حدیث یہ ہے کہ سورہ فاتحہ مدینے میں نازل ہوئی ہے چنانچہ تفسیر وکیع میں مجاہد کے حوالے سے لکھا ہے کہ فاتحۃ الکتاب مدنی سورت ہے۔ اس بات میں ایک اشکال ہوتا ہے کہ قتادہ سے روایت ہے کہ سورہ فاتحہ مکے میں نازل ہوئی ہے (لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں پچھلی حدیث قابل غور ہو جاتی ہے) اسی طرح علامہ واحدی کی کتاب اسباب نزول میں حضرت علیؓ کی حدیث ہے کہ سورہ فاتحہ عرش کے نیچے موجود خزانے میں سے ہے اور مکے میں نازل ہوئی۔

اسی کتاب میں حضرت علیؓ سے یہ ایک اور روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکے میں تبلیغ کا آغاز کیا تو آپ نے فرمایا تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔ اس پر قریش نے کہا تھا کہ خدا تمہارا منہ خراب کرے۔

تفسیر کشاف میں ہے کہ سورہ فاتحہ مکے میں نازل ہوئی ہے اور ایک قول کے مطابق مدینے میں نازل ہوئی ہے لہٰذا یہ سورت مکی اور مدنی دونوں ہے۔ یہاں تک مفسر کشاف کا قول ہے۔ علامہ قاضی بیضاوی نے بھی اسی قول کو قبول کیا ہے کہ سورہ فاتحہ مکے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہی بات صحیح ہے کہ سورہ فاتحہ مکے میں نازل ہوئی ہیں۔ مگر کتاب اتقان میں ہے کہ بہت سے علماء نے یہ کہا ہے کہ سورہ فاتحہ ان آیتوں میں سے ہے جو دو مرتبہ نازل ہوئی ہیں۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے کیونکہ یہ بات اسی بنیاد پر کہی جا سکتی ہے کہ وہ سورت مکے اور مدینے دونوں جگہ نازل ہوئی۔ یعنی پہلے مکے میں اور پھر مدینے میں نازل ہوئی جس کا سبب اس سورت کا شرف اور بلند مقام ہے۔ مگر قاضی بیضاوی نے یہ بھی اشارہ دیا ہے کہ اس سورت کے دو مرتبہ نازل ہونے کی بات کوئی قطعی اور یقینی نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا نصف حصہ مکے میں نازل ہوا اور نصف حصہ مدینے میں نازل ہوا۔ اس قول کی بنیاد پر کتاب اتقان میں ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ مدینے میں جو آدھا حصہ نازل ہوا وہ بعد کا نصف حصہ ہوگا مگر اس قول کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہاں تک قاضی بیضاوی کا کلام ہے۔

سبع مثانی یعنی سورہ فاتحہ...... بعض علماء نے سورۂ فاتحہ کے مکے میں نازل ہونے کی یہ دلیل دی ہے کہ سورۂ حجر کے مکی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور سورۂ حجر میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ لا آیہ پ ۱۴ سورہ حجر ع ۵ ○

ترجمہ :۔ اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو نماز میں مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا ہے۔

اس آیت میں سبع مثانی سے مراد فاتحہ ہے (تو ظاہر ہے جب سورہ حجر کی اس آیت میں یہ فرمایا گیا کہ ہم نے آپ پر فاتحہ نازل فرمائی اور خود سورۂ حجر مکے میں نازل ہوئی تو ظاہر ہے اس سے پہلے جو بھی آیتیں نازل ہوئی ہیں وہ بھی مکے میں نازل ہوئی ہیں۔ جہاں تک سورۂ فاتحہ کو سبع مثانی کہنے کا تعلق ہے تو) اس کی دلیل یہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے سورہ فاتحہ پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ جیسی سورت نہ تورات میں نازل فرمائی اور نہ انجیل اور زبور میں اور نہ خود قرآن ہی میں۔ بے شک یہ سبع مثانی اور قرآن ہے جو میں لے کر آیا ہوں۔"

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سورہ حجر کی اس آیت میں سبع مثانی سے مراد سورہ فاتحہ ہی ہے۔ مگر اس بات کے متفقہ ہونے کی بات علامہ جلال سیوطی کے اس قول سے غلط ہو جاتی ہے (جس میں انہوں نے اس دعوی کے خلاف کہا ہے وہ اس کا انکار کرتے ہوئے یہ دلیل دیتے ہیں کہ) حضرت ابن عباسؓ نے سورۂ حجر کی اس آیت میں سبع مثانی سے قرآن پاک کی سات لمبی سورتیں مراد لی ہیں۔ جہاں تک سبع مثانی سے سورہ فاتحہ مراد لینے کا تعلق ہے اس کی دلیل اس روایت سے ملتی ہے جو اس کے نازل ہونے کے سبب کے سلسلے میں ہیں۔

وہ روایت یہ ہے کہ ابو جہل کا ایک قافلہ بہت زبردست مال لے کر شام سے آرہا تھا اس میں سات قافلے کیے گئے تھے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ (جو مدینے میں تھے) اس قافلے کو راہ میں روکنے کا ارادہ کر رہے تھے کیونکہ اس وقت اکثر صحابہ بالکل خالی ہاتھ تھے جن کے پاس نہ پہننے کو کپڑا تھا اور نہ کھانے کو روٹی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے دل میں صحابہ کی حالت کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا تھا۔ مگر اسی وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں جس میں فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو ان سات قافلوں کے بجائے سبع مثانی (یعنی فاتحہ کی سات آیتیں) عطا کی ہیں۔ آپ اس کی طرف مت دیکھئے جو ہم نے ابو جہل کو دیا ہے وہ سب اس دنیا کی ذلیل پونجی ہے۔ نیز آپ اپنے صحابہ کی اس بے کسی پر غم نہ کیجئے بلکہ آپ ان پر شفقت و محبت فرمائیے کیونکہ دنیا کے ان اسباب سے زیادہ ان کے دلوں کو آپ کی محبت اور شفقت سے ڈھارس اور سہارا ملے گا۔

سورہ فاتحہ کی فضیلت...... سورہ فاتحہ کی فضیلت کے متعلق کتاب جامع صغیر میں ہے کہ اگر ترازو کے ایک پلڑے میں سورہ فاتحہ کو رکھا جائے اور دوسرے میں پورے قرآن پاک کو رکھا جائے تو سورہ فاتحہ پورے قرآن پاک سے سات گنا زیادہ وزن دار ہو گی۔ اسی طرح ایک روایت ہے جس میں سورہ فاتحہ کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ یہ سورت ہر بیماری سے شفا دینے والی ہے۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ تنہا سورہ فاتحہ پورے قرآن پاک کے ایک تہائی کے برابر ہے۔ بہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

سورہ فاتحہ کے بائیس نام ہیں بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کے تیس نام ہیں۔ ان ناموں کو شیخ ابوالحسن بکری نے اپنی تفسیر وسیط میں ذکر کیا ہے علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ سورہ فاتح کو ام الکتاب کہنا ناپسندیدہ ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ کوئی شخص اس سورت کو ام الکتاب ہر گز نہ کہے بلکہ اس کو فاتحہ الکتاب کہنا چاہئے۔ مگر حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ حدیث کی کتابوں میں اس بات کی کوئی اصل نہیں ملتی بلکہ اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ ابن خرلیس نے پیش کیا ہے جو ابن سیرین سے نقل کرتے ہیں جبکہ صحیح حدیثوں سے اس سورت کا یہ نام ثابت ہے یہاں تک حافظ سیوطی کا کلام ہے۔

سورتوں کے نام...... یہ بات ظاہر ہے کہ سورت کا نام کبھی تو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں مضاف کا ذکر کرتے ہیں یعنی جیسے کہیں سورۂ فلاں اور کبھی ذکر نہیں کیا جاتا اور کبھی دونوں صورتوں میں بیان کیا جاتا ہے اس وجہ سے یہ ماننے میں مشکل ہوتی ہے کہ سورتوں کے نام متعین اور طے شدہ ہیں۔ چنانچہ کتاب اتقان میں

برہان کے حوالہ سے علامہ زرکشی کا قول بیان کیا گیا ہے کہ سورتوں کے ناموں کی تعداد کے سلسلے میں یہ بات، قابل بحث ہے کہ آیا یہ تعداد طے شدہ ہے یا سورت کے مضامین کے لحاظ سے ہے۔ اگر مضامین کی مناسبت سے یہ نام رکھے گئے ہیں تب تو اپنی ذہانت کے لحاظ سے ہر سورت میں سے بے شمار معانی اور مضامین پیدا کئے جاسکتے ہیں (کیونکہ قرآن پاک اعجازی اور حق تعالیٰ کا کلام ہے) لہذا ان تمام مضامین کے لحاظ سے ان کے مناسب ہر سورت کے اور بھی بہت سے نام رکھے جاسکتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات عقل کے مطابق نہیں ہے۔ یہاں تک کتاب اتقان کا حوالہ ہے۔

کیا اسلام میں سورہ فاتحہ کے بغیر بھی نماز ہوئی ہے...... جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سورہ فاتحہ مدینے میں نازل ہوئی ہے اس کی دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ جتنی مدت بھی آنحضرت ﷺ مکہ معظمہ میں رہے آپ بغیر فاتحہ کے نماز پڑھتے رہے (جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت تک سورہ فاتحہ نازل نہیں ہوئی تھی) مگر کتاب اسباب نزول میں ہے کہ یہ بات ایسی ہے جس کو عقل قبول نہیں کرتی کیونکہ ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ اسلام میں کبھی بغیر فاتحہ کے بھی نماز ہوئی ہے۔ (ی) اس بات کی دلیل وہ روایت ہے جس کو امام بخاری اور امام ترمذی نے بیان کیا ہے کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوگی جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔ اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ اس نماز پر کوئی ثواب نہیں ملے گا جس میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی گئی یہاں مراد ہے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے کہ کیونکہ نماز میں غلطی کرنے والے سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔

"قبلے کی طرف منہ کرکے پہلے تکبیر کہو پھر ام قرآن یعنی سورہ فاتحہ پڑھو پھر قرآن پاک کی جو آیتیں چاہو پڑھو۔ اس کے بعد آخر میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ پھر یہی یعنی سورہ فاتحہ ہر رکعت میں پڑھو۔"

"امام بخاری اور امام ترمذی کے نزدیک حدیث قبول کرنے کا جو معیار ہے اس کے مطابق ایک حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے:۔

"ام قرآن یعنی سورہ فاتحہ قرآن پاک کی دوسری آیتوں کا بدل بن سکتی ہے لیکن دوسری کوئی آیت، اس کا بدل نہیں بن سکتی۔"

ترتیب نزول میں سورہ فاتحہ کا درجہ...... ان دلیلوں کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ سورہ فاتحہ مدینے میں نازل ہوئی ہے اس کا یہ قول بے سر دیا ہے کیونکہ اس دعویٰ میں وہ تنہا ہے دوسرے علماء کا قول اس کے خلاف ہے اس لئے کہ سورہ فاتحہ فترت وحی یعنی وحی کا سلسلہ رک جانے کے وقفہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور یا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کے بعد نازل ہوئی ہے (اور وحی کے رکنے کا واقعہ مکے میں پیش آیا ہے) سورۂ فاتحہ کے سورۂ مدثر کے بعد نازل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وحی رک جانے کی پوری مدت میں آنحضرت ﷺ نے بغیر سورہ فاتحہ کے نمازیں پڑھی ہیں۔ (ی) اور وحی کا سلسلہ رک جانے کے بعد سورہ مدثر نازل ہوئی ہے جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔

اس سے پہلے ایک قول گزرا ہے کہ ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ اسلام کے زمانے میں کوئی نماز بغیر فاتحہ کے پڑھی گئی ہو۔ (جبکہ یہاں بیان ہوا ہے کہ وحی رک جانے کے زمانے میں آنحضرت ﷺ بغیر سورۂ فاتحہ کے نمازیں پڑھتے رہے) اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی اشکال نہیں ہوتا کیونکہ کہا جاسکتا

ہے کہ وہاں مراد یہ ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہونے کے بعد کوئی نماز بغیر سورہ فاتحہ کے نہیں پڑھی گئی۔ جہاں تک پچھلی روایت کا تعلق ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے سورۂ فاتحہ کو نماز کا جز قرار دیا ہے اس کے متعلق بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پانچ نمازیں فرض ہو جانے کے بعد یہ ارشاد فرمایا ہوگا (معراج سے پہلے جب تک پوری پانچ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں اس وقت تک آپ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا۔ اسی طرح وہ روایت ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہو جانے کے بعد سے کوئی روایت ایسی نہیں ملتی جس سے معلوم ہو کہ اسلام میں بغیر فاتحہ کے بھی نماز ہوتی رہی ہے) البتہ اس سے پہلے بغیر فاتحہ کے نماز ہوئی ہے۔

سورۂ فاتحہ کے شان نزول کی ایک روایت...... مگر کتاب امتاع میں یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں لے کر فرشتے کا آنحضرت ﷺ پر نازل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ سورۂ فاتحہ مدینے میں نازل ہوئی ہے (کیونکہ یہ واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا ہے) چنانچہ مسلم کی حدیث ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی گئی ہے کہ ایک روز جبکہ حضرت جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک آپ نے اپنے سر کے اوپر سرسراہٹ کی آواز سنی۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا۔

"یہ آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا تھا۔"

پھر اس دروازہ سے ایک فرشتہ نازل ہوا تو فرمایا۔

یہ ایک فرشتہ زمین پر اترا ہے جو آج سے پہلے کبھی زمین پر نہیں آیا تھا۔"

پھر اس فرشتے نے آپ کو سلام کیا اور کہا۔

"آپ کو دو نور کے تحفوں کی خوش خبری ہو جو میں لے کر آیا ہوں اور جو آپ سے پہلے کسی کو نہیں دیئے گئے۔ ایک سورہ فاتحہ اور دوسرے سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں۔"

یہاں تک کتاب امتاع کا حوالہ ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کیونکہ آگے علامہ ہذلی کی کتاب کامل کے حوالے سے بیان ہوگا کہ سورہ بقرہ کی آخری آیتیں آنحضرت ﷺ پر معراج کی رات میں اس وقت نازل ہوئیں جب آپ عرش الٰہی سے دو کمانوں کے فاصلے پر تھے۔

کیا بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی ہی ایک آیت ہے...... جہاں تک بسم اللہ کے سورہ فاتحہ کا جز ہونے کا تعلق ہے اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کے ساتھ نازل ہوئی جیسا کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے ورنہ پچھلی روایت کی روشنی میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کے ساتھ نازل نہیں ہوئی ادھر دار قطنی اور بیہقی نے ایک روایت پیش کی ہے اور دار قطنی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے۔ یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"جب تم الحمد للہ پڑھو تو اس کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی پڑھو اس لئے کہ سورہ فاتحہ ام القرآن، ام الکتاب اور سبع مثانی ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فاتحہ کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے۔"

دار قطنی نے ایک حدیث حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ سے سبع مثانی کے متعلق پوچھا گیا (کہ اس سے مراد کیا ہے) انہوں نے کہا کہ الحمد للہ رب العالمین مراد ہے۔ اس پر پھر سوال کیا گیا (سبع مثانی کا مطلب ہے سات آیتوں والی سورت جبکہ) الحمد للہ میں صرف چھ ہی آیتیں ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی الحمد للہ کی ایک آیت ہے (اس طرح سات آیتیں ہو جاتی ہیں)۔"

سورہ فاتحہ کو سبع مثانی کہنے کا سبب...... سورۃ فاتحہ کو سبع مثانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ (سبع عربی میں سات کو کہتے ہیں اور) سورہ فاتحہ میں سات آیتیں ہیں (اور مثانی کا مطلب صفات بیان کرنا ہے) اور ان آیتوں کے ذریعہ نماز میں اللہ تعالی کی صفات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مثانی سے مراد پورا قرآن پاک ہے اس لئے کہ پورے قرآن پاک میں مومنوں، کافروں اور منافقوں کی صفات بیان کی گئی ہیں، اسی طرح انبیاءؑ کے واقعات، حق تعالی کی طرف سے کئے گئے وعدے اور ڈراوے بیان کئے گئے ہیں۔

ایک قول یہ گزرا ہے کہ سبع مثانی سے قرآن پاک کی سات لمبی سورتیں مراد ہیں جیسا کہ آیت پاک ولقد اتیناك سبعا من المثانی سے اس قول کی بنیاد پر معلوم ہوتا ہے۔ یہ سات لمبی سورتیں یہ ہیں۔ سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء، سورہ مائدہ، سورہ انعام، سورہ اعراف اور ساتویں سورہ یونس۔ اور ایک قول کے مطابق (سورہ یونس کے بجائے) سورہ برائت اور ایک قول کے مطابق سورہ کہف۔

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ کو سورہ فاتحہ کی ایک آیت شمار کیا ہے۔ اسی سے وہ روایت بھی سمجھ میں آجاتی ہے جو تفسیر بیضاوی میں حضرت ام سلمہؓ سے بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین کو ایک آیت شمار فرمایا ہے مگر بعض محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہ کی روایت کے یہ الفاظ نہیں ہیں بلکہ محدثین کی ایک جماعت نے ام سلمہ کی حدیث کے جو الفاظ نقل کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تنہا ہی پوری ایک آیت ہے، جو الحمد للہ کا ایک جز ہے۔

حضرت اسم سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب گھر میں نماز پڑھا کرتے تھے تو آپ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح ان ہی سے ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نمازوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین پڑھا کرتے تھے (تو گویا راوی کو یہاں یہ مغالطہ ہو گیا کہ اُم سلمہ کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بسم الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین کو ایک آیت شمار کر کے مسلسل پڑھا کرتے تھے حالانکہ اس روایت کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھا کرتے تھے)۔

کیا بسم اللہ ہر سورت کی آیت ہے...... بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے سورہ فاتحہ کا جز ہونے کی دلیل بیان کی جاتی ہے کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ اقراء باسم ربك کا جز نہیں ہے۔ اسی بناء پر حافظ دمیاطی نے کہا ہے کہ اقراء کا بغیر بسم اللہ کے نازل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز نہیں ہے۔ اسی سے یہ دلیل حاصل کی گئی ہے کہ بسم اللہ اقراء کے شروع میں نازل نہیں ہوئی جیسا کہ امام نووی کہتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن پاک کی اس حیثیت سے آیت نہیں ہے کہ یہ ہر سورت کا جز ہو۔ (ی) بلکہ یہ دو سورتوں کے درمیان فصل کرنے اور برکت کے لئے اس سے سورت شروع کئے جانے کے واسطے نازل ہوئی ہے۔ یہی قول امام شافعی کا بھی بتلایا جاتا ہے اور یہی قول قدیم حنفیوں کا ہے۔

(قال) جو لوگ یہ ثابت کرتے ہیں کہ بسم اللہ اقراء کا جز ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ دوسرے وقت میں نازل ہوئی جیسا کہ سورہ اقراء کا باقی حصہ بعد میں نازل ہوا۔ اسی طرح ایک دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ (اس کا ہر سورت کا جز ہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ) تمام صحابہ اور اسلاف نے متفقہ طور پر اس کو اپنے قرآن پاک

کے نسخوں میں شامل کیا ہے حالانکہ یہ اکابر واسلاف وہ ہیں جو اس بارے میں انتہائی سخت اور محتاط تھے کہ قرآن پاک میں ایک حرف بھی وہ نہ ہو جو قرآن کا جز نہیں ہے یہاں تک کہ وہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین تک نہیں لکھتے تھے (تو ظاہر ہے اتنے محتاط لوگوں سے کیسے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو قرآن کا جز نہ ہونے کے باوجود اتنی پابندی کے ساتھ قرآن میں تحریر کیا ہو)

وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ قرآن پاک کی ہر سورت کا جز نہیں ہے وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس کی قرآن میں ایک جگہ متعین نہیں ہے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس کے اپنی جگہ متواتر نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ قرآن پاک کا جز نہیں ہے۔ مگر اس جواب پر یہ جواب دیا جاتا ہے کہ امام کافی جی کہتے ہیں کہ علماء سنت کے محققوں کے نزدیک قرآن پاک میں سورتوں کی ترتیب اور آیتوں کا ان کی جگہ پر لکھنا اور رکھنا متفقہ طریقے پر واجب اور ضروری ہے جیسا کہ قرآن پاک کی اصل میں واجب ہے۔ (ی) کتاب فتوحات میں ہے کہ علماء حق کے نزدیک بسم اللہ بلاشک قرآن پاک کا جز ہے۔ سورتوں کے شروع میں اس کا بار بار آنا جیسا کہ قرآن پاک کے تمام کلمے پورے قرآن میں بار بار آئے ہیں۔ اب اس سے بظاہر وہی بات ثابت ہوتی ہے جو امام شافعی کا مذہب ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کی پہلی آیت ہے۔ اسی طرح اس سے علامہ سہیلیؒ کے اس قول کی بھی تائید ہوتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ایک آیت ہے جو سورہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

علامہ ابو بکر ابن عربی لکھتے ہیں کہ امام شافعی کا خیال ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کی آیت ہے حالانکہ ان سے پہلے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ تو گویا ابن عربی بسم اللہ کو ہر سورت کی آیت شمار نہیں کرتے۔ ادھر خود امام شافعی کا یہ قول بیان کیا جاتا ہے کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کی پہلی آیت ہے ہر سورت کی نہیں۔ چنانچہ ربیع سے روایت ہے کہ میں نے امام شافعی کو یہ کہتے سنا کہ الحمد کی پہلی آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے اور سورۂ بقرہ کی ابتداء الم ہے۔ اسی سے یہ سمجھا گیا کہ امام شافعی بسم اللہ کو صرف الحمد کی پہلی آیت مانتے ہیں ہر سورت کی نہیں کیونکہ اگر ہر سورت کی پہلی آیت مانتے تو یہ نہ کہتے کہ سورہ بقرہ کی ابتداء الم ہے تو گویا بسم اللہ ہر سورت کی پہلی آیت نہیں بلکہ ہر سورت سے پہلے کی آیت ہے کہ بار بار اس کا تکرار ہو رہا ہے۔ "تقریباً" یہی بات علامہ سیوطی نے خصائص صغریٰ میں لکھی ہے کہ بسم اللہ اور فاتحہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات ہیں۔ یہاں تک سیوطی کا کلام ہے۔

مگر اس قول کی تردید کتاب اتقان کی اس عبارت سے ہوتی ہے کہ دار قطنی کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا۔

"میں تمہیں ایک ایسی آیت بتلاتا ہوں جو سلیمان کو چھوڑ کر میرے علاوہ کسی پر نازل نہیں ہوئی وہ آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔"

اس کی تفصیل آگے آئے گی اور اس میں جو اشکال ہے وہ بھی ذکر ہوگا۔

<u>سورۂ براۂ یعنی سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کا سبب</u>...... ایک قول ہے کہ سورۂ براۂ کی ابتداء میں بسم اللہ اسلئے چھوڑ دی گئی کہ بسم اللہ اور سورہ براۂ کے ابتدائی کلمات میں کوئی مناسبت نہیں ہے کیونکہ بسم اللہ رحمت وشفقت پر دلالت کرتی ہے جبکہ سورہ برات کے ابتدائی الفاظ میں برات اور بیزاری ظاہر کی گئی ہے۔

<u>تشریح</u>...... براۂ سے مراد سورۂ توبہ ہے جس کے شروع میں بسم اللہ نہیں ہے۔ اس سورت کے ابتدائی کلمات یہ ہیں۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ (لآیہ پ سورہ توبہ ع ۱)

ترجمہ :۔اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین کے عہد سے دست برداری (یعنی بیزاری) ہے جن سے تم نے بلا تعین مدت عہد کر رکھا تھا۔

اس آیت پاک کا شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں ترجمہ کیا ہے۔

بیزاری ہے خدا طرف سے اور رسول اس کے کی طرف سے طرف ان لوگوں کی کہ عہد باندھا تم نے مشرکوں سے۔"

تو چونکہ بسم اللہ رحمت اور شفقت کو ظاہر کرتی ہے جبکہ سورۃ براہ کی پہلی آیت بیزاری اور برات ظاہر کرتی ہے تو دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ہوئی اس لئے اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں ہے۔ تشریح ختم۔ مرتب)۔

اس نکتہ کی کتاب فتوحات میں تردید کی گئی ہے کہ (سورہ براہ کے شروع میں بسم اللہ نہ ہونے کا یہ سبب نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسی بہت سی سورتیں ہیں جو ویل سے شروع ہوئی ہیں (جس کے معنی ہیں۔ خرابی ہو ان لوگوں کے لئے) مگر ان سورتوں کے شروع میں بسم اللہ ہے (حالانکہ ویل بربادی کو ظاہر کرتا ہے اور بسم اللہ رحمت کو ظاہر کرتی ہے چنانچہ فتوحات میں اس کے بعد لکھا ہے کہ) ویل اور رحمت ہی میں کیا مناسبت ہے ؟

<u>کیا سورۃ انفال اور سورۃ توبہ ایک سورت ہے</u>...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ سورہ براہ یعنی سورہ توبہ اور سورۃ انفال (جو سورۂ برأۃ سے پہلی سورت ہے) ایک ہی سورت ہے (اور گویا اس لئے سورہ براہ کے شروع میں بسم اللہ نہیں ہے) چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عثمان ابن عفانؓ سے پوچھا۔

"سورہ انفال اور سورۂ براۃ کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر کیوں نہیں لکھی جاتی ؟"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔

سورۂ انفال پہلی سورت ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور سورۂ براۃ وہ آخری سورہ ہے جو مدینے میں نازل ہوئی۔ پھر دونوں سورتوں کا قصہ تقریباً ایک جیسا ہے اسلئے میرا خیال ہے کہ یہ دونوں ایک ہی سورت ہیں۔

بعض مفسروں نے طاؤس اور عمر ابن عبدالعزیز کے متعلق روایت کی ہے کہ یہ دونوں کہا کرتے تھے کہ سورۃ ضحیٰ اور سورہ الم نشرح ایک سورت ہے چنانچہ یہ دونوں ان دونوں سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے ان دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر فصل نہیں کیا کرتے تھے۔ ایسا وہ اس لئے سمجھتے تھے کہ والضحیٰ کی آیت الم یجدك یتیما . الم نشرح کے اس ابتدائی کلمے کے مناسب ہے۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ الم یجدك یتیما میں کفار کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو یتیم اور بے سہارا ہونے کی وجہ سے جو تکلیفیں پہنچیں ان سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچانے کے لئے ابوطالب سے پرورش کرایا۔ اس لئے یہ اس مشقت اور تکلیف کا حال ہے (اس سورت کے نازل ہونے کا سبب بھی یہ ہوا کہ ایک دفعہ کسی بیماری کی وجہ سے آنحضرت ﷺ دو تین راتوں میں عبادت اور شب بیداری نہیں فرما سکے۔ اس پر ایک کافر عورت نے آپ سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے جو اس حالت کو اتنی دیر ہو گئی۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی) ادھر الم نشرح میں آپ کے اطمینان قلب اور انشراح صدر کی حالت بیان کی گئی ہے۔ لہذا یہ دونوں

حالتیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں (اور کس مناسبت سے ان دونوں سورتوں کو ایک سورت کہا جاسکتا ہے)۔ یہاں تک اس تفسیر کا حوالہ ہے۔

نماز میں بسم اللہ کا بلند آواز سے پڑھنا..... شافعی علماء نے بسم اللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ سورۂ فاتحہ میں بسم اللہ کا لانا واجب ہے اور اس وجوب کے لئے وہ ظن اور خیال بھی کافی ہے جو خبر واحد کے درجے کی حدیثوں سے پیدا ہوتا ہے اس میں تواتر اور پابندی نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ سورہ فاتحہ کی آیت نہیں ہے جیسا کہ مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔

ادھر آنحضرت ﷺ نے نماز میں بسم اللہ کو آواز کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ بہت سے صحابہ نے یہ بات بیان کی ہے (اور جیسا کہ شافعی مذہب میں ہے) علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ اس کو روایت کرنے والے صحابہ کی تعداد اکیس تک پہنچتی ہے۔

اس کے جواب میں مسلم کی ایک صحیح روایت پیش کی جاتی ہے جو حضرت انسؓ نے بیان کی ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی نماز پڑھی اور حضرت ابو بکر، عمر اور عثمانؓ کے ساتھ بھی مگر میں نے ان میں سے کسی کو (بلند آواز سے) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے نہیں سنا۔ اس کا جواب شافعی علماء کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سنی نہیں (یہ نہی معلوم ہوتا کہ پڑھی ہی نہیں گئی) پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان حضرات نے کبھی کبھی بسم اللہ زور سے نہ بھی پڑھی ہو تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ زور سے نہ پڑھنا بھی جائز ہے اس امکان کی تائید بعض علماء کے اس قول سے ہوتی ہے کہ یہ صحابہ بسم اللہ کو آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

اس کے جواب میں پھر بخاری، ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمرؓ (آواز کے ساتھ) الحمد للہ سے نماز شروع کیا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں شافعی علماء یہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ الحمد سے نماز شروع کیا کرتے تھے اس کے علاوہ قرآن پاک کی کسی سورت سے نماز کا آغاز نہیں فرماتے تھے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ ابن مغفل کی ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے نماز میں (بلند آواز سے) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی۔ میرے والد نے یہ سنا تو انہوں نے کہا۔

"بیٹے تم ایک نئی بات کر رہے ہو میں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے بھی نماز پڑھی ہے اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے پیچھے بھی مگر میں نے ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا۔ اس لئے جب تم نماز شروع کرو تو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرو۔"

اب اس روایت کا جواب بھی شافعی علماء کی طرف سے وہی ہے کہ چونکہ ان صحابی نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کو بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا اسلئے انہوں نے یہ سمجھا کہ بسم اللہ پڑھی ہی نہیں گئی اس لئے انہوں نے اپنے بیٹے سے یہ بات کہی۔ اسی طرح ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ صحابہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اب اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کے جواب میں بھی وہی بات کہی جائے گی کہ راوی نے روایت سن کر یہ سمجھا کہ بسم اللہ سرے سے پڑھی ہی نہیں گئی۔ لہٰذا اس نے اس حدیث کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کر دیا کہ وہ بسم اللہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہاں راوی کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔

سورۂ فاتحہ کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد...... اب جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ کی آیت نہیں ہے اس کے ثبوت میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جسے ابوہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

میں نے نماز کو یعنی فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اس لئے اس کا آدھا حصہ میرے لئے ہے اور آدھا میرے بندہ کے لئے ہے اور میرے بندہ نے جو مجھ سے مانگا وہ میں نے اس کو دے دیا۔ چنانچہ جب بندہ الحمد للہ رب العالمین (یعنی تمام تعریفیں پروردگار عالم کو ہی سزاوار ہیں) کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندہ نے میری تعریف کی، پھر جب وہ الرحمٰن الرحیم (یعنی وہ ذات جو بڑی مہربان اور نہایت رحم والی ہے) کہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے میری بڑائی بیان کی۔ پھر جب وہ مالک یوم الدین (یعنی جو قیامت کے دن کا مالک ہے) کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے اپنا معاملہ میرے سپرد کر دیا۔ پھر جب وہ ایاک نعبد وایاک نستعین (یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں) کہتا ہے تو اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے نے جو مانگا وہ اسے ملے گا پھر میرا بندہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ختم سورت تک۔ کہتا ہے یعنی سیدھی راہ پر ہماری رہنمائی فرمائیے۔" الخ

ایک حدیث کی بنیاد پر ابوبکر ابن عربی مالکی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی روشنی میں دو وجہوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کی آیت نہیں ہے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی جو تقسیم فرمائی ہے اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ذکر نہیں فرمایا دوسرے یہ کہ اگر تقسیم میں بسم اللہ کا ذکر ہوتا تو تقسیم برابر نہ رہتی بلکہ اس میں جو حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے وہ بندے کے حصے سے زیادہ ہو جاتا کیونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اللہ تعالیٰ کی ثنا اور تعریف ہے اس میں بندے کے لئے کچھ نہیں ہے۔

اس کے بعد انہوں نے ایک نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کہہ کر نماز مراد لی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ نماز کے فرائض میں سے ہے اس نکتے پر علامہ نے بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

بسم اللہ کے درجہ بدرجہ نازل ہونے کی روایت...... غزوۂ حدیبیہ کے بیان میں آئے گا کہ آنحضرت ﷺ اپنے فرمانوں کے شروع میں باسمك اللهم لکھوایا کرتے تھے یعنی اے اللہ تیرے نام سے شروع کرتا ہوں کیونکہ جاہلیت کے زمانے میں عرب اپنی تحریریں اسی کلمہ سے شروع کیا کرتے تھے۔ ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چار فرمانوں یعنی خطوں میں یہ کلمہ لکھوایا ہے۔ یہ کلمہ سب سے پہلے امیہ ابن صلت نے لکھا تھا۔ غرض اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا پ ۱۲ سورہ ہود ع ۴ آیت ۴۱

ترجمہ:- اور نوحؑ نے فرمایا کہ آؤ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اور کچھ اندیشہ مت کرو کیونکہ اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا سب اللہ تعالیٰ ہی کے نام سے ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے بسم اللہ لکھوانا شروع کیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۱۱ آیت ۱۱۰

ترجمہ :- آپ فرما دیجئے کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔
اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے اپنی تحریروں میں "بسم اللہ الرحمٰن" لکھوانا شروع کر دیا۔
پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (الآیہ ۳ پ ۱۹ سورہ نمل ع ۱)

ترجمہ :- وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ مضمون ہے اول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوانا شروع کیا۔

اسی طرح شعبی سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورہ نمل نازل ہونے کے بعد ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنی شروع فرمائی ہے۔

اب ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ کسی سورت کے شروع میں نازل نہیں ہوئی۔ اسی بات کی تائید علامہ سہیلی کے اس قول سے ہوتی ہے جو یہ ہے کہ

پھر اس کے یعنی وانه بسم الله الرحمن الرحيم کے نازل ہونے کے بعد حضرت جبرئیل جب آتے تو ہر سورت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ لے کر آتے۔ (ی) تاکہ دو سورتوں کے درمیان امتیاز اور فرق ہو سکے کتاب سوادء مصحف میں اسی بات پر تمام صحابہؓ کا اجماع اور اتفاق ثابت کیا گیا ہے یہاں تک علامہ سہیلی کا کلام ہے۔

مگر یہ اجماع اور اتفاق کا دعویٰ اپنی جگہ قابل غور ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ تمام سورتوں کی ابتدا نہیں ہے بلکہ یہ صرف سورتوں کے درمیان فصل اور امتیاز کرنے کے لئے ہے۔ حالانکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ بعض روایتوں کی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کے شروع میں نازل ہوئی ہے۔

<u>بسم اللہ تمام آسمانی کتابوں کے شروع میں نازل ہوئی</u>...... علامہ ابوبکر تونسی نے تمام امت کے علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام کتابیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع فرمائیں ہیں۔

کتاب اتفاق میں دار قطنی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے کسی صحابی سے فرمایا۔
"میں تمہیں ایک ایسی آیت بتلاتا ہوں جو سلیمانؑ کو چھوڑ کر میرے سوا کسی نبی پر نازل نہیں ہوئی وہ ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔"

اس حدیث سے وہ بات ثابت ہوتی ہے جو کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ مگر گذشتہ حدیث میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ سلیمانؑ کو چھوڑ کر میرے سوا کسی نبی پر نازل نہیں ہوئی۔ اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ سلیمانؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان حضرت عیسیٰؑ ہوئے ہیں جن پر کتاب انجیل نازل ہوئی ہے (اور پیچھے یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر آسمانی کتاب بسم اللہ سے شروع فرمائی ہے)۔

<u>بسم اللہ کے نزول کے وقت تمام پہاڑوں نے تسبیح کی</u>...... نقاش سے روایت ہے کہ جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی تو تمام پہاڑوں میں سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے کی آواز آئی۔ اس پر قریش نے کہا۔
"محمد ﷺ نے پہاڑوں پر بھی جادو کر دیا ہے۔"

علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس موقع پر پہاڑوں نے خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح

بیان کی ہوگی کیونکہ بسم اللہ حقیقت میں جب داؤدؑ کی اولاد پر نازل ہوئی تھی تو پہاڑ داؤدؑ کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے واللہ اعلم۔

ورقہ ابن نوفل کا آخرت میں مقام...... (غرض اس کے بعد ورقہ ابن نوفل کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ سے ان کی بات ہوئی تو انہوں نے کہا تھا کہ آپ بے شک اس امت کے نبی ہیں اور اگر میں نے وہ زمانہ پایا جب آپ کفار کے ساتھ جہاد فرمائیں گے تو میں آپ کی پوری پوری مدد کروں گا) مگر اس کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ علامہ سبط ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ ورقہ وہ آخری قریشی ہیں جو فترت (یعنی دو نبیوں کے درمیان کے خالی زمانے میں) مرے۔ ان کو جون کے مقام پر دفن کیا گیا یہ مسلمان نہیں تھے۔ اسی بات کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے اگرچہ اس روایت کی سند میں کمزوری ہے۔ اس میں ہے کہ ورقہ نصرانی مذہب پر مرے ہیں (حالانکہ ان کا انتقال آنحضرت ﷺ کی نبوت ملنے کے بعد ہوا، مگر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کو آپ کی نبوت کا زمانہ ملا اور اس نے آپ کی نبوت کی تصدیق بھی کر دی مگر آپ کی رسالت یعنی پیغمبری کا زمانہ نہیں پاسکا تو وہ مسلمان نہیں کہلائے گا بلکہ فترت کے لوگوں میں سے شمار ہوگا (فترت کے زمانے کے لوگوں کے متعلق تفصیلات سیرت حلبیہ اردو کی پچھلی قسطوں میں گزر چکی ہیں)۔

نبوت اور رسالت کے درمیان فرق یہ ہے کہ نبوت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرئیلؑ کے وحی لے آجانے سے ثابت ہو جاتی ہے اور رسالت سے مراد ہے کہ نبی کو کوئی شریعت دے کر اس کی تبلیغ کرنے اور لوگوں کو اس کی طرف بلانے کا حکم دیا جائے۔ اس لئے نبوت پہلے ہوتی ہے اور رسالت بعد میں ہوتی ہے یہی فرق نبی اور رسول میں ہے)۔

جب وہ ورقہ ابن نوفل کا انتقال ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"میں نے قِس یعنی ورقہ کو جنت میں دیکھا ان کے بدن پر ریشمی لباس تھا۔"

(ی) قِس قاف کے زیر کے ساتھ نصرانیوں کے عالم سردار کو کہتے ہیں جیسے پادری اور قاف کے زبر کے ساتھ اس کے معنی ہیں کسی چیز کو ڈھونڈھنے والا۔ مگر قاموس میں ہے کہ قِس کے معنے کسی چیز کو ڈھونڈھنے اور تلاش کرنے کے ہیں جیسے تقسس جس کے معنی ہیں ڈھونڈھنا۔ اور اگر قاف کے زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی ہیں اونٹوں کا مالک یا ایسا اونٹوں کو چرانے والا جو انہیں کبھی تنہا نہ چھوڑے۔ اسی طرح قاف کے زبر کے ساتھ اس کے معنی نصرانیوں کا مذہبی عالم اور پیشوا بھی ہیں۔

اسی طرح ورقہ کے متعلق ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ میں نے ورقہ کو جنت کے باغوں میں اس حالت میں دیکھا کہ ان کے جسم پر قیمتی ریشمی کپڑے ہیں۔" ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ

"میں نے ورقہ کو دیکھا اور اس طرح دیکھا کہ وہ سفید لباس پہنے ہوئے ہیں حالانکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر وہ دوزخیوں میں سے ہوتے تو ان کے جسم پر سفید کپڑے نہ ہوتے۔"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں (: اس روایت میں یہ نہیں ہے کہ ان کو جنت میں دیکھا) تیسری روایت میں صاف یہ ہے کہ ورقہ کو آپ نے جنت میں نہیں دیکھا۔ اب یہ کہا جائے گا کہ آپ نے ان کو ایک سے زیادہ مرتبہ دیکھا۔ جہاں تک دوسری روایت کا تعلق ہے اس میں پہلی میں کوئی فرق نہیں ہے (کیونکہ پہلی روایت میں ریشمی

کپڑوں کے لئے ثیاب حریر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور دوسری روایت میں ریشمی کپڑوں کے لئے سندس کا لفظ استعمال کیا گیا ہے دونوں کے معنے ایک ہی ہیں) اس لئے کہ سندس بھی حریر یعنی ریشم ہی کی ایک قسم ہے۔ اس لئے ان دو روایتوں کے متعلق تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دو الگ الگ مرتبہ دیکھا ہو (البتہ تیسری روایت سے یہی ظاہر ہے کہ اس دفعہ دوسری بار دیکھا) واللہ اعلم۔ ایک روایت میں ہے۔

"ورقہ کو برا بھلا مت کہو اس لئے کہ میں نے ان کے لئے جنت۔ یا دو جنتیں۔ دیکھی ہیں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان لائے اور انہوں نے میری تصدیق کی تھی۔"

(ی) یعنی تبلیغ جس کو رسالت کہا جاتا ہے کہ شروع کرنے سے پہلے انہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی۔ لہٰذا اب آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے لئے ایک جنت یا دو جنتیں آراستہ کی گئی ہیں۔ اس بارے میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ کچھ اہل فترت (یعنی دو نبیوں کے درمیانی زمانے کے لوگ) جنتی ہوں۔ یہ ساری بحث اس لئے ہے کہ اگر ورقہ حقیقت میں مسلمان ہوتے یعنی انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تبلیغ کا زمانہ پایا ہوتا اور اس کی تصدیق کی ہوتی تو آنحضرت ﷺ یہ نہ فرماتے کہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ جنتی نہ ہوتے تو ان کے بدن پر سفید کپڑے نہ ہوتے۔

<u>کیا ورقہ مسلمان تھے</u>...... جہاں تک علامہ ابن کثیر کا تعلق ہے تو وہ اس پر یقین ظاہر کرتے ہیں کہ ورقہ مسلمان تھے بعض علماء نے بھی کہا ہے کہ یہی بات تمام بڑے بڑے علماء بھی مانتے ہیں جس کی بنیاد یہ ہے کہ ورقہ نے تبلیغ اور دعوت اسلام کا زمانہ پایا ہے جس کو رسالت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں کتاب امتاع میں ہے کہ ورقہ کا انتقال نبوت کے چوتھے سال میں ہوا ہے۔ اسی بات کی تائید آگے آنے والی ابن اسحاق اور کتاب خمیس کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔

اس روایت کے بعد آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد واضح ہو گیا کہ۔ وہ مجھ پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے میری تصدیق کی تھی۔ مگر پھر بھی آپ ﷺ کے اس جملے کی وجہ سے مشکل باقی رہتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ۔ میں سمجھتا ہوں اگر وہ جنتی نہ ہوتے تو ان کے جسم پر سفید کپڑے نہ ہوتے۔ آگے علامہ ذہبی کا جو قول آرہا ہے وہ بھی اس بات کے خلاف ہے کہ ورقہ مسلمان تھے۔ اسی طرح علامہ سبط ابن جوزی کا یہ قول بھی اس کے خلاف ہے جس میں انہوں نے ورقہ کو اہل فترت میں سے شمار کیا ہے۔

<u>آغاز وحی کے قصے کی حکایت</u>...... یحیٰ ابن بکیرؒ سے روایت ہے کہ میں نے جابر ابن عبداللہ سے وحی کے شروع ہونے کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا۔

"میں تمہیں وہی بتلاتا ہوں جو آنحضرت ﷺ نے ہمیں بتلایا ہے آپ نے وحی شروع ہونے کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ۔ میں حراء میں تنہائی نشین تھا جب میری خلوت کا زمانہ پورا ہو گیا تو میں پہاڑ سے اترنے لگا اچانک مجھے کسی پکارنے والے نے پکارا میں نے اپنی دائیں جانب دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا پھر میں نے اپنے بائیں جانب دیکھا مگر وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ پھر میں نے اپنے پیچھے دیکھا مگر وہاں بھی کوئی سامنے نہ تھا۔ آخر میں میں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو مجھے آسمان اور زمین کے درمیان کوئی چیز نظر آئی۔ ایک روایت کے یہ لفظ ہیں کہ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ جو میرے پاس غار میں آیا تھا ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ ایک روایت میں اسکے بعد یہ لفظ ہیں کہ وہ فرشتہ چہار زانو بیٹھا ہوا ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ وہ

فرشتہ آسمان وزمین کے بیچ میں ایک تخت پر بیٹھا ہوا ہے میں اس کو دیکھ کر بے حد خوفزدہ ہو گیا۔اس کے بعد میں خدیجہ کے پاس آیا اور میں نے ان سے کہا۔ دثرونی یعنی مجھے کوئی چادر اڑھادو۔

ایک روایات میں یہ لفظ ہیں ۔ زملونی . زملونی . یعنی مجھے کوئی کپڑا اڑھادو۔مجھے کوئی کپڑا اڑھادو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو ۔"چنانچہ انہوں نے مجھے کپڑا اڑھادیا اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالا۔تب یہ آیت نازل ہوئی۔

یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ،قُمْ، فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ لآیہ پ ۲۹ سورہ مدثر ع ۱

ترجمہ :۔اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو(یعنی اپنی جگہ سے اٹھو یا یہ کہ مستعد ہو) پھر (کافروں کو) ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے۔

سب سے پہلے ڈرانے کا حکم کیوں دیا گیا......اس آیت پاک کے سلسلے میں ایک نکتہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کو ڈرایئے مگر اس کے بعد یہ نہیں کہا گیا کہ اور انہیں خوشخبری بھی دیجئے (کہ ایک طرف آخرت کے حساب کتاب، حشر ونشر اور جہنم سے ڈرایا گیا تھا تو دوسری طرف جنت اور آخرت کی نعمتوں کے متعلق خوش خبری بھی دی جاتی) کیونکہ آپ کا ظہور جس طرح ڈرانے کے لئے تھا اسی طرح خوشخبریاں دینے کے لئے بھی تھا لیکن یہاں ڈرانے کے ساتھ خوشخبری اس لئے نہیں دی گئی کہ خوشخبری دراصل ان لوگوں کے لئے ہوتی ہے جو ایمان لے آتے ہیں اور اس وقت تک کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو ایمان لے آیا ہو کیونکہ تبلیغ شروع نہیں ہوئی تھی۔اب اس گذشتہ روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورہ مدثر کی یہ آیت سب سے پہلے نازل ہوئی ہے یعنی اقراء سے بھی پہلے (کیونکہ اس روایت میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ وحی کی ابتداء کیسے ہوئی مگر اس میں اقراء کا کہیں ذکر نہیں ہے) اس کے علاوہ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نبوت اور رسالت یعنی پیغمبری ایک ساتھ دی گئیں (کیونکہ نبوت تو فرشتے کے وحی لے کر آنے سے ثابت ہو گئی اور رسالت اس لئے ثابت ہو گئی کہ اگر سب سے پہلے "یاایہاالمدثر" ہی نازل ہوئی ہے تو اس میں آپ کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ لوگوں کو ڈرائیں یعنی اللہ تعالی کا پیغام دوسروں تک پہنچائیں اور تبلیغ فرمائیں کہ یہی رسالت ہے)۔

امام نووی کہتے ہیں کہ یہ قول کہ سب سے پہلے یاایہاالمدثر نازل ہوئی ہے بہت کمزور ہے یہاں تک کہ باطل کی حد تک ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ آیت فترت وحی یعنی اس وقفے کے بعد نازل ہوئی جس میں وحی کا آنا اچانک رک گیا تھا۔یہ بات اسی روایت کے اس حصے سے ثابت ہوتی ہے جہاں کہا گیا ہے کہ۔پھر میرے پاس وہی فرشتہ آیا جو حراء میں آیا تھا (یعنی اس سے پہلے غار حراء میں آپ کے پاس وہی فرشتہ اقراء لے کر آچکا تھا)

اسی طرح بخاری کی ایک روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے (کہ یاایہاالمدثر وقفہ وحی کے بعد نازل ہوئی ہے) بخاری میں اس جابر والی حدیث کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس میں آنحضرت ﷺ نے وقفہ وحی کے متعلق بیان فرمایا ہے وحی کی ابتداء کے متعلق بیان نہیں فرمایا۔لہذا پچھلی سطروں میں جو یہ کہا گیا ہے کہ جابرؓ سے وحی کے شروع ہونے کے متعلق سوال کیا گیا (تو انہوں نے یہ حدیث بیان کی) اس میں شبہ ہے۔اسی طرح آگے حضرت جابرؓ کی اسی حدیث میں جہاں یہ کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"میں غار حراء میں خلوت نشین ہوا اور جب میری خلوت نشینی کی مدت پوری ہو گئی تو پہاڑ سے اترا۔"

اس میں بھی شبہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ غار حراء میں وقفہ وحی سے پہلے جاکر خلوت نشین ہوا

کرتے تھے۔اب اس بارے میں یہی کہا جا سکتا تھا کہ حضرت جابرؓ نے دو روایتیں بیان کی ہوں گی ایک وحی کے شروع ہونے کے متعلق اور دوسرے وحی کا سلسلہ رک جانے یعنی وقفہ وحی کے بعد کے متعلق ہو گی۔ لیکن راوی کو بیان کرنے میں مغالطہ ہو گیا اور اس نے دونوں کو ایک دوسرے میں ملا کر ایک کر دیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت کے پہلے حصہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں وحی کے شروع ہونے کا حال بیان کیا گیا ہے اور بعد کے حصے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں وقفہ وحی کے بعد کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ادھر یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ وحی رک جانے کے زمانے میں بھی غار حراء میں جا کر تنہائی نشین ہوا کرتے ہوں (کیونکہ وحی کا سلسلہ اچانک رک جانے پر

آنحضرت ﷺ بہت غمگین اور پریشان رہتے تھے اس لئے ممکن ہے آپ اس امید میں غار حراء میں جا کر بیٹھا کرتے ہوں کہ شاید وحی کا سلسلہ پھر شروع ہو جائے)

اسی بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو بیہقی میں مرسل ابن عبید ابن عمیر سے روایت ہے کہ۔ "آنحضرت ﷺ ہر سال ایک مہینہ یعنی رمضان میں تنہائی نشین ہوا کرتے تھے اور یہ وقفہ وحی کے دوران کی بات ہے۔"

اب اس بارے میں مختلف روایتیں ہو گئی ہیں کہ سب سے پہلے کون سی آیت نازل ہوئی۔ ان کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا بیان آگے آئے گا۔

خدیجہؓ کی طرف سے جبرئیلؑ کے متعلق امتحان...... حضرت زبیرؓ کے غلام اسماعیل ابن ابو حکیم حضرت خدیجہؓ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"کیا آپ مجھے اپنے پاس آنے والے اس دوست کے متعلق اس وقت بتلا سکتے ہیں جب وہ آپ کے پاس آئے۔"

آپ نے فرمایا۔ "ہاں!"۔ یہ واقعہ قرآن پاک یعنی اقراء کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور اس صورت میں ہے جبکہ اقراء کو سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت مانا جائے لیکن اگر اس کو قرآن پاک کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ مانا جائے تو حضرت خدیجہؓ کے اس جملے میں اشکال ہو گا کہ۔ جو آپ کے پاس آتا ہے (کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ وحی لے کر آتا ہو گا) اس شبہ کو دور کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جس کو آپ جب دیکھتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو سامنے کر دیتا ہے۔

(غرض آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ ہاں جب وہ میرے پاس آئے گا تو میں تمہیں بتلا دوں گا)۔

چنانچہ اس کے بعد جب حضرت جبرئیلؑ آئے تو آپ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔

"خدیجہ! یہ جبرئیلؑ میرے پاس آئے ہیں۔ یعنی میں ان کو دیکھ رہا ہوں۔"

مگر علامہ ابن حجر ہیثمی کی آگے ایک روایت آئے گی کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کے بعد کا ہے۔ (غرض جب آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ بتایا کہ اس وقت جبرئیلؑ میرے سامنے موجود ہیں تو حضرت خدیجہؓ نے آپ سے کہا

"اٹھئے میرے چچا کے بیٹے اور میری ران پر بیٹھ جایئے!"

چنانچہ رسول اللہ ﷺ اٹھے اور حضرت خدیجہؓ کی ران پر آکر بیٹھ گئے۔ تب حضرت خدیجہؓ نے پوچھا۔

"کیا اب بھی آپ اس فرشتے کو دیکھ رہے ہیں۔"

آپ نے فرمایا۔ "ہاں!"

اب حضرت خدیجہؓ نے آپ سے کہا

"اب آپ اپنا رخ ادھر کر کے میری گود میں بیٹھ جایئے۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ اپنا چہرہ ان کی طرف کر کے ان کی گود میں بیٹھے گئے۔ تب حضرت خدیجہؓ نے پھر پوچھا۔

"کیا اب بھی آپ ان کو دیکھ رہے ہیں۔" ۔ آپ نے فرمایا ۔ "ہاں!"

اب حضرت خدیجہؓ نے اپنی اوڑھنی بھی اتار دی (جس سے اوپر کا جسم عریاں ہو گیا) جبکہ آنحضرت ﷺ ان کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اب انہوں نے پھر پوچھا۔

"کیا اب بھی آپ ان کو دیکھ رہے ہیں۔" ۔ آپ نے فرمایا ۔ "نہیں!" تب حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا۔

تصدیق...... "میرے چچا کے بیٹے! یقین کیجئے اور آپ کو خوشخبری ہو۔ کیونکہ خدا کی قسم یہ فرشتہ ہی ہے شیطان ہرگز نہیں ہو سکتا (کیونکہ اگر شیطان ہوتا تو شوہر بیوی کے اس جنسی تعلق کے موقع پر ہرگز نہ جاتا جبکہ فرشتہ ایسے موقعہ پر حیا اور شرم کی بناء پر وہاں موجود نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت خدیجہؓ نے اس وقت اپنی اوڑھنی اتاری جبکہ آنحضرت ﷺ ان کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے حضرت جبرئیلؑ فوراً" وہاں سے چلے گئے) اسی واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

واتاه في بيتها جبرائيل
ولذى اللب في الامور اتياء

فاما طت عنها الخمار لتدرى
اهو وا الوحى ام هو الغماء

فاختفى عند كشفها الرائس
جبرئيل فما عادا وا عيد العظاء

فاستبانت خديجته انه الكنز
الذى حاولته و الكيمياء

مطلب...... حضرت خدیجہؓ کے گھر میں ابن حجر کے قول کے مطابق ۔ بعثت یعنی نبوت کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس جبرئیلؑ آئے جو وحی خداوندی کے امین ہیں۔ عقلمند لوگ ایسے معاملوں کو سمجھنے کے لئے جن میں کوئی شک و شبہ ہو اپنی سوجھ بوجھ سے نئے اور انوکھے طریقے استعمال کرتے ہیں چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے اپنی زبردست دانائی اور عقلمندی سے یہ طریقہ استعمال کیا کہ ایک خاص موقعہ پر اپنا روپٹہ سر سے اتار دیا تاکہ

اس بات کی تہہ کو پہنچ سکیں کہ آیا وہ ہستی جو آنحضرت ﷺ کے پاس آتی ہے اس وحی خداوندی کی امین ہے جو وہ آپ سے پہلے دوسرے نبیوں کے پاس لے کر آتی رہی ہے یا یہ کوئی بیہوشی اور بیماری ہے جو انبیاء کو بھی آسکتی ہے (کیونکہ بعض بیماریاں ایسی ہیں جو نبیوں پر طاری ہونی ممکن نہیں ہے جیسے جنون اور مالیخولیا کیونکہ نبوت کا دارومدار عقل اور کمال عقل پر ہوتا ہے اس لئے حق تعالیٰ کی طرف سے اس بارے میں ان کی خاص حفاظت ہوتی ہے اور یہ بیماریاں ان کے لئے ممکن نہیں ہیں۔

ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ بظاہر اس بیہوشی یا غشی سے وہ غشی بھی مراد ہو سکتی ہے جو جنات کے اثر سے ہو سکتی ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے اس کا امتحان لیا اور آنحضرت ﷺ کو اپنی آغوش میں لے کر اپنی اوڑھنی اتار دی جس کے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب مجھے وہ فرشتہ نظر نہیں آرہا ہے۔ یعنی اس حالت کو دیکھ کر فرشتہ حیاء کی وجہ سے وہاں سے چلا گیا اور اس کے بعد ہی واپس آیا جب حضرت خدیجہؓ نے اپنی اوڑھنی سے سر ڈھانپ لیا اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو گئی کہ آنحضرت ﷺ کے پاس آنے والا فرشتہ یعنی نیک اور بلند مخلوق ہی ہے کوئی جن یا شیطان نہیں ہے کیونکہ یہ فرشتے ہی کا مقام ہے کہ وہ عورت کو کھلے سر دیکھ کر حیا اور شرم کرتا ہے جب کہ جن اور شیاطین ہرگز شرم و حیا نہیں کرتے۔

تشریح...... جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نبوت سے پہلے بھی ایک آدھ دفعہ اس قسم کی غشی سے دوچار ہونا پڑا۔ اس روایت کو ابن اسحاق نے اپنے شیوخ سے نقل کیا ہے مگر یہ روایت بے بنیاد ہے اس پر کسی نے توجہ نہیں دی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر اپنی بے پایا شفقت و رحمت کے سبب پہلے ہی یہ کیفیت طاری فرمائی تاکہ آپ اس کے عادی ہو جائیں اور جب اچانک آپ پر وحی کے بوجھ کی وجہ سے یہ کیفیت طاری ہو تو وہ آپ کے لئے ناقابل برداشت نہ ہو بلکہ آپؐ کا قلب و دماغ اس کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو چکا ہو مگر یہ حقیقت میں سبائی روایتیں ہیں جو دشمنان اسلام کی طرف سے پھیلائی گئی ہیں۔

اس بارے میں آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد گزرا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ جب اقراء لے کر آئے اور انہوں نے آپ کو بھینچا تو آپ کو سخت تکان اور تعب ہوا اس پر علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۷ پر لکھا ہے کہ۔

ابو سلیمان خطابیؒ کہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ ایسا اس لئے کیا گیا تاکہ آپ کی قوت برداشت اور صبر و تحمل کو کمال درجہ تک پہنچا دیا جائے اور آپ اس بوجھ اور مشقت کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جائیں جو وحی ا صورت میں آپ پر پڑنے والا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا کہ جب وحی آتی تھی تو اس کے بوجھ اور کلام الٰہی کے ب کی وجہ سے آپ کی کیفیت ایسی ہو جاتی تھی جیسی اس شخص کی ہو جس کو تیز بخار ہو رہا ہو یعنی چہرہ تمتماتا جاتا ا اور آپ تھکن کی وجہ سے پسینے سے شرابور ہو جایا کرتے تھے۔

خطابی کے سوا ایک دوسرے محدث نے لکھا ہے کہ ایسا کئی وجہوں سے کیا گیا جن میں سے ایک یہ ہے آپ اس محنت کے ذریعہ اس کلام الٰہی کی عظمت کو برداشت کرنے کے لئے قابل ہو جائیں جو آپ پر نازل نے والا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا (پ ۲۹ سورہ مزمل ع ۱) آیۃ

ترجمہ :- ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں۔
تو اگر اس قول کو صحیح مان بھی لیا جائے کہ آپ کو وحی کے نازل ہونے سے پہلے بھی اس قسم کی کیفیت سے دو چار ہونا پڑا ہے تو اس کا سبب بھی یہی ہے کہ اس طرح آپ کو اس محنت اور مشقت کا خوگر بنانا منظور تھا جو وحی کے بوجھ کی صورت میں آپ پر پڑنے والی تھی۔ تشریح ختم۔ مرتب)۔
ان شعروں میں جو پچھلی سطروں میں نقل کئے گئے ہیں شاعر نے فرشتے کی آمد اور آنحضرت ﷺ کو پیش آنے والے ان حالات کو خزانے اور کیمیا سے تشبیہ دی ہے کیونکہ یہ ایک عظیم اور انتہائی بلند مرتبہ چیز تھی۔ اور خزانہ اور کیمیا دونوں ایسی ہی چیزیں ہیں جو دنیا میں گنے چنے خوش قسمت لوگوں کو ملتی ہیں۔
اقول ۔ مؤلف کہتے ہیں: کتاب خصائص کبریٰ میں بھی یہی ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے اس طریقے سے جو تصدیق اور اطمینان کیا وہ اس وقت کی بات ہے جبکہ فرشتہ آنحضرت ﷺ کو صرف نظر آیا کرتا تھا آپ کے پاس نہیں آتا تھا۔ بعض محققوں نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے ورقہ ابن نوفل کی ہدایت پر ایسا کیا تھا۔ انہوں نے حضرت خدیجہؓ سے کہا تھا۔
"تم اسی جگہ جاؤ جہاں ان کو یعنی آنحضرت ﷺ کو وہ ہستی نظر آئی ہے اور جب وہ اس کو پھر دیکھیں تو تم اپنا سر اور چہرہ کھول لینا۔ اب اگر وہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوگا تو اس موقعہ پر غائب ہو جائے گا۔"
(چنانچہ حضرت خدیجہ کے مکان میں جب آنحضرت ﷺ نے پھر فرشتے کو دیکھا (اور حضرت خدیجہ کے کہنے کے مطابق آپ نے اس کو بتلایا کہ یہ جبرئیل اس وقت مجھے نظر آرہے ہیں) تو حضرت خدیجہؓ نے وہ سب کیا (جس کا پچھلی سطروں میں ذکر ہوا ہے) چنانچہ حضرت خدیجہ فرماتی ہیں۔
جب میں نے اوڑھنی اتار کر سر کھول دیا تو جبرئیلؑ غائب ہوگئے اور آنحضرت ﷺ کو نظر آنے بند ہوگئے چنانچہ میں ورقہ کے پاس واپس آگئی (اور ان کو سب حال بتلایا) تو ورقہ نے کہا
بے شک ان کے پاس ناموس اکبر ہی آتے ہیں۔"
(ناموس خیر اور بھلائی کی خبر لانے والے کو کہتے ہیں اور برائی کی خبر لانے والے کو جاسوس کہا جاتا۔ چونکہ حضرت جبرئیلؑ تمام نبیوں کے پاس اللہ کے سفیر کی حیثیت سے آئے ہیں اور حق تعالیٰ کے فرمان لے کر آتے رہے ہیں اس لئے ان کو ناموس اکبر کہا جاتا ہے)۔
صحابی کی تعریف...... کتاب فتح الباری ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ورقہ کہیں جارہے تھے کہ انہوں نے دیکھا مشرکین حضرت بلال حبشیؓ کو (ان کے اسلام قبول کرنے کی سزائیں) تکلیفیں پہنچارہے ہیں (حالانکہ اس سے پہلے یہ قول گزرا ہے کہ ورقہ آنحضرت ﷺ کی رسالت و تبلیغ سے پہلے ہی) انتقال کر گئے تھے۔ اس روایت میں حضرت بلال کو سزائیں بھگتتے ہوئے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ورقہ اسلام کے بعد کئی سال تک زندہ رہے) اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ورقہ اسلامی تبلیغ شروع ہو جانے کے بعد بھی زندہ تھے اور یہاں تک کہ اس وقت تک زندہ رہے جبکہ بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔
ادھر کتاب خمیس میں صحیحین کے حوالے سے ہے کہ ورقہ کی زندگی میں برابر آنحضرت ﷺ پر وحی آتی رہی اور یہ کہ ورقہ آپ پر ایمان لے آئے تھے۔ یہ بات جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کتاب امتاع کے اس قول کے مطابق ہے کہ ورقہ نے آنحضرت ﷺ کے ظہور کے چار سال بعد وفات پائی ۔ مگر علامہ جوزی اور ذہبی کے

قول کے خلاف ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ ورقہ کا انتقال نبوت کے بعد مگر رسالت یعنی تبلیغ کے حکم سے پہلے ہو گیا تھا کیونکہ تبلیغ اسلام کا حکم نبوت کے بعد ہوا تھا۔ ورقہ کے رسالت سے پہلے انتقال کر جانے کی بات ان کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے بڑی آرزو کے ساتھ کہا تھا کہ کاش میں وہ زمانہ پاؤں۔ اس آرزو کے متعلق یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اس سے مراد یہ تھی کہ کاش میں دعوت اور تبلیغ اسلام کا زمانہ پاؤں۔

(ی) اب جو لوگ نبوت کے وقت زندہ تھے مگر رسالت یعنی تبلیغ کے حکم سے پہلے انتقال کر گئے تو وہ مسلمان نہیں کہلائیں گے بلکہ اہل فترت کہلائیں گے (جو وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے کسی بھی نبی کا زمانہ نہ پایا ہو اور اس وقت تک پچھلے نبی کی تعلیمات اور شریعت مٹ چکی ہو) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس ایمان سے آدمی کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور جس کے ذریعہ وہ جنت کا مستحق اور ہمیشہ دوزخ میں رہنے سے محفوظ ہو سکتا ہے وہ صرف وہی ایمان ہے جس کے تحت اس نے ان تمام باتوں کی دل سے تصدیق کی ہو جن کو وہ جانتا ہے کہ یہ سب چیزیں رسول اللہ ﷺ کا دین اور شریعت ہیں یعنی آپ ان تعلیمات کے ساتھ بھیجے گئے ہیں چاہے اس نے قدرت کے باوجود زبان سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یعنی ایک ہونے اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کی گواہی نہ دی ہو کیونکہ یہ مطلوب نہیں ہے (بلکہ مطلوب دل سے تصدیق کرنا ہے) مگر ایک قول یہ ہے کہ اس دلی تصدیق کے ساتھ اس شخص کے لئے زبان سے یہ دونوں شہادتیں بھی کہنی ضروری ہیں جو اس پر قدرت رکھتا ہو اب جس نے آپ کے رسالت کا زمانہ پایا اور مسلمان ہو گیا وہ صحابی کہلائے گا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب اصابہ میں تردد اور شبہ ظاہر کیا ہے کہ ورقہ کو رسالت کے بعد مسلمان کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کی صحبت میسر آئی ہے۔ مگر بعض علماء کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب شرح نخبہ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ورقہ صحابی تھے۔ نیز یہ کہ انہوں نے بحیرا راہب اور ورقہ ابن نوفل کے درمیان یہ فرق بیان کیا ہے کہ بحیرا کے برخلاف ورقہ کو آنحضرت ﷺ کے ظہور کا زمانہ تو ملا مگر دعوت یعنی رسالت کا زمانہ نہیں ملا اور یہ بات ظاہر ہے چنانچہ صحابی کی جو تعریف پیچھے بیان کی گئی ہے وہ ان پر لاگو ہوتی ہے۔ یہاں تک علامہ ابن حجر کا کلام ہے۔

مگر علامہ ابن حجر نے صحابی کی جو تعریف پیچھے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ جس شخص کو اس حالت میں آنحضرت ﷺ کا ساتھ نصیب ہوا ہو کہ وہ آپ پر ایمان رکھتا ہو اور شرح نخبہ کی جو عبارت ہے وہ یہ ہے کہ یہ بات قابل غور ہے کہ صحابی کی یہ جو تعریف ہے کہ جس نے آنحضرت ﷺ سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو آیا اس تعریف میں وہ شامل نہیں ہے جس نے آنحضرت (کی نبوت کے بعد آپ) سے اس حالت میں ملاقات کی ہو کہ وہ اس بات پر ایمان رکھتا ہو کہ آپ عنقریب رسالت لے کر ظاہر ہوں گے اور دنیا کو تبلیغ کریں گے) یہاں یہ بات ظاہر ہے کہ کتاب شرح نخبہ میں جو کچھ ہے اس سے ان بعض علماء کے لئے اس بات کی کوئی دلیل نہیں بنتی کہ علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب اصابہ میں یہ کہا ہو کہ مجھے معلوم نہیں کہ بحیرا کو بعثت یعنی ظہور کا زمانہ ملا یا نہیں ۔ادھر علامہ ابن حجر کا یہ قول جو گزرا ہے کہ ورقہ ابن نوفل کو بعثت یعنی ظہور کا زمانہ تو ملا مگر دعوت یعنی رسالت کا زمانہ نہیں ملا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں بعثت یعنی ظہور سے مراد نبوت ہے رسالت نہیں یعنی تبلیغ کا زمانہ نہیں اور یہ کہ دعوت سے مراد رسالت ہے ظہور نہیں ہے (حالانکہ حقیقت میں ظہور سے مراد رسالت اور

تبلیغ کے حکم کے بعد کا زمانہ ہونا چاہئے نبوت کا نہیں مگر چونکہ یہاں علامہ ابن حجر نے خود یہ بات واضح کر دی ہے کہ بعثت یعنی ظہور سے ان کی مراد صرف نبوت ہے رسالت نہیں اس لئے یہاں بعثت سے نبوت ہی مراد لی جائے گی)۔

ابن اسحاق اپنے شیوخ سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن پاک کے نازل ہونے سے پہلے مکے میں آنحضرت ﷺ پر نظر کا اثر ہوا اور اس کو اتروایا گیا اور اس نظر ہو جانے کے بعد آپ پر اسی طرح غشی کی کیفیت طاری ہوئی تھی (اسی لئے وحی کے آنے پر جب آنحضرت ﷺ پر غشی کی سی کیفیت ہوئی تو) حضرت خدیجہؓ نے آپ سے عرض کیا کہ کیا آپ کو کسی نظر اتارنے والے کے پاس لے چلوں تو آپ نے فرمایا اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ کس نے آپ کی نظر اتاری اور کس طریقے سے اتاری ہے۔

تشریح..... یہ روایت بے بنیاد ہے جس کی سند کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ احقر نے اس سلسلے میں مختلف کتابیں دیکھیں مگر یہ روایت کہیں نہیں مل سکی۔ خود راوی کو بھی یہ علم نہیں ہے کہ کون نظر اتارتا تھا اور کس طرح اتارتا تھا اس لئے اس قسم کی روایتیں قابل اعتبار اور توجہ کے لائق نہیں ہیں۔ اس روایت کو اگر درست مانا جائے تو جیساکہ آگے مولف ایک دوسری روایت کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ اسی طرح اس سے بھی نظر اتارنے کا وہ واقعہ مراد ہوگا۔ جو آنحضرت ﷺ کی ولادت سے پہلے کا ہے اور جو سیرت حلبیہ اردو میں پہلے گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ جب میں محمد ﷺ کے حمل سے تھی تو میرے پاس ایک آنے والا (یعنی فرشتہ) آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ جب تمہارے یہاں پیدائش ہو تو یہ کہنا اُعِیذُہٗ بِالْوَاحِد . مِنْ شَرِّ کُلِّ حَاسِدٍ میں اس بچے کے لئے ہر حسد کرنے والے اور برا چاہنے والے کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتی ہو۔ اور اس طرح گویا آپ کی ولادت کے بعد آپ کو نظر ہو جانے یا دوسرے اثرات سے بچاؤ کے لئے آپ پر یہ دعا پڑھ کر دم کی گئی تو آپ کو نبوت سے پہلے نظر ہو جانے اور اس کو اتارے جانے کی جو روایت بیان ہوئی ہے اس سے بظاہر یہی واقعہ مراد ہوگا جس میں راوی کو غلط فہمی ہوئی ہے بظاہر گمان یہی ہے کہ فرشتے کی اس ہدایت کے بعد حضرت آمنہ نے یہ کلمات پڑھ کر حفاظت کے لئے آپ پر دم کیا ہوگا۔

حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! میرے بیٹوں کو نظر ہو گئی ہے تو کیا ہم اس کی نظر اتروا سکتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا" ہاں (!نظر کی تاثیر اتنی تیز ہے کہ) اگر کوئی چیز تقدیر پر بھی غالب آسکتی تو نظر اس سے بھی زیادہ اثر رکھتی ہے۔" (یعنی اگرچہ تقدیر کے سامنے ہر چیز ہیچ اور کمزور ہے لیکن اگر دنیا میں تقدیر سے بڑھ کر کوئی چیز ہوتی تو نظر اس پر بھی غالب رہتی۔ حدیث میں آتا ہے۔

اَلْعَیْنُ حَق ۔ یعنی نظر کی تاثیر ایک ناقابل انکار حقیقت ہے)۔

غرض پچھلے صفحوں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا کہ جبرئیلؑ حقیقت میں فرشتے ہی ہیں جو آنحضرت ﷺ کے پاس آئے کوئی جن نہیں ہیں۔ لیکن اس پر کہا جائے گا کہ اس کے باوجود آنحضرت ﷺ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ورقہ ابن نوفل کا جو قول پیچھے گزرا ہے اور جو کچھ انہوں نے بیان کیا اگر یہ

بھی جبرئیلؑ کی حقانیت اور آنحضرت ﷺ کے یقین کر لینے کے۔ لئے کافی نہیں ہے تو کہا جائے گا کہ اس کے بعد اللہ تعالی نے آنحضرت ﷺ کو وہ ضروری علم عطا فرمادیا تھا جس سے، آپ نے سمجھ لیا کہ یہ جبرئیلؑ ہی ہیں اور یہ کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اللہ تعالی کی طرف سے ہی کہہ رہے ہیں جیسا کہ حق تعالی نے خود حضرت جبرئیلؑ کو یہ ضروری علم عطا فرمادیا تھا جس سے آپ نے سمجھ لیا کہ ان کو وحی کی امانت سپرد کرنے والا اللہ تعالی ہی ہے۔

کسی مفسر نے لکھا ہے کہ جنات کی مخلوق کے شیاطین میں سے ایک شیطان آنحضرت ﷺ کا دشمن تھا اس کا نام ابیض تھا اور وہ آنحضرت ﷺ کے پاس جبرئیل کی شکل میں بھی آیا کرتا تھا۔ اب اس قول کی روشنی میں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ پھر اس کے بعد وحی کے متعلق کیسے یقین اور اطمینان ہو سکتا ہے۔ اس اعتراض کا بھی وہی جواب دیا گیا ہے کہ حق تعالی نے آنحضرت ﷺ میں ایسا ضروری علم اور شعور پیدا فرمادیا تھا جس کے ذریعہ آپ اس شیطان کو پہچان لیتے تھے اور جبرئیلؑ اور اس شیطان کے درمیان تمیز کر سکتے تھے۔ غالباً" یہ شیطان آنحضرت ﷺ کے اس قرین یعنی شیطان کے علاوہ تھا جس کے بارہ میں گذشتہ قسط میں گزرا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا (اس کے متعلق تفصیل گذشتہ قسطوں میں گزر چکی ہے

تشریح...... پچھلی سطروں میں شیطان کے جبرئیلؑ کی شکل میں آنحضرت ﷺ کے پاس آنے کے متعلق کسی مفسر کا جو قول گزرا ہے وہ نا قابل توجہ ہے جو سبائی فرقہ کی طرف سے ہی پھیلایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ پچھلے صفحات میں بحیراء راہب کا ایک قول یہ گزرا ہے کہ۔ جبرئیلؑ اللہ تعالی اور اس کے نبیوں کے درمیان سفیر اور ایلچی ہیں اور شیطان کو یہ طاقت اور جرات نہیں ہے کہ وہ جبریل علیہ السلام کی شکل میں آسکے یا ان کے نام کو ہی اپنے لئے استعمال کر سکے۔ **ظاھر ہے کہ** بحیراء کا یہ قول اس کے دماغ کی اُپج نہیں تھا وہ قدیم آسمانی کتابوں کا ایک ایسا عالم تھا کہ اس کے زمانہ میں یہ علم اس پر آکر ختم ہو گیا تھا۔ لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بحیراء نے جبرئیلؑ کے متعلق یہ بات اپنی طرف سے کہی ہے بلکہ ظاہر ہے بحیراؒ نے ان ہی قدیم آسمانی کتابوں کے حوالے سے یہ بات کہی ہے ویسے بھی ایک **معمولی عقل** اس بات کو قبول نہیں کر سکتی کہ اللہ تعالی نے شیطان کو یہ قدرت دی ہو کہ وہ اس کے مقرب ترین فرشتے اور وحی خداوندی کے امین کی شکل میں آکر ان کو دھوکہ دینے کی کوشش کر سکے۔ کیونکہ ظاہر ہے اس کے بعد نعوذ باللہ من ذالک، وحی خداوندی اور حق تعالی کے فرمان کا کیا یقین رہ سکتا ہے آنحضرت ﷺ کا اپنے متعلق ارشاد ہے کہ شیطان آپ کی شکل میں ہرگز نہیں آسکتا۔ ظاہر ہے ایسا اسی لئے ہے تاکہ پیغمبر کی ذات ہر قسم کے شک اور شبہ سے بالاتر رہ سکے اور کسی کو یہ مجال اور موقعہ نہ ہو کہ نعوذ باللہ وہ پیغمبر کی ذات پر بے اعتبار یا شک کر سکے۔ لیکن اگر شیطان کو یہ قدرت ہو کہ وہ اللہ تعالی کے وحی کے امین کی شکل میں آسکے تو پھر پیغمبر کو اس سے محفوظ رکھنے کا جو مقصد اور فائدہ ہے وہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ پیغمبر کی ذات کو قابل اعتبار تو اسی لئے رکھنا ہے کہ جو کچھ پیغام اور شریعت وہ پیش کر رہا ہے لوگوں کو اس میں کوئی شک یا شبہ نہ رہے لہذا جب تک خود اس پیغام کے نبی تک پہنچانے والے کی ذات محفوظ نہ ہو گی اس وقت تک خود نبی کی ذات کی حفاظت کا ہی کیا فائدہ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک خزانے کے دو دروازے ہوں اور خزانے کا مالک ایک دروازہ تو بند کر کے مقفل کر دے اور دوسرا دروازہ کھلا چھوڑ دے اور پھر مطمئن ہو کہ خزانہ محفوظ ہے۔ لہذا جس طرح ذات پیغمبر کو شیطان کی دستبرد سے محفوظ ماننا ضروری ہے اسی طرح جبرئیل امین کی ذات کو بھی شیطان کی دسترس سے باہر اور محفوظ ماننا ضروری ہے جبکہ پچھلے صفحات میں علماء کا یہ قول بھی گزر چکا ہے کہ۔ "جبرئیلؑ ایک عظیم فرشتے اور

معزز ایلچی اور سفیر ہیں جو اللہ تعالی کی بارگاہ میں انتہائی مقرب ہیں اور وحی خداوندی کے امین اور محافظ ہیں۔ نیز یہ کہ وہ اللہ تعالی اور اس کے تمام نبیوں کے درمیان سفیر ہیں، حق تعالی نے ان کا نام روح الامین اور روح القدس رکھا ہے اور اپنی وحی کی امانتداری کے لئے اللہ تعالی نے ان کو اپنے تمام مقرب ترین فرشتوں میں سے انتخاب کیا اور چنا ہے!"

غور کرنے کا مقام ہے کہ جس ذات کو اللہ تعالی نے اتنے بڑے بڑے اعزاز عطا فرمائے ہوں اور اتنی اہم ذمہ داری سونپی ہو کہ اس سے تمام مخلوق کی رہبری اور نجات متعلق ہے اس ذات کو کیسے اتنا غیر محفوظ چھوڑا جا سکتا ہے کہ شیطان اس کا بھروپ بھر سکے اور پھر یہی نہیں بلکہ خود پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے پاس آکر آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کر سکے نعوذ باللہ من ذالک۔ اس مفسر کا نام اور اس قول کا کوئی حوالہ بھی نہیں مل سکا کہ اس پر تفصیل سے بحث کی جا سکتی۔

ادھر علامہ ابن عماد نے لکھا ہے کہ انبیاء کے شیطان کا نام ابیض ہے (جو گویا تمام انبیاء کا دشمن ہے) مگر انبیاء کو اللہ تعالی کی طرف سے اس شیطان سے محفوظ کر دیا گیا ہے (کہ یہ دشمن ان کو کسی طرح متاثر نہیں کر سکتا) یہی ابیض نامی وہ شیطان ہے (جس کے متعلق پچھلے دور کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ اس نے) برحیص نامی راہب کو ورغلا کر گمراہ کر دیا تھا یہ ایک بڑا عابد و زاہد راہب تھا جس نے (ساری دنیا سے الگ ہو کر) پانچ سو سال تک اللہ تعالی کی عبادت کی (اور ہمیشہ یاد خدا میں مصروف رہا۔ لیکن پانچ سو سال کی عبادت کے بعد ایک روز شیطان نے اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ مجھ سے بڑھ کر عابد و زاہد کون ہو سکتا ہے اور یہ کہ میری مغفرت میں کیا شک کیا جا سکتا ہے کیونکہ میں پانچ سو سال سے اسی پہاڑ پر ہر وقت اللہ کو یاد کر رہا ہوں۔ اسی طرح اس شیطان کے وسوسہ سے اس راہب کے دل میں اپنی عبادت کے متعلق غرور و تکبر اور اپنی نجات کا یقین پیدا ہو گیا جو حق تعالی کو ناپسند ہوا۔ چنانچہ روایت ہے کہ قیامت میں جب اس کا حساب و کتاب ہو گا تو حق تعالی فرمائیں گے کہ ہم نے اپنے فضل سے اس کی مغفرت کی۔ اس پر یہ عرض کرے گا کہ یا اللہ کیا پانچ سو سال کی عبادت کے بعد بھی آپ کے فضل نے ہی میری مغفرت، ہو سکتی ہے میری اتنی طویل عبادت میری بخشش نہیں کرا سکتی یعنی میں اس عبادت گزاری کے سبب اگر جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا تو عبادت سے فائدہ ہی کیا۔

اس پر فرشتوں کو حق تعالی کا حکم ہو گا کہ اس شخص کو دوزخ کے قریب سے گزار کر ایک نظر دکھاؤ چنانچہ اس عابد کو اس طرف سے گزارا جائے گا۔ جہنم کے قریب سے ہی گزرنے پر اس کا حلق سوکھ جائے گا اور پیاس سے بلبلا اٹھے گا اور ہر ایک سے پانی کی ایک گھونٹ کی فریاد کرتا پھرے گا کہ ایک شخص کے پاس پانی کا ایک گھونٹ ملے گا۔ یہ عابد اس سے پانی مانگے گا مگر وہ یہ کہے گا کہ اگر تم اپنی عمر بھر کی عبادت مجھے دے دو تو میں یہ ایک گھونٹ پانی تمہیں دے سکتا ہوں۔ یہ عابد پیاس سے اتنا بیتاب ہو گا کہ فوراً" کہہ اٹھے گا کہ میں اپنی پانچ سو سال کی عبادت تمہیں دیتا ہوں تم یہ ایک گھونٹ پانی مجھے دے دو۔ چنانچہ پانچ سو سال کی عبادت کے بدلہ میں وہ اسے ایک گھونٹ دے دے گا۔ اس کے بعد حق تعالی اس سے فرمائیں گے کہ بتاؤ اب تمہارے پاس کیا ہے۔ تو نے پانچ سو سال کی عبادت تو ایک گھونٹ پانی کے بدلے میں دے دی اب کیا چیز ہے جس کے بھروسے پر تو اپنی مغفرت چاہے گا۔ اس پر یہ راہب توبہ کرے گا اور عرض کرے گا کہ بے شک صرف تیری رحمت اور تیرا فضل ہی ہر ایک کو بچا سکتا ہے اور میں بھی تیری رحمت ہی سے بخشا جا سکتا ہوں)۔ حق تعالی کا ارشاد ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكَ پ۲۸ سورہ حشر ع ۲ آیت ۱۶

ترجمہ :- شیطان کی سی مثال ہے کہ (اول تو) انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا۔ پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو اس وقت صاف کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہاں تک علامہ ابن عماد کا کلام ہے۔ واللہ اعلم۔

<u>تمام نبیوں پر وحی کیا انسانی آواز میں آتی تھی</u>...... حضرت ابن عباسؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "انبیاء میں کچھ ایسے نبی بھی گزرے ہیں جو فرشتے کی) صرف آواز سنتے تھے۔ (ی) لیکن بولنے والے کو نہیں دیکھ سکتے تھے اور وہ نبی تھے۔"

(اب یہاں یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ بولنے والا فرشتہ ہی رہا ہو بلکہ جیسا کہ) بعض علماء کہتے ہیں ممکن ہے وہ صرف ایک آواز ہی ہوتی ہو جو اللہ تعالیٰ فضا میں پیدا فرما دیتا ہو یعنی وہ آواز کلام کی جنس سے ہی نہ ہوتی ہو (کہ اس میں حروف، الفاظ یا جملے ہی نہ ہوتے ہوں بلکہ وہ صرف ایک سپاٹ آواز ہوتی ہو) مگر اللہ تعالیٰ نے اس نبی میں وہ سمجھ پیدا فرمادی ہو جس سے وہ اس آواز کے معنی اور مراد کو سمجھ لیتا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آواز کوئی باقاعدہ پوشیدہ کلام ہی ہوتا ہو کہ جس کو سن کر اس شخص کی نبوت ثابت ہوتی ہو (تو گویا اس بات کی روشنی میں یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ نبوت کے لئے جبرئیلؑ اللہ تعالیٰ کے پاس سے وحی لے کر آئیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس طرح صرف آواز کے ذریعہ اپنی وحی پیغمبر کے پاس پہنچا دیتا ہے اور اس طرح اس شخص کی نبوت ثابت ہو جاتی ہے۔

<u>آنحضرت ﷺ کے پاس جبرائیلؑ کس طرح آتے تھے</u>...... آنحضرت ﷺ کا اپنے بارے میں ارشاد ہے۔

"میرے سامنے جبرائیلؑ اسی طرح آکر مجھ سے بات چیت کرتے ہیں جیسے تمہارے پاس کوئی ملنے والا آکر بغیر کسی پردے کے بات چیت کرتا ہے اور نظر آتا ہے۔"

ایک روایت میں اس طرح ہے۔

"میں کبھی ان کو اس طرح بھی دیکھتا ہوں جیسے اس شخص کو دیکھا جاتا ہے جو کسی جالی کے پیچھے ہو۔"

یہاں یہ بات ظاہر ہے کہ یہ دونوں حالتیں جن میں جبرئیلؑ نظر آتے ہیں وحی کے وقت کی حالتیں ہیں (یہ مطلب نہیں ہے کہ جبرئیلؑ وحی لانے کے وقت کے علاوہ بھی ہر وقت آپ کو نظر آتے رہتے تھے) اب اس کا مطلب یہ ہے کہ جبرئیلؑ یا تو دحیہ کلبی کی صورت میں ہوتے ہوں گے یا ان کے علاوہ کسی اور شکل میں (کیونکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ جبرئیلؑ اکثر دحیہ کلبی کی شکل میں آنحضرت ﷺ کے سامنے آیا کرتے تھے) چنانچہ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ۔ایک روز جبکہ ہم آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھی کہ اچانک ہمارے سامنے ایک شخص آیا جو دودھ کی طرح سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا اور جس کے بال نہایت سیاہ تھے (اگرچہ ہمارے لئے وہ بالکل اجنبی تھا اور یہ خیال ہوتا تھا کہ وہ کوئی پردیسی ہے جو باہر سے آیا ہوگا) مگر اس کے اوپر سفر (کی تکان اور گرد و غبار) کے آثار بالکل نہیں تھے اور ہم میں سے کوئی بھی اس کو پہچانتا نہیں تھا (یعنی اس شخص کی یہ بات عجیب و غریب تھی کہ وہ مقامی آدمی بھی نہیں تھا کیونکہ ہم میں سے کوئی اس کو جانتا پہچانتا نہیں تھا اور باہر سے آنے والا پردیسی بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس کے اوپر سفر کرنے کے کوئی آثار نہیں تھے۔ اس کے بعد اس حدیث کا بقیہ حصہ ہے جس کو یہاں ذکر کرنے سے چھوڑ دیا گیا کیونکہ وہ حصہ یہاں کے موضوع سے متعلق نہیں ہے) اس حدیث کے سلسلے میں بخاری کی جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ بھی

اس موقعہ پر حضرت جبرئیلؑ کو بالکل آخر میں پہچان سکے (شروع میں آپ بھی ناواقف رہے کہ یہ جبرئیلؑ ہیں) چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔

"اس وقعہ کے سوا کبھی جبرئیلؑ میرے پاس ایسی کسی صورت میں نہیں آئے کہ میں ان کو پہچان نہ سکا ہوں۔"

اسی طرح ابن حبان کی صحیح حدیث میں ہے کہ :-

"جب سے جبرئیلؑ میرے پاس آتے ہیں اس موقعہ کے سوا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کے چلے جانے تک میں ان کو پہچان نہ سکا ہوں۔"

اسی کی بنیاد پر امام سبکی نے وحی کے آنے کی تین شکلیں بتلائی ہیں اور ان کو انہوں نے اپنے قصیدہ کے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

وَلَا　زَمَكَ　النَّامُوْسُ　امَّا　بِشَكْلِه
وَامَّا　بِنَفْثٍ　اَوْبِحِلْيَةِ　دِحْيَةَ

ترجمہ :- آپ کے پاس جبرئیلؑ یا تو اپنی شکل میں آتے تھے یا بلا صورت کے آتے تھے اور یا دحیہ کلبی کی شکل میں آتے تھے۔ یہ شعر گذشتہ روایت کی روشنی میں قابل غور ہو جاتا ہے۔

کیا جبرئیل کی صرف روح انسانی شکل میں آتی تھی...... ایک قول یہ ہے کہ جبرئیلؑ آپ کے پاس جب آدمی کی شکل میں آتے تھے تو ہمیشہ بشارت و خوشخبری اور خوش آیند وعدہ لے کر آیا کرتے تھے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جبرئیلؑ آدمی کی شکل میں آتے تھے چاہے دحیہ کی شکل میں ہوں یا کسی اور کی تو کیا وہ صرف روح ہوتی تھی جو یہ شکلیں اختیار کرتی تھی۔ اور اگر ایسا تھا تو کیا جبرئیلؑ کا اصلی جسم بغیر روح کے زندہ رہتا تھا یا اس وقت تک کے لئے مردہ ہو جاتا تھا (جب تک جبرئیلؑ کی روح اس میں واپس نہیں آجاتی تھی)۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ آنے والی صرف روح نہ ہو بلکہ روح کے ساتھ جسم بھی ان ہی کا ہو کیونکہ ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ قدرت دی ہو کہ وہ اپنی شکل بدل کر جس شکل میں چاہیں سامنے آجائیں جیسا کہ جنات کو اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت دی ہوئی ہے لہذا ایسی صورت میں روح کے ساتھ جسم بھی ایک ہی رہے گا (صرف اس کی شکل بدل جائے گی)۔

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ فرشتے کے آدمی کی شکل میں آنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فرشتے کی ذات اور جنس ہی بدل کر انسان بن گئی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتہ یہ شکل بنا کر سامنے آیا تاکہ جس کے ساتھ اسے کلام کرنا ہے وہ اس کے ساتھ مانوس ہو سکے اور نہ انسان کا کمزور دل فرشتے سے ہمکلام ہونے کی طاقت نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اس انسان کو فرشتے سے ہمکلام ہونے کی طاقت عطا فرما دیں) اب ظاہر یہی ہے کہ اس صورت میں جو اصل ہیئت اور جسم ہوتا ہے وہ فنا نہیں ہوتا بلکہ دیکھنے والے کو نظر نہیں آتا۔

شیعوں کا ایک عقیدہ...... اسی بنا پر سخت قسم کے شیعہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اسی طرح یہ بات بھی عقل کے خلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کی صورت میں ظاہر ہوتا رہا ہے۔ اولاد سے مراد

شیعوں کے بقیہ گیارہ امام ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

حسنؓ، حسینؓ حسین کے بیٹے زین العابدینؒ، ان کے بیٹے محمد باقرؒ، ان کے بیٹے جعفر صادق، ان کے بیٹے موسیٰ کاظم، ان کے بیٹے علی رضا، ان کے بیٹے محمد جواد، ان کے بیٹے علی نقی، گیارہویں حسن عسکری، اور بارہویں حسن عسکری کے بیٹے مہدی جن کو شیعہ صاحب زماں کہتے ہیں کہ جو زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ جب آسمان سے اتریں گے تو ان سے ملیں گے۔

عبداللہ ابن سبا...... شیعوں کے اسی عقیدے کی (کہ نعوذ باللہ ذات باری حضرت علی میں حلول کئے ہوئے ہے)۔

ایک مثال یہ واقعہ ہے کہ ایک روز عبداللہ ابن سبا نے حضرت علیؓ سے کہا۔

"بس آپ ہی آپ ہیں ۔ یعنی نعوذ باللہ آپ ہی معبود ہیں۔"

حضرت علیؓ نے یہ سن کر (انتہائی غصے کے عالم میں) عبداللہ ابن سبا کو جلاوطن کر کے مدائن کی طرف نکال دیا اور اس سے فرمایا۔

"تو میرے ساتھ ایک شہر میں کبھی مت رہنا۔"

یہ عبداللہ ابن سبا پہلے یہودی تھا اور صنعاء کا رہنے والا تھا اس کی ماں بھی یہودی تھی اور سیاہ فام تھی اسی لئے عبداللہ کو ابن سوداء یعنی سیاہ فام کا بیٹا کہا جاتا تھا۔ یہی وہ پہلا آدمی ہے جس نے کھلے بندوں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو گالیاں دینی شروع کیں اور یہ کہا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے کسی نے کہا۔

"اگر آپ کے دل میں بھی حضرت ابو بکر و عمرؓ کے متعلق یہی بدگمانی نہ ہوتی تو یہ شخص ہرگز اس قسم کی بات کھلے بندوں کہنے کی جرات نہ کرتا۔"

یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا

"معاذاللہ ۔ میں ان دونوں بزرگوں کے بارے میں ایسے خیال سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو شخص بھی ان دونوں مقدس ہستیوں کے بارے میں بہترین اور نیک خیالات کے سوا کوئی اور خیال رکھتا ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔"

اس کے بعد ابن سبا کی طرف ایک دعوت بھیجی گئی تو اس نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے آخری دور میں اعلان کیا تھا۔ اسلام کے اس اعلان سے اس کا اصل مقصد اسلام کو مٹانا اور مسلمان کو ذلیل کرنا تھا۔ اسلام کا اعلان کرنے سے پہلے یہ شخص حضرت یوشع ابن نون کے متعلق بھی اسی عقیدے کا اظہار کیا کرتا تھا جو وہ حضرت علیؓ کے بارے میں ظاہر کرتا تھا (کہ نعوذ باللہ ان کی ذات میں خدا حلول کئے ہوئے تھا)۔

ابن سبا کے عجیب و غریب عقیدے...... حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد یہ شخص انکے متعلق کہا کرتا تھا جبکہ وہ زندہ ہیں قتل نہیں ہوئے۔ اور یہ کہ ان میں خدا کا جز تھا۔ وہ بادلوں میں پنہاں ہو کر آتے، بادلوں کی گرج دراصل ان کی آواز ہوتی ہے اور بجلی کوندا ان کا کوڑا ہوتا ہے اور یہ کہ وہ کچھ عرصے کے بعد دوبارہ زمین پر اتریں

گے اور دنیا کو اسی طرح انصاف اور بھلائی سے بھر دیں گے جس طرح آج یہ ظلم اور ناانصافی سے بھری ہوئی ہے۔
یہ شخص کھلے بندوں کہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے جیسا کہ حضرت عیسیٰ دوبارہ آئیں گے۔ یہ کہا کرتا تھا۔
"کتنی عجیب بات ہے کہ عیسیٰ کے بارے میں تو یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ دوبارہ لوٹ کر دنیا میں آئیں گے لیکن محمد ﷺ کی دنیا میں دوبارہ واپسی کو جھٹلایا جائے جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ (پ ۲۰ سورہ قصص ع ۸) آیت ۸۵

ترجمہ :- جس خدا نے آپ پر قرآن کے احکام پر عمل اور اس کی تبلیغ کو فرض کیا ہے وہ آپ کو آپ کے اصلی وطن یعنی مکے میں پھر پہنچائے گا۔
لہٰذا محمد ﷺ عیسیٰ کے مقابلے میں اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ دنیا میں لوٹ کر آئیں۔"
پھر اس شخص نے یہ اعلان کیا کہ خلافت کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے متعلق وصیت فرمائی تھی۔ یہی اس فتنے کا سبب تھا جس میں حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے جیسا کہ آگے اس کا بیان آئے گا
<u>شیعوں کا حلاجی فرقہ</u>...... اسی طرح سخت قسم کے شیعوں میں ایک فرقہ ہے جو پانچ بزرگوں یعنی آنحضرت ﷺ، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسن اور حضرت حسینؓ کی خدائی کا قائل ہے پھر ان ہی میں سے ایک فرقہ ہے جو جعفر صادق اور ان کے آباء واجداد کو بھی خدا مانتا ہے۔ یعنی حضرت حسین، ان کے بیٹے زین العابدین اور ان کے بیٹے محمد باقر، شیعوں کا یہ فرقہ حلول کے مسئلے میں حلاجیہ فرقہ کے ساتھ ہے۔ یہ فرقہ حسین ابن منصور حلاج کے پیروؤں کا ہے۔ ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ ان کو جو بھی کوئی حسین صورت نظر آتی تو یہ کہہ دیتے کہ اس میں خدا حلول کئے ہوئے ہے۔ ایسے لوگوں میں جو حلول کے قائل ہیں ایک شخص تھا جس نے آخر میں خود اپنی ہی خدائی کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اس کا نام مقنع عطاء خراسانی تھا۔ یہ فتنہ ۱۶۳ھ کا ہے۔ اس شخص نے دعویٰ کیا تھا کہ اللہ عزوجل نے پہلے آدمؑ میں حلول کیا تھا پھر نوحؑ کی صورت میں حلول کیا اور یہاں تک کہ اب میرے میں حلول کیا ہے۔ اس کا فتنہ اتنا پھیلا کہ ایک خلقت اس کے فریب میں پھنس گئی کیونکہ یہ شخص عجیب عجیب شعبدے دکھاتا تھا اور کچھ جادو اور بازیگری جانتا تھا چنانچہ یہ ایک چاند دکھلایا کرتا تھا جو اس کے شہر سے دو مہینے کی مسافت پر جو بستیاں تھیں وہاں سے بھی نظر آجاتا تھا اور اس کے بعد پھر غائب ہو جاتا تھا۔
<u>اس فرقہ کے عبرتناک انجام</u>...... آخر کچھ عرصے بعد جب اس کی پول کھل گئی تو لوگوں نے اس پر چڑھائی شروع کر دی اور اس کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ ہجوم اس قلعہ پر پہنچ گیا جہاں یہ پناہ لئے ہوئے تھا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ اس کا پول کھل چکا ہے اور لوگ قلعے پر چڑھ آئے ہیں تو اس نے قلعہ میں اپنے گھر والوں کو پانی میں زہر ملا کر پلا دیا جس سے وہ سب مر گئے اور پھر خود بھی اس نے اسی طرح اپنی جان دے دی۔ اس کے بعد لوگ قلعہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے ان سب لوگوں کو بھی قتل کر دیا جو اس کے پیروؤں میں زندہ تھے۔
<u>حلول کا عقیدہ کفر ہے</u>...... جہاں تک اتحاد اور خدا کے حلول کو ماننے کے عقیدے کا **تعلق** ہے یہ قطعاً کفر ہے علامہ عزابن عبدالسلام فرماتے ہیں۔
"جس شخص نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص یا کسی بھی چیز میں حلول کر لیتا ہے وہ کافر ہے۔"

آگے انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایسے شخص کے کافر ہونے کے سلسلے میں تمام علماء کا اتفاق ہے کوئی بھی اس فتویٰ کا مخالف نہیں ہے اور یہ کہ اس میں ایسا کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ مجسمہ کی تکفیر میں اختلاف ہے۔

چنانچہ قاضی عیاض نے بھی اپنی کتاب شفا میں لکھا ہے۔

"جو شخص بھی یہ دعویٰ کرے کہ باری تعالیٰ کسی بھی شخص کے جسم میں حلول کر لیتا ہے وہ تم مسلمانوں کے نزدیک متفقہ طور پر کافر ہے۔"

انا الحق جیسے کلمات کی حقیقت......اب اس بارے میں ایک عارف اور ولی اللہ کے کچھ جملوں سے شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ مثلاً" ایک عارف یعنی حضرت بایزید بسطامی نے کہا تھا۔

"پاک ہوں میں ۔ مجھ سے بڑھ کر کسی کا مقام نہیں ہے۔"

ایسے ہی ان کا دوسرا قول ہے کہ

"بے شک میں ہی خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس لئے میری عبادت کرو۔"

یا ان کا ایک قول ہے کہ۔ "میں ہی سب سے اعلیٰ پروردگار ہوں۔"

اسی طرح ایک دوسرا قول ہے کہ ۔ ۔ ۔ میں ہی خدا ہوں ۔ وہ میں ہوں اور میں ہی وہ ہے۔

ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان اقوال میں اللہ تعالیٰ کے حلول کرنے کا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ جہاں تک انکے اس جملہ کا تعلق ہے کہ ۔ بے شک میں ہی خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس لئے میری عبادت کرو۔ تو یہ جملہ ان کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی بات کی حکایت ہے ۔ (ی) یعنی یہ بات انہوں نے حق کی زبان سے ادا کی (جس کو اس مصرعہ سے سمجھنا چاہئے کہ ۔ ان ہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات انکی)۔

چنانچہ یہ بات اس حدیث کے مطابق ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی زبان سے کہتا ہے۔

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی بات سن لی جس نے اس کی حمد بیان کی۔"

(یعنی نمازی جب یہ کلمہ کہتا ہے تو گویا وہ حق تعالیٰ کی طرف سے کہتا ہے۔ یا حق تعالیٰ اپنا جواب اس کی زبان سے ادا کراتے ہیں ۔ اسی طرح وہ کلمہ بھی ہے جو اصل میں حق تعالیٰ کا ہے مگر اس نے اسے اپنے بندے کی زبان سے ادا کرادیا۔

عارفین کا مقام فنائیت......اب جہاں تک ان کے بقیہ دونوں جملوں کا تعلق ہے کہ

"میں ہی سب سے اعلیٰ پروردگار ہوں ۔ اور یہ کہ ۔ میں ہی خدا ہوں۔"

یہ جملے ان کی زبان سے اس لئے نکلے کہ وہ ریاضت اور سلوک الی اللہ کے آخر کنارے تک پہنچ گئے تھے یہاں تک کہ وہ توحید کے سمندر میں اس طرح غرق ہو گئے کہ ماسوا ذات باری کے ہر چیز سے بے خبر ہو گئے اور اس حالت کو پہنچ گئے کہ انہیں وجود میں سوائے ذات باری تعالیٰ کے جو واجب الوجود ہے اور سب موجودات کا خالق ہے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ یہی فنائیت کا مقام ہے کہ انسان اپنے آپ کو مٹا کر اپنا سب کچھ ذات باری کو سونپ دے اور اپنا ارادہ اور اختیار سب کچھ خدا کے اوپر چھوڑ دے۔ چنانچہ ایک عارف جب اس مقام فنا پر پہنچ جاتا ہے تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس پر جو کیفیات گزر رہی ہیں ان کے اظہار میں اس کے الفاظ کا خزانہ اور تعبیر و

بیان کا سرمایہ کم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ایسی ہی کیفیت میں حضرت ابویزید بسطامی کی زبان سے یہ کلمے جاری ہوئے جن سے ظاہر میں حلول کے عقیدے کا گمان ہوتا ہے۔

صوفیاء کے یہاں مقام فنا یا اتحاد کی اصطلاح...... صوفیاء و عارفین نے اسی مقام فنا کا نام رکھنے میں لفظ اتحاد کی اصطلاح وضع کی ہے۔ یہ اصطلاح خلاف احتیاط نہیں ہے کیونکہ مطلب یہ ہے کہ (وہ عارف عشق و فنائیت کے اس مقام تک پہنچ گیا ہے جہاں) اس کی مراد اور اس کے محبوب کی مراد اس طرح متحد ہو گئی کہ دونوں مرادیں ایک ہو گئیں اور عاشق کی مراد و ارادہ محبوب کی مراد میں گم ہو کر فنا ہو گیا۔ اب عاشق اپنے نفس کی خواہشات اور ان کی لذتوں کے لئے فنا ہو چکا ہے اب وہ اس مقام پر ہے کہ کسی چیز سے محبت رکھتا ہے تو اللہ کے لئے، نفرت کرتا ہے تو اللہ کے لئے، کسی چیز کو اپناتا ہے تو اللہ کے لئے اور چھوڑتا ہے تو اللہ کے لئے، کچھ دیتا ہے تو اللہ کے لئے اور روکتا ہے تو اللہ کے لئے تمنا کرتا ہے تو اللہ کے لئے اور مدد مانگتا ہے تو صرف اللہ سے مانگتا ہے۔ چنانچہ اللہ اور اس کا رسول ہر ماسوا کے مقابلے میں عزیز ہو جاتے ہیں۔

علامہ علی وفی نے لکھا ہے کہ صوفیاء کے کلام میں جہاں صرف لفظ اتحاد کا ذکر ہو تو ان کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ ان کی مراد حق جل مجدہ کی مراد میں فنا ہو گئی ہے۔ جیسا کہ اگر دو آمیوں نے بالکل ایک دوسرے کی مراد اور منشاء کے مطابق کام کیا تو کہا جاتا ہے کہ ان دونوں میں اتحاد ہے۔ اور اللہ تعالی کی مثال ہی سب سے اعلیٰ ہے یہاں تک علامہ علی وفی کا کلام ہے۔

اتحاد اور حلول کا فرق...... یہ اتحاد اس وحدت مطلقہ یعنی حقیقتہ ایک ہونے کے دعوے سے مختلف ہے کیونکہ وحدت مطلقہ کا دعویٰ عقل کے دائرے سے ہی باہر کی چیز ہے اسی کے متعلق سعد اور سید نے لکھا ہے کہ یہ قول باطل اور گمراہ کرنے والا ہے کیونکہ اس قول کا مطلب دو ضدوں کا ایک ہو جانا ہے (جو ظاہر ہے عقل کے خلاف ہے)۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس اتحاد کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ بندے کو جو فنا کے حال میں ہے اور پروردگار کو (جو واجب الوجود اور باقی ہے) یکجا دیکھنا جس کے معنی یہ ہوں گے کہ بندہ ایک ہی وقت میں معدوم بھی ہو گا اور موجود بھی ہو گا۔ اس بات کا ادراک صرف وہی کر سکتا ہے کہ جس کو اللہ تعالی دو متضاد اور مخالف چیزوں کے درمیان اتحاد پیدا کر کے دکھادے اور جو اس یکجائیت کو نہیں دیکھ سکتا وہ اس کو نہیں مانے گا۔

فرشتوں کو شکل بدلنے کی طاقت اور ابدال کی شان...... (اصل بحث اس پر چل رہی ہے کہ فرشتے کے دوسری صورت میں آنے کا یا تو یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ اس کی روح ایک نئی شکل میں آجاتی ہے اس صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر روح کسی دوسری شکل یا جسم میں داخل ہو کر آتی ہے تو اس فرشتے کا جو اصلی جسم ہے وہ اس عرصے میں مردہ رہنا چاہئے کیونکہ فرشتے کو اللہ تعالی نے یہ قدرت دی ہو کہ وہ اپنی شکل بدل سکتا ہو) مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ممکن ہے کہ فرشتے کے جسم ایک سے زائد ہوتے ہوں۔ اس کو ماننے کے بعد پھر یہ بھی ممکن ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالی نے فرشتے کی روح کو یہ قوت و قدرت دی ہو کہ وہ اپنے اصلی جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں بھی داخل ہو سکتی ہو جب کہ اسی وقت میں وہ اپنے اصلی جسم میں بھی کام کر رہی ہو جیسا کہ ابدال کی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنی جگہ سے کہیں چلے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود ایک دوسرے جسم میں اپنی

جگہ موجود بھی رہتے ہیں۔ یہ دوسرا جسم ان کے اصلی جسم کے مشابہ ہوتا ہے اور اصلی جسم کے بدل کے طور پر کام کرتا ہے۔

اولیاء اللہ کی کرامات...... علامہ ابن سبکیؒ نے طبقات میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامتوں کی مختلف قسمیں ہیں ان ہی میں سے انہوں نے ایک قسم یہ بتائی ہے کہ ان کے جسم ایک سے زیادہ ہوتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ یہی وہ چیز ہے جس کو صوفیاء عالم مثال کہتے ہیں اسی کی مثال قصیب بان وغیرہ کا قصہ ہے۔

شیخ عبد القادرؒ کی ایک کرامت...... اسی طرح شیخ عبد القادر طحطوطی کا واقعہ ہے جسے علامہ جلال سیوطی نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ مجھ سے لوگوں نے ایک عجیب سوال کیا کہ ایک شخص طلاق کی قسم کھاتا ہے یعنی یہ کہتا ہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اگر وہ غلط ہو تو میری بیوی پر طلاق اور اس قسم کے ساتھ کہتا ہے کہ فلاں رات شیخ عبد القادر طحطوطی نے میرے یہاں بسر کی۔ ادھر ایک دوسرا شخص بھی طلاق کی ہی قسم کھا کر یہ کہتا ہے کہ وہ رات شیخ نے میرے یہاں گزاری تھی (گویا دونوں آدمی ایک ہی رات اور ایک ہی وقت کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ وہ وقت شیخ نے میرے ساتھ گزارا اور اتنے یقین کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ اپنی اپنی بیویوں پر طلاق کی قسم تک کھا رہے ہیں)۔

(علامہ سیوطیؒ اس واقعہ سے سخت پریشان ہوئے کہ) ان دونوں میں سے کیا کسی کی بیوی پر طلاق واقعہ ہوئی یا نہیں۔ آخر انہوں نے خود شیخ عبد القادر کے پاس آدمی بھیجا اور ان سے ہی اس بارے میں معلوم کیا۔ شیخ نے فرمایا۔

"اگر چار آدمی بھی یہ بات کہیں کہ ایک ہی رات میں نے ان کے ساتھ گزاری تو وہ سچ کہتے ہیں۔"

چنانچہ اس جواب کے بعد علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ میں نے فتویٰ دے دیا کہ ان دونوں میں سے کسی کی قسم بھی جھوٹی نہیں اور کسی کی بیوی پر بھی طلاق واقعہ نہیں ہوئی) کیونکہ خیالی اور شکلی طور پر ایک ہی صورت کا کئی کئی جگہ ہونا ممکن ہے جیسا کہ جنات کے ساتھ ہوتا ہے۔

ابدال کی معنی اور عالم مثال...... کہا جاتا ہے کہ ابدال کو ابدال اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک جگہ سے چلے جاتے ہیں مگر پھر بھی اس جگہ ایک دوسرے جسم میں موجود رہتے ہیں جو ان کے اصلی جسم سے مشابہ ہوتا ہے اور اصلی جسم کے بدل کے طور پر کام کرتا ہے (اسی لئے ان کو ابدال کہا جاتا ہے) اسی کو عالم مثال کہا جاتا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ تو عالم مثال اصل میں عالم ارواح یعنی روح کے عالم اور عالم اجسام یعنی جسموں کے عالم جسے دنیا کہنا چاہئے ان دونوں کے درمیان کا ایک عالم ہے۔ یہ عالم مثال جسمانی عالم کے مقابلے میں تو لطیف ہوتا ہے اور روحوں کے عالم کے مقابلے میں کثیف ہوتا ہے (یعنی روحوں کا عالم اس عالم مثال سے بھی زیادہ لطیف اور پاکیزہ ہوتا ہے۔ تو گویا ترتیب یہ ہوتی ہے کہ سب سے زیادہ لطیف اور پاکیزہ عالم روحوں کا عالم یعنی عالم ارواح ہے۔ اس سے کم درجے کا لطیف و پاکیزہ عالم، عالم مثالی ہوتا ہے اور سب سے کم درجے کا عالم جو ہے وہ جسموں کا عالم یعنی عالم اجسام ہے۔ تو عالم مثال کی تعریف یہ ہے کہ روحیں مختلف جسموں اور شکلوں میں سما کر ظاہر ہوتی ہے (اور جو ذات اس طرح ظاہر ہو رہی ہے یہ اس کا مثالی عالم ہوتا ہے)۔

(قال) جبرئیلؑ کے ایک دوسرے جسم میں ظاہر ہونے کے متعلق یہ جواب اس جواب سے زیادہ بہتر ہے جو بعض علماء نے دیا ہے کہ جبرئیلؑ اپنے جسم اور اس دوسرے جسم کو ایک دوسرے میں سمو دیتے تھے۔

(ی) یہ جواب حافظ ابن حجر نے دیا ہے۔

عالم مثال کا وجود اور اس کا ثبوت...... جہاں تک عالم مثال کے وجود کی بات ہے تو یہ اس روایت سے ثابت ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جنت اور دوزخ کی مثالی شکلوں کو ایک وسیع میدان میں دیکھا تھا۔ اسی طرح جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

لو لا ان رای برھان ربه پ ۱۲ سورہ یوسف ع ۲ آیت ۲۴

ترجمہ :- اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا اگر اپنے رب کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یعقوبؑ اگرچہ شام میں تھے مگر یوسفؑ نے ان کو اس وقت مصر میں دیکھا (اور اس طرح وہ مثالی شکل میں ان کو نظر آئے۔ اس سے عالم مثال کے وجود کی دلیل ملتی ہے)۔

حضرت یوسفؑ کا واقعہ

تشریح...... اس آیت پاک میں جس واقعہ کا اشارہ ہے اس کو احقر مترجم تفسیر ابن کثیر سے یہاں نقل کر رہا ہے تاکہ بات واضح ہو کر سامنے آجائے۔

اس سورۂ یوسف میں حق تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کا واقعہ بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب یوسفؑ کے بھائیوں نے ان کو جنگل میں لے جاکر ایک کنویں میں ڈال دیا تو رات کو روتے ہوئے گھر واپس آئے اور اپنے والد بزرگوار حضرت یعقوبؑ سے کہہ دیا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا پھر ثبوت میں انہوں نے یوسفؑ کا قمیص دکھلایا جس پر وہ ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے اس کا خون لگا لائے تھے۔

کنویں سے بر آمد ہو کر فروختگی...... ادھر یہ سب بھائی تو یوسفؑ کو کنویں میں گرا کر اور اپنے خیال میں ان کی جان لے کر واپس چلے گئے اور ادھر اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کی حفاظت اور مدد فرمائی کہ جب ان کو کنویں میں لٹکا کر بھائیوں نے اوپر سے رسی کاٹ ڈالی تو بجائے اس کے یوسفؑ کنویں کی تہہ میں جا گرتے ان کو وہیں درمیان میں ایک ابھرا ہوا پتھر مل گیا اور وہ اس پر بیٹھ گئے۔ اسی حالت میں تین دن گزر گئے۔ تیسرے دن وہاں سے ایک قافلہ گزرا۔ قافلے والوں نے یہاں کنواں دیکھ کر ایک آدمی کو پانی لانے کے لئے کنویں پر بھیجا۔ اس نے کنویں میں ڈول ڈالا تو یوسفؑ نے رسی کو پکڑ لیا اور جب اوپر سے اس آدمی نے ڈول کھینچا تو یوسفؑ بر آمد ہوئے۔ جس پر وہ آدمی حیرت اور خوشی سے چیخ اٹھا کہ یہ تو جوان بچہ ہاتھ آگیا۔ جن چند لوگوں نے آپ کو دیکھا وہ آپ کا حسن و جمال دیکھ کر حیران رہ گئے اور انہوں نے آپ کو ایک نہایت قیمتی پونجی سمجھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے یوسفؑ کے ملنے کی اصل بات کو راز میں رکھتے ہوئے قافلے کے دوسرے لوگوں سے یہ کہہ دیا کہ کنویں کے پاس کچھ لوگ اس بچے کو فروخت کر رہے تھے ہم نے ان سے خرید لیا ہے۔ ادھر خود یوسفؑ نے بھی خاموشی ہی کو بہتر سمجھا اور اپنی اصلیت ظاہر نہیں کی کہ کہیں یہ لوگ بھی نقصان نہیں پہنچائیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ خود بھائیوں نے ہی یوسفؑ کو بہت کم داموں پر اس قافلے کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔ مختلف اقوال کے مطابق بیس یا بائیس یا چالیس درہم جو یوسفؑ کی قیمت کے ملے وہ انہوں نے آپس میں

بانٹ لئے۔ پھر انہوں نے اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ مزید ظلم یہ کیا کہ پھر قافلے کے پیچھے پیچھے گئے اور قافلے والوں سے کہا۔

"اس غلام کو بھاگ جانے کی عادت ہے اس لئے اس کو احتیاط سے باندھ کر رکھو تاکہ کہیں نکل کر جانے نہ پائے۔"

مصر کے بازار میں...... قافلے والوں نے یوسفؑ کو رسیوں سے جکڑ دیا اور اس طرح آپ کو لے کر مصر کے بازار میں پہنچے اور آپ کو بیچنے کے لئے سامنے بٹھا دیا۔ یوسفؑ نے وہاں خریداروں سے فرمایا کہ جو شخص مجھے خریدے گا وہ خوش قسمت ہوگا۔ آخر مصر کے بادشاہ نے آپ کو خرید لیا۔ یہ بادشاہ بھی دین الٰہی پر عمل کرتا تھا اور مومن تھا۔

عزیز مصر...... یہ شخص اصل میں مصر کا وزیر تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یوسفؑ کی بے پناہ محبت ڈال دی اس نے آپ کے حسن جہاں تاب اور نورانی چہرے کو دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ یہ کوئی عظیم ہستی ہے لہذا اس کے دل میں آپ کی زبردست قدر اور محبت پیدا ہو گئی۔ اس شخص کا نام قطفیر تھا ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام اطفیر تھا اور یہ مصر کے خزانوں کا محافظ اور ناظم تھا اس کو عزیز مصر کہا جاتا تھا اس کی بیوی کا نام راحیل تھا ایک قول یہ ہے کہ زلیخا نام تھا۔ یہ مصر کے بادشاہ ریان ابن ولید کی بیٹی تھی جو قوم عمالیق سے تھا (عمالقہ کے متعلق تفصیل سیرت حلبیہ اردو قسط اول میں گزر چکی ہے)۔

غرض یہ عزیز مصر یوسفؑ کے مرتبے اور آپ کی بلند شان کو پہچان گیا تھا اس لئے اس نے آپ کو خرید لیا اور گھر لا کر اپنی بیوی کو ہدایت کی کہ اس بچے کا اچھی طرح خیال رکھنا اور اس کی خاطر داری میں کوئی کمی نہ کرنا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ

تین دانشمند...... "دنیا میں تین ہی شخص ایسے گزرے ہیں جو سب سے زیادہ سمجھدار، عقلمند، آدمی کو پہچاننے والے اور حقیقت کو تاڑنے والے تھے۔ سب سے پہلے عزیز مصر کہ اس نے ایک نظر میں یوسفؑ کے مرتبے اور شان کو پہچان لیا اور فوراً آپ کو خرید کر اپنی بیوی سے خاص طور پر کہا کہ اس لڑکے کی خاطر داری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنا۔ دوسرے وہ لڑکی (جو ایک کنویں کے پاس پانی بھرنے آئی تھی اور جب وہاں) موسیٰ آئے تو اس نے ایک ہی نظر میں آپ کے مرتبے کو پہچان لیا اور جا کر باپ سے کہا کہ اگر آپ کو کسی آدمی کی ضرورت ہے تو ان سے معاملہ کیجئے کہ یہ شخص صورت سے ہی شریف اور امانت دار معلوم ہوتا ہے۔ اور تیسرے آدمی حضرت ابو بکرؓ ہیں کہ انہوں نے (حضرت عمر فاروق کے مرتبے اور ان کی صلاحیتوں کو پہچان لیا تھا اور اپنی وفات کے) خلافت کی باگ فاروق اعظمؓ کے ہاتھوں میں دی۔"

پھر حق تعالیٰ نے اپنے احسانات اور نوازشوں کا ذکر فرمایا کہ ہم نے یوسف پر یہ احسان کیا کہ اس کو اس کے بھائیوں کے چنگل سے نجات دلائی اور مصر کی سرزمین میں ان کے قدم جما دیئے تاکہ ہم ان کو خواب کی تعبیر کا علم دیں جو ان کے لئے اللہ کے یہاں مقدر تھا۔ چنانچہ پھر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یوسفؑ جوانی کی عمر کو پہنچے تو ہم نے ان کو علم و حکمت کے خزانے عطا فرمائے اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔

نبوت کے وقت یوسفؑ کی عمر کے بارے میں مختلف قول ہیں جو اٹھارہ سال سے لے کر چالیس سال کی عمر تک کے ہیں۔ ان سب کو ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ مراد ان کا جوانی کو پہنچنا بھی ہو سکتا

ہے۔

یوسف اور زلیخا...... عزیز مصر نے یوسفؑ کو خرید کر اپنی بیوی کے سپرد کر دیا تھا اور اس کو تاکید کر دی تھی کہ ان کے آرام و راحت کا پورا خیال رکھے اور ان کے اعزاز و احترام میں کوئی کمی نہ کرے۔ مگر اس عورت نے یوسفؑ کا جمال جہاں آرا اور فرشتوں کا سا حسن دیکھا تو اس کی نیت میں فتور آگیا اور وہ آپ پر عاشق و فریفتہ ہو گئی۔

چنانچہ اس عورت نے بناؤ سنگار کیا اور پھر گھر کے سب دروازے بند کر کے یوسفؑ کو وصل کی دعوت دی مگر یوسفؑ نے سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا۔

"معاذ اللہ ۔ تیرا شوہر میرا سردار یعنی محسن ہے اس کا مجھ پر احسان ہے اور وہ میرے ساتھ بڑے سلوک اور مہربانی سے پیش آیا ہے (میں اس کی امانت میں کیسے خیانت کر سکتا ہوں) ایسے احسان فراموش کو کبھی فلاح نہیں ملتی۔"

(تفسیر ابن کثیر مطبوعہ المنار مصر)

پھر آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا، لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ، كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ

(الآیۃ ۲۴ پ ۱۲ سورہ یوسف ع ۲)۔

ترجمہ :- اور اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال (عزم کے درجہ میں) جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی (یعنی یوسفؑ کو بھی) اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا۔ اگر اپنے رب کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا (تو زیادہ خیال ہو جانا عجب نہ تھا ہم نے) اسی طرح (ان کو علم دیا) تاکہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔

حفاظت خداوندی...... اس آیت کی تفسیر میں حضرت تھانویؒ نے جو فرمایا اس کو راقم الحروف تشریح کے ساتھ نقل کرتا ہے جو قوسین میں ہے۔

"اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال عزم کے درجے میں جم ہی رہا تھا۔ (یعنی وہ تو حضرت یوسفؑ کے ساتھ وصل کا فیصلہ کر ہی چکی تھی اس میں اس کو کوئی ہچکچاہٹ باقی نہیں رہی تھی)۔ اور ان کو بھی ۔ (یعنی یوسفؑ کو بھی) اس عورت کا کچھ کچھ خیال اور امر طبعی کے درجہ میں ہو چلا تھا (یعنی طبیعت اور فطرت کے تقاضے کے درجے میں یوسفؑ کو بھی اس عورت کی طرف کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا) کیونکہ حق تعالیٰ نے انسان میں فطرت کے تقاضے رکھے ہیں ان کی موجودگی میں اور ایسے ماحول میں طبیعت کا کسی درجے میں متوجہ ہو جانا تعجب کی بات نہیں اور نہ ایسی حالت میں یہ ہلکا سا خیال گناہ کہلا سکتا ہے جبکہ یوسفؑ اس سے پہلے بھی سختی کے ساتھ اس سے بیزاری ظاہر فرما چکے تھے اور خیال کے بعد بھی انہوں نے وہاں سے بھاگ کر اس سے بیزاری کا اظہار کیا۔ غرض یوسفؑ کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال امر طبعی کے درجہ میں ہو چلا تھا)۔ جو کہ اختیار سے باہر ہے جیسا کہ گرمی کے روزے میں پانی کی طرف میلان۔ یعنی رغبت ۔ طبعی ہوتا ہے گو روزہ توڑنے کا وسوسہ تک بھی دل میں نہیں آتا۔ البتہ اگر اپنے رب کی دلیل کو یعنی اس فعل کے گناہ ہونے کی دلیل کو حکم شرعی سے انہوں نے نہ دیکھا ہوتا یعنی ان کا علم شریعت جو مقرون قوت عملیہ کے ساتھ ہے (یعنی اگر یوسفؑ کو شریعت کا علم نہ ہوتا جو عمل کی قوت کے ساتھ ملا ہوا ہے)۔ تو زیادہ خیال ہو جانا عجب نہ تھا کیونکہ دواعی اور اسباب ایسے ہی قوی تھے مگر

ہم نے اسی طرح ان کو علم دیا تاکہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہ کو دور رکھیں۔ یعنی ارادہ سے بھی بچایا اور فعل سے بھی بچایا کیونکہ وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔" (حوالہ تفسیر بیان القرآن آیت ۱۲ سورہ یوسف ع آیت ۲)۔

یعقوبؑ اور عالم مثال...... اب جہاں تک اس دلیل کا تعلق ہے جس کو دیکھ کر یوسفؑ اس فعل سے محفوظ رہے وہی اصل میں یہاں بیان کرنی مقصود ہے جس کی طرف علامہ حلبی نے حافظ ابن حجر کے حوالے سے مذکورہ آیت کے ذریعہ اشارہ کیا ہے۔

اس کی متعلق تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ

یوسفؑ نے وہاں اپنے والد حضرت یعقوبؑ کو دیکھا جو اپنے منہ میں انگلی ڈالے کھڑے ہیں اور انہوں نے یوسفؑ (کو اس ارادہ سے روکنے کے لئے ان) کے سینے پر ہاتھ مارا۔" اس کے علاوہ کچھ اور اقوال بھی ہیں۔

یعقوبؑ کا اس طرح نظر آنا جبکہ وہ شام میں تھے اور یوسفؑ مصر میں تھے مثالی شکل کی دلیل ہے جس سے عالم مثال کا وجود ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت میں یعقوبؑ شام سے مصر آگئے مگر شام میں بھی موجود رہے۔

حسن کا فر اور عشق کا تعاقب...... غرض اس دلیل کو دیکھتے ہی حضرت یوسفؑ اپنے آپ کو اس برائی سے بچانے کے لئے وہاں سے بھاگے تو وہ عورت بھی آپ کے پیچھے پیچھے آپ کو پکڑنے کے لئے بھاگی۔ آخر یوسفؑ کے کرتے کا پچھلا دامن اس عورت کے ہاتھ میں آگیا جسے پکڑ کر اس نے جھٹکا دیا۔ یوسفؑ اس جھٹکے سے گرتے گرتے بچے اور پھر بھاگنے کے لئے زور لگایا جس سے ان کا کرتا پیچھے سے پھٹ گیا اسی طرح بھاگتے بھاگتے دونوں دروازے تک پہنچ گئے کہ اسی وقت اس عورت کا شوہر یعنی عزیز مصر وہاں کھڑا ہوا تھا۔ شوہر کو دیکھتے ہی اس عورت نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے سارا الزام یوسفؑ پر رکھ دیا اور کہا۔

یوسفؑ معصوم پر بہتان...... "جو شخص آپ کی بیوی پر بری نگاہ رکھے اور اس سے بدکاری کا ارادہ کرے اس کو آپ کیا سزا دیں گے۔ اس کی سزا قید بامشقت یا سخت مار سے کم نہیں ہونی چاہئے۔

اس موقعہ پر یوسفؑ نے اپنی پاک دامنی اور برات ظاہر کرنی ضروری سمجھی اور انہوں نے کہا

"نہیں بلکہ خود یہی مجھ سے اپنا مطلب پورا کرنے کے لئے مجھ کو پھسلا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ اسی کھینچ تان میں میرا کرتا بھی پھاڑ ڈالا۔"

گناہ اور معصومیت کا امتحان...... پھر اسی عورت کے قبیلے کے ایک آدمی نے اس معاملے میں گواہی دی اور کہا ان کا کرتہ دیکھو کہاں سے پھٹا ہے۔ اگر آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے کیونکہ اس کا مطلب ہے اس شخص نے اسے اپنی طرف کھینچا ہوگا اور عورت نے اسے ہٹانا چاہا ہوگا اور اسی کشمکش میں مرد کا کرتا سامنے سے پھٹ گیا۔ لیکن اگر مرد کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ملتا ہے تو مرد سچا ہے اور عورت یقیناً" جھوٹی ہے کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ عورت نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے اسے رجھانے کی کوشش کی ہوگی یہ اس سے بچ کر بھاگے تو عورت ان کے پیچھے دوڑی ہوگی مگر بھاگتے ہوئے مرد کے کرتے کا پچھلا دامن اس کے ہاتھ میں آگیا جسے اس نے اپنی طرف کھینچا اور مرد نے آگے بڑھنے کے لئے زور لگایا اور اس کھینچ تان میں کرتے کا وہ پچھلا دامن پھٹ گیا ہوگا۔"

کہتے ہیں کہ یہ شخص جس نے گواہی دی پوری عمر کا آدمی تھا اور اس کے منہ پر داڑھی تھی یہ عزیز مصر کا اس مصاحب تھا اور زلیخا کا چچازاد بھائی تھا۔ اس کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ گواہ ایک دودھ پیتا بچہ

تھا جس نے یوسفؑ کی بے گناہی کی گواہی دی تھی۔ (اس کے متعلق کچھ بیان سیرت حلبیہ اردو میں **پہلے** گزر بھی چکا ہے جہاں ان بچوں کا ذکر ہے جنہوں نے پالنے میں کلام کیا ہے)۔

معصومیت کا ثبوت...... غرض اس فیصلے کے مطابق عزیز مصر نے یوسفؑ کا کرتا دیکھا تو اس کا پچھلا دامن پھٹا ہوا پایا جس سے اسے یقین ہو گیا کہ یوسفؑ بے گناہ ہیں اور اس کی بیوی جھوٹی ہے جو یوسفؑ پر تہمت لگا رہی ہے چنانچہ اس نے اپنی بیوی کو ملامت کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تم عورتوں کی چالاکی ہے۔ بے شک تمہاری چالاکیاں بھی غضب ہی کی ہوتی ہیں۔ اے یوسف اس بات کو جانے دو۔"

پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا۔

"اے عورت تو اپنے قصور کی معافی مانگ بے شک سر تاپا تو ہی قصوروار ہے۔"

(تشریح ختم۔ از تفسیر ابن کثیر مطبوعہ المنار مصر۔ پ ۱۲ سورہ یوسف ع ۲۔ ۳)۔

عالم مثال کا ایک اور واقعہ...... اسی طرح عالم مثال اور مثالی شکل کا ایک واقعہ وہ ہے جو لوگوں میں مشہور ہے کہ بعض لوگوں نے کعبے کو مکے کے علاوہ دوسری جگہ دیکھا اور ایک ولی اللہ کو اس کا طواف کرتے ہوئے پایا جن بزرگوں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ان میں سے حضرت ابویزید بسطامی، شیخ عبدالقادر جیلی اور شیخ ابراہیم متبولی بھی ہیں۔

جبرئیلؑ وحیہ کلبی کی شکل میں آتے تھے...... (پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ کے حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے) غالباً" ان کی شکل میں جبرئیل نے آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد مدینے میں آنا شروع کیا ہو گا جبکہ دحیہ کلبی مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت دحیہ غزوہ بدر کے بعد مسلمان ہوئے ہیں کیونکہ وہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے بلکہ غزوہ بدر کے بعد وہ شہداء بدر کے مزارات پر گئے تھے۔ یہ بات اس لئے کہی گئی کہ دحیہ کے مسلمان ہونے سے پہلے جبرئیلؑ کا ان کی شکل میں آنا سمجھ میں نہیں آتا (کہ جبرئیلؑ کسی کافر کی شکل میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں)

حضرت دحیہ کلبیؓ کے متعلق شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ یہ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت آدمی تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ کے پاس جبرئیلؑ کے ان کی شکل میں آنے کا مقصود اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اظہار تھا کہ اے محمد ﷺ میرے اور تمہارے درمیان جو سفیر ہے وہ حسن و جمال کا ایک پیکر ہے اور میرے نزدیک تمہارا یہی مقام ہے (کیونکہ آنحضرت ﷺ حق تعالیٰ کے محبوب تھے لہذا جبرئیلؑ کا ایک حسین شکل میں آنا آنحضرت ﷺ کی محبوبیت کو ظاہر کرنے کا ایک لطیف اشارہ ہے کیونکہ دنیا میں محبوبیت اور حسن میں نہایت گہرا تعلق ہے) لہذا اسی لئے اس شکل میں جبرئیلؑ کا آنا آنحضرت ﷺ کے لئے خوش خبری کا پیغام ہوتا تھا۔ خاص طور پر جب جبرئیلؑ بدکاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈراوے اور وعیدیں لے کر آتے تھے تو یہ حسین شکل اس کیفیت میں آپ کے لئے تسکین اور تسلی کا باعث ہوتی تھی جو اس ڈراوے اور وعید کے نتیجہ میں پیدا ہوتی تھی۔ یہاں تک شیخ اکبرؒ کا کلام ہے۔

مگر یہ بات اسی صورت میں واضح ہے کہ جبرئیلؑ ہمیشہ ہی اسی حسین صورت میں آئے ہوں (کیونکہ پچھلی سطروں میں یہ قول گزرا ہے کہ غالباً جبرئیلؑ نے حضرت دحیہ کی شکل میں مدینے میں آنحضرت ﷺ کے

آنے کے بعد آپ کے پاس آنا شروع کیا) اب اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جب سے جبرئیلؑ نے حضرت دحیہ کی شکل میں آنا شروع کیا اس وقت سے کبھی کسی دوسرے آدمی کی شکل میں نہیں آئے۔ (ادھر حضرت عمرؓ کی ایک حدیث گزری ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس ہماری موجودگی میں ایک اجنبی شخص آیا جس کے بارے میں بعد میں معلوم ہوا کہ وہ جبرئیلؑ تھے) اب اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ واقعہ اس وقت سے پہلے کا ہوگا (جب سے جبرئیلؑ نے دحیہ کی شکل میں آنا شروع کیا) مگر پھر بھی ایک شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ پچھلے صفحات میں بیان ہوا ہے کہ جبرئیلؑ جب آدمی کی شکل میں آتے تھے تو ہمیشہ خوش خبریاں اور خوش آئند وعدے لے کر آیا کرتے تھے یعنی اس وقت ڈراوے اور وعیدیں لے کر نہیں آتے تھے۔ بہرحال یہ بات قابل غور ہے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس قرآن پہنچانے کے دو طریقے...... ادھر علامہ زرکشی نے اپنی کتاب برہان میں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سینے میں قرآن پاک کے اتارے جانے کے دو طریقے تھے۔ ایک تو یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو بشری یعنی انسانی شکل و صورت سے نکال کر ملکوتی یعنی فرشتوں کی شکل و صورت میں تبدیل کر دیا جاتا تھا اور پھر آپ جبرئیلؑ سے قرآن پاک کی آیتیں حاصل فرما لیتے تھے۔ (ی) کیونکہ انبیاءؑ کے لئے بغیر کسی مجاہدے اور ریاضت کے فطری طور پر انسانی شکل و صورت سے فرشتوں کی شکل و صورت میں آجانا ممکن ہے اور ایسا پلک جھپکتے میں ہو جاتا تھا۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ فرشتہ ملکوتی یعنی فرشتوں کی شکل و صورت سے نکل کر انسانی روپ میں آجاتا تھا اور تب آنحضرت ﷺ اس سے وحی حاصل فرما لیتے تھی۔ یہاں تک علامہ زرکشی کا کلام ہے۔

جبرئیل وحی الٰہی کیسے حاصل کرتے تھے...... مگر زیادہ ترجیح اسی بات کو ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے لفظ اور معنی نازل ہوتے تھے جن کو جبرئیلؑ روحانی طور پر سن کر یاد کر لیتے تھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے الفاظ (ی) یعنی ایسی آوازیں جو ان الفاظ کو ثابت کرتی تھیں فضا میں پیدا فرمائے اور انہیں جبرئیلؑ کو سنوا دیا اور جبرئیلؑ میں ایسا ضروری علم پیدا فرما دیا جس سے وہ سمجھ لیتے تھے کہ یہ الفاظ یا آوازیں ان معنی کو ظاہر کرتے ہیں جو قدیم ہیں یعنی لوح محفوظ پر نقش ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور پھر جبرئیلؑ ان الفاظ اور معنی کو اسی طرح وحی کی صورت میں آنحضرت ﷺ کو پہنچا دیتے تھے۔

یا پھر ایسا ہوگا کہ جبرئیلؑ نے قرآن پاک کو لوح محفوظ سے یاد کر لیا اور پھر ان کو لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس نازل ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد...... یہ بات بتلائی جاچکی ہے کہ وحی کے طریقوں میں ایک اس کو آنحضرت ﷺ کے سینے میں ڈال دینا یا پھونک دینا بھی تھا یعنی جبرئیلؑ اس وحی کو آنحضرت ﷺ کے سینے میں پھونک دیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کا اس بارے میں ارشاد ہے کہ۔

"روح القدس یعنی پاکیزگی سے پیدا شدہ ہستی یعنی جبرئیلؑ نے میرے قلب میں یہ بات پھونکی کہ کوئی بھی جاندار اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک کہ وہ اپنی عمر اور اپنا رزق پورا نہ کر لے۔ پس خدا سے ڈرو اور اچھے طریقوں سے اپنا مقصد مانگو اور حاصل کرو۔ (ی) یعنی اپنی طلب میں اچھا اور خوبصورت طریقہ اختیار کرو۔ رزق کی چاہ تمہیں ایسے راستے پر نہ ڈال دے کہ تم حق تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو

مثلاً" جھوٹ کے ذریعہ سے۔ اس لئے کہ اللہ تعالی کے یہاں جو جزاء ملتی ہے وہ صرف خیر اور بھلائی پر ملتی ہے۔"

پھونکنے کے لئے حدیث میں نفث کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی اس طرح دم کرنا یا پھونکنا ہے جو لعاب دہن یعنی تھوک کے بغیر ہو۔

دعا مانگنے کے طریقے...... علامہ ابن عطاء اللہ نے کہا ہے کہ رزق کی طلب میں خوبصورت اور پاکیزہ طریقے اختیار کرنے کی کئی شکلیں ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ رزق کی طلب میں اس طرح مشغول اور گم نہ ہو جائے کہ اللہ تعالی کی طرف سے ہی توجہ ہٹ جائے۔ اسی طرح ایک مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالی سے مانگے لیکن جو کچھ مانگے اس کی نہ تو مقدار متعین کرنی چاہئے اور نہ وقت متعین کرنا چاہئے (کہ اتنا ملے اور فلاں وقت تک مل جائے) کیونکہ جو شخص اپنی مانگ کی مقدار اور وقت متعین کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ حکم دے رہا ہے اور اس کے دل پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔

حق تعالیٰ سے مانگنے کے بہترین طریقے...... اسی طرح خوبصورت طریقے پر مانگنے سے ایک مراد یہ ہے کہ اپنی مراد مانگے جو اگر مل جائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اگر نہ ملے تو اس بات کا اقرار کرے کہ حق تعالی مالک و مختار ہے اور اس کی مرضی کو ہی پورا اختیار حاصل ہے۔

اسی طرح خوبصورت طریقے پر مانگنے سے ایک مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی سے وہ مانگے جس میں اس کی رضا اور خوشنودی ہے وہ چیز نہ مانگے جس میں خود اس شخص کی دنیاوی لذتیں ہیں۔

اسی طرح ایک مراد یہ ہے کہ جب حق تعالی سے مانگے تو دعا کی قبولیت کے لئے جلدی اور بے صبرے پن کا اظہار نہ کرے۔ ایک حدیث میں آتا ہے۔

"اپنی ضروریات عزت نفس کے ساتھ مانگو اس لئے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ تقدیر الہی کے تحت ہوتا ہے۔"

وحی کی آواز...... وحی آنے کی کیفیت ایک یہ تھی کہ کبھی اس طرح آتی تھی جیسے گھنٹی کی جھنکار ہوتی ہے۔ وحی کی یہ کیفیت آنحضرت ﷺ پر سب سے زیادہ سخت ہوتی تھی کیونکہ ایک قول ہے کہ اس کیفیت میں جب بھی وحی آتی تھی تو وعیدوں اور ڈراوں کی وحی ہوتی تھی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: شیخین نے حضرت عائشہؓ سے ایک روایت بیان کی ہے جو حضرت حرث ابن ہشامؓ کے متعلق ہے یہ حرث ابن ہشام، ابو جہل یعنی عمرو ابن ہشام کے سگے بھائی تھے۔ یہ قریش میں اتنے معزز اور محترم تھے کہ ان کے اعزاز اور رتبے کی مثالیں دی جایا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک شاعر نے کہا ہے۔

اَحَسِبْتَ اَنَّ اَبَاكَ حِيْنَ تَسُبُّنِیْ
فِی الْمَجْدِ كَانَ الْحَرْثُ ابْنُ هَشَّامٍ

ترجمہ:- تیرا باپ اگر عزت و وقار میں مجھے طعنہ دے سکتا ہے تو صرف ابن ہشام کے نام پر ہی دے سکتا ہے۔

اَوْلٰی قُرَيْشٍ بِالْمَكَارِمِ وَالنَّدٰی
فِی الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ وَالْاِسْلَامِ

ترجمہ:- وہ اپنی نیکی اور سخاوت میں جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں قریش کے بہترین آدمی ہیں۔

یہ حرث ابن ہشام فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا واقعہ آگے آئے گا کہ فتح مکہ کے دن (مسلمان ہونے سے پہلے) انہوں نے حضرت علیؓ کی بہن حضرت ام ہانیؓ سے اپنے لئے پناہ مانگی (چنانچہ انہوں

نے ان کو اپنی پناہ اور ذمہ داری میں لے لیا) مگر حضرت علیؓ نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت ام ہانی نے آنحضرت ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔

"ام ہانی! جس کو تم نے پناہ دے دی اس کو ہم نے بھی پناہ دے دی۔"

(اس کے بعد یہ مسلمان ہو گئے اور) ایک بہترین ملسمان ثابت ہوئے۔ بعد میں یہ غزوہ حنین میں شریک ہوئے یہ ان صحابیوں میں سے ہیں جن کی آنحضرت ﷺ کی طرف سے تالیف قلب کی گئی۔"

وحی آنے کی کیفیات...... بہر حال حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں ان حرث ابن ہشام نے رسول اللہ سے پوچھا "آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے۔(ی) یعنی حضرت جبرئیلؑ جو وحی کے لانے والے تھے کیسے آتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا۔

"کبھی اس کیفیت کے ساتھ وحی آتی ہے جیسے گھنٹی کی جھنکار ہوتی ہے یہ مجھ پر سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ پھر جب یہ کیفیت رک جاتی ہے تو جو کچھ وہ کہتے ہیں میں اس کو یاد کر لیتا ہوں۔ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ۔ کبھی تو وحی میرے پاس ایسی آواز کے ساتھ آتی ہے جیسے گھنٹی کی جھنکار ہوتی ہے اور کبھی فرشتہ یعنی وحی لانے والے حضرت جبرئیلؑ میرے سامنے آدمی کی شکل میں آجاتے ہیں (ی) یعنی انسانی روپ میں سامنے آتے ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ایک نوجوان کی صورت میں آتے ہیں اور مجھ سے کلام کرتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں میں اس کو یاد کر لیتا ہوں۔

ایک روایت ہے کہ وحی کی جو دوسری صورت تھی یعنی جبرئیلؑ آدمی کی شکل میں آتے تھے تو (ایسا بھی ہو جاتا تھا کہ) جو آپ یاد کرتے تھے وہ ذہن سے نکل جاتا تھا (یہ صرف وہی وحی ہوتی تھی جو منسوخ ہونے والی ہوتی تھی لہذا حق تعالیٰ کی طرف سے آپ پر اس کے سلسلے میں فراموش طاری کر دی جاتی تھی تو گویا ذہن سے نکلے جانے کا مطلب یہی ہوتا تھا کہ اس وحی کو منسوخ ہونا ہے کیونکہ جو وحی ہمیشہ باقی رہنے والی تھیں ان کو خود اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن اور قلب میں جما دیتا تھا اور اس کے متعلق خود حق تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو وعدہ دیا گیا ہے کہ ان کی حفاظت اور آپ کے ذہن میں باقی رکھنا ہمارے ذمہ ہے چنانچہ جب وحی آتی تھی تو جو کچھ کلمات آپ سنتے آپ ان کو جلدی جلدی دہرایا کرتے تھے تاکہ وہ آپ کو اچھی طرح یاد ہو جائیں۔ اس پر حق تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعہ بتلایا۔

لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ پ ۲۹ سورہ قیامہ ع ۱ آیت ۱۶ تا ۱۷

ترجمہ :- اور اے پیغمبر آپ قبل اختتام وحی قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی سیکھ لیں، ہمارے ذمہ ہے آپ کے قلب پر اس کا جما دینا اور پڑھوا دینا۔

وحی کی دو قسمیں...... یا مثلاً جیسے وحی کی دو قسمیں تھیں ایک وحی متلو یعنی وہ وحی جو آپ کو پڑھ کر سنائی جاتی تھی اور جس کے کلمات حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کے کانوں میں ڈالے جاتے۔ اور دوسرے وحی غیر متلو یعنی وہ وحی جس کے کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ بات آپ کے قلب میں القاء کے ذریعہ ڈالی جاتی تھیں اور پھر آنحضرت ﷺ اس القاء کو اپنے الفاظ میں بیان فرما دیتے تھے۔ قرآن پاک تمام کا تمام وحی متلو کے ذریعہ آیا ہے جس کے کلمات اور الفاظ تک کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے جبکہ وحی غیر متلو

کے تحت دوسرے ایسے ضمنی احکام ہیں جو آنحضرت ﷺ نے اپنے الفاظ میں بیان فرمائے۔ پھر خود وحی ملتو کے تحت بھی بعض ایسے حکم تھے جو عارضی اور ایک خاص وقت تک کے لئے تھے اور وہ وقت گزر جانے کے بعد وہ حکم بھی ختم ہو گئے۔ چنانچہ قرآن پاک کی بعض آیتیں ایسی تھیں جو بعد میں قرآن پاک میں شامل نہیں رہیں۔ اسی طرح بعض آیتیں ایسی ہیں جو قرآن پاک میں موجود ہیں لیکن ان کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ تو جو وحی اس صورت میں آتی تھی کہ جبرئیل آپ کے پاس کسی آدمی کی شکل میں آکر آپ سے کلام کیا کرتے تھے اس میں کی بعض باتیں آپ کے ذہن سے نکل جایا کرتی تھیں کیونکہ وہ قرآن پاک کی آیتیں نہیں ہوتی تھیں) لیکن جب وحی سلسلۂ جرس یعنی گھنٹی کی جھنکار کی صورت میں آئی تھی تو وہ آپ پر سخت بھی ہوتی تھی اور اس کے ذریعہ جو کلمات نازل ہوتے تھے وہ آپ ہرگز نہیں بھولتے تھے بلکہ وہ آپ کے ذہن و قلب میں جم جاتے تھے۔

اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

"وحی مجھ پر دو طرح سے آتی ہے ایک تو یہ کہ جبرئیل میرے پاس آتے ہیں اور جس طرح ایک آدمی دوسرے آدمی سے ملتا ہے اس طرح مجھ سے ملتے ہیں۔ یہ وحی میرے ذہن سے نکل بھی جاتی ہے۔ اور دوسری صورت میں اس طرح وحی آتی ہے جو کچھ گھنٹی کی آواز کی سی ہوتی ہے یہ وحی میرے قلب کے اندر جم جاتی ہے اور کبھی ذہن سے نہیں نکلتی۔"

ایک قول ہے کہ اس پہلی صورت میں آنے والی وحی آپ کے ذہن سے اس لئے نکل جاتی تھی کہ اس میں آپ سے جو بات ہوتی تھی وہ ایک عام اور مانوس طریقے پر ہوتی تھی (جیسے دو آدمی آپس میں بات کیا کرتے ہیں اور اس گفتگو کے سنے ہوئے الفاظ آدمی اکثر بھول جاتا ہے ان کو یاد رکھنے کی کوشش نہیں کرتا چنانچہ آنحضرت ﷺ کو بھی وہ الفاظ یاد نہیں رہتے تھے، کیونکہ جبرئیل اس طرح آپ کے پاس آتے تھے جیسے ایک انسان دوسرے کے پاس آتا ہے اور اسی طرح گفتگو کیا کرتے تھے جیسے ایک انسان دوسرے سے گفتگو کرتا ہے۔ لہذا جو کچھ آپ سنتے تھے اس کے الفاظ آپ بھول بھی جایا کرتے تھے۔

اس کے برخلاف دوسری صورت میں وحی کے الفاظ ایک گھنٹی کی جھنکار کی صورت میں آتے اور آپ کے قلب مبارک میں ڈال دیئے جاتے تھے تو آپ ان کو ہرگز نہیں بھولتے تھے کیونکہ اس طرح غیر فطری انداز میں آواز آئے اور بولنے والا نظر بھی نہ آئے تو اس سے قلب پر دہشت ہوتی ہے اور جبکہ یہ معلوم ہو کہ یہ وحی ہے تو آپ خود بخود ان لفظوں کو جوں کا توں یاد رکھتے تھے (اور حق تعالیٰ کی طرف سے وہ آپ کے ذہن میں جما دیئے جاتے تھے)

(گذشتہ حدیث میں جہاں وحی کی قسمیں بتلائی ہیں وہاں) وحی سے مراد وحی لانے والے یعنی جبرئیلؑ لئے گئے ہیں۔ مگر حافظ اس کو نہیں مانتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جو یہ الفاظ فرمائے ہیں کہ وحی ایک گھنٹی کی جھنکار کی طرح ہوئی تھی۔ اس سے آپ ﷺ نے وحی کی نوعیت اور صفت بیان فرمائی ہے وحی لانے والے کی نہیں۔

مگر اس تشریح پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں وحی کی نوعیت اور صفت بیان فرمائی ہے وحی لانے والے کی نہیں تو پھر اس کے بعد آپ نے یہ کیونکہ فرمایا کہ۔ پھر وہ جو کچھ کہتے ہیں میں ان الفاظ کو یاد کر لیتا ہوں (لہذا اس سے ظاہر ہوا کہ آپ نے وحی سے جبرئیلؑ کی آمد مراد لی ہے۔ اسی

طرح بعض علماء نے صاف طور پر اس کی اسی طرح تشریح کی ہے کہ ۔ گھنٹی کی جھنکار وحی لانے والے فرشتے کی آواز ہوتی تھی جس کے ذریعہ وہ وحی پہنچاتا تھا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے جو پیچھے بیان ہوا کہ ۔ کبھی میرے پاس وہ اس طرح آتے ہیں کہ ان کی آواز ایک گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی ہے اور کبھی فرشتہ ایک آدمی کے روپ میں میرے سامنے آتا ہے ۔ (غرض ان سب اقوال سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وحی سے مراد وحی لانے والا فرشتہ ہے

وحی نازل ہونے کے وقت آنحضرت ﷺ پر بوجھ...... آنحضرت ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کو سخت بوجھ اور تکان محسوس ہوتا تھا یہاں تک کہ سردی کے موسم میں بھی (اس تکان اور وحی کے بوجھ کی وجہ سے) آپ کی پیشانی پر موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے ابھر آیا کرتے تھے اور کبھی آپ کی آنکھیں سرخ ہو جایا کرتی تھیں اور آپ گہرے گہرے تھکے ہوئے سانس لینے لگتے تھے۔

نزولِ وحی کے وقت زیدؓ ابن ثابت کا تجربہ...... حضرت زیدؓ ابن ثابت سے روایت ہے کہ :-

"جب آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کو اس کا بہت بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ اس وقت وحی آئی جبکہ آپ میری ران پر اپنی ران رکھے ہوئے (آرام فرما رہے) تھے۔ خدا کی قسم! میں نے کبھی کسی چیز کا اتنا بوجھ محسوس نہیں کیا جتنا اس وقت آپ کی ران کا محسوس کیا۔ کبھی کبھی اس وقت آپ پر وحی نازل ہوئی جبکہ آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوتے تھے۔ اس وقت (وحی کے بوجھ کی وجہ سے) وہ اونٹنی اس طرح کانپنے لگتی تھی جیسے اس کی پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ یہاں تک کہ اکثر اونٹنی (اس بوجھ کی شدت کی وجہ سے) بیٹھ جایا کرتی تھی۔

وحی کے بوجھ کا ایک دوسرا واقعہ...... حدیث میں آتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر سورہ مائدہ نازل ہوئی تو اس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے اونٹنی اس بوجھ کو برداشت نہیں کر سکی یہاں تک کہ اس پر سے آپ کو اترنا پڑا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ ۔ اس سورت کے بوجھ کی وجہ سے آپ کی عضباء نامی اونٹنی کا شانہ ٹوٹ گیا۔ اس بات سے پچھلی روایت کی مخالفت نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے وحی کے بوجھ کی وجہ سے چونکہ اونٹنی کے مونڈھے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اس لئے آپ کو اس پر سے اترنا پڑا۔ پھر ایک روایت میں صاف طور پر یہی بتایا گیا ہے (کہ اونٹ کا مونڈھا ٹوٹ جانے کی وجہ سے آپ کو اس پر سے اترنا پڑا تھا اور مونڈھا وحی کے بوجھ کی وجہ سے ٹوٹا تھا)۔

وحی نازل ہونے کے وقت آنحضرت ﷺ کی کیفیت...... حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ :-

"جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی ۔ ایک روایت میں ہے کہ ۔ آپ پر مدہوشی کی سی کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی۔"

اقول ۔ مولف کہتے ہیں : مراد یہ ہے کہ بے خود آدمی کی کیفیت جیسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کیونکہ عام حالت میں اتنا بڑا انقلاب پیدا ہو جاتا تھا کہ آپ کی حالت ایک بے خودی جیسی ہو جاتی تھی۔ (ی) یعنی عقل اور شعور پوری طرح قائم رہتا تھا (لیکن وحی کے بوجھ کی وجہ سے ظاہر حالت بدل جاتی تھی)

ادھر بعض علماء کا قول یہ ہے کہ وحی کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ دنیا سے منقطع ہو جاتے تھے (جبکہ یہاں یہ کہا گیا ہے کہ آپ پر وحی کے نازل ہونے کے وقت اگرچہ غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی

مگر آپ کی عقل اور شعور باقی رہتا تھا) مگر ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ ذہیاسے ہر قسم کے انقطاع کے باوجود عام عادت اور ضابطے کے خلاف آپ کے عقل و شعور کا باقی رہنا ممکن ہے بلکہ یہی بات آنحضرت ﷺ کے مقام اور مرتبہ کے بالکل مناسب ہے (اس میں مسئلے کے لحاظ سے ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر کسی انسان پر ایسی غشی کی سی کیفیت پیدا ہو تو اس کی وضو ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس بارے میں آنحضرت ﷺ کے متعلق کیا کہا جائے گا۔ مگر اس کا جواب بھی اسی جواب سے مل جاتا ہے کہ چونکہ ان تمام کیفیتوں کے باوجود آپ کی عقل اور شعور پوری طرح قائم رہتا تھا) لہٰذا آپ کی وضو بھی باقی رہتی تھی۔

آنحضرت ﷺ کی نیند کی حالت...... چنانچہ اس بارے میں کتاب وفا میں ہے کہ :اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ وحی آنے کے وقت آنحضرت ﷺ پر جو تھکن اور بے خودی کی سی کیفیت طاری ہوتی تھی تو کیا آپ کی وضو (کے متعلق بھی یہی حکم ہو گا کہ) ٹوٹ جاتی تھی۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ سونے کی حالت میں بھی اس کیفیت سے محفوظ رہتے تھے جو ایک عام آدمی پر نیند کی حالت میں طاری ہوتی ہے، آپ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن قلب نہیں سوتا تھا۔ (اور مسئلے کے مطابق نیند سے وضو اس لئے ٹوٹ جاتی ہے کہ سونے کی حالت میں جسم کا سارا انظام ڈھیلا اور آدمی کے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے اس لئے نیند کی حالت میں اگر ریح خارج ہو تو) اس کا سونے والوں کو احساس نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے نیند سے وضو ختم ہو جاتا ہے اور نیند ایک مدہوشی کی کیفیت کا نام ہے جس میں انسان بے سدھ ہو جاتا ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ پر نیند کی حالت میں یہ کیفیت نہیں طاری ہوتی تھی بلکہ آپ کی صرف آنکھیں سوتی تھیں اور قلب جاگتا رہتا تھا اسی لئے نیند سے آپ ﷺ کی وضو نہیں ٹوٹتی تھی لہٰذا جب نیند کی حالت میں بھی جس میں آدمی کا جسم ڈھیلا اور بے قابو ہو جاتا ہے آپ کی وضو نہیں ٹوٹتی تھی تو وہ حالت تو نیند سے کہیں بہتر ہوتی تھی جس میں اللہ تعالیٰ آپ کے قلب پر وحی ہدایت کا القاء فرما کر آپ کا اعزاز فرماتا تھا کیونکہ اس حالت میں آپ کی طبیعت ہر تکلیف سے محفوظ اور مامون ہوتی۔ یہاں تک کتاب وفاء کا حوالہ ہے۔

یہاں ہم نے بہتر کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ مدہوشی کی کیفیت نیند سے زیادہ گہری ہوتی ہے۔ یہ بات قابل غور ہے۔

نزولِ وحی کے وقت پیغمبروں کی کیفیت...... علامہ شیخ محی الدین نے وحی کے نازل ہونے کی جو کیفیات لکھی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور دوسرے تمام نبیوں پر جب وحی آتی تھی تو زمین پر چت لیٹ جایا کرتے تھے۔ شیخ محی الدین کی جو عبارت ہے وہ یہ ہے۔

"وحی کے وقت انبیاءؑ کے زمین پر سیدھے لیٹ جانے کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا سفیر جب ان کے پاس آتا تھا تو انسانی روح پر یہ اثر پڑتا تھا کہ وہ اپنا کام کرنے سے غافل ہو جاتی تھی اور جب روح اپنے کام سے غافل ہو جائے تو کھڑے ہونے یا بیٹھنے میں جسم کو سنبھالنے والی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ نتیجہ میں جسم اپنی اصلیت کی طرف جھکتا ہے ہے اور وہ اصلیت زمین سے وابستگی ہے۔"

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کا سر مبارک درد کرنے لگتا تھا چنانچہ آپ بعد میں سر پر مہندی لگایا کرتے تھے۔ بعض صحابہ نے جو یہ روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ سر پر مہندی کا خضاب لگایا کرتے تھے اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے وہی بات

مراد ہے (کہ وحی کے نازل ہونے کے بعد آپ کو دوران سر کی وجہ سے اس کی ضرورت پیش آتی تھی) کیونکہ آنحضرت ﷺ (اس زمانے کی صحت اور قوی کے لحاظ سے) عمر کی اس منزل تک پہنچے ہی نہیں جہاں خضاب کی ضروری پیش آتی ہے۔

مگر اس روایت کو ماننے میں یہ اشکال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نوجوانوں کو خضاب کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔

"مہندی خضاب کیا کرو اس لئے کہ اس سے تمہاری جوانی، تمہارے حسن اور تمہارے نکاحوں میں تازگی آتی ہے۔"

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو ہم میں سے کوئی اس وقت تک آپ کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ پاتا تھا جب تک وحی کا سلسلہ رہتا تھا۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ۔ اس سے آپ پر بے چینی کے آثار ظاہر ہوتے تھے، آپ کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا، آنکھیں بند ہو جاتی تھیں اور کبھی کبھی آپ گرے گرے جھکے ہوئے سانس لینے لگتے تھے۔

حضرت زید ابن ثابتؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر کوئی سخت سورت نازل ہوتی تھی تو آپ پر اتنی ہی سختی اور بے چینی ظاہر ہوتی ہے اور جب کوئی نرم اور ہلکی سورت نازل ہوتی تھی تو آپ پر ایسے ہی ہلکے اثرات ظاہر ہوا کرتے تھے۔

<u>وحی سننے والوں کے لئے وحی کی آواز کی نوعیت</u>...... حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ

"جب آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے چہرے کے پاس شہد کی مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ کی آواز سنائی دیتی تھی۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ اور گھنٹی کی سی جھنکار کہنے میں کوئی فرق نہیں ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کیونکہ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی سی آواز تو دوسرے سننے والوں کو آتی تھی اور گھنٹی کی سی جھنکار خود آنحضرت ﷺ کو محسوس ہوتی تھی لہذا جب دوسرے شخص نے اس آواز کی کیفیت بتلائی تو شہد کی مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ کہا اور جب آنحضرت ﷺ نے یہ کیفیت بیان فرمائی تو آپ نے گھنٹی کی سی جھنکار فرمایا۔ (ی) تو گویا دونوں سے مراد ایک ہی۔ واللہ اعلم۔

<u>جبرئیلؑ کی اصلی شکل</u>...... اسی طرح وحی یعنی وحی لانے والے کے حالات میں سے ایک یہ تھا کہ وہ اپنی اسی اصلی شکل میں آتا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا فرمایا ہے اور جس شکل میں اس کے چھ سو بازو یعنی پنکھ ہیں۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس کا مطلب ظاہری طور پر یہی ہے کہ اسی حالت میں وہ وحی آتی تھی مگر اس کو ماننے میں یہ اشکال ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو دفعہ کے سوا حضرت جبرئیلؑ کو ان کی اس اصلی شکل میں نہیں دیکھا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو بنایا ہے ایک دفعہ آپ نے اس وقت دیکھا تھا جب وحی کی آمد کے سلسلے میں وقفہ ہونے کے بعد وہ آپ کو زمین کے بلند کنارے پر نظر آئے تھے اس موقعہ کو اللہ تعالیٰ نے ان کلمات پاک میں بیان فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ رَاٰہُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ قرآن حکیم پ ۳۰ سورۂ تکویر ۱۷ آیت

ترجمہ:- انہوں نے اس فرشتے کو اصلی صورت میں آسمان کے صاف کنارے پر دیکھا بھی ہے۔

یا ایک دوسری جگہ ارشاد باری ہے

فَاسْتَوٰی وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی قرآن حکیم پ ۲۷ سورہ نجم ع ۱ آیت

ترجمہ:- پھر وہ فرشتہ اپنی اصلی صورت پر نمودار ہوا ایسی حالت میں کہ وہ آسمان کے بلند کنارے پر تھا۔

تشریح...... اس آیت پاک کی تفسیر میں حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ

جبرئیلؑ کو اصلی شکل میں دیکھنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی خواہش...... افق میں دکھلائی دینے کی غالباً حکمت یہ ہے کہ وسط سماء میں دیکھنا خالی از مشقت و تکلف نہیں۔ (یعنی بیچ آسمان میں دیکھنا مشکل اور دشوار ہے)۔ اور اعلیٰ میں یہ حکمت تھی کہ بالکل افق پر بھی پوری چیز نظر نہیں آتی اس لئے ذرا اونچے پر نظر آئے۔

اس دیکھنے کا قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک بار حضور ﷺ نے جبرئیل سے خواہش کی کہ مجھ کو اپنی اصلی صورت دکھلادو۔ انہوں نے حرا کے پاس۔ اور حسب روایت ترمذی۔ جہاد میں وعدہ ٹھہرلیا۔ (حوالہ تفسیر بیان القرآن ختم۔ پ ۲۷ سورہ نجم رکوع ۱۔ تشریح ختم)۔

تب جبرئیلؑ مشرق سے اچانک آئے اور انہوں نے مغرب تک سارے افق کو (اپنے پروں سے) ڈھانپ لیا۔ آنحضرت ﷺ یہ دیکھ کر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ آخر جبرئیلؑ آدمیوں کی صورت میں نیچے اترے اور آپ کو دلاسادیا اور آپ کے چہرے سے گرد و غبار صاف کیا (جو زمین پر گرنے کی وجہ سے چہرہ مبارک پر لگ گیا تھا)۔

دوسری بار آپ نے جبرئیلؑ کو (ان کی اصلی شکل میں) شب معراج میں دیکھا جس کو حق تعالیٰ نے ان کلمات پاک میں بیان فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی الآیۃ پ ۲۷ سورہ نجم ع ۱

ترجمہ:- اور انہوں نے یعنی پیغمبر نے اس فرشتے کو ایک اور دفعہ بھی صورت اصلیہ میں دیکھا ہے سدرۃ المنتہی کے پاس اس کی تفصیلات آگے بیان ہوں گی۔

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ جبرئیلؑ کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنا آنحضرت ﷺ کی ہی خصوصیت ہے۔ (ی) یعنی سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی دوسرے نبی نے جبرئیلؑ کو ان کی اس شکل میں نہیں دیکھا جس پر حق تعالیٰ نے ان کو بنایا ہے۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ فرشتوں کے سلسلے میں بازوؤں یعنی پنکھوں سے مراد پرندوں کے جیسے پر نہیں ہوتے بلکہ ان کی ملکوتی یعنی فرشتوں والی صفت اور روحانی قوت ہوتی ہے۔ لہذا تفصیل سے ان الفاظ پر کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا جو پیچھے گزرے ہیں کہ انہوں نے اپنے پروں سے مشرق سے مغرب تک کو ڈھک لیا تھا۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا کلام ہے جو قابل غور ہے۔

ادھر شاید اس تحقیق سے علامہ ابن حجر کے اس قول کا بھی خلاف نہیں ہوتا جس میں گزرا ہے کہ فرشتے کے انسانی صورت میں ظاہر ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کی ذات ہی انسانی شکل میں بدل کر آگئی بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس شکل میں ظاہر ہوتا کہ جس سے کلام کرتا ہے اس کو وحشت نہ ہو اور ظاہر ہے کہ

آدمی کی شکل میں آنے سے فرشتے کی اصل صورت زائل یا فنا نہیں ہوتی بلکہ دیکھنے والے کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اب جہاں تک خود وحی کا تعلق ہے یہاں فرشتہ یا وحی لانے والا مراد نہیں بلکہ خود وہ کلمات جو آپ کو وحی کے ذریعہ پہنچائے جاتے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو فرشتے کے واسطے کے بغیر اور جاگنے کی حالت میں کبھی ان دیکھے طور پر پہنچائے ہیں اور کبھی آمنے سامنے ہو کر پہنچائے ہیں جیسے معراج کی رات میں ہوا۔ یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں صورتیں معراج کی رات میں ہی پیش آئیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے صرف ایک ہی صورت پیش آئی ہو۔

ان میں پہلی صورت جو ہے اس کو وہ علماء کہتے ہیں جو عدم رویت یعنی دیدار نہ ہونے کے قائل ہیں۔ اور دوسری صورت وہ علماء پیش کرتے ہیں جو دیدار کے قائل ہیں۔ مگر اس صورت میں اس وحی کو دو قسموں کی وحی نہیں کہا جاسکتا (بلکہ بلاواسطہ وحی کی ایک ہی قسم کہا جائے گا جس کو علماء کے دو طبقے دو طرح مانتے ہیں) اگرچہ علامہ شامی نے اس کو دو قسمیں ہی شمار کیا ہے۔ مگر اسی وجہ سے علامہ ابن قیم نے دوسری قسم یعنی دیدار ماننے کی صورت میں آمنے سامنے وحی پہنچائے جانے کے متعلق کہا ہے کہ یہ بعض علماء کا قول ہے۔ یہ بات انہوں نے اس طرح لکھی ہے گویا وہ اس بات سے اپنی برات کرنا چاہتے ہوں انہوں نے یہ بات اس طرح لکھی ہے۔

<u>کیا آنحضرت ﷺ کو دیدار خداوندی ہوا ہے</u>...... بعض علماء نے دوسری قسم کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روبرو اور آمنے سامنے ہو کر آنحضرت ﷺ سے کلام فرمایا۔ یہاں تک علامہ ابن قیم کا کلام ہے۔

ابن قیم ان علماء میں سے ہیں جو آنحضرت ﷺ کے لئے حق تعالیٰ کے دیدار کو نہیں مانتے۔ لہٰذا جن لوگوں نے وحی کی اس دوسری قسم کو مانا ہے انہوں نے گویا دیدار خداوندی کو بھی مانا ہے اور ظاہر ہے یہ ماننے کی صورت میں کہنا پڑے گا کہ یہ بات معراج کی رات ہی میں پیش آئی ہوگی۔ چنانچہ اسی پر حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا۔ ۲۵ سورہ شوریٰ ع ۲ آیت

ترجمہ :- اور کسی بشر کی حالت موجودہ میں یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمادے مگر تین طریق سے یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتے کو بھیج دے۔

وحی کے حالات میں جو چھٹی قسم ہے یعنی وہ وحی جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر آپ کو نمازوں کے فرض کرنے وغیرہ کے متعلق وحی پہنچائی کیونکہ یہ واقعہ معراج کی رات میں پیش آیا ہے۔ اس کے متعلق علامہ ابن قیم کا قول ہے کہ یہ وحی فرشتے کے واسطے کے بغیر پہنچائی گئی۔ اس میں دونوں احتمال ہیں کہ یا تو آمنے سامنے بے حجاب ہو کر پہنچائی گئی اور یا حجاب اور اوٹ کے ساتھ پہنچائی گئی۔ لہٰذا یہ وہی قسم رہتی ہے جو پیچھے بیان ہوئی۔ ہے۔ پھر اسی طرح ابن قیم نے وحی کے حالات میں جو ساتویں قسم بیان کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا آپ سے فرشتہ کے بغیر کلام فرمانا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ کے ساتھ بے حجاب ہوئے بغیر براہ راست کلام فرمایا۔ لہٰذا یہ بھی وہی قسم رہتی ہے جو پیچھے بیان ہوئی ہے۔

اب گویا آنحضرت کو معراج کی رات میں (چاروں طریقوں سے حق تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا کہ آپ نے) فرشتے کے واسطے سے بھی کلام کیا اور فرشتے کے واسطے کے بغیر بھی کلام کیا۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے ہوئے بھی اور بغیر دیدار کے بھی (ان کو چار کے بجائے دو قسمیں بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ فرشتے

کے واسطے سے کلام کا مطلب بھی یہی ہے کہ بغیر دیدار کے کلام ہوا اور فرشتے کے واسطے کے بغیر جو کلام ہوا اس کو ابن قیم بغیر دیدار کے مانتے ہیں اور دوسرے بہت سے علماء دیدار کے ساتھ مانتے ہیں جیسا کہ ہمارا مسلک یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دیدار خداوندی نصیب ہوا)

کتاب مواہب کے مصنف نے علامہ دمی عراقی کا قول بیان کیا ہے جس میں ابن قیم پر اعتراض کیا گیا ہے اور پھر انہوں نے اس کا جواب بھی دیا ہے مگر ساتھ ہی ابن قیم کے کلام میں جو کھلا ہوا اشکال ہے اس کو تسلیم کیا ہے واللہ اعلم میں قرآن پاک میں کوئی چیز نہیں ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیتوں کو اس میں شمار کر لیا جائے وہ آخری آیتیں یہ ہیں۔

من الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون الخ پ ۳ سورہ بقرہ ع ۴ آیت ۲۸۵

ترجمہ :- اعتقاد رکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ اس چیز کا جو انکے پاس انکے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مومنین بھی۔

ان آیتوں کو اس وقت کی وحی میں اس لئے شمار کیا جا سکتا ہے کہ یہ آیتیں اس وقت نازل ہوئی تھیں جب کہ آنحضرت ﷺ عرش اعظم سے صرف دو کمانوں کے فاصلے تک پہنچ گئے تھے جیسا کہ علامہ ہذلی نے اپنی کتاب کامل میں لکھا ہے۔

سورہ بقرہ کی آخری آیتوں کی فضیلت...... دیلمی نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا۔

"یا رسول اللہ! وہ کون سی آیت ہے جو آپ کو اور آپ کی امت کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے گی ؟

آپ نے فرمایا

"سورہ بقرہ کی آخری آیت کیونکہ یہ اللہ تعالی کے اس خزانے میں سے ہے جو عرش کے نیچے ہے ۔ اور دنیا اور آخرت کی کوئی بھلائی ایسی نہیں ہے جو اس میں نہ آگئی ہو۔"

آیت الکرسی کی فضیلت...... ادھر آیت الکرسی کی فضیلت میں بھی آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد ہے کہ ایک دفعہ آپ سے پوچھا گیا۔

"یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالی کی کتاب میں کون سی آیت سب سے زیادہ عظیم ہے"

آپنے فرمایا

"آیت الکرسی سب سے زیادہ عظیم درجے کی ہے۔"

مگر غالباً ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پھر حضرت حسنؓ نے مرسل[1] طور پر ایک حدیث بیان کی ہے کہ

"قرآن پاک کی سب سے افضل سورت سورۂ بقرہ ہے اور سورۂ بقرہ کی سب سے افضل آیت الکرسی ہے۔

اور ایک روایت کے مطابق

"سورۂ بقرہ میں سب سے عظیم درجے کی آیت آیۃ الکرسی ہے۔"

کتاب جامع صغیر میں ہے کہ آیت الکرسی اپنے مرتبے میں پورے قرآن پاک کے چوتھائی کے برابر ہے۔

---

[1] حدیث مرسل کی تعریف سیرہ حلبیہ اردو گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

اسی مقام پر یعنی دو کمانوں کے فاصلے پر سورہ والضحیٰ اور الم نشرح کا کچھ حصہ بھی نازل ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں میں نے پروردگار سے ایک سوال کیا لیکن کاش میں وہ عرض نہ کرتا۔ میں نے اپنے پروردگار سے عرض کیا۔

"پروردگار! تو نے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل اور دوست بنایا اور موسیٰؑ سے تو نے کلام فرمایا۔"

حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا۔

یا مُحَمَّد اَلَمْ اَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوَيْتُكَ وَضَالًّا فَهَدَيْتُكَ وَ عَائِلًا فَاَغْنَيْتُكَ وَشَرَحْتُ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْتُ عَنْكَ وِزْرَكَ وَ رَفَعْتُ لَكَ ذِكْرَكَ فَلَا اُذْكَرُ وَ تُذْكَرُ مَعِي۔

ترجمہ :۔اے محمد! کیا میں نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر آپ کو ٹھکانہ دیا اور شریعت سے بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلایا اور نادار پایا سو مالدار بنادیا۔ میں نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ علم اور حلم سے کشادہ کر دیا اور میں نے آپ سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا اور آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کر دیا ۔ پس جب بھی میرا ذکر ہوتا ہے آپ کا ذکر ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔

(تنبیہ ...... حق تعالیٰ کے اس ارشاد اور کلام پاک میں سورہ والضحیٰ اور الم نشرح کے الفاظ میں فرق واضح رہے اس کے متعلق آگے جواب آرہا ہے)۔

اقول ۔ مولف کہتے ہیں :(گذشتہ سطروں میں کہا گیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو حق تعالیٰ کا آمنے سامنے دیدار نصیب ہوا تو اس وقت آپ کو کیا بتلایا گیا اس کے متعلق قرآن پاک میں کچھ نہیں ہے۔ پھر بیان کیا گیا ہے کہ ہاں سورۂ بقرہ کی آخری آیت کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت یہ نازل کی گئی ہو گی کیونکہ یہ آیت علامہ ہذلی کے قول کے مطابق اس وقت نازل ہوئی جب کہ آپ ﷺ عرش اعظم سے صرف دو کمانوں کے فاصلے تک پہنچ گئے تھے ۔ اس دلیل کے بارے میں مولف کہتے ہیں)اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ دو کمانوں کے فاصلے پر نازل ہونے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ بے نقاب ہو کر دیدار کے ساتھ نازل کی گئی ہوں۔

جہاں تک حق تعالیٰ کے ان کلمات کا تعلق ہے جو اوپر ذکر ہوئے یعنی۔

یا مُحَمَّد اَلَمْ اَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوَيْتُكَ . الخ

(جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ سورہ والضحیٰ اور الم نشرح کا کچھ حصہ بھی اس وقت نازل ہوا ۔ اس کے متعلق کہتے ہیں) کہ یہ الفاظ قرآن پاک کے تلاوت ہونے والے الفاظ نہیں ہیں (اگرچہ معنی اور مطلب وہی ہے)اب یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن پاک میں جو الفاظ تلاوت ہوتے ہیں اور جن کا مطلب بھی یہی ہے وہ اس سے پہلے نازل ہو چکے تھے ۔یہاں حق تعالیٰ کی طرف سے اس وحی کی صرف یاد دہانی کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

خواب کی صورت میں وحی

وحی کی قسموں میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ بغیر فرشتے کے واسطے کے آپ کو خواب میں وحی دی گئی جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

"میرے پاس میرا پروردگار انتہائی حسین صورت میں آیا۔ اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ میں نے اپنے پروردگار کو انتہائی حسین صورت یعنی خلقت میں دیکھا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔

"کیا آپ جانتے ہیں کہ ہمارے مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کرتے رہتے ہیں"؟

میں نے عرض کیا

"تو ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے میرے پروردگار۔"

تب حق تعالیٰ نے میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان اپنی ہتھیلی رکھی جس سے مجھے اپنی چھاتی تک ٹھنڈک محسوس ہوئی اور اس کے ساتھ ہی آسمان و زمین میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ سب مجھ پر روشن ہو گیا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اس کے ساتھ ہی مجھے اولین اور آخرین کا علم حاصل ہو گیا۔

فرشتوں کے درمیان بحث و مباحثہ...... تشریح: علامہ حلبی نے یہ حدیث اتنی ہی نقل کی ہے۔ پھر احقر مترجم نے یہ پوری حدیث شرح زرقانی میں دیکھی جسے یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

(یہاں بحث کرنے کا جو لفظ استعمال کیا گیا اس کے لئے) حدیث میں اختصام یعنی جھگڑے کا لفظ استعمال ہوا ہے کتاب نہایہ میں ہے کہ مراد ہے فرشتوں کا آپس میں سوال جواب کرنا۔ علامہ توربشی کہتے ہیں کہ مراد ہے کہ ان کے درمیان جو سوال جواب ہوتے تھے وہ بحث مباحثہ کے سے انداز کے ہوتے تھے جیسے جھگڑنے والوں کے درمیان تکرار ہوتا ہے یہ بحث مباحثہ کفارات اور درجات کے سلسلے میں ہوتا تھا۔

کفارات سے مراد فضائل ہیں یعنی انسانوں کا نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھنا۔ پیروں سے چل کر مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے جانا اور مکمل اور بہترین طریقے پر وضو کرنا۔ درجات سے مراد یہ فضائل ہیں جیسے سلام میں پہل کرنا، مسافروں یا بھوکوں کو کھانا کھلانا راتوں میں جبکہ لوگ سو رہے ہوں اس وقت نمازیں پڑھنا۔

بیضاوی نے کہا ہے کہ کفارات اور درجات کے سلسلے میں مقرب فرشتوں کے آپس میں جھگڑے سے مراد یا تو یہ ہے کہ فرشتے انسانوں کے کفارات اور درجات کے ان اعمالناموں کی طرف جھپٹتے ہیں جو زمین سے وہاں پہنچتے ہیں اور ہر فرشتے کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان اعمالناموں کو اوپر کے آسمانوں تک وہ لے کر جائے۔ یا مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ ان اعمال کی فضیلت اور شرف پر آپس میں بات چیت کرتے ہیں اور ہر فرشتہ دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دوسرے اعمال کے مقابلے میں ان اعمال کی فضیلت بیان کرنا چاہتا ہے۔ یا پھر یہ مراد ہے کہ فرشتے اس بات پر رشک کرتے ہیں کہ انسانوں کو یہ فضائل حاصل ہیں جو صرف انسانوں ہی کے ساتھ خاص ہیں جس کے نتیجہ میں انسانوں کے درجے فرشتوں سے بھی زیادہ اونچے ہو جاتے ہیں حالانکہ فرشتوں کے

مقابلہ میں انسانوں کے ساتھ نفسانی خواہشات اور گناہ کرتے رہنے کی کمزوریاں بھی لگی ہوئی ہیں۔

کفارات ودرجات...... غرض حق تعالی نے آنحضرت ﷺ سے فرشتوں کے اس بحث مباحثے کے بارے میں پوچھا جس پر آپ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا۔ پھر حق تعالی نے آپ کے مونڈھوں کے درمیان اپنی ہتھیلی رکھ دی جس سے آپ پر زمین و آسمان اور اولین و آخرین کا علم روشن ہو گیا۔ اس کے بعد پھر حق تعالی نے آپ سے فرمایا۔

"اے محمد! کیا آپ جانتے ہیں کہ ہمارے مقرب فرشتے کس چیز پر بحث مباحثہ کرتے رہتے ہیں۔"

آپ نے عرض کیا۔

"ہاں۔ کفارات و درجات پر۔ اور کفارات نمازوں کے بعد مسجدوں میں لوگوں کا ٹھہرنا جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے پیدل چل کر مسجدوں میں جانا اور مکمل اور بہترین طریقے پر وضو کرنا ہے۔"

حق تعالی نے فرمایا

"تو نے سچ کہا اے محمد! جس نے یہ کفارات اور درجات پورے کئے وہ خیر کے ساتھ زندہ رہے گا اور خیر کے ہی ساتھ مرے گا۔ اور وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا جیسے آج ہی اسکی ماں نے اس کو جنم دیا ہے۔"

پھر ارشاد باری ہوا۔

"اے محمد! جب آپ نماز پڑھیں تو یہ دعا مانگئے۔"

اللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَ تَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَ حُبَّ الْمَسَاكِيْنَ وَاَنْ تَغْفِرَلِيْ وَتَرْحَمَنِيْ وَ تَتُوْبَ عَلَيَّ وَاِذَا اَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِيْ اِلَيْكَ غَيْرَ مُفْتُوْنٍ

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے ہی مانگتا ہوں کہ نیک کاموں کی توفیق عطا فرما برے کاموں سے بچا، غریبوں کی محبت دل میں ڈال دے میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحمت فرما اور میری توبہ قبول فرما اور جب تیرے بندوں کے درمیان کوئی فتنہ پھیلے تو مجھے اس سے پہلے عافیت کے ساتھ اٹھا لے۔

(تشریح ختم۔ زرقانی علی المواہب جلد اول ص 33/ 232 مرتب)

اولیاء اللہ کو بھی روحانی وراثت کے طور پر علوم پہنچتے ہیں...... آنحضرت ﷺ کو اس وقت جو زمین و آسمان اور اولین و آخرین کا علم حاصل ہوا تھا اس کے بارے میں علامہ حلبی کہتے ہیں) شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ یہ علم ایسا تھا جو آنحضرت ﷺ کو جسمانی قوی یعنی ذہن اور قلب کی کسی حسی یا معنوی قوت کے ذریعہ حاصل نہیں ہوا تھا (بلکہ خالص وہی علم تھا جو باری تعالی نے آپ میں ڈالا) چنانچہ اس کی روشنی میں یہ بات بھی ناممکن نہیں ہے کہ اولیاء اللہ کو بھی روحانی وراثت کے طور پر علوم پہنچتے ہوں۔ غرض اللہ تعالی نے اپنی خاص تجلی کے ذریعہ آنحضرت ﷺ پر زمین و آسمان میں کا علم روشن فرما دیا تھا۔

اسی طرح وحی کی قسموں میں ایک خواب کے ذریعہ پہنچنے والی وحی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

"انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔"

اجتہادی وحی...... پھر وحی کی ایک قسم وہ علم ہے جو احکام و مسائل میں اجتہاد کے وقت اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے قلب میں ڈالا کیونکہ یہ بھی ثابت ہے اور یہ بھی فرشتے کے واسطے کے بغیر ہوتا تھا۔ پچھلے صفحات میں وحی کی

ایک قسم یہ گزری ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آپ کے قلب میں علم پھونک دیتے تھے۔ مگر یہاں وحی کی جو اجتہادی قسم بتلائی گئی ہے اس میں اور اس میں فرق ہے۔

(ان صفحات میں وحی کی مختلف قسمیں بتلائی گئی ہیں حالانکہ درمیان میں ایک روایت گزری ہے کہ حضرت حرث ابن ہشام نے آپ سے سوال کیا تھا کہ آپ پر وحی کیسے آتی ہے تو آپ نے جواب میں وحی کی صرف دو صورتیں بتلائی تھیں ایک یہ کہ کبھی تو وحی ایک گھنٹی کی جھنکار کی طرح آتی ہے اور کبھی فرشتہ آدمی کی صورت میں میرے سامنے آتا ہے)لہذا وحی کی جو مختلف قسمیں بیان کی گئی ہیں ان کی روشنی میں یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ وہاں آنحضرت ﷺ کا صرف دو قسمیں بتلانا یا تو اس مقصد سے تھا کہ زیادہ تر ان ہی دو صورتوں میں وحی آتی ہے اور یا یہ وجہ رہی ہوگی کہ ان دو کے علاوہ وحی کی جو قسمیں ہیں وہ اس حدیث کے بعد پیش آئی ہوں گی۔

کتاب ینبوع حیات میں ہے کہ

وحی کی زبردست حفاظت...... جب کبھی بھی جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر اترتے تھے تو ان کے ساتھ بہت سے فرشتے ہوتے تھے جو جبرئیل علیہ السلام اور اس نبی کو جس کے پاس وحی آئی ہے اپنے گھیرے میں رکھتے تھے اور شیطانوں کو ان دونوں کے قریب بھی نہیں بھٹکنے دیتے تھے تاکہ وہ شیطان غیب کے علم کو نہ جان لیں جو جبرئیل علیہ السلام اس نبی کے پاس پہنچا رہے ہیں۔ اور پھر جا کر اپنے چیلوں یا کاہنوں کو بتلادیں۔

جبرئیل علیہ السلام جب قرآن پاک لے کر آیا کرتے تھے تو ان کے ساتھ فرشتوں کی جو تعداد ہوتی تھی اس کے متعلق کتاب اتقان میں ہے کہ

"جب سورۂ انعام نازل ہوئی تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے آئے تھے جب سورہ فاتحہ نازل ہوئی تو اس کے ساتھ اسی ہزار فرشتے تھے۔ اسی طرح جب آیت الکرسی نازل ہوئی تو اس کے ساتھ بھی اسی ہزار فرشتے تھے جب سورہ یسین نازل ہوئی تو اس کے ساتھ تیس ہزار فرشتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا پ ۲۵ سورہ زخرف ع ۴)

ترجمہ: اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے۔

تو اس کے ساتھ بیس ہزار فرشتے آئے تھے۔

غالباً اس تفصیل سے پیچھے گزرنے والے اس قول کی مخالفت نہیں ہوتی کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کے وقت ستاروں کے ٹوٹنے کی غرض یہ تھی کہ وحی کے متعلق شیطانوں کے سن گن لینے سے آسمانوں کی حفاظت ہوتی رہے کیونکہ ممکن ہے وحی کی یہ حفاظت زمین میں بھی ہو اور آسمان و زمین کے درمیان میں بھی ہو۔

نخعی سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ پر سب سے پہلے جو سورت نازل ہوئی وہ اقراء باسم ربك ہے۔ اس کے متعلق امام نووی کہتے ہیں کہ یہی صحیح بات ہے اور سلف و خلف کے جمہور علماء کا اسی بات پر اتفاق ہے یہاں تک امام نووی کا قول ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہاں سورت سے نخعی کی مراد قرآن پاک یعنی سورت کا ایک ٹکڑا ہے (پوری سورت نہیں) یعنی سورت کی ابتدائی آیتیں جو سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ لہذا اب عمرو ابن شرجیل کی جو روایت پیچھے گزری ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت سورہ فاتحہ ہے۔ وہ روایت اس روایت کے خلاف نہیں رہتی کیونکہ عمرو ابن شرحبیل کی اس روایت سے مراد یہ ہے کہ سب سے پہلی مکمل سورت جو نازل

ہوئی اور جوڈرانے کے سلسلے میں نہیں ہے وہ سورۂ فاتحہ ہے۔

اسی طرح جابر کی ایک روایت گزری ہے جس میں یہ ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت یا ایھا المدثر ہے۔ یہ روایت بھی نخعی کے خلاف نہیں ہوتی کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی سب سے پہلی سورت جوڈرانے کے سلسلے میں نازل ہوئی اور جو وقفہ وحی کے بعد نازل ہوئی وہ سورہ مدثر ہے۔ (ی) کیونکہ سورہ مدثر جو نازل ہوئی یہ اقراء کے مکمل ہونے سے پہلے نازل ہوئی۔ (اس طرح ان روایتوں کے درمیان کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی اور) ان کے درمیان اس موافقت کو ثابت کرنے کے سلسلے میں گزشتہ صفحوں میں وعدہ کیا گیا تھا۔

قرآن پاک ایک ایک آیت کر کے نازل ہوا یا ایک ایک سورت نازل ہوئی..... مگر اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے ایک ارشاد کی وجہ سے پھر اس میں شبہ باقی رہ جاتا ہے، یہ حدیث کشاف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"مجھ پر قرآن پاک ہمیشہ ایک ایک آیت اور ایک ایک حرف کی صورت میں نازل ہوا سوائے سورہ برات یعنی سورہ توبہ اور سورہ اخلاص کے کیونکہ یہ دونوں سورتیں مجھ پر مکمل صورت میں نازل ہوئیں اور ان کے نازل ہونے کے وقت ان کے ساتھ فرشتوں کی ستر ہزار صفیں حفاظت کے لئے آئی تھیں۔"

پچھلی سطروں میں جن تین حدیثوں میں موافقت پیدا کی گئی ہے وہ اسی طرح کہ سورہ فاتحہ مکمل طور پر نازل ہوئی لیکن اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ سوائے سورہ توبہ اور قل ھو اللہ احد کے باقی تمام قرآن پاک ایک ایک آیت کر کے نازل ہوا۔ مگر کتاب اتقان میں ایک قول۔ ہے جو اس کشاف کی روایت کے بھی خلاف ہے۔ اتقان میں ہے کہ جو سورتیں مکمل طور پر نازل ہوئیں ان میں ایک تو سورہ فاتحہ ہے ایک سورہ کوثر ہے ایک سورہ تبت ہے ایک سورہ لم یکن ہے ایک سورہ نصر ہے ایک سورہ مرسلات ہے اور ایک سورہ انعام ہے۔ مگر اس روایت کے متعلق ابن صلاح نے کہا ہے کہ اس روایت کی سند میں ضعف اور کمزوری ہے اور یہ کہا ہے کہ مجھے اس روایت کی کوئی صحیح سند نہیں مل سکی اور ادھر اس روایت کے خلاف روایت بھی ہے۔

ادھر یہ ہے کہ اس اتقان کی روایت میں مکمل نازل ہونے والی سورتوں میں سورہ براۃ کا ذکر نہیں ہے (جبکہ گزشتہ حدیث میں گزرا ہے کہ سورہ براۃ بھی مکمل طور پر ایک ساتھ نازل ہوئی ہے)۔

ابن صلاح الدین نے یہ بھی لکھا ہے کہ مَعُوْذَتَین یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِ النَّاس اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَق بھی مکمل شکل میں ایک ہی دفعہ میں نازل ہوئی ہے۔ لہذا اب قرآن پاک کے ایک ایک آیت اور ایک ایک حرف کر کے نازل ہونے کے متعلق آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد ہے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ایک ایک کلمہ کر کے جو ایک سورت کے مقابلہ میں ہو ورنہ ظاہر ہے کہ قرآن پاک کی تین تین چار چار اور دس دس آیات تک ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں اور اسی طرح ایک پوری آیت سے بھی کم یعنی آیت کا کچھ حصہ بھی نازل ہوا ہے جیسا کہ غیر اولی الضرر کے کلمات نازل ہوئے جو ایک آیت کا ایک حصہ ہیں۔

کتاب اتقان میں جابر ابن زید سے روایت ہے کہ مکے میں قرآن میں سے سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ اقراء باسم ربک ہے اس کے بعد نٓ والقلم نازل ہوئی۔ اس کے بعد یا ایھا المزمل نازل ہوئی۔ پھر یا ایھا المدثر نازل ہوئی اس کے بعد سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر اتقان کے مصنف لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ ترتیب قابل غور ہے اور اس میں شبہ ہے۔ یہ جابر ابن زید تابعی علماء میں سے ہیں یہاں تک کتاب اتقان

کا حوالہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کا اضطراب اور وقفہ وحی کی حکمت...... ایک مفسر نے یہ بھی لکھا ہے کہ سب سے پہلی نازل ہونے والی سورت والتین ہے۔ واللہ اعلم۔

پیچھے بیان ہوا ہے کہ یا ایھا المدثر وقفہ وحی کے بعد ڈرانے کے سلسلے میں نازل ہونے والی پہلی سورت ہے۔ کیونکہ یہ سورت جبرئیل علیہ السلام کے اقراء لے کر آنے کے بعد میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد ایک مدت تک جبرئیل علیہ السلام آپ کے سامنے نہیں آئے۔ (ی) اس وقفہ وحی میں اللہ تعالی کی یہ حکمت تھی کہ آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک میں جبرئیل کو دیکھ کر جو خوف اور دہشت پیدا ہو گئی وہ دور ہو جائے اور ان کے نہ آنے کی وجہ سے آپ کے دل میں ان کے وحی لے کر آنے کا شوق پیدا ہو جائے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام کی آمد کے اچانک رک جانے کی وجہ سے آنحضرت کو اتنا صدمہ اور رنج ہوا کہ کئی بار آپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے تاکہ اپنے آپ کو وہاں سے گرا کر ختم کر دیں مگر جب بھی آپ اس ارادہ سے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھے کہ اپنے آپ کو وہاں سے گرا دیں اسی وقت جبرئیل علیہ السلام سامنے آجاتے اور کہتے۔

"اے محمد! آپ حقیقت میں اللہ تعالی کے رسول ہیں۔"

یہ کلمات سن کر آنحضرت ﷺ کے دل کو اطمینان ہوتا اور آپ سکون محسوس فرماتے اور واپس چلے جاتے مگر پھر جب وقفہ وحی کا زمانہ کچھ اور گزر جاتا تو آپ پھر اسی طرح بے قرار اور رنج محسوس فرماتے اور اسی طرح پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے تاکہ اپنے آپ کو وہاں سے گرا دیں کہ پھر جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہو کر آپ کو تسلی دیتے۔

وقفہ وحی کی مدت...... ایک روایت میں یہی سب تفصیل ہے مگر اس میں یہ لفظ ہیں کہ۔ کبھی آپ ثبیر پہاڑ پر چڑھتے اور کبھی حراء پہاڑ پر چڑھتے تاکہ وہاں سے اپنے آپ کو گرا دیں۔ وقفہ وحی کی یہ مدت چالیس دن کی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ پندرہ دن کی تھی۔ ایک قول کے مطابق بارہ دن کی تھی۔ ایک قول تین دن کا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے

اقول۔ مولف کہتے ہیں: مگر یہ کہنا کہ یہ قول زیادہ مناسب ہے اسی روایت کے ان الفاظ کی روشنی میں درست نہیں معلوم ہوتا جہاں یہ کہا گیا ہے جب وقفہ وحی کا زمانہ کچھ گزر جاتا تو آپ پھر اسی طرح بے قرار محسوس فرماتے تھے (کیونکہ تین دن کا وقفہ ایسا لمبا زمانہ نہیں ہے جس میں اس قسم کے تغیرات ہوتے رہے ہوں) واللہ اعلم

کتاب عیون الاثر میں یہ ہے کہ ابن اسحاق نے وقفہ وحی کی کوئی متعین مدت ذکر نہیں کی ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: مگر فتح الباری میں یہ ہے کہ ابن اسحاق نے تعین کے ساتھ لکھا ہے کہ وقفہ وحی کی مدت تین سال ہے۔ واللہ اعلم

علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ اس وقفہ وحی کی مدت سال تھی حافظ ابن حجر نے اس قول کے سلسلے میں لکھا ہے کہ علامہ سہیلی نے جس پر اعتماد کیا ہے وہ قول ثابت شدہ نہیں ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ وقفہ وحی کی مدت چند دن تھی (ی) اور ظاہر ہے چند دن کی کم سے کم مدت صرف تین دن ہوا کرتی ہے۔ مگر اس میں جو اشکال ہوتا ہے وہ بھی بیان ہو چکا ہے۔

اسرافیلؑ کب اور کتنا عرصہ آنحضرت ﷺ سے وابستہ رہے ......(قال) بعض محدثین نے کہا ہے کہ وقفہ وحی کی مدت یعنی اقراء اور سورۂ یاایہاالمدثر کے درمیان وحی رکے رہنے کا زمانہ وہی ہے جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ سے وابستہ رہے جیسا کہ علامہ شعبی نے بھی یہی کہا ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: کتاب استیعاب میں بھی علامہ عبدالبر نے شعبی کے حوالے سے یہی کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی اور پھر تین سال تک اسرافیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی نبوت کے ساتھ وابستہ رہے (یعنی تین سال تک آپ کے پاس آتے رہے اگرچہ قرآن لے کر نہیں آئے کیونکہ قرآن پاک صرف جبرئیل علیہ السلام ہی لے کر آئے ہیں۔ یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے۔ اسی طرح اصل کتاب یعنی عیون الاثر میں بھی شعبی کے حوالہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اسرافیل علیہ السلام آتے رہے وہ تین سال تک اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کے سامنے لاتے رہے اور وحی کے طور پر کچھ کلمات بھی لایا کرتے تھے مگر قرآن پاک لے کر نہیں آئے کیونکہ قرآن پاک کی ایک آیت بھی ان کے ذریعہ نہیں آئی۔ اس کے بعد پھر جبرئیل علیہ السلام آپ سے وابستہ ہوگئے جو وحی بھی لے کر آتے تھے اور قرآن پاک بھی لے کر آتے تھے۔ ان کے شیخ حافظ دمیاطی نے بھی کچھ اسی قسم کی بات کہی ہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ سے اسرافیل علیہ السلام وابستہ ہوئے اور ان کے بعد جبرئیل علیہ السلام وابستہ ہوئے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسرافیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی صرف نبوت سے وابستہ رہے (رسالت و تبلیغ سے نہیں۔ نبوت اور رسالت کے درمیان جو فرق ہے وہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو پہلے نبوت ملی اور پھر تین سال بعد وقفہ وحی کے بعد رسالت یعنی تبلیغ کا حکم ملا تو اسرافیل علیہ السلام ایک ایک کر کے چیزوں کا علم لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آتے رہے۔

مگر واقدی نے شعبی کے اس قول کو غلط بتلایا ہے کہ نبوت کے بعد بھی اسرافیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ سے وابستہ رہے وہ کہتے ہیں کہ نبوت کے بعد جبرئیل علیہ السلام کے سوا کوئی فرشتہ آنحضرت ﷺ سے وابستہ نہیں رہا۔ یہاں علامہ واقدی کی مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نبوت سے پہلے اسرافیل علیہ السلام آپ سے وابستہ رہے ہیں اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ سرے سے کبھی بھی وابستہ نہیں رہے۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ شعبی نے جو کچھ کہا ہے وہی بات صحیح ثابت اور محفوظ ہے اور مشہور قول کے مطابق ہے نیز یہ کہ شعبی نے جو کچھ کہا ہے وہ چاہے مرسل روایت کے ذریعہ کہا ہو اور چاہے معضل [1]۔ روایت کے ذریعہ کہا ہو کسی بھی صورت میں وہ بات صحیح حدیثوں کے خلاف نہیں ہے۔ یہاں تک ان بعض علماء کا کلام ہے۔

حافظ ابن حجر نے واقدی کی اس بات میں شبہ ظاہر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایسی بات جو کسی چیز کو ثابت کر رہی ہو اس بات کے مقابلے میں اصولی طور پر ہمیشہ مقدم اور قابل قبول ہوتی ہے جو کسی چیز کا انکار کر رہی ہو۔ ہاں اگر انکار کرنے والی بات کے ساتھ کوئی دلیل بھی ہو تب ہی اس کو ثابت کرنے والی بات کے مقابلے میں ترجیح دی جائے گی۔ یہاں تک حافظ ابن حجر کا کلام ہے۔ (یعنی اسرافیل علیہ السلام کے آنحضرت ﷺ کے پاس

---

[1] حدیث مرسل اور معضل کی تعریف سیرت حلبیہ جلد اوّل نصف آخر میں دیکھئے۔ مرتب

آنے کی روایت ایک بات ثابت کرنے والی ہے اور نہ آنے کی روایت اس بات سے انکار ہے لہذا قاعدہ کے لحاظ سے ثابت کرنے والی روایت کو ترجیح دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اسرافیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے ساتھ وابستہ رہے ہیں اس بات سے انکار کرنے والی روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی دلیل بھی نہ ہو)

اس پر ایک دلیل پیش کی جاسکتی ہے حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور اس وقت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس تھے کہ اچانک آنحضرت ﷺ نے آسمان سے آنے والی ایک سرسراہٹ کی آواز سنی جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور کہا۔

"اے محمد (ﷺ) یہ وہ فرشتہ آسمان سے اترا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں اترا۔"

علماء کی ایک جماعت اس بارے میں یہ کہتی ہے کہ یہ اسرافیل علیہ السلام تھے۔

اس دلیل کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ یہ خود صرف ایک دعویٰ ہے دلیل نہیں ہے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے اس پر دلیل ہونی چاہئے۔ یہ کہنا مناسب نہ ہوگا کہ اس روایت کی بنیاد حضرت ابن عمرؓ کی وہ حدیث ہے جو طبرانی نے نقل کی ہے جس میں ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

اس دلیل کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ یہ خود صرف ایک دعویٰ ہے دلیل نہیں ہے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے اس پر دلیل ہونی چاہئے۔ یہ کہنا مناسب نہ ہوگا کہ اس روایت کی بنیاد حضرت ابن عمرؓ کی وہ حدیث ہے جو طبرانی نے نقل کی ہے جس میں ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔

"مجھ پر آسمان سے وہ فرشتہ نازل ہوا ہے جو نہ مجھ سے پہلے کسی نبی پر نازل ہوا ہے اور نہ میرے بعد کبھی نازل ہوگا اور وہ اسرافیل علیہ السلام ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کے پروردگار کا قاصد ہوں۔"

اسی بناء پر علامہ سیوطی نے اسرافیل علیہ السلام کے آنحضرت ﷺ پر نازل ہونے کو آپ کی خصوصیات میں شمار کیا ہے کیونکہ اس بارے میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ پر اس سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوئے جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ جبرئیل علیہ السلام کے بعد اسرافیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ سے وابستہ ہوئے تھے حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ اسرافیل علیہ السلام وحی شروع ہونے کے دو سال بعد آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ اس کی دلیل میں وہ کہتے ہیں کہ یہ بات احادیث کی تمام سندوں سے ثابت ہے۔

مگر کتاب سفر السعادت میں اس بارے میں کچھ مختلف روایت ہے اس میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک نو سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ساتھ رہیں پھر جب آپ کی عمر گیارہ سال کی ہوئی تو حق تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ساتھ رہنے کا حکم فرمایا چنانچہ جبرئیل علیہ السلام انتیس سال تک وابستہ رہے۔ بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے۔

یحییٰ ابن بکیر سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں کوئی مخلوق ایسی نہیں پیدا فرمائی جس کی آواز اتنی خوبصورت اور سریلی ہو جتنی اسرافیل علیہ السلام کی ہے۔ جب اسرافیل علیہ السلام آسمانوں میں کچھ پڑھتے ہیں تو فرشتوں کا ذکر اور تسبیحیں رک جاتی ہیں۔

فتح الباری میں ہے کہ وقفہ وحی کے تین سالوں سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان تین سالوں میں آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام نہیں آئے بلکہ صرف یہ مراد ہے کہ اس دوران میں قرآن پاک نازل نہیں ہوا اور اقراء نازل ہونے کے بعد یا ایھا المدثر وقفہ وحی کے تین برس گزرنے پر نازل ہوئی۔ یہاں تک فتح الباری کا حوالہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ وقفہ وحی کے دوران جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس بغیر قرآن کے آتے رہے اور قرآن پاک یعنی یا ایھا المدثر لے کر یہ وقفہ گزرنے کے بعد ہی آئے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ پھر اس وقفہ کے دوران میں ایسے دن بھی گزرے جن میں وہ بالکل نہیں آئے۔ پھر یا ایھا المدثر لے کر آئے اور اس دوران میں کبھی آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کبھی اسرافیل علیہ السلام آئے۔

اب اس تفصیل سے ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا جن میں سے ایک یہ تھی جو پیچھے بیان ہوئی ہیں کہ ایک قول کے مطابق وقفہ وحی کی مدت تین سال تھی جیسا کہ ابن اسحاق کا قول ہے یا علامہ سہیلی کے مطابق ڈھائی سال اور حافظ سیوطی کے مطابق دو سال تھی۔ اور دوسرا قول یہ تھا کہ وقفہ وحی کی مدت کچھ دن تھی جس کی کم سے کم مدت تین دن ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ چالیس دن ذکر ہوئی ہے۔ یہ بات ابن عباس کی روایت کی بنیاد پر بیان ہوئی ہے ان دونوں باتوں میں اب اس لئے اختلاف نہیں رہتا کہ ان چند دنوں سے وہ دن مراد لئے جا سکتے ہیں جن میں جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس بالکل نہیں آئے۔ (ی) اور جن میں اسرافیل علیہ السلام بھی نہیں آئے۔ اور ان دنوں کے علاوہ تین سال کے باقی عرصے میں اگرچہ جبرئیل علیہ السلام آتے رہے مگر قرآن کے بغیر آئے۔ لہٰذا اب حافظ سیوطی کی طرف سے علامہ سہیلی کے قول کی جو تردید بیان ہوئی ہے اس کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

ادھر اب یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ جن دنوں میں آپ کو نہ جبرئیل علیہ السلام نظر آئے اور نہ اسرافیل علیہ السلام نظر آئے ان ہی دنوں میں آپ نے اپنے آپ کو پہاڑوں کی چوٹیوں سے گرا دینا چاہا۔

اسی تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کو رسالت کے مقابلہ میں نبوت پہلے ملی کیونکہ رسالت یا ایھا المدثر کے ذریعہ نازل ہوئی (کیونکہ ان ہی آیتوں کے ذریعہ آپ کو تبلیغ کرنے اور لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ اس سے پہلے جب اقراء نازل ہوئی تھی تو اس کے ذریعہ صرف نبوت ملی تھی کیونکہ اس وحی میں تبلیغ کا حکم نہیں تھا)۔

چنانچہ اسی بات سے بعض علماء کا یہ قول سمجھ میں آ جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اقراء باسم ربك کے ذریعہ نبوت ملی اور جس آیت کے ذریعہ رسالت ملی وہ یہ ہے۔

يَآاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ پ ۲۹ سورہ مدثر ع ۱ آیۃ ۱ تا ۴

ترجمہ: اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو یعنی اپنی جگہ سے اٹھو یا یہ کہ مستعد ہو پھر کافروں کو ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔

ان ہی دونوں آیتوں کے درمیان وقفہ وحی کا زمانہ ہوا ہے اور اکثر روایتوں سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نبوت اور رسالت ایک ساتھ ملی۔ جو لوگ یہ بات کہتے

ہیں وہ اس پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ یا ایھا المدثر میں دعوت و تبلیغ کا اظہار نہیں ہے بلکہ اس میں صرف دعوت و تبلیغ کا مطالبہ ہے۔ اس آیت میں تبلیغ کا مطالبہ ایسا ہی ہے جیسا اس آیت میں کیا گیا ہے۔

فاصدع بما تو مروا عرض عن المشرکین پ ۱۴ سورہ النحل ع ۶

ترجمہ: غرض آپ کو جس بات کا حکم کیا گیا ہے اس کو تو صاف صاف سنا دیجئے اور ان مشرکوں کی پروا نہ کیجئے۔

(یعنی آنحضرت ﷺ کو نبوت اور رسالت ساتھ ساتھ ملی ایسا نہیں ہوا کہ پہلے صرف نبوت ملی اور پھر جب ایھا المدثر نازل ہوئی تو اس کے ذریعہ آپ کو رسالت ملی ہو بلکہ جب یاایھا المدثر نازل ہوئی اس وقت بھی آپ نبی ہونے کے ساتھ رسول بھی تھے۔ اس آیت کے ذریعہ صرف آپ سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اب آپ اس رسالت کا کام پورا کریں)

یاایھاالمدثر سے خطاب کرنے کی حکمت...... (یاایھاالمدثر میں آنحضرت ﷺ کو آپ کا نام لے کر یا نبی یا رسول کہہ کر مخاطب کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اے کپڑے میں لپٹنے والے کہا ہے) علامہ سہیلی نے اس کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ عربوں کی عادت ہے کہ جب کسی شخص سے زیادہ تعلق اور محبت کا اظہار منظور ہوتا ہے تو وہ اس کا نام لینے کے بجائے اس کی حالت اور عمل دیکھ کر اسی حالت اور عمل کے لحاظ سے اس کو کوئی نام دے کر پکارتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی ازراہ محبت آپ کی اس وقت کی حالت کے مطابق آپ کو کپڑے میں لپٹنے والے کہہ کر مخاطب کیا۔ چنانچہ مخاطب کرنے کے اس انداز سے آنحضرت ﷺ نے اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی خاص محبت اور رحمت کو محسوس فرمالیا جو آپ کی دلی مراد اور مقصود تھی۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ اس حکم کے بعد جن سخت حالات سے دوچار ہوں گے ان میں آپ کو تسلی اور ڈھارس رہے۔

اسی کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک بار جب حضرت علیؓ زمین پر لیٹے ہوئے سو رہے تھے جس سے ان کی پیشانی پر بھی مٹی لگ گئی تھی اس وقت آنحضرت ﷺ نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو ان کو اے علی کہنے کے بجائے اے ابوتراب یعنی اے مٹی والے کہہ کر پکارا تھا جس سے آپ کا مقصد محبت کا اظہار تھا۔

اسی طرح غزوہ احد کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کو دیکھا کہ وہ سو رہے تھے تو آپ ﷺ نے ان کو ازراہ محبت اے بہت سونے والے کہہ کر پکارا تھا۔

علامہ شیخ محی الدین ابن عربی نے اس کی ایک عقلی اور طبعی وجہ بیان کی ہے وہ کہتے ہیں کہ دراصل تدثر یعنی کپڑے میں لپٹنے کی وجہ وہ ٹھنڈک ہوتی تھی جو وحی آنے کے بعد محسوس ہوتی تھی اسی لئے وحی کے بعد آپ نے کپڑا اوڑھا تھا اس ٹھنڈک کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ جب فرشتہ کوئی علم اور حکمت لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آتا تھا تو اس کو انسانی روح محسوس کرتی تھی جس سے جسم کی حرارت اصلی بڑھ جاتی تھی اسی کی وجہ سے ایک دم چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا ادھر جسم کے اندر سے رطوبت یعنی پسینہ ایک دم ابھر کر بدن کے باہری حصے پر آجاتا تھا تاکہ اس غیر طبعی گرمی کو ختم کر لے یہ وجہ پسینہ آنے کی تھی اس کی وجہ سے طبیعت کو سکون ملتا تھا وہ حرارت اور گرمی کم ہوتی تھی اور پسینے کی وجہ سے جسم کے مسامات کھل جاتے تھے اور بدن باہری ہوا کو قبول کرنے لگتا تھا پسینے کے بعد اس ہوا کے جسم میں جانے کی وجہ سے مزاج اور طبیعت ایک دم ٹھنڈک سے متاثر ہوتی تھی چنانچہ آپ

جسم مبارک پر زیادہ کپڑے لپیٹتے تھے تاکہ بدن کو گرمائی مل سکے یہاں تک علامہ ابن عربی کے کلام کا خلاصہ ہے۔

وثیابك فطھر یعنی اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے۔ اس آیت پاک کی تفسیر میں بعض علماء نے شیخ ابوالحسن رحمتہ اللہ کا واقعہ لکھا ہے کہ انہوں نے خواب میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"اے ابوالحسن! اپنے کپڑوں کو اس میل سے پاک رکھو جو اللہ تعالیٰ نے ہر شخص میں اتارا ہے۔"

میں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! میرے وہ کپڑے کیا ہیں۔"

آپ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے تمہیں توحید کا لباس محبت کا لباس اور معرفت یعنی اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کا لباس پہنچایا ہے۔"

شیخ ابوالحسنؒ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے میں وثیابك فطھر کی مراد کو سمجھا۔

تشریح: یہ دراصل تصوف کی باتیں ہیں اور صوفیاء کے یہاں اس آیت پاک سے یہ معنی مراد لئے جاتے ہیں حقیقت میں وثیابك فطھر سے لباس اور کپڑے ہی مراد ہیں۔ فقہاء نے اس سے بدن پر پہنے جانے والے کپڑے ہی مراد لئے ہیں اور اسی آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ نماز میں بدن کے کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے۔ مرتب)

اسرافیل علیہ السلام حضرت اسرافیل علیہ السلام کی جسمانی بناوٹ کے متعلق حدیث میں آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت کے بارے میں غور و فکر نہ کرو بلکہ ان چیزوں کی عظمت کے بارے میں غور و فکر کرو جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے حق تعالیٰ کی مخلوق میں ایک فرشتے اسرافیل علیہ السلام ہیں (جن کی جسمانی بناوٹ اور عظمت کا یہ عالم ہے کہ) ان کے کاندھے پر عرش کا ایک کونہ رکھا ہوا ہے اور انکے پیر زمین کے سب سے نچلے درجے میں ہیں۔ ان کا سر ساتوں آسمانوں میں گزرتا ہوا (عرش کے پائے تک) پہنچ رہا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بلندی کا یہ حال ہے کہ ان کے سامنے وہ دبتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ایسے محسوس ہوتے ہیں جیسے ایک ننھی سی چڑیا ہوتی ہے۔ وہ جب نیچے اترتے ہیں تو کبھی یا تو عرش کا کونہ ان کے کاندھے ہی پر ہوتا ہے اور یا فرشتوں میں سے کوئی دوسرا ان کی جگہ لے لیتا ہے۔ (اور ظاہر ہے وہ جگہ لینے والا فرشتہ بھی اسی قد بدن کا ہوتا ہوگا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی مخلوق میں اس قد بدن کی مخلوقات بے شمار ہیں۔ نیز اسی سے یہ سوچا جا سکتا ہے کہ خود حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کہ حق تعالیٰ کی مخلوق میں اس قد بدن کی مخلوقات بے شمار ہیں۔ نیز اسی سے یہ سوچا جا سکتا ہے کہ خود حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا کیا عالم ہوگا جس کی ایک ایک مخلوق ایسی عظیم الشان ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی پر غور کرنے سے پہلے اس کی مخلوق ہی پر غور کر لیا جائے کہ وہی ہماری سوچ اور ذہن کی پرواز سے باہر ہیں ہم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی کا تو کیا اندازہ کر سکتے ہیں)۔"

باب بست دوم (۲۲)

آنحضرت ﷺ کی وضو اور نماز جو ظہور کے شروع ہی میں نازل کی گئی

یہاں ظہور سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام کا اقراء لے کر آنا ہے (جس کا مطلب یہ ہوا کہ وضو اور نماز کا حکم اسی وقت ہو گیا تھا جبکہ آپ کو نبوت عطا کی گئی)

اقول۔ مولف کہتے ہیں: کتاب مواہب میں روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس انتہائی حسین شکل اور مہکتے ہوئے جسم کے ساتھ آئے۔ پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

اے محمد! ﷺ اللہ تعالی آپ کو سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ جنوں اور انسانوں کے لئے اللہ تعالی کے رسول ہیں۔ اس لئے ان کو لا الہ الا اللہ یعنی اللہ تعالی کے سوائے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ (اس کلمے) کی طرف بلاؤ۔"

اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے زمین پر اپنا پاؤں مارا جس سے وہیں پانی کا ایک چشمہ پھوٹ آیا اس پانی سے جبرئیل علیہ السلام نے وضو کیا اور پھر آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ آپ وضو کریں اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ سے فرمایا کہ آپ ان کے ساتھ نماز پڑھیں۔ اس طرح جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا۔ (حدیث)

اس روایت میں جو یہ لفظ ہیں کہ اس طرح جبرئیل نے آنحضرت ﷺ کو وضو اور نماز کا طریقہ بتلایا۔ اس سے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے خود وضو کرنے اور نماز پڑھنے کے ذریعہ آپ کو یہ تعلیم دی اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے زبانی طور پر تعلیم دی ہو کہ وضو ایسے کیجئے اور نماز اس طرح پڑھئے۔

آگے ایک روایت آرہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے عمل کے ذریعہ وضو اور نماز کی تعلیم دی تھی۔

اس روایت میں ایک اشکال ہے کہ یہاں جبرئیل علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ آپ جنوں اور انسانوں کی طرف پیغمبر بنائے گئے ہیں۔ یہ قول جیسا کہ آگے آنے والی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے اس وقت کا ہے جبکہ جبرئیل علیہ السلام وقفہ وحی کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تھے اور آپ کو دعوت و تبلیغ کا اظہار کرنے کا حکم لائے تھے (اس وقت کا نہیں ہے جب وہ اقراء لے کر آئے تھے کیونکہ اس وقت تبلیغ اور نبوت کے اعلان کا حکم نہیں دیا گیا تھا) لہذا اب جبرئیل علیہ السلام کے اس قول کو کہ آپ جنوں اور انسانوں کے لئے رسول بنائے گئے ہیں اور اس کو کہ پھر جبرئیل علیہ نے زمین پر پاؤں مارا۔ ایک جگہ کرنا مناسب نہیں رہتا۔ کیونکہ جہاں تک وضو اور نماز سکھانے کا تعلق ہے تو اس کے متعلق آگے آنے والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اقراء کے نازل ہونے کے وقت ہی سکھائی گئی تھیں (جبکہ تبلیغ کے اظہار اور نبوت کے اعلان کا حکم وقفہ وحی کے بعد ہوا جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ آپ کو نبوت پہلے ملی اور رسالت اس کے بعد ملی) اس لئے بظاہر اس روایت میں راوی کو مغالطہ ہوا ہے واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کو وضو کی تعلیم

غرض ابن اسحاق سے روایت ہے کہ بعض علماء نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ جب معراج سے پہلے آنحضرت ﷺ پر نماز فرض ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اس وقت آپ مکے کے بالائی حصے میں تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے وادی کے ایک حصے میں اپنی ایڑی ماری جس سے اسی وقت وہاں پانی کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے اس چشمے سے وضو کیا تو آنحضرت ﷺ دیکھتے رہے کہ نماز کے لئے کیسے پاکی حاصل کی جاتی ہے یعنی کیسے وضو کی جاتی ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے وضو میں اپنا منہ دھویا پھر کہنیوں تک ہاتھ دھوئے پھر اپنے سر کا مسح کیا اور ٹخنوں تک اپنے پیر دھوئے جیسا کہ بعض روایات میں یہی الفاظ ہیں۔

(ی) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ جبرئیل علیہ السلام نے پہلے تین مرتبہ اپنے ہاتھ دھوئے پھر کلی کی پھر ناک میں پانی ڈالا، پھر منہ دھویا، پھر کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھوئے پھر اپنے سر کا مسح کیا اور پھر اپنے پیر دھوئے۔ اور یہ سب کام تین تین بار کئے اس کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا اور جبرئیل علیہ السلام کی طرح پر آپ نے بھی وضو کیا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس روایت سے بعض علماء کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنا پہلے ہاتھ دھونا، کلی کرنا، ناک میں پانی دینا، پورے سر کا مسح کرنا، داڑھی میں گیلی انگلیاں پھرانا کانوں کا مسح کرنا اور وضو کے سب ارکان کو تین تین بار کرنا ایسے کام ہیں جو آنحضرت ﷺ نے وضو میں خود اضافہ کئے ہیں (ان ارکان کے آنحضرت ﷺ کی طرف سے اضافہ کئے جانے کی تردید گزشتہ روایت سے اس لئے ہو جاتی ہے کہ اس میں صاف ہے کہ یہ سب ارکان خود جبرئیل علیہ السلام نے کر کے دکھائے تھے) البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اضافے سے ان بعض علماء کی مراد یہ ہے کہ قرآن کی آیت میں وضو کے جتنے ارکان بتلائے گئے ہیں ان پر یہ اضافہ کیا گیا ہے۔

تشریح: قرآن پاک کی جس آیت میں وضو کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا طریقہ بتلایا گیا ہے وہ آیت یہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ پ۶ سورہ مائدہ ع ۵ آیت ۳۵

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور دھوؤ اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت۔

اس آیت پاک میں وضو کے جو ارکان بتلائے گئے ہیں ان میں بسم اللہ پڑھنا۔ پہلے ہاتھ دھونا کلی کرنا، ناک میں پانی دینا اور کانوں کا مسح کرنا شامل نہیں ہے۔ لہذا بعض علماء کے قول کے بارے میں کہا جائے گا کہ اضافے سے مراد یہ ہے کہ اس آیت میں وضو کے جو ارکین بتلائے گئے ہیں ان پر اضافہ کیا گیا اگرچہ یہ اضافہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ہی آکر بتلایا۔ مرتب)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں بھی عرب ناپاکی کی حالت میں غسل کیا کرتے تھے اور غسل کے دوران کلی کرنے، ناک میں پانی دینے اور مسواک کرنے کی پابندی کیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ (اس بارے میں کچھ بحث سیرت حلبیہ اردو **میں پہلے** گزر چکی ہے کہ یہ طریقے عربوں کے نہیں تھے بلکہ اصل میں یہ طریقے ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے ان طریقوں میں سے تھے جو اس شریعت کے مٹ جانے کے بعد عرب میں رواج کی صورت میں تھوڑے بہت باقی رہ گئے تھے اور اسلام نے ملت ابراہیمی کو ختم نہیں کیا بلکہ یہ اس کی مکمل ترین شکل ہے۔ لہذا اس قسم کے احکام وہ ہیں جو اسلام نے باقی رکھے ہیں)

نماز کی تعلیم...... (غرض جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو وضو کر کے دکھائی اور پھر جس طرح انہوں نے وضو کی تھی اسی طرح آنحضرت ﷺ نے وضو فرمائی) اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے بھی دو رکعت نماز پڑھی۔

اب اس بارے میں ممکن ہے کہ یہ نماز سورج طلوع ہونے سے پہلے صبح کی نماز ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ سورج غروب ہونے سے پہلے شام کی نماز ہو۔

معراج سے پہلے دو نمازیں تھیں...... کتاب امتاع میں ہے کہ معراج (کی رات میں پانچ نمازیں فرض ہونے) سے پہلے ایک شام کی نماز تھی یعنی سورج غروب ہونے سے پہلے اور ایک صبح کی نماز تھی یعنی سورج طلوع ہونے سے پہلے۔ اس کے بعد دو رکعتیں صبح کی نماز کی ہوئیں اور دو رکعتیں شام کی نماز کی ہوئیں شام کی نماز جس کو عربی میں عشی کہا گیا ہے اس) کا مطلب عصر کی نماز ہے۔ چنانچہ بعض ادیبوں نے لکھا ہے کہ عصر سے مراد عشا یعنی شام ہے اور عصران سے مراد صبح اور شام ہے۔

نماز کا اولین رخ...... اس وقت آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے تھے تو کعبے کی طرف منہ کر کے حجر اسود کا سامنا کرتے تھے (ی) یعنی حجر اسود کو قبلہ بناتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت نماز میں آنحضرت ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ نہیں فرماتے تھے کیونکہ بیت المقدس کی طرف اسی صورت میں رخ ہو سکتا ہے جبکہ حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان میں رخ کر کے نماز پڑھی جائے جیسا کہ پانچوں نمازوں کے فرض ہو جانے کے بعد مکے میں آپ حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان میں منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تھے (کیونکہ اس وقت بیت المقدس قبلہ تھا اور بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کے لئے آپ حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان کھڑے

ہو کر کعبہ کی طرف منہ کرتے تھے جس سے آپ ﷺ کا رخ بیت المقدس کی طرف ہو جاتا تھا) چنانچہ آگے روایت آئے گی کہ آپ ﷺ حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور کعبے کو اپنے اور ملک شام یعنی بیت المقدس کے درمیان کر لیتے تھے۔ بیت المقدس سے مراد وہ پتھر ہے جس کو صحرہ کہا جاتا ہے جس کے پاس عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تھی)۔

(یہ جو شبہ بیان کیا گیا ہے کہ اس روایت کی روشنی میں گویا آنحضرت ﷺ نے پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے حجر اسود کو قبلہ بنایا بیت المقدس کو نہیں)اس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ جب آپ کعبے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے تو حجر اسود کے بالکل سامنے نہیں ہوتے تھے بلکہ حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان میں ہی ہوتے تھے جس سے ظاہر ہے آپ کا رخ بیت المقدس کی طرف ہی ہوتا تھا البتہ اتنا تھا کہ حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان جب آپ کھڑے ہوتے تھے آپ رکن یمانی کے مقابلہ میں حجر اسود کے زیادہ قریب ہوتے تھے اسی بناء پر یہ کہہ دیا گیا کہ آپ کا رخ حجر اسود کی طرف ہوتا تھا(حالانکہ رخ آپ ﷺ کا بیت المقدس کی طرف ہی ہوتا تھا اور درمیان میں آپ کعبے کو رکھتے تھے)اس تفصیل کے بعد یہ شبہ دور ہو جاتا ہے۔

مگر آگے ایک اور روایت آرہی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہونے سے یعنی معراج سے پہلے آپ نے نماز میں بیت المقدس کی طرف رخ کیا ہی نہیں۔

بلکہ معراج سے پہلے آپ کعبے کی سمتوں میں سے کسی ایک سمت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ غرض جب جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ آپ نے نماز پڑھ لی تو جبرئیل نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔

"اے محمد! نماز کا طریقہ یہی ہے۔"

حضرت خدیجہؓ کو وضو اور نماز کی تعلیم...... اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام وہاں سے واپس چلے گئے پھر آنحضرت ﷺ گھر تشریف لائے اور آپ ﷺ نے یہ سارا واقعہ حضرت خدیجہؓ کو سنایا۔ حضرت خدیجہؓ یہ سن کر (اور اپنے عظیم شوہر پر اللہ کی یہ رحمت اور یہ اعزاز دیکھ کر)خوشی سے پھولی نہیں سمائیں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے وضو کیا تاکہ حضرت خدیجہؓ کو بھی دکھلا دیں کہ نماز پڑھنے کے لئے کس طرح پاکی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو بتلایا تھا۔

یہ دیکھ کر حضرت خدیجہؓ نے بھی اسی طرح وضو کی جیسے آنحضرت ﷺ نے کی تھی۔ پھر آپ نے حضرت خدیجہؓ کو اپنے ساتھ نماز پڑھائی جیسا کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو پڑھوائی تھی۔

حافظ دمیاطیؒ نے اپنی سیرت کی کتاب میں جو روایت بیان کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس دن کا ہے جبکہ جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس اقراء لے کر آئے تھے۔ علامہ سیوطی نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ظہور پیر کے دن ہوا اور پیر کے دن کے آخری حصے میں آنحضرت ﷺ نے اور حضرت خدیجہ نے نماز پڑھیں

اسی طرح ایک اور حدیث ہے اس کے ظاہری الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہے کہ یہ اسی دن کا واقعہ ہے جس دن جبرئیل علیہ السلام اقراء لے کر آپ کے پاس آئے تھے۔ وہ حدیث یہ ہے۔

"پہلی وحی لے کر جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تو انہوں نے مجھے وضو اور نماز سکھائی جب وہ وضو کر چکے تو انہوں نے اپنے ہاتھ میں ایک چلو پانی لے کر اپنی شرم گاہ پر پانی چھڑکا۔"

یہاں شرمگاہ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں انسان کی شرم گاہ ہوتی ہے کیونکہ فرشتوں کے شرم گاہ نہیں ہوتی ہے اب فرشتے کی شرم گاہ نہ ہونے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے نہ مرد ہوتے ہیں اور نہ عورت مگر اس بات میں شبہ ہے کیونکہ ممکن ہے فرشتوں کے شرمگاہ یعنی آلہ تو ہوتا ہو مگر وہ مردوں یا عورتوں کی شرم گاہ جیسا نہ ہوتا ہو جیسا کہ انسانوں میں مخنث ہوتا ہے (کہ اس کے شرم گاہ ہوتی ہے مگر نہ مردوں کے جیسی ہوتی ہے کہ اس کو مرد کہا جا سکے اور نہ عورتوں کے جیسی ہوتی ہے کہ اس کو عورت کہا جا سکے) تو ممکن ہے فرشتوں کی شرم گاہ بھی ایسی ہی ہوتی ہو اسی لئے اس کو فرج کہا جاتا ہے۔

حدیث کی شرح کرنے والے بعض علماء نے یہاں شرم گاہ سے شرمگاہ کی جگہ مراد لی ہے یعنی پاجامے کا وہ حصہ جس کے نیچے شرم گاہ ہوتی ہے (یعنی جبرئیل علیہ السلام نے اپنے کپڑے کے اس حصے پر پانی کے چھینٹے دیئے جس کے نیچے انسان کی شرم گاہ ہوتی ہے) چنانچہ اسی بناء پر فقہاء نے مسئلہ نکالا ہے کہ جو شخص استنجاء کرے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ استنجاء کرنے کے بعد وہ ایک چلو پانی اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے کپڑے پر اس جگہ چھینٹا دے لے جہاں شرم گاہ ہوتی ہے تا کہ اگر اس کو بعد میں پاجامے کے اس حصے پر تری نظر آئے تو اس کو یہ وہم نہ ہو کہ پیشاب کا کوئی قطرہ نکلا ہے اور کپڑے ناپاک ہو گئے ہیں (اس طرح گویا آدمی کو وہم سے بچانا ہے جو حقیقت میں شیطان پیدا کرتا ہے لہذا وہم سے حفاظت کا مطلب شیطان سے حفاظت ہے چنانچہ اس طرح انسان کو شیطان اور اس کے ڈالے ہوئے وہم اور وسوسوں سے نجات مل جاتی ہے)۔

غالباً آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے یہی مراد ہے آپ نے فرمایا

"مجھے جبرئیل علیہ السلام نے وضو سکھلائی اور حکم دیا کہ میں وضو کے بعد اپنے کپڑے کے نیچے اس جگہ پانی کے چھینٹے دوں جہاں سے پیشاب آتا ہے (مراد ہے پاجامے یا تہبند کے اوپر) تا کہ وضو کے بعد اگر اس جگہ کچھ تری نظر آئے تو اس سے یہ وہم نہ پیدا ہو کہ پیشاب کا کوئی قطرہ نکلا ہو گا۔"

حضرت ابن عمرؓ سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے پاجامے یا تہبند پر پانی کے چھینٹے دے لیا کرتے تھے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ کو اقراء پڑھوا چکے تو انہوں نے آپ ﷺ سے کہا۔

"پہاڑ سے نیچے اتر آیئے!"

چنانچہ آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ پہاڑ سے اتر کر نیچے میدانی جگہ پر آ گئے۔ پھر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جبرئیل نے مجھے ایک قالین پر بٹھایا اور پھر اپنا پیر زمین پر مارا جس سے فوراً اس جگہ سے پانی کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا اور جبرئیل علیہ السلام نے اس سے وضو کی۔ حدیث

<u>وضو ابتدائی نمازوں کے ساتھ ہی فرض ہوئی</u>......اس سے معلوم ہوا کہ پانچ نمازوں سے پہلے جو نماز فرض ہوئی اس کے ساتھ ہی وضو بھی فرض ہوئی اور یہ اسی وقت کی بات ہے جب کہ جبرئیل علیہ السلام اقراء لے کر آئے تھے۔ مگر یہ بات علامہ ابن حزم کے قول کے خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ وضو مدینے میں ہی فرض ہوئی۔ مگر علامہ ابن عبدالبر کے قول سے ابن حزم کے قول کی تردید ہوتی ہے۔ علامہ عبدالبر نے لکھا ہے کہ اس پر تمام سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بغیر وضو کے نماز نہیں پڑھی (جس کا مطلب

یہ ہے کہ وضو مکے میں فرض ہوئی تھی اور اسی وقت فرض ہوئی تھی جبکہ معراج سے پہلے دو نمازیں فرض ہوئی تھیں جبکہ ابن حزم کے قول کے مطابق اگر وضو مدینے میں نازل ہوئی تو اس کا مطلب ہے کہ مکے میں رہتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے جتنی نمازیں پڑھیں وہ وضو کے بغیر پڑھیں) یہ لکھنے کے بعد علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ بات ایسی ہے جس سے کوئی بھی بے خبر نہیں ہے (کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی بغیر وضو کے نماز نہیں پڑھی) یہاں تک ابن عبدالبر کا کلام ہے۔

اب ان دونوں باتوں کے اختلاف کو دور کرنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابن جزم کی مراد یہ ہوگی کہ وضو مدینے میں فرض ہوئی (جبکہ اس سے پہلے نماز کے لئے وضو ضروری نہیں تھی) یہ بات بعض مالکی علماء نے بھی کہی ہے کہ ہجرت سے پہلے وضو فرض نہ تھی بلکہ مستحب تھی اور آنحضرت ﷺ کے مدینے پہنچنے کے بعد جب سورہ مائدہ نازل ہوئی تو اس کی اس آیت سے وضو فرض قرار دی گئی۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ الخ پ۶ سورہ مائدہ ع ۵ آیۃ

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوو اور اپنے ہاتھوں کو بھی۔ الخ

مگر کتاب اتقان میں جو کچھ ہے اس سے مالکی علماء کے قول کی مخالفت ہوتی ہے۔ اتقان میں ہے کہ یہ ان آیتوں میں سے ہے جن کا حکم پہلے آگیا اور آیت بعد میں نازل ہوئی یعنی یاایھا الذین امنوا اذا اقمتم الی الصلوہ تا لعلکم تشکرون (یعنی اس آیت میں وضو کا حکم ہے مگر یہ حکم پہلے نازل ہوا تھا اور آیت اس کے کچھ عرصے کے بعد نازل ہوئی)

بہر حال اس پر تو علماء کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مدنی ہے یعنی مدینے میں نازل ہوئی اور وضو مکے میں نماز کے ساتھ فرض ہوئی۔ اب یہ کہنا چاہئے کہ وضو فرضیت کے لحاظ سے تو مکی ہے یعنی مکے میں فرض ہوئی اور آیت کی تلاوت کے لحاظ سے مدنی ہے یعنی مدینے میں نازل ہوئی۔

پھر وہی مالکی عالم کہتے ہیں کہ ایک چیز کا حکم نازل ہونے کے بعد اس کے متعلق آیت کے بعد میں نازل کئے جانے کی حکمت یہ ہے کہ اس حکم کا قرآنی ہونا ثابت ہو جائے۔

جہاں تک یہ کہنے کا تعلق ہے کہ وضو نماز کے ساتھ فرض ہوئی اس سے بظاہر وہی دو رکعت کی نماز ہوگی جو معراج سے پہلے وحی کے ساتھ فرض ہوئی تھی کیونکہ جیسا کہ ابن اسحاق کی روایت پیچھے بیان ہوئی یہ دو رکعتیں آنحضرت ﷺ پر واجب تھیں لیکن یہ احتمال بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد پانچوں نمازیں ہوں جو معراج کی رات میں فرض ہوئیں اس کی بنیاد شیخ رملی کا قول ہے جس میں وہ تنہا ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ "وضو ہجرت سے ایک سال پہلے نماز کے ساتھ فرض ہوئی۔"

ظاہر ہے ہجرت سے ایک سال پہلے کی نماز سے مراد پانچوں نمازیں ہی ہیں جو ہجرت سے ایک سال پہلے معراج کی رات میں فرض ہوئیں کیونکہ جہاں تک ابتداء میں فرض ہونے والی دو رکعتوں کا تعلق ہے وہ ہجرت سے ایک سال پہلے نہیں بلکہ ہجرت سے تیرہ سال پہلے آنحضرت ﷺ کے ظہور کے وقت فرض ہوئی تھیں) یہاں تک علامہ رملی کا کلام ہے۔ اس قول کی روشنی میں یہ مطلب ہوگا کہ معراج سے پہلے بارہ سال کی مدت میں وضو فرض نہیں بلکہ مستحب رہی یہاں تک کہ رات کی نماز میں بھی۔

کتاب مواہب میں (بھی یہی ہے کہ وضو معراج سے پہلے یعنی دو رکعت نماز کے ساتھ فرض ہو چکی

تھی اور اس کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو وضو سکھلائی اور اس کا حکم دیا۔ تو یہاں حکم دینے سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی وقت وضو فرض کر دی گئی تھی۔

مگر اس دلیل کے ماننے میں اشکال ہے کیونکہ ان الفاظ سے وضو کا فرض ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ ممکن ہے جبرئیل علیہ السلام نے جو لفظ آپ سے کہے ہوں وہ یہ ہوں کہ میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ اسی طرح کریں جیسے میں نے کیا ہے۔ اور حکم کا صیغہ جو ہوتا ہے اس سے حکم یعنی واجب ہونا بھی ثابت ہوتا ہے اور مستحب ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

آیت وضو یا آیت تیمم ...... پچھلی سطروں میں بیان ہوا ہے کہ وضو کا حکم پہلے آگیا تھا اور وضو کی آیت یعنی یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ الخ بعد میں مدینے میں نازل ہوئی) بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت کے بعد میں نازل ہونے کی غرض (یہ نہیں تھی کہ وضو کی فرضیت بتلائی تھی کیونکہ وضو تو پہلے ہی فرض ہو چکی تھی بلکہ چونکہ اس آیت میں تیمم کی اجازت دی گئی ہے اس لئے اس آیت کے نازل ہونے کی غرض یہ ہے کہ جو شخص بیماری کی وجہ سے یا پانی نہ ہونے کی وجہ سے وضو یا غسل نہیں کر سکتا اس کے لئے تیمم کرنے کی اجازت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ غسل اور وضو تو آیت سے پہلے ہی فرض ہو چکے تھے۔ (اس سورت کے ذریعہ تیمم کی اجازت مقصود تھی)۔

تشریح: سورہ مائدہ کی اس پوری آیت میں ابتداء میں وضو کا بیان ہے اور اس کے بعد تیمم کا بیان ہے کہ کن حالات میں تیمم کیا جا سکتا ہے۔ پوری آیت یہ ہے

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ مِّنْہُ مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (پ 6 سورہ مائدہ ع ۵) آیت ۶

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیر و اور دھوؤ اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیویوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو اس زمین پر سے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک صاف رکھے اور یہ کہ تم پر اپنا انعام تام فرمادے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

چونکہ اس آیت میں وضو کے ساتھ تیمم کا طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے اس لئے اصل میں ان بعض علماء کے قول کے مطابق اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ تیمم کے حالات اور طریقہ بتلانا تھی۔ تشریح ختم۔ مرتب)

اسی بات کی تائید حضرت عائشہؓ کے ایک قول سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے اس آیت کو آیت وضو کہنے کے بجائے آیت تیمم کہا ہے کہ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی۔ اس سے ان کی مراد یہی آیت ہے اور وجہ یہی ہے کہ وضو اس آیت کے نازل ہونے سے بھی پہلے نازل ہو چکی تھی۔

غسل کب فرض ہوا...... اسی طرح علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ تمام سیرت نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ناپاکی کی حالت میں غسل کرنا آنحضرت ﷺ پر مکے ہی میں فرض ہو چکا تھا۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ غسل اور وضو مکے میں ہی واجب ہو چکے تھے۔ (جبکہ وضو کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی)

حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل کی فرضیت معراج کی رات میں نمازوں کے ساتھ ساتھ ہوئی۔ ان سے روایت ہے کہ :-

"معراج کی رات میں ابتداء میں روزانہ پچاس نمازیں فرض ہوئیں اور ناپاکی دور کرنے کے لئے سات مرتبہ غسل واجب ہوا مگر آنحضرت بار بار حق تعالیٰ سے اس میں سہولت و آسانی کی درخواست کرتے رہے یہاں تک کہ آخر پانچ نمازیں اور ایک مرتبہ کا غسل رہ گیا۔"

اس حدیث کے بارے میں بعض شافعی فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اسے کمزور بھی نہیں بتایا اس لئے یہ حدیث یا تو صحیح ہے اور یا حسن[1] ہے۔

وضو میں پیروں کا دھونا فرض ہے...... اسی وضو کی آیت کے بارے میں (یہ اندازہ ہونے کے بعد کہ یہ خاص طور وضو کو فرض کرنے کے لئے نازل نہیں ہوئی کیونکہ وضو پہلے ہی فرض ہو چکی تھی) ان ہی بعض علماء نے لکھا ہے ممکن ہے اس آیت کے نازل کئے جانے سے اصل غرض یہ بتلانا ہو کہ وضو میں پیروں کا بھی دھونا ضروری ہے۔ یہ بات ان حضرات کے لحاظ سے ہے جو آیت میں ارجلکم یعنی لَ پر زبر پڑھتے ہیں کیونکہ جبرئیل علیہ السلام والی جو حدیث ہے اس میں پیروں کا صرف مسح یعنی ہاتھ پھیرنا بیان کیا گیا ہے۔ (ی) اس حدیث میں ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام پہلی بار آنحضرت ﷺ کے پاس وحی لے کر آئے تو وضو کا طریقہ سکھلانے کے لئے انہوں نے اپنا چہرہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھوئے پھر انہوں نے سر کا اور ٹخنوں تک پیروں کا مسح کیا۔ پھر انہوں نے کعبے کی طرف رخ کر کے دو سجدے کئے یعنی دو رکعتیں پڑھیں اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے بھی اسی طرح کیا جیسے جبرئیل علیہ السلام نے کیا تھا۔ یہاں تک ان بعض شافعی فقہاء کا کلام ہے۔

مگر اس قول میں اشکال ہے کیونکہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اکثر روایتوں میں یہ لفظ ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پیر دھوئے لہٰذا اس روایت کے مطابق بھی پیروں کا جہاں ذکر کیا گیا ان کا عطف چہرے پر ہے یعنی پیروں کا ذکر چہرے کے تحت ہے اور چہرے کے لئے دھونے کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا پیروں کے لئے بھی دھونے کا ہی حکم ہوگا) اسی طرح اگر ارجلکم یعنی لِ پر زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو بھی وہ وجوھکم (چہرے دھوؤ) کے تحت ہی رہے گا۔

اس صورت میں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ لِ پر زیر پڑھنے کی صورت میں یہ وجوھکم کے تحت کیسے رہ سکتا ہے کیونکہ وجوھکم میں ہ پر زبر ہے اس لئے اس کے تحت ماننے کی صورت میں ارجلکم میں بھی لَ پر زبر ہونا چاہئے اور اگر ل پر زیر پڑھا گیا تو یہ ارجلکم کا لفظ برؤسکم (سروں کا مسح کرو) کے تحت آتا ہے لہٰذا جو حکم سر کے لئے ہے وہی حکم پیر کے لئے بھی ہوگا کیونکہ صفت کے لفظوں میں برابر کے لفظ کی وجہ سے زیر نہیں آ کرتا۔

---

[1] حدیث صحیح اور حدیث حسن کی تعریفیں سیرت حلبیہ اردو میں پہلے گزر چکی ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اگرچہ صفت میں برابر والے لفظ کی وجہ سے زیر بہت کم آتا ہے مگر آتا ضرور ہے لہٰذا یہاں بھی یہی مانا جائے گا کہ اگر زیر پڑھا جائے تو ارجلکم میں لَ پر زیر اس وجہ سے آگیا کہ اس کے پڑوسی لفظ یعنی بوء وسکم میں سَ پر زیر ہے۔ مگر یہ لفظ رہے گا وُجُوْ ھکُمْ ہی کے تحت اور اس کا حکم بھی وہی رہے گا جو چہرے کا ہے۔

تشریح: وضو میں پیروں کا مسح کرنے کا قول شیعوں کے یہاں ہے اور وہ عربی زبان کے اس قاعدے کے تحت آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں جیسے اوپر بیان کیا گیا ہے کہ چہرہ اور ہاتھ دھوئے جائیں اور سر اور پیروں پر ہاتھ پھیرا جائے امام ابو حنیفہؒ اور باقی تینوں اماموں کے درمیان اس پر اتفاق ہے کہ وضو میں پیروں کا دھونا ضروری ہے جیسا کہ اس پر آنحضرت ﷺ کا عمل بھی ہے اور احادیث سے بھی ثابت ہے لہٰذا ارجلکم پر زبر یا زیر دونوں صورتوں میں پڑھنے کے باوجود یہ لفظ وجوھکم کے تحت ہی رہے گا) یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ پیروں پر کم پانی ڈالنا بھی کافی ہے۔ جس کو مسح کے لفظ سے ظاہر کر دیا گیا (لیکن اس صورت میں بھی مسح سے مراد یہ نہیں ہو گی کہ پیروں پر گیلا ہاتھ پھیرنا کافی ہے بلکہ مراد یہی ہو گی کہ پانی بہا کر پیروں کو اس طرح دھونا ضروری ہے کہ ٹخنوں تک کوئی حصہ بھی خشک نہ رہ جائے)

شیخ محی الدین نے اس بارے میں یہ لکھا ہے کہ وضو میں پیروں کا مسح کرنے کا قول قرآن پاک کے ظاہری الفاظ کی بنیاد پر ہے جبکہ پیروں کے دھونے کی بنیاد اس سنت پر ہے۔ جس کی اپنی بنیاد قرآن پاک کے اصلی معنی اور مراد پر ہے لہٰذا قرآن پاک کے الفاظ کے ظاہری معنی کو چھوڑنا اس بناء پر ہے کہ یہاں مسح سے مراد دھونا ہے ہاتھ پھیرنا نہیں ہے لہٰذا جیسے عربی میں غسل کے معنی دھونے کے ہیں ایسے ہی یہاں مسح کے معنی بھی دھونے کے ہیں لہٰذا اب یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ) ارجلکم پر زبر پڑھنے کی صورت میں پیروں کا حکم چہرے کے حکم کے مطابق ہو جاتا ہے بلکہ زبر پڑھنے کے باوجود بھی معنی یہی رہیں گے کہ پیروں کا مسح کرو۔ البتہ مسح کے معنی دھونے کے ہوں گے۔ وارجلکم میں جو و ہے یہ معیت کی ہے (یہ سب عربی زبان کی نحوی اصطلاحیں ہیں ان کے متعلق زیادہ تفصیل لکھنا غیر ضروری ہے مختصراً یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ پیروں کے دھونے کے سلسلے میں علماء کا اتفاق ہے)

<u>آنحضرت ﷺ پر ابتداء میں ہر نماز کیلئے علیحدہ وضو ضروری تھا</u> ...... حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر نماز کے لئے علیحدہ وضو کیا کرتے تھے جیسا کہ آیت کے ظاہری الفاظ سے مطلب نکلتا ہے کیونکہ آیت کے الفاظ یہ ہیں کہ اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہرے دھو لیا کرو اور کہنیوں تک ہاتھ بھی۔ وغیرہ ان الفاظ سے ظاہری مطلب یہی نکلتا ہے کہ جب بھی نماز کو کھڑے ہوں تو وضو کرنا چاہئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ بھی ہر نماز کے لئے علیحدہ وضو کیا کرتے تھے) لیکن فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے پہلی بار ایک ہی وضو سے پانچوں نمازیں پڑھیں حضرت عمرؓ نے یہ نئی بات دیکھی تو آپ سے عرض کیا۔

"آپ نے آج ایک ایسی بات کی ہے جو پہلے آپ نے کبھی نہیں کی۔!"

آپ نے فرمایا۔

"اے عمر! میں نے ایسا جان بوجھ کر کیا ہے۔"

یعنی جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تاکہ امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر وضو توڑنے والی کوئی بات نہ پیش

آئے تو ایک وضو سے پانچوں نمازیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ اس بات سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ہر نماز کے لئے علیحدہ وضو کرنے کا جو حکم تھا وہ اس وقت منسوخ ہو گیا۔ چنانچہ بعض علماء کا قول بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ہر نماز کے لئے علیحدہ وضو کرنے کا حکم تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔ یہاں تک ان بعض علماء کا کلام ہے۔

اسی بات کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ہر نماز کے لئے نئی وضو کرنے کا حکم تھا چاہے آپ اس وقت وضو سے ہوں پھر جب آنحضرت ﷺ کو اس پابندی کی وجہ سے تنگی پیش آئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور صرف اس حالت میں نئی وضو کا حکم رہ گیا جبکہ وضو توڑنے والی کوئی بات پیش آگئی ہو جیسا کہ بیان ہوا آپ کو یہ تنگی فتح مکہ کے دن پیش آئی تھی اور اسی وقت یہ حکم منسوخ ہوا تھا) ورنہ اس سے پہلے آپ ہر نماز کے لئے نئی وضو فرمایا کرتے تھے۔

ادھر اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے لئے نئی وضو کرنا آنحضرت ﷺ کی ہی خصوصیات میں سے تھا چنانچہ اس بات کی تائید حضرت انسؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر نماز کے لئے علیحدہ وضو کیا کرتے تھے۔ اس پر صحابہ سے پوچھا گیا۔

"پھر آپ کیا کرتے تھے۔ (ی) یعنی کیا آپ حضرات بھی آنحضرت ﷺ کی طرح ہی ہر دفعہ نئی وضو کرتے تھے۔"

اس پر انہوں نے جواب دیا

"ہمیں اس وقت تک ایک ہی وضو کافی ہوتی ہے جب تک کہ وضو توڑنے والی کوئی بات نہ پیش آجائے۔"

اب اس سے معلوم ہوا کہ (جب تک ہر نماز کے لئے ہر علیحدہ وضو کرنے کا حکم تھا اس وقت تک بھی) یہ حکم صرف آنحضرت ﷺ کے لئے تھا (آپ کی امت اور صحابہ کے لئے نہیں تھا) بعد میں آنحضرت ﷺ کے لئے بھی یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

کیا ابتداء میں ہر نماز کے لئے غسل ضروری تھا...... شافعی فقہاء نے غسل کے لئے بھی لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ہر نماز سے پہلے غسل کرنا واجب تھا لیکن بعد میں یہ حکم اس طرح منسوخ ہو گیا کہ اگر کوئی ایسی بات پیش آجائے جو وضو توڑنے والی ہے (مثلاً ریح خارج ہونا چوٹ لگنے سے خون نکل کر بہہ جانا، یا منہ بھر کر قے ہو جانا) تو غسل کرنے کی ضرورت نہیں صرف وضو کر لینا کافی ہو گا (اور اگر کوئی ایسی بات پیش آجائے جس سے نہانا ضروری ہو جاتا ہے جیسے خواب میں انزال ہو جانا، یا عورت کے ساتھ ہم بستری کرنا تو صرف اس صورت میں غسل کرنا ضروری ہو گا ورنہ ہر نماز کے لئے صرف وضو کرنا ضروری ہو گا) اس طرح گویا بعد میں وضو غسل کی قائم مقام بن گئی تھی پھر بعد میں ہر نماز کے لئے علیحدہ وضو کرنے کا حکم بھی اٹھالیا گیا۔

مگر شافعی علماء کے اس قول کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے لئے پہلے غسل کا ضروری ہونا اور پھر بعد میں ہر نماز کے لئے صرف وضو کا ضروری رہ جانا (صرف آنحضرت ﷺ کے لئے ہی ضروری نہیں تھا بلکہ یہ حکم) آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت سب کے لئے ضروری تھا۔ اب یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کے لئے غسل کا حکم کس وقت منسوخ ہوا اور یہ کہ امت کے لئے ہر نماز سے پہلے وضو کرنے کا حکم کس وقت اٹھایا گیا۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر

نماز سے پہلے علیحدہ وضو کا جو حکم اٹھایا گیا وہ پہلے آپ کی امت کے لئے اٹھایا گیا اور پھر آنحضرت ﷺ کے لئے بھی اٹھادیا گیا۔

اب شافعی علماء کا یہ قول ٹھیک ہو جاتا ہے کہ وضو اور تیمم کی آیت کے ظاہری الفاظ کا تقاضا تو یہی ہے کہ ہر نماز کے لئے علیحدہ وضو یا تیمم کرنا ضروری ہے مگر پھر چونکہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے دن اپنے عمل سے یہ ظاہر فرمادیا کہ ایک وضو سے پانچوں نمازیں پڑھیں اور اپنی امت کے لئے یہ تجویز فرمادیا کہ ہر شخص ایک وضو سے اس وقت تک پانچوں نمازیں پڑھ سکتا ہے جب تک کہ وضو توڑنے والی کوئی بات نہیں پیش نہیں آئی تو وضو کا حکم تو آیت کے الفاظ کے ظاہری تقاضے سے نکل گیا البتہ تیمم کا حکم آیت کے الفاظ کے ظاہری تقاضے کے مطابق باقی رہا (کہ ہر نماز کے لئے علیحدہ تیمم کرنا ضروری ہے) تو گویا حکم کی یہ منسوخی پہلے امت کے لئے ہوئی اور پھر آنحضرت ﷺ کے لئے ہوئی۔

(جہاں تک ہر نماز سے پہلے نئی وضو کرنے کا سوال ہے یہ تو قرآن پاک کے الفاظ کے مطابق ہوا مگر ہر نماز سے پہلے غسل کرنے کی بات ایسی ہے جس کے متعلق قرآن پاک میں کہیں کچھ نہیں ہے) اب آنحضرت ﷺ کا ہر نماز سے پہلے غسل کا واجب کر لینا یا تو ایسی وحی کی بناء پر رہا ہوگا جو قرآنی آیات کی وحی نہیں ہوگی بلکہ عام وحی ہوگی یا پھر اس بارے میں آنحضرت ﷺ نے اجتہاد فرمایا ہوگا اور اپنے اجتہاد کے ذریعہ یہ سمجھا ہوگا کہ ہر نماز سے پہلے پاکی حاصل کرنا ضروری ہے اور پاکی حاصل کرنے کا بڑا ذریعہ غسل ہے لہذا آپ نے اپنے اجتہاد سے ہر نماز کے لئے غسل کو ضروری سمجھا۔ جہاں تک اجتہاد کا تعلق ہے یہ بات گزر چکی ہے کہ پیغمبر کا اجتہاد بھی وحی کی ایک قسم ہے کہ حق تعالیٰ ایک مسئلہ پیغمبر کے دل میں ڈال دیتا ہے جو صحیح حکم ہوتا ہے یعنی پیغمبر کا اجتہاد (ہمیشہ صحیح اور حق ہوتا ہے اس میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا اسی لئے پیغمبر کے اجتہاد کو وحی کہا جاتا ہے)۔

امام شافعی کا قول ہے کہ وضو کی اس آیت میں تقدیم اور حذف ماننا ضروری ہے یعنی بعض بعد میں آنے والے الفاظ کو پہلے اور اسی طرح کچھ الفاظ ایسے ہیں جو آیت میں ذکر نہیں بلکہ آیت کے مفہوم اور مطلب میں وہ الفاظ پوشیدہ ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ آیت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ

"اے ایمان والو! جب تم نیند سے اٹھ کر نماز کے لئے کھڑے ہو یا قضاء حاجت کے بعد یا عورتوں کو چھونے کے بعد نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنا چہرہ دھوؤ اور اپنے ہاتھ بھی کہنیوں سمیت وغیرہ۔"

مگر اس قول کے باوجود یہ بات اپنی جگہ صحیح رہتی ہے کہ اس آیت کے الفاظ کا ظاہری تقاضہ یہی ہے کہ ہر نماز سے پہلے علیحدہ وضو کرنا ضروری ہے۔ (چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ابتداء میں اسی پر عمل فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی امت کو اس بارے میں آسانی عطا فرمادی)۔

<u>ابتداء اسلام کی دو نمازیں اور ان کے اوقات</u>...... مقاتل ابن سلیمان سے روایت ہے کہ

"اسلام کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے دو رکعت نماز سورج طلوع ہونے سے پہلے اور دو رکعت نماز سورج غروب ہونے سے پہلے فرض فرمائی تھیں۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہاں اگر اسلام کے شروع سے مراد وہ وقت ہے جبکہ جبرئیل علیہ السلام اقراء لے کر آئے تھے تو اس سے کتاب امتاع کی وہ بات غلط ہو جاتی ہے جو پیچھے بیان ہوئی کیونکہ اس میں یہ ہے کہ سب سے پہلے دو رکعت نماز فرض ہوئی جو سورج غروب ہونے سے پہلے پڑھی جاتی تھی۔ پھر اس کے بعد دو

وقت کی نمازیں فرض ہو گئیں) ایک نماز سورج طلوع ہونے سے پہلے اور ایک نماز سورج غروب ہونے سے پہلے (ان دونوں راویتوں میں یہ اختلاف ہے کہ آیا پہلے سورج طلوع ہونے سے پہلے کی نماز فرض ہوئی یا سورج غروب ہونے سے پہلے کی) اس بارے میں اختلاف دور کرنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سورج غروب ہونے سے پہلے کی نماز کی اولیت اضافی ہے یعنی بقیہ نمازوں کے مقابلے میں پہلے اور سورج طلوع ہونے سے پہلے کی نماز کے مقابلے میں بعد میں نازل ہوئی۔

بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو رکعت نماز کا فرض ہونا صرف آنحضرت ﷺ کے لئے تھا آپ کی امت کے لئے نہیں تھا۔ چنانچہ ایک حدیث ہے۔

"سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو چیز میری امت پر فرض فرمائی وہ پانچ نمازیں ہیں۔"

(اس حدیث سے ظاہر ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں پر وہ دو رکعت نماز واجب نہیں تھی بلکہ امت پر جو چیز سب سے پہلے فرض ہوئی وہ پانچوں وقت کی نمازیں ہیں۔ اس سے پہلے جو نماز تھی وہ صرف رسول اللہ ﷺ پر فرض تھی)

مگر خود اس روایت کے ماننے میں بھی ایک اشکال ہے (کہ آیا امت پر سب سے پہلے پانچ نمازیں فرض ہوئیں یا ان سے پہلے کوئی اور نماز فرض ہوئی تھی) کیونکہ اس سے پہلے امت پر رات کی نماز فرض ہوئی تھی جو بعد میں پانچ نمازوں کے فرض ہونے کے بعد اٹھالی گئی۔

کتاب امتعا میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح سویرے کعبے کی طرف تشریف لے جاتے اور دن کی نماز پڑھتے تھے۔ یہ نماز ایسی تھی جس کو قریش ناپسند نہیں کرتے تھے۔ جب عصر کا وقت آتا تو آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ ایک ایک دو دو کر کے گھاٹیوں میں پھیل جایا کرتے تھے۔ (ی) اور سورج غروب ہونے سے پہلے کی نماز پڑھا کرتے تھے آنحضرت ﷺ اور صحابہ دن کی اور عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے پھر اس کے بعد پانچ نمازیں فرض ہو گئیں یہاں تک کتاب امتاع کا حوالہ ہے۔

اب اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو نمازوں میں صبح کی جو نماز تھی وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے نہیں پڑھی جاتی تھی جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان ہوا ہے بلکہ سورج نکلنے کے بعد دن میں پڑھی جاتی تھی۔ یہ اختلاف قابل غور ہے۔ واللہ اعلم

ان نمازوں کے بعد پھر معراج کی رات میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ اس بارے میں علماء کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ معراج سے پہلے آنحضرت ﷺ یا آپ کی امت پر کوئی بھی نماز فرض نہیں تھی سوائے اس کے کہ رات کی نماز کے لئے حکم تھا اور اس میں بھی یہ متعین نہیں تھا کہ کتنی رکعتیں پڑھی جائیں کیونکہ حق تعالیٰ نے اس بارے میں یہ حکم فرمایا تھا۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ قرآن حکیم پ ۲۹ سورہ مُزَّمِّل ع ۲ آیت ۲۰

ترجمہ: سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو۔

یہاں پڑھنے سے مراد نماز پڑھنا ہے۔

پانچ نمازوں کی فرضیت کے ساتھ ابتدائی دو نمازیں منسوخ ہو گئیں

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یعنی اس حکم کے ذریعہ اس سے پہلے کی وہ نماز منسوخ ہو گئی تھی جو سورہ

مزمل کی اس آیت کے ذریعہ متعین طور پر نازل ہوئی تھی۔

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ پ29 سورہ مزمل ع آیہ 1

ترجمہ: اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس نصف سے کسی قدر کم کر دو یا نصف سے کسی قدر بڑھا دو۔

پھر جب معراج کی رات میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو رات کی نماز منسوخ ہو گئی (تو گویا سب سے پہلے سورہ مزمل کی اس پہلی آیت سے رات کی نماز فرض ہوئی جو تہجد کی نماز تھی۔ اس کے بعد حق تعالی نے سورہ مزمل کی آخر کی آیت سے اس رات کی نماز کے حکم کو منسوخ فرمادیا اور یہ اجازت دی کہ جتنا قرآن نماز میں آسانی سے پڑھا جسکے پڑھ لیا کرو ایک تہائی رات یا دو تہائی رات یا آدھی رات تک پڑھنے کی پابندی نہیں ہے۔ اس کے بعد پھر جب معراج کی رات میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا)۔

ابتدائی احکام اور ان کی فرضیت کی ترتیب...... آنحضرت ﷺ پر جو دو رکعت نماز فرض ہوئی تھی شافعی علماء نے اس کا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر سب سے پہلے جو چیز فرض کی گئی وہ لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا اور خدا کو ایک ماننے کی دعوت دینا ہے۔ پھر اس کے بعد سورۂ مزمل کی اس پہلی آیت کے ذریعہ آپ پر رات کی عبادت یعنی نماز فرض ہوئی پھر سورہ مزمل کی آخیر کی آیت سے یہ رات کی نماز کا حکم منسوخ ہو گیا اور یہ حکم ہو گیا کہ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو۔ پھر یہ حکم بھی پانچ نمازوں کی فرضیت کے ساتھ ختم ہو گیا۔

مگر یہ بات اس قول کے خلاف ہے جو ابن اسحاق کے حوالے سے پیچھے گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر دو رکعت نماز فرض ہوئی تھی۔ اس بات کی تائید ابن کثیر کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ نمازیں فرض ہونے سے پہلے حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے حضرت خدیجہ کی وفات ہو گئی تھی۔ یہ بات اس لئے کہی گئی کہ جہاں تک اصل نماز کا تعلق ہے تو وہ دو رکعت سورج نکلنے سے پہلے اور دو رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں ہی فرض ہو چکی تھی۔

علامہ ابن حجر ہیثمی نے لکھا ہے کہ شروع میں لوگوں کو صرف خدا کو ایک ماننے کا پابند کیا گیا۔ پھر اسی طرح ایک لمبا زمانہ گزر گیا اس کے بعد وہ نماز فرض کی گئی جس کا حکم سورہ مزمل کے شروع میں دیا گیا ہے پھر اس کا حکم پانچ نمازوں کے حکم کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔

اس کے بعد دوسرے فرائض جو برابر نازل ہوتے رہے وہ سب مدینے میں ہوئے۔ یہاں تک علامہ ہیثمی کا کلام ہے۔

مجھے یہ معلوم نہیں کہ وقفہ وحی سے پہلے اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ نماز میں کیا پڑھا کرتے تھے۔ ایسی ہی فاتحہ کے نازل ہونے سے پہلے کیا پڑھا کرتے تھے۔ اس صورت میں ہے کہ مشہور قول کے مطابق فاتحہ کے نازل ہونے کو بعد میں مانا جائے۔

پھر میں نے کتاب اتقان میں دیکھا جس میں لکھا ہے کہ جب قبلہ بدلا گیا اس وقت جبرئیل علیہ السلام

نے آنحضرت ﷺ کو خبر دی کہ فاتحہ نماز کی ایک ضروری رکن ہے جیسا کہ مکہ میں تھی۔ یہاں تک کتاب اتقان کا حوالہ ہے۔ یہاں مکہ میں ہونے سے مراد مکی زندگی کا وہ زمانہ ہوگا جبکہ معراج میں پانچ نمازیں فرض ہو چکی تھیں پچھلے صفحات میں بعض علماء کا ایک قول گزرا ہے کہ اسلام میں کوئی نماز ایسی نہیں ہے جو فاتحہ کے بغیر ہوئی ہو۔ تو غالباوہ قول اسی اتقان کے قول کی بنیاد پر ہوگا۔ واللہ اعلم

باب بست و سوم (۲۳)

آنحضرت ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستی

یعنی آنحضرت ﷺ کے ظہور اور رسالت کے بعد ایمان لانے والی ہستی۔ یہ بات اس قول کی بنیاد پر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت اور رسالت یعنی تبلیغ کا حکم ساتھ ساتھ ہے (کیونکہ اگر یہ مانا جائے کہ آپ کو نبوت پہلے ملی اور رسالت یعنی تبلیغ کا حکم وقفہ وحی کے بعد ملا تو یہ سوال ہوگا کہ تبلیغ کے حکم کے بغیر حضرت خدیجہؓ کے مسلمان ہونے کے کیا معنی ہیں) لہذا یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہوا تو آپ نے شروع میں اپنے معاملے کو چھپائے رکھا اور چھپ چھپ کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے۔ اس کے نتیجہ میں مردوں اور عورتوں میں معمولی قسم کے لوگوں نے ہی شروع میں آپ کی پیروی کی اس میں حضرت خدیجہؓ ہی ایک ایسی ہستی ہیں جو قریش کے بلند مرتبہ لوگوں میں سے تھیں یا پھر حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے جو معزز اور بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے ورنہ عام طور پر جو لوگ شروع میں مسلمان ہوئے وہ معمولی اور غریب لوگ تھے) چنانچہ اسی بات کی طرف آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے۔

"یہ دین غریبوں میں شروع ہوا اور اپنے آغاز کی طرح پھر غریبوں میں لوٹ جائے گا۔ اس لئے غریبوں کو خوشخبری ہو۔"

مگر یہ بات واضح رہنی چاہئے تمام محدثین اور سیرت نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے والی انسان حضرت خدیجہؓ ہیں۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: مفسر علامہ ثعلبی نے بھی لکھا ہے کہ اس بات پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ اسی طرح علامہ نووی نے لکھا ہے کہ محققین کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک یہی بات صحیح ہے۔

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ تمام مسلمانوں کے نزدیک حضرت خدیجہؓ ہی اللہ تعالیٰ کی وہ مخلوق ہیں جو آنحضرت ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لائیں ان سے پہلے نہ کوئی مرد مسلمان ہوا اور نہ عورت۔

آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیاں کبھی مشرک نہیں رہیں......اب اس بات میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ

آنحضرت ﷺ کی نبوت کے وقت آپ کی چاروں صاحبزادیاں پیدا ہو چکی تھیں اور یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ وہ بعد میں ایمان لائی ہوں۔ اس کا جواب یہی دیا جاسکتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ وہ پہلی مخلوق ہیں جو شرک کے بعد مسلمان ہوئیں جبکہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں نے کبھی بھی شرک نہیں کیا۔ یہ جواب اس روایت کی روشنی میں دیا جاتا ہے جو آگے آئے گی۔

ابن اسحاق سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہما وہ پہلی خاتون ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں اور اللہ تعالی کی طرف سے جو کچھ آنحضرت ﷺ لے کر آئے اس کی تصدیق کی۔ مشرکین کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو بھی صدمہ اور تکلیف پہنچتی تو آنحضرت ﷺ گھر واپس آکر جب اس کا حضرت خدیجہؓ سے ذکر فرماتے تو وہ آپ کو تسلی دیتیں اور اس طرح اللہ تعالی ان کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کے دل سے صدمہ اور غم دور فرمادیتا۔

آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے والے دوسرے شخص حضرت علیؓ ...... حضرت خدیجہؓ کے بعد پھر دوسرے آدمی حضرت علیؓ ہیں جو آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے۔ چنانچہ کتاب مرفوع میں سلمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اس امت میں سے سب سے پہلے حوض کوثر پر پہنچنے والے شخص علی بن ابی طالب ہوں گے جو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے شخص ہیں۔"

حدیث میں آتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے حضرت فاطمہؓ کی شادی کی تو آپ نے صاحبزادی سے فرمایا۔

"میں نے تمہاری شادی اس شخص سے کی ہے جو دنیا اور آخرت کا سردار ہے اور جو اسلام کے لحاظ سے میرا سب سے پہلا صحابی یعنی ساتھی ہے۔ علم کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہے اور مروت و بردباری کے لحاظ سے سب سے بڑا ہے۔"

مسلمان ہونے کے وقت حضرت علیؓ بالغ بھی نہیں ہوئے تھے جیسا کہ اس پر تمام علماء کے اتفاق کا بیان آگے آئے گا۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر آٹھ سال تھی۔ وہ آنحضرت ﷺ کی نبوت سے بھی پہلے سے آپ کے پاس رہتے تھے اور آنحضرت ﷺ ہی ان کو کھلانے پہنانے کے ذمہ دار تھے۔ اس زمانے میں مکہ میں زبردست قحط پڑا ہوا تھا۔ ادھر ابو طالب کے یہاں اولاد بہت ساری تھی (اس لئے غربت کے ساتھ اس قحط سالی نے ان کو بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا) آخر ایک روز آنحضرت ﷺ نے اپنے دوسرے چچا عباسؓ سے کہا۔

"آپ کے بھائی ابو طالب بہت اولاد والے ہیں ادھر آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ آج کل کتنا سخت وقت گزر رہا ہے اس لئے آیئے ہم ان پر سے اولاد کا کچھ بوجھ ہلکا کر دیں۔ ایک لڑکے کی ذمہ داری آپ لے لیجئے اور ایک کی میں لے لوں۔"

چنانچہ اس کے بعد دونوں ابو طالب کے پاس آئے اور ان سے کہا۔

"ہم چاہتے ہیں کہ اس وقت تک آپ پر سے اولاد کا کچھ بوجھ ہلکا کر دیں جب تک لوگوں پر یہ سخت وقت گزر رہا ہے۔"

ابو طالب نے کہا۔

"تم عقیل کو چھوڑ کر۔ اور ایک قول کے مطابق۔ طالب کو چھوڑ کر میرے پاس سے جس کو چاہو لے لو۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو لے لیا اور انہیں اپنے پاس رکھ لیا اور حضرت عباسؓ نے حضرت جعفرؓ کو لے لیا اور انہیں اپنے پاس رکھ لیا۔ عقیل اور طالب کو انہوں نے ابو طالب کے پاس ہی چھوڑ دیا۔ اس کے بعد سے حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے پاس ہی تھے۔

حضرت علیؓ کا نام آنحضرت نے رکھا تھا...... زمخشری کی کتاب خصائص عشرۃ میں ہے کہ آنحضرت نے ہی ان کا نام علی رکھا تھا اور ان کے بچپن میں کچھ دن تک اپنے لعاب دہن سے ان کو غذا دی تھی۔ یعنی آپ ان کو اپنی زبان چٹاتے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہ بنت اسد سے روایت ہے۔

جب علی پیدا ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کا نام علی رکھا اور اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا۔ پھر علی نے آپ کی زبان چوسنی شروع کر دی اور اسی حالت میں سو گئے۔ اگلے دن ہم نے علی کے لئے دایہ بلوائی مگر علی نے کسی کی چھاتی بھی منہ میں نہیں لی۔ آخر ہم نے پھر محمد ﷺ کو بلایا۔ علی نے پھر آپ کی زبان چوسنی شروع کر دی اور اسی طرح سو گئے۔ پھر کافی دن تک اسی طرح ہوتا رہا۔"

یہاں تک کتاب خصائص عشرہ کا حوالہ ہے۔ جو قابل غور ہے۔

ماں کے پیٹ میں حضرت علیؓ کی کرامت...... ان ہی حضرت فاطمہ بنت اسد سے روایت ہے کہ جب وہ حضرت علیؓ کے حمل سے تھیں یعنی جاہلیت کے زمانے میں تو ایک مرتبہ انہوں نے ہبل نامی بت کو سجدہ کرنا چاہا اسی وقت پیٹ میں بچے نے حرکت شروع کر دی جس کی وجہ سے وہ جھک نہ سکیں اور سجدہ کرنے سے باز رہیں۔

حضرت علیؓ کے بھائی...... حضرت علی اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان سے بڑے حضرت جعفر تھے اور دونوں کے درمیان دس سال کا فرق تھا اسی طرح جعفر اور عقیل میں دس سال کا فرق تھا پھر عقیل اور طالب کی عمروں میں بھی اسی طرح دس سال کا فرق تھا غرض ہر بھائی دوسرے سے دس سال بڑا تھا سب سے بڑا طالب تھا اس کے بعد عقیل ان کے بعد جعفر ان کے بعد حضرت علی تھے ان بھائیوں میں سوائے طالب کے سب مسلمان تھے۔ طالب پر جن کا اثر ہو گیا تھا اور وہ اسی جنون کی سی حالت میں کہیں چلا گیا جس کے بعد اس کا اور اس کے اسلام کا کوئی حال معلوم نہیں ہو سکا۔

حضرت عقیلؓ اور ان کی ذہانت و حاضر جوابی...... حدیث میں آتا ہے کہ جب عقیل مسلمان ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا

اے ابو یزید! مجھے تم سے دو وجہوں سے محبت ہے ایک تو اس لئے کہ تم میرے قریبی رشتہ دار یعنی چچا زاد بھائی ہو اور دوسرے اس لئے کہ ابو طالب تمہیں بہت چاہتے تھے۔"

یہ حضرت عقیل بہت ذہین اور بے حد حاضر جواب آدمی تھے ایک مرتبہ حضرت معاویہ نے ان پر چوٹ کرتے ہوئے ان) سے کہا۔

"تم اپنے چچا ابو لہب کو جہنم میں کس جگہ دیکھتے ہو۔"

حضرت عقیل نے ان کے طنز کو سمجھتے ہوئے فوراً جواب دیا۔

"معاویہ! جب تم اس میں داخل ہو گے تو وہ تمہیں اپنے دائیں ہاتھ پر اس حالت میں ملیں گے کہ تمہاری پھوپھی دوزخ کا ایندھن اٹھانے والی ہیں یعنی ابو لہب کی بیوی) میرے چچا کے نیچے ہو گی اور ظاہر ہے

کہ سواری کے مقابلے میں سوار کا درجہ اونچا ہی ہوتا ہے۔"

(حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں) حضرت عقیل ان سے ناراض ہوگئے کیونکہ ایک دفعہ انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ مجھے بیت المال سے کچھ روپیہ دیدیجئے حضرت علیؓ نے جواب میں کہا۔

"ابھی صبر کرو جب بیت المال سے سب مسلمانوں کے لئے امدادی روپیہ نکالا جائے گا تو تمہارے لئے بھی نکالا جائے گا۔"

(اس پر عقیل حضرت علیؓ سے ناراض ہو گئے اور) انہوں نے کہا

اب میں اس شخص کے پاس چلا جاتا ہوں جو تمہارے مقابلے میں میری زیادہ خبر گیری کرنے والا ہے۔"

حضرت عقیل وہاں سے حضرت امیر معاویہ کی سلطنت میں چلے گئے (جو اس وقت شام میں حاکم تھے اور حضرت علیؓ کے مخالف تھے انہوں نے جا کر ان سے روپیہ مانگا تو) امیر معاویہ نے ان کو ایک لاکھ درہم دیدیئے اس کے بعد امیر معاویہ نے ان سے کہا۔

ممبر پر چڑھ کر لوگوں کو بتلاؤ کہ علی نے تمہارے ساتھ کیا کیا اور میں نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔"

حضرت عقیل فوراً سمجھ گئے کہ امیر معاویہ کی خواہش کیا ہے وہ ممبر پر چڑھے پہلے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور اس کے بعد کہا۔

"اے لوگو! میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ میں نے علی کا ان کے دین کے سلسلے میں امتحان لیا تو علی نے میرے مقابلے میں اپنے دین کو اختیار کیا۔ پھر میں نے معاویہ کو ان کے دین کے متعلق دیکھا تو انہوں نے اپنے دین کے مقابلے میں مجھے اختیار کر لیا۔"

ایک روایت میں یہ ہے کہ ایک روز امیر معاویہؓ نے حضرت عقیل کی موجودگی میں لوگوں سے کہا۔

"یہ ابو یزید یعنی عقیل بیٹھے ہوئے ہیں یہ اگر یہ بات نہ جانتے کہ میں ان کے بھائی سے بہتر ہوں تو یہ میرے پاس آ کر نہ رہتے!"

حضرت عقیل نے جواب دیا۔

"میرا بھائی میرے دین کے لئے بہترین آدمی ہے اور تم میری دنیا کے معاملے میں بہترین ہو اور میں اللہ تعالیٰ سے خاتمہ بالخیر کی دعا کرتا ہوں۔"

حضرت عقیلؓ کا انتقال امیر معاویہؓ کی خلافت کے زمانے میں ہوا۔

حضرت علیؓ کے مسلمان ہونے کا واقعہ...... (قال) حضرت علیؓ کے مسلمان ہونے کا واقعہ یوں ہوا کہ ایک روز وہ آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اس وقت حضرت خدیجہؓ بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں اور آپ ان کے ساتھ چھپ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے یہ نئی بات دیکھی تو فوراً پوچھا۔

"یہ کیا ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"یہ وہ دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پسند کیا ہے اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر بھیجے

ہیں میں تمہیں بھی اسی خدا کی طرف بلاتا ہوں جو تنہا ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں تمہیں اسی خدا کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں اور لات و عزیٰ بتوں کو کفر جاننے کے لئے کہتا ہوں۔"

حضرت علیؓ نے یہ سن کر عرض کیا۔

"یہ ایک نئی بات ہے جس کے بارے میں میں نے آج سے پہلے کبھی کچھ نہیں سنا اس لئے میں اپنے بارے میں ابھی کچھ طے نہیں کر سکتا۔ میں ذرا ابو طالب سے مشورہ کر لوں۔"

آنحضرت ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کا راز آپ کے خود اعلان کرنے سے پہلے فاش ہو جائے اس لئے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"علی! اگر تم مسلمان نہیں ہوتے تو بھی اس بات کو ابھی چھپائے رکھو۔"

چنانچہ حضرت علی نے اس بات کا کسی سے ذکر نہیں کیا بلکہ اسی کے بارے میں سوچتے سوچتے انہوں نے رات گزار دی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی ہدایت عطا فرمائی۔ صبح ہی وہ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی نماز کا یہ دوسرا یعنی منگل کا دن تھا۔ اس لئے کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت خدیجہؓ نے پہلی نماز پیر کے دن شام کو پڑھی تھی جیسا کہ سیرت رمیاطی میں ذکر ہے۔ آگے تفصیل آئے گی کہ یہ بات اس قول کی بنیاد پر ہے کہ آپ کو نبوت اور رسالت دونوں ساتھ ساتھ حاصل ہوئیں۔ اس قول کی بنیاد پر نہیں کہ نبوت پہلے ملی اور رسالت بعد میں ملی اور یہ کہ ان دونوں نعمتوں کے درمیان وقفہ وحی کی مدت تھی جیسا کہ اس کی تفصیل اور سبب بیان ہو چکا ہے۔

کتاب اسد الغابہ میں ہے کہ ایک دن ابو طالب نے آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ اس وقت حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کی دائیں جانب میں کھڑے ہوئے تھے۔ ابو طالب نے یہ منظر دیکھ کر فوراً اپنے دوسرے بیٹے جعفر سے کہا۔

"اپنے چچازاد بھائی کے برابر کھڑے ہو کر تم بھی نماز پڑھو۔"

چنانچہ حضرت جعفر آنحضرت ﷺ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے۔ حضرت جعفرؓ حضرت علیؓ کے تھوڑے عرصہ بعد مسلمان ہوئے تھے۔

<u>مسلمان ہونے کے وقت حضرت علیؓ کی عمر</u> ...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کا اسلام اس وقت معتبر تھا۔ یعنی اگرچہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمان ہونے کے وقت حضرت علیؓ بالغ نہیں تھے۔ (لیکن پھر بھی ان کا اسلام معتبر تھا) چنانچہ بعض حضرات نے حضرات علی کا یہ شعر نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنے بارے میں کہا ہے۔

سَبَقْتُكُمُوا اِلَى الْاِسْلَامِ طُرًّا
صَغِيْرًا مَا بَلَغْتُ اَوَانَ حُلُمِي

ترجمہ: میں نے اسلام قبول کرنے میں لوگوں کے مقابلے میں پہل کی جبکہ اس وقت میں بچہ ہی تھا اور بالغ بھی نہیں ہوا تھا۔

یعنی گزشتہ روایت کی بنیاد پر اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی (ان کا اسلام اس عمر کے باوجود اس لئے معتبر تھا کہ) اس وقت بچے بھی مکلّف اور احکام کے لئے جواب دہ تھے کیونکہ بچوں پر سے احکام کی ذمہ داری غزوہ خیبر کے سال میں جاکر ختم ہوئی اور انہیں غیر مکلّف قرار دیا گیا۔ علامہ بیہقی کا قول یہ ہے کہ غزوہ خندق کے سال میں جاکر بچوں پر سے شریعت کے احکام کی ذمہ داری ختم ہوئی۔ اور ایک روایت کے مطابق معاہدہ حدیبیہ کے سال میں ختم ہوئی جبکہ اس سے پہلے شریعت کے احکام کی ذمہ داری بچے پر اسی وقت لاگو ہو جاتی تھی جب اسے کچھ سمجھ پیدا ہو جاتی تھی۔

(اوپر حضرت علی کا ایک شعر بیان کیا گیا ہے اس بارے میں) علامہ شامی کہتے ہیں کہ یہ بات سننے میں نہیں آئی کہ حضرت علیؓ نے کبھی شعر کہا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے پوری زندگی میں صرف دو شعر کہے ہیں اور شاید ان میں سے ایک وہ ہے جو پچھلی سطروں میں نقل کیا گیا ہے۔ مگر کتاب قاموس میں ان کے دونوں شعر یہ نقل کئے گئے ہیں۔

تلکمو قُرَیْشٌ تَمَنَّانِی لِتَقْتُلَنِیْ
فَلَا وَرَبُّكَ مَابَرُّوا وَلَا ظَفَرُوا
فَاِنْ هَلَكْتُ فَرَهْنٌ مَھجتی لھمو
بِذَاتِ ورقین لاتبقی ولا تَذَرُ

ترجمہ: ایک روایت ہے کہ جب حضرت زبیر ابن عوام مسلمان ہوئے تو ان کی عمر بھی آٹھ سال تھی۔ ایک قول ہے کہ پندرہ سال کی عمر تھی۔ ایک قول بارہ سال اور ایک قول سولہ سال کا بھی ہے۔ پہلے قول یعنی آٹھ سال والے قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت علی حضرت زبیر حضرت طلحہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ایک ہی سال میں پیدا ہوئے تھے۔ تعجب کی بات ہے کہ یہ بات صرف زمخشری نے اپنی کتاب خصائص عشرہ میں لکھی ہے کہ جب حضرت زبیرؓ مسلمان ہوئے تو اس وقت ان کی عمر سولہ سال کی تھی۔ پھر اس کے چند سطروں کے بعد ہی انہوں نے یہ لکھا ہے کہ۔ حضرت زبیر ابن عوام وہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں تلوار میان سے نکالی اس وقت ان کی عمر بارہ سال کی تھی۔ یہ قول صرف علامہ زمخشری کا ہی ہے۔

اسلام قبول کرنے کے وقت حضرت زبیر ابن عوام کی عمر آٹھ سال ہونے کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت زبیر ابن عوامؓ دونوں نے آٹھ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔

حضرت علیؓ کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ اسلام قبول کرنے کے وقت ان کی عمر دس سال تھی۔ مگر اس روایت کی تردید اس بات سے ہو جاتی ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمان ہونے کے وقت حضرت علیؓ بالغ نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ احتلام یعنی خواب میں انزال ہونے کی امکانی۔ اور کم سے کم عمر نو سال ہے (لہذا اگر یہ مانا جائے کہ مسلمان ہونے کے وقت ان کی عمر دس سال تھی تو ان کو نابالغ نہیں کہا جا سکتا) بالغ ہونے کی کم سے کم عمر نو سال ہونے کے متعلق جو قول ہے یہ ہمارے شافعی علماء کا ہے۔

اس بات کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ خلیفہ راشد باللہ جو عباسی خلفاء میں اکتیسواں خلیفہ تھا جب اس کی عمر نو سال کی تھی تو اس نے اپنی ایک حبشی باندی سے ہم بستری کی جس سے اس باندی کو حمل ہو گیا اور پھر اس کے یہاں ایک خوبصورت بچہ پیدا ہوا۔ مگر اس بات کی تردید اس قول سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ

اس وقت اس کی عمر تیرہ یا پندرہ یا سولہ سال کی تھی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: بعد کے بعض علماء نے کہا ہے کہ جہاں تک بچے کی عبادت کا سوال ہے وہ تو صحیح ہے مگر بچے کا اسلام معتبر نہیں ہے کیونکہ بچے کی عبادت تو نقل ہوتی ہے لیکن اسلام نقل نہیں ہوا کرتا۔

حضرت علیؓ نے کبھی کفر نہیں کیا...... اب ان سب تفصیلات کی روشنی میں کتاب امتاع میں جو کچھ ہے اس سے اشکال پیدا ہوتا ہے کیونکہ امتاع میں ہے کہ جہاں تک حضرت علیؓ کا تعلق ہے انہوں نے کبھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کیا اس لئے کہ وہ بچپن ہی سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ کی اولاد کی طرح اور آپ کی پرورش میں تھے اور ہر معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کیا کرتے تھے۔ لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کو اسلام کی دعوت دی گئی اور تب انہوں نے اسلام قبول کیا۔ یہاں تک امتاع کا حوالہ ہے جو قابل غور ہے۔

کیونکہ حضرت علیؓ دین کے معاملے میں اپنے والد کے تابع تھے آنحضرت ﷺ کی اولاد کی طرح آپ کے تابع نہیں تھے۔ ادھر امتاع کے جو یہ لفظ ہیں کہ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت دی گئی۔ اس بات کی تردید اس گزشتہ روایت سے ہو جاتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا۔ کہ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو اکیلا ہے۔

مگر ایک حدیث میری نظر سے ایسی گزری ہے جس سے کتاب امتاع کی بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جنہوں نے کبھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر نہیں کیا۔ ایک تو آل یسین کا مومن ایک علی ابن ابو طالب اور ایک فرعون کی بیوی آسیہ۔

کتاب عرائس میں یہ حدیث اس طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"امتوں میں تین آدمی ایسے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک لمحہ کے لئے بھی کفر نہیں کیا۔ ایک تو آل فرعون کے مومن حزقیل دوسرے قوم یسین کے حبیب نجار اور تیسرے علی بن ابو طالب اور ان میں سب سے افضل علی بن ابو طالب ہیں۔"

اب گزشتہ اقوال کی روشنی میں ان حدیثوں کے بارے میں یہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ ان حضرات کے کفر نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ اس میں بھی یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے یہ فرمایا تھا کہ میں تمہیں لات اور عزیٰ بتوں کو کفر جاننے کی دعوت دیتا ہوں۔

ادھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ایک قول ہے کہ انہوں نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا تھا (جبکہ حدیث میں ان کا نام نہیں ہے) علامہ ابن جوزی نے حضرت ابو بکرؓ کو بھی ان لوگوں میں شمار کیا ہے جنہوں نے جاہلیت کے زمانے میں ہی بتوں کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ایسے لوگ جنہوں نے جاہلیت کے زمانے میں بھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا یہ ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، زید ابن عمرو بن نفیل عبید اللہ بن جحش عثمان بن حویرث ورقہ ابن نوفل ریاب ابن براء سعد بن کریب حمیری قس بن ساعدہ ایادی اور ابو قیس بن حرمہ۔

یہ بات ظاہر ہے کہ بتوں کو سجدہ نہ کرنے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ ایسے لوگوں کو کافر نہ کہا جائے مگر علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں یہ بات ثابت نہیں ہے کہ ان پر کبھی

ایسا حال رہا ہو جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا ہو۔ یہاں آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے ہی کا حال مراد ہو سکتا ہے جیسا کہ زید ابن عمرو ابن نفیل اور ان کے جیسے دوسرے لوگوں کے متعلق بیان ہوا۔ اسی لئے دوسرے صحابہ کے مقابلے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کا خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ یہاں تک علامہ سبکی کا کلام ہے۔ اب اگر جن لوگوں کے نام ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے سوائے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے کوئی مسلمان نہیں ہوا تھا تو اس صورت میں حضرت ابو بکرؓ کے متعلق یہ بات صاف ہے۔

علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے یہ لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے گھر والے یعنی حضرت خدیجہؓ حضرت زیدؓ ان کی بیوی ام ایمن اور حضرت علیؓ سب لوگوں سے پہلے ایمان لائے۔ اس قول میں سب سے پہلے کا فقرہ قابل غور ہے کیونکہ اس کے مقابلے میں ابن اسحاق کی ایک روایت گزری ہے کہ جہاں تک آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں کا تعلق ہے ان سب کو اسلام کا زمانہ ملا اور وہ سب مسلمان ہوئیں۔

<u>ابو طالب کو پہلی نصیحت</u> ...... ابن اسحاق سے روایت ہے کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ حضرت علیؓ اپنی قوم سے چھپ کر مکے کی گھاٹیوں میں تشریف لے جاتے اور وہاں نماز پڑھا کرتے تھے۔ جب شام ہو جاتی تو اسی طرح چھپ کر واپس تشریف لے آتے۔ پھر ایک روز ابو طالب کو اس بات کی خبر ہو گئی یعنی انہوں نے اس وقت ان دونوں کو دیکھ لیا جب کہ یہ نخلہ کے مشہور مقام پر نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے اس پر آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"بھتیجے! یہ میں تمہیں کس دین پر دیکھ رہا ہوں؟"

آپ نے فرمایا

"یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔ اس کے فرشتوں اس کے رسولوں اور ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دین کا پیغمبر بنا کر اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے آپ اس بات کے سب سے زیادہ حقدار ہیں کہ میں آپ کو نصیحت کروں اور سیدھا راستہ بتلاؤں اور آپ ہی اس کے سب سے زیادہ حقدار ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے میری بات قبول کریں اور اس مقصد میں میری مدد کریں۔"

ابو طالب نے یہ سن کر کہا

"میں خود اپنے باپ دادا کا وہ دین نہیں چھوڑ سکتا جس پر وہ چلتے رہے ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے مگر میں خدا کی قسم اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتا۔"

یہ بات بظاہر اس سے پہلے کی ہو گی جو پیچھے بیان ہوئی کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر اپنے دوسرے بیٹے جعفر سے کہا تھا کہ۔ اپنے چچازاد بھائی کے بائیں جانب کھڑے ہو کر تم بھی نماز پڑھو۔

مگر ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی ممبر پر کھڑے ہوئے تھے کہ اچانک ہنسنے لگے۔ لوگوں نے ان کی ہنسی کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا۔

"مجھے ابو طالب یاد آ گئے۔ جب نماز فرض ہوئی اور انہوں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نخلہ کے مقام پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ تم یہ کیا کام کر رہے ہو۔ جب ہم نے ان کو بتلایا تو انہوں نے کہا۔

"یہ کام تو بہت اچھا ہے مگر میں اس کو ہر گز نہیں کروں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم میرا مذاق بنواؤ۔"
مجھے اس وقت ان کی یہ بات یاد آگئی تو مجھے ہنسی آئی۔
یہاں حضرت علیؓ کا یہ قول جو ہے کہ جب نماز فرض ہوئی اس سے مراد وہی دو رکعتیں سورج طلوع ہونے سے پہلے کی اور دو رکعتیں سورج غروب ہونے سے پہلے کی مراد ہیں۔ اس روایت سے اس قول کی بھی تائید ہوتی ہے کہ یہ نمازیں واجب تھیں۔

ابو طالب کا آنحضرت ﷺ کی صداقت پر اعتماد...... ایک روایت یہ ہے کہ (جب ابو طالب نے حضرت علیؓ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو) انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا۔
"یہ کیا دین ہے جس پر تم چل رہے ہو۔"
حضرت علیؓ نے جواب دیا۔
ابا جان! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکا ہوں اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں میں اس کی تصدیق کر چکا ہوں میں ان کے دین میں داخل ہو گیا ہوں اور ان کی پیروی اختیار کر چکا ہوں۔"
یہ سن کر ابو طالب نے کہا
"جہاں تک ان کی یعنی محمد کی بات ہے تو وہ تمہیں بھلائی کے سوا کسی دوسرے راستے پر نہیں لگائیں گے اس لئے ان کا ساتھ نہ چھوڑنا۔"
ابو طالب کے بارے میں روایت ہے کہ وہ کہا کرتے تھے۔"
"میں یہ بات جانتا ہوں کہ میرا بھتیجہ جو کچھ کہتا ہے وہ حق ہے۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ قریشی عورتیں مجھے شرم دلائیں گی تو میں ضرور ان کی پیروی قبول کر لیتا۔"

عفیف کندی کا واقعہ...... حضرت عفیف کندی سے روایت ہے کہ میں ایک تاجر تھا۔ میں ایک دفعہ حج کے لئے آیا میں عباس ابن عبد المطلب کے پاس گیا تاکہ ان سے تجارت کا کچھ مال خریدوں عباس میرے دوست تھے وہ اکثر یمن سے عطر خرید کر لایا کرتے تھے اور حج کے موسم میں مکے میں فروخت کیا کرتے تھے۔ غرض جب میں منیٰ کے میدان میں عباس کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ایک روایت کے مطابق مکے میں مسجد حرام میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک نوجوان قریب کے ایک اونی خیمے میں سے نکلا اور اس نے سورج کی طرف دیکھا۔ جب اس نے دیکھ لیا کہ سورج مغرب کی طرف کچھ جھک گیا تو اس نے بہت اہتمام کے ساتھ وضو کی اور پھر نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ یعنی کعبے کی طرف منہ کر کے جیسا کہ بعض روایتوں میں یہ بات صاف ذکر ہے۔ پھر ایک لڑکا نکلا جو بالغ ہونے کے قریب کی عمر کا تھا۔ اس نے بھی وضو کی اور اس نوجوان کے برابر کھڑے ہو کر وہ بھی نماز پڑھنے لگا۔ پھر اسی خیمے میں سے ایک عورت نکلی اور وہ دن ان دونوں کے پیچھے نماز کی نیت باندھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے بعد اس نوجوان نے رکوع کیا تو اس لڑکے اور اس عورت نے بھی رکوع کیا۔ پھر وہ نوجوان سجدے میں چلا گیا تو وہ لڑکا اور وہ عورت بھی سجدے میں چلے گئے۔ میں نے یہ منظر دیکھا تو عباس سے کہا۔
"عباس یہ کیا ہو رہا ہے!"
انہوں نے جواب دیا
"یہ میرے بھائی عبداللہ کے بیٹے محمد کا دین ہے اس کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پیغمبر بنا کر بھیجا

ہے یہ لڑکا میرا بھتیجہ علی بن ابو طالب ہے اور یہ عورت محمد کی بیوی خدیجہ ہے۔"

یہی شخص یعنی عفیف (جو یہ واقعہ سنا رہے ہیں)جب مسلمان ہوگئے تو کہا کرتے تھے کہ کاش اس وقت ان میں چوتھا آدمی میں ہوتا۔

(ی) غالباً اس موقعہ پر حضرت زید ابن حارثہ موجود نہیں ہوں گے۔ اس لئے گزشتہ روایت کی وہ بات غلط نہیں ہوئی جس میں تھا کہ زید ابن حارثہ بھی اسی زمانے میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔ یا پھر ممکن ہے یہ بات ان کے مسلمان ہونے سے پہلے کی ہو۔ اس لئے کہ آگے بیان آئے گا کہ حضرت زید حضرت علی کے بعد مسلمان ہوئے تھے اسی طرح اس وقت حضرت ابو بکرؓ بھی موجود نہیں رہے ہوں گے۔ یہ بات اس قول کی بنیاد پر کہی گئی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت علیؓ سے بھی پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ اس قول کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے ساتھ جس نے نماز پڑھی وہ حضرت ابو بکرؓ تھے۔

مگر علامہ عبد البر کی کتاب استیعاب میں یہ ہے کہ جب عفیف کندی نے (آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر) حضرت عباس سے یہ کہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے تو حضرت عباس نے جواب دیا تھا کہ یہ نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہ نبی ہیں۔ ان کی نبوت کو سوائے ان کی بیوی اور ان کے چچازاد بھائی یعنی اس لڑکے کے سوا کسی نے نہیں مانا۔

ایک روایت اور ہے جس سے اشکال ہوتا ہے حضرت علی کا اپنے متعلق قول ہے۔

"اس امت کے لوگوں نے جب سے اللہ تعالیٰ کی عبادت شروع کی ہے میں اس سے بھی پانچ سال پہلے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہوں۔"

اب شاید یہاں یہی مراد ہو سکتی ہے کہ انہوں نے بغیر نماز کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہوگی۔

پچھلی روایت میں عفیف کندی کا قول گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آسمان کی طرف دیکھا اور جب سورج ایک طرف کو کچھ جھک گیا تو آپ نے وضو کی اور نماز پڑھی۔ اس سے اس گزشتہ قول کی تردید ہوتی ہے کہ شروع میں جو دو رکعت نماز فرض ہوئی وہ صرف سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلے پڑھی جاتی تھی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ممکن ہے یہ نماز جو اس وقت آنحضرت ﷺ نے پڑھی وہ فرض نماز نہ ہو جس کا اس وقت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا (اب زائد سے زائد یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ فرض نماز نہیں تھی تو پھر جماعت سے کیوں پڑھی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نفل نماز میں بھی جماعت جائز ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مطلق نفل نماز میں جماعت کی ہے۔ اس بات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب بالکل شروع میں مکے میں یہ دو نمازیں فرض ہوئیں اس وقت بھی جماعت ہوتی تھی جبکہ اس وقت تک پانچ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں مگر بعض شافعی فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ جماعت مدینے میں فرض ہوئی ہے مکے میں نہیں کیونکہ مکے میں صحابہ بہت مجبور اور بے بس تھے ان دونوں اقوال میں اس طرح مطابقت پیدا کی جاتی ہے کہ فرض ہونے سے مراد پابندی اور مطالبہ ہے یعنی مدینے میں مسلمانوں سے شریعت کا یہ مطالبہ تھا کہ جماعت میں شریک ہوں۔ اب یہ مطالبہ مستحب کے درجہ میں ہو واجب کے درجہ میں ہو یا فرض کے درجہ میں اس بارے میں شافعی علماء میں اختلاف ہے۔ اس کے مقابلے میں مکے میں جماعت سے پڑھنے کا مطالبہ نہیں تھا۔

کچھ دوسرے شافعی علماء نے اس بارے میں یہ لکھا ہے کہ صحابہ کی مجبوری اور بے بسی کی وجہ سے مکے میں جماعت نہیں ہوئی تھی۔ اب اس قول میں یہ اشکال ہے کہ بے بسی کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے کہ سب کے سامنے جماعت نہ کی جائے (چھپ کر جماعت سے پڑھ لی جائے) بے بسی کی وجہ سے یہ تو ضروری نہیں ہوتا کہ جماعت ہی ضروری نہ ہو۔

اس اشکال کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ موقعہ اور محل کے مطابق جماعت چھوڑی گئی مگر یہ بات بھی مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ صحابہ ارقم ابن ارقم کے مکان میں خفیہ طور پر جمع ہوتے تھے لہذا جماعت چھوڑنے کی بات سمجھ میں نہیں آتی بہر حال یہ سب اختلاف قابل غور ہے۔

<u>زید ابن حارثہ کا اسلام</u>...... غرض حضرت علیؓ کے مسلمان ہونے کے بعد صحابہ میں حضرت زید ابن حارثہ ابن مسرحبل مسلمان ہوئے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ زید ابن حارثہ آنحضرت ﷺ کے غلام تھے اور یہ غلام حضرت خدیجہ نے آنحضرت ﷺ سے اپنے نکاح کے بعد آپ کو ہبہ کردیا تھا۔ یہ جاہلیت کے زمانے میں پکڑے گئے تھے اور ان کو حکیم ابن حزام نے حضرت خدیجہؓ کے لئے خریدا تھا۔ حضرت خدیجہ جو حکیم ابن حزام کی پھوپھی تھیں انہوں نے حکیم سے کہا تھا کہ ان کو ایک سمجھدار عرب غلام خریدیں چنانچہ مکے میں جب عکاظ کا میلہ ہوا تو حکیم نے زید ابن حارثہ کو دیکھا جن کو وہاں فروخت کیا جارہا تھا اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی یہ اپنی نانہال میں گئے ہوئے تھے اور انہیں کے پاس سے ان کو پکڑ کر غلام بنایا گیا تھا۔ یہ بات صرف علامہ سہیلی نے لکھی ہے کہ ان کی ماں ان کو لے کر اپنے میکہ میں جارہی تھی تاکہ ان کو اپنے رشتہ داروں سے ملائے۔ اسی سفر میں ایک گروہ نے ان کے قافلے پر چھاپہ مار کر ان کو لوٹ لیا اور زید کو گرفتار کر کے عکاظ کے میلے میں بیچ دیا جہاں حکیم ابن حزام نے ان کو حضرت خدیجہ کے لئے خرید لیا ایک قول یہ بھی ہے کہ حکیم نے ان کو حباشہ کے میلے میں سے چار سو درہم میں ریدا تھا اور ایک قول کے مطابق چھ سو درہم میں خریدا تھا۔ غرض جب حضرت خدیجہ نے ان کو دیکھا تو انہوں نے انہیں پسند کیا اور لے لیا۔ بعض لوگوں نے یہی بات اس طرح کہی ہے کہ حکیم نے ان کو اپنی پھوپی کو خرید دیا۔

پھر جب حضرت خدیجہؓ کی آنحضرت ﷺ سے شادی ہوئی اور آپ نے زید کو حضرت خدیجہؓ کے پاس دیکھا تو آپ کو یہ غلام پسند آیا اور آپ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمائش کی کہ وہ یہ غلام آپ کو ہبہ کردیں چنانچہ حضرت خدیجہ نے زید کو آنحضرت ﷺ کو ہبہ کردیا۔ آپ نے فوراً زید کو آزاد کر کے اپنا متبنّٰی یعنی لے پالک بیٹا بنالیا یہ بات وحی سے پہلے کی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ زید کو خود آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہ کے لئے خریدا تھا۔ آپ حضرت خدیجہ کے پاس آئے اور ان سے فرمادیا۔

"میں نے بطحا میں ایک غلام دیکھا ہے جسے وہاں بیچنے کے لئے لایا گیا ہے اگر مجھ میں اس کو خریدنے کی ہمت ہوتی تو میں ضرور خرید لیتا۔"

حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا۔

اس کی قیمت کتنی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا سات سو درہم۔ حضرت خدیجہ نے کہا

"یہ سات سو درہم لیجئے اور اس کو خرید لیجئے۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کو خرید لیا اور لے کر حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے پھر آپ نے خدیجہ سے کہا۔

"اگر یہ غلام میرا ہوتا تو میں اس کو آزاد کر دیتا۔"

حضرت خدیجہ نے کہا کہ میں نے یہ آپ کو دیدیا۔ آپ اسے آزاد کر سکتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو حضرت خدیجہ کے لئے شام سے خریدا تھا جبکہ آپ میسرہ کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے تھے۔ یہ اختلاف قابل غور ہے۔

ابو عبیدہ کا دعویٰ یہ ہے کہ ان کا نام زید نہیں تھا بلکہ جب آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تو اپنے دادا قصیٰ کے اصل نام پر ان کا نام زید رکھا (قصی کا نام اور تفصیلی حالات سیرت حلبیہ **میں پہلے** گزر چکے ہیں۔"

<u>غلامی کے بعد زیدؓ کی باپ اور چچا سے ملاقات</u>...... غرض پھر یہ ابو طالب کی طرف سے جانے والے ایک قافلے کے ساتھ ملک شام کو گئے۔ راستے میں زید اس علاقہ سے گزرے جو ان کی قوم کا تھا یہاں ان کے چچا نے ان کو پہچان لیا اور وہ ان کے پاس آکر کہنے لگا۔

"لڑکے تم کون ہو۔" زید نے کہا۔ میں مکے والوں میں سے ہوں۔"

اس نے پوچھا کہ کیا مکے کے کسی خاندان کے فرد ہو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ اس نے پوچھا پھر تم آزاد ہو یا غلام ہو انہوں نے کہا غلام ہوں۔ اس نے پوچھا تم عربی ہو یا عجمی۔ انہوں نے کہا عرب ہوں۔ اس نے پوچھا تم کس خاندان کے ہو۔ انہوں نے کہا بنی کلب کا ہوں۔ اس نے پوچھا بنی کلب کی کس شاخ سے ہو۔ انہوں نے کہا قبیلہ بنی کلب میں بنی عبد کا فرد ہوں۔ آخر اس نے کہا۔

"تم یہ تو بتاؤ کہ کس کے بیٹے ہو۔"

زید نے کہا

"میں حارثہ ابن شرحبیل کا بیٹا ہوں۔"

پھر اس نے پوچھا تم غلام کیسے بنے۔ انہوں نے کہا اپنی ننہال کے علاقے میں پکڑا گیا تھا۔ اس نے پوچھا تمہاری ننہال والے کون لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا بنی طے کے لوگ میری ننہال والے ہیں۔ اس نے پوچھا تمہاری ماں کا نام کیا ہے۔ انہوں نے کہا سعدیٰ ہے

اب وہ چچا ان کے ساتھ ساتھ رہا۔ زید کہتے ہیں کہ پھر اس نے ان کے والد حارثہ کو بلوا کر اس سے کہا کہ تمہارا بیٹا یہاں موجود ہے۔ حارثہ ان کے پاس آیا اور ان کو دیکھتے ہی پہچان گیا۔ پھر اس نے زید سے پوچھا۔

"تمہارے آقا تمہارے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہیں؟"

زید نے کہا

"وہ مجھے اپنے بچوں سے بھی زیادہ چاہتے ہیں اور میرے ساتھ بہت محبت کا معاملہ کرتے ہیں۔ میں جو چاہتا ہوں وہ کرتا ہوں۔"

اب ان کے باپ چچا اور بھائی ان کے ساتھ ہی چل پڑے۔

ایک روایت میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دفعہ زید کی قوم کے کچھ لوگ حج کرنے کے لئے مکے آئے۔ یہاں انہوں نے زید کو دیکھا تو فوراً پہچان گئے ادھر زید نے بھی ان کو دیکھ کر پہچان لیا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے جاکر زید کے باپ کو اس بات کی خبر کر دی اور ان کا اتا پتا بتلادیا تب ان کے باپ اور چچا زید کے پاس مکے آئے۔

ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے زید کے چچا اور ان کے باپ کے ان سے ملنے کا جو واقعہ گزرا ہے وہ ان لوگوں کی طرف سے اطلاع ملنے کے بعد پیش آیا ہو۔

<u>زید کی رہائی کے لئے باپ اور چچا کی آنحضرت ﷺ کے پاس آمد</u>...... غرض اب جبکہ زید کے گھر والے مکے آئے تاکہ زید کا فدیہ دے کر ان کو غلامی سے چڑھالیں تو آنحضرت ﷺ نے ان کو اس بات کا اختیار دیدیا کہ وہ آپ کے پاس رہنا چاہیں تو یہاں رہیں اور اگر اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہیں تو وہاں چلے جائیں۔ مگر زید نے آنحضرت ﷺ کے پاس رہنے کو پسند کیا۔

اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ جب زید کے باپ اور چچا وغیرہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو انہوں نے آپ سے کہا "اے عبدالمطلب کے بیٹے! اے اپنی قوم کے سردار کے بیٹے!"

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب یہ لوگ زید کا فدیہ دینے مکے آئے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے متعلق دریافت کیا لوگوں نے ان کو بتلایا کہ آپ ﷺ مسجد میں ملیں گے۔ یہ لوگ آپ کے پاس مسجد حرام میں پہنچے اور آپ سے بولے۔

"اے عبدالمطلب کے بیٹے، اے ہاشم کے بیٹے! اے اپنی قوم کے سردار کے بیٹے! تم لوگ اللہ کے حرم کے لوگ اور اس کے پڑوسی ہو تم لوگ وہ ہو جو بیکس قیدیوں کو چھڑاتے ہو اور بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہو ہم آپ کے پاس اپنے اس بیٹے کے معاملے میں آئے ہیں جو آپ کے پاس ہے ہم پر احسان فرمایئے اور اس کا فدیہ قبول کرنے میں ہم پر کرم فرمایئے۔ ہم اس کا فدیہ آپ کو دینے کو تیار ہیں۔"

آپ نے پوچھا

"کس کے بارے میں کہہ رہے ہو۔"

انہوں نے کہا زید ابن حارثہ کے متعلق آپ نے فرمایا ایک شکل اس سے بھی بہتر ہے ان لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"میں اس کو بلا کر یہ اختیار دیتا ہوں کہ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو بغیر فدیہ کی رقم کے میں اس کو تمہارے حوالے کر دوں گا لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو پھر خدا کی قسم میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ ایک شخص میرے ساتھ رہنا چاہے اور میں اس کے بدلے رقم لے کر اس کو بھیج دوں۔"

ان لوگوں نے یہ سن کر کہا

"آپ نے یہ بات انصاف سے بھی زیادہ کی کہی ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آپ نے ہمارے ساتھ انصاف سے بھی زیادہ کا معاملہ کیا اور بہت اچھا برتاؤ فرمایا۔"

<u>آنحضرت ﷺ کی طرف سے زید کو اختیار</u>...... غرض پھر آنحضرت ﷺ نے زید کو بلایا اور ان سے پوچھا کیا تم ان لوگوں کو پہچانتے ہو۔"

زید نے کہا
"ہاں! یہ میرے باپ ہیں اور یہ چچا ہیں۔"
(پیچھے گزرا ہے کہ ان کے ساتھ زید کے بھائی بھی تھے) یہاں زید کا اپنے بھائی کے متعلق کچھ نہ کہنا شاید اس لئے رہا ہو کہ وہ باپ اور چچا کے مقابلے میں ظاہر ہے کم تھے ادھر زیادہ تر روایتوں میں صرف باپ اور چچا کے ہی آنے کا ذکر ہے۔

زید ﷺ کی آنحضرت ﷺ سے محبت...... علامہ سہیلی نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جب زید آگئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا۔
"یہ دونوں کون ہیں۔"
زید نے کہا
"یہ میرے باپ حارثہ ابن شرجیل ہیں اور یہ میرے چچا کعب ابن شرحبیل ہیں۔"
تب آنحضرت ﷺ نے زید سے فرمایا۔
جہاں تک میرا تعلق ہے تو تم مجھے اچھی طرح جانتے پہچانتے ہو اور میرے ساتھ رہ کر میرے طرز عمل کو بھی دیکھ چکے ہو اس لئے اب یا تو تم مجھے چن لو اور یا ان دونوں کو چن لو۔"
اس پر زید نے کہا
"میں اپنے لئے آپ کے سوا ہرگز کسی کو نہیں چنوں گا۔ میرے لئے تو آپ ہی باپ اور چچا کی جگہ ہیں۔"
اس پر ان دونوں نے زید سے کہا
"تیرا برا ہو زید۔! تو آزادی پر اور اپنے باپ اور چچا کے مقابلے میں غلامی کو پسند کر رہا ہے!"
زید نے کہا
"ہاں۔ ان کے مقابلے میں ہرگز کسی اور کو نہیں چن سکتا۔"

آنحضرت ﷺ کا زید کو منہ بولا بیٹا بنانے کا اعلان...... جب آنحضرت ﷺ نے زید کی یہ بات سنی تو آپ فوراً ان کو حجر اسود کے پاس لے گئے۔ یعنی اس جگہ جہاں قریش بیٹھے ہوئے تھے اور بیٹھا کرتے تھے وہاں پہنچ کر آپ نے فرمایا۔
"زید میرا بیٹا ہے۔ میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہے۔"
آنحضرت ﷺ کی یہ بات سن کر زید کے باپ اور چچا کو بیٹے کے متعلق اطمینان ہو گیا اور خوشی کے ساتھ وہاں سے واپس ہو گئے۔
علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے زید کو منہ بولا بیٹا بنایا تو اس وقت زید کی عمر آٹھ سال تھی۔ نیز یہ کہ اس اعلان کے بعد آنحضرت ﷺ نے زید کو ساتھ لے کر طواف کیا اور قریش کے مجمع کے پاس سے گزرتے ہوئے آپ یہ فرما رہے تھے۔
"یہ میرا بیٹا اور وارث اور موروث ہے۔"
یہ کہہ کر آپ قریش کو اس اعلان پر گواہ بنا رہے تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں عام طور پر جب کوئی

شخص دوسرے کے ساتھ کوئی عہد کیا کرتا تھا تو وہ یہ کہتا تھا۔

"میرا خون تمہارا خون ہے اور میری عزت تمہاری عزت ہے میرا انتقام تمہارا انتقام ہے میری جنگ تمہاری جنگ ہے اور میری صلح تمہاری صلح ہے تم میرے وارث ہو اور میں تمہارا وارث ہوں مجھ پر تمہارا حق ہے اور تم پر میرا حق ہے اور تمہاری طرف سے کسی کا خون معاف کر دینا میرا معاف کر دینا ہے اور میری طرف سے کسی کا خون معاف کر دینا تمہارا معاف کر دینا ہے۔"

اس کے بعد عہد کرنے والے کی میراث میں سے اس شخص کو چھٹا حصہ ملتا تھا جس سے یہ عہد کیا گیا ہے مگر پھر یہ طریقہ منسوخ ہو گیا۔

یہاں علامہ عبدالبر نے جو یہ لکھا ہے کہ بیٹا بنائے جانے کے وقت زید کی عمر آٹھ سال تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس کے بعد کا ہے جب آنحضرت ﷺ وحی سے پہلے زید کے مالک ہو چکے تھے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ زید کے باپ اور چچا کے آنے سے پہلے کا ہے۔ اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ زید کے باپ اور چچا کے آنے کے بعد آنحضرت ﷺ کا زید کو آزاد کرنا اور منہ بولا بیٹا بنانا صرف اس کا اعلان تھا جو آپ پہلے کر چکے تھے۔ تاہم یہ تفصیل قابل غور ہے۔

زید کے والد حارثہ کے بارے میں کتاب اسد الغابہ میں ہے کہ وہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ منذری کے سوا کسی نے حارثہ کے مسلمان ہونے کو ثابت نہیں کیا ہے۔

<u>حضرت زید کی فضیلت</u>...... جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید کو منہ بولا بیٹا بنایا تو ان کو زید ابن حارثہ کے بجائے زید ابن محمد کہا جانے لگا تھا۔ یہ فضیلت بھی سوائے حضرت زیدؓ کے کسی کو حاصل نہیں ہے کہ ان کو قرآن پاک میں ان کے نام سے یاد کیا گیا ہے جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی زید کے سوا صرف ایک نام اور ہے جس کے متعلق)علامہ ابن جوزی نے بیان کیا ہے کہ بعض تفسیروں میں اس کے متعلق لکھا ہے (کہ یہ ایک صحابی کا نام ہے جو قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے)اس آیت کا حصہ یہ ہے۔

یوم نطوی السماء کطی السجل الکتب قرآن حکیم پ 17 سورہ انبیاء ع ۷ آیت ۱۰۴

ترجمہ: وہ دن بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم نفخہ اولیٰ کے وقت آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے۔

اس مفسر نے لکھا ہے کہ سجل ایک صحابی کا نام ہے جو آنحضرت ﷺ پر آنے والی وحی لکھا کرتے تھے۔

<u>قرآن پاک میں زید کا نام ذکر کئے جانے کی حکمت</u>...... جہاں تک قرآن پاک میں زید کا نام آنے کی حکمت ہے اس کے متعلق علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

ادعو ھم لابا بھم قرآن حکیم پ ۲۱ سورہ احزاب ع ۱ آیت ۵

ترجمہ: تم ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو۔

تو اس کے بعد حضرت زیدؓ کو زید ابن محمد کے بجائے پھر زید ابن حارثہ کہا جانے لگا اور اس طرح حضرت زید کو جو اعزاز اور فضیلت حاصل تھی وہ ختم ہو گئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح اعزاز عطا فرمایا کہ تمام صحابہ میں صرف ان کا نام قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے اور اس طرح ان کا نام محرابوں میں (یعنی رمضان میں قرآن پاک میں)تلاوت ہونے لگا ہے۔ حضرت علیؓ کے متعلق جیسے تفصیل گزر چکی ہے اسی طرح زید

کے متعلق بھی آگے، بیان آئے گا۔

عورتوں میں قرآن پاک میں سوائے حضرت مریم کے کسی کا ذکر اس کے نام کے ساتھ نہیں کیا گیا ہے۔

حضرت زیدؓ کے ایک بھائی اور تھے جو ان سے عمر میں بڑے تھے۔ ان کا نام جبلہ تھا ایک دفعہ کسی نے جبلہ سے پوچھا۔

"تم دونوں میں بڑا کون ہے۔ تم یا زید۔"

جبلہ نے کہا

"اگرچہ زید سے پہلے میں پیدا ہوا ہوں مگر زید مجھ سے بڑے ہیں۔"

یعنی زید اس لئے افضل ہیں کہ وہ مجھ سے پہلے مسلمان ہو گئے۔

حضرت ابو بکر صدیق کا اسلام...... غرض اس کے بعد پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ مسلمان ہوئے بعض علماء نے ان کے مسلمان ہونے کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ کے پہلے ہی سے دوست تھے آنحضرت ﷺ اکثر ان کے گھر آتے اور ان سے باتیں کیا کرتے تھے ادھر جب ابو بکر حضرت خدیجہؓ کے کہنے پر آنحضرت کو ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئے تھے تو جیسا کہ بیان ہوا انہوں نے آنحضرت ﷺ کے متعلق ورقہ کی بات بھی سن رکھی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی ان کو توقع بھی تھی۔ غرض ایک دن وہ حکیم ابن حزام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حکیم کی ایک باندی آئی اور حکیم سے کہنے لگی۔

آج تمہاری پھوپی خدیجہ یہ دعویٰ کر رہی ہیں کہ ان کا شوہر خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ایسا ہی پیغمبر ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام تھے۔

صدیق اکبرؓ کی طرف سے نبوت کی فوری تصدیق...... یہ بات سنتے ہی حضرت ابو بکرؓ فوراً وہاں سے چپکے سے اٹھکر آنحضرت ﷺ کے پاس آگئے اور آپ سے اس بارے میں پوچھا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو وحی آنے کا پورا قصہ سنایا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تبلیغ کا حکم فرمایا تھا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔

"آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ سچ کہتے ہیں اور آپ سچ بولنے والوں میں سے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ذات عبادت کے لائق نہیں ہے اور یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

کہا جاتا ہے کہ (حضرت ابو بکرؓ کے اس طرح آنحضرت ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرنے کی بناء پر) آنحضرت ﷺ نے ان کو "صدیق" کا لقب عطا فرمایا۔

اب اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اس وقت مسلمان ہوئے جب یَآ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ نازل ہوئی اور جیسا کہ بیان ہوا یَآ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ وقفہ وحی کے بعد نازل ہوئی (جو تین سال کا عرصہ تھا) تو گویا حضرت ابو بکرؓ بہت دیر میں مسلمان ہوئے (کیونکہ اس روایت میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کا ذکر ہے جس کے بارے میں ایک قول یہ گزرا ہے کہ وہ وقفہ وحی کے بعد ملی ہے ادھر یہ کہ پہلی وحی کا حال حضرت ابو بکرؓ کو معلوم ہی تھا کیونکہ پیچھے بیان ہوا کہ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ کے کہنے پر وہ آنحضرت ﷺ کو لے کر ورقہ ابن نوفل کے پاس گئے تھے)

جہاں تک اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ کے حضرت ابو بکرؓ کو صدیق کا لقب عطا فرمانے کا ذکر ہے اس

سلسلے میں آگے بیان آئے گا کہ یہ لقب آنحضرت ﷺ نے ان کو اس وقت دیا تھا جب معراج کے بعد آنحضرت ﷺ نے صبح کو یہ واقعہ بیان کیا (تو قریش نے تو آپ کو جھٹلایا اور مذاق اڑایا ہی تھا مگر بعض مسلمان بھی شک میں پڑ گئے تھے) لیکن جب حضرت ابو بکرؓ نے یہ واقعہ سنا تو انہوں نے اسی وقت اس بات کی تصدیق کی اور کہا کہ محمد ﷺ سچ کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے۔ تو اس وقت آنحضرت ﷺ نے ان کو صدیق کا لقب عطا فرمایا تھا۔ مگر ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے ان کو صدیق کا خطاب ان کے مسلمان ہونے کے وقت ہی دیا ہو اور پھر معراج کے بعد دوبارہ اس خطاب کو جب سب کے سامنے دہرا لیا گیا ہو تو اس وقت سے یہ لقب مشہور ہوا ہو۔

قرآن کریم کی آیت ہے

والذی جاء بالصدق و صدق به قرآن کریم پ ۲۴ سورہ زمر ع ۴ آیت ۳۳

ترجمہ: اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور خود بھی اس کو سچ جانا۔ شاہ صاحبؒ کا ترجمہ یہ ہے اور وہ شخص کہ آیا ساتھ سچ کے اور جس نے مان لیا اس کو۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت میں آتا ہے کہ سچ لے کر آنے والے سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں اور اس سچ کو ماننے والے سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

(قال) غرض جب حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ سے آپ کی نبوت کی خبر سنتے ہی آپ کی تصدیق کی تو حضرت خدیجہؓ فوراً باہر نکل آئیں اس وقت وہ سرخ اوڑھنی اوڑھے ہوئے تھیں۔ انہوں نے باہر آکر صدیق اکبر سے کہا۔

"اے ابن ابو قحافہ! اس خدائے پاک کو ہی تمام تعریفیں سزاوار ہیں جس نے آپ کو ہدایت کا راستہ دکھلایا۔"

<u>حضرت ابو بکرؓ کا نام اور ان کے لقب</u>...... (ابن ابو قحافہ حضرت ابو بکرؓ کا لقب تھا) ان کا نام آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا تھا۔ اس سے پہلے ان کا اصل نام عبدالکعبہ تھا۔ اس طرح حضرت ابو بکرؓ وہ پہلے آدمی ہیں جن کا آنحضرت ﷺ نے نام تبدیل فرمایا۔ چونکہ حضرت ابو بکرؓ بہت خوبصورت آدمی تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کا لقب عتیق رکھا تھا جس کے معنی خوبصورت کے ہیں۔ ادھر عتیق کے معنی آزاد کے بھی ہیں اس لئے عتیق لقب دینے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ گناہوں اور برائیوں سے دور رہتے تھے ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کی طرف دیکھ کر یہ فرمایا تھا کہ یہ جہنم کی آگ سے آزاد یعنی محفوظ ہیں غرض یہ اسلام میں پہلا لقب ہے جو کسی شخص کو دیا گیا۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی والدہ نے ان کو یہ لقب اس لئے دیا تھا کہ ان کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا۔ جب حضرت ابو بکرؓ پیدا ہوئے تو وہ ان کو لے کر کعبے کے سامنے آئیں اور کہنے لگیں۔

"اے اللہ! اس کو موت سے بچالے اور اس کو میرے لئے زندگی دے۔"

اس کے بعد ان کی اولاد میں حضرت ابو بکر ہی زندہ رہے (چونکہ اس دعا میں ان کی والدہ نے عتیق کا لفظ استعمال کیا تھا اس لئے حضرت ابو بکرؓ کا لقب عتیق ہو گیا) چنانچہ ایک قول ہے کہ اسی بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ان کی والدہ جب ان کو کھلایا کرتی تھیں تو یہ کہا کرتی تھیں۔

"عتیق۔ اور عتیق تو خوبصورت اور حسین ہوتا ہی ہے۔"

علامہ ابن حجر ہثیمی نے یہ لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو یہ خطاب دینے والے حقیقت میں آنحضرت ﷺ ہی ہیں یہ اس موقعہ کی بات ہے جب کہ وہ حضرت عائشہؓ کے گھر پر تشریف لے گئے تھے اور اسی دن سے یہ لقب مشہور بھی ہوا۔

(قال) اس سے وہ قول غلط ثابت ہو جاتا ہے جس کے مطابق حضرت ابو بکرؓ کو یہ لقب ان کے والدہ نے دیا تھا۔ اور جس کو ان کی والدہ کی طرف نسبت حاصل ہو گئی۔ یہاں تک علامہ ہثیمی کا کلام ہے۔

اب اس قول میں یہ لفظ خاص طور پر قابل غور ہیں کہ جب وہ حضرت عائشہؓ کے گھر پر تشریف لے گئے تھے جبکہ پچھلی سطروں میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ اس کے بالکل خلاف ہے۔

علامہ سہیلی نے یہ لکھا ہے کہ ایک قول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا نام عتیق اس لئے پڑا کہ جب وہ مسلمان ہوئے تھے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو کہا تھا۔

"تم جہنم سے عتیق یعنی محفوظ ہو"

<u>قریش میں حضرت ابو بکر کا مرتبہ اور ان کا بلند اخلاق</u>...... قریش میں حضرت ابو بکرؓ کا مرتبہ بہت اونچا تھا وہ بہت دولت مند آدمی تھے بہت خوش اخلاق تھے اور قریشی سرداروں میں سے تھے وہ نہایت اچھی رائے اور مشورہ دینے والے تھے اور اپنے زمانے میں بے انتہا پاک دامن اور نیک فطرت انسان تھے وہ ایک نہایت شریف اور سخی دولت مند تھے جو روپیہ پیسہ فیاضی کے ساتھ خرچ کرتے تھے اپنی قوم میں بہت ہر دل عزیز تھے اور ان کی مجلسیں بہت پسند کی جاتی تھیں اپنے زمانے میں حضرت ابو بکر خواب کی تعبیر دینے میں سب سے زیادہ مشہور اور ماہر تھے چنانچہ ابن سیرینؒ جو متفقہ طور پر اپنے زمانے کے سب سے زیادہ بہترین تعبیر دینے والے شمار کئے جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ اس امت کے سب سے زیادہ بہترین تعبیر بتانے والے عالم ہیں۔

<u>حضرت ابو بکرؓ نسب ناموں کے زبردست ماہر تھے</u>...... اسی طرح حضرت ابو بکرؓ اپنے زمانے میں نسب ناموں کے سب سے بڑے عالم تھے چنانچہ حضرت جبیر ابن مطعم جو اس فن کے مشہور عالم ہیں کہتے ہیں کہ میں نے نسب ناموں کا فن اور علم اور خاص طور پر قریش کے نسب ناموں کا علم حضرت ابو بکرؓ سے ہی حاصل کیا ہے کیونکہ وہ قریش کے نسب ناموں کے سب سے بڑے عالم تھے اور ان نسب ناموں میں جو اچھائیاں اور برائیاں تھیں ان کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ مگر وہ ان برائیوں کو بیان نہیں کیا کرتے تھے اسی لئے قریش کے لوگوں میں حضرت ابو بکرؓ بہت محبوب تھے۔ ان کے مقابلے میں حضرت عقیل ابن ابو طالبؓ بھی نسب کے ماہر تھے مگر وہ پچھلے لوگوں کی جو برائیاں تھیں ان کو بھی ظاہر کر دیا کرتے تھے وہ حضرت ابو بکرؓ کے بعد نسب ناموں کے سب سے بڑے عالم تھے اور وہ بھی قریشی بزرگوں کی اچھائیاں اور برائیاں جانتے تھے مگر چونکہ وہ برائیوں کو گنوا بھی دیتے تھے اس لئے قریش کے لوگ ان سے ناراض رہا کرتے تھے۔

حضرت عقیلؓ مسجد نبوی میں حضرت ابو بکرؓ کے پاس نسب ناموں کا علم حاصل کرنے کے لئے بیٹھا کرتے تھے اور پچھلے زمانے کے واقعات اور عرب کے حالات معلوم کیا کرتے تھے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ قریش کے بہترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے اور لوگوں کو جو بھی

مشکل پیش آتی تھی تو وہ اس میں ان سے مدد لیا کرتے تھے مکے میں وہ اکثر اپنی بڑی بڑی دعوتیں کیا کرتے تھے کہ کوئی دوسرا نہیں کرتا تھا۔

ابو بکر لقب کی وجہ...... علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ ابو بکر کا لقب پڑنے کی شاید وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی اچھی صفات میں یکہ و تنہا تھے (کیونکہ بکر کے معنی عمدگی اور یکتائی کے ہیں)

ان کے نگین انگشتری کی تحریر...... حضرت ابو بکر کی انگشتری کے نگین پر یہ نقش کندہ تھا۔

نِعْمَ الْقَادِرُ اللّٰہُ ۔ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہترین قدرت والا ہے۔

حضرت عمرؓ کے نگین انگشتری کی تحریر ..... حضرت عمرؓ کی انگشتری پر یہ کلمہ نقش تھا

کفی بالموت واعظایا عمر (ترجمہ) اے عمر) موت ہی سب سے بڑی نصیحت کرنے والی چیز ہے۔"

حضرت عثمانؓ کے نگین انگشتری کی تحریر...... حضرت عثمان کی انگشتری پر یہ کلمہ نقش تھا۔

امنت بالله مخلصا میں پوری سچائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا۔"

حضرت علیؓ کے نگین انگشتری کی تحریر...... حضرت علیؓ کی انگشتری پر جو نقش تھا اس کی عبارت یہ تھی۔ الملک لله سلطنت اللہ ہی کی ہے۔"

حضرت ابو عبیدہ کے نگین انگشتری کی تحریر...... حضرت ابو عبیدہ کی انگشتری کا نقش یہ تھا۔ الحمدلله تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔

حضرت ابو بکر کا مقام...... حضرت ابو بکرؓ کے متعلق آنحضرت ﷺ یہ فرمایا کرتے تھے : میں نے جس کو بھی اسلام کی دعوت دی اس نے کچھ نہ کچھ سوچ بچار اور وقفہ کے بعد اسلام قبول کیا سوائے ابو بکر کے (کہ وہ بغیر ہچکچاہٹ کے فوراً مسلمان ہو گئے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ ۔ میں نے اسلام کے سلسلے میں جس سے بھی بات کی اس نے انکار کیا اور بحث کی سوائے ابن ابو قحافہ یعنی ابو بکر کے۔ کہ میں نے ان سے جو بھی کہا انہوں نے اس کو فوراً مان لیا اور اس پر ثابت قدم رہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق تمام صحابہ میں سب سے بہتر رائے دینے والے اور سب سے زیادہ دانشمند سمجھے جاتے تھے۔ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اپنے معاملوں میں ابو بکر سے مشورہ کیا کرو۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں ہی یہ آیت نازل ہوئی۔

وشاورهم فی الامر ..... قرآن حکیم پ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۷

ترجمہ : اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔

آنحضرتؐ کے لئے حضرت ابو بکر وزیر کے درجہ میں تھے آپ ہر معاملے میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے :

"اللہ تعالیٰ نے میری مدد کے لئے چار وزیر مقرر فرمائے ہیں جن میں سے دو آسمان والوں میں سے ہیں ایک جبرئیل علیہ السلام اور دوسرے میکائیل علیہ السلام اور دو زمین والوں میں سے ہیں ایک ابو بکر اور دوسرے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ایک حدیث میں ہے جس کے راوی معتبر ہیں کہ :

آسمان میں اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ زمین پر حضرت ابو بکر صدیقؓ (کسی معاملے میں) غلطی کریں۔"

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت حسنؓ کا واقعہ......ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ (آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اپنی خلافت کے زمانے میں) ممبر پر کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے اسی وقت آنحضرتؐ کے نواسے حضرت حسن ابن علیؓ (جو اس وقت بچے تھے) وہاں آگئے اور حضرت ابو بکرؓ کو اپنے نانا کی جگہ ممبر پر کھڑے ہوئے دیکھ کر ان) سے کہنے لگے :

"میرے باپ کی جگہ سے اتر جاؤ۔"

حضرت ابو بکرؓ جو خلیفہ وقت تھے) یہ سنکر رونے لگے اور انہوں نے کہا :

"بیشک تمہارے ہی باپ کی جگہ ہے۔ خدا کی قسم میرے باپ کی جگہ نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے حضرت حسنؓ کو اپنی گود میں بٹھالیا اور روتے رہے (حضرت علی کو یہ خیال ہوا کہ بچے کی بات سے کہیں حضرت ابو بکرؓ یہ نہ سمجھیں کہ میں نے بچے سے ایسا کہلایا ہوگا۔ کیونکہ کچھ دن تک حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکر کی خلافت کو تسلیم بھی نہیں کیا تھا اس لئے ؟حضرت علیؓ نے فوراً حضرت ابو بکرؓ سے کہا۔

خدا کی قسم اس نے یہ بات میرے کہنے پر نہیں کہی ہے۔"

حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا۔ خدا کی قسم میں نے تمہیں الزام نہیں دیا۔"

ایسا ہی حضرت عمرؓ اور حضرت حسینؓ کا ایک واقعہ......اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں حضرت حسینؓ کے ذریعہ پیش آیا۔ حضرت عمرؓ ممبر پر کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت حسینؓ (جو اس وقت بچے تھے) آگئے اور بولے۔

"میرے باپ کے ممبر پر سے اترو۔"

حضرت عمر نے کہا

"بیشک تمہارے ہی باپ کا ممبر ہے۔ میرے باپ کا ممبر نہیں ہے۔ مگر تمہیں یہ کہنے کے لئے کس نے ہدایت کی تھی یہ سنتے ہی حضرت علیؓ کھڑے ہوگئے اور انہوں نے کہا"۔

"اس کے لئے ان کو کسی نے ہدایت نہیں کی تھی۔"

پھر انہوں نے حضرت حسینؓ سے کہا

"بے تمیز میں تمہیں اسکی سزا دوں گا!"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"نہیں! میرے بھتیجے کو سزا مت دینا۔ اس نے سچ کہا کہ یہ ان کے باپ کا ممبر ہے۔"

اسلام لانے سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کا ایک خواب...... (قال) حضرت ابو بکرؓ کے فوراً آنحضرت ﷺ کی نبوت کی تصدیق کر دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیاں جانتے تھے اور آپ کے تبلیغ شروع کرنے سے پہلے ہی سے وہ آپ کے پیغام اور دعوت کی سچائی کی دلیلوں سے واقف تھے۔ ادھر اس سے پہلے حضرت ابو بکرؓ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ چاند مکے میں اتر آیا ہے اور اس کا ایک ایک حصہ مکے کے ہر گھر میں داخل ہو گیا اور پھر وہ سارے کا سارا حضرت ابو بکر کی گود میں آگیا۔

حضرت ابو بکرؓ نے یہ خواب ایک عیسائی عالم کو بتلایا۔ اس نے اس کی یہ تعبیر دی کہ تم اپنے پیغمبر کی پیروی کرو گے جس کا دنیا کو انتظار ہے اور جس کے ظہور کا زمانہ قریب آچکا ہے اور یہ کہ تم اس کے پیروؤں میں

سب سے زیادہ خوش نصیب آدمی ہو گے۔

یہ عیسائی عالم شاید بحیرا تھا کیونکہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک خواب دیکھا جسے انہوں نے بحیرا راہب کو سنایا۔ بحیرا نے کہا۔

"اگر تم اپنے خواب میں سچے ہو تو عنقریب تمہاری قوم میں سے ایک نبی ظاہر ہو گا۔ تم اس نبی کی زندگی میں اس کے وزیر ہو گے اور اس کی وفات کے بعد اس کے خلیفہ ہو گے۔"

یمن میں حضرت ابو بکر کو قبیلہ اَزْد کے ایک عالم کی پیشین گوئی ......(ی) ابو نعیم نے ایک صحابی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ کی نبوت سے بھی پہلے آپ پر ایمان لا چکے تھے یعنی بحیراء نے جو کچھ کہا تھا اس کی اور قبیلہ ازد کے ایک بوڑھے عالم سے ان کی جو بات چیت ہوئی تھی اس کی روشنی میں وہ سمجھ گئے تھے کہ آنحضرت ﷺ ہی وہ نبی ہیں جن کا دنیا کو انتظار ہے۔

قبیلہ ازد کا یہ بوڑھا عالم یمن کا تھا اور اس نے آسمانی کتابیں پڑھی ہوئی تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ یمن میں اس کے یہاں اترے تھے اس نے حضرت ابو بکرؓ کو دیکھ کر پوچھا۔ "میرا خیال ہے تم حرم کے رہنے والے ہو!" حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔ ہاں! پھر اس نے کہا کہ "میرا خیال ہے تم قریشی ہو" حضرت ابو بکرؓ نے کہا "ہاں"۔ پھر اس نے کہا "میرا خیال ہے تم خاندان تیمی کے فرد ہو" انہوں نے کہا۔ ہاں۔! پھر اس نے کہا کہ "اب آپ سے ایک سوال اور ہے"

حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا وہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے اپنا پیٹ کھول کر دکھلاؤ۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا یہ میں اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک تم مجھے اس کی وجہ نہیں بتلاؤ گے!" اس نے کہا۔

"میں اپنے سچے اور مضبوط علم میں یہ خبر پاتا ہوں کہ حرم کے علاقے میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس ہی کی مدد کرنے والا ایک تو نوجوان ہو گا اور ایک پختہ عمر کا آدمی ہو گا۔ جہاں تک نوجوان کا تعلق ہے وہ مشکلات میں کود جانے والا اور پریشانیوں کو روکنے والا ہو گا۔ اور جہاں تک اس پختہ عمر کے آدمی کا تعلق ہے وہ سفید رنگ کا اور کمزور جسم کا آدمی ہو گا۔ اس کے پیٹ پر ایک بال دار نشان ہو گا اور اس کی بائیں ران پر ایک علامت ہو گی۔ (ی) وہ حرم کا رہنے والا قریشی اور تیمی خاندان کا بھی ہو گا اور اس کے ساتھ اس میں یہ علامتیں بھی ہوں گی کیونکہ شروع میں اس عالم نے جو سوالات کئے تھے ان کی وجہ سے یہ سب علامتیں ہونی ضروری ہیں۔"

غرض اس کے بعد اس نے کہا

"اب یہ بھی ضروری نہیں کہ تم مجھے اپنا پیٹ دکھلاؤ کیونکہ میں تم میں باقی سب ہی علامتیں دیکھ چکا ہوں۔"

یعنی یہ کہ تم حرم کے رہنے اولے ہو، قریشی ہو تیمی ہو، گورے رنگ کے ہو اور کمزور بدن کے ہو حضرت ابو بکر کہتے ہیں کہ پھر میں نے اپنا پیٹ اس کے سامنے کھول دیا اور اس نے میری ناف کے اوپر سیاہ یا سفید رنگ کا وہ بالوں دار نشان دیکھا اور میری بائیں ران پر اس کو وہ علامت نظر آئی۔ نشانیاں دیکھنے کے بعد اس نے کہا

"پروردگار کعبہ کی قسم تم وہی ہو!"

یمن سے واپسی پر پیش گوئی کی تصدیق...... حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ جب میں یمن میں اپنی خریداری اور تجارتی کام پور کر چکا تو اس سے رخصت ہونے کے لئے اس کے پاس آیا۔ اس وقت اس نے مجھ سے کہا

: میری طرف سے چند شعر سن کریاد کرلو جو میں نے اس نبی کی شان میں لکھے ہیں۔"

میں نے کہا سناؤ۔ تب اس نے مجھے وہ شعر سنائے۔ حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں اس کے بعد میں جب مکے واپس پہنچا تو اس وقت آنحضرت ﷺ کا ظہور ہو چکا تھا۔ فوراً ہی میرے پاس قریش کے بڑے بڑے سردار آئے جیسے عقبہ ابن ابو معیط، شیبہ، ربیعہ ابو جہل اور ابوالبختری ان لوگوں نے مجھ سے کہا۔

"اے ابو بکر! ابو طالب کے یتیم نے یہ دعوی کیا ہے کہ وہ نبی ہے۔ اگر آپ کا انتظار نہ ہوتا تو ہم اس کے معاملے میں اب تک صبر نہ کرتے۔ اب جبکہ آپ آگئے اس لئے اس سے نمٹنا اب آپ ہی کا کام ہے۔"

<u>آنحضرت ﷺ سے ملاقات اور تصدیق نبوت</u>...... اس کی وجہ یہ تھی کہ جیسا کہ بیان ہوا حضرت ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ کے قریبی دوست تھے غرض حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اچھے انداز سے ان لوگوں کو ٹال دیا اور خود آنحضرت ﷺ کے گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا آنحضرت ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ نے مجھ سے فرمایا۔

"اے ابو بکر! میں تمہاری اور تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔"

میں نے عرض کیا۔

"آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اس بوڑھے عالم کے وہ شعر جو اس نے تمہیں سنائے تھے!"

میں نے حیران ہو کر عرض کیا۔

"میرے دوست! آپ کو ان کے متعلق کیسے پتہ چلا۔"

آپ نے فرمایا

"اس عظیم فرشتے سے جو مجھ سے پہلے بھی تمام نبیوں کے پاس آتا رہا ہے۔"

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا۔

"اپنا ہاتھ لائیے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں آپ کے پاس سے واپس آگیا اور میرے اسلام قبول کرنے پر آنحضرت ﷺ بے انتہا مسرور تھے۔ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ۔ میرے اسلام قبول کرنے سے مجھے بے انتہا مسرت اور خوشی حاصل ہوئی۔

<u>حضرت ابو بکرؓ آزاد بالغ مردوں میں پہلے مسلمان ہیں</u>...... دونوں ہی باتیں درست ہو سکتی ہیں۔ غرض اب حضرت ابو بکرؓ کے اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں دو روایتیں ہو گئیں ایک تو یہی اور ایک وہ جو پیچھے بیان ہوئی ہے کہ ایک روز وہ حکیم ابن حزام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب ان دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے مگر اسی صورت میں جبکہ دونوں کو صحیح مانا جائے۔ ادھر اسی طرح حضرت حسان ابن ثابتؓ کا ایک شعر ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اسلام

قبول کیا۔ حضرت حسان ابن ثابتؓ کے شعر کا ایک مصرعہ یہ ہے۔

وَاَوَّلُ النَّاسِ مِنْهُمْ صَدَّقَ الرُّسُلاُ

ترجمہ: اور وہ یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ لوگوں میں پہلے آدمی ہیں جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔

یہ شعر آنحضرت ﷺ نے سنا تھا اور اس بات سے انکار نہیں کیا تھا بلکہ آپ نے اس کو سن کر یہ فرمایا تھا کہ حسان تم نے سچ کہا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی جہاں ہجرت کا بیان ہوگا۔

ادھر بعض علماء کا جو یہ قول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور یہ کہ یہی عام علماء کے نزدیک مشہور قول ہے تو یہ بات اس گزشتہ روایت کے خلاف نہیں ہوئی جس میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت علی سب سے پہلے مسلمان ہونے والے آدمی ہیں اور ان کے بعد دوسرے آدمی آنحضرت ﷺ کے غلام زید ابن حارثہ ہیں جو مسلمان ہوئے ان روایتوں میں اختلاف اس لئے نہیں ہوتا کہ مراد یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سب سے پہلے بالغ اور آزاد انسان ہیں جو مسلمان ہوئے (کیونکہ ان سے پہلے حضرت علی مسلمان ہوئے تو وہ نابالغ تھے اور حضرت زید مسلمان ہوئے تو وہ غلام تھے) چنانچہ ابن صلاح نے لکھا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ آزاد آدمیوں میں یعنی جو غلام نہ رہے ہوں ان میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والے شخص حضرت ابو بکرؓ ہیں۔ بچوں میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والے شخص حضرت علیؓ ہیں عورتوں میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والی خاتون حضرت خدیجہؓ ہیں اور غلاموں میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والے شخص حضرت زید ابن حارثہ ہیں۔ اب اس قول سے اور اس سے پہلے بیان ہونے والے قول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان ہونے کے وقت حضرت زید ابن حارثہؓ بالغ ہو چکے تھے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ آزاد لوگوں میں پہلے شخص حضرت ابو بکرؓ ہیں (صرف اتنا کہنا کافی تھا کہ بالغ لوگوں میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والے شخص حضرت ابو بکرؓ ہیں)

حضرت علیؓ حضرت ابو بکرؓ سے پہلے مسلمان ہوئے...... یا پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے حضرت علیؓ سے پہلے مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد فوراً ہی اپنے اسلام کا اعلان بھی کر دیا تھا جبکہ حضرت علیؓ نے ایسا نہیں کیا تھا چنانچہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ چار چیزوں میں مجھ پر سبقت لے گئے ہیں ان چیزوں میں انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے اپنے مسلمان ہونے کے اعلان کو بھی شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا تھا۔

ادھر ایک روایت اور ہے جس کی سند حسن ہے کہ سب سے پہلے آدمی جنہوں نے علی الاعلان اسلام قبول کیا وہ حضرت عمر ہیں۔ مگر اس روایت سے بھی کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس سے مراد وہ زمانہ ہے جبکہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ ارقم ابن ارقم کے مکان میں پوشیدہ تھے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی لہذا یہ اولیت اضافی ہے (یعنی اس زمانے کے لحاظ سے حضرت عمرؓ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے علی الاعلان اسلام قبول کیا)

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں پہلا مسلمان ہونے والا شخص ہوں۔ مگر اس روایت کی سند صحیح نہیں ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ اس مضمون کی بہت سی احادیث ہیں جو ابن عساکر نے پیش کی ہیں مگر ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے۔ یہاں تک علامہ ابن کثیرؒ کا کلام ہے۔

لیکن اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ بچوں میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والے شخص حضرت علیؓ ہیں لہٰذا یہاں بھی اولیت اضافی ہے (کہ بچوں کے لحاظ سے سب سے پہلے مسلمان ہیں اگرچہ بڑوں میں حضرت خدیجہؓ ان سے بھی پہلے مسلمان ہو چکی تھیں)

حضرت علیؓ کا ایک نصیحت آمیز قول...... حضرت علیؓ کے جو مشہور قول ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ تم ان لوگوں میں سے مت ہو جو بغیر عمل کے آخرت کی بہتری کی تمنا کرتے ہیں اور اپنی آرزوئیں پوری کرنے کی چاہ میں توبہ میں دیر کرتے رہتے ہیں۔ نہ ان لوگوں میں سے ہو جو نیک لوگوں سے محبت تو کرتے ہیں مگر ان کے جیسا عمل اختیار نہیں کرتے۔ بشاشت اور ہنس مکھ ہونا محبت کی بنیاد ہے اور صبر تمام عیبوں کی قبر ہے۔ ظلم کے ذریعہ کسی پر غلبہ حاصل کرنے والا حقیقت میں ہارا ہوا ہوتا ہے۔ اس شخص پر تعجب ہے جو دعا مانگتا ہے اور اس کی جلد قبولیت کی تمنا بھی کرتا ہے مگر گناہوں کے ذریعہ قبولیت کے دروازے بند کرتا رہتا ہے۔"

حضرت خدیجہؓ کے بعد مسلمان ہونے والی عورتیں...... حضرت خدیجہؓ کے بعد عورتوں میں جو سب سے پہلے مسلمان ہوئیں وہ یہ ہیں۔ حضرت عباسؓ کی بیوی ام فضل حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماء اور حضرت عمر فاروقؓ کی بہن ام جمیل جن کا نام فاطمہ بنت خطاب تھا۔ مگر بظاہر ام ایمن حضرت ام فضل سے بھی پہلے مسلمان ہوئی ہوں گی جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہونے والی روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے۔

بعض علماء کے نزدیک ورقہ ابن نوفل اولین مسلمان ہیں...... ادھر سب سے پہلے مسلمان ہونے والے شخص کے سلسلے میں علامہ سراج بلقینی اور زین العراقی کہتے ہیں اولین مسلمان ورقہ ابن نوفل ہیں۔ یہ بات وہ اس بنیاد پر کہتے ہیں کہ ورقہ نے آنحضرت ﷺ سے فرمایا تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی پیغمبر ہیں جن کے متعلق عیسیٰ ابن مریم نے بشارت اور خوش خبری دی تھی اور یہ کہ آپ اسی موسیٰ علیہ السلام کے ناموس پر ہیں (یعنی جو سچا پیغام وہ لے کر آئے تھے وہی آپ بھی لائے ہیں) اور یہ کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں۔

مگر اس گواہی کی بنیاد پر ورقہ کو مسلمان کہنے میں جو اشکال ہے وہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ ورقہ حقیقت میں اہل فترت میں سے ہیں جیسا کہ حافظ ذہبی نے بھی صاف طور پر یہی کہا ہے۔ اس سے اس گزشتہ قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ ورقہ کا آنحضرت ﷺ کے ظہور کے بعد انتقال ہوا ہے۔ غرض اب ورقہ اور ان جیسے دوسرے لوگ جیسے بحیراء اور نسطوراء راہب مسلمان نہیں کہلائیں گے بلکہ اہل فترت کہلائیں گے۔

حضرت خدیجہؓ متفقہ طور پر سب سے پہلی مسلمان ہیں...... نیز اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ تمام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ حضرت خدیجہ سب سے پہلے مسلمان ہونے والی شخص ہیں ان سے پہلے نہ کوئی مرد مسلمان ہوا اور نہ عورت اب جہاں تک ورقہ جیسے لوگوں کا تعلق ہے یعنی وہ لوگ جو اسلام سے پہلے کے آسمانی مذہب کو اس کے منسوخ ہونے سے پہلے اختیار کئے ہوئے تھے ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی اس لحاظ سے تصدیق کی ہے کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جن کا دنیا کو انتظار ہے اور یہ اتنا ایمان آخرت میں ان کے حق میں مفید ہے۔

جب ورقہ کا انتقال ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

"میں نے قس یعنی ورقہ کو جنت میں اس حالت میں دیکھا کہ وہ ریشمی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ایسا اس لئے ہے وہ مجھ پر ایمان لائے اور انہوں نے میرے پیغام کی تصدیق کی۔" جیسا کہ یہ حدیث پیچھے بیان ہو چکی

ہے۔

اب اگر اس بات کو مان لیا جائے کہ مسلمان ہونے کے لئے آں حضرت ﷺ کے ظہور کے بعد آپ پر یمان لانا اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرنا ضروری نہیں بلکہ اس کے وجود سے پہلے بھی اس کی تصدیق کرنے سے آدمی مسلمان کہلا سکتا ہے۔ تو بھی ورقہ کو صحابی نہیں کہا جائے گا اس لئے کہ صحابی کی تعریف یہ ہے کہ وہ شخص جس نے اس حالت میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہے کہ وہ آپ کی رسالت پر ایمان رکھتا ہو۔ اسی وجہ سے حافظ ذہبی نے ابن مندہ اور علامہ زین العراقی کی اس بات کی تردید کی ہے کہ ورقہ صحابہ میں سے تھے۔ یا بحیراء اور نسطور صحابی تھے۔ علامہ ذہبی نے کہا ہے۔

"صاف بات یہ ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بعد (آپ کی تصدیق کرتے ہوئے) اور آپ کی رسالت سے پہلے مر گیا وہ اہل فترت میں سے ہے۔"

یہاں تک علامہ ذہبی کا کلام ہے۔ اب جہاں تک رسالت کا تعلق ہے تو اس سے مراد سورہ یا ایہا لمدثر کا نازل ہونا اس کے حکم کا اظہار نہیں ہے۔ اسی طرح آیت فاصدع بما تومر کا نازل ہونا ہے یہ اسی قول کی بنیاد پر ہے جس کے مطابق آنحضرت ﷺ کو نبوت پہلے ملی اور رسالت بعد میں ملی۔

<u>حضرت ابو بکر کی تبلیغ اور حضرت عثمان غنی کا اسلام</u>...... غرض جب حضرت ابو بکر صدیق ﷺ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے اپنے جاننے والے ان لوگوں میں جو ان پر بھروسہ کرتے تھے تبلیغ شروع کی اور انہیں للہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا چنانچہ ان کی تبلیغ کے نتیجہ میں حضرت عثمان ابن عفان ابن ابوالعاص بن امیہ ابن عبد شمس مسلمان ہوئے۔ یہ حضرت عثمانؓ جب مسلمان ہوئے اور ان کے چچا یعنی مروان ابن حکم کے باپ حکم ابن ابوالعاص ابن امیہ کو پتہ چلا تو اس نے ان کو پکڑ لیا اور کہا۔

"تو اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر محمد کا دین قبول کرتا ہے خدا کی قسم میں تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ تو اس دین کو نہیں چھوڑ دے گا۔"

حضرت عثمان نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم میں اس دین کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔"

<u>اسلام لانے کی وجہ سے حضرت عثمان پر چچا کے مظالم</u>...... آخر حکم نے جب ان کی پختگی اور سچائی پر ثابت قدمی دیکھی تو ان کو چھوڑ دیا۔ مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ اس نے ان کو دھوئیں میں کھڑا کر کے تکلیفیں پہنچائی تھیں تاکہ حضرت عثمان اس نئے دین کو چھوڑ دیں مگر وہ اپنی بات پر جمے رہے۔ مگر علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اسلام سے پھیرنے کے لئے جن کو دھوئیں کے ذریعہ تکلیفیں پہنچائی گئیں وہ حضرت زبیر ابن عوام تھے۔ یہاں تک ابن جوزی کا کلام ہے۔ (مگر ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ) ممکن ہے یہی صورت دونوں کے ساتھ پیش آئی ہو۔

<u>حضرت عثمان ﷺ کی فضیلت</u>...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"جنت میں ہر نبی کا ایک رفیق یعنی ساتھی ہوتا ہے اور میرے ساتھی وہاں حضرت عثمان ابن عفّان ہوں گے۔"

حضرت زبیر ابن عوام کا اسلام...... اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کی تبلیغ سے ہی حضرت زبیر ابن عوام بھی مسلمان ہوئے اور اسلام قبول کرنے کے وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ بھی حضرت ابو بکرؓ کی تبلیغ کے ذریعہ ہی مسلمان ہوئے۔ جاہلیت میں ان کا نام عبدعمر تھا ایک قول کے مطابق عبدالکعبہ اور ایک قول کے مطابق عبدالحرث تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ امیہ ابن خلف میرا دوست تھا ایک روز اس نے مجھ سے کہا۔

"تم نے اس نام کو چھوڑ دیا جو تمہارے ماں باپ نے رکھا تھا؟"

میں نے کہا "ہاں" تو اس نے کہا

"میں رحمٰن کو نہیں جانتا۔ اس لئے میں تمہارا نام عبدالالہ رکھتا ہوں۔"

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے اسلام لانے کا واقعہ...... اس کے بعد لوگ ان کو عبدالالہ کہہ کر ہی پکارنے لگے۔

(قال) حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں اکثر یمن جایا کرتا تھا۔ میں جب بھی وہاں جاتا تو عسکلان ابن عواکف حمیری کے مکان پر ٹھہرا کرتا تھا۔ میں جب وہاں پہنچتا تو وہ ہمیشہ مجھ سے یہ پوچھا کرتا تھا۔

"کیا تم لوگوں میں وہ شخص ظاہر ہو گیا جس کی شہرت اور چرچے ہیں۔ کیا تمہارے دین کے معاملے میں کسی نے مخالفت کا اعلان کیا ہے۔"

میں ہمیشہ جواب میں یہ کہہ دیا کرتا تھا کہ نہیں۔ یہاں تک کہ وہ سال آگیا جس میں آنحضرت ﷺ کا ظہور ہوا۔ میں اس سال یمن گیا تو اسی کے یہاں ٹھہرا (اور اس کے سوال کرنے پر انہوں نے اس کو بتلایا وغیرہ وغیرہ)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے عبدالرحمٰن ابن عوف کے متعلق آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔

"تم زمین والوں میں بھی امین یعنی امانت دار اور آسمان والوں میں بھی امانت دار ہو۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص کا اسلام...... حضرت سعد بن ابو وقاصؓ بھی ان صحابہ میں سے ہیں جو حضرت ابو بکرؓ کی تبلیغ سے ہی مسلمان ہوئے چنانچہ جب حضرت ابو بکرؓ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تھی انہوں نے کوئی ہچکچاہٹ ظاہر نہیں کی بلکہ فوراً آنحضرت کے پاس آئے اور آپ سے آپ کے پیغام کے متعلق پوچھا۔ آپ نے ان کو بتلایا تو یہ اسی وقت مسلمان ہو گئے اس وقت ان کی عمر انیس (۱۹) سال تھی۔ یہ بنی زہرہ کے خاندان سے تھے (جس خاندان سے آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ تھیں) اسی وجہ سے ایک بار جب حضرت سعد آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے (محبت کے ساتھ) فرمایا۔

"میرے ماموں۔ ہے کوئی جس کے ایسے ماموں ہوں!"

سعد کے مسلمان ہونے پر ماں کا قہر و غضب...... علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ حضرت سعد آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کے چچا تھے حضرت سعد کی والدہ کو ان کا مسلمان ہونا بہت ناگوار گزرا تھا ادھر حضرت سعدؓ اپنی ماں کے بہت فرمانبردار تھے۔ ان کی والدہ نے ان سے کہا۔

"کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ تمہیں اپنے بڑوں کی خاطر داری اور ماں باپ کے ساتھ اچھا معاملہ

کرنے کا حکم دیتا ہے ؟"

حضرت سعدؓ نے کہا "ہاں!" تو انہوں نے کہا

"بس تو خدا کی قسم میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی جب تک تم محمد کے لائے ہوئے پیغام کو کفر نہیں کہو گے۔(ی) اور اساف اور نائلہ کے بتوں کو جا کر نہیں چھوؤ گے۔"

اس وقت مشرکوں کا دستور یہ تھا کہ وہ ان بتوں کے کھلے ہوئے منہ میں کھانا اور شراب ڈال دیا کرتے تھے غرض اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

الآیۃ پ ۲۰ سورہ عنکبوت ع ۱

ترجمہ: اور ہم نے انسانوں کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔

حضرت سعدؓ کی پختگی اور ماں کی مایوسی...... ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت سعدؓ کی والدہ نے ایک دن اور ایک رات تک کچھ نہیں کھایا۔ صبح کو وہ کچھ کمزور سی ہو گئی تھی پھر دوسرے دن اور دوسری رات میں بھی اس نے کچھ نہیں کھایا۔ حضرت سعد کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے ماں سے کہا:

ماں! خدا کی قسم تم نہیں جانتیں۔ اگر تمہارے پاس ایک ہزار زندگیاں ہوتیں اور وہ سب اس وجہ سے ایک ایک کر کے ختم ہوتیں تب بھی میں اس نبی کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس لئے دل چاہے کھاؤ دل چاہے نہ کھاؤ آخر جب اس نے یہ کیفیت دیکھی تو کھانا کھالیا۔

علامہ بلاذری کی کتاب انساب میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ میری ماں کو خبر ملی کہ میں عصر کی نماز پڑھتا ہوں۔ یعنی وہ دو رکعتیں جو شام کے وقت پڑھی جاتی تھیں۔ غرض جب میں اپنے گھر آیا تو میں نے ماں کو دروازے پر کھڑے دیکھا وہ چیخ چیخ کر یہ کہہ رہی تھی۔

"کیا مجھے ایسے مددگار افراد نہیں مل سکتے جو میرے خاندان کے ہوں یا سعد کے خاندان کے ہوں اور سعد کے معاملے میں میری مدد کریں تاکہ میں اس کو گھر میں ڈال کر دروازہ بند کر دوں تاکہ یہ یا تو اسی حالت میں مر جائے اور یا اس نئے دین کو چھوڑ دے۔"

یہ سن کر میں ادھر ہی واپس ہو گیا جدھر سے آیا تھا اور یہ کہہ آیا۔

"میں نہ تمہارے پاس آؤں گا اور نہ تمہارے گھر کا رخ کروں گا۔"

اس کے بعد کچھ دن تک میں ان سے دور رہا آخر انہوں نے میرے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے گھر واپس آجاؤ اور دوسروں کے مہمان بن کر ہمیں شرم میں مبتلا نہ کرو۔ چنانچہ میں گھر واپس آگیا۔ اب میری ماں کبھی تو مجھے بہلاتی چمکارتی اور کبھی ڈانٹتی اور ڈراؤنے دیتی رہتی تھی۔ وہ میرے بھائی عامر کا ذکر کر کے مجھے شرم دلاتی اور کہتی۔

"وہ دیکھو کتنا نیک ہے نہ اس نے اپنا دین چھوڑا اور نہ اس نے کسی دوسرے کی غلامی اور پیروی کی۔"

سعد کے بھائی عامر کے اسلام پر ماں کے غیظ و غضب کی انتہا...... پھر جب عامر بھی مسلمان ہو گئے تو ہماری ماں ان پر اتنی چیخی چلائی اور اس نے ان کو اتنی تکلیفیں پہنچائیں کہ شاید آج تک کسی کو نہیں پہنچائی ہوں

گی۔ آخر عامر تنگ آکر حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ (عامر کے حبشہ جانے سے پہلے) ایک روز میں گھر آیا تو میں نے دیکھا کہ میری ماں اور میرے بھائی عامر کے چاروں طرف بہت سارے لوگ جمع ہیں۔ میں نے پوچھا۔
"لوگ کیوں جمع ہو رہے ہیں ؟"
لوگوں نے بتلایا۔
"یہ دیکھو تمہاری ماں نے تمہارے بھائی عامر کو پکڑ رکھا ہے اور اللہ سے عہد کر رہی ہے کہ جب تک عامر اپنی بددینی نہیں چھوڑے گا اس وقت تک یہ نہ تو کھجور کے سائے میں بیٹھے گی اور نہ کھانا کھائے گی اور نہ پانی پئے گی۔
میں نے ماں سے کہا۔
"خدا کی قسم ماں! تم اس وقت تک کھجور کے سائے میں نہ بیٹھو اور اس وقت تک نہ کچھ کھاؤ نہ پیو جب تک کہ تم جہنم کا ایندھن نہ بن جاؤ۔"
ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان ہی سعد ابن ابی وقاص کو حکم دیا کہ عرب کے مشہور طبیب حرث ابن کلدہ کے پاس جاؤ اور اس سے اپنا علاج کراؤ۔ اس زمانے میں حضرت سعدؓ بیمار تھے۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقعہ کا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے پاس ان کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بھی کسی مرض میں مبتلا تھے وہیں آپ نے حرث ابن کلدہ طبیب کو بھی موجود پایا۔ آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے فرمایا۔
"میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں صحت عطا فرمائے تاکہ کچھ لوگوں کو تم سے نقصان پہنچے اور کچھ کو فائدہ پہنچے۔"
اس کے بعد آپ نے حرث ابن کلدہ سے فرمایا۔
"سعد بن ابی وقاص بیمار ہیں ان کو جو کچھ مرض ہے اس کا بھی علاج کرو۔"
اس وقت حضرت سعد بھی مجلس میں موجود تھے۔ حرث نے کہا۔
"خدا کی قسم میری تمنا ہے کہ ان کو صحت حاصل ہو اور ان کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ (پھر سعد سے کہا) کیا تمہارے پاس خشک کھجور بھی ہے۔"
سعد نے کہا۔ "ہاں! حرث نے اس کھجور کو دودھ میں ملایا اور اس میں کچھ مکھن ملا کر سعد کو چٹایا۔ اس کے کھاتے ہی سعد کے چہرے پر ایسی تازگی اور رونق آگئی اور ایسا لگا جیسے رسی کا بند کھل گیا ہو۔
اس روایت سے علماء یہ دلیل پیدا کرتے ہیں کہ حرث ابن کلدہ مسلمان ہو گیا تھا کیونکہ حجۃ الوداع وہ حج ہے جس میں مشرکوں میں سے کسی نے حج نہیں کیا لہٰذا حرث کو بھی صحابہ میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ مگر بعض دوسرے علماء نے حرث ابن کلدہ کے مسلمان ہونے سے انکار کیا ہے اور پچھلی حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ علاج کے معاملے میں غیر مسلم سے مشورہ اور اس کا علاج کرنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ غیر مسلم حقیقت میں اس فن کا جاننے والا ہے۔
<u>طلحہ ابن عبداللہ تیمی کا اسلام</u>...... غرض ان کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ کی تبلیغ سے جو لوگ مسلمان ہوئے ان میں ایک حضرت طلحہ ابن عبداللہ تیمیؓ بھی ہیں۔ جب حضرت ابو بکرؓ کے سمجھانے پر یہ مسلمان ہونے پر

راضی ہوگئے تو صدیق اکبرؓ ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے اور آپ کے ہاتھ پر یہ مسلمان ہوئے۔

حضرت ابو بکر و طلحہ پر نوفل کا ظلم و غضب...... اس کے بعد جب حضرت ابو بکر اور حضرت طلحہ نے اپنے اسلام کا کھل کر اعلان کر دیا تو ان دونوں کو نوفل ابن عدویہ نے پکڑ لیا۔ اس شخص کو شیر قریش کہا جاتا تھا۔ اس شخص نے ان دونوں کو ایک ہی رسی میں باندھ دیا۔ اس حرکت پر ان کے قبیلے بنی تمیم نے بھی ان کو نہیں بچایا۔ چونکہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت طلحہؓ کو نوفل نے ایک رسی میں باندھا تھا اس لئے ان دونوں کو قرینیں یعنی ملے ہوئے کہا جانے لگا تھا۔

نوفل ابن عدویہ کی قوت اور اس کے ظلم کی وجہ سے آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

"اے اللہ! ابن عدویہ کے شر سے ہمیں محفوظ رکھیئے۔"

حضرت طلحہؓ کے اسلام لانے کا واقعہ...... اقول۔ مولف کہتے ہیں: حضرت طلحہ ابن عبداللہ کے اسلام کا سبب وہی ہے جو پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ انہوں نے کہا میں ایک دفعہ بصریٰ کے بازار میں گیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ وہاں ایک راہب اپنی خانقاہ میں سے لوگوں سے یہ کہہ رہا ہے!"

"اس دفعہ حج سے آنے والوں سے پوچھو کیا ان میں کوئی حرم کا باشندہ بھی ہے؟"

میں نے کہا میں حرم کا رہنے والا ہوں۔ تب اس راہب نے مجھ سے پوچھا۔

"کیا احمد کا ظہور ہو گیا ہے؟"

میں نے پوچھا۔ "احمد کون؟" تو راہب نے کہا

"احمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب یہ اس کا مہینہ ہے جس میں وہ ظاہر ہوگا۔ وہ آخری نبی ہے اس کے ظہور کی جگہ حرم ہے اور اس کی ہجرت کی جگہ وہ علاقہ ہے جہاں باغات اور سبزہ زار ہیں۔ اس لئے تم پر ضروری ہے کہ تم اس نبی کی طرف بڑھنے میں پہل کرنا۔"

حضرت طلحہ کہتے ہیں کہ اس راہب کی کہی ہوئی بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں تیزی کے ساتھ وہاں سے واپس روانہ ہوا اور مکے پہنچا۔ یہاں پہنچ کر میں نے لوگوں سے پوچھا۔

"کیا کوئی نیا واقعہ بھی پیش آیا ہے؟"

لوگوں نے کہا

"ہاں! محمد ابن عبداللہ امین نے لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینی شروع کی ہے اور ابن ابو قحافہ یعنی ابو بکر نے ان کی پیروی قبول کر لی ہے۔"

میں یہ سنتے ہی گھر سے نکلا اور ابن ابو قحافہ یعنی ابو بکرؓ کے پاس پہنچا میں نے ان کو راہب کی ساری بات بتلائی۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ اسی وقت آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ کو یہ پورا واقعہ بتلایا آنحضرت ﷺ یہ بات سن کر بے حد خوش ہوئے۔ اسی وقت حضرت طلحہ بھی مسلمان ہو گئے۔

یہ حضرت طلحہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں یعنی ان دس صحابہ میں سے ہیں جن کو جنت کی خوش خبری دی گئی ہے۔ ایک صحابی اور ہیں جن کا نام بھی طلحہ ہی ہے اور ان کے باپ کا نام اور ان کا نسب بھی یہی ہے جو ان حضرت طلحہ کا ہے وہ طلحہ ابن عبداللہ تیمی ہیں۔ یہ وہی ہیں جن کے بارے میں قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی

تھی۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ الآیۃ پ22 سورہ احزاب ع

ترجمہ: اور تم کو جائز نہیں کہ رسول کو کلفت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ ﷺ کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔

یہ آیت اس لئے نازل ہوئی تھی کہ ان طلحہ نے کہا تھا کہ اگر محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا تو میں حضرت عائشہ سے شادی کروں گا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ محمد ﷺ نے ہمارے چچاؤں کی لڑکیوں سے شادیاں کیں اور پھر ان کو ہم سے پردہ کرا دیا۔ اگر محمد کا انتقال ہو گیا تو میں حضرت عائشہ سے شادی کر لوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کے صحیح ہونے میں زبردست اشکال رہا کیونکہ حضرت طلحہؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ان کا مقام بے حد اونچا ہے ان سے یہ امید نہیں ہوتی تھی کہ وہ اس قسم کی بات کہیں گے۔ آخر مجھے معلوم ہوا کہ یہ بات کہنے والا طلحہ نامی ایک اور شخص تھا اور اس کا نام بھی طلحہ تھا اور اس کے باپ کا نام اور اس کا نسب بھی وہی تھا جو حضرت طلحہ کا ہے۔ یہاں تک حافظ سیوطی کا کلام ہے۔

غرض حضرت ابو بکرؓ کے ذریعہ سے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ان میں وہ پانچ صحابہ ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

حضرت عثمان ابن عفان حضرت طلحہ ابن عبید اللہ۔ ان کو طلحہ فیاض اور طلحہ جُود بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت زبیر حضرت سعد ابن ابی وقاص اور حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف۔ بعض علماء نے ایک چھٹے صحابی کا بھی اضافہ کیا ہے جو حضرت ابو عبیدہ ابن جراح ہیں۔

ان میں حضرت ابو بکر حضرت عثمان ابن عفان حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف اور حضرت طلحہ بزاز یعنی کپڑے کے تاجر تھے حضرت زبیر جانور ذبح کرتے تھے اور حضرت سعد بن ابی وقاص تیر بنانے کا کام کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

عبد اللہ ابن مسعود کا اسلام اور اس کا واقعہ...... اس کے بعد تیزی کے ساتھ مرد اور عورتیں اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں سابقین اولین یعنی ان بہت سے صحابہ کے نام شمار کرائے گئے ہیں جو اسلام کے ابتدائی زمانے میں مسلمان ہوئے ان ہی میں حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کا نام بھی ہے۔ ان کے مسلمان ہونے کا جو سبب ہے وہ خود ہی بیان کرتے ہیں کہ

"میں ایک روز عقبہ ابن معیط کے خاندان کی بکریاں چرا رہا تھا اسی وقت رسول اللہ ﷺ وہاں آگئے آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ بھی تھے آنحضرت ﷺ نے مجھ سے پوچھا۔

"کیا تمہارے پاس دودھ ہے۔"

میں نے عرض کیا۔

"جی ہاں۔ ہے تو مگر میں امین ہوں۔ (یعنی دودھ امانت ہے)"

آپ نے پوچھا۔

"کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس پر ابھی تک کوئی نر نہ اترا ہو۔ یعنی جو اب تک گابھن نہ ہوئی

ہو۔"

آنحضرت ﷺ کا ایک معجزہ...... میں نے کہاہاں اس کے بعد میں ایسی بکری آپ کے پاس لے کر آیا جس کے اب تک تھن نہیں لٹکے تھے۔ آپ نے اُس کے تھنوں کی جگہ ہاتھ پھیرا۔ اسی وقت اس بکری کے تھن دودھ سے بھر کر لٹک گئے۔ کتاب عیون الاثر میں یہ واقعہ اسی طرح ہے۔

لیکن کتاب نہایہ نے صحاح کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ اس بکری کے تھنوں کا دودھ خشک ہو چکا تھا لہٰذا اب عیون الاثر کے یہ لفظ جو ہیں کہ اس بکری کے اب تک تھن نہیں لٹکے تھے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے تھنوں میں بالکل دودھ نہیں تھا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر ہیثمی نے کتاب شرح اربعین میں جو یہ لفظ لکھے ہیں کہ پھر آپ نے اس بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس بکری کے تھن تھے یعنی وہ دودھ دے چکی تھی مگر اب (گابھن نہ ہونے یا عمر زیادہ آجانے کی وجہ سے) اس کے تھنوں کا دودھ خشک ہو چکا تھا۔ پھر حضرت ابن مسعودؓ کا یہ جملہ کہ آپ نے اس بکری کے تھنوں کی جگہ ہاتھ پھیرا (اس سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تھن تھے ہی نہیں کیونکہ وہ ابھی تک ایک بار بھی گابھن نہیں ہوئی تھی اس لئے کہ اگر تھن ہوتے تو یہ نہ کہا جاتا کہ تھنوں کی جگہ ہاتھ پھیرا بلکہ یہ کہا جاتا کہ تھنوں پر ہاتھ پھیرا) مگر اب یہاں اس جملے کا یہ مطلب ہوگا کہ آنحضرت ﷺ اس بکری کے دودھ کی جگہ ہاتھ پھیرا۔

غرض حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ نے کو ایک صاف پتھر کے پاس لے آیا جہاں آپ نے اس بکری کا دودھ دوہا پھر آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو بھی وہ دودھ پلایا اور مجھے بھی پلایا۔ اس کے بعد خود آپ نے پیا۔

اس کے بعد آپ نے بکری کے تھن سے فرمایا۔

"سمٹ جا۔!"

چنانچہ وہ تھن فوراً ہی پھر ویسے ہی ہو گئے جیسے پہلے تھے یعنی ان کا وجود ہی نہیں رہا۔ یہ بات کتاب عیون الاثر کی عبارت کے مطابق کہی گئی ہے اور اگر کتاب نہایہ کی عبارت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ فوراً ہی تھن پھر ویسے ہی ہو گئے کہ ان میں بالکل دودھ باقی نہیں رہا۔

اسی واقعہ کی طرف امام سبکی نے اپنے قصیدے میں ان شعروں کے ذریعہ اشارہ کیا ہے۔

وَرَبَّ عِنَاقٍ مَانَزَا لفحل فوقها
مسحت عَلَنْيها باليَمِيْن فدرّت

ترجمہ: کبھی ایسا واقعہ بھی پیش آیا ہے کہ ایک ایسی بکری جس پر ابھی تک نر نہیں اترا اس کے تھنوں پر آنحضرت ﷺ نے ہاتھ پھیرا اور اسی وقت اس کے تھنوں میں دودھ جاری ہو گیا۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ دیکھا تو میں نے آپ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! مجھے اس کی حقیقت بتلایئے!"

آپ نے یہ سن کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ تم میں برکت عطا فرمائے۔ تم تو جانکار لڑکے ہو۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس گزشتہ روایت پر ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن مسعودؓ سے دودھ کے متعلق پوچھا اور انہوں نے کہا کہ دودھ تو ہے مگر یہ میرے پاس امانت ہے تو آپ نے ایسی بکری منگائی جو دودھ نہ دیتی ہو تو (گویا آپ نے اس دودھ کو پینا جائز نہیں سمجھا کیونکہ وہ امانت تھا) حالانکہ آگے معراج اور ہجرت سے متعلق ایک حدیث میں بیان آئے گا کہ عرب کی یہ عادت چلی آرہی تھی کہ مسافر کے لئے اس قسم کا دودھ پینا ضرورت کے وقت جائز تھا چنانچہ ہر چرواہے کو بکریوں کے مالکوں کی طرف سے اس طرح کا اختیار ہوتا تھا (کہ وہ ضرورت مند مسافر کو کسی بھی بکری کا دودھ پلا سکتا ہے۔ لہذا آنحضرت ﷺ کا اس موقعہ پر دودھ نہ پینا سمجھ میں نہیں آتا) یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کو عرب کی یہ عادت معلوم نہ رہی ہو گی کیونکہ اگر یہ عرب کی عام اور مشہور عادت تھی تو آنحضرت ﷺ سے اس کا پوشیدہ رہنا سمجھ میں نہیں آتا۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس سے کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس قسم کی اجازت ابن سبیل یعنی مسافر کے لئے تھی اور ممکن ہے اس وقت آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ مسافر نہ ہوں کیونکہ ممکن ہے وہ جگہ جہاں حضرت ابن مسعودؓ یہ بکریاں چرا رہے تھے مکے سے قریب ہی ہو اور ایسی جگہ ہو کہ وہاں تک جانے والا آدمی مسافر نہ شمار کیا جاتا ہو۔

ایک روایت اور ہے جو آگے آئے گی کہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی تھی کہ آپ کے لئے کسی بھی شخص سے کھانا یا پانی لینا ضرورت کے وقت ہمیشہ جائز تھا چاہے اس کھانے یا پانی کے مالک کو ان چیزوں کی خود ہی ضرورت کیوں نہ ہو مگر مالک کے لئے یہ چیزیں آنحضرت ﷺ کو پیش کر دینا واجب تھا (یعنی اگر آپ ضرورت کے وقت اس سے مانگیں تو اس کے لئے واجب تھا کہ وہ یہ چیزیں پیش کر دے) مگر اس روایت میں اور گزشتہ حدیث میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہوتا (کیونکہ اس کی وجہ پچھلی سطروں میں بیان کی گئی کہ ممکن ہے اس وقت آنحضرت ﷺ مسافر نہ رہے ہوں)

<u>عبداللہ ابن مسعودؓ کے حالات اور ان کا مقام</u>...... یہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اپنے باپ کے بجائے ماں کی نسبت سے مشہور تھے ان کی ماں ام عبد تھیں یہ غیر معمولی طور پر چھوٹے قد کے تھے۔ ان کا قد مشکل سے ایک گز تھا اور نہایت دبلے پتلے تھے۔ ایک مرتبہ صحابہ ان پر ہنسنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"عبداللہ اپنے مرتبے کے لحاظ سے ترازو میں سب سے بھاری ہیں۔"

ان ہی کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے۔

"اپنی امت کے لئے میں بھی اسی چیز پر راضی ہو گیا جس پر ابن ام عبد یعنی عبداللہ ابن مسعودؓ راضی ہو گئے اور جس چیز کو امت کے لئے ابن ام عبد نے ناگوار سمجھا میں نے بھی اس کو ناگوار سمجھا۔"

آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد پیچھے بیان ہوا ہے کہ ترازو میں عبداللہ سب سے بھاری ہیں۔ اس سے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ تولا جانے والا خود انسان ہوگا اس کے عمل نہیں (اگرچہ وزن عمل کی کمی اور زیادتی کی وجہ سے ہی گھٹے یا بڑھے گا)

آنحضرت ﷺ حضرت ابن مسعودؓ کی بہت عزت و توقیر فرمایا کرتے تھے اور ان کو اپنے قریب بٹھایا کرتے تھے آپ ان سے کسی کو چھپایا نہیں کرتے تھے اس لئے یہ آپ کے گھر میں بہت آیا جایا کرتے تھے۔

حضرت ابن مسعودؓ از دار رسول ﷺ تھے...... یہ آنحضرت ﷺ کے آگے آگے اور ساتھ ساتھ چلا کرتے تھے۔ جب آپ غسل فرماتے تو یہی پردے کی چادر تان کر کھڑے ہوا کرتے تھے جب سوتے تھے تو یہی آپ کو جگایا کرتے تھے۔ اسی طرح جب آنحضرت ﷺ کہیں جانے کے لئے کھڑے ہوا کرتے تھے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود ہی آپ کو جوتے پہنایا کرتے تھے پھر جب آپ کہیں پہنچ کر بیٹھ جایا کرتے تھے تو یہ آپ کے جوتے اٹھا کر اپنے ہاتھوں میں لے لیا کرتے تھے۔

ان کی ان ہی باتوں کی وجہ سے صحابہ میں مشہور تھا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے راز دار ہیں۔ ان کو آنحضرت ﷺ نے جنت کی خوش خبری دی تھی۔

مجھے یہ بات صحیح طور پر معلوم نہیں کہ آیا یہ اسی بکری کے واقعہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے مگر علامہ ابن حجر ہیثمیؒ کتاب شرح اربعین میں لکھتے ہیں کہ یہ بہت پہلے مکے میں اس وقت مسلمان ہوگئے تھے جبکہ یہ بکریاں چرارہے تھے۔ چنانچہ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی واقعہ کے وقت مسلمان ہوگئے تھے۔

حضرت ابن مسعودؓ کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔

"دنیا تمام کی تمام غموں کی پونجی ہے اس میں اگر کوئی خوشی ہے تو وہ صرف نفع کے طور پر ہے۔ واللہ اعلم

حضرت ابوذر غفاری کا اسلام...... اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری بھی ان ہی صحابہ میں سے ہیں جو شروع میں ہی اسلام لے آئے تھے ان کا نام جندب ابن جنادہ تھا۔

ان کے اسلام کا واقعہ...... اپنے اسلام لانے کا واقعہ یہ خود ہی بیان کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ پر وحی آنے سے بھی تین سال پہلے سے میں اللہ تعالی کے لئے نماز پڑھا کرتا تھا اور جدھر اللہ تعالی میرا رخ کردیتا تھا ادھر ہی چل پڑا کرتا تھا۔ اسی زمانے میں ہمیں معلوم ہوا کہ مکے میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جس کا دعوی ہے کہ وہ نبی ہے یہ سنکر میں نے اپنے بھائی انیس سے کہا۔

اس شخص کے پاس جاؤ اور اس سے گفتگو کرکے مجھے اس کا حال بتلاؤ۔"

چنانچہ جب انیس آنحضرت ﷺ کے پاس سے واپس آیا تو میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا خبر لائے ہو؟"

اس نے کہا۔

"خدا کی قسم! میں ایسے شخص سے مل کر آرہا ہوں جو اچھائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ میں نے تمہیں اسی شخص کے دین پر پایا ہے۔ اس کا دعوی ہے کہ اس کو اللہ تعالی نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ نیک اور بلند اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔"

میں نے پوچھا

"لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

اس نے کہا

"اس کے بارے میں شاعر یہ کہتے ہیں کہ وہ کاہن اور جادوگر ہے۔ مگر خدا کی قسم وہ شخص سچا ہے اور یہ شاعر جھوٹے ہیں۔"

میں نے یہ سنکر کہا
"بس کرو۔ میں خود جا کر اس شخص سے ملتا ہوں۔"
انیس نے کہا
"ٹھیک ہے مگر مکے والوں سے بچ کر رہنا۔"

تلاش حق کے لئے ابوذرؓ مکے میں ...... چنانچہ میں نے اپنے موزے چڑھائے لاٹھی ہاتھ میں لی اور روانہ ہو گیا جب میں مکے پہنچا تو میں نے لوگوں کے سامنے ایسا ظاہر کیا جیسے میں اس شخص کو جانتا ہی نہیں اور اس کے بارے میں کچھ پوچھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ میں ایک مہینے تک مسجد حرام میں ٹھہرا رہا میرے پاس سوائے زمزم کے کھانے پینے کو کچھ نہیں تھا مگر اس کے باوجود زمزم کی برکت سے میں موٹا ہو گیا اور میرے پیٹ کی سلوٹیں ختم ہو گئیں۔ مجھے بھوک کا بالکل احساس نہیں ہوتا تھا۔ یہاں روایت میں سمنہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے پیٹ کی وہ گرمی جو آدمی کو بھوک کے وقت محسوس ہوتی ہے۔

غرض ایک رات حرم میں کوئی طواف کرنے والا نہیں تھا اس وقت رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ایک ساتھی وہاں آئے اور بیت اللہ کا طواف کرنے لگے۔ اس کے بعد آپ نے اور آپ کے ساتھی نے نماز پڑھی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو میں آپ کے پاس آیا اور میں نے کہا۔

"السلام علیک یارسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

میں نے محسوس کیا کہ آنحضرت ﷺ کے چہرے پر خوشی کے آثار پیدا ہوئے۔ پھر آپ نے مجھ سے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

میں نے عرض کیا کہ میں غفاری قبیلے کا ہوں۔ آپ نے پوچھا کب سے یہاں آئے ہوئے ہو میں نے عرض کیا۔

"میں تیس دن اور تیس رات سے یہیں ہوں۔"
آپ نے پوچھا
"تمہیں کھانا کون کھلاتا ہے؟"
میں نے عرض کیا۔

"میرے پاس سوائے زمزم کے کوئی کھانا نہیں ہے۔ اس سے میں موٹا ہو گیا ہوں یہاں تک کہ میرے پیٹ کی سلوٹیں ختم ہو گئیں اور مجھے بھوک کا بالکل احساس نہیں ہوتا۔"
آپ نے فرمایا۔
"مبارک ہے۔ یہ زمزم بہترین کھانا ہے اور ہر بیماری کی دوا ہے۔"

حدیث میں آتا ہے کہ جب زمزم کا پانی پیا جاتا ہے تو اگر تم اس نیت سے پیو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے ذریعہ بیماریوں سے شفا عطا فرمائے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماتا ہے اگر اس نیت سے پیا جائے کہ اس کے ذریعہ پیٹ بھر جائے اور بھوک نہ رہے تو آدمی شکم سیر ہو جاتا ہے اور اگر اس نیت سے پیا جائے کہ پیاس کا اثر باقی نہ رہے تو

پیاس ختم ہو جاتی ہے۔ یہ زمزم جبرئیل علیہ السلام کی ایڑی کی داب ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو سیرابی عطا فرمائی تھی۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جی بھر کر زمزم کا پانی پینا اپنے آپ سے نفاق کو دور کرنا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ہم میں اور منافقوں میں یہ فرق ہے کہ وہ لوگ زمزم سے سیرابی حاصل نہیں کرتے۔

ابوذرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلامی سلام کیا...... غرض کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو السلام علیک کہا جو اسلامی سلام ہے۔ اس طرح یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو اسلامی سلام کے ذریعہ سلام کیا۔

ابوذر ایک نڈر اور حق گو درویش...... انہوں نے اس بات پر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں گھبرائیں گے اور یہ کہ ہمیشہ حق اور سچی بات کہیں گے چاہے وہ حق سننے والے کے لئے کتنا ہی کڑوا کیوں نہ ہو۔

اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ

"ابوذر غفاری سے زیادہ سچ بات کہہ دینے والا آدمی آسمان وزمین نے کبھی نہیں دیکھا۔"

اسی طرح حضرت ابوذرؓ کے بارے میں آپ کا ایک ارشاد ہے۔

"دنیا میں ابوذر غفاریؓ عیسی ابن مریم کی جیسی زاہدانہ زندگی گزارتے ہیں۔"

ایک اور حدیث میں آتا ہے۔

"ابوذرؓ میری امت میں سب سے زیادہ زاہد و پاک باز اور سچے آدمی ہیں۔"

یہ حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد ملک شام کے علاقے میں ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور پھر حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے زمانے تک وہیں رہے پھر چونکہ حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت امیر معاویہؓ سے ناخوش تھے اس لئے ان کو شام کے علاقے سے بلا لیا گیا اور یہ ربذہ کے مقام پر آکر رہنے لگے وہیں ان کی وفات ہوئی۔ حضرت ابوذرؓ حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف بہت بولتے تھے اور ان کے متعلق سخت باتیں کہتے تھے۔

ان کے اسلام کے متعلق مختلف روایات...... (حضرت ابوذر غفاریؓ کے مسلمان ہونے کے سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ حضرت علیؓ کے پتہ بتلانے پر آنحضرت ﷺ سے مل سکے تھے (مکے میں جب حضرت علیؓ سے ان کی ملاقات ہوئی تو) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا۔

"آپ اس شہر میں کس سلسلے میں آئے ہیں۔"

حضرت ابوذرؓ نے کہا۔

"اگر تم راز رکھنے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں بتلاؤں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا۔ اگر آپ مجھے یہ وعدہ اور عہد دیں کہ آپ میری رہنمائی کریں گے تو میں آپ کو اپنے یہاں آنے کی وجہ بتلاؤں!"

حضرت علیؓ نے ان سے وعدہ کیا۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے ان کو اپنے آنے کا مقصد بتلایا

جس پر انہوں نے میری رہنمائی کی اور مجھے آنحضرت ﷺ سے ملوادیا جس کے بعد میں مسلمان ہو گیا۔

مگر کتاب امتاع میں اس طرح ہے کہ حضرت علیؓ نے تین دن تک حضرت ابوذرؓ کی میزبانی کی مگر نہ انہوں نے ابوذرؓ سے کچھ پوچھا اور نہ ہی ابوذرؓ نے حضرت علیؓ کو اپنے آنے کی وجہ بتلائی۔ آخر تیسرے دن حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا۔

"آپ کا کام کیا ہے اور آپ اس شہر میں کس لئے آئے ہیں؟"

حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ اگر آپ اس بات کو راز میں رکھیں تو میں بتلاؤں حضرت علیؓ نے وعدہ کیا تو انہوں نے کہا۔

"ہمیں یہ معلوم ہوا تھا کہ یہاں کوئی شخص ظاہر ہوا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی ہے اس پر میں نے اپنے بھائی کو یہاں بھیجا تاکہ وہ اس شخص سے بات چیت کر کے اس کے بارے میں معلومات کر کے آئے مگر اس کے جواب سے میری تسلی نہ ہوئی اس لئے اب میں نے ارادہ کیا کہ میں خود آکر اس شخص سے ملوں۔"

حضرت علیؓ نے کہا

"تب میں آپ کی رہنمائی کروں گا۔ میں اس راستے سے چلتا ہوں آپ میرے پیچھے پیچھے آئیے اور جہاں سے میں مکان میں داخل ہوں وہیں سے آپ بھی داخل ہوں۔ اگر میں نے راستے میں کسی ایسے آدمی کو دیکھا جس کی طرف سے مجھے آپ کے بارے میں خطرہ ہوا تو میں دیوار کے پاس اس طرح رک کر کھڑا ہو جاؤں گا جیسے میں اپنا جوتا ٹھیک کر رہا ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ گویا میں تھوکنے کے لئے رکا ہوں۔ اس وقت تم آگے بڑھ جانا۔"

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ پھر حضرت علیؓ روانہ ہوئے اور میں بھی پیچھے پیچھے چل پڑا۔ یہاں تک کہ وہ اور میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ اب میں نے آپ سے عرض کیا۔

"مجھے اسلام پیش کیجئے۔"

آپ نے میرے سامنے اسلام پیش کیا اور میں اسی جگہ مسلمان ہو گیا۔ حدیث

اس سے پہلے یہ گزرا ہے کہ ابوذرؓ نے آنحضرت ﷺ کو حرم میں دیکھا تھا۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں سے کھانا کھارہے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ میرا کھانا صرف زمزم کا پانی ہے۔ اس روایت کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت علیؓ نے ابوذرؓ کی میزبانی کی ہو لیکن ابوذرؓ نے ان کے یہاں کچھ نہ کھایا ہو۔ اسی طرح یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تھا کہ

"یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ آج رات ابوذرؓ کو میں کھانا کھلاؤں۔"

ابوذرؓ کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ روانہ ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ ساتھ چلا آخر ایک جگہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک دروازہ کھولا اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ہمیں طائف کے انگور پیش کئے۔ اس طرح یہ پہلا کھانا تھا جو میں نے (مکے میں آنے کے بعد) کھایا۔

(اب گزشتہ روایت میں اور اس میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے یہاں تین دن تک کھانا کھایا یا پہلی بار یہ انگور ہی کھائے تھے) اس کے بارے میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے یہاں

کھانے سے مراد خاص طور پر انگور ہی ہوں۔

اسی طرح ان دو روایتوں میں بھی اختلاف ہے کہ آیا ابوذرؓ حضرت علیؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس آپ کے مکان میں گئے تھے جہاں مسلمان ہوئے یا حرم میں طواف کے وقت وہ آپ سے ملے تھے اور وہاں مسلمان ہوئے۔ ان دونوں روایتوں میں اس طرح موافقت پیدا کی جاسکتی ہے کہ پہلے ابوذرؓ حضرت علیؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس گئے ہوں اور پھر رات میں حرم میں آپ سے ملے ہوں۔ اس صورت میں حرم میں ان کے کلمہ پڑھنے اور اسلام لانے کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے یہاں دوبارہ کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے اسلام کو مضبوط کیا۔ ادھر جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ایک مہینہ تک ابوذر حرم میں رہے اور آنحضرت ﷺ سے نہ مل سکے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حرم خالی نہیں ہوتا تھا (اور لوگوں کے سامنے وہ آنحضرت ﷺ سے ملنا نہیں چاہتے تھے) اس لئے ایک مہینے تک ملاقات نہ ہو سکی۔ جیسا کہ اسی بات کی طرف خود حضرت ابوذرؓ کے اس جملے سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ۔ پھر ایک رات جبکہ کوئی شخص طواف نہیں کر رہا تھا (انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا) کیونکہ ظاہر ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ آنحضرت ﷺ ایک مہینے تک حرم میں تشریف نہ لے گئے ہوں۔

مگر دونوں روایتوں میں یہاں جو موافقت پیدا کی گئی ہے وہ آنحضرت ﷺ کے اس جملے سے باقی نہیں رہتی (کہ جب رات کو حرم میں آپ نے ابوذرؓ کو دیکھا تو آپ نے ان سے پوچھا تھا) کہ تم کون ہو (کیونکہ اگر اس سے پہلے ابوذرؓ حضرت علیؓ کے ساتھ آپ کے پاس جاچکے تھے تو آنحضرت ﷺ آپ سے یہ نہ پوچھتے کہ تم کون ہو)

غرض حضرت ابوذرؓ کے مسلمان ہو جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"اے ابوذر! اس معاملے کو ابھی چھپائے رکھنا۔ اب تم اپنی قوم میں واپس جاؤ اور ان کو بتلاؤ تاکہ وہ لوگ میرے پاس آسکیں۔ پھر جب تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے خود ہی اپنے معاملے کا اعلان کر دیا ہے تو اس وقت تم ہمارے پاس آجانا۔"

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو سچائی دے کر بھیجا کہ میں ان لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر پکار پکار کر اعلان کروں گا۔"

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ اسلام لانے والوں میں پانچواں آدمی میں تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق چوتھا آدمی تھا۔ یہاں شاید مراد یہ ہے کہ دیہاتی لوگوں میں سے جو مسلمان ہوئے ان میں پانچواں آدمی تھا۔ لہذا اب آگے والی وہ روایت صحیح رہتی ہے۔ جس میں یہی بات حضرت خالد ابن سعید کے بارے میں کہی گئی ہے۔

<u>ابوذرؓ کا بیباکانہ اعلان اسلام اور قریش کا بے رحمانہ سلوک</u>...... غرض جب قریش کے لوگ مسجد حرام میں جمع ہوئے تو میں نے پوری آواز سے چلا کر کہا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

اس پر قریشیوں نے کہا

"اس بددین کو پکڑ لو۔

!پھر مجھے پکڑ کر بے انتہا مارا گیا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ پھر وادی کے لوگ مجھ پر چڑھ دوڑے اور پوری قوت کے ساتھ مجھے مارنے لگے یہاں تک کہ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس وقت ایک دم حضرت عباس نے جھک کر مجھے اپنے نیچے چھپا لیا۔ پھر انہوں نے قریشیوں سے کہا۔

عباسؓ کی مداخلت پر ابوذرؓ کی گلو خلاصی ...... تمہارا برا ہو۔ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ شخص بنی غفار میں سے ہے جن کا علاقہ تمہاری تجارت کا راستہ ہے!"

(یعنی اس کے بدلے میں بنی غفار تمہارا تجارتی راستہ بند کر دیں گے) یہ سن کر ان لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا۔

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں زمزم کے کنویں کے پاس آیا اور میں نے اپنے بدن سے خون دھویا۔ اگلا دن ہوا تو میں نے پھر ایسا ہی کیا کہ حرم میں جا کر اسی طرح کلمہ شہادت پڑھا) اس پر پھر قریش نے غصے میں آ کر میرے ساتھ وہی سلوک کیا اور پھر عباس نے ہی مجھے اسی طرح بچایا اور قریش سے وہی بات کہی۔

ان کے گھر والوں اور قبیلے والوں کا اسلام ...... اس کے بعد میں وہاں سے واپس ہوا اور انیس کے پاس آیا۔ اس نے مجھے دیکھ کر پوچھا؟

"تم کیا کر کے آئے ہو؟"

میں نے کہا

:"میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میں نے محمد کی تصدیق کر دی ہے۔"

اس پر انیس نے کہا

"مجھے بھی پچھلے دین سے کوئی دلچسپی نہیں ہے میں اسلام قبول کر چکا ہوں۔"

اس کے بعد ہم دونوں اپنی ماں کے پاس آئے (اور اس سے بھی یہی کہا) تو اس نے کہا

"مجھے پچھلے دین سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں اسلام قبول کر چکی ہوں اور رسول اللہ کی تصدیق کر چکی ہوں۔"

اس کے بعد ہم اپنی قوم غفار کے لوگوں کے پاس گئے ان میں سے آدھے آدمی تو اسی وقت مسلمان ہو گئے اور باقی آدھے لوگوں نے یہ کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینے تشریف لائیں گے تو ہم اس وقت مسلمان ہوں گے چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ مدینے تشریف لے آئے تو قوم غفار کے باقی آدھے آدمی بھی مسلمان ہو گئے۔

(ی) قوم غفار کے آنحضرت ﷺ کی مدینے میں آمد کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔

"میں نخلستانوں یعنی باغات کی سرزمین میں جاؤں گا جو یثرب کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اب کیا تم اپنی قوم کو یہ خبر پہنچا دو گے ممکن ہے اس طرح تمہارے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور تمہیں ان کی وجہ سے اجر ملے۔"

آنحضرت ﷺ کے پاس مشہور قبیلہ اسلم کے لوگ آئے اور انہوں نے آپ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ہم بھی اسی چیز پر مسلمان ہوتے ہیں جس پر ہمارے بھائی یعنی قبیلہ غفار کے لوگ مسلمان ہوئے ہیں۔"

آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا

:"غفار۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مغفرت فرمائے وہ اسلام لائے اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے۔"

حضرت ابوذرؓ کی ایک نصیحت...... کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ جبکہ حضرت ابوذر غفاری حج کے لئے مکے آئے تھے یا عمرہ کے لئے تو وہ طواف کے دوران کعبے کے پاس ٹھہر گئے اسی وقت لوگ ان کے چاروں طرف جمع ہو گئے اس وقت انہوں نے لوگوں سے کہا۔

"جب تم میں سے کوئی سفر میں جانے کا ارادہ کرتا ہے تو کیا وہ زادراہ یعنی راستے کے توشہ کا انتظام نہیں کرتا۔"

لوگوں نے کہا بیشک کرتا ہے تب ابوذرؓ نے کہا

"یادرکھو قیامت کا سفر اس سفر سے کہیں زیادہ لمبا ہے جس کا تم یہاں ارادہ کیا کرتے ہو۔ اس لئے اپنے ساتھ وہ سامان لے لو جو تمہیں فائدہ پہنچائے۔"

لوگوں نے پوچھا۔

"ہمیں کیا چیز فائدہ پہنچائے گی۔"

حضرت ابوذرؓ نے کہا

بلند مقاصد کے لئے حج کرو، حشر کے دن کا خیال کر کے ایسے دنوں میں روزہ رکھو جو سخت گرمی کے ہوں اور قبر کی وحشت اور اندھیرے کا خیال کرتے ہوئے اندھیری راتوں میں کھڑے ہو کر نمازیں پڑھو۔"

خالد ابن سعید کا اسلام...... اسی طرح اس وقت مسلمان ہونے والوں میں حضرت خالد ابن سعید ابن عاص ہیں کہا جاتا ہے کہ مسلمان ہونے والوں میں یہ چوتھے آدمی تھے اور ایک قول کے مطابق تیسرے آدمی تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ پانچویں آدمی تھے۔ یہ اپنے بھائیوں میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والے شخص ہیں۔ ان کی بیٹی ام خالد کے اس قول سے شاید یہی مراد ہے کہ سب سے پہلے مسلمان ہونے والے آدمی میرے باپ ہیں کیونکہ یہاں مراد شاید یہ ہو گی کہ اپنے بھائیوں میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والے شخص میرے باپ ہیں۔

ان کے اسلام کا واقعہ...... ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہوا کہ انہوں نے خواب میں جہنم کو دیکھا جس کی آگ خوفناک انداز میں بھڑک رہی ہے انہوں نے جہنم کو نہایت بھیانک صورت میں دیکھا اور یہ کہ وہ خود اس کے کنارے پر کھڑے ہوئے ہیں ان کا باپ ان کو جہنم میں دھکیلنا چاہتا ہے مگر رسول اللہ ﷺ ان کا دامن پکڑ کر انہیں دوزخ میں گرنے سے روک رہے ہیں۔ اسی وقت گھبراہٹ میں ان کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے فوراً کہا۔

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ سچا خواب ہے۔"

ساتھ ہی ان کو یقین ہو گیا کہ جہنم سے ان کو رسول اللہ ہی نجات دلا سکتے ہیں یہ فوراً ہی حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور ان سے اپنا خواب بیان کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔

"اس خواب میں تمہاری بھلائی اور خیر پوشیدہ ہے یہ رسول اللہ ﷺ موجود ہیں ان کی پیروی کرو۔"

چنانچہ حضرت خالد فوراً ہی آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھا۔

"اے محمد! آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟"

آپ نے فرمایا۔

میں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک اور ہمسر نہیں ہے اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے ور رسول ہیں نیز یہ کہ تم پتھروں کی جو عبادت کرتے ہو اسے چھوڑ دو اس لئے کہ وہ پتھر نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی حضرت خالد مسلمان ہو گئے۔

حضرت خالد کا خواب اور ہدایت...... کتاب وفا میں حضرت خالد کا یہ واقعہ لکھا ہے جو کہ ان کی بیٹی ام خالد بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور سے کچھ ہی دن پہلے ایک رات حضرت خالد سو رہے تھے وہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے ایک خواب دیکھا کہ سارے مکے میں گھٹاٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے یہاں تک کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ اسی دوران میں اچانک زمزم کے کنویں کے پاس سے ایک نور ظاہر ہوا جو آسمان کی طرف بلند ہونا شروع ہوا۔ اس نور سے بیت اللہ جگمگا اٹھا۔ اس کے بعد یہ نور سارے مکے میں پھیل گیا۔ پھر اس نور کا رخ یثرب یعنی مدینے کی طرف ہو گیا اور پورا مدینہ اس نور سے چکا چوند ہو گیا یہاں تک کہ باغوں میں درختوں پر لگی ہوئی تازہ کھجوریں تک مجھے نظر آنے لگیں۔

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے یہ خواب اپنے بھائی عمرو ابن سعید کو سنایا۔ یہ بڑے ذی رائے آدمی تھے۔ انہوں نے کہا۔

"بھائی۔ یہ معاملہ یقیناً عبدالمطلب کے خاندان میں ہونے والا ہے تم دیکھتے نہیں کہ انہوں نے اپنے باپ اسماعیل علیہ السلام کے زمانے کا کنواں یعنی زمزم تلاش کر لیا ہے (اور اس خواب میں وہ نور زمزم کے پاس سے ہی ابھرا ہے۔"

غرض اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ کا ظہور ہو گیا تو خالد ابن سعید نے یہ خواب رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا آپ نے فرمایا "اے خالد! خدا کی قسم وہ نور میں ہی ہوں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔"

اس کے بعد آپ نے خالد کو اپنا پیغام پہنچایا جسے دے کر خدا نے آپ کو بھیجا تھا پھر حضرت خالد مسلمان ہو گئے اس کے بعد حضرت خالد کے باپ کو اس بات کا پتہ چلا اس کا نام سعید ابن عاص ابو احیحہ تھا۔ یہ قریش کے نہایت معزز لوگوں میں سے تھا۔ کھانے پر اگر یہ دیر کرتا تو تمام لوگ اس کے احترام میں رکے رہتے تھے چنانچہ ایک شاعر نے اسی کے بارے میں کہا ہے۔

اَبَاَ اُحِيْحَتَهَ مَنْ يَعْتِمُ عَمَّةَ
يَضْرِبْ وَاِنْ كَانَ ذَامَالٍ وَاِذَاعَدَدِ

باپ کا غضب اور خالد کی ثابت قدمی...... اپنے بیٹے خالد کے مسلمان ہونے کی خبر سن کر اس نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا۔ پھر اس نے ان کو بہت برا بھلا کہا اور اس کے بعد ہنٹر سے ان کو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ ہنٹر ان کے سر پر ٹوٹ گیا پھر اس نے ان سے کہا۔

"تو نے محمد کی پیروی کی ہے۔ حالانکہ جانتا ہے کہ وہ پوری قوم کے خلاف جا رہا ہے۔ اور وہ اپنی قوم کے معبودوں اور اپنے باپ دادا کو برا بھلا کہتا ہے۔

حضرت خالد نے کہا

"خدا کی قسم وہ جو پیغام لے کر آئے ہیں میں نے اس کو قبول کر لیا ہے۔"

اس پر وہ اور زیادہ غضب ناک ہو گیا اور کہنے لگا۔

"اے کمینے۔ جہاں تیرا دل چاہے نکل جا۔"

پھر کہنے لگا۔

خدا کی قسم میں تیرا کھانا پینا بند کرا دوں گا۔

حضرت خالد نے کہا

"اگر آپ نے میرا کھانا بند کر دیا تو اللہ تعالیٰ مجھے روٹی دینے والا ہے تاکہ میں زندگی پوری کر سکوں۔"

اس کے بعد سعید ابن عاص نے حضرت خالد کو گھر سے نکال دیا اور اپنے بیٹوں سے کہا جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

"اگر تم میں سے کسی نے بھی اس سے بات چیت کی تو میں اس کا بھی یہی حشر کروں گا۔"

حضرت خالد یہاں سے نکل کر آنحضرت ﷺ کے پاس آگئے اس کے بعد وہ ہر وقت آنحضرت ﷺ کے پاس اور آپ کے ساتھ ہی رہنے لگے۔ وہ مکے کے قرب و جوار میں رہتے اور اپنے باپ سے بالکل بیگانہ اور بے تعلق ہو گئے۔ یہاں تک کہ (مکے والوں کے مظالم سے تنگ آکر) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے جب دوسری بار حبشہ کو ہجرت کی تو حضرت خالد پہلے آدمی تھے جنہوں نے ہجرت کی۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت خالد کا باپ، سعید ابن عاص ایک مرتبہ بیمار ہو گیا۔ اس وقت اس نے عہد کیا۔

"اگر خدا نے مجھے اس بیماری سے صحت دیدی تو مکے میں کبھی محمد کے خدا کی عبادت نہیں ہونے دوں گا۔"

حضرت خالد نے یہ سن کر کہا

"اے اللہ۔ اسے اس مرض سے کبھی صحت نہ دینا۔"

چنانچہ اس کے بعد سعید اسی مرض میں مر گیا۔

یہ خالد پہلے آدمی ہیں جنہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی۔

خالد کے بھائیوں کا اسلام...... اس کے بعد ان کے بھائی عمرو ابن سعید ابن عاص بھی مسلمان ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے مسلمان ہونے کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے خواب میں ایک نور دیکھا جو زمزم کے پاس سے نکلا اور اس سے مدینے کے باغات تک اتنے روشن ہو گئے کہ ان میں تازہ کھجوریں نظر آنے لگیں۔ عمرو نے یہ خواب لوگوں سے بیان کیا تو ان سے کہا گیا کہ زمزم عبدالمطلب کے خاندان کا کنواں ہے اور یہ نور بھی ان ہی میں سے ظاہر ہوگا۔ اس طرح یہ خواب ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب بنا۔

ادھر ابھی پچھلی سطروں میں گزرا ہے کہ یہ خواب حضرت خالد نے دیکھا تھا اور یہ ان کے اسلام لانے کا سبب بنا تھا اور خالد نے یہ خواب اپنے ان ہی بھائی عمرو سے بیان کیا تھا۔ لہٰذا اب یہی کہا جا سکتا ہے کہ شاید اس سلسلے میں راوی کو مغالطہ ہوا ہے۔ یا پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہی خواب خالد اور عمرو دونوں نے دیکھا ہو تو بھی کوئی ناممکن بات نہیں ہے اور اس طرح ایک ہی خواب دونوں کے مسلمان ہونے کا سبب بن گیا۔

اس کے علاوہ سعید کی اولاد میں ابان اور حکم بھی مسلمان ہوئے حکم کا نام آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا تھا۔

عمار ابن یاسر اور صہیب کا اسلام اور اس کا واقعہ ...... اسی طرح ابتدائی زمانے میں ہی اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت صہیب بھی تھے ان کا باپ کسرائے فارس کا گورنر تھا۔ اچانک ایک دفعہ قیصر روم کی فوجوں نے اس کے علاقہ پر حملہ کر دیا۔ اسی لڑائی میں صہیب گرفتار ہو کر غلام بنا لئے گئے۔

اس وقت ان کی عمر بہت کم تھی چنانچہ یہ روم میں ہی پلے بڑھے یہاں تک کہ وہیں جوان ہوئے اس کے بعد عرب کی ایک جماعت نے وہیں ان کو خرید لیا اور ان کو فروخت کرنے کے لئے مکے کے قریب عکاظ کے میلے میں لائے وہاں ان کو مکے کے ایک شخص نے خرید لیا۔ (ی) یہ شخص عبداللہ ابن جدعان تھا۔

اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہو گیا تو ایک روز صہیب رسول اللہ ﷺ کے گھر کے پاس سے گزرے وہاں انہوں نے حضرت عمار ابن یاسر کو دیکھا حضرت عمار نے ان سے پوچھا۔

"صہیب کہاں جا رہے ہو؟"

صہیب نے کہا

"میں محمد کے پاس جا رہا ہوں تاکہ ان کی بات میں بھی سن سکوں اور یہ دیکھوں کہ وہ کس بات کی طرف بلاتے ہیں۔"

عمار نے کہا کہ میں بھی اسی ارادہ سے نکلا ہوں اس کے بعد یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے آپ ﷺ نے ان دونوں کو بٹھایا۔ جب یہ بیٹھ گئے تو آپ نے ان کو اسلام پیش کیا اور قرآن پاک کی جو آیتیں آپ اس وقت تک یاد کر چکے تھے وہ پڑھ کر سنائیں ان دونوں نے اسی وقت شہادت دے کر اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد اس دن شام تک یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے پاس ہی رہے شام کو دونوں چپکے سے وہاں سے نکلے حضرت عمار سیدھے اپنے گھر پہنچے تو ان کے ماں باپ نے ان سے پوچھا کہ دن بھر سے کہاں تھے انہوں نے فوراً ہی ان کو بتلا دیا کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں ساتھ ہی انہوں نے ان دونوں کے سامنے بھی اسلام پیش کیا اور قرآن پاک کا وہ حصہ جو اس دن انہوں نے یاد کر لیا تھا۔ پڑھ کر ان کو سنایا ان دونوں کو یہ کلام بے حد پسند آیا اور دونوں فوراً ہی بیٹے کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے چنانچہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمار کو طیب المطیب یعنی پاک باز اور پاک کرنے والے کہا کرتے تھے۔

حضرت حصین کا اسلام اور اس کا واقعہ ...... اسی طرح حضرت عمران کے باپ حضرت حصین بھی مسلمان ہو گئے ان کے بیٹے عمران باپ سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت حصین کے اسلام لانے کا سبب یہ ہوا کہ ایک دفعہ قریش کے لوگ ان کے پاس آئے۔ قریش کے لوگ تو آنحضرت ﷺ کے مکان کے دروازے کے پاس باہر ہی ٹھہر گئے اور حصین اندر داخل ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا جن میں حصین کے بیٹے عمران بھی تھے۔

"ان بزرگ کے لئے جگہ چھوڑ دو۔"

حصین نے آپ سے کہا

"یہ تمہارے متعلق ہمیں کیسی باتیں معلوم ہو رہی ہیں کہ تم ہمارے معبودوں کا ذکر کر کے ان کو برا بھلا کہتے ہو۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اے حصین! آپ کتنے معبودوں کو پوجتے ہیں۔"

حصین نے کہا

"سات معبودوں کو جو زمین پر ہیں اور ایک کو جو آسمان پر ہے۔"

آپ نے پوچھا۔

"اور اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچے تو پھر آپ کس سے دعا مانگتے ہیں؟"

حصین نے کہا اس سے جو آسمان میں ہے۔ تب آپ نے فرمایا۔

"وہ تو تنہا تمہاری دعائیں سن کر پوری کرتا ہے اور تم اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرتے ہو۔ اے حصین! کیا تم اپنے اس شرک پر خوش ہو! اسلام قبول کرو اللہ تعالی تمہیں سلامتی دے گا۔"

باپ بیٹے کے معاملے پر آنحضرت ﷺ کی اشک باری...... حصین یہ سنتے یہ فوراً مسلمان ہو گئے۔ اسی وقت ان کے بیٹے حضرت عمرانؓ اٹھ کر باپ کی طرف بڑھے اور ان کے سر کو ہاتھوں کو اور پیروں کو بوسہ دیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپ نے فرمایا۔

"میں عمران کے عمل پر رویا ہوں جب حصین اس گھر میں داخل ہوئے تھے تو اس وقت وہ کافر تھے اس لئے عمران نہ باپ کے لئے کھڑے ہوئے اور نہ ان کی طرف انہوں نے کوئی توجہ دی۔ اور جب وہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے اپنا حق اور فرض ادا کیا۔ اسی بات پر میری آنکھ میں آنسو آگئے۔"

پھر جب حصین نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ ان کو ان کے مکان تک پہنچانے جائیں۔ جب حضرت حصین دروازے سے باہر نکلے تو قریش کے لوگ جو وہاں ان کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے۔

"لو یہ بھی بد دین ہو گیا۔"

اس کے بعد وہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

باب بست چہارم (۲۴)

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کا حضرت ارقم ابن ارقم کے مکان میں پوشیدہ ہونا

اس باب میں ذکر ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے کھلے بندوں اسلام کی تبلیغ کس طرح شروع فرمائی۔ نیز یہ کہ قریش نے آنحضرت ﷺ پر ہاتھ ڈالنے کے لئے ابو طالب سے گفتگو کی کہ وہ ان کے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان سے ہٹ جائیں تاکہ وہ آپ سے نمٹ سکیں نیز اسی باب میں آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کے اسلام کا واقعہ بھی ہے۔

خفیہ تبلیغ کا زمانہ...... ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ وہ زمانہ جس میں آنحضرت ﷺ نے اپنے معاملے کو چھپائے رکھا یعنی یا ایھا المدثر کے نازل ہونے کے بعد وہ مدت جس میں آپ خفیہ طور پر لوگوں کو اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے تین سال ہے چنانچہ اس زمانے میں جو شخص بھی مسلمان ہوتا تھا اور وہ نماز پڑھنا چاہتا تو مکے کی گھاٹیوں میں جاکر اور قریش اور مشرکوں سے چھپ کر وہاں نماز پڑھتا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

اسلام کے نام پر بہایا جانے والا پہلا خون...... ایک مرتبہ جب حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کچھ دوسرے صحابہ کے ساتھ مکے کی ایک گھاٹی میں تھے کہ وہاں اچانک قریش کی ایک جماعت پہنچ گئی اس وقت یہ صحابہ نماز پڑھ رہے تھے مشرکوں کو یہ دیکھ کر بہت غصہ آیا وہ ان کو برا بھلا کہتے ہوئے ان پر چڑھ دوڑے حضرت سعد ابن ابی وقاص نے ان میں سے ایک شخص کو پکڑ کر اس کے منہ پر مارا جس سے ان کی کھال پھٹ گئی اور خون بہہ نکلا۔ یہ وہ پہلا خون ہے جو اسلام کے نام پر بہایا گیا۔

اس واقعہ کے بعد (چونکہ مشرکوں سے کھلے بندوں مقابلہ اور دشمنی ٹھن گئی تھی) اس لئے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ خاموشی کے ساتھ حضرت ارقم ابن ارقم کے مکان میں اٹھ آئے (اور اس طرح یہ مکان اسلام کا پہلا مرکز بنا۔ اس مکان کو دار ارقم کہا جاتا ہے۔ آئندہ سطروں میں دار ارقم ہی لکھا جائے گا) آنحضرت ﷺ کے دار ارقم میں آنے سے پہلے لوگوں کی ایک جماعت مسلمان ہو چکی تھی۔

یہ دار ارقم اب (یعنی علامہ حلبی کے زمانہ میں) دار خیزران کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مکان صفا پہاڑی کے پاس ہے۔ اس مکان کو خلیفہ منصور نے خرید لیا تھا اور اپنے بیٹے خلیفہ مہدی کو دیدیا تھا۔ پھر مہدی نے اپنے زمانے میں یہ مکان خیزران کو دیدیا تھا۔ یہ خیزران خلیفہ موسیٰ ہادی اور خلیفہ ہارون رشید کی ماں تھی۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری عورت ایسی نہیں ہے جس کے پیٹ سے دو خلیفہ پیدا ہوئے ہوں صرف عبدالملک ابن مروان کی باندی ایسی ہے جو اس معاملے میں خیزران کی ہمسر ہے کیونکہ وہ بھی خلیفہ ولید اور خلیفہ سلیمان کی ماں ہے۔

اس خیزران نے اپنے شوہر مہدی سے ایک حدیث روایت کی ہے اور مہدی نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرا وہ ہر برائی سے محفوظ ہو گیا۔"

غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ دار ارقم میں ہی نماز پڑھا کرتے تھے اور وہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دین کا اعلان کر دینے کا حکم فرمادیا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی الاعلان اسلام کی تبلیغ دار ارقم سے ہی شروع فرمائی جبکہ اس سے پہلے آپ اسی مکان میں پوشیدہ طور پر اس دین کو پھیلا رہے تھے۔

چھپ کر تبلیغ کرنے کی مدت ...... آنحضرت ﷺ نے نبوت کے چوتھے سال میں اسلام کا اعلان عام فرمایا۔ مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ چار سال تک چھپ کر تبلیغ فرماتے رہے اور پھر پانچویں سال میں آپ نے عام اعلان تبلیغ فرمایا۔

ایک قول ہے کہ آپ دار ارقم میں ایک مہینہ تک رہے اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد انتالیس تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک مہینے رہنے سے مراد یہ ہے کہ اس تعداد کے ساتھ ایک مہینے دار ارقم میں رہے۔ لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ (کیونکہ پانچویں سال میں تبلیغ عام شروع کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ ایک سال دار ارقم میں رہے اس لئے کہ اس باب کے شروع میں ابن اسحاق کا قول گزرا ہے کہ تین سال تک آنحضرت ﷺ اور صحابہ چھپ کر رہے اور گھاٹیوں وغیرہ میں جاکر نماز پڑھتے رہے اس کے بعد دار ارقم میں تشریف لے آئے اور پھر وہیں نمازیں ادا کی جانے لگیں)

تبلیغ عام کا حکم ...... آنحضرت ﷺ نے تبلیغ عام جو شروع فرمائی وہ نبوت کے چوتھے یا پانچویں سال میں فرمائی اور حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے ذریعہ آپ کو تبلیغ عام کا حکم دیا گیا جس پر آپ نے تبلیغ شروع) فرمائی۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ الآیۃ ۹۶ پ ۱۴ سورۂ حجر ع ۵

ترجمہ:۔ غرض آپ کو جس بات کا حکم کیا گیا ہے اس کو تو صاف صاف سنا دیجئے اور ان مشرکین کی پرواہ نہ کیجئے۔

اسی طرح تبلیغ عام کے حکم کے سلسلے میں دوسری آیت یہ نازل ہوئی۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الآیۃ ۲۱۵ پ ۱۹ سورہ شعراء ع ۱۴

ترجمہ:۔ اور اس مضمون سے آپ سب سے پہلے اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرایئے اور ان لوگوں کے ساتھ مشفقانہ فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں۔

سب سے پہلے رشتے داروں کو تبلیغ عام کا حکم ...... یعنی شریعت کے سلسلے میں آپ کو جو بھی حکم فرمایا

جائے آپ اس کو لوگوں تک پہنچا دیجئے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایئے آپ مشرکوں کا بالکل خیال نہ کیجئے بلکہ آپ پہلے اپنے قریشی رشتہ داروں کو انجام اور عذاب خداوندی سے ڈرایئے۔ اب ظاہر ہے رشتہ داروں سے مراد بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب ہیں۔ (ی) نیز بنی عبد شمس اور بنی نوفل بھی ہیں جو عبد المطلب کی اولاد میں سے ہیں اس کی دلیل آگے بیان ہوگی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آیت فاصدع بما تومر ایک ایسی جامع آیت ہے جس میں رسالت کی تمام شرائط بھی آجاتی ہیں اور تمام شریعت واحکام اور حلال و حرام بھی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ کو صدع یعنی صاف صاف کہہ دینے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ آپ میں رحمت درحم کا غلبہ تھا (اور لوگوں کو احکام شریعت صاف صاف بتلا کر آپ ان کو عذاب آخرت سے بچا سکیں۔

رشتے داروں کو تبلیغ کرنے سے پہلے آں حضرت ﷺ کا فکر و تشویش...... بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی وانذر عشیر تك الاقربین یعنی آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو آخرت کے عذاب سے ڈرایئے۔ تو آنحضرت ﷺ کو اس حکم پر بہت فکر و تشویش تھی اور آپ اس کی وجہ سے بہت پریشان رہے۔ (ی) یعنی کافی دن تک اس پر عمل نہیں کر سکے چنانچہ تقریباً ایک مہینہ گزر گیا اور آپ گھر میں خاموش بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی پھوپیوں کو یہ خیال ہوا کہ آپ کچھ بیمار ہیں۔ چنانچہ وہ آپ کی مزاج پرسی کے لئے آپ کے پاس آئیں۔ تب آپ نے فرمایا۔

"مجھے کوئی بیماری نہیں ہے بلکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ وانذر عشیر تك الاقربین یعنی میں اپنے قریشی رشتہ داروں کو آخرت کے عذاب سے ڈراؤں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تمام بنی عبد المطلب کو جمع کروں تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دوں۔"

آپ کی پھوپیوں نے کہا

"ضرور جمع کرو۔ مگر عبد العزیٰ یعنی ابو لہب کو مت بلانا کیونکہ تم جس بات کی طرف بلاؤ گے وہ اس کو ہرگز ماننے والا نہیں ہے۔"

اس کے بعد یہ آپ کے پاس سے واپس ہو گئیں

ابو لہب کے اس لقب کی وجہ...... (ی) عبد العزیٰ کو ابو لہب اس واسطے کہا جاتا ہے کہ وہ بے انتہا حسین اور خوبصورت آدمی تھا (لہب عربی میں آگ کے شعلے کو کہتے ہیں) وہ اتنا حسین تھا کہ گویا اس کے چہرے اس کی پیشانی اور اس کے رخساروں سے حسن کے شعلے نکلتے تھے اگرچہ بعض مورخوں نے ابو لہب لقب کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ اس کے لڑکے عقیر الاسدیا اس کے علاوہ کسی دوسرے لڑکے کا نام لہب تھا (اس لئے اس کو ابو لہب یعنی لہب کا باپ کہا جانے لگا۔

کتاب اتقان میں ہے کہ ابو لہب کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا اس کے نام کے بجائے اس کے لقب سے قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہو۔ چنانچہ ابو لہب کا سورہ تبت میں ذکر ہے مگر ابو لہب ہی کہا گیا ہے اس کا نام ذکر نہیں کیا گیا جو عبد العزیٰ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ عزیٰ ایک بت کا نام ہے عبد العزیٰ کے معنی عزیٰ کا بندہ ہوں گے اور یہ نام شرعاً حرام ہے۔ یہاں تک کتاب اتقان کا حوالہ ہے۔

اگر چہ اس بارے میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس نام کا رکھنا حرام ہے لیکن اس کا استعمال کرنا حرام نہیں ہے مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایسے نام کا استعمال بھی حرام ہے ہاں اگر یہی نام مشہور ہو چکا ہو تو مجبوری ہے جیسا کہ کسی شخص کے کسی قدرتی عیب کے ساتھ نام رکھ کر اس کو پکارنا مثلاً کانا یا چوندھا کہہ کر پکارنا ناجائز ہے سوائے اس کے کہ اسی صفت سے وہ شخص مشہور ہو چکا ہو۔

قاضی عیاض نے اس بارے میں یہ لکھا ہے کہ ابو لہب کا لقب یعنی کنیت ذکر کی گئی اور کنیت اعزاز کے لئے ہوتی ہے۔ کہ نام کے بجائے کنیت استعمال کی جاتی ہے کیونکہ وہ اسی لقب سے مشہور ہے۔ مگر چونکہ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا اور عزیٰ ایک بت کا نام ہے اس لئے اس نام کا ذکر کرنا پسند نہیں کیا گیا۔ (ادھر ابو لہب یعنی آگ والا) چونکہ دوزخیوں میں سے تھا اس لئے اس کے نام کے بجائے اس کا لقب ہی اس کی انجام کار حالت کے زیادہ مناسب ہے۔ لہذا یہاں اس کا جو لقب ذکر کیا گیا وہ اعزاز کے لئے نہیں بلکہ اس کی برائی ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ لہذا اس بارے میں جو رہا سہا شبہ ہو سکتا تھا وہ بھی اس طرح ختم ہو جاتا ہے۔

اب یہ بات کچھ دوسرے علماء کے اس قول کے خلاف ہے کہ کافر فاسق اور بدعتی کا ذکر کرتے وقت اس کے نام کے بجائے اس کا لقب صرف اسی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے جبکہ یا تو کسی فتنے کا خوف ہو یا اس شخص کو معہ اس کی صفات کے بتلانا مقصود ہو کیونکہ یہ بات صرف اس لقب کے ساتھ خاص ہے جو تعریف کے لئے ہو برائی کے لئے نہ ہو اور وہ شخص اس لقب سے مشہور بھی نہ ہو۔

رشتے داروں کے سامنے پہلا اعلان حق اور تبلیغ ...... غرض اگلے دن آنحضرت ﷺ نے بنی عبدالمطلب کے پاس دعوت بھیجی جس پر وہ سب لوگ آپ کے یہاں جمع ہو گئے ان میں ابو لہب بھی تھا۔ اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو بلانے کا مقصد بیان فرمایا تو ابو لہب نے آپ ﷺ کی شان میں نازیبا باتیں کہیں اور یہ کہا۔

ابو لہب کی دریدہ دہنی ...... تَبًّالَکَ تو ہلاک ہو جائے۔ کیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا۔"

اس کے بعد ابو لہب نے ہاتھ میں ایک پتھر اٹھایا تاکہ آنحضرت ﷺ کے مارے اور کہنے لگا میں نے آج تک کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس نے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہو جیسا تو نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔"

یہ سن کر آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے اور پھر اس مجلس میں آپ کچھ نہیں بولے۔

ابو لہب کی خوش فہمی ...... کتاب امتاع میں ہے کہ (جب آنحضرت ﷺ نے بنی عبدالمطلب کو بلایا تو) ابو لہب یہ سمجھا تھا کہ آنحضرت ﷺ اس نئے راستے کو جس سے وہ لوگ بیزار تھے چھوڑ کر اسی راستے پر آنا چاہتے ہیں جسے وہ سب پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے یہاں جب سب جمع ہو گئے تو ابو لہب نے آپ سے کہا۔

"یہ تمہارے چچا اور ان کی اولادیں سب جمع ہیں۔ تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو اور اپنی اس بددینی کو چھوڑ دو۔ ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لو کہ تمہاری قوم میں یعنی ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ سارے عربوں کی دشمنی مول لے سکیں۔ لہذا اگر تم اپنے اس معاملے پر اڑے رہے تو خود تمہارے خاندان والوں کا ہی سب سے زیادہ فرض ہو گا کہ تمہیں پکڑ کر قید کر دیں کیونکہ تمہارے لئے بھی یہی اس سے زیادہ بہتر ہو گا کہ قریش کے تمام خاندان اور قبیلے تم

پر چڑھ دوڑیں اور عرب کے باقی لوگ ان کی پشت پر ہوں۔ حقیقت میں میرے بھتیجے میں نے آج تک کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جس نے اپنے رشتہ داروں کے سامنے اس سے زیادہ بدتر چیز پیش کی ہو جیسی تم ہمارے سامنے کر رہے ہو۔"

ابولہب کے حق میں سورہ تبت کا نزول...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سب حاضرین کو حق تعالیٰ کا پیغام سنایا۔ جس پر ابولہب نے غضب ناک ہو کر آنحضرت ﷺ کو تبالك کہا) اسی وقت ابولہب کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ پ30 سورہ لہب آیۃ

ترجمہ: ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے۔

یعنی ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور سارے کا سارا ہلاک ہو جائے۔ یا یہ کہ تبت یدا ابی لھب میں صرف ہاتھوں کا ذکر کیا گیا مگر مراد یہ ہے کہ ابولہب کا پورا وجود تباہ و ہلاک ہو جائے۔ تو یہ حصہ بددعا کا ہے اور اس کے بعد وتب میں بددعا نہیں ہے بلکہ اس کی ہلاکت کی خبر دی گئی ہے (کہ اس بددعا کے مطابق وہ ہلاک ہی ہو گا) اس آیت کی ترکیب ایسی ہی ہے جیسے عربی میں کہا جاتا ہے۔

اهلكه الله وقد هلك

اللہ اس کو ہلاک کرے۔ اور وہ ہلاک ہو ہی گیا۔

اس آیت کے نزول پر ابولہب کا خوف...... (ی) جب ابولہب نے یہ سنا کہ اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی ہے تو وہ سخت خوف زدہ اور بدحواس ہوا اور) کہنے لگا۔

محمد جو کچھ کہہ رہا ہے اگر وہ سچ ہے تو جو کچھ میں نے کہا تھا اس کی تلافی کے لئے میں اپنے مال اور اپنی اولاد کا فدیہ یعنی کفارہ کرتا ہوں۔"

اس پر پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ الایۃ پ30 سورہ لہب

ترجمہ: نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی (مال سے مراد سرمایہ اور ما کسب سے مراد اس کا نفع ہے)

(ی) یہاں ماکسب سے مراد اولاد ہے کیونکہ اولاد بھی اپنے باپ کی پونجی ہوتی ہے۔

قریش کو آنحضرت ﷺ کی نصیحت...... ایک روایت میں ہے جو صحیحین کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قریش کو اپنے یہاں بلایا۔ چنانچہ تمام خاص اور عام لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

اے کعب ابن لوی کی اولاد! اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے بنی مرہ ابن کعب! اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ!"

(تو اس روایت میں صرف رشتے داروں کو جمع کرنے کی بات نہیں ہے بلکہ قریش کے تمام خاص و عام کو جمع کرنے کی روایت ہے) اس لئے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو صرف قریبی رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم دیا تھا (نہ کہ قریش کے عام لوگوں کو)

غرض اس کے بعد آنحضرت نے آگے فرمایا۔

اے بنی ہاشم! اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ! اے بنی عبد شمس! اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے

بچاؤ!اے بنی عبد مناف!اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے بنی زہرہ!اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ!اے بنی زہرہ!اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے فاطمہ!اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانا۔ اے صفیہ!محمد کی پوپھی!اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا!اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے کوئی ایسا اختیار نہیں ہے کہ تمہارے کفر و شرک کے باوجود) میں تمہارے لئے کچھ کر سکوں۔"

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ

"میں نہ دنیا میں تمہیں فائدہ پہنچانے کا کوئی اختیار رکھتا ہوں اور نہ آخرت میں فائدہ پہنچانے کا کوئی حق رکھتا ہوں سوائے اس کے کہ تم یہ کہو کہ لا الہ الا اللہ (ی) چونکہ تمہاری مجھ سے رشتے داری ہے اس لئے اس کے بھروسے پر کفر و شرک کے اندھیاروں میں گم نہ رہو۔"

اس طرح ان کو نیک کام کرنے پر ابھارا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ سے رشتہ داری پر تکیہ کرنے سے روکا گیا ہے۔

غرض پھر آپ نے فرمایا۔

"سوائے اس کے کہ تم سے جو رشتے داری کا تعلق ہے میں اس کی جڑوں کو اپنی دعاؤں کے ذریعہ تری پہنچاتا رہوں گا۔"

یہاں تری پہنچانے سے مراد رشتے داروں کے حقوق پورے کرنا ہے اس کے لئے حدیث میں بل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ اور حدیثوں میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے جیسے ایک حدیث ہے۔

بلوا ارحا مکم ولو بالسلام

رشتہ داروں کے حقوق پورے کرو چاہے صرف سلام کرنے کی حد تک ہی کیوں نہ کرو

اوپر آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد بیان کیا گیا ہے اس میں آپ ﷺ نے اپنی بیٹیوں میں سے خاص طور پر صرف حضرت فاطمہؓ کا نام لیا ہے حالانکہ وہ آپ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ اگرچہ ایک قول کے مطابق سب سے چھوٹی حضرت رقیہ تھیں۔ اسی طرح اپنی پھوپیوں میں سے آپ نے خاص طور پر حضرت صفیہؓ کا نام لیا۔ اس کی حکمت بالکل ظاہر ہے (کہ آنحضرت ﷺ کو یہ سب سے زیادہ عزیز تھیں مگر آخرت کے معاملے میں آپ نے صاف طور پر ان کا نام لے کر ان کو بتلادیا کہ میں اپنے اس گہرے تعلق اور محبت کے باوجود تمہاری آخرت کے لئے کچھ نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ تم خود ہی نیک عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی جزا کی مستحق بن جاؤ۔

تفسیر کشاف میں اس حدیث میں ایک عجیب اضافہ یہ ہے کہ آپ نے اسی طرح اے عائشہ بنت ابو بکر۔ اور۔ اے حفصہ بنت عمر۔ بھی فرمایا تھا۔ مگر میرے نزدیک یہاں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ بلکہ حضرت فاطمہؓ کا ذکر بھی صرف کسی راوی کا مغالطہ ہے۔ حقیقت میں آنحضرت ﷺ نے ان کا نام لے کر ان سے یہ بات بعد میں فرمائی تھی مگر کسی راوی نے غلط فہمی کی وجہ سے اس ارشاد کو بھی اسی حدیث میں شامل کر دیا۔

غرض یہاں جہنم کی آگ سے بچنے سے مراد یہ ہے کہ اسلام قبول کرو۔ اس کی دلیل خود اسی حدیث میں آنحضرت ﷺ کا یہ جملہ ہے کہ سوائے اس کے کہ تم یہ کہو کہ لا الہ الا اللہ ویسے یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ صاحبزادیاں کافر نہیں تھیں۔ بہر حال یہ پہلو قابل غور ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کفار مکہ کے سامنے دوسرا اعلان حق

اس کے بعد کچھ دن تک آنحضرت ﷺ خاموش رہے۔ اُدھر آپ کے پاس جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کو ہر طرف پھیلا دیں۔ چنانچہ آپ نے دوبارہ لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے خطبہ دیا اور پھر فرمایا۔

" قافلے کا سالار اپنے آدمیوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولا کرتا۔ خدا کی قسم اگر میں ساری دنیا سے بھی جھوٹ بولوں تو بھی تم لوگوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اگر میں ساری دنیا کو بھی دھوکہ دوں تو تمہیں ہرگز دھوکہ نہیں دوں گا۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ میں خاص طور پر تمہاری طرف اور عام طور پر سارے انسانوں کی طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ خدا کی قسم تم جس طرح سو جاتے ہو اسی طرح ایک دن مر جاؤ گے اور جس طرح جاگتے ہو اسی طرح ایک دن حشر و نشر کیلئے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔ پھر تم جو کچھ کر رہے ہو اس کا حساب تم سے لیا جائے گا اور اچھائیوں اور نیک اعمال کے بدلہ میں تمہیں اچھا بدلہ ملے گا اور برائی کا بدلہ برا ملے گا۔ وہاں بلاشک ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جنت ہے یا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہے۔ خدا کی قسم اے نبی عبدالمطلب! میرے علم میں کوئی ایسا نوجوان نہیں ہے جو اپنی قوم کے لئے اس سے بہتر اور اعلیٰ کوئی چیز لے کر آیا ہو جو میں تمہارے لئے لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے واسطے دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔"

ابولہب کی بکواس اور بہن سے مکالمہ...... آنحضرت ﷺ کی اس تقریر پر ابولہب کے سوا سب ہی نے نرم اور ملائم لہجہ میں جواب دیا۔ ابولہب نے کہا۔

"اے بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم یہ ایک فتنہ ہے۔ اس سے پہلے کہ اس پر کوئی دوسرا ہاتھ ڈالے بہتر یہ ہے کہ تم ہی اس پر قابو پالو۔ یہ معاملہ ایسا ہے کہ اگر (محمد کی بات سن کر) تم مسلمان ہو جاتے ہو تو یہ تمہارے لئے ذلت و رسوائی کی بات ہو گی اور اگر تم نے (دوسرے دشمنوں سے) اس کو بچانے کی کوشش کی تو تم خود قتل ہو جاؤ گے۔!"

اس کے جواب میں ابولہب کی بہن یعنی آنحضرت ﷺ کی پھوپی صفیہ نے کہا

"بھائی۔ کیا اپنے بھتیجے کو اس طرح رسوا کرنا تمہارے لئے مناسب ہے۔! اور پھر خدا کی قسم ہمیشہ بڑے بڑے عالم یہ خبریں دیتے آرہے ہیں کہ عبدالمطلب کے خاندان سے ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے۔ لہٰذا یہی وہ نبی ہیں۔"

ابولہب نے کہا۔

"خدا کی قسم یہ بالکل، بکواس اور گھروں میں بیٹھنے والی عورت کی باتیں ہیں جب قریش کے خاندان ہم پر چڑھائی کر کے آئیں گے اور سارے عرب ان کا ساتھ دیں گے تو ان کے مقابلے میں ہماری کیا چلے گی۔ خدا کی

قسم ان کے لئے تو ہم ایک نوالے کی حیثیت میں ہوں گے۔"

یہ سن کر ابو طالب نے کہا

"خدا کی قسم جب تک دم میں دم ہے ہم اس کی حفاظت کریں گے۔"

قریش کو دعوت اسلام......اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر تمام قریش کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا۔

"اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک لشکر آرہا ہے جو تم لوگوں پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم مجھے جھوٹا کہو گے ؟"

لوگوں نے جواب دیا

"ہمیں تمہارے بارے میں کبھی یہ تجربہ نہیں ہوا کہ تم نے جھوٹ بولا ہو۔"

تب آپ نے فرمایا

"اے گروہ قریش! اپنی جانوں کو جہنم سے بچاؤ اس لئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکوں گا۔ میں تمہیں اس زبردست عذاب سے صاف صاف ڈرا رہا ہوں جو سامنے ہے۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں۔

"میری اور تمہاری مثال اس شخص کے جیسی ہے جس نے دشمن کو آتے دیکھ لیا اور وہ اپنے گھر والوں کو خبر دار کرنے چلا۔ پھر اسے یہ ڈر ہوا کہ کہیں دشمن مجھ سے پہلے ہی وہاں نہ پہنچ جائے اس لئے اس نے وہیں سے پکارنا شروع کر دیا کہ۔ لوگو ہوشیار۔ ہوشیار! ۔وہ آگئے...وہ آگئے....!"

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اپنی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ میں "نذیر عریاں" یعنی بالکل کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ جس کا مطلب ہے کہ ایک ایسا ڈرانے والا ہوں جس کی سچائی ظاہر اور کھلی ہوئی ہے۔ (عریاں کے معنی ننگے اور برہنہ کے ہیں۔ عربوں کا یہ محاورہ ہے کہ کسی بات کی تاکید کے لئے کھلے اور ظاہر کے معنی میں عریاں کا لفظ استعمال کرتے ہیں) جیسے اگر کوئی معاملہ کھل کر سامنے آجائے تو عربی میں کہا جاتا ہے کہ عُری الاَمُر یعنی معاملہ کھل کر ظاہر ہو گیا اسی طرح کہا جاتا ہے اَلحَقُّ عَارٍ یعنی حق اور سچائی ظاہر ہے)۔ یا ایک قول ہے کہ جس شخص کو دشمن نے لوٹ کر بالکل خالی ہاتھ کر دیا ہو کہ وہ عریاں ہو کر سامنے آیا اور اس نے دشمن سے ڈرایا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ سے ایک ہزار مثالیں یاد ہیں۔

قریش کے سامنے بلندی پر چڑھ کر آنحضرت ﷺ نے ان کو جو خطاب فرمایا تھا اس کے بارے میں روایتوں میں اختلاف ہے کہ آپ نے کس جگہ کھڑے ہو کر قریش کو خطاب فرمایا تھا۔ ایک روایت تو وہی ہے جو پیچھے گزری کہ آپ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر قریش کو خطاب فرمایا تھا۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ایک پہاڑ کے ڈھلان پر سب سے اونچے پتھر کے اوپر کھڑے ہوئے اور آپ نے پکارا

"لوگو! ہوشیار۔!"

لوگوں نے یہ آواز سنی تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔

"یہ کون شخص آواز دے رہا ہے۔"

لوگوں نے کہا محمد ہیں۔ اس پر سب لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص خود نہیں جا سکا تو اس نے اپنے قاصد کو خبر لانے کے لئے بھیج دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے جبل ابو قبیس پر کھڑے ہو کر آواز دی تھی کہ۔ اے عبد مناف کی اولاد۔ میں نذیر اور ڈرانے والا ہوں۔

خاندان والوں کو دعوت...... ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب آپ پر (رشتے داروں کو ڈرانے اور تبلیغ کرنے کے لئے) یہ آیت نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ تو آپ نے ابو طالب کے مکان میں عبد المطلب کی اولاد کو جمع کیا جو کل ملا کر چالیس آدمی تھے۔ کتاب امتاع میں ہے کہ کل پینتالیس مرد اور دو عورتیں تھیں۔ غرض حضرت علیؓ نے ان آنے والوں کے لئے کھانا تیار کیا۔ اس میں بکری کی ایک ٹانگ تھی جس کے ساتھ ایک مد یعنی تقریباً "سوا طل گیہوں اور ساڑھے تین سیر دودھ تھا۔ چنانچہ ایک بڑے برتن میں کھانا لا کر ان لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا اور آپ نے ان سے فرمایا۔

"اللہ کے نام کے ساتھ کھائیے۔"

چنانچہ سب لوگوں نے یہ گوشت پیٹ بھر کر کھایا اور سب نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے کھانا آنے کے بعد لوگوں سے فرمایا۔

"دس دس کر کے قریب آتے رہئے۔"

چنانچہ لوگ دس دس کی ٹولی میں آتے رہے۔ پھر آپ نے یہ برتن پیالہ اٹھایا جس میں دودھ تھا اور اس میں سے ایک گھونٹ پی لیا پھر دوسرے لوگوں کی طرف بڑھایا۔ جبکہ اس مجمع میں ایک ایک آدمی ایسا تھا جو جانور کا ایک بچہ تنہا کھا سکتا تھا۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ۔ ایک پیالہ شراب ایک دفعہ میں پی جاتا تھا۔ اسی لئے یہ صورت دیکھ کر (کہ تھوڑے سے کھانے میں سب کا پیٹ بھر گیا) وہ لوگ بڑے اچنبھے میں پڑے۔ چنانچہ بعد میں جب آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے بات چیت کا ارادہ فرمایا تو ابو لہب نے آپ کی بات اڑا کر پہلے ہی لوگوں سے کہا۔

"اس شخص نے تم سب پر زبردست جادو کر دیا ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ ہم نے آج کے جیسا جادو کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

اس کے ساتھ ہی وہ سب لوگ اٹھ اٹھ کر چلے گئے اور آنحضرت ﷺ ان سے کوئی بات نہیں کر سکے۔ اگلا دن ہوا تو آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔

"جس طرح تم نے کل کھانا اور مشروب تیار کیا تھا اسی طرح میری طرف سے آج پھر وہی چیزیں تیار کر دو۔"

چنانچہ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے کھانا تیار کیا اور پھر سب لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے بلا کر لایا۔ آج بھی اسی طرح انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور سیر ہو کر دودھ پیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"اے بنی عبد المطلب! اللہ تعالیٰ نے مجھے ساری مخلوق کی طرف عام طور پر اور تمہاری طرف خاص طور پر نبی بنا کر بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم فرمایا ہے کہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ۔

چنانچہ اب میں تمہیں دو کلموں کے کہنے کی دعوت دیتا ہوں جو زبان سے ادا کرنے میں بے حد ہلکے پھلکے ہے لیکن ترازو میں بے حد وزن دار ہیں۔ ایک اس بات کی گواہی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور دوسرے یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس اب آپ میں سے کون ہے جو میری اس بات کو قبول کرتا ہے اور اس کلمہ کو پھیلانے میں میری مدد کرتا ہے۔"

حضرت علیؓ کا قبول حق...... اس وقت پورے مجمع میں حضرت علیؓ بولے جبکہ پوری قوم خاموش رہی حضرت علیؓ نے کہا۔

"میں یا رسول اللہ! اگرچہ میں ان سب میں عمر کے لحاظ سے سب سے چھوٹا ہوں۔"

بعض راویوں نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ (آپ نے اوپر کا جملہ فرمانے کے بعد کہا کہ کون میری مدد کرتا ہے)۔ جو میرا بھائی، میرا وزیر، میرا وارث اور میرے بعد میرا خلیفہ بنے گا۔

اس پر پوری قوم میں سے کسی نے بھی آنحضرت ﷺ کی بات قبول نہیں کی صرف حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور بولے کہ میں یا رسول اللہ! اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے پھر اپنی بات دہرائی۔ وہ لوگ پھر خاموش رہے اور پھر حضرت علیؓ ہی کھڑے ہو کر بولے کہ میں یا رسول اللہ! آپ نے پھر ان سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ اور پھر آپ نے تیسری بار اپنی بات دھرائی۔ مگر اس دفعہ بھی سب خاموش رہے اور حضرت علیؓ ہی کھڑے ہو کر بولے کہ "میں یا رسول اللہ!" اس پر آپ نے ان سے فرمایا۔

"تم بیٹھ جاؤ۔ کیونکہ تم میرے بھائی میرے وزیر میرے وارث اور میرے بعد میرے خلیفہ ہو۔"

روایت میں یہ جو حصہ بعض راویوں نے زائد بیان کیا ہے اس کے بارے میں امام ابوالعباس ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ یہ جھوٹ ہے اور گھڑا ہوا ہے جس شخص کو حدیث کے فن میں تھوڑی سی بھی معلومات ہیں وہ سمجھ لے گا کہ یہ حصہ غلط ہے۔ اس حدیث کو اس زائد حصے کے ساتھ علامہ ابن جریر بغوی نے بھی نقل کیا ہے اور جو سند بیان کی ہے اس میں ایک راوی ابو مریم کوفی بھی ہے جس کی روایتوں کو چھوڑ دینے کے سلسلے میں علماء کا اتفاق ہے۔ امام احمد میں (اس راوی کے بارے میں کہا ہے کہ وہ معتبر راوی نہیں ہے اس کی حدیثیں عام طور پر باطل ہیں۔ اسی کے بارے میں علامہ ابن مدینی کا قول یہ ہے کہ وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔

غرض اسی سلسلے میں ایک حدیث حضرت علیؓ نے بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کھانا پکایا۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا۔

"بنی عبدالمطلب کو میری طرف سے دعوت دے کر بلا لاؤ۔"

چنانچہ میں نے چالیس آدمیوں کو دعوت دی۔ حدیث

اب ان دونوں روایتوں کی موجودگی میں (کہ آیا کھانا حضرت علیؓ نے پکایا تھا یا حضرت خدیجہؓ نے۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے) کہ ممکن ہے یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہو۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت علیؓ نے کھانا تیار کرنے کا کام حضرت خدیجہ کے یہاں کیا ہو اور پھر لوگوں کو بلا کر ابو طالب کے مکان میں لائے ہوں۔

ادھر پیچھے ایک روایت گزری ہے جس میں ہے کہ صرف بنی عبدالمطلب ہی جمع نہیں ہوئے تھے بلکہ تمام قریش جمع ہوئے تھے اس کے بارے میں گمان ہے کہ وہ اس سے پہلے کا موقعہ رہا ہوگا۔ اس بات کا اشارہ حدیث کے اس جملے سے بھی ملتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا اس آرزو میں کیا تھا (یعنی بنی عبدالمطلب کو اس

آرزو میں بلایا تھا) کہ شاید وہ لوگ اسلام قبول کر لیں۔

آنحضرت ﷺ پر قریش کے آوازے...... غرض جب آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو بلایا اور انہوں نے انکار نہیں کیا بلکہ فوراً چلے آئے، اور خاموشی سے آپ کی بات سن لی۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ آنحضرت ﷺ جو کچھ کہتے تھے قریش کے لوگ اس کا انکار (یا اقرار) نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد جب کبھی آنحضرت ﷺ قریش کی مجلسوں کے پاس سے گزرتے تو لوگ آپ کی طرف انگلیوں سے اشارے کر کر کے کہتے تھے۔

خاندان عبد المطلب کا یہ لڑکا آسمان کی باتیں کرتا ہے!"

باہم کشیدگی کی ابتداء...... غرض قریش کی یہی عادت رہی۔ یہاں تک کہ پھر آنحضرت ﷺ نے ان کے معبودوں میں عیب نکالنے شروع کر دیئے، ان کی بے وقوفی ان پر ظاہر فرمائی اور ان کے باپ دادا کو گمراہ فرمایا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ قریش کے مجمع کے پاس سے گزر رہے تھے اس وقت یہ لوگ مسجد حرام میں جمع تھے اور بتوں کو سجدے کر رہے تھے۔ آپ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا۔

"اے گروہ قریش! خدا کی قسم تم اپنے باپ ابراہیمؑ کے راستے سے ہٹ گئے ہو۔!" قریش نے کہا "ہم اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہی بتوں کو پوجتے ہیں تاکہ اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے قریب ہو سکیں۔"

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ الآیۃ پ ۳۔ سورہ آل عمران ع ۳

ترجمہ :۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے۔

ابو طالب سے شکایت...... یہ بات قریش کو بہت ناگوار گزری اور انہوں نے اسی وقت آنحضرت ﷺ کی مخالفت اور دشمنی کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے سے صرف وہ لوگ محفوظ رہے جن کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔ اس کے بعد یہ لوگ ابو طالب کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے۔

"ابو طالب! تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا ہے، ہمارے دین میں عیب نکالے ہیں اور ہمیں بے عقل ٹھہرایا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہم میں عقلیں نہیں ہیں۔ اس نے ہمارے باپ دادا تک کو گمراہ کہا ہے۔ اس لئے یا تو ہماری طرف سے آپ اس سے نمٹئے اور یا ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیے۔ کیونکہ خود آپ بھی اسی دین پر چلتے ہیں جو ہمارا ہے اور اس کے دین کے خلاف ہیں۔"

یہ سن کر ابو طالب نے ان لوگوں سے نہایت نرمی سے بات کی اور ان کو خوبصورت انداز میں جواب دے کر واپس کر دیا۔

ادھر آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے دین کا اعلان فرماتے رہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف بلاتے رہے۔ اس راستے میں آپ کسی مشکل کی پرواہ نہیں کرتے تھے اسی بات کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ يَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَفِي الكُفْرِ شِدَّةٌ وَ اَبَاءٌ

اَمِمَّا اَشرَبَتَ قُلُوبُهُمُ الكُفرُ
نِدَاءَ الضَّلَالَ فِيهِم عَيَاءُ

مطلب...... یعنی پھر آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے کلمے کی طرف بلانے کا بیڑہ اٹھالیااور آپ ان کو دعوت دینے لگے کہ وہ یوں کہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جیساکہ آنحضرت ﷺ کو اس تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا۔

حکم رسالت...... چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ کے سامنے انتہائی خوبصورت شکل میں اور نہایت بہترین خوشبوئیں لگائے ہوئے ظاہر ہوئے اور بولے

"اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ تمام جنوں اور انسانوں کی طرف اللہ کے رسول ہیں اس لئے ان کو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے کلمے کی طرف بلائیے۔"

آغاز تبلیغ...... چنانچہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو تبلیغ شروع فرمادی جبکہ حالت یہ تھی کہ کافروں کے پاس پوری طاقت و قوت تھی اور وہ آپ کی پیروی کرنے پر تیار نہیں تھے کیونکہ کفر ان کے دلوں میں رچ بس چکا تھا اور اس کی محبت ان کے اندر سرایت کر چکی تھی کہ ان کے دل اس کفر و گمراہی کے سوا کسی چیز کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے، کفر کی یہ بیماری ان لوگوں میں اس طرح سما چکی تھی کہ طبیب اس بیماری کا علاج نہیں کر سکتے تھے اور ان کو شفا نہیں دے سکتے تھے۔

قریش کا غصہ اور ابوطالب کے پاس دوسرا وفد...... پھر آنحضرت ﷺ کی تبلیغ کا یہ سلسلہ بہت زیادہ بڑھ گیا یہاں تک کہ لوگ آپ سے دور ہونے لگے اور ان کے دلوں میں آپ کی دشمنی اور آپ سے حسد جم گیا۔ پھر قریش کے درمیان آپس میں ہر وقت آنحضرت ﷺ کا ہی چرچا ہونے لگا اور لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر آپ سے دشمنی، عداوت اور قتل و قتال کے منصوبے بنانے لگے یہاں تک سوچنے لگے کہ آپ کا مقاطعہ یعنی بائیکاٹ کیا جائے۔ اس کے بعد یہ لوگ پھر دوسری مرتبہ ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا۔

"اے ابوطالب! ہمارے درمیان آپ بڑے، قابل عزت اور بلند مرتبہ آدمی ہیں۔ ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو روکئے مگر آپ نے اس کو کچھ نہیں کہا۔ ہم لوگ خدا کی قسم یہ بات برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے باپ دادا کو گالیاں دی جائیں، ہمیں بے عقل کہا جائے اور ہمارے معبودوں میں عیب ڈالے جائیں۔ اس لئے یا تو اب آپ اس کو سمجھا لیجئے ورنہ سن لیجئے کہ ہم اس معاملہ میں آپ سے اور اس سے دونوں سے اس وقت تک مقابلہ کریں گے جب تک کہ دونوں فریقوں میں سے ایک ختم نہ ہو جائے۔"

ابوطالب کی تشویش...... یہ کہہ کر وہ لوگ وہاں سے واپس ہوگئے۔ ابوطالب کو اپنی قوم کے اس غصے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کی دشمنی کی وجہ سے بہت فکر ہو گیا، وہ اس کو پسند نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی شخص بھی آنحضرت ﷺ کو رسوا کرنے کی کوشش کرے۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے بات کی اور کہا۔

"بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے مجھے ایسا ایسا کہا۔ اس لئے اپنے اور میرے اوپر رحم کرو اور مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جسے برداشت کرنے کی طاقت مجھ میں نہ ہو۔"

آنحضرت ﷺ کا عزم...... ابوطالب کی اس گفتگو سے آنحضرت ﷺ یہ سمجھے کہ چچا بھی آپ کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں اور اب وہ بھی آپ کی مدد اور مدافعت کرنا نہیں چاہتے۔ اس لئے آپ نے فرمایا۔

"چچا جان! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ کر بھی مجھ

سے یہ کہیں کہ میں اس معاملے کو چھوڑ دوں یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ ہی اس کو ظاہر فرمادیں تو بھی میں ہر گز اسے نہیں چھوڑوں گا۔"

چچا کی طرف سے بھتیجے کو اعلان حق کی آزادی...... اتنا کہہ کر آنحضرت ﷺ کی آواز بھر آگئی اور آپ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اٹھ کر جانے لگے۔ اچانک ابو طالب نے آپ کو پکارا اور کہا۔

"بھتیجے! ادھر آؤ۔!"

آپ واپس آئے تو ابو طالب نے کہا۔

"جاؤ بھتیجے! جو دل چاہے کہو۔ خدا کی قسم میں تمہیں کسی حال میں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

اس کے ساتھ ہی ابو طالب نے کچھ شعر پڑھے جن میں سے ایک یہ ہے۔

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ
حَتّٰى اُوَسِّدُ فِي التُّرَابِ دَفِيْنًا

ترجمہ :۔ خدا کی قسم یہ مخالفین اپنی جمعیت کے باوجود تم تک نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ میں ہی مٹی میں دفن کر دیا جاؤں۔

پچھلی سطروں میں آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد گزرا اس میں آپ نے خاص طور پر سورج اور چاند کا ذکر فرمایا اور پھر اس میں بھی سورج کو دائیں ہاتھ اور چاند کو بائیں ہاتھ کے لئے ذکر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج ہی دراصل سب سے بڑی روشنی ہے لہذا دایاں ہاتھ ہی اس کی ساتھ ذکر کرنا مناسب تھا اور چاند اس کے مقابلے میں کمزور اور مٹنے والی روشنی ہے اس لئے اس کے واسطے بائیں ہاتھ کا ذکر کرنا ہی زیادہ مناسب تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس مثال میں دونوں روشنیوں کا ہی خاص طور پر اس لئے ذکر فرمایا کہ آپ جو چیز لے کر آئے وہ خود نور ہی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ الآیۃ ۳۲ پ ۱۰، سورہ توبہ، ع ۵

ترجمہ :۔ وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور یعنی دین اسلام کو اپنے منہ سے بجھادیں حالانکہ اللہ تعالیٰ بدون اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہنچادے مانے گا نہیں۔

اس سلسلے میں ایک عجیب روایت یہ ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس کام کرتا تھا اس نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ سے کہا

"میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا سورج اور چاند کے درمیان آپس میں جنگ ہو رہی ہے اور ان دونوں میں ہر ایک کے ساتھ ستارے ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا

"تو ان دونوں میں سے کس کے ساتھ تھا؟"

اس نے کہا۔ "چاند کے ساتھ۔!"

حضرت عمرؓ نے فرمایا

"تو مٹنے والی نشانی کے ساتھ تھا۔ اس لئے جا اور اب میرے لئے کوئی کام مت کرنا۔"

چنانچہ اس کے بعد یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ شخص جنگ صفین میں امیر معاویہ کے ساتھ ہوا اور اسی روز قتل ہو گیا۔

مشرکوں کی ایک احمقانہ تجویز...... غرض اس کے بعد جب قریش کو اس بات کا اندازہ اور یقین ہو گیا کہ ابو طالب آنحضرت ﷺ کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں تو وہ عمارہ ابن ولید ابن مغیرہ کو ساتھ لے کر ابو طالب کے پاس آئے اور انہوں نے ابو طالب سے کہا۔

"ابو طالب! یہ عمارہ ابن ولید ابن مغیرہ ہے۔ جو قریش کا سب سے زیادہ بہادر، طاقتور اور سب سے زیادہ حسین نوجوان ہے تم اس کو لے کر اپنا بیٹا بنالو اور اس کے بدلے میں اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو جو تمہارے اور تمہارے باپ دادا کے دین کے خلاف جا رہا ہے جس نے تمہاری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ان کی عقلوں میں عیب ڈال رہا ہے۔ (تم اسے ہمارے سپرد کر دو تاکہ) ہم اس کو قتل کر دیں اور انسان کے بدلے میں ہم انسان دے رہے ہیں۔"

قریش کی یہ بے ہودہ تجویز سن کر ابو طالب نے کہا۔

"خدا کی قسم تم لوگ مجھ سے بہت برا سودا کرنے آئے ہو۔ تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے لڑکے کو میرے سپرد کر دو تاکہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں اور پرورش کروں اور اپنا لڑکا تمہارے حوالے کر دوں تاکہ تم اسے قتل کر دو۔ !خدا کی قسم یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

نیز ابو طالب نے ان سے کہا

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ کوئی اونٹنی اپنے بچے کو چھوڑ کر کسی دوسرے بچے کی آرزومند ہو سکتی ہے۔"

اس پر مطعم ابن عدی نے کہا۔

ابو طالب! خدا کی قسم تمہاری قوم نے تمہارے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا ہے اور جو بات تمہیں ناپسند ہے اس سے چھٹکارے کے لئے کوشش کر لی۔ اب میں نہیں سمجھتا کہ اس کے بعد تم ان کی کوئی اور پیشکش قبول کرو گے۔!

ابو طالب نے کہا۔

"خدا کی قسم انہوں نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ بلکہ تم سب نے مل کر مجھے رسوا کرنے اور میرے خلاف گٹھ جوڑ کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے اس لئے اب جو تمہارے دل میں آئے کر لو۔!"

بعد میں یہ شخص عمارہ ابن ولید کفر کی حالت میں ہی حبش کی سرزمین میں مرا۔ اس پر جادو کر دیا گیا تھا جس کے بعد یہ وحشت زدہ ہو کر جنگلوں اور گھاٹیوں میں مارا مارا پھرا کرتا تھا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

اسی طرح یہ شخص مطعم ابن عدی بھی کفر کی حالت میں ہی مرا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی مدافعت کے لئے بنی ہاشم کا عہد...... غرض جب ابو طالب نے قریش کی یہ پیشکش بھی ٹھکرا دی تو اب معاملہ بہت سنگین ہو گیا۔ ادھر جب ابو طالب نے قریش کے ارادے دیکھے تو انہوں نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بلایا اور ان کے سامنے آنحضرت ﷺ کی حفاظت کرنے اور آپ کی طرف سے قریش کی مدافعت کرنے کی درخواست کی۔ اس پر سوائے ابولہب کے سارے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب راضی ہو گئے۔ یہ تنہا وہ تھا جو آنحضرت ﷺ پر ظلم اور سختی کرنے کے لئے آواز اٹھاتا تھا۔ اسی طرح جو لوگ آپ پر

ایمان لے آئے تھے ان کی مخالفت میں بھی ابولہب ہی سب سے پیش پیش رہتا تھا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو تکلیفیں پہنچانے کے سلسلے میں بھی یہی شخص قریش میں بڑھ چڑھ کر تھا۔

آنحضرت ﷺ کو ایذا رسانیوں کی ابتداء...... آنحضرت ﷺ کو قریش کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں ان ہی میں سے ایک واقعہ وہ ہے جسے آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ ایک روز میں مسجد حرام میں تھا کہ ابو جہل وہاں آیا اور کہنے لگا۔

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں محمد کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ لوں تو میں ان کی گردن مار دوں۔"

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر فوراً" رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور آپ کو بتلایا کہ ابو جہل کیا کہہ رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ یہ سنتے ہی غصے کے ساتھ گھر سے نکلے اور تیزی کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے یہاں تک کہ آپ کو دیوار کے ساتھ رگڑ لگی۔ اس وقت آپ یہ آیتیں پڑھتے جاتے تھے۔

اِقْرَاء بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ پ ۳۰ سورہ علق ع ۱ آیت ۱، ۲

ترجمہ :۔ اے پیغمبر ﷺ آپ پر جو قرآن نازل ہوا کرے گا اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے یعنی جب پڑھئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجئے جس نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ جس نے ان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔

یہاں تک کہ آپ اس سورت کی اس آیت تک پہنچے جس میں ابو جہل کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ

كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى پ ۳۰ سورہ علق ع ۱ آیت ۶، ۷

ترجمہ :۔ سچ مچ بے شک کافر آدمی حد آدمیت سے نکل جاتا ہے اس وجہ سے کہ اپنے آپ کو ابناء جنس سے مستغنی دیکھتا ہے۔

حفاظت خداوندی...... یہاں تک کہ آپ نے سورت کا آخری حصہ پڑھا (جہاں سجدے کی آیت ہے) اور اس کے ساتھ ہی آپ سجدے میں گر گئے۔ اسی وقت کسی نے ابو جہل سے کہا۔

"اے ابوالحکم! یہ محمد سجدے میں پڑے ہوئے ہیں_____!"

ابو جہل یہ سن کر فوراً" آپ کی طرف بڑھا اور آپ کے پاس پہنچ کر اچانک واپس ہو گیا۔ اس پر اس سے وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا۔

"کیا جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے۔ مجھ پر تمام آسمان کی کنارے تک بند کر دیئے گئے ہیں!"

ایک روایت میں ابو جہل کے یہ لفظ ہیں۔

"میں نے اپنے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خلیج دیکھی!"

آگے بیان آئے گا کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد

اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى الخ پ ۳۰ سورہ علق ع ۱ آیت ۹، ۱۰

ترجمہ :۔ اے مخاطب عام بھلا اس شخص کا دل تو بتلا جو ہمارے خاص بندے کو منع کرتا ہے جب وہ بندہ نماز پڑھتا ہے۔

تو یہ ارشاد باری ابو جہل کے بارے میں نازل ہوا تھا۔

ابو جہل کا عہد...... اسی طرح ایک روایت ہے کہ ایک روز ابو جہل ابن ہشام نے قریش سے کہا
اے گروہ قریش! جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو محمد تمہارے دین میں عیب ڈال رہا ہے، تمہارے معبودوں کو برا بھلا کہہ رہا ہے، تمہاری عقلوں کو فاسد بتا رہا ہے اور تمہارے باپ دادا کو گالیاں دے رہا ہے اس لئے خدا کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ کل میں محمد کے لئے ایک اتنا بڑا پتھر لے کر بیٹھوں گا جس کا بوجھ وہ برداشت نہیں کر سکتے اور جیسے ہی وہ سجدے میں جائیں گے وہ پتھر ان کے سر پر دے ماروں گا۔ اس کے بعد تم لوگوں کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس معاملے میں میری مدد کرتے ہوئے مجھے پناہ دینا اور چاہے مجھے دشمنوں کے حوالے کر دینا کہ بنی عبد مناف میرا کچھ بھی حشر کریں۔"

قریش نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم ہم تمہیں کسی قیمت پر بھی دغا نہیں دیں گے اس لئے جو تم نے ارادہ کیا ہے اس اطمینان سے پورا کرو۔"

ابو جہل کو سزا اور اس کی بوکھلاہٹ...... اگلے دن صبح کو ابو جہل نے اپنے کہنے کے مطابق ایک بہت بھاری پتھر اٹھایا اور اسے لے کر آنحضرت ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ ادھر آنحضرت ﷺ بھی عادت کے مطابق صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے۔ اس وقت آپ کا قبلہ شام میں بیت المقدس کے مقدس پتھر کی طرف ہوتا تھا۔ چنانچہ جیسا کہ بیان ہوا آپ نماز کے لئے رکن ایمانی اور حجر اسود کے درمیان کھڑے ہوا کرتے تھے اور کعبے کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان کر لیا کرتے تھے۔ غرض اس وقت آنحضرت ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے اور آپ نے نیت باندھ لی۔ ادھر قریش کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ابو جہل کے کئے ہوئے وعدے کا نتیجہ معلوم کرنے کا انتظام کر رہے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ سجدے میں گئے تو ابو جہل نے وہ پتھر اٹھایا اور آپ کی طرف بڑھا جیسے ہی وہ آپ کے قریب پہنچا تو ایک دم اس پر لرزہ طاری ہو کر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ گھبرا کر وہاں سے پیچھے ہٹا۔ ادھر پتھر پر اس کے ہاتھ ایسے جم گئے کہ چاہنے کے باوجود وہ پتھر سے اپنے ہاتھ آزاد نہیں کرا سکا یہاں تک کہ لوگوں نے اس پر جھاڑ پھونک کرائی اور اس طرح اس کے ہاتھوں کو چھٹکارہ ملا اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ادھر فوراً ہی قریش کے لوگ اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور اس سے پوچھنے لگے۔

ابوالحکم! کیا ہو گیا!"؟

ابو جہل نے کہا۔

"میں نے رات تم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرنے کے لئے میں محمد کی طرف بڑھا۔ مگر جیسے ہی میں ان کے قریب پہنچا ایک جوان اونٹ میرے راستے میں آگیا۔ میں نے اس جیسا زبردست اونٹ آج تک نہیں دیکھا وہ ایک دم میری طرف بڑھا جیسے مجھے کھا لے گا

!جب یہ واقعہ آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ کے محافظ...... "وہ جبرئیلؑ تھے۔ اگر وہ میرے قریب آتا تو وہ اس کو ضرور پکڑ لیتے"

اسی واقعے کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وابو جہل اذارای عنق

الفحل الیه کانه العنقاء

مطلب...... یعنی ابو جہل جو آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا دشمن تھا جب وہ اس وقت آنحضرت ﷺ پر پتھر پھینکنے کے لئے بڑھا جبکہ آپ سجدے میں تھے تو اچانک اس نے ایک زبردست اونٹ کی گردن دیکھی جو ایک خوفناک عنقریب کی طرح اس کی طرف بڑھا۔ اسی لئے ابو جہل نے فوراً پتھر پھینکنے کا ارادہ ختم کر دیا۔

ایک روایت میں یہاں بھی ابو جہل کا وہی جواب ذکر ہے کہ۔ میں نے اپنے اور محمد کے درمیان آگ کی ایک خلیج دیکھی۔ اس سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے ابو جہل کو اسی وقت یہ دونوں چیزیں نظر آئی ہوں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُقْمَحُونَ لا آیۃ پ ۲۲ سورہ یس ع ۱

ترجمہ :۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں تک اڑ گئے ہیں جس سے انکے سر اوپر کو الل گئے۔

یعنی ہم نے ان کے ہاتھ ان کی گردنوں تک کر دیئے جو اس طرح ان کے کانوں تک پہنچ رہے ہیں کہ ان سے چپک کر رہ گئے اور اس سے ان کی گردنیں الل کر رہ گئیں اور وہ ان کو نیچے نہیں کر سکتے۔

اسی طرح اس کے بعد اگلی آیت ہے کہ

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ لا آیۃ پ ۲۲۔ سورہ یس ع ۱

ترجمہ :۔ اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے ہر طرف سے ان کو پردوں سے گھیر دیا سو وہ نہیں دیکھ سکتے۔

پہلی آیت کے نازل ہونے کے متعلق ایک قول ہے کہ یہ ابو جہل کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی جب اس نے آنحضرت ﷺ کے سر مبارک پر مارنے کے لئے پتھر اٹھایا تھا۔ اس وقت اس کے کے ہاتھ اوپر اٹھے رہ گئے تھے اور پتھر اس کے ہاتھوں میں چپک کر رہ گیا تھا۔ چنانچہ اس نے واپس آکر اپنے ساتھیوں کو یہ واقعہ بتلایا تو ان لوگوں نے بڑی محنت کے بعد پتھر اس کے ہاتھ سے الگ کیا۔

دوسری آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب ابو جہل کے ساتھ ہی یہ واقعہ پیش آیا کہ اس نے کہا تھا۔
"میں یہ پتھر محمد پر پھینک ماروں گا۔"

چنانچہ پھر وہ آپ کی طرف گیا مگر جب آپ کے قریب پہنچا تو ایک دم اس کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی اب وہ آنحضرت ﷺ کی آواز تو سن رہا تھا مگر آپ اس کو نظر نہیں آرہے تھے۔ وہ فوراً وہاں سے واپس ہوا اور آگر اس نے اپنے ساتھیوں کو یہ ماجرا سنایا۔

مشرکوں کی بے بسی...... حکم ابن ابوالعاص یعنی مروان ابن حکم کے بیٹے سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ اس کی بیٹی نے اس سے کہا۔

"میں سمجھتی ہوں کہ بنی امیہ کے سوا کوئی قوم ایسی نہیں تھی جس نے رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں تم سے زیادہ بیہودہ تجویزیں کی ہوں اور آپ کے معاملہ میں تم سے زیادہ کوئی بے بس رہا ہو!"

حکم نے جواب دیا۔

بیٹی! اس بارے میں ہمیں ملامت نہ کرو۔ اب میں تمہیں صاف صاف بتلاتا ہوں۔ ایک رات ہم نے فیصلہ کیا کہ بے خبری میں ہم رسول اللہ ﷺ کو ختم کر دیں۔ چنانچہ جب ہم نے رات میں آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ہم چپکے سے آپ کی پشت پر پہنچے۔ اسی وقت ہمیں اک ایسی خوفناک آواز آئی کہ ہمیں خیال ہوا کہ شاید آج تہامہ یعنی مکے کے سارے پہاڑ ٹوٹ کر ہم پر آپڑیں گے۔ جب تک ہماری یہ حالت ختم ہو آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھر تشریف لے جا چکے تھے اب ہم نے اگلی رات کے لئے یہی پروگرام بنایا۔ اس رات جب آپ حرم میں آئے تو ہم پھر آپ کی طرف بڑھے۔ اسی وقت ہم نے دیکھا کہ صفا اور مروہ کی پہاڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ مل گئیں اور ہمارے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان حائل ہو گئیں۔"

یہاں یہ آخری جملہ قابل غور ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ صفا اور مروہ پہاڑیوں کے درمیان نماز پڑھ رہے تھے حالانکہ آپ کعبے کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے۔

ابو جہل کی ڈینگیں...... ایک روایت میں یہ ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ ابو جہل آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"کیا میں نے تمہیں اس سے منع نہیں کیا تھا۔"

اس وقت اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی۔ آخر سورت تک۔ پ ۳۰ سورہ علق ع ۱

ترجمہ :۔ اے مخاطب۔ بھلا اس شخص کا حال تو بتلا جو ہمارے خاص بندے کو منع کرتا ہے جب وہ بندہ نماز پڑھتا ہے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ابو جہل نے آپ سے ڈانٹ کر کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ یہاں مجھ سے بڑا جتھے والا آدمی کوئی نہیں ہے!"

اس پر یہ آیت نازل ہوئی

فَلْیَدْعُ نَادِیَہٗ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَۃَ پ ۳۰ سورہ علق ع ۱ آیت ۱۸،۱۷

سو یہ اپنے ہم جلسہ کے لوگوں کو بلا لے اگر اس نے ایسا کیا تو ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلا لیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر ابو جہل اپنی گروہ کو بلاتا تو اللہ تعالی کے عذاب کے فرشتے اس کو پکڑ کر تہس نہس کر دیتے۔

ایک روز ابو جہل آنحضرت ﷺ کے سامنے آیا تو آپ سے کہنے لگا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں بطحا والوں کا محافظ ہوں اور میں یہاں ایک معزز اور شریف ترین شخص ہوں۔!"

اس وقت اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔"

ذق انك انت العزیز الکریم پ ۲۵ سورہ دخان ع ۳ آیت ۴۹

ترجمہ :۔ چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے۔

واحدی نے ایسے ہی بیان کیا ہے کہ آیت کا یہ جملہ دوزخ کے فرشتے ابو جہل کو دوزخ میں ڈالتے وقت

اس کو پھٹکارتے ہوئے کہیں گے۔

سورہ تبت کا نزول اور ابو لہب کی بیوی کا غیظ و غضب...... اسی طرح ایک روایت ہے کہ جب اللہ تعالی نے سورہ تبت یدا ابی لھب و تب نازل فرمائی (جس میں ابو لہب کی بیوی کو بھی عذاب کی خبر دی گئی ہے) تو ابو لہب کی بیوی وہاں آگئی اس کا لقب ام جمیل تھا اور اس کا نام عورلو تھا ایک قول کے مطابق اس کا نام اروی بنت حرب تھا اور یہ ابوسفیان ابن حرب کی بہن تھی۔ یہ چیختی چلاتی ہوئی اور ہاون دستہ کوٹنے کا پتھر ہاتھ میں لئے ہوئے آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھی۔ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی تھے۔ صدیق اکبرؓ نے اس کو دیکھا تو آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! یہ بہت زبان دراز عورت ہے۔ اگر آپ یہاں ٹھیرے تو آپ کو اس کو بد زبانی سے تکلیف ہو گی۔"

آپ نے فرمایا۔

"وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔"

چنانچہ وہ عورت وہاں پہنچ کر حضرت ابو بکرؓ سے کہنے لگی۔

"اے ابو بکر! تمہارے دوست نے مجھے ذلیل کیا ہے (یعنی میری شان میں وہ بات کہی ہے جو قرآن پاک کی آیت کی صورت میں نازل ہوئی ہے) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ تمہارے دوست کا کیا حال ہے جو شعر پڑھتے ہیں۔"

حضرت ابو بکر نے فرمایا۔

"نہیں۔ وہ تو شعر نہیں کہتے! اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ نہیں اس بیت اللہ کے رب کی قسم! انہوں نے تجھے ذلیل نہیں کیا۔ میرے دوست شاعر نہیں ہیں۔ وہ تو شعر کہنا ہی نہیں جانتے۔"

اس نے کہا

"میرے نزدیک تم جھوٹ نہیں بولتے۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے واپس ہوئی اور یہ کہتی جاتی تھی

" قریش کے لوگ جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔ اس کا اشارہ تھا کہ میں عبد مناف کی بیٹی ہوں جو اس کے باپ کا دادا تھا۔ اور جس ہستی کا باپ عبد مناف (جیسا معزز سردار رہا ہوں اس کے متعلق کوئی ایسی ویسی بات کہنے کی کسی کو جرات نہیں ہونی چاہیئے۔"

(غرض ابو لہب کی بیوی ام جمیل تو یہ کہتی ہوئی چلی گئی) اب ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔

"یا رسول اللہ! وہ آپ کی کیوں نہیں دیکھ سکی!؟"

آپ نے فرمایا

"ایک فرشتہ مجھے اپنے پروں میں چھپائے رہا۔"

چنانچہ اس بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے اسی وقت حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا تھا۔

"اس سے پوچھنا کہ کیا تم میرے پاس کسی کو دیکھ رہی ہو!"

چنانچہ جب وہ وہاں پہنچی تو حضرت ابو بکرؓ نے اس سے یہی سوال کیا اس پر اس نے کہا۔

"کیا تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو۔ خدا کی قسم تمہارے پاس تو کوئی بھی نہیں ہے!"

ام جمیل کی خطرناک ارادے...... اقول۔ مولف کہتے ہیں: کتاب امتاع میں یوں ہے کہ ام جمیل آئی تو اس وقت آنحضرت ﷺ مسجد حرام میں تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے۔ ام جمیل کے ہاتھ میں ہاون دستے کا پتھر تھا۔ جب وہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر رکی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی ختم فرما دی چنانچہ آنحضرت ﷺ اس کو نظر نہیں آئے جبکہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو وہ دیکھ رہی تھی۔ چنانچہ اب وہ حضرت ابو بکرؓ کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی۔

"تمہارے دوست کہاں ہیں؟"

حضرت ابو بکر نے پوچھا

"تم ان کے ساتھ کیا کرنا چاہتی ہو؟"

ام جمیل بولی

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے میری ہجو کی ہے یعنی میرے بارے میں نازیبا بات کہی ہے۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھے مل جائیں تو میں یہ پتھر ان کے منہ پر ماروں گی۔"

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا۔

"تیرا برا ہو۔ وہ کوئی شاعر نہیں ہیں (جو کسی کی ہجو کریں گے؟)"

ہجو کا مطلب شعروں میں کسی کی بے عزتی اور توہین کرنا ہوتا ہے۔ غرض ام جمیل نے حضرت عمرؓ سے کہا۔

"اے ابن خطاب! میں تم سے بات نہیں کر رہی ہو۔"

یہ بات اس نے اس لئے کہی کہ وہ حضرت عمرؓ کی سخت مزاجی اور غصے کو جانتی تھی۔ اس کے بعد وہ بھی حضرت ابو بکرؓ کی طرف متوجہ ہوئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ حضرت ابو بکرؓ نہایت نرم مزاج اور ٹھنڈے دل کے آدمی ہیں اس نے کہا۔

خدا کی قسم! وہ یقیناً شاعر ہیں اور میں بھی شاعر ہوں۔ اس لئے جس طرح انہوں نے میری ہجو کی ہے اسی طرح میں ضرور ان کی ہجو میں شعر کہوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ واپس چلی گئی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ سے کہا گیا کہ اس نے واقعی آپ کو بالکل نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا

"وہ مجھے دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔ میرے اور اس کے درمیان ایک آڑ پیدا کر دی گئی تھی۔"

کیونکہ اس وقت آنحضرت ﷺ نے قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا تھا اور یہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وَاِذَا قَرَاتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا الآیہ پ ۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۵ آیت ۴۶

ترجمہ:۔ اور جب آپ قرات پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے درمیان میں ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ام جمیل اپنے ہاتھ میں ہاون دستے کے دو پتھر اٹھائے ہوئے آئی اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھی۔

مذمما ابینا ودینہ قلینا وامرہ عصینا

ترجمہ :۔ مذمم (یعنی برائیوں والے) کی نبوت سے ہم انکار کرتے ہیں اور اس کے لائے ہوئے دین سے سخت نفرت کرتے ہیں اور اس کے ہر حکم سے انکار کرتے ہیں۔

غیبی حفاظت...... پھر اس نے کہا۔

وہ کہاں ہے جس نے میری اور میرے شوہر کی ہجو (یعنی شعر میں بے عزتی) کی ہے۔ خدا کی قسم اگر میں اسے دیکھ لوں تو ہاون دستے کے ان پتھروں سے اس کو ماروں۔"

حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں میں نے اس سے کہا۔

ام جمیل! انہوں نے نہ تمہاری ہجو کی ہے اور نہ تمہارے شوہر کی ہجو کی ہے۔

اس نے کہا

"خدا کی قسم تم جھوٹ بولنے والے نہیں ہو۔ مگر لوگ یہی کہہ رہے ہیں۔"

اس کے بعد وہ واپس جانے کے لئے مڑ گئی۔ تب میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! اس نے واقعی آپ کو نہیں دیکھا۔"

آپ نے فرمایا۔

اس کے اور میرے درمیان حضرت جبرئیلؑ پردہ بن گئے تھے۔"

(ان مختلف روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ) شاید ام جمیل ایک سے زائد مرتبہ آئی تھی لہذا اب ان روایتوں میں اور آگے آنے روایت میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

پیچھے ام جمیل کے جو شعر گزرے ہیں ان میں مذمم کا لفظ گزرا ہے اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ جس طرح حمد یعنی تعریف سے محمد کا لفظ بنا ہے۔ اسی قاعدے کے مطابق ذم یعنی برائی سے مذمم کا لفظ بنا ہے یعنی جیسے محمد کے معنی ہیں جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی اسی طرح مذمم کے معنی ہیں جس کی سب سے زیادہ برائی کی گئی چنانچہ مذمم اسی شخص کو کہا جاتا ہے جس کی بار بار برائی بیان کی گئی ہو۔ جیسا کہ محمد اسی کو کہا جاتا ہے جس کی بار بار تعریف کی گئی ہو۔ (تو گویا ام جمیل نے اپنی نفرت بلکہ اپنی بد بختی کی بناء پر آنحضرت ﷺ کو محمد کے بجائے مذمم کے لفظ سے پکارا تھا)۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

"تمہیں حیرت ہوتی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کی کی ہوئی برائیوں کو کس طرح مجھ پر سے لوٹا دیا۔ وہ لوگ مذمم نامی شخص کی برائیاں بیان کرتے تھے جب کہ میں محمد ہوں (جس کی بڑائی کرنے کا سوال ہی نہیں ہے کیونکہ محمد اسی کو کہتے ہیں جس کی بار بار تعریفیں کی گئی ہوں)۔

کتاب درِ منثور میں ہے کہ ام جمیل آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اس وقت آپ لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے آتے ہی آپ ﷺ سے سوال کیا۔

"اے محمد! تم نے کس بات پر میری ہجو کی ہے؟"

آپ نے فرمایا

"خدا کی قسم! میں نے تمہاری ہجو نہیں کی۔ تمہاری ہجو خود اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔"

اس نے کہا

"تم نے مجھے لکڑیاں اور ایدھن اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے یا میری گردن میں بٹی ہوئی رسی دیکھی ہے۔"

ام جمیل کی صفات...... اسی سے بعض مفسرین کی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حطب یعنی لکڑیوں سے مراد چغلی اور چغل خوری ہے چنانچہ عربی میں کہا جاتا ہے۔

یعنی فلاں میری چغلی کھارہا ہے۔ یہاں چغل خوری اس لئے مراد لی گئی ہے کہ ام جمیل لوگوں کے درمیان چغل خوری کرتی پھرا کرتی تھی اور اپنے شوہر اور دوسرے لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی دشمنی پر اکسانے کے لئے لگائی بجھائی کرتی پھرا کرتی تھی۔ یہ لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے ایسی بے بنیاد باتیں پہنچایا کرتی تھی جس سے وہ لوگ آپ کی دشمنی میں اور زیادہ بھڑک اٹھیں۔

اسی طرح وہی مفسر کہتے ہیں کہ حبل یعنی رسی سے مراد جہنم کی آگ کی مضبوط رسی ہے۔ (سورہ تبت کی آخری آیت میں ام جمیل کی حالت بیان کی گئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ۔ اور دوزخ میں پہنچ کر اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی)۔ حضرت عروہ ابن زبیر سے روایت ہے کہ بٹی ہوئی رسی لوہے کی ایک تپتی ہوئی زنجیر ہوگی جس کا ایک گز ستر گز کے برابر ہوگا (اس کی جہنم میں یہ حالت اور سزا اس لئے ہوگی کہ یہ ام جمیل جنگل سے کانٹے دار لکڑیاں چن کر لایا کرتی تھی اور آنحضرت ﷺ سے اپنی دشمنی کی بناء پر یہ لکڑیاں آپ کے راستے میں بچھادیا کرتی تھی) واللہ اعلم

اسی واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

واعدت حمالته الحطب الفهر
وجائت كانها الورقاء

ثم جائت غضى تقول افى مثلى
من احمد يقال الهجاء

وتولت وما راته ومن اين
برى الشمس مقلته عسمياء

مطلب...... (قرآن پاک میں ابولہب کی بیوی کو حمالتہ الحطب یعنی کانٹوں دار لکڑیاں اٹھانے والی کہا گیا ہے ان شعروں میں اس کو اسی نام سے یاد کیا گیا ہے) قرآن میں اس کو یہ لقب اس لئے دیا گیا کہ وہ لکریاں اکٹھی کیا کرتی تھی اور اپنی کنجوسی اور طبیعت کی پستی اور نیچے پن کی وجہ سے ان کو خود ہی اٹھایا کرتی تھی یا یہ کہ وہ کانٹے دار لکڑیاں چن کر لایا کرتی تھی اور ان کو آنحضرت ﷺ کے راستے میں ڈال دیا کرتی تھی۔ (یہاں اس عورت کے تین وصف ذکر ہوئے ایک کنجوسی دوسرے طبیعت کا نیچ پن اور تیسرے بغض وحسد) ممکن ہے کہ اس میں یہ تینوں ہی باتیں ہوں لیکن (پچھلی سطروں میں اس کا جو سوال گزرا ہے) اس سوال کی روشنی میں دوسرا اور تیسرا وصف ماننے میں تامل ہوتا ہے۔

ان ہی شعروں میں فہر کا لفظ بھی آیا ہے (اسی کے متعلق پیچھے ہاون دستے کا پتھر کہا گیا ہے) یعنی ایسا پتھر جو پورے ہاتھ میں آجائے۔ یہ پتھر وہ آنحضرت ﷺ کے مارنے کے لئے لائی تھی۔ یہ پتھر لئے ہوئے وہ بڑی جلدی جلدی اور تیزی کے ساتھ آئی تھی اور غصے کی زیادتی کی وجہ سے سرخ ہورہی تھی۔ یہ غصہ اسے ان الفاظ

کی وجہ سے تھا جو سورہ تبت یدا ابی لھب میں اس کے متعلق ذکر کئے گئے ہیں۔ چنانچہ وہ یہ کہتی ہوئی آرہی تھی کہ کیا مجھ جیسی معزز عورت کے بارے میں ان الفاظ کے ساتھ ہجو کی گئی ہے اور یہ ہجو کرنے والوں شخص احمد ہے (یعنی وہ خود تو قابل تعریف ہے اور مجھے ذلیل سمجھتا ہے)۔ غرض وہ اس حالت میں اور یہ جملے کہتی ہوئی آئی مگر کیفیت یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ بھی نہیں سکی۔ اور ظاہر ہے اندھی آنکھیں کیسے آپ کا دیدار کر سکتی ہیں۔

ابوسفیان سے فریاد...... اقول۔ مولف کہتے ہیں: کتاب ینبوع حیات میں ہے کہ جب ام جمیل کو سورہ تبت یدا ابی لھب کے متعلق معلوم ہوا تو وہ فوراً" اپنے بھائی ابوسفیان کے پاس غصے میں بھری ہوئی پہنچی اور سے کہنے لگی۔

"اے بہادر۔ تم پر تف ہے! کیا تمہیں اس بات پر غصہ اور ہرک نہیں آتی کہ محمد میری ہجو کرتا ہے۔

ابوسفیان نے یہ سن کر کہا۔

"اس کو میں سمجھوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار اٹھائی اور بڑی تیزی کے ساتھ گھر سے نکلا مگر پھر ذرا ہی دیر بعد واپس آگیا۔ ام جمیل نے دیکھتے ہی پوچھا۔

"کیا تم نے اسے قتل کر دیا؟"

ابوسفیان نے جواب دیا

"بہن! کیا تم یہ دیکھ سکو گی کہ تمہاری بھائی کا سر ایک اژدھے کے منہ میں چلا جائے؟"

ام جمیل نے کہا۔ "خدا کی قسم ہرگز نہیں۔" تب ابوسفیان نے کہا۔

"ابھی ایسا ہی ہو جاتا۔"

(ی) ہوا یہ کہ ابوسفیان نے باہر نکل کر ایک زبردست اژدھا دیکھا (جو اس طرح منہ کھولے ہوئے تھا کہ) اگر وہ آنحضرت ﷺ کے قریب جانے کی کوشش کرتا تو اژدھا ابوسفیان کا سر اپنے منہ میں رکھ لیتا۔

جب سورہ تبت نازل ہوئی تو ابو لہب نے اپنے بیٹے عتبہ سے کہا۔ یہ حضرت عتبہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوگئے تھے جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی۔ ابو لہب نے ان سے کہا۔

"اگر تو نے محمد کی بیٹی کو طلاق نہ دی تو میرا تیرا کوئی واسطہ نہیں!"

عتبہ نے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ سے شادی کرلی تھی مگر ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ عتبہ نے حضرت رقیہ کو جدا کر دیا۔ مگر بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ عتبہ نے مسلمان ہونے کے بعد حضرت رقیہ کو طلاق دی تھی۔ یہ بات قابل غور ہے۔

ابولہب کے بیٹے کی گستاخی...... عتبہ کے بھائی کا نام عتیبہ تھا اس کی شادی آنحضرت ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم سے ہوئی تھی مگر یہ بھی ابھی تک ان کے ساتھ صحبت نہیں کر سکا تھا۔ اس کا ارادہ ملک شام جانے کا تھا۔ جانے سے پہلے اس نے کہا۔

"میں پہلے محمد ﷺ کے پاس جاؤں گا اور ان کو اپنے رب کے معاملے میں ستاؤں گا۔"

پھر یہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

اے محمد! وہ غروب ہونے والے ستارے کے ساتھ کفر کرنے والوں میں سے ہے اور اس فرشتے کی

ساتھ بھی جو قریب سے قریب تر آیا۔"

آنحضرت ﷺ کی بد دعا...... پھر اس بدبخت نے آنحضرت ﷺ کے منہ پر تھوکا اور آپ کی صاحبزادی کو طلاق دے کر واپس کر دیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے اس کے حق میں بد دعا فرمائی کہ

"اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط فرمادے۔"

اس وقت ابو طالب بھی وہاں موجود تھے وہ حضرت ام کلثوم کے لئے بہت غمگین اور رنجیدہ ہوئے انہوں نے عتیبہ سے کہا۔

"بھتیجے! تم اس بد دعا سے بچ نہیں سکتے!"

ابو لہب کا خوف اور عتیبہ کا انجام...... عتیبہ وہاں سے واپس اپنے باپ ابو لہب کے پاس پہنچا اور اس کو سارا حال سنایا۔ اس کے بعد یہ دونوں باپ بیٹے ایک جماعت کے ساتھ ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ راستے میں یہ لوگ ایک جگہ ٹھہرے۔ وہاں قریب میں ایک راہب کی عبادت گاہ تھی۔ راہب ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"اس علاقے میں جنگلی درندے رہتے ہیں۔"

یہ سن کر ابو لہب (کے دل میں کھٹک ہو گئی اور اس) نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"تم لوگوں کو میری حیثیت اور اپنے اوپر میرا حق معلوم ہے۔"

انہوں نے کہا بے شک۔ تب ابو لہب نے کہا

"بس تو اے گروہ قریش! آج رات ہم دونوں کی مدد کرو۔ کیونکہ مجھے محمد کی بد دعا سے اپنے بیٹے کے متعلق ڈر ہے اس لئے تم لوگ اپنا سامان اس عبادت گاہ کی طرف رکھ کر اس پر تو میرے بیٹے کا بستر لگادو اور اس کے چاروں طرف تم لوگ اپنے اپنے بستر کر لو۔"

ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور پھر اپنے اونٹوں کو اپنے چاروں طرف کر کے بٹھادیا اور اس طرح عتیبہ کی پاسبانی کرنے لگے۔ مگر آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور) اچانک رات میں ایک شیر وہاں آیا اور پڑے لوگوں کو سونگھنے لگا یہاں تک کہ وہ عتیبہ کے پاس پہنچا اور اس کو پھاڑ ڈالا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ شیر نے عتیبہ کا سر پھاڑ دیا۔ ایک روایت یوں ہے کہ شیر نے عتیبہ کے پاس پہنچ کر اپنی دم اٹھائی اور اس پر چھلانگ لگا کر پوری طاقت سے عتیبہ کے اپنی دم ماری جس سے اس کی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئے اور وہ اسی جگہ ختم ہو گیا۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ شیر نے عتیبہ کو بھنبھوڑ ڈالا۔ عتیبہ نے اپنی آخری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ محمد اپنے لہجے میں تمام انسانوں سے زیادہ سچے ہیں۔!"

اتنا کہہ کر وہ مر گیا۔ تب اس کے باپ ابو لہب نے کہا۔

"میں سمجھ گیا تھا کہ خدا کی قسم محمد کی بد دعا سے چھٹکارا نہیں ملے گا!"

اقول! مولف کہتے ہیں: پچھلی سطروں میں عتیبہ کی جو قسم گزری ہے کہ اس نے ستاروں کے نام پر قسم کھائی ۔۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ معراج کے بعد کا ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ جعفر صادق کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ ایک مرتبہ ان سے کسی نے کہا۔

"وہ فلاں شخص کوفے میں لوگوں کے سامنے آپ لوگوں یعنی آنحضرت ﷺ کے خاندان والوں کی ہجو

کرتا پھرتا ہے۔"

جعفر صادق نے اس بتانے والے سے پوچھا کہ کیا۔ تمہیں اس کا کوئی ایسا شعر یاد ہے۔ اس نے کہا ہاں !وہ یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

صلبنا کموا زيدا اعلى راس نخلته
ولم ار مهديا على الجدع يصلب

ترجمہ :۔اے زید ہم نے تجھے کھجور کے تنے پر سولی دی۔ ہم نے آج تک یہ نہیں دیکھا تھا کہ مہدیت کا دعویٰ کرنے والے کو سولی دی گئی ہو۔

وقستم بعثمان عليا سماهته
وعثمان خير من على واطيب

ترجمہ :۔اور تم نے اپنی بیوقوفی سے عثمان کو علی کا ہمسر سمجھا حالانکہ عثمان علی کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر اور اچھے ہیں۔

یہ سن کر حضرت جعفر نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا۔

"اے اللہ !اگر وہ شخص جھوٹا ہے تو اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا (یعنی درندہ) مسلط فرمادے۔"

اس کے بعد ایک روز یہ ہجو کرنے والا شخص کہیں جارہا تھا کہ اچانک ایک شیر نے اس کو پھاڑ ڈالا۔

یہاں دونوں واقعوں میں دعا کے الفاظ میں شیر کو کتا کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کتا ایک چیز میں شیر سے مشابہت رکھتا ہے کہ وہ بھی ٹانگ اٹھا کر پیشاب کرتا ہے (چنانچہ اسی مشابہت کی وجہ سے شیر کو کتا کہہ دیا جاتا ہے اور) اسی بناء پر ایک قول ہے کہ اصحاب کہف کا کتا شیر تھا۔

اس بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اصل میں اصحاب کہف کے ساتھ کوئی کتا نہیں تھا بلکہ ان میں سے ایک شخص ان کی نگرانی کے لئے غار کے دہانے پر رات بھر بیٹھا رہا تھا۔ اب چونکہ وہ تمام رات مسلسل نگرانی کرتا رہا اور اپنے دونوں ہاتھ زمین پر پھیلائے بیٹھا رہا جو کتے کی صفت ہے اس لئے اسی کو کتا کہہ دیا گیا۔ مگر ایک حدیث میں آتا ہے کہ

"جنت میں سوائے اصحاب کہف کے کتے کے اور عزیز مصر کے گدھے اور صالحؑ کی اونٹنی کے کوئی جانور نہیں ہوگا۔" واللہ اعلم۔

<u>آنحضرت ﷺ پر اوجھڑی ڈالنے کا واقعہ</u>......اسی طرح آنحضرت ﷺ کو کفار کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچائی گئیں ان میں سے ایک وقعہ یہ ہے کہ جس کو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسجد حرام میں تھے اس وقت آپ نماز میں مشغول تھے وہاں کچھ جانور ذبح کئے گئے تھے جن کی اوجھڑی ابھی تک پڑی ہوئی تھی۔ اس وقت ابوجہل نے کہا۔

"کیا کوئی شخص ہے جو اس گندگی کو اٹھا کر محمد کے اوپر ڈال دے ؟"

ایک روایت میں ہے کہ کسی نے کہا۔

"کیا تم یہ منظر نہیں دیکھ رہے ہو۔ !تم میں سے کون ہے جو وہاں جائے جہاں بنی فلاں کے جانور ذبح کئے گئے ہیں اور ان کا گوبر، لید اور خون اور اوجھڑی، وہاں پڑی ہوئی ہیں۔ کوئی شخص وہاں جاکر وہ گندگی اٹھا لائے اور محمد کی سجدے میں جانے کا انتظار کرے پھر جیسے ہی وہ سجدہ کریں وہ شخص یہ گندگی ان کی پشت پر

کندھوں کے درمیان رکھ دے!"

ایک روایت میں ہے کہ

"تم میں سے کون ہے جو ان جانوروں کی اوجھڑیاں اٹھا لائے جو بنی فلاں کے ہاں دو تین دن پہلے ذبح ہوئے تھے اور ان کو لاکر اس وقت محمد کی گردن پر رکھ دے جب وہ سجدے میں ہوں۔"

اسی وقت مشرکوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوا۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ۔ جو پوری قوم میں سب سے زیادہ بدبخت تھا یعنی عقبہ ابن ابو معیط یہ جاکر وہ اوجھڑیاں اٹھا کر لایا اور جب آنحضرت ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے یہ اوجھڑی آپ کے اوپر ڈال دی۔ اس پر سب مشرکین زور زور سے ہنسنے لگے یہاں تک کہ ہنسی سے بے حال ہو کر ایک دوسرے پر گرنے لگے۔

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم یعنی صحابہ اس گندگی کو آپ کی پیٹھ پر سے اٹھا کر پھینکنے سے ڈر رہے تھے۔ ایک روایت کے مطابق ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا کہ کاش کوئی میری حفاظت کا ذمہ لے لے تاکہ میں اس گندگی کو آپ کے جسم مبارک سے اٹھا کر پھینک دوں۔ اسی وقت کسی نے جاکر آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو اس واقعہ کی اطلاع کر دی۔ وہ فوراً حرم میں آئیں۔ آنحضرت ﷺ اس وقت تک سجدے میں سر رکھے ہوئے تھے اور یہ گندگی آپ کے مونڈھوں پر پڑی ہوئی تھی۔ حضرت فاطمہ نے آکر اس کو اٹھا کر پھینکا۔

گستاخان نبوت کو پروانہ سزا...... ہمارے یعنی شافعی فقہاء کے نزدیک آنحضرت ﷺ کا اس وقت نماز کی حالت میں باقی رہنا اس لئے تھا کہ آپ کو اس کی خبر ہی نہیں تھی کہ اپ کے اوپر گندگی ڈال دی گئی ہے۔ حضرت فاطمہؓ اس گندگی کو اٹھا کر پھینکنے کے بعد مشرکوں کی طرف مڑیں اور ان کو برا بھلا کہنے لگیں۔ ادھر آنحضرت ﷺ سجدے سے اٹھ کر نماز کی حالت میں کھڑے ہو گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے سنا کہ اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھا۔

"اے اللہ! بنی مضر کو اپنی زبردست سزا دے اور ان پر ایسا قحط نازل فرما جیسا کہ یوسفؑ کے زمانے میں نازل ہوا تھا۔ اے اللہ! ابو الحکم ابن ہشام یعنی ابو جہل، عقبہ ابن بریعہ، عقبہ ابن ابو معیط اور امیہ ابن خلف۔ نیز بعض علماء کے مطابق۔ شیبہ ابن ابو ربیعہ، ولید ابن عتبہ اور عمارہ ابن ولید کو اپنی سزاامیں جکڑ لے۔"

یہاں ولید ابن عتبہ کے نام کا بعض علماء نے انکار کیا ہے اس لئے کہ وہ اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ یا یہ کہ اس وقت وہ بہت کم عمر تھا۔ ان لوگوں میں عمارہ ابن ولید کا نام بھی آیا ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس کو قریش نے آنحضرت ﷺ کے بدلے میں ابو طالب کو پیش کرنا چاہا تھا جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ اقول۔ مولف کہتے ہیں: کتاب مواہب میں یہ الفاظ ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے نماز پوری کر لی تب آپ نے دعا مانگی اور فرمایا۔

"اے اللہ! تو قریش کو ضرور سزا دے۔"

اس کے بعد آپ نے قریشی شریروں کے نام لینے شروع کئے اور اس طرح ان کے حق میں بددعا فرمائی۔

"اے اللہ! تو عمر و ابن ہشام کو سزا دے۔" وغیرہ وغیرہ جیسا کہ گذشتہ حدیث میں بیان ہوا۔

کتاب امتاع میں یہ ہے کہ جب آپ نے نماز پوری فرمالی تو آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور ان لوگوں

کے حق میں بد دعا فرمائی۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ جب آپ دعا مانگا کرتے تھے تو تین مرتبہ دہرایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اس طرح فرمایا۔

"اے اللہ! تو قریش کو ضرور سزا دے۔ اے اللہ! تو قریش کو ضرور سزا دے۔ اے اللہ! تو قریش کو ضرور سزا دے۔"

اب جب کہ قریش کے ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی یہ بد دعا سنی تو ان کی ہنسی کافور ہو گئی اور وہ آپ کی بد دعا کی وجہ سے دہشت زدہ ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے ابو جہل وغیرہ کے نام لے کر بد دعا فرمائی۔

کتاب امتاع میں ہی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نے بد دعا دی تھی۔

"خدا کی قسم آنحضرت ﷺ نے جن جن قریشیوں کا اس وقت نام لیا تھا میں نے ان کو غزوہ بدر میں خاک اور خون میں لتھڑا ہوا اور مردہ دیکھا اور پھر ان سب کی لاشوں کو میدان بدر کے گڑھے میں بھر کر دبا دیا گیا۔"

حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ (یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ سب میدان بدر میں قتل ہوئے کیونکہ) ان میں سے عمارہ ابن ولید کفر کی حالت میں حبشہ کے ملک میں مرا ہے۔ جیسا کہ یہ بات پیچھے بھی بیان ہو چکی ہے اور آگے بھی اس کا واقعہ آئے گا۔ ادھر عقبہ ابن معیط بھی غزوہ بدر میں قتل نہیں ہوا بلکہ وہاں اس کو قیدی بنایا گیا تھا اور پھر عرق طبیہ میں یہ قتل ہوا جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ اسی طرح امیہ ابن خلف کو میدان بدر کے گڑھے میں نہیں ڈالا گیا تھا۔

اس اعتراض کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا یہ کہنے سے مطلب یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں میں سے اکثر کو غزوہ بدر میں خاک اور خون میں لتھڑا ہوا دیکھا۔

(جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ نے یہ بد دعا نماز کے دوران فرمائی تھی یا نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمائی کیونکہ اس بارے میں روایتوں کے مختلف الفاظ گزرے ہیں تو) اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ آپ نے نماز کے دوران بھی یہ الفاظ ادا فرمائے ہوں اور نماز کے بعد بھی۔ واللہ اعلم۔

<u>مشرکین مکہ قحط کی گرفت میں</u>...... جہاں تک آپ کی اس بد دعا کا تعلق ہے کہ قریش کو ایسے ہی قحط میں گرفتار فرما جیسا کہ قحط یوسفؑ کے زمانے میں ہوا تھا۔ تو آپ کی یہ بد دعا بھی رنگ لائی اور قریشی لوگ ایسے زبردست قحط اور خشک سالی میں مبتلا ہوئے کہ بھوک کی وجہ سے ان لوگوں نے بال، چمڑا، ہڈیاں، خون اور گند تک کھالی۔ یعنی اونٹ کے بالوں کو خون میں ملا کر اور آگ پر پکا کر کھایا لوگوں کا بھوک سے یہ عالم ہو گیا کہ انہیں آسمان و زمین دھواں ہی دھواں نظر آتی تھیں۔

<u>کفار کی آنحضرت ﷺ سے امداد خواہی</u>...... آخر یہ کافر اور مشرکین مکہ تنگ آکر آنحضرت ﷺ کے پاس ہی حاضر ہوئے ان میں ابو سفیان بھی تھے۔ ان لوگوں نے آپ سے عرض کیا۔

"اے محمد! تم دعویٰ کرتے ہو کہ تم دنیا میں رحمت بنا کر بھیجے گئے ہو۔ تمہاری قوم کا یہ حال ہے کہ لوگ تباہ و برباد ہو رہے ہیں اس لئے ان کے واسطے دعا کرو۔"

آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی جس کا اثر یہ ہوا کہ فوراً ہی گھٹا گھر کر آئی اور اتنا پانی برسا کہ لوگ پریشان ہو گئے اور دعا کرنے لگے۔

"اے اللہ! ہمارے چاروں طرف کے علاقوں پر پانی برسا ہم پر نہیں۔"

آخر اس کے بعد بادل چھٹے اور پانی رکا۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ان لوگوں نے کہا۔

"اے اللہ! ہم پر سے عذاب کو دور فرمادے۔ ہم ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ یعنی اب اپنی پچھلی حالت پر نہیں لوٹیں گے۔"

مگر جب ان کی مصیبت دور ہو گئی تو وہ پھر اسی حالت پر لوٹ گئے۔

آنحضرت ﷺ کی دعا کے اوقات...... اس روایت میں یہ اشکال ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے بعد کا ہے۔ چنانچہ آگے آئے گا کہ مدینے میں آنحضرت ﷺ ایک مہینے تک اس طرح دعا فرمایا کرتے تھے کہ جب آپ دوسری رکعت کے رکوع سے سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر کھڑے ہوتے تو یہ دعا فرماتے۔

اے اللہ! ولید ابن ولید، سلمہ ابن ہشام، عیاش ابن ربیعہ اور دوسرے کمزور مسلمان جو مکے میں ہیں ان کو نجات عطا فرمایا۔ اے اللہ! بنی مضر کو اپنی زبردست سزا دے۔ اے اللہ! ان پر ایسا ہی زبردست قحط مسلط فرما جیسا یوسفؑ کے زمانے میں ہوا تھا۔"

اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ عشا کی نماز کی آخری رکعت کے رکوع سے اٹھنے کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اس روایت میں جو شبہ ہے اس کا بھی آگے ذکر آئے گا۔ بہر حال اس اعتراض کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ یہ ماننے میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ دعا مانگنے کا یہ واقعہ ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد دونوں وقتوں میں پیش ایا ہو۔ اس بارے میں تفصیلی بحث آگے آئے گی۔ خصائص صغری میں جو کچھ ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان کا واقعہ ہجرت کے بعد کا ہے۔ مگر ممکن ہے یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہو۔ چنانچہ آگے بیان آئے گا کہ جب ثمامہ نے قریش پر یمن سے غلہ لانے کی پابندی لگادی تو ان کو ایسے ہی قحط کے سے حالات سے دوچار ہونا پڑا (اور یہ ہجرت کے بعد کی بات ہے) چنانچہ انہوں نے اس پریشانی کا حال آنحضرت ﷺ کو لکھا۔

بخاری میں یہ ہے کہ جب قریش نے آنحضرت ﷺ کی نافرمانی کی تو آپ نے یہ بددعا فرمائی کہ ان پر حضرت یوسفؑ کے زمانے جیسا قحط مسلط ہو۔ چنانچہ سات سال تک ایسا قحط پڑا کہ بالکل بارش نہیں ہوئی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب مشرکوں نے اسلام کے معاملے میں آنحضرت ﷺ کو تکلیفیں پہنچائیں تو آپ نے یہ دعا فرمائی۔ کہ اے اللہ! ان پر سات سال تک اسی طرح خشک سالی مسلط فرما جیسی یوسفؑ کے زمانے میں سات سال تک خشک سالی رہی تھی۔ اس کے نتیجہ میں ایسا زبردست قحط اور تنگی کا وقت ان پر پڑا کہ انہوں نے ہڈیاں تک کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی۔ لوگ پانی کی آس میں آسمان کی طرف دیکھتے تو انہیں دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا۔ آخر ابوسفیان آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بنی مضر کے لئے پانی کی دعا فرمایئے لوگ ہلاک ہوگئے۔ آپ نے دعا فرمائی تو پانی برسا اور سیرابی حاصل ہوئی مگر جب انہیں اطمینان حاصل ہو گیا تو وہ پھر اپنی پرانی حالت پر لوٹ آئے تب اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ لآیہ ۱۶ پ ۲۵ سورہ دخان ع ۱

ترجمہ:۔ جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے اس روز ہم پورا بدلہ لیں گے۔

مسلسل ایذارسانیاں...... اسی طرح ایک واقع ہے جس کو حضرت عثمان غنیؓ نے بیان فرمایا ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ طواف فرمارہے تھے اس وقت آپ کا ہاتھ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں تھا اور حجر اسود کے پاس

تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے ایک عقبہ ابن ابو معیط، دوسرا ابو جہل ابن ہشام اور تیسرا امیہ ابن خلف۔ جب آنحضرت ﷺ حجر اسود کے پاس سے گزرے اور ان لوگوں کے قریب آئے تو ان تینوں نے اونچی آواز سے ایسی باتیں کہیں جن سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف پہنچی یہاں تک کہ آپ کے چہرہ مبارک سے کبیدگی اور تکدر کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ حضرت عثمان کہتے ہیں کہ میں فوراً آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچا اور آپ کے دوسری جانب آکر آپ کو اپنے اور ابو بکر کے درمیان میں لے لیا۔ آپ نے اپنے دوسرے ہاتھ کی انگلیاں میری انگلیوں میں ڈال دیں اور اس طرح اب ہم تینوں طواف کرنے لگے۔ اس پھیرے میں جب آنحضرت ﷺ ان تینوں کے پاس سے گزرے تو ابو جہل نے کہا۔

"تم اگر ہمیں ان معبودوں کی عبادت کرنے سے روکتے رہے جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں تو جب تک دریائے صوفہ میں پانی کا ایک قطرہ بھی باقی ہے ہم تم سے صلح نہیں کر سکتے۔"

یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ میرا بھی یہی حال ہے۔ اور آپ وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ پھر آپ کے تیسرے پھیرے میں بھی ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ جب آپ چوتھے پھیرے میں ان کے قریب سے گزرے تو یہ تینوں ایک دم کھڑے ہو کر آپ کی طرف جھپٹے۔ ابو جہل نے ایک دم جھپٹ کر آپ کے کپڑے پکڑ کر کھینچنے چاہے تو میں نے اس کے سینے پر گھونسہ مار کر اس کو پیچھے دھکیلا جس سے وہ کولہوں کے بل زمین پر گرا۔ دوسری طرف سے حضرت ابو بکرؓ نے امیہ ابن خلف کو دھکیلا اور تیسری طرف خود آنحضرت ﷺ نے عقبہ بن ابو معیط کو ڈھکیلا۔ آخر یہ لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے جبکہ آنحضرت ﷺ وہیں کھڑے ہو گئے۔ آپ نے پھر فرمایا۔

"تم لوگ خدا کی قسم اس وقت تک نہیں رو گے جب تک کہ خدا کی طرف سے اس کی سزا نہیں بھگت لو گے!"

یعنی جلد ہی تم ان حرکتوں کے لئے سزا بھگتو گے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں۔

"خدا کی قسم! یہ الفاظ سن کر ان تینوں میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو خوف کی وجہ سے کانپنے نہ لگا ہو۔"

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"تم لوگ اپنے نبی کے لئے بہت برے ثابت ہوئے!"

یہ فرما کر آپ اپنے گھر کی طرف لوٹ گئے اور ہم آپ کے پیچھے پیچھے چلے۔ جب آپ اپنے مکان کے دروازے پر پہنچے تو اچانک آپ ہماری طرف مڑے اور فرمایا۔

"تم لوگ غم نہ کرو کیونکہ اللہ عزو جل خود اپنے دین کو پھیلانے والا، اپنے کلمے کو پورا کرنے والا اور اپنے نبی کی مدد فرمانے والا ہے۔ یہ لوگ جن کو تم دیکھ رہے ہو وہ ہیں جن کو بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں ذبح کرائے گا۔"

اس کے بعد ہم لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور پھر خدا کی قسم غزوہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو واقعی ہمارے ہی ہاتھوں ذبح کرایا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: پیچھے ذکر ہوا ہے کہ عقبہ ابن معیط غزوہ بدر کے دن قتل نہیں ہوا بلکہ گرفتار ہوا تھا اور پھر عرق ظبیہ میں قتل ہوا تھا جبکہ مجاہدین میدان بدر سے لوٹ رہے تھے۔ اسی طرح اس میں

اشکال یہ ہو سکتا ہے کہ غزوہ بدر میں حضرت عثمان شریک نہیں تھے مگر ان باتوں کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کے گذشتہ قول میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا (کیونکہ بدر کے دن قتل ہونے سے یہ ضروری نہیں کہ عین لڑائی کے دوران قتل ہوا ہو۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کا یہ کہنا کہ ہمارے ہاتھوں ذبح ہوئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں یہ لوگ ذبح ہوئے۔) واللہ اعلم۔

عقبہ ابن معیط کی بد بختی...... ایک روایت یہ ہے کہ عقبہ ابن معیط نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی گردن مبارک پر پاؤں رکھ کر دبایا تھا جبکہ آپ سجدے میں تھے اور اتنے زور سے دبایا تھا کہ آپ کی آنکھیں ابلنے لگی تھیں (۔ی) ایک روایت میں ہے کہ ایک روز عقبہ ابن معیط حجر اسود کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ اس بد بخت نے اپنی چادر اتار کر آپ کی گردن میں ڈالی اور کپڑے کو اینٹھ کر گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ فوراً آئے اور انہوں نے عقبہ کے مونڈھے پکڑ کر اسے آنحضرت ﷺ کے پاس سے ڈھکیلا ساتھ ہی حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔

"کیا تم لوگ اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے! اور جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی نشانیاں لے کر آیا ہے!"

بخاری شریف میں حضرت عروہ ابن زبیر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرو ابن عاص سے پوچھا۔

"مجھے بتلایئے کہ مشرکین کی طرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ بدترین اور سخت سلوک کیا تھا۔"

تو حضرت ابن عاص نے یہی واقعہ بتلایا کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کعبے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ عقبہ ابن معیط آیا اور اس نے آپ کی گردن میں کپڑا ڈال کر اس سے پوری طاقت کے ساتھ آپ کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ اسی وقت حضرت ابو بکرؓ نے اسے دھکیل کر وہاں سے ہٹایا۔

اب غالباً حضرت عمرو ابن عاص نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ سخت معاملہ یہی دیکھا یا سنا ہوگا اسلئے یہ ان ہی کے لحاظ سے ہے (ورنہ آپ کے ساتھ کفار مکہ نے اس سے بھی زیادہ سخت برتاؤ کئے ہیں)۔

آنحضرت ﷺ کی صداقت پر قریش کے یقین کی ایک مثال...... حضرت عروہ سے ہی روایت ہے کہ قریش کو جتنی دشمنی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھی میں نے اتنی کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھی۔ ایک مرتبہ میں قریش کے درمیان موجود تھا۔ اس وقت قریش کے تمام بڑے بڑے سردار اور معزز لوگ موجود تھے۔ یہ سب حجر اسود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ لوگ کہنے لگے۔

"جتنا صبر اور برداشت کا معاملہ ہم نے اس شخص یعنی آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا ہے اتنا آج تک کسی کے ساتھ نہیں کیا تھا حالانکہ یہ ہمیں بے وقوف بتاتا ہے، ہمارے باپ دادا کو گالیاں دیتا ہے اور ہمارے دین میں عیب ڈالیا ہے، اس نے ہم لوگوں میں پھوٹ ڈال دی اور ہمارے معبودوں تک کو برا بھلا کہا۔ ہم نے اتنے بڑے معاملے میں بھی صبر کی حد کر دی۔"

ابھی یہ لوگ یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ چلتے ہوئے حجر اسود تک آئے اور آپ نے اس کو چھوا اور اس کے بعد آپ طواف کرنے لگے۔ جب آپ طواف کے دوران ان لوگوں کے قریب سے گزرے تو انہوں نے آپ پر پھبتیاں اور آوازے کسے۔ آپ کو ان کے الفاظ سے اتنی

تکلیف پہنچی کہ آپ کے چہرہ مبارک سے اس کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ آپ کے دوسرے اور تیسرے پھیرے میں بھی یہی ہوا۔ آخر آپ ان کے سامنے ٹھہرے اور آپ نے فرمایا۔

"اے گروہ قریش سن لو! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں تمہارے قتل کا پیغام لے کر آیا ہوں۔"

یہ سن کر وہ لوگ خوف کی وجہ سے کانپنے لگے اور ایسا لگتا تھا جیسے ان میں سے ہر ایک کو اپنی موت اپنے سر پر نظر آنے لگی۔ آخر انہوں نے کہا۔

"اے ابوالقاسم! جاؤ خدا کی قسم تم نادان نہیں ہو!۔"

آنحضرت ﷺ کے ساتھ بد سلوکی...... آنحضرت ﷺ وہاں سے ہٹ گئے۔ اگلے دن وہ لوگ پھر حجر اسود کے پاس جمع ہوئے۔ میں بھی ان میں موجود تھا وہ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

"دیکھ لو تم نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے اور اس نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے۔ تمہارا تو یہ حال ہے کہ جب اس نے تمہیں ان باتوں کے لئے کہا جن سے تمہیں نفرت ہے تم نے اس وقت بھی اس کو چھوڑ دیا۔"

ابھی وہ لوگ یہی باتیں کر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ وہاں تشریف لے آئے۔ آپ کو دیکھتے ہی یہ ایک ساتھ اچھل کر آپ کی طرف بڑھے اور آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ یہ لوگ یہ کہتے جاتے تھے۔

"یہ تم ہی ہو جو فلاں فلاں بات کہتے ہو۔ یعنی معبودوں اور دین کو برا بھلا کہتے ہو!"

آپ نے فرمایا۔

"ہاں۔ یہ میں ہی ہوں جو یہ باتیں کہتا ہوں۔"

یہ سن کر ان میں سے ایک شخص نے آپ کی چادر پکڑ کر جھٹکا دیا۔ اسی وقت حضرت ابو بکرؓ آپ کو بچانے کے لئے بڑھے اور روتے ہوئے انہوں نے وہی بات کہی کہ کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ یہ سن کر اس شخص نے آپ کو چھوڑ دیا اور ان لوگوں کے دلوں میں آپ کی ایسی ہیبت بیٹھی کہ وہ سب فوراً وہاں سے چلے گئے۔

حضرت عروہ یہ واقعہ بیان کر کے کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کفار کے جو سخت اور برے سلوک دیکھے ان میں شاید یہ سب سے زیادہ سخت تھا۔

اسی واقعہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک دم گھیر کر آپ سے کہا۔

"کیا تم وہی نہیں ہو جو ہمارے معبودوں کے بارے میں ایسی ویسی باتیں کہتے ہو۔"

آپ نے فرمایا۔ بے شک۔ یہ سن کر ان سب نے آپ پر یلغار کی اسی وقت کسی نے حضرت ابو بکرؓ سے جا کر کہا کہ اپنے دوست کی خبر لو۔ حضرت ابو بکر فوراً گھر سے نکل کر حرم میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ مشرکین آپ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ تب انہوں نے آکر وہی بات کہی جو اوپر ذکر ہوئی۔ اس پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کو چھوڑ دیا اور سب حضرت ابو بکرؓ پر چڑھ دوڑے اور ان کو مارنے لگے۔ حضرت ابو بکرؓ کی بیٹی اسماء کہتی ہیں کہ جب وہ ہمارے پاس واپس ہوئے تو اپنے بدن کے جس روئیں کو بھی چھوتے تھے تو اس میں سے یہ آواز آتی تھی۔

تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام۔

ترجمہ :۔ یعنی بڑا بابرکت نام ہے آپ کے رب کا جو عظمت والا اور احسان والا ہے۔

ایذاء رسانی کا ایک اور واقعہ...... ایک روایت میں ہے کہ اس وقت ان مشرکوں نے آنحضرت ﷺ کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ کر اتنے زور سے کھینچے کہ آپ کے اکثر بال اکھڑ گئے۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ آپ کو بچاتے جاتے تھے اور وہی جملہ کہتے جاتے تھے۔ تب آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ابو بکر! ان کے ساتھ مت الجھو خدا کی قسم میں ان کے قتل کا پیغام لے کر آیا ہوں۔"

حضرت فاطمہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ قریش کے مشرکین حجر اسود کے پاس جمع ہوئے اور انہوں نے کہا۔

"جب محمد یہاں سے گزریں تو ہم میں سے ہر ایک اٹھ کر ایک ایک ہاتھ ان کے مارے۔"

میں نے یہ بات سن لی میں فوراً اپنے والد یعنی آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اور آپ سے یہ بات بتلائی (۔ ی) انہوں نے کہا۔

"میں قریش کے مجمع کو اس حال میں چھوڑ کر آرہی ہوں کہ انہوں نے حجر اسود کے پاس بیٹھ کر لات و عزیٰ، منات اور اساف اور نائلہ بتوں کے نام پر قسم کھا کر عہد کیا ہے کہ جیسے ہی وہ آپ کو دیکھیں گے۔ آپ کی طرف جھپٹیں گے اور تلواروں سے آپ کو ختم کر دیں گے۔"

آپ نے یہ سن کر فرمایا۔

"بیٹی! چپ ہو جاؤ۔ اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ مت روؤ۔!"

اتنا کہہ کر آپ نے وضو کی اور گھر سے نکل کر مسجد حرام میں قریش کے سامنے پہنچ گئے۔ ان لوگوں نے سر اٹھا کر آپ کو دیکھا اور پھر گردن جھکالی۔ آپ نے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور ان کی طرف پھینک کر فرمایا۔

"یہ چہرے برے گئے!"

اس مٹی کے ذرے ان میں سے جس کے چہرے پر پڑے وہ غزوہ بدر میں قتل ہوا۔

آنحضرت ﷺ کے برابر میں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان میں ابولہب اور مروان کے باپ حکم بن ابو العاص اور عقبہ ابن معیط تھے یہ لوگ آنحضرت ﷺ کو تکلیف پہنچانے کے لئے آپ پر کنکر پتھر اچھال رہے تھے جب بھی یہ آپ پر کچھ پھینکتے آپ اس کو ہاتھ میں پکڑ لیتے۔ اس کے بعد آپ وہاں سے نکل کر گھر تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر آپ نے پکارا۔ اے بنی عبد مناف۔ یہ کیسا پڑوس کا حق ہے! اور اس کے بعد آپ نے وہ پتھر پھینک دیا۔ ان تینوں آدمیوں میں جن کے نام ذکر کئے گئے صرف حکم ابن ابو العاص مسلمان ہوئے۔ ان کے اسلام میں کچھ شبہ ہے اور یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ سے رج طائف کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ آگے اس واقعہ کا سبب بھی بیان ہو گا۔

مشرکوں کا گستاخانہ سلوک آنحضرت ﷺ کی عظمت کی دلیل تھا...... قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے آنحضرت ﷺ کو تکلیفیں پہنچائے جانے اور توہین آمیز سلوک کے ان واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ان باتوں سے آنحضرت ﷺ کی شان گھٹتی تھی۔ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ باتیں آپ کی عظمت و بلندی اور رفعت و شان کی دلیل تھیں کیونکہ آپ ان پر صبر فرماتے اور دشمنوں سے بردباری اور رواداری کا معاملہ فرماتے، آپ ان سختیوں اور تکلیفوں کو برداشت فرماتے حالانکہ آپ

جانتے تھے کہ آپ کی دعائیں فوراً قبول ہو سکتی ہیں اور آپ کے کہے ہوئے جملے اللہ تعالیٰ کے یہاں اثر رکھنے والے ہیں (مگر تکلیفیں سہنا انبیاء کی شان رہی ہے) چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

"سب سے زیادہ جو لوگ سختیاں جھیلتے ہیں وہ پیغمبر ہیں اور یہ پچھلے نبیوں کی سنت ہے۔"

قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے ان شعروں کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

لاتخل جانب النبی مضاما
حین مسته منهم الاسواء
کل امر ناب النبیین فالشده
فیه محموده و الرخاء
لویمس النضار هو من النار
لما اختیر للنضارا لصلاء

مطلب...... یہ بات نہ سوچی جائے کہ آنحضرت ﷺ کو جو بھی تکلیفیں اور توہین آمیز باتیں مشرکین مکہ سے پہنچیں وہ آپ کے لئے توہین تھیں اس لئے کہ تمام نبیوں کو اپنے عظیم مقاصد کے حاصل کرنے میں اس قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے لہٰذا ایک عظیم مقصد کے لئے جو بھی سختی در پیش آئے گی وہ قابل تعریف ہو گی کیونکہ اس سے درجات بلند ہوں گے اور جو تنگی پیش آئے گی وہ بھی خوش آئند ہو گی اس لئے کہ سونے کو آگ پر تپانے سے وہ جلتا نہیں بلکہ اس کی چمک دمک اور بڑھتی ہے۔ لہٰذا تمام انبیاء کی مثال سونے کی سی ہے اور ان کی جو سختیاں پیش آتی ہیں ان کی مثال آگ کی سی ہے جس پر رکھ کر سونے کو کندن بنایا جاتا ہے کیونکہ اس عمل سے سونے کی جلا اور چمک بڑھتی ہی ہے اسی طرح یہ تمام سختیاں انبیاء کے درجات بلند ہونے کی دلیل ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ کا جذبہ اسلام اور ان پر مظالم...... (قال) حضرت ابو بکرؓ کو جن تکلیفوں اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا ان میں سے ایک یہ واقعہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ دار ارقم میں تشریف لے گئے تاکہ وہاں آپ اور آپ کے صحابہ چھپ چھپ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں تو اس وقت مسلمانوں کی تعداد اڑتیس تھی۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ پر اصرار کیا کہ مسجد حرام میں تشریف لے چلئے (تاکہ وہاں نماز پڑھیں) آپ نے جواب میں فرمایا۔

"ابو بکر! ہم لوگ تھوڑے سے ہیں۔"

مگر حضرت ابو بکرؓ اصرار کرتے رہے۔ آخر آنحضرت ﷺ اپنے تمام صحابہ کے ساتھ مسجد حرام میں تشریف لائے وہاں حضرت ابو بکرؓ نے کھڑے ہو کر لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اس وقت آنحضرت ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔ خطبہ میں حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کا کلمہ قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس طرح حضرت ابو بکرؓ اس امت میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے مجمع میں کھڑے ہو کر اس طرح تبلیغی تقریر فرمائی۔

بنی تیم حضرت ابو بکرؓ کی امداد پر...... اسی وقت مشرکین حضرت ابو بکرؓ اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کو مارنے لگے۔ مشرکین نے حضرت ابو بکرؓ کو بے انتہا مارا۔ ان کو لاتیں ماری گئیں اور بے حد مار پیٹ کی گئی۔ عقبہ ابن ربیعہ حضرت ابو بکرؓ کو اپنے جوتوں سے مار رہا تھا جن میں نعل لگے ہوئے تھے عتبہ نے ان جوتوں سے حضرت ابو بکرؓ کے چہرے پر اتنا مارا کہ اس کو لہولہان کر دیا۔ اسی وقت حضرت ابو بکرؓ کے قبیلے بنو تیم کے لوگ آگئے۔ ان کو دیکھتے ہی مشرکین نے حضرت ابو بکر کو چھوڑ دیا۔ ان لوگوں نے حضرت ابو بکر کو ایک کپڑے میں لٹایا اور ان کو

بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر ان کے گھر لے گئے۔ ان لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ زندہ نہیں بچیں گے۔ (ی) اس کے بعد بنی تیم کے لوگ واپس حرم میں آئے اور انہوں نے کہا۔

خدا کی قسم! اگر ابو بکر مر گئے تو ہم عتبہ کو قتل کر دیں گے۔"

محبت رسول ﷺ...... حضرت ابو بکرؓ کے والد اور بنی تیم کے لوگ حضرت ابو بکرؓ سے بات کرنے کی کوشش کرتے تھے مگر حضرت ابو بکرؓ زخموں سے چور اور بے ہوش تھے۔ آخر شام تک جا کر ان کو ہوش آیا اور وہ بولنے کے قابل ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کا کیا ہوا مگر لوگوں نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا (یعنی ان کو آرام دینے کی خاطر ان کو باتوں میں لگانا پسند نہ کیا) مگر حضرت ابو بکرؓ بار بار اپنا سوال دہراتے رہے آخر ان کی والدہ نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم مجھے تمہارے دوست کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے۔"

اس وقت حضرت عمر فاروق کی بہن ام جمیل مسلمان ہو چکی تھیں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اور وہ اپنے اسلام کو چھپایا کرتی تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی والدہ سے کہا۔

"تم ام جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور ان سے آنحضرت ﷺ کا حال دریافت کر کے آؤ۔"

چنانچہ وہ ام جمیل کے پاس گئیں اور ان سے کہا کہ ابو بکر! محمد ابن عبد اللہ ﷺ کی خیریت پوچھتے ہیں۔ ام جمیل چونکہ اپنے بھائی عمر ابن خطاب سے ڈرتی تھیں اس لئے انہوں نے کہا۔

"میں کسی محمد اور ابو بکر کو نہیں جانتی!"

اس کے بعد انہوں نے حضرت ابو بکر کی والدہ سے پوچھا کہ کیا تم مجھے اپنے ساتھ لے چلنا چاہتی ہو۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اور پھر یہ دونوں وہاں سے حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئیں۔ یہاں ام جمیل نے ابو بکرؓ کو زخموں سے چور حالت میں دیکھا تو وہ ایک دم چیخ اٹھیں۔

"جن لوگوں نے تمہارے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے وہ یقیناً فاسق اور بدترین لوگ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اس کا بدلہ لے گا۔"

اب حضرت ابو بکرؓ نے ان سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کا کیا حال ہے۔ ام جمیل مشرکوں کے سامنے آنحضرت ﷺ کے متعلق بات کرتے ہوئے ڈرتی تھیں اس لئے انہوں نے کہا۔

"یہاں تمہاری والدہ بھی موجود ہیں۔"

حضرت ابو بکرؓ نے کہا

"یہ تمہارا راز ظاہر نہیں کریں گی۔"

تب ام جمیل نے کہا کہ آنحضرت ﷺ خیریت سے ہیں۔ حضرت ابو بکر نے پوچھا کہ آپ کہاں ہیں۔ ام جمیل نے کہا دار ارقم میں۔ تب حضرت ابو بکر نے کہا۔

"خدا کی قسم جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے نہ مل لوں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گا اور نہ پانی پیوں گا۔"

حضرت ابو بکرؓ کی والدہ کا اسلام...... حضرت ابو بکر کی والدہ نے کہا کہ ہم نے ان کو کچھ دیر روکے رکھا۔ پھر کچھ وقت کے بعد جب لوگوں میں سکون ہو گیا اور یہ معاملہ ذرا ٹھنڈا ہو گیا تو ہم ابو بکر کو لے کر اس طرح چلے کہ وہ میرے سہارے سے چل رہے تھے۔ جوں ہی ہم آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ نے ابو بکر اس حال میں

دیکھا تو آپ پر بے حد اثر ہوا اور آپ نے بڑھ کر حضرت ابو بکر کو گلے لگا کر ان کو بوسہ دیا۔ اسی طرح سب مسلمانوں نے بھی کیا۔ حضرت ابو بکرؓ سے آپ نے عرض کیا۔

"آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یا رسول اللہ! مجھے کچھ نہیں ہوا سوائے اس کے کہ میرے منہ پر چوٹیں آئی ہیں۔ یہ میری والدہ اپنے بیٹے کے ساتھ یہاں آئی ہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے طفیل سے ان کو جہنم کی آگ سے بچالے۔"

آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور ان کو اسلام کی دعوت دی جس پر وہ مسلمان ہو گئیں۔

اس واقعہ کے بارے میں علامہ زمخشری نے یہ لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب وہ مسلمان ہوئے تھے اور انہوں نے مشرکوں کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ اختلاف قابل غور ہے کیونکہ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہو۔

حضرت ابن مسعود کی جرات...... اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ کو اسلام کی وجہ سے جو تکلیفیں جھیلنی پڑیں ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ جمع ہوئے اور انہوں نے کہا

"خدا کی قسم! قریش نے سوائے رسول اللہ ﷺ کے آج تک کسی اور کی زبان سے بلند آواز سے قرآن پاک نہیں سنا۔ اس لئے تم میں سے کون ہے جو ان کے سامنے بلند آواز سے قرآن پاک پڑھے؟"

حضرت ابن مسعودؓ نے فوراً کہا میں اس کے لئے تیار ہوں۔ صحابہ نے کہا۔

"ہمیں قریش کی طرف سے تمہارے متعلق خطرہ ہے۔ ہم ایسا آدمی چاہتے ہیں جس کا خاندان قریش سے اس کی حفاظت کر سکے!"

مگر ابن مسعود نے کہا

"تم میری پرواہ مت کرو۔ اللہ تعالیٰ خود میری حفاظت فرمائے گا۔"

اس کے بعد دوپہر کے وقت ابن مسعودؓ حرم میں جا کر مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہوئے۔ اس وقت قریش اپنے اپنے مکانوں میں تھے۔ ابن مسعودؓ نے کھڑے ہو کر بلند آواز سے تلاوت شروع کی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. عَلَّمَ الْقُرْاٰن

ابن مسعودؓ پر مشرکوں کا ظلم...... قریش نے یہ آواز سنی تو کہنے لگے اس غلام زادے کو کیا ہوا۔ اس پر کسی نے کہا کہ محمد جو کلام لے کر آئے ہیں یہ وہی پڑھ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی مشرکین ان کی طرف دوڑ پڑے اور ان کے منہ پر مارنا شروع کر دیا۔ ابن مسعود چوٹیں کھاتے جاتے تھے مگر مسلسل پڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے سورت کا اکثر حصہ تلاوت کر لیا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے اپنے ساتھیوں کے پاس آگئے جبکہ قریش نے ان کے چہرے کو لہولہان کر دیا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر مسلمانوں نے ان سے کہا۔

"ہمیں تمہاری طرف سے اسی بات کا خطرہ تھا۔!"

ابن مسعودؓ نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم! اللہ کے دشمنوں کو میں نے اپنے لئے آپ سے زیادہ ہلکا اور کمزور۔ کبھی نہیں پایا۔ اگر آپ کہیں تو میں کل پھر ان کے سامنے جا کر اسی طرح قرآن پڑھ سکتا ہوں۔"

مگر مسلمانوں نے کہا کہ نہیں وہ لوگ جس چیز کو ناپسند کرتے ہیں تو وہ ان کو کافی سنا آئے ہو۔

تلاوت میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش...... آنحضرت ﷺ کو کفار سے جو تکلیفیں اور ایذائیں پہنچتی رہتی ہیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ آپ جب بھی حرم میں قرآن پاک پڑھتے تو مشرکین میں سے کچھ لوگ آپ کے دائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور کچھ لوگ بائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور پھر آپ کو پریشان کرنے اور بچلانے کے لئے کبھی تالیاں بجاتے اور کبھی سیٹیاں بجاتے تاکہ آپ پڑھ نہ سکیں۔ پھر وہ کہتے۔

"یہ کلام مت سنو۔"

اور اس طرح بار بار بول کر آپ کو پڑھنے سے روکتے۔ اسی وجہ سے اگر ان میں سے کوئی سننا چاہتا تو وہ ڈر کی وجہ سے چپکے سے آکر سن گن لینے کی کوشش کرتا۔

شیر خدا حضرت حمزہ کا اسلام...... اسی طرح ایک مرتبہ مشرکین کی آنحضرت ﷺ کو یہ ایذارسانی ہی حضرت حمزہ کے اسلام لانے کا سبب بن گئی۔ اس واقعہ کو ابن اسحاق نے ایک ایسے شخص سے نقل کیا ہے جو اسی زمانے میں مسلمان ہوا تھا۔ کہ ایک مرتبہ جبکہ آنحضرت ﷺ صفا پہاڑی کے پاس تھے ابو جہل آپ کے پاس سے گزرا۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ اس وقت حجون کے مقام پر تھے۔ ابو جہل نے آپ کو دیکھ کر ایذا رسانی کی آپ کو گالیاں دیں اور آپ کی توہین کی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کے سر پر مٹی ڈال دی۔ اور ایک قول کے مطابق آپ پر گوبر ڈال دیا اور نماز کی حالت میں آپ کے شانوں پر پیر رکھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس حرکت کے باوجود ابو جہل کو کچھ نہیں کہا۔ وہاں عبداللہ ابن جدعان کی باندی بھی تھی جو خاموشی کے ساتھ یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی۔ اس کے بعد ابو جہل وہاں سے آگے بڑھ گیا اور قریش کی مجلس میں پہنچ کر ان سے اپنا یہ کارنامہ بیان کرنے لگا۔

ابو جہل کی حضرت حمزہ سے شکایت...... اسی وقت حرم میں حضرت حمزہ داخل ہوئے اور اس حال میں کہ تلوار ان کی کمر میں لٹکی ہوئی تھی۔ وہ شکار سے واپس آئے تھے۔ ان کی یہ عادت تھی کہ جب بھی وہ شکار سے لوٹتے تو گھر جانے سے پہلے حرم میں جاتے اور طواف کیا کرتے تھے۔ غرض حضرت حمزہ جب حرم میں آرہے تھے تو وہ عبد اللہ ابن جدعان کی باندی کے پاس سے گزرے (جس نے ابو جہل کو آنحضرت ﷺ پر مٹی ڈال دینے اور آپ کو ایذارسانی کرتے دیکھا تھا) اس باندی نے حضرت حمزہؓ کو دیکھا تو ان کو یہ واقعہ سنایا۔ اس نے حضرت حمزہ سے کہا۔

"اے ابو عمارہ! خبر بھی ہے ابھی ابھی یہاں ابو الحکم ابن ہشام یعنی ابو جہل نے تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ تمہارے بھتیجے یہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ ابو جہل نے ان کو دیکھا اور ان کو ایذائیں پہنچائیں، گالیاں دیں اور بہت بری طرح پیش آیا۔ اس کے بعد وہ یہاں سے چلا گیا مگر اس سب کے باوجود تمہارے بھتیجے نے اس کو کچھ نہیں کہا۔"

ایک قول یہ ہے کہ حضرت حمزہ کو یہ اطلاع ان کی بہن حضرت صفیہ کی باندی نے دی تھی۔ انہوں نے حضرت حمزہ سے کہا۔

"ابو جہل نے ان کے سر پر مٹی اور گندگی ڈالی اور ان کے مونڈھے پر پیر رکھا۔"

گندگی ڈالنے کی بات صرف ابو حیان نے بیان کی ہے۔ غرض یہ سن کر حضرت حمزہ نے پوچھا۔

"تم جو کچھ بیان کر رہی ہو یہ سب تم نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے؟"

اس نے کہا۔ "ہاں!"

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب حضرت حمزہ شکار سے واپس آرہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ دو عورتیں ان کے پیچھے پیچھے آرہی ہیں۔ چلتے چلتے ان میں سے ایک نے دوسری سے کہا۔

"اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ ابو جہل نے انکے بھتیجے کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے تو یہ فوراً رک جائیں۔"

حضرت حمزہ یہ سنتے ہی رک گئے اور ان کی طرف مڑ کر پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے۔ تب اس نے کہا کہ ابو جہل نے محمد کے ساتھ ایسا ایسا سلوک کیا ہے۔ بہر حال اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت حمزہ کو یہ اطلاع ان دونوں باندیوں اور ان دونوں عورتوں سے ملی ہو۔

حضرت حمزہ کا جلال...... غرض اس اطلاع پر حضرت حمزہ (کی حمیت کو جوش آیا اور وہ) غضب ناک ہو اٹھے اور فوراً"حرم میں داخل ہوئے (جہاں ابو جہل گیا تھا)وہاں انہوں نے ابو جہل کو قریشی مجمع میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ حضرت حمزہ سیدھے اس کی طرف گئے اور بالکل اس کے سر پر پہنچ کر اپنی کمان پوری قوت کے ساتھ ابو جہل کے سر پر ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ اور اس کے بعد کہا۔

"کیا تو محمد کو گالیاں دیتا ہے۔ تو میں بھی اسی کا دین اختیار کرتا ہوں! جو کچھ وہ کہتا ہے وہی میں بھی کہتا ہوں اب اگر تجھ میں ہمت ہے تو مجھے جواب دے!"

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت حمزہ کمان ہاتھ میں لئے ابو جہل کے سر پر جا کھڑے ہوئے تو ابو جہل فوراً ان کے سامنے گڑ گڑانے اور منت سماجت کرنے لگا اور کہنے لگا۔

"وہ ہمیں بے عقل بتاتا ہے اور ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے اور ہمارے باپ دادا کے راستے کے خلاف چلتا ہے۔!"

یہ سن کر حضرت حمزہ نے کہا۔

ہدایت...... "اور خود تم سے زیادہ بے عقل اور بے وقوف کون ہوگا کہ خدا کو چھوڑ کر پتھر کے ٹکڑوں کو پوجتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔"

یہ سن کر بنی مخزوم یعنی ابو جہل کے خاندان کے کچھ لوگ ایک دم حضرت حمزہ کی طرف بڑھے تاکہ ابو جہل کی مدد کریں اور کہنے لگے۔

"اب تمہارے بارے میں بھی ہمیں یقین ہو گیا کہ تم بھی بد دین ہو گئے ہو۔"

شیر خدا کا بہادرانہ اعلان...... حضرت حمزہ نے کہا۔

"اور مجھ کو اس سے روکنے والا کون ہے۔ مجھ پر حقیقت روشن ہو گئی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں!۔ اور یہ کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ حق اور سچائی ہے خدا کی قسم میں اس کو نہیں چھوڑوں گا۔ اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھو!"

یہ سن کر ابو جہل نے ان سے کہا۔

"ابو عمارہ یعنی حمزہ کو چھوڑ دو۔ اس لئے کہ میں نے واقعی ان کے بھتیجے کو ابھی کچھ بری باتیں کہی تھیں۔!"

کشمکش...... اس کے بعد حضرت حمزہ اسلام پر باقی رہے۔ اگرچہ یہاں ابو جہل اور دوسرے مشرکوں کے سامنے

اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے بعد شیطان نے ان کو ورغلانے کی کوشش کی۔ چنانچہ جب وہ اپنے گھر پہنچے تو اپنے آپ سے کہنے لگے۔

"تو قریش کا سردار ہے۔ تو اس بے دین شخص کی پیروی کر رہا ہے اور اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ بیٹھا !اس سے بہتر تو موت ہے۔!"

مگر اس کے بعد ضمیر کی آواز پر انہوں نے دعا کی۔

"اے اللہ !اگر یہ سچا راستہ ہے تو میرے دل میں اس کی تصدیق فرمادے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو میں جس مشکل میں گھر گیا ہوں مجھے اس سے نکال لے۔"

اطمینان قلب اور فیصلہ ...... اس کے بعد یہ ایک رات انہوں نے شیطانی وسوسوں میں گزاری آخر صبح ہوئی تو یہ سیدھے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ سے عرض کیا۔

"بھتیجے !میں ایسے معاملے میں پڑ گیا ہوں کہ اس سے نکلنے کا کوئی راستہ سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک ایسی صورت حال میں رہنا جس کے متعلق میں نہیں جانتا کہ یہ سچائی ہے یا نہیں بڑا سخت مرحلہ ہے۔"

اس پر آنحضرت ﷺ حضرت حمزہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے ان کو وعظ و نصیحت فرمائی اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور ثواب و جزاء کی خوش خبریاں سنائیں۔ آپ کے ان ارشادات کا اثر یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو نور ایمان سے بھر دیا اور انہوں نے کہا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ تم سچے ہو۔ بس اب بھتیجے اپنے دین کو سب کے سامنے کھل کر پیش کر دو۔"

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اسی واقعہ پر قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی۔

او من کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس. الآیہ پ ۸ سورہ انعام ع

ترجمہ :۔ ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ بنادیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے چلتا پھرتا ہے۔

یعنی یہاں حضرت حمزہ مراد ہیں اور ان کے مقابلے میں جو شخص کفر کے اندھیاروں میں گم ہے وہ ابو جہل ہے۔

حضرت حمزہؓ کے اسلام سے دین کی شوکت ...... حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے آنحضرت ﷺ بے حد خوش تھے کیونکہ حضرت حمزہؓ قریش میں سب سے زیادہ معزز نوجوان تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ قریشی نوجوانوں میں سب سے زیادہ بہادر طاقتور اور خوددار انسان تھے اسی وجہ سے جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اب قوت اور اعزاز حاصل ہو گیا ہے تو انہوں نے آپ کو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچانے کا سلسلہ تو بند کر دیا اور اب اپنے تمام مظالم اور زیادتیوں کا رخ عام اور کمزور مسلمانوں کی طرف موڑ دیا جن کا کوئی محافظ اور ساتھی نہیں تھا کیونکہ ہر قبیلہ جس کا کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تھا وہ اس کو اسلام سے پھیرنے کے لئے پورا زور لگاتا تھا اور اس کو تکلیفیں اور ایذائیں پہنچایا کرتا تھا، وہ ایسے لوگوں کو قید کر دیتے مارتے، بھوکا پیاسا رکھتے اور اسی طرح کی دوسری اذیتیں پہنچاتے۔ یہاں تک کہ اس شخص کا یہ حال ہو جاتا کہ زخموں اور چوٹوں کی وجہ سے وہ سیدھا بیٹھنے کے قابل بھی نہیں رہتا تھا۔ اس ظلم اور زیادتی پر ابو جہل لوگوں کو سب سے زیادہ اکسایا کرتا تھا۔ اس کو جب بھی معلوم ہوتا کہ کوئی ایسا شخص مسلمان ہوا ہے جو باعزت اور معزز آدمی ہے تو فوراً اس کے پاس پہنچتا اور اس کو ڈراتے ہوئے کہتا۔

"اگر تم نے یہ دین نہ چھوڑا تو تمہاری عزت اور تمہارا اسار او قار خاک میں مل جائے گا۔"
اگر وہ شخص تاجر ہوتا تو یہ اس سے کہتا۔
"خدا کی قسم تمہاری تجارت ٹھپ ہو جائے گی اور تمہاری ساری دولت برباد ہو جائے گی۔"

کمزور مسلمانوں کو مشرکوں کو دھمکیاں...... لیکن اگر وہ شخص کوئی عام اور کمزور یعنی بے نوا آدمی ہوتا تو ابو جہل اس کو دھونس دھمکی کے ذریعہ مرعوب کرنے کی کوشش کرتا تھا چنانچہ اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے بعض لوگ ایسے تھے جو مرعوب ہو کر اسلام سے پھر گئے اور مرتد ہو گئے۔ ان میں سے ایک حرث ابن ربیعہ ابن اسود تھا ایسے ہی ایک شخص ابو قیس ابن ولید ابن مغیرہ تھا، ایک علی ابن امیہ ابن خلف تھا اور چوتھا عاص ابن منبہ ابن حجاج تھا۔ یہ چاروں مرتد ہونے کے بعد میدان بدر میں کفر کی حالت میں ہی قتل ہوئے۔

حضرت بلال حبشیؓ...... لیکن اکثر وہی لوگ تھے جن کے مسلمان ہونے کے بعد کفار نے ان کو ہر ہر طرح دین سے پھیرنے کی کوشش کی مگر وہ ثابت قدم رہے اور دوبارہ کفر کی دلدل میں نہیں پھنسے جیسے بلال حبشیؓ یہ امیہ ابن خلف کے غلام تھے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت بلالؓ کی گردن میں ایک رسی باندھ کر بچوں کے ہاتھ میں دے دی جاتی تھی اور پھر وہ بچے انہیں کھینچتے ہوئے مکے کی گھاٹیوں مین پھرتے مگر اس حالت میں بھی حضرت بلالؓ کی زبان پر صرف ایک لفظ ہوتا۔

اَحَدٌ . اَحَدٌ۔ وہ ایک ہے۔ وہ ایک ہے۔! یا اس کا مطلب یہ بھی لیا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو شرک سے بری ہو کر اے احد اے احد پکارتے۔ ان کو گردن میں رسی ڈال کر اتنا کھینچا گیا کہ ان کی گردن میں ہمیشہ کے لئے رسی کا نشانہ پڑ گیا تھا۔

بلالؓ پر انسانیت سوز مظالم...... ابن اسحاقؒ سے روایت ہے کہ امیہ ابن خلف پہلے تو حضرت بلالؓ کو پورے دن اور پوری رات بھوکا پیاسا رکھتا اور پھر جب دوپہر چڑھا جاتا اور سورج آگ برسانے لگتا تو ان کو گھر سے نکال کر گرم اور تپتے ہوئے ریت پر چت لٹا دیتا تھا اس وقت وہ ریت اتنا گرم ہوتا تھا کہ اگر اس پر گوشت کا ٹکڑا ڈال دیا۔ تا تو وہ بھن جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک بہت بڑا اور وزنی پتھر منگاتا اور وہ ان کے سینے پر رکھ دیتا تاکہ وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکیں۔ پھر وہ بد بخت ان سے کہتا۔

"اب یا تو محمد کی رسالت و پیغمبری سے کفر کر اور لات و عزیٰ کی عبادت کر ورنہ تجھے اس وقت تک یہاں اسی طرح ڈالے رکھوں گا جب تک کہ تیرا دم نہ نکل جائے گا۔"
مگر اس حالت میں بھی حضرت بلالؓ کا جواب ہوتا۔
"احد احد۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرا سکتا بلکہ میں لات اور عزیٰ کو کفر سمجھتا ہوں۔"

کہا جاتا ہے کہ حضرت بلالؓ مکے میں ہی پیدا ہوئے تھے اور عبداللہ ابن جدعان تیمی کے غلام تھے۔ یہ ان سو غلاموں میں سے ایک تھے جو عبداللہ ابن جدعان کی ملک تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو پیغمبر بنا کر ظاہر فرمایا تو سوائے حضرت بلال کے تمام غلاموں کو مکے سے باہر بھیج دیا گیا جس کی وجہ کفار کا یہ خوف تھا کہ کہیں یہ غلام مسلمان نہ ہو جائیں۔ حضرت بلال کو اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ وہ ابن جدعان کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔

بتوں سے نفرت...... حضرت بلالؓ آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان لے آئے اور مسلمان ہو گئے مگر انہوں

نے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ ایک روز انہوں نے ان بتوں پر جو کعبے کے چاروں طرف رکھے ہوئے تھے گندگی ڈال دی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ان پر تھوکتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

"جس نے تمہاری عبادت کی وہ تباہ و برباد ہو گیا۔"

یہ بات قریش کو معلوم ہو گئی۔ وہ سب فوراً عبداللہ ابن جدعان کے پاس آئے اور اس سے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ تم بے دین ہو گئے ہو۔ ابن جدعان نے حیرت سے کہا۔

"کیا میرے بارے میں بھی یہ بات کہی جا سکتی ہے!"

مشرکین نے کہا۔

"تمہارے اس سیاہ فام حبشی نے ایسا ایسا کہا ہے۔"

یہ سن کر عبداللہ ابن جدعان نے فوراً قریش کو ایک سو درہم دیئے تاکہ بتوں کی اس توہین کی وجہ سے ان کے نام کے کچھ جانور ذبح کر دیئے جائیں ساتھ ہی اس نے حضرت بلال کو اس کے بدلے میں سزائیں اور اذیتیں دینے کیلئے قریش کو ان پر پورا اختیار دے دیا۔ اس پر ان مشرکوں نے حضرت بلالؓ کو وہ اذیتیں دیں جن کا ذکر پچھلی سطروں میں ہوا۔ (ی) یہ بات ممکن ہے کہ اس کے بعد عبداللہ ابن جدعان نے حضرت بلالؓ کو امیہ ابن خلف کے حوالے کر دیا ہو لہٰذا اب پچھلی روایت کے ان الفاظ سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا جن میں کہا گیا ہے کہ حضرت بلال کو نت نئے عذاب اور ایذائیں امیہ ابن خلف دیا کرتا تھا۔ اسی طرح آگے روایت آئے گی کہ پھر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کو امیہ سے خرید لیا تھا (تو یہاں امیہ سے خریدنے کی بات سے بھی یہی مراد ہو گی کہ ابن جدعان نے حضرت بلال کو امیہ کے حوالے کر رکھا تھا اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے اس سے ہی بلال کو خریدا)۔

<u>بلال کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے بشارت</u>...... کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بلالؓ کو ایذائیں دی جا رہی تھیں کہ وہاں سے آنحضرت ﷺ کا گزر ہوا (اس وقت بھی حضرت بلالؓ احد احد کہہ رہے تھے) آپ نے حضرت بلال کو اس حال میں دیکھ کر فرمایا۔

"تمہیں یہ احد احد ہی نجات دلائے گا۔"

اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ بلال کو اذیتیں دی جا رہی تھیں اور وہ احد احد کا ورد کر رہے تھے کہ وہاں سے ورقہ ابن نوفل گزرے تو انہوں نے یہ دیکھ کر کہا۔

"ہاں۔ خدا کی قسم اے بلال۔ اللہ ایک ہی ہے۔"

اس کے بعد ورقہ، امیہ ابن خلف کے پاس آئے اور اس سے کہا۔

"خدا کی قسم اگر تم نے اس کو اسی طرح مار ڈالا تو اس کی قبر کو زیارت گاہ بناؤں گا کیونکہ وہ جنتیوں میں سے ہے۔"

یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ورقہ نے آنحضرت ﷺ کی رسالت اور تبلیغ کا زمانہ پایا ہے نیز اس میں جو اشکال ہے وہ بھی بیان ہو چکا ہے۔

غرض احد احد کا کلمہ دہرا کر حضرت جلال اس عذاب کی تلخی میں ایمان کی مٹھاس اور شیرینی شامل کر لیتے تھے۔

<u>بلال کا عشق رسول ﷺ</u>...... حضرت بلالؓ کے انتقال کے وقت جبکہ ان کا دم آخر ہو رہا تھا تو ان کی بیوی نے رنج و صدمہ کی وجہ سے ماتم کرتے ہوئے کہا۔ ہائے افسوس۔ اس پر حضرت بلالؓ کہنے لگے۔

"ہائے کس قدر خوشی کی بات ہے کہ کل میں محمد ﷺ اور ان کے صحابہ سے ملوں گا۔"

یہاں بھی حضرت بلال نے موت کی سختی اور تلخی میں دیدار حبیب کی مٹھاس اور شیرینی ملادی (تاکہ اس طرح اس تلخی اور سختی کا احساس کم ہو جائے)۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ جملہ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور ان کے ساتھیوں کا ہے اور یہ انہوں نے اس وقت کہا تھا جب وہ آنحضرت ﷺ سے ملنے کے لئے خیبر کے مقام پر جارہے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھوں بلالؓ کا چھٹکارہ...... ایک مرتبہ اسی طرح حضرت بلال کو سزائیں دی جارہی تھیں ان کو گرم ریت پر چت لٹایا ہوا تھا اور ان کے سینے پر ایک بڑا وزنی پتھر رکھ دیا گیا تھا۔ اس وقت وہاں سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا گذر ہوا۔ انہوں نے یہ دردناک منظر دیکھ کر امیہ ابن خلف سے کہا۔

"کیا اس مسکین کے معاملہ میں تمہیں خدا کا خوف نہیں آتا۔ آخر کب تک تم اس کو اس طرح عذاب دیئے جاؤ گے۔

امیہ نے کہا۔

"تم نے ہی اس کو خراب کیا ہے اس لئے تم ہی اس کو نجات کیوں نہیں دلا دیتے!"

حضرت ابو بکر نے کہا۔

"میرے پاس بھی ایک حبشی غلام ہے جو اس سے زیادہ طاقتور ہے اور وہ تمہارے ہی دین پر ہے میں ان کے بدلے میں تمہیں وہ دے سکتا ہوں۔"

امیہ نے کہا مجھے منظور ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا بس تو وہ تمہارا ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے اپنا حبشی غلام امیہ کو دے کر اس کے بدلے میں حضرت بلال کو اس سے لے لیا اور پھر ان کو آزاد کر دیا۔

تفسیر بغوی میں اس خریداری کا معاملہ اس طرح ذکر ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے امیہ سے پوچھا کہ کیا تم اس غلام کو مجھے فروخت کرتے ہو تو اس نے کہا ہاں میں اس کو قسطاس کے بدلے میں فروخت کر سکتا ہوں۔ یہ قسطاس حضرت ابو بکرؓ کا غلام تھا جس کی قیمت دس ہزار دینار، نو عمر غلام باندیاں اور مویشی تھے۔ مگر یہ کافر تھا اور اسلام قبول کرنے سے انکار کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے اس کے بدلے میں حضرت بلال کو خرید لیا۔ یہاں تک تفسیر بغوی کا حوالہ ہے (تو گویا مالیت اور دنیاوی حیثیت کے لحاظ سے اس غلام اور حضرت بلال کا کوئی مقابلہ نہیں تھا لیکن ابو بکرؓ نے محض اللہ کیلئے یہ سودا کیا اور اپنے غلام کے بدلے میں حضرت بلالؓ کو خرید کر ان کو آزاد کر دیا)۔

قیمتی سودا...... کتاب امتاع میں یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے امیہ ابن خلف سے حضرت بلال کی خریداری کے سلسلے میں معاملہ کرنا چاہا تو امیہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"میں آج ابو بکر کے ساتھ ایسا مذاق کروں گا کہ آج تک کسی نے کسی کے ساتھ نہ کیا ہو گا۔"

اس کے بعد وہ ہنسا اور پھر اس نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا۔

"مجھے اس کے بدلے میں اپنا غلام قسطاس دے دو!"

(امیہ جانتا تھا کہ قسطاس ایک بہترین اور قیمتی غلام ہے جس کی بیوی بھی ہے لڑکی بھی ہے پیسہ بھی رکھتا ہے ظاہر ہے اس کے بدلے میں حضرت ابو بکر بلال کو کیوں لیں گے اسی لئے اس نے اپنی دانست میں حضرت ابو بکرؓ سے زبردست مذاق کیا تھا مگر) اس کی بات سن کر حضرت ابو بکرؓ نے فوراً" کہا۔

اگر میں دے دوں تو کیا تم بھی اپنا غلام مجھے دے دو گے۔"

امیہ نے کہا ہاں میں بھی دے دوں گا۔ اس کے بعد پھر ہنسا اور کہنے لگا۔

"مگر نہیں میں یہ غلام جب دون گا جب تم قسطاس کے ساتھ مجھے اس کی بیوی بھی دو گے۔"

حضرت ابو بکر نے پوچھا کہ اگر میں اس کو بھی دے دوں تو کیا تم بھی ان کو دے دو گے۔ امیہ نے کہا ہاں۔ حضرت ابو بکر نے کہا تو میں نے اس کی بیوی بھی تمہیں دی۔ اب امیہ پھر ہنسا اور بولا۔

"مگر نہیں۔ میں یہ غلام جب دوں گا جب تم قسطاس اور اس کی بیوی کے ساتھ اس کی بیٹی بھی مجھے دو گے۔

حضرت ابو بکرؓ نے پھر کہا کہ میں اس کو بھی دے دوں گا مگر کیا تم پھر بھی اپنی بات پوری کرو گے۔ امیہ نے کہا ہاں۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ چلو میں نے اس کی بیٹی بھی تمہیں دی۔ اب امیہ پھر ہنسنے لگا اور بولا۔

"مگر خدا کی قسم نہیں میں یہ غلام جب دوں گا جب تم ان سب کے علاوہ دو دینار بھی مجھے دو گے۔"

اب حضرت ابو بکرؓ نے اس سے کہا۔

"تم ایسے آدمی ہو کر جھوٹ بولنے سے بالکل نہیں شرماتے۔"

امیہ نے کہا کہ نہیں لات اور عزیٰ کی قسم اگر تم یہ سب مجھے دو گے تو میں یہ غلام تمہیں دے دوں گا۔ تب حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ بس تو یہ سب میں نے تمہیں دیا اور اس کے بعد انہوں نے حضرت بلال کو لے لیا۔ یہاں تک کتاب امتاع کا حوالہ ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر نے حضرت بلال کو نو یا پانچ اوقیہ سونے کے بدلے میں لیا تھا اور ایک قول کے مطابق ایک یمنی چادر اور دس اوقیہ چاندی کے بدلے میں لیا تھا۔ نیز ایک روایت کے مطابق ایک رطلا یعنی تقریباً" آدھ سیر سونے کے بدلے میں لیا تھا۔ روایت ہے کہ حضرت بلال کے آقا نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا تھا کہ اگر تم نے اس میں سے ایک اوقیہ بھی کم کیا تو میں نہیں دوں گا بلکہ جتنے اوقیا طے ہوئے ہیں اتنے ہی لوں گا اس پر حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔

"اگر تم ان کے لئے مجھ سے سو اوقیہ بھی مانگتے تو میں اس قیمت میں بھی لے لیتا۔"

جب مشرکوں نے یہ کہا کہ "ابو بکر نے بلال کو قسطاس کے بدلے میں اس لئے خریدا کہ ان پر امیہ کا ایک احسان تھا جس کا انہوں نے اس طرح بدلہ اتارا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى۔ پ ۳۰ سورہ الیل ع آیۃ

قسم ہے رات کی جبکہ وہ (آفتاب کو اور دن کو) چھپالے۔

سورہ والیل کی تفسیر...... اس سورت میں آگے فرمایا گیا ہے کہ

لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِىْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۔ یعنی اس آگ میں ہمیشہ کے لئے وہی بد بخت داخل ہوگا جس نے دین حق کو جھٹلایا اور اس سے روگردانی کی اور اس آگ سے ایسا شخص دور رکھا جائے جو بڑا پرہیز گار ہے جو اپنا مال محض اس غرض سے دیتا ہے کہ گناہوں سے پاک ہو جائے۔ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ) یہاں اتقی یعنی بہت پرہیز گار سے مراد حضرت ابو بکر صدیق ہیں اور اشقی یعنی بہت بد بخت سے مراد امیہ ابن خلف ہے علامہ فخر رازی کہتے ہیں کہ اس بارے میں تمام مفسروں کا اتفاق ہے کہ

یہاں اتقی سے مراد حضرت ابو بکرؓ ہیں مگر شیعوں کا دعویٰ ہے کہ یہاں اتقی سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ لیکن اس سورت میں اتقی کی جو صفت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے اس سے یہ دعویٰ غلط ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد حضرت علیؓ ہیں کیونکہ اتقی کا وصف اسی سورت میں یہ بیان کیا گیا ہے وما لاحد عنده من نعمته تجزی یعنی اور بجز اپنے عالی شان پروردگار کی رضاجوئی کے کی یہی اس کا مقصود ہے اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ اس دینے سے اس کا بدلہ اترنا مقصود ہو۔ یہ وصف (حضرت ابو بکرؓ پر ہی صادق آتا تھا) حضرت علیؓ پر صادق نہیں آتا کیونکہ جیسا کہ پیچھے بیان ہوا حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کی پرورش میں تھے اور آپ ان پر اپنا مال خرچ کرتے تھے لہٰذا آنحضرت ﷺ کی یہ دنیاوی نعمت یا احسان ان پر تھا جس کا بدلہ دینا ان کے ذمہ تھا (لہٰذا حضرت علیؓ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان پر کسی کا احسان نہیں تھا) ان کے مقابلے میں حضرت ابو بکرؓ بے شک ایسے ہیں کہ ان پر آنحضرت ﷺ کی کوئی دنیاوی نعمت اور احسان نہیں تھا بلکہ ان پر آپ کا یہ احسان تھا کہ آپ نے ان کو ہدایت کا راستہ دکھلایا مگر ظاہر ہے کہ یہ ایک دینی احسان ہے جس کا کوئی بدلہ نہیں ہو سکتا چنانچہ اس بارے میں حق تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ:

قُلْ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا الآیۃ پ ۲۵ سورہ شوریٰ ع ۳

ترجمہ:۔ آپ ان سے یوں کہئے کہ میں تم سے کچھ مطلب نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کی محبت کے۔

(تو یہاں حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خود حکم دیا ہے کہ یہ کہہ دو کہ میں اس ہدایت اور رہنمائی پر تم سے کوئی بدلہ لینا نہیں چاہتا۔ غرض حضرت ابو بکرؓ پر آنحضرت ﷺ کا دینی احسان ہے جس کا کوئی بدلہ نہیں ہو سکتا) اس لئے یہ بات صاف ہو گئی کہ سورہ واللیل میں اتقی سے مراد حضرت ابو بکرؓ ہیں (حضرت علیؓ نہیں ہیں) لہٰذا (جب اتقی سے مراد حضرت ابو بکرؓ ہیں جس کے معنی ہیں سب سے زیادہ پرہیزگار انسان تو) اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ آنحضرت ﷺ اور بقیہ تمام انبیاءؑ کے بعد حضرت ابو بکرؓ ہی ساری مخلوق میں افضل ترین شخص ہیں (کیونکہ ان ہی کے بارے میں قرآن پاک میں اتقی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے) اور اتقی کے بارے میں حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ فرمایا ہے کہ

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ الآیۃ پ ۲۶ سورہ حجرات ع ۲

ترجمہ:۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

(یعنی متقی شخص ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ اکرم یعنی معزز ہے) اور اکرم سے مراد افضل ہے (لہٰذا حضرت ابو بکرؓ جن کو قرآن پاک میں اتقی کہا گیا ہے وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ اکرم، معزز اور افضل ہوئے) چنانچہ علامہ فخر رازی کہتے ہیں کہ اس آیت کی روشنی میں اس بات پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد یا تو حضرت ابو بکر ساری مخلوق میں سب سے زیادہ افضل ہیں یا حضرت علیؓ۔ مگر چونکہ وہ آیت جس میں اتقی کا لفظ استعمال ہوا ہے حضرت علیؓ پر صادق نہیں آتی اس لئے اس کا حضرت ابو بکرؓ پر صادق آنا ثابت ہو گیا۔

(یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اصل لفظ تقی ہے جس کے معنی ہیں پرہیزگار۔ اسی سے اتقی بنا ہے جس کے معنی ہو جاتے ہیں سب سے زیادہ پرہیزگار۔ اس طرح اصل لفظ شقی ہے جس کے معنی ہیں بدبخت اسی سے اشقی بنا ہے جس کے معنی ہو جاتے ہیں سب سے زیادہ بدبخت۔ عربی میں اتقی اور اشقی اور اس وزن کے

لفظوں کو افعل التفضیل یعنی SUPER LATIVE DEGREE کہتے ہیں) بعض اہل معانی یعنی ان علماء نے جو قر آن پاک کے الفاظ کے معنی متعین کرتے ہیں کہا ہے کہ یہاں اتقی سے مراد تقی ہے اور اشقی سے مراد شقی ہے تو گویا افعل التفضیل کا صیغہ بول کر سادہ لفظ مراد لئے گئے ہیں۔ لہذا اب اتقی کے معنی سب سے زیادہ پرہیز گار نہیں ہوں گے بلکہ پرہیز گار ہوں گے اور یہ لفظ حضرت ابو بکر اور دوسرے تمام صحابہ کے لئے مراد ہوگا۔ اسی طرح اشقی کے معنی سب سے زیادہ بد بخت نہیں ہوں گے بلکہ صرف بد بخت ہوں گے اور یہ لفظ امیہ ابن خلف اور دوسرے تمام مشرکوں کے لئے مراد ہوگا۔ تو اگرچہ ان الفاظ اور آیات کے نازل ہونے کا سبب تو خاص طور پر حضرت ابو بکر اور امیہ ابن خلف کے درمیان پیش آنے والا یہ واقعہ تھا مگر مراد کے لحاظ سے یہ الفاظ سب کے لئے عام ہیں۔

(پھر اسی صورت میں اس شخص کی جزاء کا بھی ذکر کیا گیا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کیا اور اس شخص کی سزا کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بخل اور کنجوسی کی۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى،فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى . وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى الآیہ پ ۳۰ سورہ والضحیٰ ع ۱ آیت

ترجمہ:۔ سو جس نے اللہ کی راہ میں مال دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات (یعنی ملت اسلام) کو سچا سمجھا تو ہم اس کو راحت کی چیز کے لئے سامان دیں گے اور جس نے (حقوق واجبہ) سے بخل کیا اور (بجائے خدا سے ڈرنے کے خدا سے) بے پروائی اختیار کی اور اچھی بات (یعنی ملت اسلام) کو جھٹلایا تو ہم اس کو تکلیف کی چیز کے لئے سامان دیں گے۔

یہاں بخل کرنے اور بے پروائی اختیار کرنے والے سے مراد ابو سفیان ہیں کیونکہ جب حضرت ابو بکرؓ نے بلال کو خرید کر آزاد کیا تو ابو سفیان ان پر اس طرح اپنا مال خرچ کرنے کے متعلق بہت ناراض ہوئے اور انہوں نے ابو بکر سے کہا۔

"تم نے اپنا مال خواہ مخواہ ضائع کیا۔ خدا کی قسم تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔"

کچھ مفسرین کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد امیہ ابن خلف ہے۔ غرض اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلال کو خرید لیا ہے تو آپ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا کہ اس میں شرکت کر لو۔ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ میں ان کو آزاد کر چکا ہوں۔ (ی) کیونکہ جب حضرت ابو بکرؓ نے بلال کو خریدا تو انہوں نے صدیق اکبر سے کہا تھا۔

"اگر آپ نے مجھے اپنی ذات کے لئے خریدا ہے تو ٹھیک ہے اپنے پاس رکھئے لیکن اگر آپ نے مجھے اللہ عزوجل کے لئے خریدا ہے تو مجھے خدا کے واسطے ہی چھوڑ دیجئے۔"

چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو آزاد کر دیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ حضرت ابو بکرؓ سے ملے اور آپ نے ان سے فرمایا

"اگر ہمارے پاس مال ہوتا تو میں بلال کو خرید لیتا۔"

یہ سن کر حضرت عباس فوراً گئے اور انہوں نے بلال کو خرید لیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک آدمی کے ساتھ بلال کو حضرت ابو بکرؓ کے پاس بھیج دیا یعنی حضرت ابو بکر کے حوالے کر دیا جنہوں نے بلال کو آزاد کر

دیا۔ ان روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

دوسرے مسلمان جنہیں حضرت ابو بکرؓ نے چھٹکارہ دلایا...... ان کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ نے اور بہت سے ایسے غلام مسلمانوں کو بھی خرید لیا تھا جن کو اللہ کا نام لینے کی وجہ سے ایذائیں اور تکلیفیں پہنچائی جارہی تھیں ان میں سے ایک حضرت بلالؓ کی والدہ حمامہ تھیں۔ اسی طرح ایک عامر ابن فہیرہ تھے ان کو اللہ تعالیٰ کا نام لینے پر بڑے بڑے سخت عذاب دیئے جاتے تھے۔ یہ عامر قبیلہ بن تیم کے ایک شخص کے غلام تھے جو حضرت ابو بکرؓ کا رشتہ دار تھا۔ اسی طرح ایک شخص ابو فکیہہ تھے۔ یہ صفوان ابن امیہ کے غلام تھے اور حضرت بلال کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ کہیں جارہے تھے کہ انہوں نے دیکھا صفوان نے ان کو بھی گرم گرم ریت پر لٹا کر ان کے سینے پر ایک بہت بڑا پتھر رکھا ہوا ہے جس سے ابو فکیہہ کی زبان باہر نکل آئی ہے۔ اس وقت امیہ کا بھائی اپنے بھتیجے صفوان سے کہہ رہا تھا۔

"اسے ابھی اور عذاب دو یہاں تک کہ محمد یہاں آکر اپنے جادو سے اس کو چھٹکارہ دلائیں۔"

قوت ایمانی کا کرشمہ...... حضرت ابو بکرؓ نے ان کو بھی خرید کر اس عذاب سے نجات دلائی۔

اسی طرح ایک عورت تھی جس کا نام زنیرہ تھا۔ زنیرہ کے معنی چھوٹی کنکری کے ہیں ان کو مسلمان ہونے کی وجہ سے ایسی ایسی خوفناک ایذائیں پہنچائی گئیں کہ یہ اندھی ہوگئی تھیں۔ ایک دفعہ ان سے ابو جہل نے کہا۔

"جو کچھ تو بھگت رہی ہے یہ سب لات اور عزیٰ (ناراض ہو کر) کر رہے ہیں۔"

زنیرہ نے جواب دیا۔

"ہر گز نہیں۔ خدا کی قسم لات اور عزیٰ نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے آسمان والے کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ میرے پروردگار کو یہ بھی قدرت ہے کہ وہ میری آنکھوں کی روشنی مجھے واپس دے دے۔"

اگلے دن صبح کو وہ اٹھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی روشنی ان کو واپس دے دی تھی۔ یہ دیکھ کر قریش نے کہا۔

"یہ محمد کی جادوگری ہے۔"

اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ نے زنیرہ کی بیٹی کو بھی خرید کر آزاد کیا تھا۔ سیرت شامیہ میں ہے کہ ام عنیس نامی خاندان بنی زہرہ میں ایک باندی تھی یہ اسود ابن یغوث کی باندی تھی اور وہ اس کو زبردست ایذائیں پہنچایا کرتا تھا۔ مگر سیرت شامی میں اس باندی کے متعلق یہ نہیں ہے کہ یہ زنیرہ کی بیٹی تھی۔ غرض آخر حضرت ابو بکرؓ نے اس کو خرید کر آزاد کر دیا (اور اس طرح اس کو ان ایذاؤں سے چھٹکارہ دلایا)۔

حضرت عمر کی طرف سے اپنی مسلمان باندیوں کو ایذارسانیاں...... اسی طرح نہدیہ نامی عورت اور اس کی بیٹی تھی۔ یہ دونوں ولید ابن مغیرہ کی باندیاں تھیں۔ ایسے ہی ایک اور عورت تھی جس کا نام لطیفہ تھا۔ ایسے ہی عامر ابن فہیرہ کی بہن اور اس کی ماں تھی۔ یہ حضرت عمر کے اسلام لانے سے پہلے ان کی باندیاں تھیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر کے پاس سے حضرت ابو بکرؓ کا گزر ہوا۔ اس وقت حضرت عمر ایک

ایسی باندی کو ایذائیں پہنچارہے تھے جو مسلمان ہو گئی تھی۔ حضرت عمر اس کو مار رہے تھے اور وہ بری طرح تڑپ رہی تھی۔ یہ واقعہ حضرت عمر کے مسلمان ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر نے اس سے کہا۔

"مجھے افسوس ہے۔ مگر میں تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ تو تڑپ تڑپ کر جان نہیں دے دے گی۔"

اس نے جواب دیا۔

"اگر آپ مسلمان نہ ہوئے تو اسی طرح آپ کا رب بھی آپ کو عذاب دے گا۔"

پھر حضرت ابو بکر نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔ سیرت شامی میں ہے کہ یہ بنی موءل ابن حبیب کی باندی تھی اور اس کو لبینہ کہا جاتا تھا۔ غرض ان سب کی کل تعداد نو تھی۔

حضرت خبابؓ کو ایذائیں اور آنحضرت ﷺ کی دعا...... (بہت سے مسلمان ہونے والے لوگوں کو مشرکوں نے طرح طرح سے اسلام سے پھیرنے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے جن کے دلوں میں روشنی کے چراغ جلا دیئے تھے وہ دوبارہ اندھیروں میں بھٹکنے کے لئے تیار نہیں ہوئے) ایسے لوگوں میں ایک حضرت خباب ابن ادت ہیں کافروں نے ان کو دین سے پھیرنے کی ہر طرح کوشش کی مگر یہ ثابت قدم رہے۔ ان کو جاہلیت کے زمانے میں گرفتار کیا گیا تھا۔ پھر ان کو ایک عورت ام انمار نے خرید لیا یہ ایک لوہار تھے آنحضرت ﷺ ان کی دل دہی فرمایا کرتے تھے اور ان کے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ جب یہ مسلمان ہوئے اور ان کی مالکہ ام انمار کو اس بات کی خبر ہوئی تو (اس نے ان کو بڑی خوفناک ایذائیں دیں) وہ لوہے کا ٹکڑا لے کر اس کو آگ میں خوب تپاتی اور پھر اس کو حضرت خباب کے سر پر رکھ دیتی۔ آخر حضرت خباب نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اپنی مصیبت کا اظہار کیا۔ آپ نے دعا فرمائی۔

"اے اللہ! خباب کی مدد فرما۔"

دعائے نبویؐ کا اثر...... اس کے بعد اچانک اس عورت کے سر میں شدید درد شروع ہو گیا جس سے وہ کتوں کی طرح بھونکتی تھی۔ آخر اس کو یہ دوا بتلائی گئی کہ وہ اپنا سر گرم لوہے سے دغوائے چنانچہ پھر حضرت خبابؓ ایک لوہے کا ٹکڑا لے کر اس کو خوب گرم کرتے تھے اور پھر اس سے اس کے سر کو داغتے تھے۔

بخاری شریف میں حضرت خبابؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس گیا اس وقت آپ کعبے کے سائے میں اس سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ اس زمانے میں ہم مسلمان مشرکوں کی طرف سے زبردست تکلیفیں اٹھارہے تھے۔ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! کیا آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں فرماتے۔"

پچھلی امتوں کے مومن...... یہ سنتے ہی آنحضرت ﷺ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔

"تم سے پہلی امت کے لوگوں (کو اپنے دین کے لئے ایسے ایسے عذاب سہنے پڑے ہیں کہ ان) کے شروع میں لوہے کی کنگھیاں کی جاتی تھیں جس سے ان کا ہڈی اور چمڑا علیحدہ ہو جاتا تھا مگر یہ تکلیفیں بھی ان کو ان کے دین سے نہ ہٹا سکیں۔ ان کے سروں پر آرے چلا کر ان کے جسم کے دو کر دیئے گئے مگر وہ لوگ اپنے دین کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے اس دین اسلام کو اللہ تعالیٰ بہت جلد اس طرح پھیلا دے گا کہ صنعاء کے مقام سے

حضرت موت جانے والے سوار کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے کا خوف نہیں ہوگا اور یہاں تک کہ چرواہے کو اپنی بکریوں کے متعلق بھیڑیوں کا ڈر نہیں ہوگا۔"

(قال) حضرت خبابؓ اپنے متعلق روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میرے لئے آگ دھکائی گئی اور پھر وہ آگ میری کمر پر رکھ دی گئی اور پھر اسے اس وقت تک نہیں ہٹایا گیا جب تک کہ وہ میری کمر کی چربی سے ہی نہیں بجھ گئی۔

حضرت عمار بن یاسر کو خوفناک سزائیں...... ایسے ہی لوگوں میں حضرت عمار ابن یاسرؓ بھی ہیں جن کو ان کے دین سے پھیرنے کے لئے مشرکوں نے طرح طرح کے جتن کئے مگر ان کے پیروں میں لغزش نہیں آئی ان کو بھی آگ سے جلا جلا کر عذاب دیئے جاتے تھے۔

علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اس طرف تشریف لے جارہے تھے۔ اس وقت حضرت عمار کو آگ سے جلا جلا کر ایذائیں پہنچائی جارہی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔

"اے آگ۔ ٹھنڈک اور سلامتی والی بن جا جیسا کہ تو ابراہیمؑ کے لئے ہو گئی تھی۔"

یہاں تک ابن جوزی کا حوالہ ہے۔ اس کے بعد حضرت عمار نے اپنی کمر کھول کر دکھلائی تو آگ سے جلنے کی وجہ سے کمر پر کوڑھ کے سے سفید داغ پڑ گئے تھے۔ یہ غالباً" آنحضرت ﷺ کی اس دعا سے پہلے ہو چکا تھا جو آپ نے آگ کے ٹھنڈا ہونے کے لئے فرمائی تھی۔

اسلام میں پہلی شہید...... حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ حضرت عمار ابن یاسر، ان کے باپ یاسر، ان کے بھائی عبداللہ اور ان کی والدہ سمیہ ان سب کو اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی وجہ سے سخت عذاب اور اذیتیں دی جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایسے وقت آنحضرت ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا جب کہ ان لوگوں کو اذیتیں دی جارہی تھیں تو آپ نے فرمایا کہ۔ اے اللہ! آل یاسر کی مغفرت فرما۔ غرض ان ہی ایذاؤں کی وجہ سے ایک روز حضرت یاسر شہید ہو گئے۔ ان کی والدہ سمیہ کو ابو جہل کے چچا ابو حذیفہ ابن مغیرہ نے ابو جہل کے حوالے کر دیا کیونکہ یہ ابو حذیفہ کی باندی تھیں۔ ابو جہل نے ان کے دل پر نیزہ مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔ اس سے پہلے ابو جہل نے حضرت سمیہ سے کہا تھا۔

"تو محمد پر ایمان نہیں لائی ہے بلکہ ان کی خوبصورتی کی وجہ سے ان پر عاشق ہو گئی ہے۔"

اس کے بعد ابو جہل نے ان کے دل پر نیزہ مارا اور ان کو قتل کر دیا۔ اس طرح یہ اسلام میں سب سے پہلی شہید ہیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابو جہل حضرت عمار ابن یاسر اور ان کی والدہ کو سخت ایذائیں پہنچایا کرتا تھا۔ وہ حضرت عمار کو لوہے کی زرہ پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں بٹھا دیا کرتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

الٓمٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ الآیۃ پ۲۰ سورہ عنکبوت ع۱

ترجمہ:۔ الم بعض مسلمانوں جو کافر کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو کیا ان لوگوں نے خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمار ابن یاسر نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"ہمیں جو عذاب دیئے جارہے ہیں ان کی انتہا ہو چکی ہے!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "صبر کرو"۔ پھر آپ نے دعا فرمائی۔

"اے اللہ! عمار کی اولاد میں ہر ایک کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھئے۔"

بعض محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت عمارؓ غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور ان کے سوا مہاجروں میں کوئی دوسرا ایسا شخص شریک نہیں ہوا جس کے ماں باپ بھی مسلمان ہوں۔"

اب یہ روایت درست ہو جاتی ہے کہ حضرت بشر ابن براء ابن معرور انصاری غزوہ بدر میں شریک ہوئے تو اس حالت میں کہ ان کے ماں باپ بھی مسلمان تھے تو گویا مہاجروں میں ایسے شخص صرف حضرت عمار ابن یاسر تھے جبکہ انصاریوں میں حضرت بشر ابن براء بھی ایسے ہی تھے)۔

حضرت ابو بکرؓ کا حبشہ کو ارادۂ ہجرت...... حضرت ابو بکرؓ کو قریش سے جو تکلیفیں پہنچیں ان میں سے ایک کا واقعہ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ جس زمانے میں مسلمان قریش کے ہاتھوں مصیبتیں اٹھا رہے تھے اور مشرکوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب (یعنی رسول اللہ ﷺ کے خاندان والوں کو شعب ابو طالب یعنی ایک گھاٹی میں بند کر کے ان کا بائیکاٹ کر رکھا تھا اور آنحضرت ﷺ نے دوسری بار مسلمانوں کو ہجرت کر جانے کی اجازت دی تو حضرت ابو بکرؓ بھی حبشہ کو ہجرت کو جانے کے ارادے سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ وہ برک غماد نامی مقام پر پہنچ گئے۔ یہ مکے سے باہر پانچ میل کے فاصلے پر ایک جگہ تھی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ مکے سے روانہ ہو کر حضرت ابو بکر جب ایک دن یا دو دن کی مسافت پر پہنچ گئے تو ان کی ملاقات ابن دغنہ نامی ایک شخص سے ہوئی۔ اس شخص کا نام حرث تھے اور یہ قارہ قبیلے کا سردار تھا جو ایک مشہور قبیلہ تھا۔ تیر اندازی میں یہ قبیلہ اتنا مشہور تھا کہ اس فن میں اس قبیلے کی مثالیں دی جایا کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے قبیلے کے لوگوں کو رماہ الحدق بھی کہا جاتا تھا دماہ تیر انداز کو کہتے ہیں اور حق آنکھ کے ڈھیلے کی سیاہی یا سیاہ دانے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ بہترین تیر انداز اور باریک ترین چیزوں پر نشانہ لگانے والے لوگ تھے، اس قبیلہ میں خاص طور پر خود ابن دغنہ تیر اندازی میں سب سے زیادہ ماہر تھا۔

سردار قارہ کی طرف سے پناہ...... اس قبیلے کا نام قارہ پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ قارہ سیاہ پہاڑی کو کہتے ہیں یہ قبیلہ ایک مرتبہ پانی کی تلاش میں تھا کہ ایک سیاہ پہاڑی کے قریب انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا اس وقت سے اس قبیلے کا نام ہی قارہ پڑ گیا۔ غرض ابن دغنہ نے حضرت ابو بکر کو دیکھا تو ان سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ حضرت ابو بکر نے جواب دیا۔

"مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے۔ اب روئے زمین پر کہیں بھی جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہتا ہوں۔"

ابن دغنہ نے کہا۔

"آپ جیسے آدمی کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ابو بکر۔! آپ بیکسوں کے لئے روزی فراہم کرتے ہیں، رشتے داروں کی خبر گیری کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں، دوسروں کے لئے تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور نیک کاموں میں امداد کرتے ہیں۔ اس لئے میں اپ کو دشمنوں سے پناہ دیتا ہوں آپ واپس چلئے اور اپنے وطن میں ہی اپنے پروردگار کی عبادت کیجئے۔"

سردار ابن دغنہ کے ساتھ مکہ کو واپسی...... اب حضرت ابو بکرؓ ابن دغنہ کے ساتھ ہی مکے واپس

آ گئے۔ ابن دغنہ مکے پہنچ کر فوراً ہی تمام قریشی سرداروں سے ملا اور ان سے کہا کہ ابو بکر جیسا (شریف) انسان یہاں سے نہیں نکالا جا سکتا۔ کیا تم ایسے ادمی کو نکال رہے ہو جو بیکسوں کو روزی فراہم کرتا ہے) رشتے داروں کی خبر گیری کرتا ہے، دوسروں کے لئے تکلیفیں اٹھاتا ہے، مہمان نواز ہے اور نیک کاموں میں امداد کرنے والا ہے۔ پھر ابن دغنہ نے قریش سے کہا۔

"ابو بکر میری پناہ میں ہیں۔"

مشرکوں کی طرف سے حضرت ابو بکرؓ کو مشروط آزادی...... قریش نے ابن دغنہ کی پناہ کو قبول کر لیا (کیونکہ وہ مشہور اور بہت جنگجو قبیلے کا سردار تھا) انہوں نے ابن دغنہ سے کہا۔

"ابو بکر کو ہماری طرف سے اس کی اجازت ہے کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھ کر اپنے رب کی عبادت کر سکتے ہیں۔ گھر کے اندر ہی نمازیں پڑھیں اور جو دل چاہے پڑھیں مگر کھلے عام اپنی عبادت نہ کریں اور نہ اس کا پرچار کریں کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ اس سے ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہو جائیں گے۔"

تلاوت اور حسن ابو بکر سے مشرکوں کی پریشانی...... یہ سن کر ابن دغنہ نے حضرت ابو بکرؓ کو یہی ہدایت کی۔ اب حضرت ابو بکرؓ اپنے گھر کے اندر ہی اپنے پروردگار کی عبادت کرتے اور وہیں نماز پڑھتے کھلے عام اور سب کے سامنے قرآن شریف نہیں پڑھتے تھے۔ پھر انہوں نے ایک گھر کے صحن کو ہی مسجد بنالیا وہیں نماز پڑھتے اور وہیں قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتے۔ حضرت ابو بکرؓ بہت زیادہ رقیق القلب اور نرم دل آدمی تھے قرآن پاک پڑھتے ہوئے وہ زار و قطار رونے لگتے تھے چنانچہ وہ جیسے ہی قرآن پاک پڑھتے قریشی عورتیں ان کے پاس جمع ہو جاتیں (اور تلاوت سننے لگتیں) اس سے قریشی سردار بہت گھبرائے اور انہوں نے فوراً ہی ابن دغنہ کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ وہ آیا تو مشرکوں نے اس سے کہا۔

"چونکہ آپ نے ابو بکر کو اپنی پناہ میں لے رکھا ہے اس لئے ہم نے ان کو اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر کے اندر رہتے ہوئے عبادت کیا کریں گے مگر اب وہ اس کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی ہے اور وہ زور زور سے نماز اور قرآن پڑھتے ہیں۔ اب ہمیں یہ ڈر ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچے ان کے دین اور عبادت سے متاثر نہ ہو جائیں۔ اس لئے اب اگر وہ اپنے گھر کے اندر ہی خاموشی سے عبادت کر سکیں تو ٹھیک ہے لیکن اگر وہ اعلان کے ساتھ عبادت کرنا چاہتے ہیں تو آپ ان سے کہئے کہ یہ آپ کی پناہ سے نکل جائیں کیونکہ ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ آپ کی دی ہوئی پناہ کا احترام ختم کر دیں اور آپ کے عہد کو باطل کر دیں۔"

ابن دغنہ کا پناہ سے رجوع...... اب ابن دغنہ حضرت ابو بکر کے پاس آیا اور ان سے بولا۔

آپ کو معلوم ہے میں نے کس شرط کے ساتھ آپ کو پناہ دی تھی۔ اس لئے اب یا تو آپ اس شرط کی پابندی کیجئے ورنہ میری دی ہوئی پناہ اور عہد کو ختم کر دیجئے۔ کیونکہ میں اس بات کو پسند نہیں کروں گا کہ عرب یہ بات سنیں کہ میری دی ہوئی پناہ کا احترام نہیں کیا گیا۔"

اللہ تعالیٰ کی پناہ پر بھروسہ...... یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔

"میں آپ کی دی ہوئی پناہ واپس کرتا ہوں مجھے صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ ہی کافی ہے۔"

(قال) جب حضرت ابو بکرؓ نے ابن دغنہ کی پناہ اس کو لوٹا دی تو ایک روز وہ کعبے کی طرف جا رہے تھے

کہ راستے میں ان کو ایک قریشی شریر ملا اس نے حضرت ابو بکرؓ کے سر پر مٹی ڈال دی۔ اس وقت قریشی مشرکوں کا ایک سردار ادھر سے گزرا۔ حضرت ابو بکر نے اس سے کہا۔

"تم دیکھ رہے اس بے ہودہ نے کیا کیا ہے!"

اس سردار نے کہا۔

"یہ سب تم نے اپنے ہاتھوں کیا ہے۔!"

اس پر حضرت ابو بکر یہ کہنے لگے۔

پروردگار! تو کتنا حلیم ہے! (کہ اس صاف بہتان پر بھی ان کو چھوٹ دی ہوئی ہے)

ایک محدث نے اس بارے میں ایک اور بات لکھی ہے جو قابل غور ہے کہ ابن دغنہ جب حضرت ابو بکر کو واپس مکے لے کر آیا تو اس نے قریشی سرداروں کے درمیان حضرت ابو بکرؓ کی جو تعریفیں کیں اور اس کے جو اوصاف بیان کئے) سب وہ عظیم اوصاف اور خوبیاں تھیں جو حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ کے لئے بیان کی تھیں (اور جن کا بیان پچھلی قسطوں میں وحی کے بیان میں گزر چکا ہے) پھر یہ کہ حضرت ابو بکر کی یہ خوبیاں سن کر قریش نے ان کو جھٹلایا بھی نہیں حالانکہ حضرت ابو بکر کے اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے ان کی طرف سے مشرکوں کے دلوں میں ان کے خلاف زبردست نفرت اور غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی۔ تو اب یہ خاموشی گویا مشرکوں کی طرف سے اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت ابو بکر کو وہ حقیقت میں ایسا ہی سمجھتے تھے۔ نہ ان کی ان خوبیوں اور اوصاف کے متعلق ان میں سے کسی کو اختلاف تھا اور نہ کوئی ان خوبیوں کا انکار کرتا تھا۔ ورنہ ظاہر ہے حضرت ابو بکر چونکہ آنحضرت ﷺ سے بے انتہا محبت کرتے تھے اور دل و جان سے آپ کے وفادار تھے اس لئے قریش کو ان سے شدید نفرت اور دشمنی تھی اور ان کو حضرت ابو بکر کے ان اوصاف کا انکار کر دینا چاہئے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔

"نیک کام برائیوں کی قتل گاہ ہوتے ہیں۔ تین برائیاں ایسی ہیں کہ جس میں یہ ہوتی ہیں وہ ان میں پھنسا ہی رہتا تھا۔ سرکشی۔ کینہ پروری اور فریب۔

باب بست و پنجم (۲۵)

اسلام کی روز افزوں ترقی۔ قریش کی طرف سے آنحضرت ﷺ سے معجزات دکھانے کی فرمائش

آنحضرت ﷺ کو و عزت کی پیشکش...... محمد ابن کعب قرظی سے روایت ہے کہ ایک دن عتبہ ابن ربیعہ جو قریش کا بہت بڑا اور معزز سردار تھا قریش کی مجلس میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا اس وقت آنحضرت ﷺ بھی مسجد حرام میں ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ عتبہ نے مشرکین سے کہا۔

"اے گروہ قریش! کیا خیال ہے اگر میں محمد کے پاس جا کر ان سے بات کروں اور ان کو کچھ (سرداری اور دولت کی) پیش کش کروں۔ ممکن ہے وہ مان جائیں تو ہم ان کو یہ چیزیں دے دیں اور اس طرح وہ اپنی بات سے ہٹ جائیں؟"

قریش نے کہا۔

"ضرور اے ابو ولید! جاؤ ان سے جا کر بات کرو۔"

(قال) ایک روایت میں یہ ہے کہ قریش کے کچھ لوگ ایک روز جمع ہوئے۔ اور ایک روایت کے مطابق قریش کے ہر قبیلے کے سردار ایک دن جمع ہوئے اور کہنے لگے۔

"محمد کے پاس کسی کو بھیج کر ان سے آخری طور پر بات کرو۔"

اس پر دوسروں نے کہا۔

"بہتر یہ ہے کہ ہم میں سے ایسے آدمی کو چھانٹ کر بھیجو جو جادو، کہانت اور شعر و شاعری میں مہارت رکھتا ہو۔ وہ اس شخص کے پاس جائے جس نے ہم میں پھوٹ ڈال رکھی ہے اور جو ہمارے دین میں عیب نکالتا ہے ایسا شخص محمد سے جا کر بات کرلے اور معلوم کرلے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔"

اس پر لوگوں نے کہا۔

"ایسا شخص ہمارے خیال میں تمہارے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔"

اب عتبہ اٹھا اور آنحضرت ﷺ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے کہا۔

نیا جال پرانے شکاری...... "بھتیجے! تم خود جانتے ہو کہ ہمارے درمیان خاندان اور نسب کے لحاظ سے تم کتنے اونچے درجہ کے ہو مگر تم نے ایسی باتیں شروع کر دی ہیں جن سے تم اپنی قوم کے درمیان پھوٹ ڈال دی، ان کی عقلوں میں اور ان کے معبودوں میں عیب ڈالنے شروع کر دیئے اور ان کے باپ دادا کو گمراہ اور کافر بتاتے ہو۔ بعض لوگوں نے اس روایت میں یہ جملے بھی نقل کئے ہیں کہ۔ کیا تم عبداللہ کی ماں یعنی اپنی دادی سے بہتر ہو۔ کیا تم عبدالمطلب کی ماں یعنی اپنی پڑدادی سے بہتر ہو۔ یہ جملے کہہ کر عتبہ خاموش ہو کر آپ کو دیکھنے لگا۔ اس کے بعد خود ہی پھر بولا۔

"اب یا تو تم بھی یہی سمجھتے ہو کہ تمہارے یہ باپ دادا تم سے بہتر تھے تو یہ بھی سمجھ لو کہ وہ ان ہی معبودوں کی عبادت کرتے تھے جن میں تم عیب ڈالتے ہو اور یا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ان سے بہتر ہو۔ جو بھی بات ہو وہ تم کہو تمہاری بات سنی جائے گی۔ تم نے ہمیں سارے عرب میں بدنام کر دیا ہے یہاں تک کہ عربوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ قریش میں کوئی جادوگر یا کاہن موجود ہے۔ تمہارا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک دوسرے کے خلاف تلواریں سونت کر کھڑے ہو جائیں اور فنا ہو جائیں۔

اب میری بات سنو۔ میں چند چیزیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں ان پر غور کر لو ممکن ہے ان میں سے کوئی بات تمہاری سمجھ میں آجائے۔"

آپ نے عتبہ کی یہ بات سن کر فرمایا۔

"کہو ابو ولید میں سن رہا ہوں۔"

اس نے کہا

"بھتیجے! تم جو کچھ کر رہے ہو اگر اس سے تمہارا مقصد یہ ہے کہ تم دولت مند ہو جاؤ تو ہم اپنے اپنے مال میں سے تمہارے لئے اتنا مال اکٹھا کر دیں گے کہ تم ہم میں سب سے زیادہ دولت مند آدمی بن جاؤ۔ اور اگر تم عزت اور مرتبہ کے طلب گار ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنائے لیتے ہیں اور تمہارے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کریں گے۔ اور اگر تمہارا مقصد بادشاہ بننا ہے تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں اور اس طرح تم ایک بااختیار آدمی بن جاؤ گے۔ یعنی یہ بات سرداری کے مقابلے میں زیادہ اونچی ہو گی۔ اور اگر یہ باتیں جو تم کہتے ہو کسی جن وغیرہ کا اثر ہے جس سے تم مجبور ہو تو ہم تمہارا علاج کرانے کو تیار ہیں اور اپنے پیسے سے تمہارا علاج کرائیں گے یہاں تک کہ تمہیں صحت حاصل ہو جائے کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تابع جن خود اس شخص پر غالب آکر اسے اپنے اثر میں لے لیتا ہے۔"

دشمن خدا کی سامنے کلمہ حق...... غرض جب عتبہ نے اپنی بات پوری کر لی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"تم اپنی بات کہہ چکے ابو ولید!"

اس نے کہا ہاں! تو آپ نے فرمایا اب میری بات سنو۔ اس نے کہا کہو۔ آپ نے فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حٰمٓ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ الخ پ ۲۴ سورہ حم سجدہ ع آیت ۱

ترجمہ :- حم یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی

ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی زبان میں ہے ایسے لوگوں کے لئے نافع ہے جو دانشمند ہیں بشارت دینے والا ہے اور نہ ماننے والوں کے لئے ڈرانے والا ہے سو اکثر لوگوں نے اس سے روگردانی کی پھر وہ بوجہ اعراض کے سنتے ہی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ اس آیت پاک کو پڑھتے گئے اور عتبہ بالکل خاموش سنتا رہا اور اپنے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے زمین پر لٹکائے بڑے غور سے ان آیات کو سنتا رہا۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے یہاں تک یہ آیات پاک پڑھیں۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍوَّ ثَمُوْدَ پ ۲۴ سورہ حم سجدہ ع ۲ آیت ۱۳

ترجمہ :۔ پھر اگر دلائل توحید سن کر بھی یہ لوگ توحید سے اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر شرک و کفر کی بدولت آفت آئی تھی۔

<u>عتبہ کی گھبراہٹ</u>...... آخر عتبہ نے آنحضرت ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ کر آپ سے خاموش ہو جانے اور رحم کرنے کی بھیک مانگی۔ آنحضرت ﷺ نے سجدہ کی آیت تک پڑھ کر سجدہ کیا اور پھر فرمایا۔

"اے ابو ولید! تم نے یہ سب سن لیا۔ اب تم ہو اور یہ کلام پاک ہے۔!"

عتبہ آپ کے پاس سے اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا۔ اس کے ساتھیوں یعنی مشرکوں میں سے ہر ایک دوسرے سے کہنے لگا۔

"میں حلف اٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ عتبہ جس انداز میں ہمارے پاس سے گیا تھا اس انداز میں نہیں آرہا ہے بلکہ اس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔"

جب عتبہ ان کے پاس آکر بیٹھ گیا تو انہوں نے اس سے پوچھا۔

"ابوالولید! کیا کر آئے ہو؟"

<u>حقانیت کا اعتراف</u>...... اس نے کہا۔

"میں ایک ایسا کلام سن کر آرہا ہوں کہ اس جیسا میں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ خدا کی قسم نہ وہ شاعری ہے، نہ جادو ہے اور نہ کہانت ہے۔ اے گروہ قریش! میری بات مانو اور اس شخص کو آزاد چھوڑ دو، وہ جو کچھ کرنا چاہے کرنے دو۔ کیونکہ خدا کی قسم اس کا جو کلام میں نے سنا ہے وہ معمولی کلام نہیں ہے۔ اس کے نتیجہ میں اگر عربوں نے اس شخص پر حملہ کر دیا تو تمہارے ہاتھ پیر ہلائے بغیر تمہاری مراد پوری ہو جائے گی اور اگر یہ عربوں پر غالب آگیا تو ظاہر ہے اس کی سلطنت تمہاری سلطنت ہو گی اور اس کی عزت تمہاری عزت ہو گی اور تم سب سے زیادہ خوش قسمت لوگ ہو گے۔"

اس پر مشرکوں نے کہا۔

"خدا کی قسم ابوالولید اس نے اپنی زبان سے تمہارے اوپر بھی جادو کر دیا۔"

عتبہ نے کہا

"یہ میری رائے ہے اب آگے تمہیں اختیار ہے جو چاہے کرو۔"

(قال)۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب عتبہ آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرنے کے بعد اٹھا تو وہ واپس مشرکوں کے پاس نہیں آیا بلکہ وہاں سے چلا گیا۔ اس پر ابو جہل نے کہا۔

"اے گروہ قریش! مجھے یقین ہے کہ عتبہ بھی محمد ﷺ کے کہنے میں آکر بے دین ہو گیا اور اس کو ان کا

کلام بھا گیا۔ اس لئے اس کے پاس چلو۔"

چنانچہ اب یہ لوگ عتبہ کے پاس پہنچے اور ابو جہل بولا۔

"خدا کی قسم عتبہ۔ ہمارا خیال ہے کہ تم محمد ﷺ کی باتوں میں آکر اپنے دین سے پھر گئے ہو اور ان کا کلام تمہیں پسند آگیا ہے!

اس پر عتبہ نے ان لوگوں کو ساری بات بتلائی اور کہنے لگا۔

زبان کفر سے تصدیق حق...... "قسم ہے اس ذات کی جس نے کعبہ کی بنیاد قائم فرمائی جو کچھ اس نے کہا اس سے میں اس کے سوا کچھ نہیں سمجھا کہ وہ تمہیں بجلی کے ایسے ہی کوندے یعنی تباہی و بربادی سے بچانے کے لئے ڈرا رہا ہے جیسی عاد اور ثمود کی قوم پر نازل ہوئی تھی۔ آخر میں نے گھبرا کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اس سے رحم کی بھیک مانگی کہ وہ اپنی زبان سے ایسے الفاظ نہ نکالے کیونکہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ محمد ﷺ نے جب بھی کوئی بات کہی ہے وہ جھوٹ نہیں ہوئی اس لئے مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر عذاب نہ نازل ہو جائے۔"

اس پر ان لوگوں نے کہا۔

"تم پر افسوس ہے! تم سے ایک شخص عربی زبان میں بات کرتا ہے اور تم کہتے ہو کہ تم کچھ نہیں سمجھ سکے!"

عتبہ نے کہا

"خدا کی قسم اس جیسا کلام میں نے کبھی نہیں سنا۔ خدا کی قسم وہ شعر و شاعری نہیں ہے۔"

اس پر ان لوگوں نے کہا کہ ابوالولید تم پر محمد نے جادو کر دیا ہے۔ عتبہ نے کہا۔ میں نے اپنا خیال ظاہر کر دیا آگے تمہیں اختیار ہے۔

ابو طالب کے پاس تیسرا وفد...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ قریش کے معزز لوگ ابو طالب کے مکان پر آئے ان میں اسود ابن زمعہ، ولید ابن مغیرہ، امیہ ابن خلف عاص ابن وائل، عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ ابن ربیعہ، ابوسفیان، نضر ابن حرث اور ابو جہل شامل تھے۔ کتاب ینبوع حیات میں ہے کہ ولید ابن مغیرہ قریش کے سرداروں میں سے چالیس معزز آدمیوں کے ساتھ ابو طالب کے مکان پر آیا۔ انہوں نے ابو طالب سے درخواست کی کہ آنحضرت ﷺ کو ان کے سامنے بلایا جائے اور پھر قریش کو آنحضرت ﷺ سے جو شکایتیں ہیں ان کو دور کیا جائے اور اس معاملے میں پڑ کر صلح و آشتی صورت پیدا کریں۔ ابو طالب نے آنحضرت کو بلوایا اور آپ سے کہا۔

"بھتیجے! یہ تمہاری قوم کے لوگ آئے ہیں ان کی شکایتیں دور کر کے ان کے ساتھ محبت و الفت کی فضا پیدا کرو۔"

اب قریشیوں نے آنحضرت ﷺ پر ناراض ہونا شروع کیا کہ آپ ان کو اور ان کے بزرگوں کو بے عقل بتلاتے ہیں اور ان کے دین میں عیب ڈالتے ہیں۔ ان لوگوں نے آپ سے کہا۔

"اے محمد ﷺ! ہمیں تمہارے پاس اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ہم تم سے گفتگو کریں۔ خدا کی قسم ہمارے خیال میں عربوں میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی قوم کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہو جیسا تم نے اپنی قوم کے ساتھ کیا ہے۔ تم نے بزرگوں کو برا بھلا کہا، دین میں عیب نکالے ہمیں بے عقل کہا اور قوم میں پھوٹ ڈال دی، کوئی برائی ایسی نہیں ہے جو تم نے ہمارے اور اپنے درمیان پیدا نہ کر دی ہو۔

اب اگر تم یہ باتیں اس لئے کرتے ہو کہ تمہیں مال و دولت کی خواہش ہے تو ہم لوگ اپنے اپنے مال میں سے تمہارے لئے اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں سب سے زیادہ دولتمند ہو جائے گے۔ اگر تمہیں عزت اور شرف کا لالچ ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا کر تمہیں ہر قسم کا اعزاز دینے کے لئے تیار ہیں اور اگر یہ کوئی اوپرا اثر ہے، جو تم پر چھا گیا ہے تو ہم اپنے خرچ پر تمہارا علاج کرانے کو تیار ہیں۔"

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب یہ لوگ ابو طالب کے گھر پہنچے اور انہوں نے آنحضرت کو بلوایا تو آپ بڑی تیزی کے ساتھ تشریف لائے کہ ممکن ہے ان لوگوں کو ہدایت ہو جائے۔ آپ جب وہاں آکر بیٹھ گئے تو ان لوگوں نے آپ کو دولت و عزت کی پیش کش کی تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"میں جو کچھ بھی لے کر آیا ہوں اس سے نہ مجھے تمہارے مال و دولت کا لالچ ہے اور نہ عزت و اعزاز کی خواہش اور نہ ہی مجھے سلطنت و حکومت کی طمع ہے بلکہ حقیقت میں مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر اپنا کلام یعنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ حق تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے لئے خوش خبریاں دینے والا اور ڈرانے والا ہوں، میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور نصیحتیں کیں کہ میں جو کچھ لے کر آیا ہوں تم اسے قبول کرو۔ یہ تمہاری دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے لیکن اگر تم نے میری نصیحتوں کو ماننے کے بجائے انہیں ٹھکرا دیا اور میرے ساتھ برا معاملہ کیا تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمادے۔"

<u>مشرکوں کی طرف سے دولت و حسن کا لالچ</u>...... حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسری روایت ہے کہ قریش نے آنحضرت ﷺ کو مال و دولت کی پیشکش کی تاکہ آپ مکے کے سب سے زیادہ دولت مند شخص ہو جائیں اور اختیار دیا کہ وہ قریش کی جس دوشیزہ سے چاہیں اس سے شادی کر دی جائے گی اس کے بدلے میں آپ ان کے معبودوں کو برا کہنے سے رک جائیں۔ چنانچہ عتبہ ابن ربیعہ نے آپ سے کہا۔

"اگر تم (نعوذ باللہ) نفسانی خواہشات کی بناء پر ایسی باتیں کرتے ہو تو تم قریشی لڑکیاں پسند کر کے بتاؤ ہم وہ لڑکیاں تمہارے نکاح میں دے دیں گے۔ پھر ان لوگوں نے کہا۔ مگر تم ہمارے دین پر واپس آجاؤ ہمارے معبودوں کی عبادت شروع کر دو اور اب جس راستے پر چل رہے ہو اس کو چھوڑ دو۔ تمہیں دنیا اور آخرت میں جس چیز کی ضرورت ہو گی اس کے ذمہ دار ہم ہوں گے۔"

<u>قریش کی ایک عجیب اور بیہودہ پیشکش</u>...... پھر انہوں نے کہا۔

"لیکن اگر تم اس پیشکش کو نہیں مانتے تو پھر ہم تمہارے سامنے ایک اور بات پیش کرتے ہیں اور تمہیں ان میں سے کوئی ایک بات قبول کرنے کا اختیار دیتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا۔

"وہ کیا بات ہے؟"

انہوں نے کہا

"وہ یہ کہ ایک سال تک تم ہمارے معبودوں لات اور عزیٰ کی عبادت کیا کرو اور ایک سال تک ہم تمہارے معبود کی عبادت کیا کریں گے۔ اس طرح ہم اور تم اس معاملے میں ایک دوسرے کے شریک ہو جائیں گے۔ اب اگر ہمارے معبودوں کے مقابلے میں تمہارا معبود زیادہ بہتر ہے تو خود بخود تمہاری بات پوری ہو جاتی

ہے (کہ ہم سال بھر تک تمہارے معبود کی عبادت کر رہے ہیں) اور اگر تمہارے معبود کے مقابلے میں ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں تو اس طرح ہماری بات بھی پوری ہوتی رہے گی۔"

یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"میں اپنے رب کی طرف سے وحی کا انتظار کر رہا ہوں۔"

وحی کے ذریعہ جواب...... چنانچہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس موقعہ پر یہ وحی نازل فرمائی۔

قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ لَا اَعْبُدُ مَاتَعْبُدُوْنَ وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّاعَبَدْتُّمْ الخ الآیہ پ ۳۰ سورہ کافرون۔

ترجمہ :۔ "آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اے کافرو! میر ااور تمہارا طریقہ متحد نہیں ہو سکتا اور نہ تو فی الحال میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ آئندہ استقبال میں میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا۔

جعفر صادق سے روایت ہے کہ مشرکوں نے آپ سے یہ کہا تھا۔

"ایک دن تم ہمارے ساتھ ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کرو اور دس دن ہم تمہارے ساتھ تمہارے معبود کی عبادت کیا کریں گے۔ تم ایک مہینے ہمارے ساتھ ہمارے معبود کی عبادت کیا کرو ہم ایک سال تمہارے ساتھ تمہارے معبود کی عبادت کیا کریں گے۔"

جعفر صادق کہتے ہیں کہ اس پر سورہ قل یا ایھا الکافرون نازل ہوئی جس میں بعض الفاظ عبارت میں پوشیدہ ماننے پڑیں گے گویا یوں کہا جائے گا۔

لَا اَعْبُدُمَا تَعْبُدُوْنَ (یوما) وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (عشرہ) وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْ تُّمْ (عشرا) وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ (سنته)

ترجمہ :۔ یعنی نہ تو میں ایک دن بھی تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم دس دن میرے معبود کی پرستش کرو اور نہ آئندہ میں تمہارے معبودوں کی دس دن پرستش کروں گا اور نہ تم ایک سال میرے معبود کی پرستش کرو گے۔

جعفر صادق نے یہ تفسیر بعض دہریوں کے جواب میں پیش کی ہے کیونکہ انہوں نے قرآن پاک پر طعن کرتے ہوئے کہا تھا کہ امراء القیس شاعر نے کہا ہے۔

قفا نبك من ذكرى حبيب و منزل

ترجمہ :۔ اے میرے دونوں ساتھیو ٹھہر جاؤ تاکہ ہم مل کر روئیں یاد محبوب اور محبوب کے گھر کی یاد میں۔

(یعنی امراء القیس شاعر نے دو آدمیوں کا ذکر کیا ہے اور چونکہ امراء القیس عربی کا مشہور ترین اور مسلمہ شاعر ہے اس لئے اس کی استعمال کی ہوئی عربی زبان صحیح ترین زبان ہو گی۔ لہٰذا دہریوں نے اس مصرعہ کی روشنی میں قرآن پاک کی سورت قل یا ایھا الکافرون پر اعتراض کیا اس سورت میں چار مرتبہ تکرار کیا گیا ہے جو عربی زبان کے قاعدے کے خلاف ہے) جبکہ یہ آیت بھی اسی قبیل کی ہے۔ لہٰذا اگر یہ چار مرتبہ تکرار کرنا عربی زبان کے لحاظ سے غلطی ہے تو قرآن میں یہ غلطی کیوں ہوئی۔

(اس اعتراض کا جعفر صادق نے وہ جواب دیا ہے جو اوپر بیان ہوا ہے کہ پہلی بار آپ نے اس کا انکار فرمایا ہے کہ میں ایک دن بھی تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کروں گا۔ دوسری بار اس کا انکار فرمایا گیا ہے کہ اے مشرکین تم بھی دس دن اس معبود کی عبادت کرنے والے نہیں ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تیسری بار اس کا انکار فرمایا گیا ہے کہ نہ میں ایک مہینہ تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور چوتھی بار اس کا انکار کیا گیا ہے کہ اے مشرکین نہ تم سال بھر اس معبود کی عبادت کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔)

اسی سورت میں جو ارشاد ہے کہ

لکم دینکم ولی دین ۔ یعنی تمہارے واسطے تمہارا دین ہے اور میرے واسطے میرا دین ہے۔

(اس کے بارے میں کہتے ہیں دیکھا جائے تو اس آیت سے جہاد کی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ جب مسلمانوں کے واسطے مسلمانوں کا دین ہے اور مشرکوں کے واسطے مشرکوں کا دین ہے تو کوئی جھگڑا باقی نہیں رہا للذا جہاد کی کیا ضرورت باقی رہی۔" اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ آیت۔ آیت جہاد کے ذریعہ منسوخ ہو چکی ہے۔ آیت جہاد یہ ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ پ ۱۰ سورہ توبہ ع ۱ آیت ۵

ترجمہ :۔ سو جب اشہر حرم گزر جائیں تو اس وقت ان مشرکین کو جہاں چاہو مارو پکڑو باندھو اور داؤ گھات کے موقعوں پر ان کی تاک میں بیٹھو۔

اسی طرح آیت جہاد کے علاوہ اس آیت سے بھی اس کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ تا بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ الآیہ پ ۲۴ سورہ زمر ع ۷ آیت ۶۴ تا ۶۶

ترجمہ :۔ آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اے جاہلو کیا پھر بھی تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کی طرف بھی یہ بات وحی میں بھیجی جا چکی کہ اے عام مخاطب اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا سب غارت ہو جائے گا اور تو خسارہ میں پڑے گا تو کبھی شرک نہ کرنا بلکہ ہمیشہ اللہ ہی کی عبادت کرنا اور اللہ کا شکر گزار رہنا۔

(مگر اس بارے میں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ لکم دینکم ولی دین کا حکم اب بھی منسوخ نہیں بلکہ باقی ہے البتہ آیت جہاد کا جو حکم ہے وہ خاص حالات میں ہے جبکہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کے بالکل مدمقابل آکر برسر جنگ ہو جائیں)۔

جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن پاک نازل فرمایا ہے جسے تم ناپسند کرتے ہو تو انہوں نے کہا۔

"آپ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لائیے!"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ پ ۲۹ سورہ الحاقہ ع ۲ آیت ۴۴ تا ۴۶

ترجمہ :۔ اور اگر یہ ہمارے ذمے کچھ جھوٹی باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر ہم ان کی رگ دل کاٹ ڈالتے۔

اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مشرکوں کی اس بات کے جواب میں قرآن پاک کی یہ آیت پیش کرنا زیادہ مناسب ہے۔

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ الآیہ پ ۱۱ سورہ یونس ع ۱ آیت ۱۵

ترجمہ :- آپ یوں کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں۔"

مشرکوں سے گفتگو ...... (قال) ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ قریش کی ایک ایسی مجلس میں گئے جس میں بڑے بڑے مشرک سردار موجود تھے جیسے ابو جہل، عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ ابن ربیعہ امیہ ابن خلف اور ولید ابن مغیرہ۔ آپ سے ان لوگوں سے فرمایا۔

"میں جو کچھ لے کر آیا ہو (یعنی جو باتیں کہتا ہوں) کیا وہ اچھی باتیں نہیں ہیں؟"

ان لوگوں نے کہا۔

"خدا کی قسم بے شک ہیں۔"

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان لوگوں سے یہ پوچھا تھا

"میں جو کچھ کہتا ہوں کیا اس میں تمہیں بری بات نظر آتی ہے؟"

عبداللہ ابن ام مکتوم کی مداخلت ...... ان لوگوں نے کہا ہر گز نہیں۔ اسی وقت حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ آگئے (جو نابینا تھے) یہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے ماموں زاد بھائی تھے اور شروع زمانے میں ہی مکے میں مسلمان ہوئے تھے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ ان قریشی سرداروں کے ساتھ اس گفتگو میں مشغول تھے اور آپ ﷺ نے اس وقت ان مشرکوں میں اسلام سے کچھ دلچسپی اور اس طرف جھکاؤ محسوس فرمایا تھا مگر اسی وقت عبداللہ ابن مکتوم نے آکر ایک دم آپ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ علم عطا فرمایا ہے (یعنی جتنی آیتیں نازل ہوئی ہیں) وہ مجھے بتلا دیجئے۔"

مداخلت پر آنحضرت کو گرانی ...... عبداللہ ابن ام مکتوم نے اپنی اس بات کو اتنا بار بار دھرایا کہ آنحضرت ﷺ کو گرانی پیش آئی کیونکہ اس وقت آپ مشرکوں کو اسلام کی دعوت پیش فرما رہے تھے اس لئے آپ ان کے سوال کو ٹالتے رہے اور آپ نے ان سے بات نہیں کی۔

گرانی پر عتاب خداوندی ...... (ی) ایک روایت میں یہ ہے کہ آخر آپ نے اس شخص کو اشارہ فرمایا جو عبداللہ کو راستہ دکھانے کے لئے ساتھ آیا تھا کہ وہ عبداللہ کو روکے رکھے یہاں تک کہ آپ گفتگو سے فارغ ہو جائیں۔ چنانچہ اس شخص نے عبداللہ کو پکڑ کر ہٹانا چاہا (مگر چونکہ عبداللہ نابینا تھے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کا اشارہ دیکھا نہیں تھا اس لئے انہوں نے اس شخص کو دھکیل دیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ کو ناگواری پیش آئی اور آپ نے عبداللہ کی طرف سے منہ پھیر کر ان سے گفتگو شروع فرما دی جن سے آپ بات کر رہے تھے۔

اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ پر عتاب ہوا اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ الآیہ پ ۳۰ سورہ عبس ع ۱ آیت ۱ تا ۳

ترجمہ :- پیغمبر ﷺ چیں بہ چیں ہو گئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا اور آپ کو کیا

شاید نابینا آپ کی تعلیم سے پورے طور پر سنور جاتا۔

یعنی نابینا ہونے کے باوجود آنا اس بات کی دلیل تھی کہ ان کو اسلام اور آنحضرت ﷺ سے زبردست تعلق تھا کہ وہ اتنی تکلیف اٹھا کر ایک راہبر کے ذریعہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اب ظاہر ہے جس شخص کی دلچسپی کی یہ کیفیت ہو اور جو ایسا معذور ہو وہ اس بات کا حقدار تھا کہ اس کے ساتھ توجہ کا معاملہ کیا جاتا نہ کہ پہلو تہی اور گریز کا (خواہ وہ وقتی ضرورت اور مصلحت ہی کی وجہ سے رہا ہو)۔

<u>ابن ام مکتوم کی عزت افزائی</u>...... چنانچہ اس واقعہ اور اس آیت کے نزول کے بعد جب بھی حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ آتے تو آنحضرت ﷺ ان کا استقبال کرتے ہوئے یہ فرمایا کرتے تھے۔

"خوش آمدید اس شخص کو جس کی وجہ سے میرے پروردگار نے مجھ پر عتاب فرمایا۔"

پھر آپ ان کو بٹھانے کے لئے اپنی چادر بچھاتے۔

(قال) اس روایت سے قاضی ابو بکر ابن عربی کا قول یہاں رد ہو جاتا ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: غالبا" ابن عربی کا قول وہ ہے جس کو ان کے شاگرد علامہ سہیلی نے نقل کیا ہے وہ قول یہ ہے کہ ابن ام مکتوم اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ورنہ (اس روایت میں جس کی بنیاد پر علامہ سہیلی نے یہ بات کہی ہے) ابن ام کتوم کو اس لقب سے نہ یاد کیا جاتا جو ان کے نابینا ہونے کی وجہ سے پڑ گیا تھا۔ بلکہ اس نام سے یاد کیا جاتا جس کی نسبت ان کے ایمان کی طرف ہوگی اگر وہ اس وقت ایمان لا چکے ہوتے اس لئے در حقیقت وہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔ اسی بات کی طرف (اس روایت کے مطابق جس کی بنیاد پر علامہ سہیلی نے یہ بات کہی ہے) ابن ام مکتوم نے آنحضرت ﷺ کو یار سول اللہ ﷺ کہنے کے بجائے یا محمد کہا۔ پھر یہ کہ ان کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی اس میں لعلہ یزکی کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں کہ شاید یہ شخص سنور جاتا۔ یعنی آیت میں ان کے پاک باطن ہونے کی توقع اور امید ظاہر کی گئی ہے جبکہ اگر وہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے مسلمان ہو چکے ہوتے تو پاکیزگیٔ نفس کے سلسلے میں وہ توقع کے دائرے سے نکل جاتے۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا کلام ہے۔

شبی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہوا۔ اس وقت ابن ام مکتوم ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہؓ ان کے لئے لیموں کاٹ کاٹ کر شہد میں ملا رہی تھیں اور انہیں کھانے کے لئے دے رہی تھیں۔ اس شخص نے حضرت عائشہؓ سے اس کی وجہ پوچھی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

"جب سے ان کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر عتاب نازل فرمایا اس وقت سے آپ کے گھر کے سب لوگ ان کی اسی طرح خاطر داری کرتے ہیں۔" واللہ اعلم

<u>ابو جہل کی طرف سے معجزہ کا مطالبہ</u>...... فتاوی جلال سیوطی میں ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ ابو جہل نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"اے محمد! میرے گھر میں ایک پتھر ہے اگر تم اس میں سے ایک مور پیدا کر دو تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا۔"

<u>معجزے کا ظہور اور ابو جہل کی روگردانی</u>...... آنحضرت ﷺ نے اپنے رب سے دعا فرمائی۔ اچانک اس پتھر سے ایسی کراہوں کی آوازیں آنے لگیں جیسی بچہ کی پیدائش کے وقت حاملہ عورت کے منہ سے نکلتی ہیں۔

اس کے بعد وہ پتھر پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور اس میں سے ایک مور نکلا جس کا سینہ سونے کا تھا، سر زبرجد کا تھا، دونوں پر یاقوت کے تھے اور اس کے پیر ہیرے کے تھے۔ مگر ابو جہل نے اس مور کو دیکھا اور منہ موڑ کر چلا گیا اور مسلمان نہیں ہوا۔ علامہ سیوطی نے اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔

معجزہ شق القمر...... پھر مشرکوں نے آنحضرت ﷺ سے غیر متعین نشانیاں دکھانے کی فرمائش کی جیسا کہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت ہے اس میں ہے کہ مشرکوں نے آپ سے متعین نشانیاں دکھانے کی فرمائش کی۔ مگر آگے تفصیل آئے گی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے مشرکوں نے آپ سے غیر متعین نشانیاں دکھانے کی فرمائش کی اور پھر متعین نشانی کی فرمائش کی۔ لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

قبول اسلام کے لئے شق القمر کی شرط...... چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ قریش نے آنحضرت ﷺ سے کوئی نشانی دکھانے کی فرمائش کی۔

(ی) اور ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ ہی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ منیٰ کے مقام پر مشرکین جمع ہوئے ان میں ولید ابن مغیرہ، ابو جہل ابن ہشام، عاص ابن ہشام، اسود ابن عبد یغوث، اسود ابن مطلب زمعہ ابن اسود اور نضر ابن حرث بھی تھے۔ یہ لوگ جمع ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"اگر تم سچے ہو تو ہمیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلاؤ۔ اس طرح کہ ایک ٹکڑا ابو قبیس پہاڑ پر نظر آئے اور دوسرا قعیقعان پہاڑ پر نظر آئے۔"

(یعنی دونوں ٹکڑے ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر ہوں تاکہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے میں کوئی شک نہ رہے)۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ

"اس کا آدھا حصہ مشرق میں ہو تو آدھا حصہ مغرب میں ہو۔"

یہ مہینہ کی چودھویں رات تھی جس میں پورا چاند تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مشرکوں کی یہ عجیب و غریب فرمائش سن کر فرمایا۔

اگر میں ایسا کر دکھاؤں تو کیا تم مجھ پر ایمان لے آؤ گے ؟"

مشرکوں نے کہا۔ "ہاں!"

اب اللہ تعالیٰ سے آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی کہ آپ کے ہاتھ یہ معجزہ ظاہر فرمادے۔ چنانچہ فوراً چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ایک حصہ ابو قبیس پہاڑ کے اوپر نظر آیا اور دوسرا قعیقعان پہاڑ پر نظر آیا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ چاند کے اس طرح دو ٹکڑے ہو گئے کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر تھا اور دوسرا پہاڑ سے دور تھا۔ جو ٹکڑا پہاڑ کے اوپر تھا وہ شاید مشرق کی سمت میں تھا اور جو پہاڑ سے علیحدہ تھا وہ شاید مغرب کی سمت میں تھا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے مشرکوں سے فرمایا۔

"اب گواہی دو۔ اب گواہی دو۔!"

اس تفصیل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس روایت میں جس میں کہ پہاڑوں کے نام ہیں اور اس روایت میں جس میں کہ مشرق و مغرب کے لفظ ہیں کوئی فرق نہیں رہتا۔ نیز ان دونوں روایتوں اور اس روایت میں بھی کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا جس کے الفاظ یہ ہیں کہ :-

"پھر چاند کے اس طرح دو ٹکڑے ہوگئے کہ آدھا صفا پہاڑی پر تھا اور آدھا مروہ پہاڑی پر تھا۔ اور یہ صورت عصر کے بعد سے رات تک رہی کہ اس دوران میں چاند کے دونوں علیحدہ علیحدہ ٹکڑے دکھائی دیتے رہے اور اس کے بعد نظروں سے او جھل ہو گئے۔"

اب اگر چاند کا شق یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا فجر سے پہلے ہوا تھا تو ٹھیک ہے ورنہ دوسری صورت میں یہ دوسرا معجزہ ہوگا کیونکہ چودہویں رات کا چاند پوری رات نظر آتا رہتا ہے (جبکہ روایت میں چاند کے او جھل ہو جانے کا ذکر ہے)۔

مگر زین معمر سے روایت ہے کہ چاند غروب ہونے کے بعد (اصل حالت میں) دوبارہ ظاہر ہو گیا تھا۔ چنانچہ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب گواہی دو۔

جہاں تک دو ٹکڑوں کا تعلق ہے اس کے لئے حدیث میں فرقتان کا لفظ استعمال ہوا ہے (اس کے متعلق کہتے ہیں کہ) فرقتان سے مراد دو مرتبہ (بھی ہو سکتی) ہے۔ جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے اور جن سے بعض محدثین نے جیسے علامہ زین العراقی، یہی مراد لی ہے۔ چنانچہ علامہ عراقی کہتے ہیں کہ چاند دو مرتبہ میں شق ہوا ہے۔ یہاں دو ٹکڑے کے بجائے دو مرتبہ کہا گیا ہے جس کے لئے عربی میں مرہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے کیونکہ مرہ اگرچہ اپنی اصل کے لحاظ سے فعل کے لئے وضع کیا گیا ہے مگر کبھی کبھی یہ اعیان میں بھی استعمال ہوتا ہے (یہ ایک لغوی بحث ہے جس کی تفصیل اور وضاحت غیر ضروری ہے)۔

علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ جہاں تک چاند کے دو مرتبہ شق ہونے کا تعلق ہے کہ ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ دو مختلف زمانوں میں شق ہوا تو جو شخص آنحضرت ﷺ کی سوانح حیات اور سیرت پاک سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ یہ بات غلط ہے اور شق قمر یعنی چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ صرف ایک ہی مرتبہ پیش لیا ہے۔

<u>شرط سے روگردانی</u>...... غرض قریش کی فرمائش پر جب آنحضرت ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے فرما کر دکھا دیئے تو وہ بجائے آپ کی نبوت و صداقت پر ایمان لانے کے کہنے لگے۔

"ابن ابوکبشہ یعنی محمد ﷺ نے تم لوگوں پر یعنی تمہاری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔"

<u>ابن ابوکبشہ</u>...... یہاں مشرکوں نے آپ کو ابن ابوکبشہ یعنی ابوکبشہ کا بیٹا کہا ہے۔ یہ ابوکبشہ آنحضرت ﷺ کے ایک نانا کا لقب تھا۔ اس لئے کہ وہب ابن عبد مناف ابن زہرہ جو آپ کی والدہ حضرت آمنہ کا دادا تھا یہ بوکبشہ اس کا لقب تھا۔ یا پھر یہ ابوکبشہ کے لقب والا شخص آپ کی دودھ پلانے والی دایہ حلیمہ کے اجداد میں سے ہا ہوگا کیونکہ دایہ حلیمہ کے باپ یا ان کے دادا کا بھی یہی لقب تھا۔ یا پھر ان کی کسی بیٹی کا نام کبشہ ہوگا اور ان کے شوہر جو آنحضرت ﷺ کے رضاعی باپ ہوئے اپنی اس بیٹی کی نسبت سے ابوکبشہ کہلاتے رہے ہوں گے۔ جیسا لہ یہ رضاعت کے بیان میں بھی گزرا ہے۔

ایک روایت بھی ہے جس میں ہے کہ مجھ سے میری رضاعی باپ ابوکبشہ نے بیان کیا کہ جب انہوں نے اپنی قوم کے ایک معزز سردار سلول کو دفن کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے لئے قبر کھودی تو انہیں زمین میں یک بند دروازہ ملا۔ ان لوگوں نے اسے کھولا تو دیکھا کہ اس کے اندر ایک تخت ہے جس پر بڑے قیمتی کپڑوں میں یک شخص لیٹا ہوا ہے اس کے سر کے پاس ایک تحریر رکھی ہوئی تھی جس میں لکھا تھا کہ میں ابوشہر ذوالنون

ہوں۔ میں غریبوں کا ٹھکانہ اور بیکسوں کا والی تھا، مجھے موت نے زبردستی چھین لیا حالانکہ میں خود بڑا طاقتور او معزور تھا۔

کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ ذوالنون ہی سیف ابن ذی یزن حمیری تھا۔

بہر حال ابوکبشہ کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ نام آنحضرت ﷺ کی داد ھیال میں ایک شخص کا تھا کیونکہ آپ کے دادا عبدالمطلب کے نانا کو ابوکبشہ کہا جاتا تھا۔ یہ شخص اس ستارے کی پرستش کرتا جس کو شعری کہا جاتا ہے۔ اس شخص نے قریش کے برخلاف بتوں کی پرستش چھوڑ دی تھی (جس کے نتیجہ میں قریش اس سے ناراض ہوگئے تھے اور اس کو بے دین کہنے لگے تھے) لہٰذا قریش نے آنحضرت ﷺ کا نام لینے کے بجائے ابن ابوکبشہ آپ کی توہین کے خیال سے کہا اور ایک ایسے شخص کی طرف نسبت کر کے آپ کو پکارا جس نے دین کے معاملے میں اپنے بزرگوں کا راستہ چھوڑ دیا تھا (کیونکہ خود آنحضرت ﷺ بھی دین کے معاملے میں اپنے باپ دادا کے مخالف راستے پر تھے)۔

ایک قول ہے کہ جس شخص نے بتوں کی پرستش چھوڑ کر شعری ستارے کی پرستش شروع کر دی تھی وہ قبیلہ بنی خزاعہ کا ایک شخص تھا اور قریش نے یہاں آپ کو ابن ابوکبشہ کہہ کر اسی شخص سے تشبیہ دی تھی کیونکہ آپ نے بھی دین کے معاملے میں ان لوگوں کی خلاف ورزی کی تھی۔

اس آخری قول کی تائید کتاب اتقان کے قول سے بھی ہوتی ہے جس میں ایک آیت کے ذریعہ تشبیہ کی مثال پیش کی گئی ہے اور اس کو تشبیہ کی اس قسم میں شامل کیا گیا ہے جس کا نام تنکیت ہے۔ تنکیت کا مطلب یہ ہے کہ کلام کرنے والا ان مختلف چیزوں میں سے جن کا وہ ذکر کر رہا ہے کسی ایک چیز کو کسی خاص نکتے کی وجہ سے تشبیہ کے لئے خاص کرے جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وانہ ھو رب الشعری قرآن حکیم پ ۲۷ سورہ نجم ع ۲

ترجمہ :- اور یہ کہ وہی مالک ہے ستارہ شعری کا بھی۔

یہاں حق تعالیٰ نے آپ کو تمام ستاروں کا رب کہنے کے بجائے خاص طور پر شعری ستارے کا ذکر کیا حالانکہ ظاہر ہے حق تعالیٰ تمام چیزوں کا رب اور پروردگار ہے۔ شعری ستارے کے خاص طور پر ذکر کی وجہ یہ ہے کہ عربوں میں ایک شخص ظاہر ہوا تھا جو ابن ابوکبشہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس شخص نے لوگوں کو شعری ستارے کی پرستش کی دعوت دی۔ اس کے رد میں حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وانہ ھو رب الشعریٰ

چونکہ اس کے رب ہونے کا دعویٰ کیا گیا تھا اس لئے حق تعالیٰ نے اس آیت میں ظاہر فرمایا ہے (عبادت کے لائق صرف ذات باری ہے جو اس ستارے کا بھی رب ہے) یہاں تک کتاب اتقان کا حوالہ ہے۔

جہاں تک کبشہ لفظ کا تعلق ہے یہ کبش کا مونث نہیں ہے جس کے معنی ہیں مینڈھا۔ کیونکہ کبشہ مونث اس لفظ سے نہیں بنتا بلکہ وہ ایک علیحدہ لفظ ہے جس کا مادہ بھی علیحدہ ہے۔

<u>شق قمر کی مسافروں سے تصدیق</u>...... غرض چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھ کر قریش دنگ رہ گئے فوراً ہی ایک شخص بولا۔

"اگرچہ محمد ﷺ نے ہمارے لحاظ سے چاند پر جادو کر دیا ہے مگر ان کے جادو کا اثر ساری دنیا کے لوگوں

نہیں ہو سکتا (یعنی ہر جگہ کے لوگ چاند کو دو ٹکڑوں کی شکل میں نہیں دیکھ رہے ہوں گے)۔"

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ

"ہو سکتا ہے محمد ﷺ نے ہمیں اپنے جادو کے اثر میں لے لیا ہو لیکن وہ ساری دنیا کو مسحور نہیں کر سکتے۔ لہٰذا دوسرے شہروں سے آنے والوں سے پوچھا کہ کیا انہوں نے بھی چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔"

چنانچہ اب لوگوں نے باہر سے آنے والے مسافروں سے پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ ہاں ہم نے بھی یہ حیرتناک بات دیکھی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل نے یہ معجزہ دیکھ کر کہا۔

"یہ جادو ہے اس لئے دور دراز کے لوگوں سے معلوم کرو۔"

ایک روایت کے الفاظ کے مطابق۔ اس نے یہ کہا

"آنے والے مسافروں کا خیال رکھو اور ان سے پوچھو کہ کیا انہوں نے بھی یہ واقعہ دیکھا ہے یا نہیں۔"

چنانچہ آنے والے مسافروں نے اس واقعہ کی تصدیق کی۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ پھر باہر سے آنے والے اور ہر ہر طرف کے لوگ مکے آئے اور مشرکوں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ ہاں ہم نے بھی چاند کو دو ٹکڑے ہوئے دیکھا ہے۔

<u>اہل شرک کی ہٹ دھرمی</u>...... اب جبکہ باہر کے مسافروں نے بھی اس معجزے کی تصدیق کر دی تو مشرکوں نے یہ کہا کہ بس پھر تو یہ ایک عام جادو ہے جس کا سب پر اثر ہوا ہے۔ اس طرح گویا انہوں نے یہ بات صرف اسی معجزے کے متعلق نہیں کہی بلکہ آپ کے دوسری تمام نشانیوں اور معجزوں کے بارے میں بھی یہی کہا۔

ایک روایت کے الفاظ میں یہ ہے کہ مشرکوں نے کہا۔

"یہ ایک ایسا جادو ہے جس سے جادوگر بھی متاثر ہو گئے۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَ اِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ پ ۲۷ سورہ قمر ع ۱

ترجمہ: قیامت نزدیک آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا اور یہ لوگ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہوا جاتا ہے۔

یا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جادو ہے جس سے سب متاثر ہو گئے ہیں۔ یا جو بہت زبردست ہے

اب اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند کو شق ہونے کی حالت میں صرف مکے والوں نے ہی نہیں دیکھا بلکہ دور دراز کے رہنے والے لوگوں نے بھی دیکھا تھا۔ اس سے ان بعض دہریوں کی بات کی تردید ہو جاتی ہے جو (چاند کے شق ہونے سے انکار کرتے ہیں اور) کہتے ہیں کہ اگر چاند شق ہوا ہوتا تو اس کو تمام روئے زمین کے لوگوں نے دیکھا ہوتا صرف مکے والوں نے ہی نہ دیکھا ہوتا۔

مگر اس اعتراض کے لئے یہ جواب مناسب نہیں ہے کیونکہ اس معجزے کا مطالبہ ایک خاص جماعت اور کچھ مخصوص لوگوں نے کیا تھا لہٰذا اس کو ان ہی لوگوں نے دیکھا جو اس کے خواہشمند تھے۔ اسی طرح اس جواب میں ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اس وقت چاند ایسے برج میں ہو کہ مکے کے باہر کے لوگوں میں سے کچھ کے سامنے رہا ہو اور کچھ علاقوں میں سامنے نہ رہا ہو۔ ایسے ہی بعض علماء کا مثلاً" قول یہ ہے کہ چاند کا

شق ہونا دراصل رات میں ظاہر ہونے والا ایک معجزہ تھا جو ایک خاص جماعت کے لوگوں کے لئے رات کے ایک حصے میں ظاہر کیا گیا جبکہ اس وقت اکثر لوگ سو رہے تھے۔

کتاب فتح الباری میں ہے کہ درخت کے تنے کا رونا۔ اور چاند کا شق ہونا دونوں ایسی روایتیں ہیں کہ حدیث کی سند کو جاننے والوں کے نزدیک معتبر ہیں۔

شق قمر اور شق صدر...... اقول۔ مولف کہتے ہیں: چاند کے شق ہونے کے سلسلے میں قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے بھی اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

شق عن صدره و شق له البدر
ومن شرط كل شرط جزاء

مطلب...... یعنی آنحضرت ﷺ کا سینہ چاک کیا گیا۔ اور ایک قصیدے کے ایک نسخے میں ہے کہ۔ آنحضرت ﷺ کا قلب مبارک چاک کیا گیا۔ یہ دونوں ہی روایتیں درست ہیں کیونکہ پہلے آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا تھا اور پھر دوسری بار قلب مبارک چاک کیا گیا تھا۔ غرض قصیدے کے اس شعر میں کہا گیا ہے کہ آپ کا سینہ چاک کیا گیا اور پھر آپ کی وجہ سے چودھویں رات کے چاند کو چاک کیا گیا اور چاند کو آپ کے لئے اس واسطے چاک کیا گیا کہ ہر فضیلت اور خصوصیت کی ایک جزاء ہوتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو یہ خصوصیت اور فضیلت عطا ہوئی تھی کہ آپ کا سینہ چاک کیا گیا تھا اس کی جزاء آپ کو یہ دی گئی کہ اس واقعہ کی مشابہت کے لحاظ سے جو سب سے اہم چیز ہو سکتی تھی وہ آپ کے ہاتھوں پر ظاہر کی گئی اور وہ چاند کا شق ہونا یا چاک ہونا ہے جو قرآن پاک کے بعد آنحضرت ﷺ کا سب سے کھلا ہوا اور سب سے عظیم الشان معجزہ تھا۔

اسی واقعہ کی طرف امام سبکیؒ نے بھی اپنے قصیدے میں اشارہ کیا ہے کہ:

وبدر الد يا جى انشق نصفين عندما
ارادت قريش منك اظهار ايته

ترجمہ:- جب قریش نے آپ سے معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا تو آپ کے ہاتھوں روشن چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

(ی) قریش نے دراصل پہلے آپس میں سازش کی تھی اور فیصلہ کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس چل کر آپ سے چاند کو شق کر کے دکھانے کی فرمائش کریں گے جو ان کے نزدیک ایک بالکل ناممکن اور محال بات تھی۔ چنانچہ پہلے انہوں نے غیر متعین طور پر کوئی نشانی دکھانے کی فرمائش کی اور پھر متعین کر کے فرمائش کی۔

ہندوستان میں شق قمر کے دیدار کا ایک عجیب واقعہ...... کتاب اصابہ میں ایک روایت ہے جس میں راوی کہتا ہے کہ جب میں نو سال کا تھا تو اپنے والد اور چچا کے ساتھ خراسان سے تجارت کے سلسلے میں ہندوستان کے سفر پر گیا۔ ہندوستان کے علاقے میں داخل ہوتے ہی ہم ایک باغ کے پاس سے گزرے۔ قافلے والے اس باغ کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھے۔ وہاں پہنچ کر ہم نے لوگوں سے اس باغ کے متعلق تحقیق کی کہ یہ کس کا ہے ہمیں بتلایا گیا کہ شیخ زین الدین معمر کا باغ ہے۔ ہم نے باغ کے باہر ایک بہت بڑا درخت دیکھا جس کے سایہ میں ایک بڑا مجمع بیٹھا ہوا تھا اور یہ سب اسی علاقے کے لوگ تھے۔ ان لوگوں نے ہمیں دیکھ کر خوش آمدید کہا۔ اس وقت ہم نے دیکھا کہ درخت کی ایک شاخ میں ایک زنبیل یعنی تھیلا لٹکا ہوا ہے ہم نے لوگوں سے اس زنبیل کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا۔

ایک ہندوستانی صحابی...... "ان شیخ زین الدین نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے آنحضرت ﷺ نے ان کو چھ مرتبہ لمبی عمر کی دعا دی تھی۔ اب شیخ چھ سو سال کے ہو چکے ہیں اور اس طرح گویا ہر دعا کے نتیجہ میں شیخ کو ایک سو سال کی عمر ملی۔"

اب ہم نے ان لوگوں سے درخواست کی کہ شیخ کو نیچے اتاریں تاکہ ہم بھی ان کی زیارت کر سکیں اور ان سے گفتگو کر سکیں یہ سن کر ان لوگوں میں سے ایک بزرگ آگے بڑھے اور انہوں نے وہ زنبیل درخت کی شاخ میں سے اتاری۔ ہم نے دیکھا کہ زنبیل میں روئی بھری ہوئی ہے اور اس روئی کے بیچ میں اس پر شیخ بیٹھے ہوئے ہیں جو بے انتہا کمزور اور ناتواں ہیں۔ پھر ان ہی بزرگ نے اپنا منہ شیخ کے کان پر رکھ کر کہا۔

"یہ لوگ خراسان سے آئے ہیں ان کی خواہش ہے کہ آپ ان کو بتلائیں کہ آپ نے کیسے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی اور آنحضرت ﷺ نے آپ سے کیا فرمایا تھا۔"

شیخ کی طرف سے اپنے واقعہ کی حکایت...... یہ سن کر شیخ نے منہ کھولا اور اتنی کمزور آواز میں فارسی زبان میں گفتگو کی جیسے مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے شیخ نے کہا۔

سفر حجاز...... ایک مرتبہ جبکہ میں نوجوان تھا اپنے والد کے ساتھ تجارت کے سلسلے میں حجاز گیا۔ جب ہم مکے کی ایک وادی میں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ بارش کی وجہ سے وادیوں میں پانی بھرا ہوا ہے۔ وہیں ہم نے ایک خوبصورت لڑکا دیکھا جو ان وادیوں میں اونٹ چرا رہا تھا۔ مگر اس لڑکے اور اس کے اونٹوں کے درمیان سیلاب کا پانی جمع ہو گیا۔ اب وہ لڑکا پانی کو پار کرتے ہوئے ڈر رہا تھا کہ کہیں سیلاب تیز نہ ہو جائے۔

بچے کی مدد...... میں اس لڑکے کی پریشانی کو تاڑ گیا چنانچہ میں لڑکے کے پاس آیا اور میں نے بغیر کسی جان پہچان کے اس لڑکے کو اٹھا کر پانی کے اس پار اس کے اونٹوں کے پاس پہنچا دیا۔ جب میں نے لڑکے کو دوسرے کنارے پر اتارا تو اس نے میری طرف دیکھا اور مجھے دعا دی۔

شق قمر کا مشاہدہ...... اس کے بعد ہم لوگ کچھ دن بعد واپس اپنے وطن ہندوستان آ گئے اور دن گزرتے گئے۔ ایک رات جبکہ چودھویں کا چاند آسمان میں جگمگا رہا تھا ہم لوگ اپنے اسی باغ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت آسمان کے بیچوں بیچ پورا چاند چمک رہا تھا۔ دفعتاً ہماری نظر اٹھی تو ہم نے دیکھا کہ اچانک چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور اس کا ایک ٹکڑا مشرق میں جھک کر غائب ہو گیا اور ایک مغرب میں چھپ گیا اور تھوڑی دیر کے لئے وہ چاندنی رات بالکل اندھیری ہو گئی۔ پھر کچھ عرصہ بعد اچانک چاند کا آدھا ٹکڑا مشرق سے نکل کر ابھرا اور آدھا مغرب سے ابھرا اور دونوں حصے اٹھتے اٹھتے آسمان کے بیچ میں آ کر پھر اسی طرح مل گئے جیسے پہلے تھے۔

بنی ہاشمی کی اطلاع...... ہم یہ حیرت ناک واقعہ دیکھ کر سخت حیران اور متعجب تھے مگر ہمیں اس کا کوئی سبب معلوم نہیں تھا۔ آخر پھر کچھ دن بعد باہر سے آنے والے قافلوں سے ہم نے اس واقعہ کا ذکر کر کے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مکے میں ایک ہاشمی شخص ظاہر ہوا ہے اور اس نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ سارے عالم کے لئے خدا کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ مکے والوں نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کو کوئی معجزہ دکھلائے اور انہوں نے اصرار کیا کہ وہ چاند کو حکم دے کہ وہ دو ٹکڑے ہو جائے اور اس کا ایک حصہ مشرق میں اور ایک مغرب میں جا کر غروب ہو جائے اور پھر دوبارہ دونوں حصے ابھر کر آئیں اور دونوں مل کر پہلے ہی کی طرح ہو جائیں۔ چنانچہ اس نبی نے ان کی یہ فرمائش پوری کر کے دکھلا دی۔

شوق زیارت اور ملاقات...... یہ سن کر مجھے اس نبی کی زیارت کا زبردست شوق پیدا ہو گیا۔ آخر میں مکے پہنچا اور وہاں میں نے لوگوں سے اس نبی کے متعلق پوچھا۔ لوگوں نے مجھے ان کا پتہ بتلایا۔ اب میں ان کے گھر پر پہنچا اور میں نے دروازہ پر پہنچ کر اندر آنے کی اجازت مانگی انہوں نے مجھے اندر آنے کی اجازت دی تو میں گھر میں داخل ہوا اور میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے میری طرف دیکھا تو مسکرائے اور فرمایا۔ "میرے قریب آجاؤ۔"

قصۂ پارینہ کی یاد...... اس وقت ان کے سامنے ایک طباق رکھا ہوا تھا جس میں کھجوریں تھیں۔ میں آگے بڑھ کر آپ کے سامنے جا بیٹھا اور کھجوریں کھانے لگا۔ آپ مجھے کھجوریں دینے لگے یہاں تک کہ آپ نے مجھے چھ کھجوریں دیں۔ اس کے بعد پھر آپ میرے طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔

"کیا تم مجھے پہچانتے نہیں؟"

میں نے عرض کیا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔

"کیا فلاں سال تم نے مجھے سیلاب کے وقت اٹھا کر ادھر سے ادھر نہیں پہنچایا تھا۔"

پھر آپ نے فرمایا

"اپنا ہاتھ لاؤ۔"

میں نے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا۔

قبول اسلام اور دعائے پیغمبر...... "کہو اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ و اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔"

میں نے یہ کلمہ اسی طرح کہہ دیا تو آپ بہت خوش ہوئے۔ پھر جب میں چلنے لگا تو آپ ﷺ نے خود ہی فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں برکت عطا فرمائے۔"

آپ نے یہ جملہ چھ مرتبہ فرمایا۔

عمرت دراز باد...... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی ہر دعا کے بدلے میں میری عمر میں سو سال کی برکت عطا فرمائی اور آج میری عمر چھ سو سال ہے اور عمر کی چھٹی صدی پوری ہونے والی ہے۔"

اب گذشتہ قول سے معلوم ہوتا ہے کہ شق القمر کا معجزہ سب نے نہیں دیکھا مگر اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ دور دراز تک کے علاقوں میں دیکھا گیا۔

علامہ سیوطی سے اسی قسم کی ایک حدیث کے متعلق پوچھا گیا اور معمر کی وہ حدیث بتلائی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحابی ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ غزوہ خندق کے دن وہ دو دو تھیلے ڈھو کر لے جارہے تھے جبکہ بقیہ صحابہ ایک ایک تھیلہ لے جارہے تھے۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک چار مرتبہ ان کی کمر پر مارا اور فرمایا۔

"اے معمر اللہ تعالیٰ تجھے بڑی عمر دے۔"

چنانچہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی ان چار ضربوں کے اثر سے وہ چار سو سال زندہ رہے اور ہر ضرب کے نتیجہ میں انہیں سو سال کی عمر ملی۔ پھر ان سے مصافحہ کرنے کے بعد کہا کہ جس نے آپ سے چھ مرتبہ یا سات مرتبہ تک مصافحہ کیا اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔

پھر انہوں نے علامہ سیوطی سے پوچھا۔

"کیا یہ حدیث صحیح ہے یا جھوٹ اور بہتان ہے جس کو روایت کرنا جائز نہیں ہے!"

علامہ سیوطی نے جواب دیا۔

یہ حدیث باطل اور غلط ہے اور یہ کہ معمر جھوٹا اور دجال ہے اس لئے کہ صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے فرمایا تھا۔

"میں آج تم لوگوں میں سے جس جس کو دیکھ رہا ہوں آج سے ایک سو سال بعد ان میں سے ایک شخص بھی زمین کی پشت پر موجود یعنی زندہ نہیں ہوگا۔"

چنانچہ محدثین اور علماء کہتے ہیں کہ جس شخص نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے ایک سو سال بعد صحابی ہونے اور آنحضرت ﷺ کو دیکھنے کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ سب سے آخری صحابی جنہوں نے سب صحابہ کے بعد وفات پائی وہ ابو طفیل ہیں ان کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا۔ یہ بات صحیح مسلم کی روایت میں ثابت ہے اور سب علماء کا اس بات پر اتفاق ہے۔ لہٰذا ابو طفیل کے بعد جس شخص نے بھی صحابی ہونے کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے۔ (مگر اس روایت کو صحیح ماننے کی صورت میں بظاہر اس روایت میں استثنا کی گنجائش ہوگی)۔

مکے کے پہاڑ ہٹا دینے کی فرمائش...... غرض اس کے علاوہ مشرکوں نے متعین کر کے آنحضرت ﷺ سے جو معجزے دکھلانے کے مطالبے کئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ آپ سے کہا۔

"اپنے رب سے کہئے کہ یہ ان پہاڑوں کو ہٹا دے جن کی وجہ سے ہمارا شہر تنگ ہو رہا ہے تاکہ ہماری آبادیاں پھیل کر بس سکیں۔ نیز اپنے رب سے کہہ کر یہاں ایسی ہی نہریں جاری کر کے دکھلایئے جیسی شام اور عراق میں ہیں، نیز ہمارے باپ دادوں کو دوبارہ زندہ کرا کے دکھلایئے ان دوبارہ زندہ ہونے والوں میں قصی ابن کلاب ضرور ہو اس لئے کہ وہ نہایت عقلمند اور دانا بزرگ تھا۔ ہم اس سے پوچھیں گے کہ تم جو کچھ کہتے ہو آیا وہ سچ ہے یا جھوٹ ہے۔"

ایک روایت کے مطابق اس کے بعد قریش نے کہا۔

قریش کے احمقانہ مطالبے...... "اگر ہمارے ان بزرگوں نے تمہاری تصدیق کر دی اور اگر تم نے ہمارے یہ مطالبے پورے کر کے دکھلا دیئے تو ہم تمہاری نبوت کو مان جائیں گے اور سمجھ لیں گے کہ تم واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہو اور یہ کہ اللہ نے تمہیں ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو۔"

آنحضرت ﷺ نے جواب دیا۔

"مجھے ان باتوں کے لئے تمہاری طرف رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ میں اس مقصد کے لئے تمہارے درمیان ظاہر کیا گیا ہوں جو میں لے کر آیا ہوں۔"

پھر مشرکوں نے آپ سے کہا۔

"اپنے رب سے کہو کہ وہ تمہارے ساتھ ایک فرشتہ بھی ظاہر کرے جو تمہاری باتوں کی تصدیق کرتا رہے اور ہمیں اطمینان دلائے۔"

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"تمہارا رب ہمارے لئے کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کرتا جو ہمیں اس بات کا یقین دلائے کہ تمہیں خدا نے بھی بھیجا ہے۔ یا پھر ہم خود ہی تمہارے رب کو دیکھیں اور وہ ہمیں بتلائے کہ اس نے ہی تمہیں نبی بنا کر بھیجا ہے ہم اسی وقت تم پر ایمان لے آئیں گے۔"

نبی کے متعلق کا عجیب و غریب تصور...... ایک دوسرے مشرک نے کہا۔

"اے محمد ﷺ ہم اس وقت تک تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تم اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو لے کر نہ آؤ اور اللہ تعالیٰ سے کہو کہ وہ تمہارے لئے بڑے بڑے باغات، محلات اور سونے چاندی کے خزانے بنا دے تاکہ ہم بھی دیکھیں کہ تم اپنی ضروریات میں غنی ہو جاؤ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں تم بازاروں میں آتے جاتے ہو اور اسی طرح زندگی کی ضروریات پوری کرتے ہو جیسے ہم کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ تم میں اور ہم میں فرق اور امتیاز ہو تاکہ اگر تم واقعی خدا کے رسول ہو تو ہم پر تمہاری فضیلت و بزرگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا اونچا مقام ظاہر ہو جائے۔"

ایک روایت میں ہے کہ مشرکوں نے کہا۔

"محمد ﷺ اسی طرح کھانا کھاتے ہیں جیسے ہم کھاتے ہیں، اسی طرح بازاروں میں چلتے پھرتے اور زندگی کی ضروریات پوری کرتے ہیں جیسے ہم کرتے ہیں لہٰذا انہیں کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو نبی کہہ کر ہم سے ممتاز ظاہر کریں۔"

آنحضرت ﷺ ان باتوں کے جواب میں فرماتے۔

"میں ان باتوں کے لئے ہرگز اپنے رب سے نہیں کہوں گا۔"

اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْ لَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا الخ

پ ۱۸ سورہ فرقان ع ۱ آیت ۷

ترجمہ:- اور یہ کافر لوگ رسول اللہ ﷺ کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا، یا اس کے پاس غیب سے کوئی خزانہ آپڑتا یا اس کے پاس کوئی غیبی باغ ہوتا جس سے یہ کھایا کرتا اور ایمانداروں سے یہ ظالم یوں بھی کہتے ہیں کہ تم ایک مسلوب العقل (بے عقل) آدمی کی راہ پر چل رہے ہو۔

پھر جب مشرکوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات سے بہت بلند ہے کہ وہ ہم ہی میں سے ایک بندے کو رسول بنا کر بھیجے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائیں۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ الآیہ پ ۱۱ سورہ یونس ع ۱

ترجمہ:- کیا ان مکے کے لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو احکام خداوندی کے خلاف کرنے پر ڈرائیے اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ خوش خبری سنائیے کہ ان کے رب کے پاس پہنچ کر ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔

مشرکوں کی کج طبعی اور کج فہمی...... پھر ان لوگوں نے آپ سے کہا۔

"ہمارے اوپر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرادو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تمہارا رب جو چاہے کر سکتا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ (تم جس رحمان کا ذکر کرتے ہو وہ) رحمان یمامہ میں ایک شخص ہے جو تمہیں یہ باتیں سکھاتا ہے۔ ہم لوگ خدا کی قسم کبھی بھی رحمان پر ایمان نہیں لائیں گے۔"

یہاں رحمٰن نامی شخص سے مشرکوں کی مراد مسیلمہ تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے ان کی مراد یہودیوں کا ایک کاہن تھا جو یمامہ میں رہتا تھا۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں فرمایا گیا ہے کہ رحمٰن جو آنحضرت ﷺ کو سب باتوں کا علم دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

قُلْ هُوَ رَبِّي لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ پ ۱۳ سورہ رعد ع ۳ آیت ۳۰

ترجمہ:- آپ فرما دیجئے کہ وہ میرا مربی اور نگہبان ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا اور اس کے پاس مجھ کو جانا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی افسردگی...... اس وقت آنحضرت ﷺ بہت غمگین اور افسردہ ہو کر وہاں سے اٹھ گئے جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو بے حد تمنا تھی کہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں مگر آپ کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔

آسمان پر چڑھنے اور فرشتوں کے ساتھ واپس آنے کا مطالبہ...... آنحضرت ﷺ کی پھوپی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے لڑکے عبداللہ نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے آپ سے کہا "اے محمد ﷺ تمہاری قوم نے ابھی تمہارے سامنے بہت سی فرمائشیں کیں اور مطالبے رکھے مگر تم نے ان کو پورا نہیں کیا، پھر ان لوگوں نے تم سے ایسی فرمائشیں کیں جن سے ان پر اللہ کے نزدیک تمہارا مقام ثابت ہو جائے جیسا کہ تم کہتے ہو اور پھر یہ لوگ تمہاری تصدیق کر کے تمہاری پیروی اختیار کر لیں مگر تم نے اس فرمائش کو بھی پورا نہیں کیا۔ پھر انہوں نے تم سے کہا کہ جس عذاب سے تم ان کو ڈراتے ہو اس کو جلد از جلد ظاہر کرادو مگر تم نے یہ بھی نہیں کیا۔ اب خدا کی قسم ہم اس وقت تک ہرگز تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تم آسمان تک ایک سیڑھی لگا کر اس پر اس طرح نہیں چڑھو گے کہ میں تمہیں چڑھتے دیکھ رہا ہوں۔ یہاں تک کہ تم میری نظروں کے سامنے آسمان میں پہنچ جاؤ اور پھر وہاں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب لے کر آؤ تمہارے ساتھ چار فرشتے ہوں جو اس بات کی گواہی دیں کہ تم جو کچھ کہتے ہو وہ درست ہے۔ اور خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم یہ بھی کر کے دکھادو تو میں اس وقت بھی تمہاری بات کی تصدیق نہیں کروں گا۔"

حق تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار...... اس پر اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کی تفصیل فرماتے ہوئے سورہ اسراء کی آیتیں نازل فرمائیں جن میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ان مطالبوں کے سلسلے میں دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا۔ یعنی یا تو یہ کہ جو کچھ مشرکوں نے مطالبے کئے وہ سب پورے کر کے دکھا دیئے جائیں اور اگر اس کے بعد بھی انہوں نے کفر کیا تو حق تعالیٰ ان لوگوں کے اپنے خوفناک عذاب میں گرفتار کر کے پچھلی امتوں کی طرح ان کو نیست و نابود کر کے ان کا نام و نشان تک مٹا دے۔ اور یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کے لئے اپنی رحمت اور توبہ کا دروازہ کھلا رکھے تاکہ ممکن ہے کسی وقت ان لوگوں کو توبہ کی توفیق ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئیں۔

رحمت و توبہ کا دروازہ کھلا رکھنے کی خواہش...... آنحضرت ﷺ نے ان دو باتوں میں سے دوسری بات کو

پسند فرمایا کیونکہ آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ آپ کی دشمنی ان کے دلوں میں رچی بسی ہوئی ہے اس لئے اگر ان کا مطالبہ پورا کر کے ان کو یہ سب کچھ کر کے دکھلا بھی دیا تو بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ ضرور اپنے عذاب کے ذریعہ ان کا نام ونشان تک مٹادے گا کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ پ ۹ سورہ انفال ع ۲ آیت ۲۵

ترجمہ:- اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں۔

(تو چونکہ ایسا عذاب عام ہوتا ہے جس کی زد میں صرف وہی لوگ نہیں آتے جنھوں نے گناہ کئے ہیں بلکہ ان کے ساتھ عام لوگ بھی اس بربادی کا شکار ہو جاتے ہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس پہلی صورت کو پسند نہیں فرمایا جس میں ساری قوم کی بربادی یقینی تھی بلکہ آپ نے دوسری صورت کو پسند فرمایا کہ حق تعالیٰ کی رحمت اور توبہ کا دروازہ کھلا رہے گا تو ممکن ہے کچھ وقت گزر جانے کے بعد بہت سے لوگ ہدایت قبول کر لیں)۔

سونے کے پہاڑ کی فرمائش:- محمد ابن کعب سے ایک روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قریش کے اکثر لوگوں نے اللہ عزوجل کے نام پر قسم کھائی کہ اگر آپ صفا پہاڑی کو سونے کی کر دیں تو وہ لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے اسی وقت کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ قریش کی اس بات کو پورا کر کے دکھلا دے۔ اس وقت آپ کے پاس جبرئیلؑ آئے اور آپ سے کہنے لگے۔

"اگر آپ چاہیں تو ایسا ہی ہو جائے گا مگر جس قوم نے بھی اپنے نبی سے اس قسم کی نشانی دکھلانے کی فرمائش کی اور اللہ نے اسے میرے ذریعہ پورا کرا دیا اور پھر وہ لوگ ایمان نہیں لائے تو ہمیشہ مجھے ان لوگوں کو عذاب دینے کا حکم دیا گیا ہے۔"

(یعنی اس وقت ان کا یہ مطالبہ پورا کیا جاسکتا ہے مگر عادت خداوندی یہی ہے کہ اگر اس کے بعد بھی یہ لوگ ایمان نہ لائے تو ان پر عذاب نازل کیا جائے گا)۔

مگر اس روایت کی روشنی میں شق القمر کا معجزہ ظاہر ہونے کی وجہ سے اشکال ہوتا ہے۔

خوفناک عذاب کی خبر...... ایک روایت ہے کہ اسی وقت آپ کے پاس جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے عرض کیا۔

"اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتے ہیں اور فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو صفا پہاڑی سونے کی ہو سکتی ہے لیکن اگر پھر بھی یہ لوگ ایمان نہ لائے تو میں ان پر ایسا خوفناک عذاب نازل کروں گا کہ ایسا آج تک کسی قوم پر نہیں کیا ہے۔ اور اگر آپ چاہیں کہ صفا پہاڑی سونے کی نہ ہو تو میں ان لوگوں پر توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رکھوں گا۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"نہیں بلکہ تو اپنی رحمت اور توبہ کا دروازہ کھلا رکھ۔"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اگر آپ چاہیں تو میں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دوں یہاں تک کہ جسے توفیق ہو وہ توبہ کرے۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

ہاں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دے تاکہ ان میں سے جسے توفیق ہو وہ توبہ کرے۔"

قریش کی فرمائشیں استہزاء کے لئے تھیں تصدیق کے لئے نہیں...... آنحضرت ﷺ نے اس لئے بھی رحمت اور توبہ کا دروازہ کھلا رکھے جانے کی بات قبول فرمائی کہ آپ جانتے تھے ان کا یہ مطالبہ جہالت کی بات ہے کیونکہ وہ رسولوں کو بھیجے جانے کی حکمت نہیں جانتے تھے جو ظاہر ہے مخلوق کا امتحان ہوتی ہے اور رسولوں کی تصدیق کر کے اپنی بندگی کا اظہار ہوتی ہے تاکہ ان کے ایمان دلیلوں سے بالاتر ہوں اور ماننے والے ثواب کے مستحق ہو اور نہ ماننے والے عتاب اور سزا کے مستحق ہوں۔ کیونکہ اگر درمیان میں سے پردے ہٹ جائیں اور ہر شخص کے سامنے حقیقت کھل جائے تو پھر انبیاء اور رسولوں کو بھیجنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اور غیب پر ایمان لانے کے کوئی معنے نہیں رہتے۔

پھر یہ کہ ان مشرکوں نے یہ جو کچھ مطالبے کئے تھے وہ صرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہنسی ٹھٹھا کرنے کے لئے کئے تھے سنجیدگی کے ساتھ سیدھا راستہ معلوم کرنے اور اپنے شک وشبہ دور کرنے کے لئے انہوں نے یہ مطالبے نہیں کئے تھے۔

ان لوگوں نے اس قسم کی نشانیاں دکھانے کی فرمائش کی اور قرآن پاک کی صداقت میں شک وشبہ کرتے رہے کہ یہ نعوذ باللہ جادو اور من گھڑت باتیں ہیں جو اپنے ہی جیسوں اور اہل بابل سے لی گئی ہے اور اس طرح دو بھائیوں، شوہر بیوی اور ایک شخص اور اس کے خاندانوں میں پھوٹ ڈلوادی۔ یہ سب نعوذ باللہ انسان کا کلام ہے اور بواسیر کی کہی ہوئی ہیں۔ یہ بنی حضرمی کا ایک غلام تھا اور آنحضرت ﷺ اس کے پاس کبھی کبھی بیٹھا کرتے تھے۔

ابوجہل کی بدبختی...... اسی طرح ابوجہل کہا کرتا تھا۔

"اصل میں یہ ہمارے خاندان اور بنی عبدالمطلب کے خاندان کے درمیان مرتبہ اور شرف کی لڑائی ہے کیونکہ ہم دونوں خاندان والے اپنے مرتبے میں ایک دوسرے کے برابر اور ہم پلہ ہیں۔ اب وہ یہ کہنے لگے ہیں کہ ہمارے خاندان میں ایک نبی ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ کے پاس سے وحی آتی ہے۔ خدا کی قسم ہم کبھی بھی اس شخص کی پیروی نہیں کریں گے یا یہ کہ جیسے اس کے پاس وحی آتی ہے ایسے ہی ہمارے پاس بھی آئے۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ لآیہ پ۸ سورہ انعام ع ۱۴ آیت ۱۲۵

ترجمہ :- اور جب ان کو کوئی آیت (نشانی) پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لادیں گے جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے۔

اسی بات کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے بھی ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

عجبا للکفار زادو اضلالا
بالذی فیہ للعقول اھتداء
والذی یسئلون منہ کتاب
منزل قد اتا ھم وارتقاء

مطلب...... کفار کی حالت پر سخت تعجب ہے کہ وہ قرآن پاک کو دیکھنے کے باوجود اور زیادہ گمراہی میں مبتلا

ہو گئے حالانکہ اس قرآن پاک میں عقلوں کے لئے رہبری اور روشنی ہے۔ ان لوگوں پر اور زیادہ حیرت ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں حالانکہ آپ کے ساتھ بے حد نشانیاں ہیں جن میں سے ایک وہ قرآن کریم ہے ان لوگوں کے لئے آپ پر آسمان سے نازل کیا گیا۔

اولم یکفهم من الله ذکر
فیه للناس رحمته و شفاء

اعجز الانس ایته منه
والجن فهلا یاتی به البلغاء

کل یوم یهدی الی سامعیه
معجزات من لفظه القراء

تتحلی به المسامع والا فواه
فهو الحلی و الحلواء

رق لفظا ورلق معنی فجائت
فی حلالها و حلیها الخنساء

وارتنا فیه غوا مض فضل
رقته من زلاله و صفاء

انما تجتلی الوجوه اذا ما
جلیت عن مرآتها الا صداء

سورمنه اشبهت صورا منا
ومثل النظائر النظراء

والا قائویل عنذهم کا لتماثیل
فلا یوهمنك الخطباء

کم ابانت ایاته عن علوم
من حروف ابان عنها الهجاء

فهی کا لحب و النوی اعجب
الزراع منها سنابلط ورکاء

فا طالو فیه التردد و الریب
فقالوا سحر وقالوا افتراء

واذا البینات لم تغن شیئا

فالتماس الھدی بھن عناء

واذا ضلت العقول علی علم
فما ذا تقولہ الفصحاء

مطلب...... اپنی دشمنی کی وجہ سے یہ لوگ جو فرمائشیں اور مطالبے کرتے ہیں کیا ان کو حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کافی نہیں ہے جو قرآن پاک کے بارے میں ہے کہ اس میں انسانوں، جنوں اور فرشتوں کے لئے رحمت اور شفا پوشیدہ ہے جنات اور انسان اس جیسی ایک ایت بنانے سے بھی عاجز ہیں۔ بڑے بڑے زبان و بیان کے ماہر اس جیسی آیات پیش کرنے سے قاصر ہیں حالانکہ اس کے پڑھنے والے سننے والوں تک اس کے اعجازی الفاظ پہنچاتے ہیں۔ یہ اس قرآن پاک کے اعجازی کلام ہونے کی ہی دلیل ہے کہ آیات کو سن کر کانوں میں مٹھاس اور رس گھل جاتا ہے اور پڑھنے والا اپنے منہ میں ان الفاظ کی شیرینی محسوس کرتا ہے۔ اس لئے یہ کلام پاک اپنے الفاظ اور معنی دونوں کے لحاظ سے شیریں بھی ہے اور حسین و دلکش بھی۔ اس کلام پاک کی پاکیزگی اور عمدگی اس کی فضیلتوں اور بلندیوں کو آشکارا کرتی ہے جو وہ علوم و حقائق ہیں جو اس کلام ربانی سے حاصل ہوتے ہیں چنانچہ جب چہروں اور دلوں کے آئینوں کا میل صاف کر کے ان پر ان علوم اور اس کلام پاک کا عکس ڈالا جاتا ہے تو وہ خود بھی آئینوں کی طرح آب و تاب دینے اور جگمگانے لگتے ہیں (جو اس کلام الٰہی کا اعجاز ہے مگر ضروری ہے کہ پہلے دلوں کا میل صاف کر کے اور ان میں سے شکوک و شبہات کا زنگ دھو کر صاف اور غیر جانبدارانہ انداز میں اس مبارک کلام پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ حقیقت میں) اس قرآن پاک کی سورتیں انسانوں کی سورتوں کی طرح ہیں کہ ہم میں ہر شخص کی عقل فہم اور شکل و صورت اس طرح علیحدہ علیحدہ ہے کہ ایک دوسرے میں زبردست فرق ہے اور قرآن پاک کے سلسلے میں قریش جو باتیں کہتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسی ایک مصور اور نقاش کی بنائی ہوئی تصویریں ہوتی ہیں کہ وہ تصویریں صرف دیکھنے کی ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا اس لئے کفار قرآن پاک کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ قطعاً" باطل اور بے بنیاد ہے۔ اس لئے ایسے خطیبوں اور مقرروں سے بچنا چاہئے کہ یہ لوگ قرآن پاک کی صداقت کے بارے میں وہم پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس کی آیات پاک کی جتنی جتنی شرح کی جائے اور ان میں علوم تلاش کئے جائیں تو اس کے باوجود کہ آیت مختصر ہے اس کے الفاظ اتنے جامع اور مکمل ہیں کہ ان میں چھپے ہوئے علوم اور معانی ظاہر ہوتے چلے جائیں گے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے وہ چھوٹے چھوٹے بیج جن کو کسان کھیت میں ڈالتا ہے یا گٹھلیاں جو باغوں میں بوئی جاتی ہیں تو ان چھوٹے چھوٹے بیجوں اور گٹھلیوں میں سے طرح طرح کی بالیں اور شاخیں پھوٹتی ہیں پھل پیدا ہوتے ہیں اور یہ بڑھ کر دور دور تک پھیل جاتے ہیں۔ مگر مشرکوں نے ان آیات میں طرح طرح کے شک و شبہے نکالے اور کہا کہ جادو وغیرہ سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ کبھی انہوں نے یہ کہا کہ یہ پرانے وقتوں کی داستانیں ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جب کھلی ہوئی دلیلیں اور حجتیں بھی ان پر کوئی اثر نہیں کر سکیں تو ایسے عقل کے اندھوں کے متعلق ہدایت کی آس کرنا اپنے آپ کو تھکانا اور بے فائدہ بات ہی ہے، ان کی عقلوں پر مہر لگی ہوئی تھی کہ وہ ایسی کھلی ہوئی دلیلوں کے باوجود بھی سیدھے راستے کو نہ دیکھ سکے اور اس کے بعد اب کون ان کو سمجھا سکتا ہے۔

دلید ابن مغیرہ کی ڈینگیں...... ایک مرتبہ ولید ابن مغیرہ نے کہا۔

"کیا محمد ﷺ پر قرآن نزل ہوگا اور مجھ پر نہیں ہوگا حالانکہ میں قریش کا بزرگ ترین آدمی اور سردار

ہوں! کیاابو مسعود ثقفی پر وحی نازل نہیں ہو گی جو قبیلہ ثقیف کا سب سے بڑا سر دار ہے! ہم دونوں مکے اور طائف شہر کے سب سے معزز لوگ ہیں (لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ وحی نازل ہو تو ہمارے بجائے کسی دوسرے پر نازل ہو۔)"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ پ ۲۵ سورہ زخرف ع ۲ آیت ۳۱

ترجمہ :۔اور کہنے لگے کہ یہ قرآن اگر کلام الٰہی ہے تو ان دونوں بستیوں (مکہ اور طائف کے رہنے والوں) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

یعنی جو محمد ﷺ سے مرتبہ اور سرداری میں بڑے تھے ان پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ دیا۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا الآیہ پ ۲۵ سورہ زخرف ع ۲ آیت ۳۲

ترجمہ :۔کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت (خاصہ یعنی نبوت) کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ دنیوی زندگی میں تو ان کو روزی ہم ہی نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے اور عالم کا نظام قائم رہے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک مشرک نے کہا۔

"مکے والوں میں نبوت اور رسالت دیئے جانے کا سب سے زیادہ حقدار اور اہل آدمی ولید ابن مغیرہ تھا یا طائف والوں میں ابو مسعود ثقفی تھا۔"

آنحضرت ﷺ کے متعلق یہود مدینہ سے استفسار......ادھر کفار نے نضر ابن حرث اور عقبہ ابن معیط کو یہودی عالموں کے پاس مدینے بھیجا اور ان سے کہا۔

"تم لوگ ان یہودی عالموں سے محمد ﷺ کے بارے میں پوچھنا، ان کو محمد کی نشانیاں اور حلیہ بتلا کر اس کی باتیں بتانا۔ وہ لوگ سب سے پہلی آسمانی کتاب یعنی تورات کے ماننے والے اور اس کے عالم ہیں۔ کیونکہ تورات، انجیل سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ ان لوگوں کے پاس جو علم ہے وہ ہمارے پاس نہیں ہے۔"

غرض یہ دونوں قاصد مکے سے روانہ ہو کر مدینے پہنچے اور یہودی عالموں سے ملے۔ انہوں نے ان عالموں سے کہا

:"ہم آپ کے پاس اپنے ایک معاملے میں آئے ہیں جو ہمارے یہاں پیش آیا ہے۔ ہم لوگوں میں ایک یتیم اور حقیر لڑکا ہے جو بہت بڑی بات کہہ رہا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ رحمٰن کا بھیجا ہوا پیغمبر ہے۔"

یہودی عالموں نے کہا۔

"ہمیں اس کا حلیہ بتلاؤ۔"

کفار نے آنحضرت ﷺ کا حلیہ بیان کیا تو انہوں نے پوچھا۔

"تم میں سے کن لوگوں نے اس کی پیروی قبول کی ہے ؟"

قریشیوں نے بتلایا کہ ہمارے میں کے کم درجے کے لوگوں نے اس پر ان میں سے ایک یہودی ہنسنے لگا۔ پھر انہوں نے کہا

"یہ نبی جس کی صفات ہم جانتے ہیں اور جس کی قوم کا حال ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اس کی قوم اس کی بدترین دشمن ہوگی۔"

یہود کی طرف سے تین سوالات کی ہدایت...... پھر ان یہودی عالموں نے ان دونوں قریشی قاصدوں سے کہا۔

"اس شخص یعنی آنحضرت ﷺ سے تین چیزوں کے بارے میں سوال کرو اگر اس نے ان تینوں باتوں کا جواب دے دیا تب تو سمجھ لو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا نبی ہے اور اگر جواب نہ دے سکا تو سمجھ لو کہ وہ کوئی جھوٹا شخص ہے۔ پہلے اس سے ان نوجوانوں کے بارے میں سوال کرو جو پچھلے زمانے میں کہیں نکل گئے تھے۔ یعنی اصحاب کہف۔ کہ ان کا کیا واقعہ ہے۔ اس لئے کہ ان کا واقعہ نہایت عجیب و غریب ہے۔

پھر اس سے اس جہانی جہاں گشت آدمی کے بارے میں سوال کرو جو زمین کے مشرق سے لے کر مغرب تک گھوما تھا۔ یعنی سکندر ذوالقرنین۔ کہ اس کا کیا قصہ تھا۔

پھر اس سے روح کے متعلق سوال کرو کہ روح کیا چیز ہے؟

اگر اس نے تمہیں پہلے دونوں سوالوں کا جواب دے دیا اور ان کا واقعہ بتلا دیا اور تیسرے سوال کے متعلق کچھ علم دیا یعنی یہ کہ روح اللہ کے حکم سے نبی ہے۔ تو تم لوگ اس کی پیروی کرنا اور سمجھ لینا کہ وہ سچا نبی ہے۔"

اس کے بعد نضر اور عقبہ ابن معیط واپس قریش کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"ہم ایسی چیز لے کر آئے ہیں جس سے تمہارے اور محمد ﷺ کے درمیان تصفیہ ہو جائے گا۔"

انشاء اللہ کہے بغیر جواب کا وعدہ...... اس کے بعد انہوں نے ان لوگوں کو سب تفصیل بتلائی۔ اب مشرکین انحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے وہی سوالات کئے۔ آپ نے فرمایا۔ "میں تمہیں کل جواب دوں گا۔"

عتاب خدلوندی، وحی کا انتظار اور مشرکوں کے آوازے...... مگر آنحضرت ﷺ نے اس جملے کے ساتھ انشاء اللہ نہیں فرمایا غرض قریش کے لوگ واپس چلے گئے اور آنحضرت ﷺ وحی کا انتظار فرمانے لگے مگر پندرہ دن۔ اور ایک قول کے مطابق تین دن اور ایک قول کے مطابق چار دن گزر گئے لیکن آپ کے پاس وحی نہیں آئی۔

ادھر قریش جواب میں اس تاخیر کی وجہ سے آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے اور کہنے لگے۔

"محمد ﷺ کے رب نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔"

جن لوگوں نے یہ باتیں کہیں ان میں آنحضرت ﷺ کے چچا ابولہب کی بیوی ام جمیل بھی تھی۔ اس نے اسی زمانے میں آنحضرت ﷺ سے فرمایا۔

"میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے ساتھی نے تمہیں چھوڑ دیا اور تم سے ناراض ہو گیا۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک قریشی عورت نے کہا۔

"محمد کے شیطان نے اس کو چھوڑ دیا۔" (نعوذ باللہ من ذالک)۔

اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق جواب!...... آنحضرت ﷺ کو قریش کی یہ باتیں بہت شاق گزر رہی ہیں تھیں اور آپ سخت پریشان اور غمزدہ تھے آخر جبرئیلؑ سورہ کہف لے کر نازل ہوئے جس میں ان نوجوانوں کا واقعہ تھا جو اپنے گھروں کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ وہ نوجوان اصحاب کہف تھے (جو عیسائی مذہب کے ماننے والے تھے)۔

ایک روایت میں ہے کہ جب عیسیٰؑ زمین پر اتارے جائیں گے تو اصحاب کہف ان کے ساتھ ہوں گے اور بیت اللہ کا طواف اور حج کریں گے۔

اسی طرح اس سورت میں اس سیاح شخص کا واقعہ تھا جو ذوالقرنین بادشاہ تھا اس کا نام اسکندر ذوالقرنین تھا۔ ذوالقرنین کے معنی ہیں دو سینگوں والا۔ ان کو ذوالقرنین اسی لئے کہا جاتا تھا کہ ان کے سر پر گوشت سے دو سینگ تھے جس پر یہ عمامہ پہنتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے سر پر سینگوں کی طرح کے دو ابھرے ہوئے حصے تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے مشرق سے مغرب تک سفر کیا تھا اور ان دونوں قطروں کو اپنے سفر سے ملا دیا تھا اس لئے ان کو ذوالقرنین کہا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے سر کے ایک جانب ایک مرتبہ مارا گیا تھا جس سے یہ مر گئے تھے اور پھر زندہ ہو گئے۔ پھر ان کے سر کے دوسری جانب مارا گیا جس سے یہ پھر مر گئے اور پھر زندہ ہو گئے، اس لئے ان کو ذوالقرنین کہا جانے لگا)۔ ایک قول یہ ہے کہ چونکہ یہ دنیا کی دو اہم سلطنتوں روم اور فارس کے بادشاہ تھے اس لئے ان کو یہ لقب دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ چونکہ یہ دو صدی زندہ رہے اور تاریخ کے پورے دو دور ان کے سامنے ختم ہوئے اس لئے ان کو ذوالقرنین کہا گیا۔

ذوالقرنین ایک صالح اور نیک انسان تھے یہ یونن یا یونان ابن یافث ابن نوح کی اولاد میں سے تھے۔ یہ نہایت عادل اور انصاف پسند بادشاہ تھے، ان کی فوج کا جھنڈا اٹھانے والے شخص حضرت خضرؑ تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ نبی تھے۔ یہ قول ضحاک کا ہے۔

روح کے متعلق مجمل جواب یہود کی توقع کے مطابق تھا...... غرض مشرکوں کے تیسرے سوال کے جواب میں جس میں انہوں نے روح کے متعلق پوچھا تھا جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب لے کر آئے یہ آیت سورہ اسراء میں ہے جو یہ ہے کہ روح اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا لآیہ پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۱۹ بیبہ ۸۵

ترجمہ :- اور یہ لوگ آپ سے روح کو امتحاناً "پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے یعنی روح کی حقیقت اسی کے علم میں ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ی۔ (یہ سوال اصل میں یہودی عالموں کا تھا۔ اس کے اس جواب کی حکمت یہ ہے کہ روح کے متعلق یہی بات خود یہودیوں کی کتاب تورات میں درج ہے کہ روح اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی ہے۔ یعنی یہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے اور اس نے اپنے سوا کسی کو نہیں دیا۔ (تو یہودیوں کا منشا اصل میں یہی تھا کیونکہ وہ اپنے کتابی علم کے ذریعہ جانتے تھے کہ روح کی حقیقت جاننے والی ذات صرف حق تعالیٰ کی ہے۔ اس لئے جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ روح کی حقیقت جانتا

ہے وہ جھوٹا ہے) چنانچہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ ان یہودی عالموں نے مشرکوں سے کہا تھا۔
روح کی حقیقت نہ بتلا سکنا نبوت کا ثبوت...... اگر اس نے روح کی حقیقت کے متعلق تمہیں کچھ بتلایا تو سمجھ لو کہ وہ نبی نہیں ہے اگر صرف یہ کہا کہ روح اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی ہے تو سمجھ لینا کہ وہ سچا نبی ہے۔"

چنانچہ اسی بنا پر بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہودیوں نے مشرکوں سے یوں کہا تھا کہ :
"اس سے روح کے متعلق سوال کرو اگر اس نے اس سوال کا جواب دے دیا تو سمجھ لو کہ وہ نبی نہیں ہے اور اگر جواب نہیں دیا تو سمجھ لو کہ وہ نبی ہے۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: جب کہ یہودیوں کی آسمانی کتاب میں یہ لکھا ہوا تھا کہ روح کی حقیقت کا علم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے تک ہی رکھا ہے تو پھر انہوں نے اس کے متعلق کیسے سوال کیا اور یہ امید کہ آنحضرت ﷺ اس کا جواب دیں گے۔

اس کا جواب یہی ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ اگر آنحضرت ﷺ نے صرف یہ جواب دیا کہ یہ پروردگار کے حکم سے بنی ہے تو یہ آپ کی سچائی کا ثبوت ہوگا اور اگر اس کے سوا کوئی اور جواب دیا تو یہ اس کا ثبوت ہوگا کہ آپ نبی نہیں ہیں۔ یعنی اس کے سوا اور جواب دینے والا صرف یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ روح کی حقیقت سے واقف ہے حالانکہ اس کی حقیقت کے سوا اللہ تعالیٰ کے دوسرا کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ اس کی تفسیر میں ہے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے میرے رب کے علم سے ہے مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں یہودیوں کا سوال اس طرح ہے۔
"اس سے اس روح کے متعلق سوال کرو جو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ میں پھونکی تھی۔ اگر وہ جواب میں کہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی چیز ہے تو اس سے پوچھنا کہ پھر اللہ تعالیٰ اپنی چیز کو کیسے جہنم میں عذاب دیتا ہے۔"

غرض آیت پاک میں روح کے متعلق جو جواب دیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ روح اللہ تعالیٰ کے امر یعنی حکم سے ہے اور امر یہاں مامور یعنی محکم کے معنی میں ہے یعنی روح اللہ تعالیٰ کی مامور چیزوں میں سے ایک مامور ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اس کا کوئی جز نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اب اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جس چیز کے بارے میں سوال کیا گیا تھا وہ انسانی روح تھی جس سے انسانی جسم میں زندگی قائم ہوتی ہے۔
روح کے متعلق امام غزالیؒ کی رائے...... اس سلسلے میں امام غزالی نے لکھا ہے۔
"روحیں دو ہیں ایک روح حیوانی۔ یہ وہ روح ہے جس کو طبیب مزاج کہتے ہیں۔ یہ ایک لطیف، انجاراتی اور معتدل جسم ہوتا ہے جو اپنے بدن میں دوڑ تا رہتا ہے۔ یہ روح حیوانی بدن کے حواس ظاہری یعنی دیکھنے، سونگھنے، چکھنے، سننے اور چھونے وغیرہ کے احساسات اور جسمانی قوی اور اعضاء کو متحرک اور زندہ رکھتی ہے۔ یہ روح حیوانی بدن کے فنا ہونے کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے اور جسم کی موت کے ساتھ خود بھی معدوم ہو جاتی ہے۔

دوسری روح روحانی ہے یہی وہ روح ہے جس کو نفس ناطقہ کہا جاتا ہے اور اسی کو لطیفہ ربانی کہا جاتا

ہے، اسی کو عقل کہا جاتا ہے، اسی کو روح کہا جاتا ہے، اسی کو قلب کہا جاتا ہے غرض اس کو مختلف الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے جو سب ایک ہی معنی کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ نفس حیوانی کے قوی سے متعلق ہوتی ہے۔ یہ روح روحانی بدن کی فنا کے ساتھ فنا نہیں ہوتی اور موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے (اور اسی کا ٹھکانہ موت کے بعد عالم برزخ میں ہوتا ہے)

دوسری رائے...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ اکثر اہلسنت کے نزدیک روح ایک لطیف جسم ہے جو اپنی ماہیت اصلیت اور ہیئت یعنی شکل کے لحاظ سے انسانی بدن سے مختلف ہوتی ہے یہ جسم انسانی میں جاری اور متصرف رہتی ہے اور اس میں اس طرح رچی بسی رہتی ہے جیسے زیتون میں تیل۔ انسان جب لفظ "میں" یا "تو" کہتا ہے تو یہی روح مراد ہوتی ہے۔ جب یہ روح جسم سے جدا ہوتی ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔

تیسری رائے...... بہت سے علماء جن میں امام غزالی اور امام رازی بھی شامل ہیں حکماء اور صوفیاء سے اتفاق کرتے ہوئے یہ کہتے ہی کہ یہ روح ایک مجرد جوہر ہے جو بدن میں رچی بسی اور حلول کئے ہوئے نہیں ہوتی بلکہ بدن کے ساتھ اس کا ایسا قریبی اور شدید تعلق ہوتا ہے جیسا عاشق کا تعلق معشوق سے ہوتا ہے (کہ عاشق ہونے کے باوجود معشوق میں گم ہو کر تحلیل نہیں ہوتا) چنانچہ روح اس طرح بدن کی نگرانی کرتی اور اس کا نظام چلاتی ہے کہ جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

روح کے متعلق قرآنی جواب سن کر ہندو عالم کا قبول اسلام !...... اس سلسلے میں میں نے شیخ اکبر کی کتاب میں امام رکن الدین سمرقندی کے متعلق پڑھا کہ جب مسلمانوں نے ہندوستان فتح کیا تو ہندوستانی مذہب کا ایک عالم مسلمان علماء سے مناظرہ کرنے کے لئے آیا اور مطالبہ کیا کہ کسی عالم کو سامنے بھیجو۔ اس پر لوگوں نے امام رکن الدین کی طرف اشارہ کیا۔ اب اس ہندوستانی عالم نے ان سے پوچھا۔

"تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟"

انہوں نے کہا۔

"ہم اس خدا کی عبادت کرتے ہیں جو سامنے نہیں ہے۔"

اس پر اس ہندی عالم نے پوچھا کہ تمہیں اس کی خبر کس نے دی؟ امام نے کہا۔

"حضرت محمد ﷺ نے۔"

اس پر اس ہندی نے کہا۔

"تمہارے پیغمبر نے روح کے بارے میں کیا کہا ہے۔"

امام رکن الدین نے کہا۔

"یہ کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے!"

اس پر ہندی عالم نے کہا تم سچ کہتے ہو اور پھر وہ مسلمان ہو گیا۔

روح کے بارے میں جو یہ قول ہے کہ بنی آدم کی صورت پر ملائکہ میں سے یا ملک عظیم کی ایک مخلوق ہے جس کے کان کی لو کی چوڑائی پانچ سو میل کی مسافت کے برابر ہے۔ اس سے مراد اس کے سوا کچھ نہیں جو بیان کی گئی۔

ایک قول ہے کہ میں نے اس روایت میں یہی کہا ہے کہ مکے کے مشرکوں نے آنحضرت ﷺ سے

روح کے بارے میں سوال کیا جبکہ ابن مسعودؓ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ روح کے بارے میں سوال اور اس پر آیت کا نزول مدینے میں ہوا۔ یہاں تک اس قول کا حوالہ ہے۔

اس اشکال کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے دو مرتبہ یعنی مکے میں بھی اور مدینے میں بھی یہ سوال کیا گیا ہو اور دونوں مرتبہ یہ آیت نازل ہوئی ہو جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

کتاب اتقان میں ایک قول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی روایت میں یہ بھی ہے کہ روح کے بارے میں سوال صحابہ نے کیا تھا۔ چنانچہ اس کا جواب دیتے ہوئے اسی روایت میں ہے کہ میں یہ کہتا ہوں کہ روح اور ذوالقرنین کے بارے میں سوال یا تو مشرکین مکہ نے کیا تھا اور یا یہودیوں نے جیسا کہ کتاب اسباب نزول میں ہے صحابہ نے یہ سوال نہیں کیا تھا۔

کتاب اتقان میں ہے کہ اس قسم کے سوال سے جیسا روح کے بارے میں کیا گیا جبکہ پوچھنے والے کا مقصد صرف تلبیس کرنا اور دھوکہ دینا تھا تو اس کے جواب سے وہ تلبیس ختم ہو جاتی ہے (کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا حقیقت میں یہودیوں کا منشا اس سوال کا جواب حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ صرف دھوکہ دینا تھا)۔

چنانچہ کتاب افصاح میں ہے کہ :

یہودیوں نے یہ سوال دراصل آنحضرت ﷺ کو عاجز کرنے اور مغالطے میں ڈالنے کے لئے کیا تھا۔ کیونکہ روح سے مراد علی الاطلاق روح انسانی و قرآنی، روح عیسیٰ و جبرئیل بھی ہوتی ہے اور دیگر ملائکہ اور فرشتوں کی دوسری قسموں اور صنفوں کی روح بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس سوال سے یہودیوں کا منشا یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ان میں سے جس روح کے متعلق بھی جواب دیں گے وہ یہ کہہ دیں گے کہ یہ روح ہماری مراد نہیں تھی۔

لہٰذا اسی بناء پر اس کا جو جواب آیا وہ ایسا مجمل اور غیر واضح تھا کہ اس پر یہودیوں کو اعتراض کا موقع ہی نہیں تھا۔ لہٰذا یہ بات معلوم ہوئی کہ جواب کا یہ اجمال اصل میں یہودیوں کے اس مکر و فریب کا جواب تھا جو وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔

یہود کے سوالات اور وحی کے نازل ہونے میں تاخیر

(پچھلی روایت میں بیان ہوا ہے کہ جب مشرکین مکہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر آپ سے مدینے کے یہودیوں کے سکھائے ہوئے سوالات کئے تو آپ نے ان سے یہ فرمایا تھا کہ کل جواب دوں گا مگر آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے جس پر حق تعالیٰ کی طرف سے یہ عتاب ہوا کہ ان سوالوں کے جواب میں وحی آنے میں تاخیر ہوئی جس سے آپ افسردہ ہوئے اور مشرکوں کو آوازے کسنے کا موقعہ ملا) سورہ کہف میں بھی ایک آیت ہے (جس میں اس کی تاکید کی گئی ہے کہ جب کوئی بات کہو تو اس کے ساتھ انشاء اللہ ضرور کہا کرو۔ وہ آیت یہ ہے)۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۙ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا الآیہ پ ۱۵ سورہ کہف ع ۳

ترجمہ :- اور آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کروں گا مگر خدا کے چاہنے کو ملا دیا کیجئے آپ بھول جاویں تو اپنے رب کا ذکر کیا کیجئے اور کہہ دیجئے کہ مجھ کو امید ہے کہ میرا رب مجھ کو نبوت کی دلیل بننے کے اعتبار سے اس سے بھی نزدیک تر بات بتلادے۔

ارادہ کا اظہار کرتے ہوئے انشاء اللہ ضرور کہنا چاہئے...... یعنی جب آپ یہ کہیں کہ میں آئندہ فلاں وقت یہ کام کروں گا تو اس کے ساتھ انشاء اللہ ضرور کہا کیجئے۔ اگر آپ اس وقت اپنی بات کے ساتھ انشاء اللہ ملانا بھول جائیں اور بعد میں یاد آئے تو اس وقت انشاء اللہ کہہ دیا کیجئے کیونکہ بھول جانے کے بعد یاد آنے پر انشاء اللہ کہہ دینا بھی ایسا ہی ہے جیسے گفتگو کے ساتھ کہہ دینا ہے۔ کچھ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب تک آدمی اسی مجلس یعنی نشست میں ہو تو چاہے بات کہنے اور پھر یاد آنے پر انشاء اللہ کہنے میں کتنا ہی فصل کیوں نہ ہو جائے (انشاء اللہ کا بعد میں کہہ دینا ایسا ہی ہوگا جیسے بات کے ساتھ ساتھ کہہ دینا ہوتا ہے)۔

کتاب خصائص کبریٰ میں ہے کہ یاد آنے کے بعد انشاء اللہ کہنے کا کافی ہونا صرف آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے لہٰذا امت میں سے کسی کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ بات کے بعد میں یاد آنے پر انشاء اللہ کہہ دے بلکہ امت کے لئے ضروری ہے کہ اپنی قسم کے ساتھ ساتھ انشاء اللہ کہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں (: یہاں کتاب خصائص کبریٰ کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اس میں خبر یا بات کے بجائے قسم کا لفظ آیا ہے کہ قسم سے پہلے انشاء اللہ کہنا امت کے لئے ضروری ہے۔ اس بارے میں مولف کہتے ہیں کہ) یہاں "قسم کے ساتھ ساتھ" کہنے کے بجائے "خبر یا بات کے ساتھ ساتھ" کہنا مناسب تھا کیونکہ آیت میں جو حکم دیا گیا ہے وہ قسم کے متعلق نہیں بلکہ خبر کے متعلق ہے۔

اس سلسلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قسم کا لفظ خبر اور حلف دونوں کے لئے عام ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ پھر "قسم کے ساتھ ساتھ" کہنے کے بجائے "کلام کے ساتھ ساتھ" کہنا زیادہ مناسب تھا۔ بہر حال اب اس عبارت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں خبر کو بھی شامل کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

تاخیر وحی کا سبب...... یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اس موقعہ پر وحی کا رکنا اس وجہ سے تھا کہ آپ نے کفار کے سوالوں کا جواب دینے کے لئے جو وعدہ فرمایا تھا اس کے ساتھ انشاء اللہ نہیں فرمایا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وحی نہ آنے (یعنی فرشتے کے نہ آنے کا سبب یہ تھا کہ آپ کے گھر میں کتا تھا۔

ایک روایات کے الفاظ اس طرح ہیں کہ۔ آپ کے پلنگ کے نیچے کتے کا مرا ہوا پلا پڑا تھا۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جبرئیل کے آنے پر جب آپ نے ان کے نہ آنے پر ان سے خفگی کا اظہار فرمایا تو انہوں نے عرض کیا۔

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ فرشتے ایسے مکان میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو!"

(ی) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اپنی خادمہ سے پوچھا تھا جن کا نام خولہ تھا۔

"خولہ! اللہ کے رسول کے گھر میں کیا بات ہو گئی کہ جبرئیل میرے پاس نہیں آرہے ہیں۔"

خولہ کہتی ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ (آج میں جھاڑو دینا بھول گئی ورنہ) اگر آج میں گھر میں صفائی کرتی تو آپ کے پلنگ کے نیچے بھی جھاڑو کا ہاتھ لگاتی اور اس مرے ہوئے کتے کے پلے کو نکال کر پھینک دیتی۔

دہریوں کی طرف سے ایک عجیب اعتراض...... اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ علامہ ابن کثیر کہتے ہیں یہ بات حدیث سے ثابت ہے کہ جس گھر میں کوئی تصویر ہو یا کتا ہو یا ناپاک شخص ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے اس مسئلے کی وجہ سے بعض دہریوں نے ایک سوال پیدا کیا ہے کہ جب مسئلہ یہ ہے کہ جس گھر میں کتا ہو یا جاندار چیزوں کی تصویریں ہوں تو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایسے شخص کو جس کے یہاں کتا یا تصویریں ہوں نہ موت آئے گی اور نہ اس کے اعمال لکھے جائیں گے (کیونکہ موت کے لئے بھی فرشتے یعنی ملک الموت کا آنا ضروری ہے اور اعمال لکھنے کے لئے کراماً کاتبین یعنی اچھے برے عمل لکھنے والے دو فرشتوں کا اس شخص کے ساتھ ہونا ضروری ہے)۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ فرشتوں کے اس گھر میں داخل نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس آدمی کے اعزاز اور اس کے یہاں برکت کا باعث بننے کے لئے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوں گے (جبکہ اعمال لکھنے کے لئے اور روح قبض کرنے کے لئے اس گھر میں فرشتوں کا آنا اس شخص کے اعزاز یا اس کے گھر میں برکت پیدا کرنے کے لئے نہیں ہوتا) لہٰذا اس سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اس آدمی کے اعمال لکھنے کے لئے یا اس کی روح قبض کرنے کے لئے بھی فرشتے اس کے گھر میں داخل نہیں ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

تاخیر وحی کا ایک اور سبب سائل کو انکار...... ایک قول یہ بھی ہے کہ وحی کے رکنے کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے ایک ایسے فقیر کو ڈانٹ دیا تھا جو مانگنے میں ضد اور اصرار کر رہا تھا جبکہ اس سے پہلے (آپ کبھی فقیر کو ڈانٹتے نہیں تھے بلکہ اگر کچھ پاس موجود ہوتا تو دے دیتے ورنہ) یہ فرمادیا کرتے تھے کہ آگے جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل سے دینے والا ہے۔ ی۔ (اگر آپ کے پاس کچھ نہ ہوتا تو) کبھی آپ سکوت فرمالیا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری و مسلم سے ثابت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ سے کسی نے کچھ مانگا اور آپ نے انکار فرمادیا ہو۔

آنحضرت ﷺ سائل کو کبھی انکار نہیں فرماتے تھے...... حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے

مراد یہ ہے کہ آپ کبھی انکار کا لفظ نہیں بولتے تھے بلکہ اگر اس وقت آپ کے پاس کچھ ہوتا تو دے دیتے ورنہ خاموش رہتے تھے۔ اس حدیث سے بھی یہی مراد ہے جس میں کہ آپ ﷺ نے کبھی فقیر کو انکار کر کے نہیں لوٹایا۔

ایک بزرگ نے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے آپ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! میرے لئے مغفرت کی دعا فرمائیے۔"

اس پر آنحضرت ﷺ خاموش رہے۔ میں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ابن عیینہ نے جابر سے ہمیں حدیث بیان کی ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ سے کسی نے کچھ مانگا ہو اور آپ نے انکار فرمادیا ہو۔"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور پھر آپ نے میرے لئے مغفرت کی دعا فرمائی۔

اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ اگر کبھی یہ جملہ فرماتے کہ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں دینے والا ہے۔ تو صرف اس وقت فرماتے جبکہ موقع کے لحاظ سے خاموش رہنا کافی نہ ہوتا ہو۔ یہ بات بھی شاید رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں ہی ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے بزاز کی اس روایت سے کوئی اشکال نہیں ہوتا جو انہوں نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تو آنحضرت ﷺ (کی فیاضی اور سخاوت اس قدر بڑھ جاتی تھی کہ آپ) ہر قیدی کو آزاد فرمادیا کرتے تھے اور ہر فقیر کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتے تھے۔

ایک سائل کو آپ کے انکار کا سبب...... پچھلی سطروں میں جو روایت گزری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک ضدی فقیر کو ڈانٹ دیا تھا اس کے بارے میں علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب نشر میں لکھا ہے کہ اس فقیر کے ضد کرنے کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کو کسی نے انگور کا ایک خوشہ ہدیہ میں دیا جبکہ اس وقت انگوروں کا موسم بھی نہیں آیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کو دکھانے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک فقیر آگیا اور اس نے کہا۔

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کھانا دیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی دیجئے۔"

آپ نے انگور کا وہ خوشہ اس فقیر کو دے دیا۔ فقیر وہ خوشہ لے کر چلا تو راستے میں کسی صحابی سے اس کی ملاقات ہوئی۔ ان صحابی نے وہ خوشہ اس سے خرید لیا اور پھر آکر وہ خوشہ آنحضرت ﷺ کو ہدیہ کر دیا۔ فقیر پھر آپ کے پاس لوٹ آیا اور آپ سے مانگنے لگا۔ آپ نے وہی خوشہ پھر اس کو دے دیا۔ فقیر وہ خوشہ لے کر چلا تو راستے میں اسے پھر ایک صحابی ملے اور انہوں نے وہ خوشہ فقیر سے خرید کر پھر آنحضرت ﷺ کو ہدیہ کر دیا۔ ابھی آپ اس کو کھانے کا ارادہ ہی فرمارہے تھے کہ وہی فقیر پھر آپ کے پاس پہنچ گیا اور پھر مانگنے لگا۔ اس وقت آپ نے اس فقیر کو ڈانٹا اور فرمایا۔

"تم ضدی اور لیچڑ قسم کے آدمی ہو۔"

پھر ابن جوزی کہتے ہیں کہ حدیث کی یہ تفصیل بہت غریب[1] ہے اور یہ حدیث معضل ہے۔

زیرِ ناف اور بغل کے بال صاف نہ کرنے پر فرشتے گھر میں نہیں آتے...... ایک قول یہ ہے کہ

---

[1] حدیث غریب اور حدیث معضل کی تعریفیں سیرت حلبیہ **میں پہلے** گزر چکی ہیں۔

وحی کے رکنے کا سبب یہ بھی نہیں تھا بلکہ ایک دوسرا سبب تھا وہ یہ کہ جب آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ کے آنے پر ان سے یہ کہا کہ آپ کس وجہ سے اتنے دن تک نہیں آئے تو انہوں نے عرض کیا۔

"ہم فرشتے آپ لوگوں کے پاس کیسے آئیں جبکہ آپ نہ تو ناخن تراشتے ہیں نہ بغل کے بال صاف کرتے ہیں نہ زیرناف بال صاف کرتے ہیں اور نہ مسواک کرتے ہیں۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: وحی رکنے کے ان مختلف اسباب سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ ایک نہیں ہے بلکہ کئی واقعات رہے ہوں گے۔ اب جہاں تک اس مخصوص موقعہ پر سورہ والضحیٰ کے نزول کا سوال ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ یعنی کچھ لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے سوالات کا جواب ملنے میں دیر ہونے پر یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ محمد ﷺ کو نعوذ باللہ ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے اور وہ اس سے سخت ناراض ہو گیا ہے جس پر یہ آیتیں نازل ہوئی تھیں کہ۔

مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى الآیہ پ ۳۰ سورہ ضحیٰ

ترجمہ :- آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ آپ سے دشمنی کی۔

یعنی نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا ہے اور نہ وہ ان سے ناراض ہوا ہے۔ تو اس موقعہ پر اس آیت کے نازل ہونے کو ماننے میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ہو سکتا ہے یہ آیت بھی ان میں سے ہو جو کئی بار نازل ہوئی ہیں اور مختلف اسباب کے تحت نازل ہوئی ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ممکن ہے واقعہ ایک ہی ہو لیکن اس کے اسباب مختلف رہے ہوں۔ چنانچہ اس صورت میں جبرئیلؑ کے متعلق جو یہ بات گزری ہے اس سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ انہوں نے وحی رکنے کا سبب کبھی تو یہ بتلایا کہ ناخن وغیرہ نہیں کاٹے جاتے اور کبھی یہ بتلایا کہ فرشتے اس مکان میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتے ہوں۔ یا جیسا کہ آگے بیان ہوگا کبھی انہوں نے یہ جواب دیا کہ ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر کبھی نہیں نازل ہوتے۔ اسی قسم کی بات آگے واقعہ افک کے بیان میں بھی آئے گی (واقعہ افک وہ واقعہ ہے جس میں بعض لوگوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کے اوپر تہمت لگائی اور پھر خود حق تعالیٰ جل مجدہ، نے وحی کے ذریعہ ان کی برات فرمائی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے غزوات اور جنگوں کے بیان میں آئے گی)۔

مگر علامہ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ جبرئیلؑ کے اس موقعہ پر آنے میں جو رکاوٹ ہوئی اس کے بارے میں مشہور قول یہی ہے کہ وہ مرے ہوئے کتے کے پلے کے سبب سے تھی۔ مگر یہ بات کہ جبرئیلؑ کا اس موقعہ پر نہ آنا ہی ماودعك ربك وما قلى کے نازل ہونے کا سبب بنا یہ قول غریب ہے لہٰذا اس بارے میں صحیح بخاری کی روایت ہی قابل اعتبار ہے۔

قول۔ مولف کہتے ہیں: بعض قول ایسے بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کتے کے پلے کا واقعہ مدینے میں پیش آیا تھا۔ چنانچہ ایک تفسیر میں ہے کہ یہ پلا حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کا تھا۔

جس گھر میں کتا یا تصویر ہو وہاں فرشتے نہیں آتے...... ایسے ہی مسلم کی ایک حدیث ہے جسے حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے وعدہ کیا کہ وہ فلاں وقت آپ کے پاس آئیں گے۔ مگر جب وہ وقت آیا تو جبرئیلؑ نہیں آئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (آنحضرت ﷺ سخت بے چین ہوئے اور آپ کو گرانی ہوئی چنانچہ) آپ کے ہاتھ میں اس وقت عصا تھا آپ نے اس کو زمین پر پھینک دیا

اور فرمایا۔

"اللہ اور اس کا رسول اپنے وعدے سے کبھی نہیں پھرتے۔"

اس کے بعد اچانک آپ کی نظر اٹھی تو آپ نے دیکھا کہ پلنگ کے نیچے ایک کتا تھا۔ آپ نے پوچھا

"یہ کتا یہاں کب آیا۔"

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔

"خدا کی قسم! میں نے اس کو نہیں دیکھا تھا۔"

آنحضرت ﷺ نے فوراً اس کو گھر سے نکالنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کو نکال دیا گیا۔ اسی وقت جبرئیلؑ آگئے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ میں آپ کے انتظار میں بیٹھا رہا مگر آپ نہیں آئے!"

جبرئیلؑ نے عرض کیا۔

"میں اس کتے کی وجہ سے نہیں آسکا جو آپ کے گھر میں تھا۔ ہم فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔"

کتاب جامع صغیر میں اس طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور کہنے لگے۔

"میں آپ کے پاس رات آتا مگر صرف اس لئے آپ کے گھر میں داخل نہیں ہو سکا کہ دروازے پر تصویریں تھیں گھر کے اندر ایک پردہ تھا اس پر تصویریں تھیں اور گھر میں ایک کتا بھی تھا۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فوراً گھر کے دروازے کی تصویر کے متعلق حکم دیا کہ اس کو کاٹ کر ایسی کر دی جائے جیسے درخت ہوتا ہے۔ اسی طرح اس پردے کے بارے میں حکم دیا کہ اس میں سے پیروں کے نیچے رکھے جانے والے دو گدے بنا دیئے جائیں اور تصویروں کو کاٹ دیا جائے۔ ساتھ ہی آپ نے کتے کو گھر میں سے نکال دینے کا حکم دیا۔

یہ بات واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جبرئیلؑ جو تشریف لاتے تھے تو وہ آپ کے اعزاز میں آتے تھے لہٰذا گذشتہ صفحات میں اس بارے میں جو شبہ بیان کیا گیا تھا اس کی وجہ سے یہاں بھی کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔

<u>وحی کا نزول اور آنحضرت ﷺ کی خوشی اور تکبیر</u>...... جب سورہ والضحیٰ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ کو اس سے اس قدر خوشی ہوئی کہ آپ نے ایک دم تکبیر کہی۔ آنحضرت ﷺ نے اس وقت تک اپنی قوم کو کھلے عام اسلام کی دعوت نہیں دی جب تک کہ اس سورت کی یہ آیت نہیں نازل ہو گئی۔

واما بنعمته ربك فحدث الآیۃ پ ۳۰ سورہ والضحیٰ

ترجمہ:- اپنے رب کے انعامات مذکورہ کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے

اس آیت کے نازل ہونے کے وقت بھی آنحضرت ﷺ نے تکبیر کہی تھی۔ یہی سبب ہے کہ اس سورت کے بعد والی سورتوں کے شروع اور آخر میں بھی ختم قرآن تک تلاوت کے وقت تکبیر کہی جاتی ہے۔

حضرت ابی ابن کعبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم کے بعد آپ کے سامنے

اسی طرح تلاوت کی۔ اور یہ کہ وہ جب بھی کوئی سورت ختم کرتے تو وہاں وقفہ کرتے اور پھر تکبیر کہتے تھے۔
ایک قول یہ بھی ہے کہ تکبیر کی ابتداء سورہ الم نشرح کے شروع سے ہوتی ہے سورہ والضحیٰ کے شروع سے نہیں ہوتی۔ ایک قول یہ ہے کہ تکبیر سورت کے آخر میں کہی جاتی ہے اور اس ابتداء سورہ والضحیٰ کے آخر سے ہوتی ہے اور سورہ قل اعوذ برب الناس کے آخر تک کہی جاتی ہے۔ جہاں تک ان سورتوں کے شروع اور آخر دونوں میں تکبیر کہنے کا سوال ہے تو یہ ان دونوں روایتوں پر عمل کرنے کے لئے ہے جن میں سے ایک میں ہے کہ آپ نے اس سورت کے شروع میں تکبیر کہی اور دوسری میں ہے کہ آپ نے اس کے آخر میں تکبیر کہی تھی۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے تکبیر سورۂ والضحیٰ کے شروع میں کہی جاتی ہے تو یہ عکرمہ ابن سلیمان کی روایت کی بنیاد پر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اسماعیل ابن عبدربہ کے سامنے تلاوت کی۔ جب سورہ والضحیٰ پر پہنچا تو انہوں نے مجھ سے کہا۔
"تکبیر کہو۔ کیونکہ میں نے عبداللہ ابن کثیر کے سامنے تلاوت کی تھی جو سات قاریوں میں سے ایک ہیں۔ چنانچہ جب میں سورہ والضحیٰ پر پہنچا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس وقت تک تکبیر کہو جب تک کہ تم قرآن پورا نہ کرلو۔ پھر ابن کثیر نے مجھے بتلایا کہ میں نے مجاہد کے سامنے تلاوت کی تھی تو انہوں نے مجھے اس کا حکم دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ مجھے حضرت ابن عباسؓ نے اس کا حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ مجھے حضرت ابی ابن کعب نے اس کا حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے اس کا حکم دیا تھا۔"
بعض علماء نے اس حدیث کو غریب کہا ہے (حدیث غریب کی تعریف سیرت حلبیہ کے **گزشتہ اوراق** میں بیان ہو چکی ہے) حضرت امام شافعی کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے کہا۔
"اگر تم نے نماز اور خارج نماز میں والضحیٰ سے الحمد تک تکبیر چھوڑ دی تو تم نے اپنے نبی ﷺ کی ایک سنت چھوڑ دی۔"
لیکن علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ سورہ والضحیٰ کے نازل ہونے کے وقت تکبیر کہنے کی روایت کی سند ایسی ہے کہ اس پر صحیح ہونے یا ضعیف ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔
تشریح..... واضح رہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک سورتوں کے شروع یا آخر میں تکبیر کہنا ضروری نہیں ہے یہ امام شافعی کا مسلک ہے)۔
شیخ ابو المواہب شاذلی نے اپنے شیخ ابو عثمان سے روایت نقل کی ہے کہ سورہ الم نشرح سورہ والضحیٰ کی آخری آیت یعنی واما بنعمته ربك فحدث کے فورا" بعد نازل ہوئی ہے جس کا مطلب ہے کہ اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو۔ تو گویا اس سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو بیان کیا جو اللہ نے اس کو عطا فرمائی ہیں تو حق تعالیٰ اس کا سینہ کھول دیتے ہیں یعنی اس کو اطمینان قلب عطا فرماتے ہیں۔ گویا حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تو میری نعمتوں کو بیان کرتا ہے اور ان کو میرے بندوں کو سناتا ہے تو میں تیرا سینہ کھول دیتا ہوں۔
(اس کے بعد پھر اسی بحث کو شروع کرتے ہیں کہ اچانک جبرئیلؑ کا آنحضرت ﷺ کے پاس وحی لے کر آنا رک گیا تھا) ابن اسحاق سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیلؑ سے (ان کے کچھ عرصہ کے بعد آنے

پر) فرمایا تھا۔

"جبرئیل! تم اتنی مدت تک میرے پاس آنے سے رکے رہے کہ اس سے بدگمانی ہونے لگی تھی۔"

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ :

"تم جتنا میرے پاس آتے تھے اس سے بھی زیادہ آنے جانے سے تمہیں کون سی چیز روکتی ہے؟"

جبرئیلؑ نے عرض کیا۔

"ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر نہ ایک سے دوسرے زمانے میں نازل ہو سکتے ہیں اور نہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتے ہیں صرف اس کے حکم اور اس کی مشیت اور حکمت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ جیسے کفار سمجھتے ہیں کہ آپ کے رب نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا بلکہ یہ سب اس کی حکمت کے مطابق ہوا ہے۔

ایک شخص سے ابوجہل کی بد معاملگی...... ایک زبیدی شخص کا واقعہ ہے۔ چنانچہ ایک حدیث ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ آنحضرت ﷺ اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک قبیلہ زبید کا ایک شخص آیا تھا۔ وہاں اس وقت قریشی سردار بھی مجمع لگائے بیٹھے تھے اس شخص نے آکر قریشیوں کے حلقے کے گرد گھومنا شروع کر دیا اور وہ یہ کہتا جاتا تھا۔

"اے گروہ قریش! کوئی راہ گیر کیسے تمہارے علاقے میں داخل ہو سکتا ہے اور کوئی تاجر کیسے تمہاری سرزمین میں آسکتا ہے جب کہ تم ہر آنے والے کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتے ہو۔"

آنحضرت ﷺ کی مداخلت...... یہ کہتا ہوا جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کیساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے اس سے پوچھا۔

"تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟"

اس نے بتلایا کہ وہ اپنے اونٹوں میں سے تین بہترین اونٹ بیچنے کے لئے لے کر آیا تھا مگر یہاں ابوجہل نے ان تینوں اونٹوں کی اصل قیمت کی صرف ایک تہائی قیمت لگادی (یعنی ان کی اصل قیمت سے دو تہائی کم قیمت لگادی اور ایسا اس نے جان بوجھ کر کیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنی بستی کا ایک معزز سردار ہے اس کی قیمت پر بڑھ کر کوئی دوسرا شخص اب قیمت نہیں لگائے گا اور اس طرح وہ ان اونٹوں کو بہت کم قیمت میں خریدے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ) اس کی وجہ سے پھر کسی دوسرے نے ان اونٹوں کا بالکل سودا نہیں کیا۔ اس زبیدی شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اس طرح ابوجہل نے میری تجارت خراب کر کے مجھ پر ظلم کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا۔

"تمہارے اونٹ کہاں ہیں؟"

اس نے کہا۔

"یہیں خزدرہ کے مقام پر ہیں۔"

یہ سن کر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ اٹھے اور وہاں پہنچے۔ آپ نے دیکھا کہ اونٹ واقعی بہت عمدہ تھے۔ آپ نے اس شخص سے بھاؤ تاؤ کیا اور آخر دونوں میں خوش دلی سے رضامندی ہو گئی۔ اس کے بعد آپ نے وہ اونٹ لے لئے۔

آنحضرت ﷺ کی ابوجہل کو ڈانٹ اور ابوجہل کا خوف...... پھر آپ نے ان میں سے دو زیادہ عمدہ

اونٹ فروخت کر دیئے اور ان کی قیمت بنی عبدالمطلب کی بیوہ عورتوں کو تقسیم فرمادی۔ یہ سب کچھ ہوا اور وہیں بازار میں ایک طرف ابو جہل بیٹھا ہوا یہ سب دیکھتا رہا مگر ایک لفظ نہیں بول سکا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ ابو جہل کے پاس آئے اور اس سے فرمایا۔

خبر دار عمرو (! ابو جہل کا اصل نام عمرو تھا) اگر تم نے آئندہ ایسی حرکت کی تو بہت سختی سے پیش آؤں گا۔"

یہ سن کر ابو جہل جلدی سے بولا۔

"محمد۔ میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ محمد میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔"

ابو جہل کی رسوائی...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ وہاں سے لوٹ آئے۔ ادھر ابو جہل کو راستے میں امیا بن خلف اور اس کے دوسرے ساتھی مل گئے۔ ان لوگوں نے ابو جہل سے کہا۔

"تم تو محمد کے ہاتھوں بہت رسوا ہو کر آرہے ہو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو تم ان کا اتباع اور پیروی کرنا چاہتے ہو اور یا تم ان سے بہت مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے ہو۔"

ابو جہل بولا۔

"میں ہرگز کبھی محمد کی پیروی نہیں کر سکتا۔ میری جو کمزوری تم نے دیکھی اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میں نے محمد کو دیکھا تو مجھے ان کے ساتھ دائیں بائیں بہت سارے آدمی نظر آئے جن کے ہاتھوں میں نیزے اور بھالے تھے اور وہ ان کو میری طرف لہرا رہے تھے۔ اگر میں اس وقت محمد کی بات نہ مانتا تو وہ سب لوگ مجھ پر آپڑتے۔"

ایسا ہی ایک دوسرا واقعہ...... ایسا ہی ایک واقعہ اور پیش آیا ہے۔ ابو جہل ایک یتیم لڑکے کا سرپرست بنا اور پھر اس نے اس کا سارا مال غصب کر کے اس یتیم کو نکال باہر کیا۔ وہ یتیم آنحضرت ﷺ کے پاس ابو جہل کے خلاف فریاد لے کر آیا۔ آنحضرت ﷺ اس یتیم کو ساتھ لے کر ابو جہل کے پاس آئے اور اس کا مال ابو جہل سے واپس دلوایا۔ مشرکوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے ابو جہل (کو برا بھلا کہا اور اس) سے اس کی وجہ پوچھی۔ ابو جہل نے جواب دیا۔

"مجھے محمد ﷺ کے دائیں بائیں بڑے خوفناک ہتھیار نظر آئے جن سے میں ڈر گیا۔ اگر میں اس یتیم کا مال دینے سے انکار کر دیتا تو وہ ان ہتھیاروں سے مجھے مار ڈالتے۔"

آنحضرت ﷺ کا مذاق بنانے کی کوشش...... ایسے ہی کچھ وہ واقعات ہیں کہ مشرکوں نے آنحضرت ﷺ کا مذاق بنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک اراشی شخص تھا یعنی قبیلہ خشعم کی ایک شاخ اراشہ کا ایک آدمی تھا جس سے ابو جہل نے کچھ اونٹ خریدے مگر پھر ان اونٹوں کی قیمت دینے میں ابو جہل نے ٹال مٹول شروع کر دی۔ اس پر (جب اس شخص نے قریشیوں سے فریاد کی تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کا مذاق بنانے کے خیال سے اس کو مشورہ دیا کہ تم محمد ﷺ کے پاس جا کر فریاد کرو۔ ایسا انہوں نے اس لئے کیا کہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ ابو جہل کا کچھ نہیں کر سکتے۔

ایک مظلوم کی قریش سے فریاد...... اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ وہ اراشی شخص قریشیوں کی ایک مجلس میں پہنچا اور اس نے ان سے فریاد کرتے ہوئے کہا۔

"اے گروہ قریش! کون ہے جو ابوالحکم ابن ہشام (ابو جہل) کے مقابلے میں میری مدد کرے۔ میں

پردیسی اور مسافر ہوں اور اس نے میرا حق مار لیا ہے۔"

ازراہ مذاق قریش کا آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ...... قریشیوں نے آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے کہا۔

"کیا اس شخص کو دیکھ رہے ہو۔! اس کے پاس جاؤ۔ وہ ابو جہل کے مقابلے تمہارے مدد کریں گے۔"

آنحضرت ﷺ سے ابو جہل کے خلاف فریاد...... (یہ بات ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کا مذاق بنانے کے لئے کہی تھی) غرض وہ شخص آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ ﷺ کو اپنا معاملہ بتلایا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا۔

"اے ابو عبد اللہ ! ابو الحکم ابن ہشام نے زبردستی میرا حق مار لیا ہے اور میں یہاں پردیسی اور مسافر ہوں ! میں نے ان قریشیوں سے فریاد کی کہ کوئی شخص ابو الحکم سے میرا حق واپس دلوادے تو انہوں نے مجھے آپ کا نام بتلایا اب آپ میرا حق مجھے دلوادیجئے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے گا۔"

آنحضرت ﷺ کا حکم اور ابو جہل کی تعمیل...... آنحضرت ﷺ فوراً ہی اس شخص کو ساتھ لے کر ابو جہل کے مکان پر گئے اور اس کے دروازے پر دستک دی۔ ابو جہل نے اندر سے پوچھا کون ہے ؟ آپ نے فرمایا۔ "محمد !"۔ ابو جہل فوراً باہر نکل کر آیا مگر اس حال میں کہ آپ کا نام سنتے ہی اس کا چہرہ زرد اور دھواں دھواں ہو چکا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا۔

"اس شخص کا حق اس کو فوراً دو۔"

ابو جہل نے فوراً کہا۔

"بہت اچھا۔ ابھی لایا۔"

اس کے بعد اسی وقت اس نے اس شخص کا حق ادا کر دیا۔ اب وہ شخص واپس پھر اسی قریشی مجلس میں آیا اور کہنے لگا۔

"اللہ تعالیٰ اس شخص یعنی آنحضرت ﷺ کو جزائے خیر دے۔ خدا کی قسم انہوں نے مجھے میرا حق دلوا دیا۔"

ادھر خود ان مشرکوں نے اپنا ایک آدمی آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے بھیجا تھا اور اس سے کہا تھا کہ دیکھو محمد کیا کرتے ہیں چنانچہ جب وہ واپس آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا۔

"کیا دیکھا ؟"

اس نے کہا۔

"میں نے ایک بہت ہی عجیب اور حیرتناک بات دیکھی۔ خدا کی قسم محمد نے اس کے دروازے پر جیسے ہی دستک دی تو وہ فوراً ہی اس حال میں باہر نکل آیا کہ اس کا چہرہ گویا بے جان اور زرد ہو رہا تھا۔ محمد نے اس سے کہا کہ اس شخص کا حق اس کو دو۔ وہ بولا کہ بہت اچھا ابھی لایا۔ یہ کہہ کر وہ اندر گیا اور اسی گھڑی اس کا حق لا کر اس کو دے دیا۔

ابو جہل کو قریش کی پھٹکار...... (قریشی سردار یہ ماجرا سن کر حیران تھے) اب انہوں نے ابو جہل سے کہا۔

"تمہیں شرم نہیں آتی۔ جو حرکت تم نے کی ہے ایسی تو ہم نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔"

ابو جہل بولا۔

"تمہیں کیا معلوم۔ جوں ہی محمد نے میرے دروازے پر دستک دی اور میں نے ان کی آواز سنی میرا دل خوف و دہشت سے بھر گیا۔ پھر میں باہر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک ایسا گراں ڈیل اونٹ میرے سر پر کھڑا ہے کہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اگر میں اس شخص کی بات ماننے سے انکار کر دیتا یا حق دینے میں حیل حجت کرتا تو وہ اونٹ مجھے کھالیتا۔"

اسی واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

وَاقْتَضَاہ النَّبِیُّ دِیْنُ الْاَرَاَ شیٔ
وَقَدْ سَاءَ بَیْعَہُ وَ الشِّرَاءُ

وَرَاٰی الْمُصْطَفٰی اَتَاہُ بِمَالَم
ینج مِنْہُ دونَ الْوَفَاء النِّجَاءُ

ھُوَ ما قدراٰہٗ مِن قبلَ لٰکِن
مَاعَلٰی مِثلِہٖ یُعَدَّ الْخَطَاءُ

مطلب...... آنحضرت ﷺ نے ابو جہل سے مطالبہ فرمایا کہ وہ اس اراشی شخص کا قرض ادا کرے کیونکہ ابو جہل نے اس شخص کے ساتھ خرید و فروخت کا جو معاملہ کیا تھا اس میں ابو جہل نے بد عہدی کی تھی۔ ابو جہل نے آنحضرت ﷺ کو جوں ہی دیکھا تو اسے آپ کے ساتھ ایک خوفناک گراں ڈیل اونٹ بھی نظر آیا اور ابو جہل نے یہ سمجھا کہ اس اراشی شخص کا حق ادا کئے بغیر وہ اس اونٹ سے ہرگز نجات نہیں پاسکتا۔ یہ اونٹ جو اس کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ نظر آیا وہی تھا جسے وہ اس سے پہلے بھی ایک موقعہ پر دیکھ چکا تھا۔ یعنی جب اس دشمن خدا نے آنحضرت ﷺ پر سجدے کی حالت میں بھاری پتھر ڈالنے کا ارادہ کیا تھا جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ مگر اس شخص یعنی ابو جہل کے جرائم اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس کے گستاخیوں کی فہرست اتنی طویل ہے اور اس کے جرائم اتنے بڑے بڑے ہیں کہ اس جیسا جرم اس کی معاملے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

ابو جہل کے مذاق اڑانے کا انجام...... آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسخرہ پن کرنے اور آپ کا مذاق بنانے کے سلسلے میں ابو جہل کے جو واقعات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کہیں جاتے تو یہ آپ کے پیچھے آپ کا مذاق اڑانے کے لئے اپنے منہ اور ناک سے طرح طرح کی آوازیں نکالتا ہوا چلتا۔ ایک دفعہ یہی حرکت کرتا ہوا یہ آپ کے ساتھ چلا تو آپ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

"تو ایسا ہی ہو جا۔"

آنحضرت ﷺ کے اس جملہ کا اثر یہ ہوا کہ اس وقت سے یہ ایسا ہی ہو گیا (اور ہر وقت اس کے منہ اور ناک سے ایسی ہی بھیانک آوازیں نکلتی رہیں) یہاں تک کہ موت تک اس کی یہی کیفیت رہی۔

آنحضرت ﷺ کی ہنسی اڑانے والے پانچ بد بخت...... علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ کچھ مشرکین وہ تھے جو مستقل آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑایا کرتے تھے ان کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِئِیْنَ الخ پ ۱۴ سورہ حجر ع ۲ آیۃ

ترجمہ :- یہ لوگ جو آپ پر ہنستے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا معبود قرار دیتے ہیں ان سے آپ کے لئے ہم کافی

ہیں سوان کو ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔

ان مذاق اڑانے والے لوگوں میں ابو جہل، ابولہب، عقب ابن معیط، حکیم ابن عاص ابن امیہ جو مروان ابن حکم کا باپ اور حضرت عثمان بن عفان کا چچا تھا۔ اور عاص ابن وائل شامل تھے۔ چنانچہ ان میں ابو جہل کی جو گستاخیاں اور حرکتیں تھیں ان میں سے دو ایک گذشتہ سطروں میں بیان ہوئیں۔

ابولہب کی شرارت پر حضرت حمزہؓ کی جوابی کارروائی...... ابولہب کی جو حرکتیں تھیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے دروازے پر گندگی پھینک جایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ یہی حرکت کر کے جا رہا تھا کہ اسے اس کے بھائی حضرت حمزہؓ نے دیکھ لیا۔ حضرت حمزہ نے فوراً" وہ گندگی اٹھا کر خود ابولہب کے سر پر ڈال دی۔ ابولہب جلدی جلدی اپنا سر صاف کرتے ہوئے کہتا جاتا تھا۔

"بڑا بد دین اور احمق ہے۔!"

دو بدترین پڑوسی...... اسی طرح عقبہ ابن معیط کی جو حرکتیں تھیں ان میں سے بھی ایک یہ تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کے مکان کے دروازے پر گندگی ڈال دیا کرتا تھا جیسا کہ بیان بھی ہو چکا ہے۔ چنانچہ ان ہی دونوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

"میں دو انتہائی بدترین پڑوسیوں کے درمیان میں تھا۔ ایک ابولہب اور دوسرا عقبہ ابن معیط کہ یہ دونوں گوبر اور گندگی لے کر آتے اور اسے میرے دروازے پر ڈال دیا کرتے تھے۔"

عقبہ کے چہرے پر بدبختی کا نشان...... یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے۔ اسی عقبہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ اس نے آنحضرت ﷺ کے روئے مبارک پر تھوکا مگر اس کا تھوک لوٹ کر اسی کے چہرے پر آپڑا اور وہ حصہ جہاں تھوک لگا تھا ایسا ہو گیا جیسا کوڑھ کا نشان ہوتا ہے۔

مہمان کے اعزاز میں عقبہ کا کلمہ شہادت اور بدنصیبی...... آنحضرت ﷺ اکثر عقبہ ابن ابو معیط کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ عقبہ سفر سے واپس آیا تو اس نے ایک بڑی دعوت کی اور تمام قریشی سرداروں کو کھانے پر بلایا۔ اس موقعہ پر اس نے آنحضرت ﷺ کو بھی بلایا۔ مگر جب کھانا مہمانوں کے سامنے چنا گیا تو آنحضرت ﷺ نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا۔

"میں اس وقت تک تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم یہ شہادت نہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

عقبہ نے کہہ دیا۔

اشهدان لا اله الا الله و اشهد انك رسول الله۔

ترجمہ :۔ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ کے رسول ہو۔

قریش کی عقبہ پر لعنت ملامت...... یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے کھانا کھالیا۔ کھانے کھانے کے بعد یہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ عقبہ ابن معیط چونکہ ابی بن خلف کا دوست تھا اس لئے لوگوں نے ابی کو بتلایا کہ عقبہ نے ایسے ایسے کہا ہے۔ ابی یہ سن کر عقبہ کے پاس آیا اور بولا کہ عقبہ تم بے دین ہو گئے ہو۔ عقبہ نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم! میں بے دین یعنی مسلمان نہیں ہوا۔ بات صرف اتنی ہے کہ ایک معزز آدمی میرے گھر آیا اور اس نے یہ کہہ دیا کہ جب تک میں اس کے کہنے کے مطابق گواہی نہیں دوں گا وہ میرے یہاں کھانا نہیں کھائے گا مجھے اس بات سے شرم آئی کہ ایک شخص میرے گھر آئے اور بغیر کھانا کھائے چلا جائے اس لئے میں نے وہ شہادت کا کلمہ کہہ دیا اور اس شخص نے کھانا کھایا۔ مگر حقیقت میں وہ شہادت کا کلمہ میں نے دل سے نہیں کہا تھا۔"

عقبہ کی بد بختی پر مہر...... مگر ابی کو اس بات سے بھی اطمینان نہیں ہوا بلکہ اس نے عقبہ سے کہا۔

"میں اس وقت تک نہ تمہاری شکل دیکھوں گا اور نہ تمہیں اپنی شکل دکھاؤں گا جب تک کہ تم یہ نہ کرو کہ جب تمہیں محمد کہیں ملیں تو تم ان کو منہ چڑاؤ، ان کے چہرے پر تھوکو اور ان کے منہ پر مارو۔"

عقبہ نے فوراً" کہا۔

"یہ میرا تم سے وعدہ رہا۔"

اس کے بعد سے آنحضرت ﷺ ملے تو اس بد بخت نے آپ ﷺ کو منہ چڑایا اور آپ کے چہرہ مبارک پر تھوکا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جب عقبہ نے آپ کے چہرے پر تھوکا تو اس کا تھوک آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر نہیں پہنچا بلکہ واپس اسی کے منہ پر ایک جلتے ہوئے آگ کے شعلے کی صورت میں آیا اور جس جگہ اس کے چہرے پر پڑا وہ حصہ جل گیا اور اس جلنے کا نشان مرنے کے وقت تک اس کے چہرے پر رہا۔

پچھلی سطروں میں بیان ہوا ہے کہ عقبہ کا تھوک جہاں اس کے چہرے پر پڑا تھا وہاں کوڑھ کا نشان ہو گیا تھا۔ اب اس تفصیل روایت کی روشنی میں اس قول سے یہ مراد نکلتی ہے کہ (حقیقت میں کوڑھ نہیں ہوا تھا بلکہ) ایسا نشان ہو گیا تھا جیسے کوڑھ کا ہوتا ہے۔

اسی عقبہ ابن معیط کے بارے میں قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا الآیۃ پ ۱۹ سورہ فرقان ع ۲

ترجمہ :- جس روز ظالم (یعنی آدمی غایت حسرت سے) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھاوے گا اور کہے گا کیا اچھا ہوتا میں رسول کے ساتھ دین کی راہ پر لگتا۔

(اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ) جس روز ظالم آدمی جہنم میں کہنی تک اپنا ایک ہاتھ دانتوں سے کاٹے گا۔ اور پھر جب دوسرے ہاتھ کو کاٹ کھائے گا تو پہلا ہاتھ پھر اگ آئے گا اور وہ پھر اس میں کاٹے گا۔ اور اسی طرح کرتا رہے گا۔

حکم ابن عاص کے مذاق کا انجام...... اسی طرح حکم ابن عاص بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسخرہ پن کیا کرتا تھا۔ اس کا بھی ایک واقعہ اسی طرح کا ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ چلے جا رہے تھے۔ یہ آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اور آنحضرت ﷺ کا مذاق بنانے کے لئے اپنے منہ اور ناک سے طرح طرح کی آوازیں نکالنے لگا۔ آنحضرت ﷺ چلتے چلتے اچانک اس کی طرف مڑے اور فرمایا۔

"تو ایسا ہی ہو جا۔"

چنانچہ اس کے بعد یہ ایسا ہی ہو گیا (اور ہمیشہ اس کے منہ سے ایسی ہی آوازیں نکلتی رہیں)۔ واضح رہے کہ اسی قسم کا ایک اور واقعہ ابو جہل کے متعلق بھی گزر چکا ہے۔ غرض اس کے بعد یہ حکم ابن عاص ایک مہینے تک

مد ہوشی کی حالت میں پڑا رہا اور اس کے بعد مرنے تک اس کے منہ سے ایسی ہی آوازیں نکلتی رہیں۔

یہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا تھا مگر اس کے اسلام میں شبہ ہے۔

حکم کی بربادی...... ایک مرتبہ جبکہ (مدینے میں) آنحضرت ﷺ اپنے مکان میں اپنی بیویوں میں سے کسی کے پاس تھے کہ یہ حکم ابن عاص مکان کے دروازے سے آپ کے سامنے آیا۔ آنحضرت ﷺ فوراً باہر تشریف لائے اس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق آپ کے ہاتھ میں بال ٹھیک کرنے کی کنگھی تھی۔ آپ نے باہر آتے ہی فرمایا۔

"کوئی ہے جو اس شخص کے لئے مجھ سے کچھ کہے۔ اگر میں اس کو پالیتا تو اس کی آنکھیں پھوڑ دیتا۔"

آپ نے اس پر اور اس کی اولاد پر لعنت فرمائی۔ پھر اس کو مدینے سے جلاوطن کر کے طائف کے علاقے میں نکال دیا تھا۔ یہ اپنے بھتیجے حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے زمانے تک مدینے سے جلاوطن رہا۔ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانے میں حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے اس کو مدینے آنے کی اجازت دینے کے لئے سفارش کی تھی مگر حضرت ابو بکرؓ نے یہ فرمادیا تھا۔

"میں اس گرہ کو نہیں کھول سکتا جس کو رسول اللہ ﷺ نے باندھا تھا۔"

پھر جب حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو حضرت عثمانؓ نے پھر اس کی سفارش کی مگر حضرت عمر فاروقؓ نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔ آخر جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو اس کو مدینے میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ اس پر صحابہ نے حضرت عثمان غنیؓ کے اس فعل پر ناگواری کا اظہار کیا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔

میں نے اس شخص کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سفارش کی تھی تو آپ نے مجھ سے اس کو واپس لانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ یعنی یہ کہ میں اس کو بلالوں گا۔"

اب یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے یہ فرمادیا تھا کہ وہ یعنی حضرت عثمانؓ ان کو کسی وقت واپس بلالیں گے تو پھر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے سفارش کرنا کیا معنی رکھتا ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اس اجازت میں دونوں پہلو تھے کہ یا حضرت عثمانؓ ان کو خود اپنی اجازت سے بلالیں گے اور یا سفارش کے ذریعہ بلالیں گے۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے اس باب میں آئے گی جہاں ان تمام باتوں کا بیان ہو گا جن میں صحابہ نے حضرت عثمانؓ کے بعض احکام پر ناگواری کا اظہار کیا تھا۔

دعاءِ رسول اور حکم کے بدن میں رعشہ...... ام المومنین حضرت خدیجہ کے بیٹے ہند ابن خریجہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ حکم ابن عاص کے پاس سے گزرے تو وہ آنحضرت ﷺ پر آوازیں کستے اور آنکھیں مٹکانے لگا آپ نے اس کو دیکھ لیا اور فرمایا۔

"اے اللہ! اس کے بدن میں کپکپی اور رعشہ پیدا فرمادے۔"

چنانچہ یہ وہیں کھڑے کھڑے کانپنے لگا۔ ایک روایت کے لفظ اس طرح ہیں کہ۔ اسی جگہ اس کے بدن میں کپکپی لگ گئی۔

واقدی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حکم ابن عاص نے آنحضرت ﷺ کے یہاں آکر باریابی کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا۔

"اس کو آنے دو۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور ان پر بھی جو اس کی پیٹھ یعنی اس کے نطفے سے پیدا ہوں سوائے مومنوں کے جو ان میں بہت تھوڑے سے ہوں گے۔ ورنہ اکثر فریب کار ور دھوکے باز ہوں گے جن کو دنیا اور اس کی نعمتیں دی جائیں گی مگر آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔"

مدینے میں مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ جس کے گھرے میں بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا وہ اس کو لے کر فوراً" آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا (اور دعا پڑھواتا) چنانچہ جب حکم ابن عاص کے یہاں مروان پیدا ہوا تو وہ اس کو لے کر آپ کے پاس آیا آپ نے فرمایا۔

"یہ بزدل ہے اور بزدل کا ہی بیٹا ہے۔ ملعون ابن ملعون ہے۔"

اس روایت کی بنیاد پر مروان کو صحابی کہا جاسکتا ہے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ کو اس نے دیکھا ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کے صحابی ہونے کا یقین اس لئے نہیں ہے کہ (جب حکم نے اس کو لے کر آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہونے کی اجازت مانگی تھی تو) آپ نے اس کو پیش ہونے کی اجازت نہ دی ہو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کے وہ بزدل ہے اور بزدل کا بیٹا ہے۔ اس طرح اشارہ کرتا ہے کہ آپ نے حکم کو سامنے آنے کی اجازت نہیں دی ہوگی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ مروان کی پیدائش مکے میں ہوئی تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ طائف میں اس وقت پیدا ہوا تھا جبکہ آنحضرت ﷺ نے اس کے باپ حکم کو طائف کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ اور یہ کہ یہ آنحضرت ﷺ کے پاس نہیں آسکا اس لئے صحابی نہیں ہے۔ اسی لئے امام بخاری نے کہا ہے کہ مروان ابن حکم نے آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ مروان سے فرمایا تھا کہ تیرے باپ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ الآیۃ پ ۲۹ سورہ قلم ع ۱

ترجمہ:۔ اور آپ بالخصوص کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت جھوٹی قسمیں کھانے والا ہو، بے وقعت ہو، طعنے دینے والا ہو، چغلیاں لگاتا پھرتا ہو۔

پھر انہوں نے مروان سے کہا۔

"میں نے تیرے باپ اور تیرے دادا یعنی عاص ابن امیہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ قرآن پاک میں ان لوگوں کو شجر ملعونہ یعنی ملعون درخت فرمایا گیا ہے۔"

یہ مروان نو مہینے تک خلیفہ رہا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروان کے متعلق ایک روایت ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کے لئے مسلمانوں سے بیعت لی تو مروان نے حضرت عائشہؓ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن ابن ابو بکر سے کہا۔

"یہ ابو بکر و عمر فاروق کی سنت ہے۔"

اس پر حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا۔

"ہر گز نہیں۔ بلکہ یہ تو ہرقل اور قیصر روم کی سنت یعنی طریقہ ہے (کہ بیٹے کے لئے بیعت لی جائے)"۔

حضرت عبدالرحمٰن نے یزید کی بیعت بھی نہیں کی۔اس پر مروان نے ان سے کہا۔
یہ تم ہی ہو جن کے بارے میں قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ الآیۃ پ ۲۶ سورہ احقاف ع ۲
ترجمہ :۔اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تف ہے تم پر۔ کیا تم مجھ کو یہ وعدہ یعنی خبر دیتے ہو کہ میں قیامت میں دوبارہ زندہ ہو کر قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر گئیں۔
جب مروان کا یہ قول حضرت عائشہ صدیقہؓ تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا۔
"خدا کی قسم وہ یعنی مروان جھوٹا ہے۔وہ آیت ان کے یعنی عبدالرحمٰن کے بارے میں نہیں ہے۔"
پھر حضرت عائشہ نے مروان سے فرمایا۔
"مروان! کیا تو وہی نہیں ہے۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے تیرے باپ پر اس وقت لعنت فرمائی تھی جبکہ تو ابھی اس کی پیٹھ یعنی نطفے میں ہی تھا۔"
حضرت جبیر ابن مطعم سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ حکم ابن عاص وہاں سے گزرا۔ آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا۔
"اس شخص کی پیٹھ یعنی نطفے میں میری امت کے جو لوگ ہیں ان پر (حکم کی نسبت کی وجہ سے) افسوس ہے۔"
یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ میں جبکہ اتنا حلم اور بردباری تھی کہ آپ ناپسندیدہ چیزوں پر بھی برداشت فرمایا کرتے تھے پھر آپ نے حکم کے متعلق یہ روش کیوں اختیار فرمائی۔اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اس کے بارے میں یہ سب فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ حکم اور اس کی اولاد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی بہت بڑی چیز ظاہر فرمادی تھی (جس کی بناء پر آپ اس کے بارے میں اس قدر سخت ہو گئے تھے)
حمران ابن جابر جعفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔
"بنی امیہ[1] پر تین بار افسوس ہے۔!"
بنی امیہ میں سے چودہ آدمی خلیفہ ہوئے ہیں ان میں سب سے پہلے خلیفہ امیر معاویہ ابن ابوسفیان ہیں اور آخری خلیفہ مروان ابن محمد ہے۔ بنی امیہ کی خلافت کا کل زمانہ بیاسی سال ہے جس کے ایک ہزار مہینے بنتے ہیں اس بارے میں بعض علماء نے کہا ہے کہ اس مدت کے دن اتنے ہی ہوتے ہیں نہ ایک دن زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم۔
اس قول پر علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ بڑی عجیب بات ہے جو قابل غور ہے۔ کیونکہ امیر معاویہ نے جب حضرت حسنؓ سے خلافت حاصل کی تو یہ ۴۰ھ یا ۴۱ھ تھا اس کے بعد بنی امیہ کے پاس اس وقت تک

---

[1] یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ خاندان بنی عباس اور بنی امیہ میں صدیوں تک جو زبردست اختلاف اور آویزش رہی ہے اس کے نتیجہ میں شریر لوگوں نے ایک دوسرے کے خلاف بہت سی ایسی حدیثیں گھڑی بھی ہیں جن سے عوام میں مخالف کی حیثیت اور مرتبہ کو کم کیا جاسکے اگر روایات کی چھان بین اور اس سلسلے میں تحقیق کی جائے تو اس قسم کی روایات ملیں گی (مرتب)

خلافت رہی جب تک کہ ۱۳۲ھ میں خلافت ان کے ہاتھوں سے نکل کر بنی عباس کے پاس نہیں پہنچ گئی۔ اس طرح ان کی خلافت کی کل مدت بانوے سال ہوتی ہے جبکہ ایک ہزار مہینے تراسی سال چار مہینے کے بنتے ہیں۔ یہاں تک علامہ ابن کثیر کا کلام ہے۔

عاص ابن وائل ایک اور مذاق اڑانے والا...... اسی طرح عاص ابن وائل آنحضرت ﷺ پر جو آوازیں کسا کرتا تھا اس کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ کہا کرتا تھا۔

"محمد ﷺ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو (نعوذ باللہ) یہ کہہ کر دھوکہ دے رہے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ خدا کی قسم ہماری موت صرف زمانے کی گردش اور وقت کے گزرنے کی وجہ سے آتی ہے۔"

خباب سے عاص کی بد معاملگی اور مذاق...... اسی عاص بن وائل کا ایک اور واقعہ ہے جس میں اس نے رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت خباب ابن ارت مکے میں لوہار کا کام کرتے تھے اور تلواریں بنایا کرتے تھے۔ انہوں نے عاص ابن وائل کو کچھ تلواریں فروخت کی تھیں جن کی اس نے ابھی تک قیمت نہیں دی تھی۔ یہ اس کے پاس قیمت کا تقاضہ کرنے پہنچے تو اس نے کہا۔

"خباب! کیا یہ محمد جن کے دین پر تم چلتے ہو یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ جنت والوں کو سونا چاندی، قیمتی کپڑے، خدمت گار اور اولاد مرضی کے مطابق ملے گی؟"

حضرت خباب نے کہا۔ "ہاں!"۔ تو اس نے کہا۔

"تب تو خباب تم مجھے قیامت کے دن تک کی مہلت دو کہ جب میں وہاں پہنچ جاؤں گا تو تمہارا سارا قرض وہیں چکادوں گا۔ اور خدا کی قسم خدا کے یہاں نہ تو تمہیں یا تمہارے رفیق یعنی آنحضرت ﷺ کو میرے مقابلے میں ترجیح حاصل ہوگی اور نہ جنت میں میرے مقابلے پر ان کو حصہ ملے گا۔"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عاص نے حضرت خباب کو یہ جواب دیا تھا۔

"میں اس وقت تک تمہارا روپیہ نہیں دوں گا جب تک تم محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کرو گے۔"

حضرت خباب کا جواب...... حضرت خباب نے کہا۔

"خدا کی قسم میں محمد کے ساتھ کفر نہیں کروں گا یہاں تک کہ تم مر کر دوبارہ پیدا ہو جاؤ۔"

عاص نے کہا۔

"تو پھر جاؤ اسی وقت آنا جب میں مر کر دوبارہ پیدا ہو جاؤں۔ ممکن ہے اس وقت مجھے مال و دولت اور اولاد ملے۔ میں تب ہی تمہارا روپیہ دوں گا۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

اَفَرَاَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا . اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا (لآئیہ پ ۱۶ سورہ مریم ع ۴)۔

ترجمہ :- بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو کفر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو آخرت میں مال اور اولاد ملیں گے۔ کیا یہ شخص غیب پر مطلع ہو گیا ہے۔ کیا اس نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد اس بات کا لے لیا ہے۔ ہر گز نہیں۔ محض غلط کہتا ہے اور ہم اس کا کہا ہوا بھی لکھے لیتے ہیں اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے اور اس کی

کی ہوئی چیزوں کے ہم مالک رہ جائیں گے اور وہ ہمارے پاس مال اور اولاد سے تنہا ہو کر آئے گا۔

اس سلسلے میں علامہ ابن حجر ہیثمی نے لکھا ہے کہ بخاری میں مختلف سندوں سے جو روایت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت خبابؓ نے عاص ابن وائل سہمی سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا۔ اس پر عاص نے کہا کہ میں اس وقت تک تمہارا روپیہ نہیں دوں گا جب تک کہ تم محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کرو گے۔ حضرت خباب نے جواب میں کہا کہ

"میں محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تجھے فنا کر کے دوبارہ زندہ کر دے۔"

<u>حضرت خباب کے جواب پر ایک شبہ اور اس کا جواب</u>...... اب حضرت خباب کے اس جواب پر ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس جملے میں کفر کرنے کو ایک ایسی بات پر معلق کیا گیا ہے جو ممکن ہے (یعنی خباب نے جو یہ کہا کہ میں محمد کے ساتھ کفر نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو مر کر دوبارہ پیدا ہو جائے یا زندہ ہو جائے، تو مر کر دوبارہ زندہ ہونا یا پیدا ہونا ممکن ہے لہٰذا حضرت خباب کا یہ جملہ قابل اعتراض ہے) اس لئے کہ کفر کرنے کو کسی ایسی چیز پر بھی معلق کرنا جو عادت کے لحاظ سے محال اور ناممکن ہو یا وہ چیز شرعی لحاظ سے ناممکن ہو یا عقلی لحاظ سے ناممکن ہو یہ بھی کفر ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کا احتمال پیدا کر کے اس پر کفر کرنے کو معلق کرنا (یہ سوچ کر کہ یہ بات ناممکن ہے لہٰذا یہ کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں) یہ بات اس سچے اور ولی عہد کے خلاف ہے (جو عہد اسلام کا کلمہ پڑھ کر کیا گیا ہے اور) جو سچا عہد اسلام کے لئے شرط ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس جملہ کے ذریعہ حضرت خباب نے کفر کرنے کو عاص کے دوبارہ زندہ ہو جانے پر معلق نہیں کیا تھا بلکہ اس جملے کے ذریعہ انہوں نے اس بدبخت کے اس عقیدے کو جھٹلایا ہے کہ آدمی مر کر دوبارہ زندہ نہیں ہو گا۔ ان کے اس جملے میں۔ یہاں تک کہ۔ کا جو لفظ ہے اسی کی وجہ سے یہ شبہ ہوتا ہے مگر حقیقت میں اس لفظ سے کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا۔ اس لئے کہ "یہاں تک کہ" کا لفظ اکثر مکمل انکار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے یعنی یہاں تک کہ۔ سے مراد ہے۔ پھر بھی۔ جس کے لئے عربی میں لیکن کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اس لفظ کے بارے میں ادیبوں نے کہا ہے کہ اس کے بعد کا جملہ مستقل ہوتا ہے (تو گویا حضرت خباب نے یہ کہا کہ اگر تو مر کر دوبارہ زندہ ہو جائے تو میں پھر بھی محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کروں گا)

اسی بنیاد پر ابن ہشام خضراوی نے ایک حدیث پیش کی ہے جو یہ ہے کہ

"ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ یعنی لیکن اس کے ماں باپ اس کو یہودی (یا نصرانی یا مجوسی) بنا دیتے ہیں۔"

بعض علماء نے حرث ابن عیطلہ کو بھی ان لوگوں میں سے شمار کیا ہے جو آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اس کو ابن عیطل بھی کہا جاتا ہے یہ اپنی ماں کی نسبت سے مشہور تھا۔

یہ بھی آنحضرت ﷺ کے پیچھے چل کر اسی طرح منہ اور ناک سے طرح طرح کی آوازیں نکالتے ہوئے آپ کا مذاق اڑایا کرتا تھا جس طرح عاص ابن وائل اور ابو جہل کیا کرتے تھے جن کا واقعہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔

<u>اسود ابن عبد یغوث کا خبث</u>...... اسی طرح ان مذاق اڑانے والوں میں اسود ابن عبد یغوث کا نام بھی شمار کیا جاتا ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کا ماموں زاد بھائی تھا۔ یہ جب بھی مسلمانوں کو دیکھتا تو اپنے ساتھیوں سے کہتا۔

دیکھو تمہارے سامنے روئے زمین کے وہ شہنشاہ آ رہے ہیں جو کسریٰ فارس اور قیصر روم کے وارث بننے والے ہیں!"

یہ وہ خاص طور پر اس لئے کہتا کہ صحابہ کرام میں سے اکثر کے کپڑے پھٹے ہوئے ہوتے تھے اور وہ مفلس و نادار تھے اور آنحضرت ﷺ یہ پیشین گوئی فرما چکے تھے کہ مجھے ایران و روم کی سلطنتوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔

یہ اسود آنحضرت سے کہتا۔

"محمد! کیا آج تم نے آسمان کی باتیں نہیں سنائیں! آج کس قسم کی بات لائے ہو؟"

اسی طرح اسود ابن عبد المطلب کو بھی ایسے ہی لوگوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کی حرکتوں میں سے ایک یہ ہے کہ یہ اور اس کے ساتھی جب بھی آنحضرت ﷺ اور صحابہ کو دیکھتے تو آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر آنکھیں مٹکاتے اور سیٹیاں بجاتے۔

ایسے ہی ایک اور شخص تھا جس کا نام نضر ابن حرث تھا اس کو بھی آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑانے والوں میں شمار کیا گیا ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ ہجرت سے بھی پہلے مختلف آفتوں اور بلاؤں میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: قرآن پاک کی آیت ہے۔

اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ الخ پ ۱۴ سورہ حجر ع ۶ آیہ ۹۵

ترجمہ:۔ یہ لوگ جو آپ پر ہنستے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیتے ہیں ان سے آپ کے لئے ہم کافی ہیں سو ان کو ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔

دلید ابن مغیرہ کی بربادی...... اس آیت میں جو ہنسی اڑانے والے مراد لئے جا سکتے ہیں ان میں حضرت خالد کا باپ ولید ابن مغیرہ بھی ہونا چاہئے جو ابو جہل کا چچا تھا۔ یہ قریش کے بڑے لوگوں میں سے تھا، بہت خوش حال آدمی تھا اور اونچے درجہ کا سردار تھا۔ یہ حج کے زمانے میں منیٰ کے قیام کے دوران عرب کا مشہور کھانا حیس تیار کرا کے تمام حاجیوں کی اس سے تواضع اور میزبانی کیا کرتا تھا (یہ کھانا کھجور، گھی اور ستو کے ذریعہ تیار ہوتا تھا) اس کی طرف سے یہ دعوت اتنی عام ہوتی تھی کہ ان دنوں میں یہ کسی شخص کے یہاں چولھا نہیں جلنے دیتا تھا بلکہ صرف اس کے یہاں چولھے جلتے تھے اور سب کے لئے کھنا پکتا تھا۔ یہ حاجیوں پر بے شمار دولت لٹایا کرتا تھا۔ عرب کے لوگ اس کی تعریفوں میں بڑے بڑے قصیدے لکھا کرتے تھے مکے سے لے کر طائف تک اس کے بہت سے باغات تھے جن میں سے ایک باغ ایسا تھا کہ اس میں بارہ مہینے پھل آتے تھے۔ (مگر اس نے آنحضرت ﷺ کو زبردست تکلیفیں پہنچائیں) یہاں تک کہ آپ نے دعا فرمائی اور اس کے نتیجہ میں اس کے مال و دولت پر ایسی افتاد پڑی کہ وہ تمام کا تمام ختم ہو گیا۔ یہاں تک کہ حج کے دنوں میں اس شخص کا ذکر تذکرہ تک ختم ہو گیا۔

یہ قریشیوں میں بہترین ادیبانہ کلام کرتا تھا اسی لئے اس کا نام بلبل قریش پڑ گیا تھا۔ اس کو وحید بھی کہا جاتا تھا جس کے معنی ہیں یکتا یعنی عزت و بزرگی اور دولت و جاہ میں اس کا کوئی ہمسر نہیں تھا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اصل میں یہ اس لئے وحید اور یکتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کفر، بد باطنی اور منیٰ میں اس کا کوئی ہم سر نہیں تھا۔

غرض اسی طرح اس آیت پاک میں جن کو آنحضرت ﷺ کی ہنسی اڑانے والے کہا گیا ہے اس میں ولید

ابن مغیرہ کے علاوہ یہ لوگ بھی شامل ہونے ضروری ہیں۔ حضرت عمرو بن عاص کا باپ عاص ابن وائل۔ اسود ابن عبدالمطلب، اسود ابن عبد یغوث اور حرث ابن عیطلہ ۔ اور ایک روایت کے مطابق حرث ابن طلاطلہ۔ لغت میں طلاطلہ چالاک عورت کو کہتے ہیں۔ مگر بعض مورخوں نے کہا ہے کہ (حرث ابن عیطلہ کو حرث ابن طلاطلہ کہنا غلط فہمی ہے کیونکہ) ابن طلاطلہ ایک دوسرا شخص تھا اور اس کا نام حرث نہیں بلکہ مالک ابن طلاطلہ تھا۔

جاہلیت کے زمانے میں حرث ابن عیطلہ قریش کے معزز لوگوں میں سے تھا اور بتوں کو جو نذرانے اور دولت دی جاتی تھی وہ اسی کے پاس آتی تھی۔ علامہ ابن عبدالبر نے حرث کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ مگر کتاب اسد الغابہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ ہم نے سوائے ابن عبدالبر کے اور کسی کو یہ دعویٰ کرتے نہیں دیکھا کہ حرث صحابی تھا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے تھا جو آنحضرت ﷺ کی ہنسی اڑایا کرتے تھے۔

<u>پانچوں ہنسی اڑانے والوں کی اشارۂ جبرئیل سے ہلاکت</u>...... یہی وہ پانچ آدمی جن کو علامہ قاضی بیضاوی نے مذاق اڑانے والوں میں شمار کیا ہے۔ ان کو ہنسی اڑانے والوں میں شمار کرنے کی دلیل یہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ اس وقت آپ مسجد حرام میں بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ جبرئیلؑ نے آپ سے عرض کیا۔

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کو ہنسی اڑانے والوں سے نجات دلاؤں۔"

اس کے بعد تھوڑی دیر میں سامنے سے ولید ابن مغیرہ گذرا۔ جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔

"اے محمد! آپ اس کو کیسا سمجھتے ہیں؟"

آپ نے فرمایا

"اللہ تعالیٰ کا ایک برا بندہ ہے!"

حضرت جبرئیلؑ نے یہ سن کر ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ کیا اور کہا

"میں نے اس کو انجام تک پہنچادیا۔"

پھر عاص ابن وائل سامنے سے گزرا تو جبرئیلؑ نے پوچھا۔

"اس کو آپ کیسا آدمی پاتے ہیں اے محمد!"

آپ نے فرمایا۔

"یہ ایک برا بندہ ہے!"

حضرت جبرئیلؑ نے اس کے پیر کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔

"میں نے اس کو انجام تک پہنچادیا۔"

پھر اسود ابن عبدالمطلب وہاں سے گزرا۔ حضرت جبرئیلؑ نے اس کے متعلق آپ سے پوچھا کہ آپ اس کو کیسا پاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ ایک برا بندہ ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے اس کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا۔

"میں نے اس کو انجام تک پہنچادیا۔"

پھر اسود ابن عبد یغوث سامنے سے گزرا تو جبرئیلؑ نے آپ سے پوچھا کہ آپ اس کو کیسا پاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ ایک برا بندہ ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔

"میں نے اس کو انجام تک پہنچادیا۔"

پھر حرث ابن عیطلہ سامنے سے گزرا تو جبرئیلؑ نے اس کے متعلق آپ سے پوچھا کہ اس کو آپ نے کیساپایا۔ آپ نے فرمایایہ ایک برابندہ ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیااور کہا۔

"میں نے اس کو انجام تک پہنچادیا۔"

اب گویا حضرت جبرئیلؑ کا ان لوگوں کے بارے میں یہ کہنا کہ میں نے ان کو انجام تک پہنچادیایا آنحضرت ﷺ کو ان سے نجات دلا دی اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے اب آنحضرت ﷺ کو کوئی کوشش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

اسی واقعے کی طرف امام سبکی نے اپنے قصیدے کے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وَجِبْرِيْلُ لَمَّا اسْتَهْزَأَتْ فِرْقَةُ الرَّدِيُّ
اَشَارَ اِلٰی كُلٍّ بِاَقْبَحَ مَيْتَةٍ

ترجمہ :۔جب مشرکوں کے ایک ناپاک گروہ نے آنحضرت ﷺ کی ہنسی اڑائی تو جبرئیلؑ نے ان میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ کر کے ان کو بدترین موت کا پیغام سنایا۔

<u>اسود ابن یغوث کی ہلاکت کا واقعہ</u>......(قال)علامہ زہری نے روایت بیان کی ہے کہ اس واقعہ کے بعد ایک روز اسود ابن عبد یغوث اپنے گھر سے نکلا تو اسے لو کے سخت تھپیڑوں نے جھلسادیااور اس کا چہرہ جل کر بالکل سیاہ فام ہو گیا۔ جب یہ واپس گھر آیا تو اس کے گھر والے اس کو بالکل نہیں پہچان سکے اور انہوں نے اس کو گھر سے نکال کر دروازہ بند کر دیا۔ ساتھ ہی یہ شخص زبردست پیاس میں مبتلا ہو گیا۔ وہ مسلسل پانی پیتارہا یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا۔

پچھلی روایت میں اس کے بارے میں گزرا ہے کہ جبرئیلؑ نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا تھا مگر وہ بات اس شخص کے اس انجام کے مطابق نہیں ہے۔ البتہ آگے قصیدہ ہمزیہ میں اس کے متعلق جبرئیلؑ کا جو اشارہ آرہا ہے وہ اس کے اس انجام کے مطابق ہے۔

علامہ بلاذری نے حضرت عکرمہ سے ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ اس وقت جبکہ جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ سے اسود ابن عبد یغوث کے بارے میں پوچھااور آپ نے فرمایاکہ یہ ایک برابندہ ہے تو جبرئیلؑ نے اس کی گردن پکڑ کر اس کی کمر زمین کی طرف اتنی جھکائی کہ یہ بالکل دوہرا ہو گیا یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ ایک دم پکار اٹھے۔

"میرے ماموں... میرے ماموں!..."

پیچھے اس شخص کے بارے میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ماموں زاد بھائی تھا۔ اب یہاں یا تو آنحضرت ﷺ نے ماموں کا بیٹا کہنے کے بجائے یوں ہی صرف ماموں کہہ دیا ہے اور یا اس کے باپ یعنی اپنے ماموں کی رعایت میں اس کو بھی ماموں فرمایا۔ یعنی اس کے ساتھ اس کے باپ کی وجہ سے رعایت کرو جو میرے ماموں ہیں۔ غرض جبرئیلؑ نے آپ کی یہ بات سن کر فرمایا۔

"اس کی طرف دھیان نہ دیجئے اے محمد!"

<u>حرث ابن عیطلہ کی ہلاکت کا واقعہ</u>......ایک روایت میں ہے کہ جبرئیلؑ نے آپ سے جواب میں یہ کہا

کہ۔ اس کو چھوڑیئے۔ اور اس کے بعد انہوں نے اس کو اتنا جھکایا کہ وہ مر گیا۔ اس روایت کی روشنی میں بھی وہ بات، صحیح نہیں رہتی کہ جبرئیلؑ نے اسود ابن عبدیغوث کے سر کی طرف اشارہ کیا تھا۔ بلکہ ایک دوسری روایت اس واقعہ کے مطابق ہوتی ہے کہ جبرئیلؑ نے اس کے سر کو اس زور کا جھٹکا دیا کہ وہ پھٹ گیا۔ اس کے بعد وہ اس کے سر کو ایک درخت کی جڑ پر اس وقت مارتے رہے جب تک کہ وہ مر نہیں گیا۔ ایسا ہی انجام حرث ابن عیطلہ کا ہوا۔ قاضی بیضاوی نے حرث کے بجائے حارث ابن قیس لکھا ہے اور علامہ سیوطی نے عدی ابن قیس لکھا ہے۔

اس کا واقعہ اس طرح ہوا ہے کہ اس نے ایک نمکین مچھلی کھالی جس کے بعد اس کو ایسی شدید پیاس ہوئی کہ پانی پیتا رہا یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا۔ اس شخص کا یہ انجام اس بات کے مطابق ہے کہ جبرئیلؑ نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ مگر قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ جبرئیلؑ نے اس کی ناک کی طرف اشارہ کیا تھا اور پھر اس کی ناک پر ضرب لگائی تھی۔ لیکن یہ بات اس کے اس انجام کے مطابق نہیں ہے۔

اسود ابن مطلب کی ہلاکت کا واقعہ...... جہاں تک اسود ابن عبدالمطلب کا تعلق ہے تو وہ اندھا ہو گیا تھا۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ اس کا بیٹا ملک شام سے آرہا تھا تو یہ اس کا استقبال کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ کچھ دور جا کر یہ ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا۔ اس وقت حضرت جبرئیلؑ اسی درخت کا ایک پتہ اس کے چہرے اور آنکھوں پر پھیرنے لگے۔ یہاں تک کہ یہ اندھا ہو گیا۔ اس اچانک مصیبت پر یہ اپنے غلام پر چیخنے لگا (کہ یہ کون میرے چہرے اور آنکھوں کو چھورہا ہے۔ غلام نے کہا۔

"یہاں کوئی شخص تمہیں کچھ نہیں کہہ رہا ہے!"

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جبرئیلؑ نے اس درخت کی ایک ایسی شاخ اس کی آنکھ میں ماری جس میں کانٹا لگا ہوا تھا۔ اس چوٹ سے اس کی آنکھوں سے خون بہنے لگا۔ یہ ایک دم چلانے لگا۔

"اے یہ کون ہے جس نے میری آنکھوں میں کانٹا چبھادیا؟"

اس پر اس سے کہا گیا۔

"ہمیں تو کچھ نظر نہیں آرہا ہے!"

ایک روایت یہ ہے کہ وہ ایک درخت کے پاس پہنچ کر اس سے اپنا سر ٹکرانے لگا یہاں تک کہ اس کی آنکھیں نکل گئیں۔

اس بارے میں ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اس کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا تھا جس سے یہ فوراً" اندھا ہو گیا تھا۔ مگر گذشتہ روایت میں اندھے ہونے کا جو واقعہ لکھا گیا ہے اس سے بھی کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا کیونکہ فوراً" اندھے ہونے سے مراد یہ ہے کہ بہت جلد یعنی مستقبل قریب میں اندھا ہو گیا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ کہا کرتا تھا کہ محمد ﷺ نے میرے لئے اندھا ہونے کی بد دعا کی جو قبول ہو گئی اور میں نے ان کے لئے (نعوذ باللہ) دھتکارا ہوا اور راندہ درگاہ ہونے کی بد دعا کی جو قبول ہو گی۔

آگے غزوہ بدر کے بیان میں یہ روایت آئے گی کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے لئے اندھا ہونے اور اس کی اولاد کے ختم ہو جانے کی بد دعا کی تھی۔ اس کے نتیجہ میں یہ اندھا تو فوراً" ہی ہو گیا اور اس کی اولاد بعد میں غزوہ بدر میں ختم ہو گئی۔

ولید ابن مغیرہ کی ہلاکت...... جہاں تک ولید ابن مغیرہ کا تعلق ہے تو اس کے انجام کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرا جو تیر بنا رہا تھا۔ اتفاق سے ایک تیر اس کے کپڑے میں الجھ گیا مگر ولید نے تکبر اور بڑائی کی وجہ سے راستے میں رک کر اور جھک کر تیر نکالنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھا اور اسی طرح گھر چلا گیا۔ چلنے میں وہ تیر اس کی پنڈلی کی ایک رگ میں چبھ گیا جس کی وجہ سے زہر پھیل گیا اور اسی میں یہ مر گیا۔

جہاں تک عاص ابن وائل کا تعلق ہے تو اس کے تلوے میں ایک کانٹا چبھ گیا جس کی وجہ سے پورے پیر پر اتنا شدید ورم ہو گیا کہ وہ چکی کی طرح چپٹا ہو گیا اور آخر اسی حالت میں یہ مر گیا۔

یہ پانچ آدمی جن کے متعلق ہم نے لکھا ہے کہ قرآن پاک کی مذکورہ آیت سے یہی مراد ہیں ان کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

وکفاه الْمُسْتَهْزِئِين وَكَمْ سَاء
نبيا من قومه استهزاءُ

خمسته كُلّهم اُصيبو ابداءٍ
والردى ميں جنوده الأدواءُ

فدهى الاسود بن مُطَّلِب
اى عمى ميت به الاحياء

ودهى الاسود بن عبد يَغُوث
اَن سقاه كاس الروى استسقاءُ

واصاب الوليد خدشته سهم
قصرت عنها الحيته الرقطاء

وقضت شوكته على امهجته العاص
فل لله النقعته الشركاء

وعلى الحرث القيوم وقدسال
بهاراسه ر سال الوعاء

خمسته طهرت بقطعهم الارض
فكف الذى بهم شلاء

مطلب...... یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ان مذاق اڑانے والوں سے نجات دے دی دوسرے تمام نبیوں کی طرح آنحضرت ﷺ کو بھی اپنی قوم کی طرف سے آپ کا مذاق اڑانے اور استہزاء کرنے پر افسوس اور رنج ہوتا تھا اور یہ سب مذاق اڑانے والے پانچ تھے جو خوفناک بیماریوں میں مبتلا ہو کر ہلاک اور تباہ ہوئے چنانچہ اسود ابن عبد المطلب اندھا ہو کر تباہ و ہلاک ہوا۔ یہ بات اس روایت کے مطابق ہے جس میں ہے کہ جبرئیلؑ نے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اسی طرح اسود ابن عبد یغوث پیاسا ہو کر مرا اور موت کے پیالے نے ہی

اس کی پیاس بجھائی۔ یہ بات اس روایت کے مطابق نہیں ہے جس میں گزرا ہے کہ جبرئیلؑ نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اسی طرح ولید ابن مغیرہ کی ٹانگ میں تیر لگ گیا جو اس قدر زہریلا تھا کہ اس کے سامنے کالے ناگ کا زہر بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اسی طرح عاص کے ایک کانٹا چبھ گیا جو اس کے پیر میں گھس کر رہ گیا۔ یہ کانٹا کیا تھا بس ایک لوہے کی کیل تھی کہ اس کی سختی کے سامنے لوہے کی کیل بھی کم ہوگی۔ ایسے ہی حرث کو زخموں نے گلا کر ختم کر دیا جس سے اس کا سر راوا اور پیپ کی وجہ سے بہنے لگا تھا کیونکہ اس کا زخم سڑ گیا تھا۔ یہ بات اس روایت کے مطابق ہے جس میں ہے کہ جبرئیلؑ نے اس کی ناک کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس قول کے مطابق نہیں ہے جس میں ہے کہ انہوں نے اس کی پیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

غرض اس طرح ان پانچوں کے ہلاک ہونے کے بعد زمین ان کے وجود سے پاک ہو گئی اور ان کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو پہنچنے والی تکلیف کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ یہ پانچوں ایک ہی رات میں ہلاک ہوئے تھے۔ اسی روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آیت پاک اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ سے یہی پانچ آدمی مراد ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔

منبہ اور نبیہ کی دریدہ دہنی...... ویسے مذاق اڑانے والے دوسرے لوگ بھی تھے (لیکن آیت پاک میں یہی پانچ آدمی مراد ہیں) چنانچہ ابنیہ اور نبیہ کو جو دونوں حجاج کے بیٹے تھے مذاق اڑانے والوں میں شمار کرنے سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔

چنانچہ روایت ہے کہ یہ دونوں بھی رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچایا کرتے تھے۔ یہ جب کہیں آپ کو دیکھتے تو آپ سے کہتے۔

"کیا اللہ تعالیٰ کو نبوت دینے کے لئے تمہارے سوا کوئی اور نہیں ملتا تھا! جبکہ یہاں تم سے زیادہ عمر کے اور تم سے زیادہ خوش حال لوگ موجود ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو کوئی فرشتہ ہمارے سامنے لا کر دکھاؤ جو تمہاری نبوت کی گواہی دیا کرے اور تمہارے ساتھ ساتھ رہا کرے۔"

ان دونوں کے سامنے اگر آنحضرت ﷺ کا تذکرہ کیا جاتا تو یہ کہتا۔

"وہ ایک دیوانہ معلم یعنی استاد ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہ باتیں اس کو اہل کتاب یعنی عیسائی یا یہودی پڑھا دیتے ہیں۔"

اسی طرح ابو جہل اور کچھ دوسرے مشرکوں کو بھی آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑانے والوں میں شمار کیا جا سکتا ہے (مگر اس آیت میں جو ایسے لوگ مراد ہیں وہ وہی پانچ ہیں جن کا ذکر کیا گیا)۔

مگر کتاب سیرت ابن محدث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"جس نے سورہ ہمزہ پڑھی اللہ تعالیٰ اس کو دس نیکیاں عطا فرماتے ہیں جو آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کا مذاق اڑانے والوں کی تعداد تھی۔"

(گویا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد دس تھی)۔

ابو جہل کی بکواس اور ڈینگیں...... ابو جہل بھی آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اس کا ایک ایسا ہی واقعہ یہ ہے کہ ایک دن اس نے قریش سے کہا۔

"اے گروہ قریش! محمد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ایک بڑی تعداد کو جہنم میں ڈال دے

گا اور وہاں تمہاری چوکسی کرنے والے فرشتے انیس ہوں گے۔ لہٰذا ڈرنے کی کوئی بات نہیں تمہاری تعداد بہت ہے تم میں سے سو سو آدمی مل کر ان فرشتوں میں سے ایک ایک کو سنبھال لینا۔"

ایک قریشی پہلوان کی آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں شکست...... ایک روایت میں ہے کہ ایک قریشی شخص تھا یہ بے انتہا طاقتور آدمی تھا یہاں تک کہ یہ گائے کی کھال بچھا کر کھڑا ہو جایا کرتا تھا اور پھر دس آدمی اس کھال کو ایک طرف سے پکڑ کر کھینچا کرتے تھے مگر کھال پھٹ جایا کرتی تھی اور یہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا تھا۔ اس نے ایک دفعہ (ان فرشتوں کے متعلق کہا جو دوزخ کے داروغہ ہیں)۔

"تم لوگ ان انیس فرشتوں میں سے دو کو روک لینا باقی سترہ فرشتوں کے لئے میں اکیلا کافی ہوں۔"

کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"اے محمد! اگر تم مجھے کشتی میں پچھاڑ دو تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا۔"

اس پر آنحضرت ﷺ نے کئی بار اس کو زیر کر دیا۔ مگر یہ شخص اپنے وعدے سے پھر گیا اور ایمان نہیں لایا۔

دوزخ کے انیس فرشتے...... ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ ابو جہل نے کہا (کہ دوزخ کے کارکن جو انیس فرشتے ہیں ان میں سے)۔

"دس سے تمہارے لئے میں تنہا نمٹ لوں گا اور باقی نو فرشتوں سے تم سب میری طرف سے نمٹ لینا۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الآیۃ پ ۲۹ سورہ مدثر ع ۱

ترجمہ :- اور ہم نے دوزخ کے کارکن آدمی نہیں بلکہ صرف فرشتے بنائے ہیں اور ہم نے ان کی تعداد ذکر و حکایت میں صرف ایسی رکھی ہے جو کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہو۔

یعنی کافر گمراہ ہو کر ایسی ہی باتیں کہیں جیسی ذکر کی گئیں یا یہ پوچھتے رہیں کہ وہ آخر انیس ہی کیوں ہیں اور اس تعداد سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے۔ جہاں تک اس تعداد کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کی اس میں جو حکمت ہے اس سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے اور اس نے اس کو اپنے تک ہی رکھا ہے۔ بعض مفسروں نے اس کی حکمتیں عقلی طور پر پیش بھی کی ہیں جن کے لئے تفسیروں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

ان فرشتوں کی خوفناک شکلیں...... ان فرشتوں کی صورت شکل اور قد بدن کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ان کی آنکھیں چکا چوند کر دینے والی بجلی کی طرح چمکتی ہیں، ان کے ناخن جانوروں کے سینگوں کی طرح لمبے اور نوکیلے ہیں۔ اور ان کے سینے اتنے چوڑے ہیں کہ ایک مونڈھے سے لے کر دوسرے مونڈھے کے درمیان ایک سال کے سفر کا فاصلہ ہے۔ ایک روایت ہے کہ ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہے ان میں سے ہر ایک زمین و آسمان کی طاقت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے رحم کے مادے کو نکال دیا ہے۔

(اوپر جو آیت بیان ہوئی ہے جس میں دوزخ کے فرشتوں کے متعلق ذکر کیا گیا ہے اس کے ذریعہ ابو جہل اور ایسے ہی دوسرے مشرکوں کو جواب دیا گیا ہے جو یہ کہتے تھے کہ ان انیس فرشتوں کو ہم کافی ہیں۔ چنانچہ آیت پاک میں فرمایا گیا ہے کہ دوزخ کے یہ داروغہ آدمی نہیں ہیں جنہیں تم سنبھال لو گے بلکہ فرشتے ہیں۔ تم ان

سے نہیں نمٹ سکتے)۔

دوزخ کا ایک فرشتہ مالک...... علامہ قمی نے عیون الاخبار میں ایک حدیث پیش کی ہے جو طاؤس سے روایت کی ہے (اس میں دوزخ کے ان فرشتوں کے متعلق کہا گیا ہے ان میں سے ایک فرشتہ کا نام مالک ہے۔ اس کے متعلق اس حدیث میں فرمایا گیا ہے)۔

"اللہ تعالیٰ نے مالک کو اس طرح پیدا فرمایا کہ اس کے ہاتھوں میں اتنی ہی تعداد میں انگلیاں ہیں جتنی تعداد دوزخ کی ہے۔ دوزخیوں میں جن لوگوں کو عذاب دیا جاتا ہے ان کو مالک اپنی ایک انگلی رکھ کر عذاب دیتا ہے۔ مالک اگر اپنی ایک انگلی آسمان پر رکھ دے تو آسمان پگھل کر رہ جائے۔ یہ انیس فرشتے تمام کے تمام سردار ہیں اور ہر ایک کے الگ خادم اور کارکن ہیں جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ، وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَى لِلْبَشَرِ الآیۃ پ ۲۹ سورہ مدثر ع ۱

ترجمہ:۔ (اور یہ انیس فرشتوں کا مقرر ہونا کسی حکمت سے ہے ورنہ) تمہارے رب کے لشکروں یعنی فرشتوں کی تعداد کو بجز رب کے کوئی نہیں جانتا اور دوزخ کا حال بیان کرنا صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے۔

یعنی یہ تعداد ان انیس فرشتوں کے خادموں کی ہے۔

ہناد نے کعب سے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"جب کسی شخص کو جہنم میں ڈالے جانے کا حکم ہوتا ہے تو ایک لاکھ فرشتے اس کو کھینچ لے جاتے ہیں۔"

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک لاکھ فرشتے دوزخ کے کارکنوں میں سے ہی ہوں گے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جہنم کے فرشتے کی کوئی صحیح تعداد معلوم نہیں ہے سوائے ان انیس فرشتوں کے جن کا آیت پاک میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ فرشتے دوزخ کے ایک خوفناک درجے کے ہیں جس کا نام سقر ہے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔"

سَأُصْلِيهِ سَقَرَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ لَوَّاحَةٌ لِلْبَشَرِ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ الآیۃ پ ۲۹ سورہ مدثر ع ۱

ترجمہ:۔ اس کو جلدی دوزخ میں داخل کروں گا۔ اور تم کو کچھ خبر بھی ہے کہ دوزخ یعنی سقر کیسی چیز ہے! وہ نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی اور وہ جلا کر بدن کی حیثیت بگاڑ دے گی اور اس پر انیس فرشتے (جو اس کے خازن ہیں جس میں ایک مالک ہے) مقرر ہیں۔

ممکن ہے دوزخ کے ہر درجے میں اتنی ہی تعداد میں فرشتے متعین ہوں یا ممکن ہے اس سے بھی زیادہ ہوں۔

ان فرشتوں کی تعداد اور بسم اللہ کے حروف...... ایک قول ہے کہ دوزخ کے ان انیس خوفناک فرشتوں کی تعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حروف کی تعداد کے برابر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ جس مومن نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس آیت کے ایک ایک حرف کے بدلے میں ان فرشتوں کو اس شخص سے دور فرمادے گا۔

زقوم نامی جہنم کا درخت...... اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ ابوجہل کے مذاق اڑانے کے جو واقعات ہیں۔

ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ ایک روز اس نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے پیغام حق کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"اے گروہ قریش محمد ﷺ ہمیں زقوم کے درخت سے ڈراتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ جہنم میں اگنے والا ایک درخت ہے جس کو شجر زقوم یعنی زقوم کا درخت کہا جاتا ہے۔ حالانکہ آگ درخت کو کھالیتی ہے (اس لئے بھلا جہنم میں درخت کا کیا کام)! زقوم سے اصل میں کھجور اور مکھن مراد ہیں اس لئے کھجور اور مکھن لے کر آؤ اور خوب مزے سے کھاؤ۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيٓ أَصْلِ الْجَحِيمِ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِنْ حَمِيمٍ لآیہ پ ۲۳ سورہ صفت ع ۲

ترجمہ:- وہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ (یعنی دوزخ کی تلی) میں سے نکلتا ہے اس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن۔ تو وہ لوگ اس سے کھائیں گے اور اس سے پیٹ بھریں گے۔ پھر ان کو کھولتا ہوا پانی پیپ میں ملا کر دیا جائے گا۔

اس درخت کے متعلق تفصیلات...... (تشریح: جہنم میں اگنے والے اس درخت کا حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی جگہ ذکر فرمایا ہے اور مشرکین و کفار کو اس سے ڈرایا ہے۔ اس کے بارے میں تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یہ دوزخیوں کا کھانا ہے۔ اب ہوسکتا ہے کہ زقوم سے ایک ہی درخت مراد ہے جو سارے جہنم میں پھیلا ہوا ہو۔ جیسے جنت کا ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے اور جنت کے ایک ایک محل میں پہنچا ہوا ہے۔

ابن کثیر میں آگے ہے کہ اس درخت کی اصل اور جڑ جہنم میں ہے اس کی شاخیں اور ٹہنیاں بڑی بھیانک اور ڈراونی ہیں جو پورے جہنم میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں۔ اب جہاں تک شیطان کا تعلق ہے تو اگرچہ اس کو دیکھا تو کسی نے نہیں مگر جنات اور شیاطین کی جو صورت آدمی کے ذہن میں آتی ہے اور اس کی شرارتوں پر جو نقشہ بنتا ہے وہ بھیانک اور خوفناک ہی بنتا ہے۔ یہی صورت اس درخت کی بھی ہے کہ ہر طرح سے برا ہی برا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ سانپوں کی ایک بڑی خوفناک اور بھیانک قسم ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ایک بیل ہوتی ہے جو بہت بری طرح پھیل جاتی ہے۔

یہی بدبودار کڑوا اور زہریلا درخت دوزخیوں کا کھانا ہوگا جو ان کو زبردستی کھلایا جائے گا۔

دوزخیوں کے اسی کھانے کا ایک اور جگہ بھی قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ طَعَامُ الْأَثِيمِ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ لآیہ پ ۲۵ سورہ دخان ع ۱

ترجمہ:- بے شک قوم کا درخت بڑے مجرم یعنی کافر کا کھانا ہوگا (جو کریہہ صورت ہوتے ہیں) تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا اور وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسے تیز گرم پانی کھولتا ہے۔

دوزخیوں کا ہولناک عذاب...... حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کو دوزخ کا راستہ دکھائے گا تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ اس شخص کو پکڑ کر جہنم کے بیچ میں ڈال دو اور اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈال دو چنانچہ ہزاروں فرشتے بڑھیں گے اور اس شخص کو اس کے اصل ٹھکانے پر پہنچا دیں گے۔ کھولتا ہوا پانی سر پر پڑنے سے

اس کی کھال پھٹ جائے گی اور پیٹ کی آنتیں جل کر ادھڑ جائیں گی۔
اسی طرح ایک جگہ حق تعالیٰ نے اس درخت کا ذکر فرمایا ہے۔
ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ پ ۲۷ سورہ واقعہ ع ۲ آیت ۵۳
ترجمہ :- پھر تم کو اے گمراہو جھٹلانے والو درخت زقوم سے کھانا ہوگا پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ تشریح ختم۔ مرتب)

تو گویا حق تعالیٰ ان جاہلوں سے دریافت فرماتے ہیں کہ جو ذات اس بات پر قدرت رکھتی ہے کہ دوزخ کی آگ میں جلنے والا شخص ہمیشہ زندہ رہے اور آگ میں جلنے کا ذائقہ چکھتا رہے وہ ظاہر ہے اس بات پر یقیناً قدرت رکھتا ہے کہ جہنم کی آگ میں درخت کو اگادے اور اس کو آگ سے جلنے سے محفوظ رکھے۔

حضرت ابن اسلامؓ فرماتے ہیں کہ یہ زقوم کا درخت اسی طرح آگ سے پرورش پاتا ہے جیسے دنیا کے درخت بارش سے پھلتے پھولتے ہیں اس درخت کا پھل سخت کڑوا ہے۔

اس درخت کی بھیانک تلخی...... امام ترمذی نے ایک حدیث پیش کی ہے جس کو نسائی، بیہقی، ابن حبان اور حاکم نے درست قرار دیا ہے۔ یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اگر زقوم کے درخت کا ایک قطرہ بھی دنیا کے سمندروں میں مل جائے تو ساری دنیا کے پانی زہریلے ہو جائیں اور دنیا والوں کو جینا دو بھر ہو جائے۔ لہٰذا اس کے بارے میں خیال کرو جس کو ہر وقت یہی کھانے کو ملے گا۔"

معبودان باطل کی برائی کی ممانعت...... ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔ "اے محمد ﷺ یا تو تم ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دو ورنہ ہم تمہارے اس خدا کو بھی برا بھلا کہیں گے جس کو تم پوجتے ہو!"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔
وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ الآیۃ پ ۷ سورہ انعام ع ۱۳
ترجمہ :- اور دشنام (گالی) مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔

چنانچہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیا اور مشرکوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دینے لگے۔

مذاق اڑانے والوں کی ایک جماعت کو سزاء جبرئیل...... کتاب در منثور میں انا کفیناك المستهزئين کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک قول کے مطابق یہ آیت لوگوں کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ ان لوگوں کے پاس سے گزرے تو یہ لوگ آپ کی طرف اشارے کر کے اور آنکھیں مٹکا کر ہنسی اڑانے لگے۔ وہ لوگ یہ کہہ رہے تھے۔
"یہی وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ یہ نبی ہے اور اس کے ساتھ جبرئیل رہتے ہیں۔"

اس پر جبرئیلؑ نے ان لوگوں کے جسموں کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ کیا۔ اس اشارہ سے ان کے جسموں میں زخم ہو گئے اور ان میں کوئی بھی چلنے کے قابل نہیں رہا۔ اسی حالت میں یہ سب مر گئے۔

اس آیت کی ایک تفسیر پہلے بیان کی گئی ہے اور ایک یہ بیان ہوئی ہے۔ ان تفسیروں میں مطابقت قابل غور ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کا ذکر ہوا ان کے علاوہ یہ ایک دوسرا مذاق اڑانے والوں کا گروہ تھا اس لئے کہ یہ لوگ اس وقت مذاق اڑا رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ آیت ایک سے زائد مرتبہ نازل ہوئی۔ واللہ اعلم۔

نضر کا اپنی داستان گوئی پر غرور...... جیسا کہ ذکر ہوا کہ نضر ابن حرث بھی آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ وہ یہ کرتا تھا کہ جب آنحضرت ﷺ اپنی قوم کے درمیان بیٹھ کر ان سے بات کرتے اور ان کو پچھلی امتوں کے خوفناک انجام بتلا کر عبرت دلاتے کہ کس طرح ان پر اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب نازل ہوا تو یہ نضر آپ کے پیچھے بیٹھ جاتا اور قریشیوں سے کہتا۔

"میرے پاس آؤ۔ خدا کی قسم اے گروہ قریش میں ان سے یعنی محمد ﷺ سے زیادہ اچھی باتیں کرتا ہوں۔"

پھر یہ قریش کو فارس کے بادشاہوں کی داستانیں سناتا کیونکہ یہ فارس کی تاریخ خوب جانتا تھا۔ پھر یہ کہتا "محمد ﷺ کی باتیں گزرے ہوئے قصوں اور داستانوں سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔"

کہا جاتا ہے کہ اسی نے یہ کہا تھا کہ جیسا کلام محمد اپنے اوپر نازل کرتا ہے ایسا ہی میں بھی کروں گا۔

یہ بات نضر اس لئے کہتا تھا کہ یہ حیرہ کے مقام پر گیا تھا اور وہاں سے اس نے عجمیوں کی داستانوں کی کتابیں خریدی تھیں۔ وہ کتابیں لے کر یہ مکے آیا اور یہاں اس نے وہ قصے لوگوں کو سنانے شروع کر دیئے یہ لوگوں سے کہتا۔

"یہ ایسی ہی داستانیں ہیں جیسی عاد و ثمود کی قوموں کے متعلق محمد بیان کرتے ہیں۔"

کہا جاتا ہے کہ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ لاآیۃ پ۲۱ سورہ لقمان ع ۱

اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھ بوجھے گمراہ کرے اور اس کی ہنسی اڑا دے۔ ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

کتاب ینبوع میں ہے کہ یہ آیت گانے بجانے والی لونڈیوں کی خریداری کے خلاف نازل ہوئی ہے۔ پھر کہا گیا ہے کہ ممکن ہے یہ آیت ان دونوں باتوں کے متعلق اتری ہو کیونکہ آگے اسی آیت کے بعد اگلی آیت یہ ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ الآیۃ پ۲۱ سورہ لقمان ع ۱

ترجمہ:۔ اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ شخص تکبر کرتا ہوا منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں۔ جیسے اس کے کانوں میں ثقل ہے (یعنی جیسے بہرا ہے) تو اس کو عذاب کی خبر سنا دیجئے۔

راگ رنگ کی محفلیں اور حکم الٰہی...... (تشریح: اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے ان لوگوں کا بیان ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس کے بعد یہاں ان لوگوں کا ذکر ہوا ہے جو کلام الٰہی کو نہیں سنتے اور اس سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہتے ہیں۔

چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم ان باتوں سے یعنی اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی باتوں سے مراد گانا بجانا اور راگ رنگ ہے۔ چنانچہ ان سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو انہوں نے تین بار قسم کھائی اور کہا کہ اس سے گانا بجانا اور راگ رنگ ہی مراد ہے۔

حضرت امام بصریؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ آیت گانے بجانے کے خلاف اتری ہے۔ حضرت قتادہؓ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں صرف وہی لوگ مراد نہیں ہیں جو ایسے کھیل تماشوں میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں بلکہ خریدنے سے مراد وہ لوگ بھی ہیں جو ان خرافات اور لہو ولعب کو پسند کرتے ہیں آدمی کے واسطے یہ گمراہی بھی بہت ہے کہ وہ سچی اور حق بات کے مقابلے میں غلط اور باطل بات کو پسند کرے اور نفع پہنچانے والی چیزوں کے مقابلے میں نقصان پہنچانے والی چیزوں کو اچھا سمجھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بیہودہ بات سے مراد گانے بجانے والی لونڈیوں کی خریداری ہے۔ تشریح ختم۔ مرتب)

غرض اس دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبر کے ساتھ منہ موڑ لیتا ہے۔ تو یہ صفت نضر ابن حرث کی ہی تھی اس لئے۔ اگر ان آیات کو ان دونوں سلسلوں میں نازل شدہ مانا جائے تو دونوں کے درمیان کا ربط ثابت ہو جاتا ہے۔ بہر حال یہ قابل غور ہے۔

غرض جب آنحضرت ﷺ نے اپنی قوم کی مجلس میں بیٹھ کر ان کے سامنے پچھلی قوموں کے انجام سے متعلق قرآنی آیتیں سنائیں تو نضر نے لوگوں سے کہا۔

"اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی ہی داستانیں سنا سکتے ہیں۔ یہ صرف پچھلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو جھٹلاتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا الآیۃ ۸۸

پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۱۰

ترجمہ :- آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات سب اس بات کے لئے جمع ہو جائیں کہ ایسا قرآن بنا لائیں تب بھی ایسا نہ لا سکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار بھی بن جائے۔

بنی مخزوم کا آنحضرت ﷺ کے قتل کا فیصلہ اور معجزہ نبوی...... حدیث میں آتا ہے کہ خاندان بنی مخزوم کی ایک جماعت نے جس میں ابو جہل اور ولید ابن مغیرہ بھی شامل تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ ایک روز جبکہ آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول ہو گئے ان لوگوں نے آپ کے قرآن پاک پڑھنے کی آواز سنی۔ انہوں نے فوراً ولید ابن مغیرہ کو بلوایا کہ وہ اس وقت آکر آپ کو قتل کر دے۔ چنانچہ ولید فوراً آیا اور اس مکان تک پہنچا جہاں آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ مگر اب اس کو آنحضرت ﷺ کے پڑھنے کی آواز تو سنائی دیتی رہی مگر آپ نظروں سے اوجھل ہو گئے آخر ولید وہاں سے واپس آگیا اور اپنے ساتھیوں کو واقعہ بتلایا۔ اب وہ سب کے سب مل کر وہاں آئے۔ جب انہوں نے آپ کی آواز سنی تو آواز کی طرف بڑھے۔ مگر اس جگہ پہنچ کر انہوں نے محسوس کیا کہ آواز پیچھے سے آرہی ہے۔ وہ فوراً پلٹے اور اس طرف بڑھے مگر وہاں پہنچ کر دیکھا کہ آواز آگے سے آرہی ہے۔ غرض وہ اسی طرح وہاں چکراتے رہے یہاں تک کہ آخر وہاں سے ناکام ہو کر واپس ہو گئے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ الآیہ ۹ پ ۲۲ سورہ یٰسین ع ۱

ترجمہ :-اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے ہر طرف سے ان کو پردوں سے گھیر دیا سو وہ نہیں دیکھ سکتے۔"

مگر اس سے پہلے اسی آیت کے نازل ہونے کا ایک دوسرا سبب بیان ہو چکا ہے۔ ممکن ہے اس بارے میں یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہو کہ اس آیت کے نازل ہونے کے دونوں سبب ہوں گے۔ بہرحال یہ بات قابل غور ہے۔

نضر کا آنحضرت ﷺ پر حملہ اور اس کا انجام...... ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ نضر ابن حرث نے آنحضرت ﷺ کو ثنیۃ الحجون کے زیریں حصے میں تنہا دیکھا وہ کہنے لگا کہ اس نے پہلے مجھے کبھی ایسا موقعہ نہیں ملا کہ میں نے محمد کو تنہا پایا ہو اور انہیں اچک لوں۔

یہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھا تاکہ آپ پر ہاتھ اٹھائے مگر اچانک اسے سانپ بچھو نظر آئے جو اس کے سر پر مار رہے تھے اور اپنے منہ کھولے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ نضر خوفزدہ ہو کر الٹے پیروں وہاں سے بھاگا۔ واپسی میں اس کو ابو جہل ملا تو اس نے نضر سے پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو۔ اس پر نضر نے اس کو پورا واقعہ سنایا۔ ابو جہل یہ سن کر کہنے لگا۔

"یہ بھی اس کا ایک جادو ہے!"

بعض آیات قرآنی پر قریش کا غیظ و غضب...... بعض باتیں ایسی ہوئیں جس سے مشرکین سخت چراغ پا ہوئے۔ مثلاً جب یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ الآیہ پ ۱۷ سورہ انبیاء ع ۷

ترجمہ :- بلاشبہ تم اے مشرکین اور جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوج رہے ہو سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے اور تم سب اس میں داخل ہو گے۔

اس آیت میں حصب کا لفظ آیا ہے جس کا ترجمہ حضرت شاہ صاحب نے پتھر سے کیا ہے۔ مراد ہے جہنم کا ایندھن اور لکڑیاں۔ عربی میں لکڑی کو حطب کہتے ہیں مگر حبشی زبان میں حصب حطب کو کہتے ہیں۔ یعنی حطب جہنم حضرت عائشہؓ نے اس آیت میں حصب کے بجائے حطب ہی پڑھا ہے۔

اس کے آگے فرمایا گیا ہے۔

لَوْ كَانَ هٰؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ پ ۱۷ سورہ انبیاء ع ۷

ترجمہ :-اور یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اگر یہ تمہارے معبود واقعی معبود ہوتے تو اس جہنم میں کیوں جاتے اور یہ سب عابدین و معبودین اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔

ابن زبعری کی آنحضرت ﷺ سے بحث...... یہ آیت کفار کو بہت ناگوار ہوئی چنانچہ وہ عبداللہ ابن زبعری کے پاس گئے اور اس سے بولے۔

"محمد ﷺ یہ کہتے ہیں کہ ہم اور ہمارے وہ معبود جن کی ہم عبادت کرتے ہیں سب جہنم کا ایندھن بنیں گے۔"

ابن زبعری کہنے لگا۔

"اس معاملے میں تم سب کی طرف سے میں محمد سے میں جھگڑوں گا۔ ان کو میرے پاس لاؤ۔!"

چنانچہ ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو وہاں بلایا تو ابن زبعری نے آپ سے کہا۔

"اے محمد! کیا یہ بات یعنی اس آیت کا یہ مضمون خاص طور پر صرف ہمارے معبودوں کیلئے ہے یا اللہ تعالیٰ کے سوا ہر اس چیز کے لئے ہے جس کو لوگ پوجتے ہیں (کہ خود وہ معبود بھی جہنم میں ڈالے جائیں گے؟)"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"نہیں بلکہ اس چیز کے لئے ہے جس کو لوگ اللہ تعالیٰ کے بجائے پوجیں۔"

اس پر ابن زبعری نے کہا۔

ابن زبعری کی دلیل پر مشرکین کی خوشی...... "میں اس معاملے میں تم سے بحث کروں گا۔ اس تعمیر یعنی کعبے کے رب کی قسم! کیا تمہیں معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر لوگ عیسیٰ، عزیرؑ اور فرشتوں کو بھی پوجتے ہیں۔ نصرانی حضرت عیسیٰ کو پوجتے ہیں یہودی حضرت عزیرؑ کو پوجتے ہیں اور بنی ملیح کے لوگ فرشتوں کو پوجتے ہیں!"

(مقصد یہ ہے کہ اگر ہر وہ چیز جہنم میں جھونکی جائے گی جس کو لوگ اللہ تعالیٰ کے بجائے پوجتے ہیں تو کیا یہ نبی اور فرشتے بھی نعوذ باللہ اسی انجام کو پہنچیں گے)۔!

مشرکوں نے ابن زبعری کی اس دلیل کو بہت بڑی چیز سمجھا اور جوش و خروش کے ساتھ شور و غوغا کرنے لگے۔

ابن زبعری کے جواب میں آیت کا نزول...... اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ

الآیہ پ ۱۷ سورہ انبیاء ع ۷

ترجمہ:- جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے اور وہ دوزخ سے اس قدر دور کئے جائیں گے کہ اس کی آہٹ بھی نہ سن سکیں گے اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔"

یہاں ایسے لوگوں سے مراد حضرت عیسیٰ، حضرت عزیرؑ فرشتے اور آنحضرت ﷺ ہیں۔

تشریح...... اس سلسلے میں علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ سیرت ابن اسحاق میں اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ ولید ابن مغیرہ کے ساتھ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے اسی وقت وہاں نضر ابن حرث آ گیا۔ وہاں۔ بہت سے دوسرے قریشی سردار بھی جمع تھے۔ نضر ابن حرث نے اس موضوع پر آنحضرت ﷺ سے بحث کرنی شروع کر دی۔ آخر وہ لاجواب ہو کر اور اپنا سا منہ لے کر رہ گیا پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ انکم وما تعبدون۔!

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے۔ اسی وقت اتفاق سے ابن زبعری مسجد حرام میں آیا تو لوگوں نے اس کو نضر ابن حرث کی آنحضرت ﷺ کے ساتھ بحث اور پھر اس کے لاجواب ہو جانے کا واقعہ سنایا۔ ابن زبعری یہ سن کر کہنے لگا۔

"اس کی جگہ میں ہوتا تو محمد ﷺ سے اس آیت پر یہ پوچھتا کہ ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں، عیسائی حضرت عیسیٰ کو معبود مانتے ہیں اور یہودی حضرت عزیرؑ کو۔ تو کیا اس طرح تمہارے دعویٰ کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ سب بھی جہنم میں جائیں گی!"

قریشیوں کو یہ دلیل بہت پسند آئی۔ آنحضرت ﷺ سے جب اس جواب کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ

جس نے اپنی عبادت کرائی وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ ان بزرگ ہستیوں نے اپنی عبادت کے لئے ہرگز لوگوں سے نہیں کہا تھا۔

جہاں تک پوجنے والوں کی بات ہے تو وہ اصل میں ان ہستیوں کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ حقیقت میں وہ شیطان کی پوجا کرتے تھے کیونکہ شیطان ہی نے ان کو اس راستے پر ڈالا تھا۔

ادھر اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کو اس آیت کے ذریعہ جواب دیا جو گذشتہ سطروں میں ذکر ہوئی۔ اس آیت کے بعد یہ بات صاف ہوگئی کہ وہ بزرگ ہستیاں جن کی مشرکین نے عبادت کی اس آیت کے حکم میں شامل نہیں ہیں۔

چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ . كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ لا آیہ پ ۱۷ سورہ النبیاء ع ۲

ترجمہ :- اور ان میں سے جو شخص فرضاً یوں کہے کہ میں علاوہ خدا کے معبود ہوں سو ہم اس کو سزائے جہنم دیں گے اور ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ (تشریح ختم۔ مرتب)۔

بابِ بست و ششم (۲۶)

حبشہ کی طرف مسلمانوں کی پہلی ہجرت اور مکے کو واپسی کا سبب نیز حضرت عمر فاروق رضؓ کا اسلام

اجازت ہجرت...... رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ مشرکین قریش، مسلمانوں کو مسلسل ایذائیں اور تکلیفیں پہنچا رہے ہیں اور مسلمانوں میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ اپنی ان مصیبتوں کو دور کر سکیں۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں سے فرمایا۔

"تم لوگ روئے زمین پر ادھر ادھر چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ پھر تمہیں کسی وقت ایک جگہ جمع فرمادے گا۔"

اس پر لوگوں نے عرض کیا۔

"ہم کہاں جائیں ؟"

اس پر آپ نے ملک حبش کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا کہ ادھر۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے مسلمانوں سے صاف لفظوں میں فرمایا۔

"تم لوگ ملک حبشہ کی طرف جاؤ کیونکہ وہاں کا بادشاہ نیک ہے اور کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا اور وہ سچائی کی سر زمین ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ان مصیبتوں کا خاتمہ کر کے تمہارے لئے آسانی پیدا فرمادے۔

ممکن ہے آپ نے پہلے ملک حبش کی طرف اشارہ ہی فرمایا ہو اور پھر صحابہ کے پوچھنے پر وضاحت کرتے ہوئے ملک حبشہ کے بارے میں یہ بات فرمائی ہو۔

دین کی حفاظت کے لئے ہجرت کا ثواب...... حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے دین کو بچانے کے لئے ادھر سے ادھر کہیں گیا تو چاہے وہ ایک بالشت ہی چلا ہو اس کے لئے جنت واجب کر دی جاتی ہے اور وہ جنت میں اپنے باپ ابراہیمؑ اور اپنے نبی محمد ﷺ کا رفیق اور ہم نشین ہو گا۔

چنانچہ اس حکم کے بعد بہت سے مسلمان فتنے کے خوف سے اور اپنے دین کو بچانے کے لئے اپنے وطن مکے سے ہجرت کر گئے۔ ان میں کچھ ایسے لوگ تھے جو اپنے گھر والوں یعنی بیوی بچوں کے ساتھ ہجرت کر گئے اور

کچھ ایسے تھے جو تنہا ہی وطن کو چھوڑ کر چلے گئے۔

اسلام کے اولین مہاجر...... جو لوگ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہجرت کر کے گئے ان میں حضرت عثمان غنیؓ بھی تھے ان کے ساتھ ان کی بیوی یعنی رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ بھی ہجرت کر گئیں۔

حضرت عثمان غنیؓ سب سے پہلے ہجرت کرنے والے شخص ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جس مسلمان نے سب سے پہلے حبشہ کو ہجرت کی وہ حاطب ابن ابو عمرو ہیں اور ایک قول کے مطابق سلیط ابن عمرو ہیں۔ مگر ان دونوں کے بارے میں یہ بات ماننے کے باوجود آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ۔

"لوطؑ کے بعد پہلے شخص جنہوں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کی وہ حضرت عثمان غنیؓ ہیں۔"

حضرت لوطؑ نے جب ہجرت کو تو انہوں نے یہ فرمایا تھا۔

"میں اپنے رب کے لئے ہجرت کرتا ہوں۔"

اس کے بعد وہ ہجرت کر کے اپنے چچا حضرت ابراہیمؑ کی طرف گئے۔ پھر یہ دونوں ہجرت کر کے حران آئے پھر وہاں سے کوچ کیا یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ فلسطین کے علاقہ میں ٹھہر گئے اور حضرت لوطؑ موتفکہ کے مقام پر ٹھہر گئے۔

حضرت عثمان کی بنت رسول ﷺ کے ساتھ ہجرت...... اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مکے سے مسلمانوں میں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے حضرت عثمان غنیؓ ہیں یا حاطب اور سلیط ہیں تو ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف یوں نہیں پیدا ہوتا کہ ممکن ہے ان دونوں نے اپنے گھر والوں کے بغیر تنہا ہجرت کی ہو (جبکہ حضرت عثمان غنیؓ ان سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں ہیں جو اپنی بیوی کے ساتھ مکہ چھوڑ کر گئے)۔

حضرت رقیہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی دایا ام ایمن بھی تھیں۔

عثمان غنیؓ اور ان کی زوجہ مطہرہ کا حسن و جمال...... حضرت رقیہ نہایت حسین و خوبصورت خاتون تھیں اسی طرح ان کے شوہر حضرت عثمانؓ بھی بہت خوبصورت اور وجیہہ شخص تھے۔ چنانچہ اسی لئے مکے کی عورتیں ان دونوں کے حسن و جمال کی تعریف میں یہ شعر پڑھا کرتی تھیں۔

احسن شئی قدیری انسان
رقیته و بعد ها عثمان

ترجمہ:- انسان نے سب سے زیادہ خوبصورت چیزیں جو دیکھی ہیں وہ ایک تو رقیہؓ تھیں اور دوسرے عثمانؓ ہیں۔

چنانچہ اسی لئے ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان اور حضرت رقیہ کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا۔ اس قاصد کو وہاں سے واپسی میں دیر ہو گئی۔ آخر جب وہ واپس آیا تو آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا۔

"کہو تو میں تمہیں بتلاؤں کہ تمہیں واپسی میں اتنی دیر کیوں ہوئی!؟"

اس شخص نے پوچھا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"تم وہاں پہنچ کر عثمان اور رقیہ کے حسن کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور وہیں کھڑے ہوئے ان دونوں کو دیکھتے رہے۔!" یہ بات ظاہر ہے کہ یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

ایک روایت ہے کہ کچھ حبشی لوگوں نے حضرت رقیہ کو دیکھا تو ان کو دیکھتے ہی رہ گئے اور ان کو ایک ٹک گھورنے لگے۔ اس سے حضرت رقیہ کو پریشانی اور تکلیف ہوئی۔ انہوں نے ان لوگوں کے لئے بددعا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سب لوگ جلد ہی ہلاک ہو گئے۔

حضرت عثمان کے حسن و جمال کی تعریف میں ایک حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اگر آپ زمین والوں میں حضرت یوسفؑ کے حسن کی جھلک دیکھنا چاہیں تو عثمان ابن عفان کو دیکھئے!"

یہ روایت تفصیل کے ساتھ آگے بیان ہو گی۔

<u>بیویوں کے ساتھ ہجرت کرنے والے لوگ</u>...... غرض اسی طرح حضرت ابو سلمہؓ نے بھی اپنی بیوی حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ ہجرت کی۔ ایک قول ان کے متعلق بھی یہی ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ ہجرت کرنے والے سب سے پہلے شخص یہی ہیں۔ مگر بظاہر ان کی اولیت اضافی ہے (کہ حضرت عثمانؓ کے بعد بیوی کے ساتھ ہجرت کرنے والے پہلے شخص یہ ہیں) لہٰذا یہ قول اس پہلی روایت کے خلاف نہیں جاتا۔

<u>ہم وطنوں کی ہجرت پر عمر فاروقؓ کی افسردگی</u>...... اسی طرح عامر ابن ربیعہ نے بھی اپنی بیوی لیلی کے ساتھ ہجرت کی۔

ان ہی حضرت لیلی سے روایت ہے کہ ہمارے اسلام کے معاملے میں ہم پر سب سے زیادہ سختی کرنے والے شخص عمر ابن خطاب تھے۔ چنانچہ جب حبشہ کو ہجرت کے وقت روانگی کے لئے میں اپنے اونٹ پر سوار ہو رہی تھی تو اچانک وہاں حضرت عمرؓ آ گئے۔ انہوں نے مجھے اس حال میں دیکھ کر پوچھا۔

"ام عبداللہ! کہاں کا ارادہ ہے!"

میں نے کہا۔

تم لوگوں نے ہمیں ہمارے دین کے معاملے میں زبردست تکلیفیں پہنچائی ہیں۔ اب ہم اللہ کی زمین میں کہیں پناہ ڈھونڈھنے کے لئے نکل رہے ہیں جہاں تمہاری ایذا رسانیوں سے نجات مل سکے۔"

یہ سن کر حضرت عمر (متاثر ہوئے اور انہوں) نے کہا۔

"اللہ تمہارا ساتھی ہو۔!"

یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ اسی وقت میرے شوہر عامر ابن ربیعہ آ گئے۔ میں نے ان کو بتلایا کہ آج تو عمر کا دل پسیجا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس پر عامر نے مجھ سے کہا۔

"کیا تمہیں یہ امید ہے کہ عمر مسلمان ہو جائیں گے۔! خدا کی قسم اگر خطاب (یعنی حضرت عمر کے باپ) کا گدھا بھی مسلمان ہو جائے تو بھی یہ شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔!"

چونکہ عامر مسلمانوں کے خلاف حضرت عمرؓ کی سنگ دلی اور سختی کو دیکھتے تھے اس لئے ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ عمر ابن خطاب جیسا شخص مسلمان ہو جائے۔

یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمر مسلمانوں کی حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے۔ مگر بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت عمر چالیسویں مسلمان تھے (اور حبشہ کو پہلی ہجرت کے واقعہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے) مگر اس میں یہ اشکال ہے کہ حبشہ کو ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی تعداد اسی آدمیوں سے بھی زیادہ تھی جیسا کہ بعض حضرات کا قول ہے۔

ہاں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے جانے کے بعد جو مسلمان مکے میں باقی تھے ان کی تعداد حضرت عمر کو ملا کر چالیس ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس روایت میں وہ اپنے والد حضرت ابو بکرؓ کا واقعہ بیان کر رہی ہیں جبکہ حضرت ابو بکرؓ نے مسجد حرام میں کھڑے ہو کر مشرکین کے سامنے اسلام کا کلمہ بلند کیا تھا اور اس پر کفار نے ان کو مارا تھا۔ چنانچہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس روایت میں فرمایا ہے کہ مسلمانوں کی کل تعداد انتالیس تھی۔ مگر روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دار ارقم میں مسلمان ایک مہینے تک رہے اور اس وقت ان کی تعداد انتالیس تھی۔ اور حضرت حمزہ ابن عبد المطلب بھی اسی دن مسلمان ہوئے تھے جس دن حضرت ابو بکرؓ کو مشرکین نے مارا تھا۔ یہ بات قابل غور ہے۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب حضرت لیلیٰ کی حبشہ کو روانگی کے وقت حضرت عمر نے ان سے پوچھا کہ کہاں جا رہی ہو تو انہوں نے یہ کہا۔

"ہم لوگ حبشہ کی سرزمین کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔"

اس وقت میرے شوہر یعنی عامر ابن ربیعہ کسی کام سے کہیں گئے ہوئے تھے کہ اچانک وہاں عمر ابن خطاب پہنچے تھے اور میرے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ ان کی سخت مزاجی اور اسلام کی مخالفت کی وجہ سے ہمیں اس کا اندیشہ رہتا تھا کہ وہ ہمیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

"ام عبد اللہ! کیا کہیں جانے کی تیاری ہے!"

میں نے کہا۔

"خدا کی قسم تم لوگوں نے ہمیں اتنا ستایا ہے اور اتنی تکلیفیں پہنچائی ہیں کہ ہم اب اس سرزمین کو چھوڑ کر جا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کہیں پناہ اور عافیت کی جگہ پیدا فرما دے۔"

اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھی ہو۔

حضرت لیلیٰؓ کہتی ہیں کہ اس وقت مجھے وہ ایسے نرم دل نظر آئے کہ اس سے پہلے کبھی میں نے ان کو اس حال میں نہیں دیکھا تھا۔ اس کے بعد عمر وہاں سے چلے گئے۔ مگر میں نے محسوس کیا کہ ہمارے جانے کی خبر سے وہ بے حد غمگین اور اداس ہو گئے تھے۔ چنانچہ میں نے اپنے شوہر عامر سے حضرت عمر کا یہ واقعہ اور ان کی یہ کیفیت بتلائی۔ جیسا کہ بیان ہوا۔

اسی طرح ہجرت کرنے والوں میں ابو سبرہ بھی تھے۔ یہ ابو سلمہ کے سوتیلے بھائی تھے۔ ان دونوں کی ماں برہ بنت عبد المطلب تھیں جو آنحضرت ﷺ کی پھوپی تھیں۔ ابو سبرہ نے جب ہجرت کی تو ان کے ساتھ ان کی بیوی حضرت ام کلثوم نے بھی ہجرت کی۔

<u>تنہا ہجرت کرنے والے صحابہ</u>...... جن صحابہ نے تنہا ہجرت کی اور اپنی بیویوں کو ساتھ لے کر نہیں گئے ان میں حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف اور حضرت عثمان ابن مظعون شامل ہیں۔ حضرت عثمان ابن مظعون کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہی ان ہجرت کرنے والوں کے قافلے کے امیر تھے۔ علامہ ابن محدث نے اسی قول کو صحیح بتلایا ہے مگر علامہ زہری کا قول یہ ہے کہ ہجرت کرنے والوں پر کوئی شخص بھی امیر نہیں تھا۔

اسی طرح حضرت سہیل ابن بیضاء، حضرت زبیر ابن عوام اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود بھی ہجرت

کرنے والوں میں شامل ہیں مگر ایک قول کے مطابق حضرت عبداللہ ابن مسعود نے دوسری بار ہجرت کی اجازت کے وقت ہجرت کی تھی۔

مکے سے خاموش روانگی...... غرض ان حضرات صحابہ نے مکے سے بڑی خاموشی اور راز داری کے ساتھ ہجرت کی۔ ان میں کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل تھے۔ آخر یہ چلتے چلتے سمندر کے ساحل تک پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دو جہازوں کا انتظام بھی فرمایا۔ یہ تاجروں کے جہاز تھے اور وہ تاجر ان لوگوں کو نصف دینار کی اجرت پر لے جانے پر راضی ہوگئے۔ مگر کتاب مواہب میں یہ ہے کہ یہ حضرات مکے سے خاموشی کے ساتھ روانہ ہو کر ساحل تک پہنچے اور وہاں انہوں نے نصف دینار کی اجرت پر ایک جہاز کرائے پر حاصل کرلیا۔ یہاں تک کتاب مواہب کا حوالہ ہے جو قابل غور ہے۔

کفار کی طرف سے تعاقب اور ناکامی...... یہ واقعہ ۵ھ نبوی کا ہے۔ جب قریش کو مسلمانوں کے ہجرت کرنے کا حال معلوم ہوا تو وہ ان کو پکڑنے کے لئے ان کے پیچھے گئے اور ساحل تک پہنچے مگر مسلمانوں کو نہ پاسکے۔ جہاں تک مسلمانوں کے راز داری کے ساتھ کوچ کرنے کا تعلق ہے تو اس میں اس روایت سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا جس میں گزرا ہے کہ حضرت عامر ابن فہیرہ کی بیوی لیلیٰ سے حضرت عمر نے پوچھا تھا اور اس پر انہوں نے ان کو بتلایا تھا کہ وہ ملک حبشہ جارہی ہیں (کیونکہ غالباً حضرت عمر نے دوسرے مشرکین سے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا جیسا کہ بیان ہوا کہ اس خبر کو سن کر وہ بہت زیادہ غمگین اور افسردہ ہو کر واپس چلے گئے تھے)۔

ملک حبش میں پر سکون پناہ...... غرض جب مسلمان ملک حبش پہنچے تو ان کو اللہ تعالیٰ نے رہنے کے لئے اچھی جگہ عنایت فرمائی اور بہترین پڑوسی دیئے۔ رجب کا باقی مہینہ اور پھر شعبان کا مہینہ ان لوگوں نے وہیں گزارا۔

قریش کے سامنے اعلان حق...... رمضان کا مہینہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے قریش کے سامنے یہ سورت تلاوت فرمائی۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى لآیۃ پ ۲۷ سورہ نجم ع ۱

ترجمہ :- قسم ہے مطلق ستارے کی جب وہ غروب ہونے لگے۔ یہ تمہارے ساتھ کے رہنے والے نہ راہ حق سے بھٹکے اور نہ غلط راستے ہو لئے۔

یہ سورت آپ پر اسی وقت نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ایک روز جبکہ رسول اللہ ﷺ مشرکین کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ پر سورہ والنجم نازل فرمائی۔ آپ نے اس سورت کو وہیں کفار کے سامنے تلاوت فرمانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ پڑھتے پڑھتے آپ اس آیت پر پہنچے۔

اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى لآیۃ پ ۲۷ سورہ نجم ع ۱

ترجمہ :- بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں بھی غور کیا۔

جب آپ اس آیت پر پہنچے تو شیطان نے دو کلمے وسوسے کی صورت میں آپ کی زبان سے کہلوا دیئے آپ نے وہ دو کلمے یہ سمجھ کر کہہ دیئے کہ یہ بھی وحی کا حصہ ہیں۔ وہ کلمے یہ ہیں۔

تلك الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجی۔ یعنی یہ بہت بلند پرواز اور بلند مرتبہ ہیں اور ان کی سفارش کی آرزو کی جاتی ہے۔ یہاں غرانیق کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ غرنوق کے معنی سارس کے ہیں جو ایک آبی پرندہ ہوتا

ہے اور اس کی گردن لمبی ہوتی ہے۔ اس پرندوں سے شیطان نے ان بتوں کو اس لئے تشبیہ دی کہ یہ پرندے بلند پرواز ہوتے ہیں لہٰذا اس طرح ان بتوں کو بلند مرتبہ کہا گیا ہے۔ (مگر اس روایت کی حقیقت آگے بیان ہو گی۔ یہ روایت نا قابل اعتبار اور غلط ہے)۔

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے آگے تلاوت فرمائی اور یہاں تک کہ سجدے کی آیت پر پہنچے۔ اس آیت پر آپ نے سجدہ کیا اور تمام لوگوں یعنی مشرکوں نے بھی سجدہ کیا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ شیطان کے وسوسے کے یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مسلمانوں کے کانوں میں نہیں پہنچے لیکن مشرکین نے ان کو سنا اس لئے انہوں نے اپنے معبودوں کی تعظیم میں سجدہ کیا۔ اسی لئے مسلمانوں کو حیرت ہوئی کہ آخر مشرکوں نے ایمان لائے بغیر ان کے ساتھ سجدہ کیوں کیا۔

سجدے والی پہلی سورت...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ سورہ نجم وہ پہلی سورت ہے جس میں سجدے کی آیت نازل ہوئی۔ مراد یہ ہے کہ یہ وہ پہلی سورت ہے جو ایک ہی وقت میں پوری سورت نازل ہوئی اور اس میں سجدہ بھی ہے۔ لہٰذا اب یہ روایت اس بات کے خلاف نہیں ہو گی کہ سورہ اقراء وہ پہلی سورت ہے جس میں سجدہ ہے۔ کیونکہ جہاں تک سورہ اقراء کا تعلق ہے تو اگرچہ سجدے کی آیت والی پہلی سورت وہی ہے مگر ابتداء میں اس سورت کا صرف شروع کا حصہ نازل ہوا تھا۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نے سورہ اقراء پڑھی اور اس کے آخر میں آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا۔ اس وقت مشرکین مسلمانوں کے سروں کے پاس کھڑے ہو کر سیٹیاں بجانے لگے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورہ نجم پڑھنے پر سجدہ کیا یعنی اس سجدے کے علاوہ جس میں آپ کے ساتھ مشرکین بھی شریک تھے۔

اب ان سب اقوال کی روشنی میں حضرت ابن عباس کی وہ روایت غلط ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مفصل سورتوں میں سے کسی میں بھی مدینے پہنچنے سے پہلے سجدہ نہیں کیا۔

(تشریح: قرآن پاک کی سورتوں کی قسمیں ہیں۔ جہاں تک مفصل کا تعلق ہے تو ہر سورت اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے بھی مفصل ہے یعنی مجمل نہیں ہے اور اس لحاظ سے بھی مفصل ہے کہ ہر سورت حق اور باطل کی درمیان فرق کرنے والی ہے یعنی ہر سورت اور ہر آیت حق ہے۔ اب اس کے بعد سورتوں کی جو قسمیں کی گئی ہیں وہ ان کے الفاظ اور آیات کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ جو لمبی سورتیں ہیں ان کو طوال مفصل کہا جاتا ہے اور جو چھوٹی سورتیں ہیں ان کو قصار مفصل کہا جاتا ہے۔ جو درمیانی سورتیں ہیں ان کو اوساط مفصل کہا جاتا ہے۔ قصار مفصل تیسویں پارے میں سورہ والضحیٰ کے بعد والی سورتیں شمار کی گئی ہیں۔ اوساط مفصل میں وہ چھوٹی سورتیں شمار کی گئی ہیں جو مثلاً "دو دو رکوع کی ہیں۔ بڑی سورتوں کو طوال مفصل کہا جاتا ہے۔ یہاں مفصل سے مراد طوال مفصل ہے۔ مرتب)۔

حضرت عباس کی وہ روایت کہ آنحضرت ﷺ نے مدینے پہنچنے سے پہلے کسی مفصل یعنی طوال مفصل میں سے کسی سورت میں سجدہ نہیں کیا۔ اس لئے غلط ہو جاتی ہے کہ گذشتہ روایتوں سے معلوم ہوا کہ آپ نے سورہ والنجم میں سجدہ کیا اور سورہ والنجم طوال مفصل میں سے ہے۔ کیونکہ ہمارے اماموں یعنی شافعیوں کے

نزدیک طوال مفصل میں پہلی سورت سورہ حجرات ہے۔ اگرچہ اس سلسلے میں دس اقوال ہیں مگر یہی قول زیادہ مضبوط اور راجح ہے۔

اب اس سلسلے میں ایک بات کہی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے حضرت ابن عباسؓ سورہ والنجم کو طوال مفصل میں سے نہ سمجھتے ہوں (بلکہ قصار مفصل سمجھتے ہوں) مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اقراء متفقہ طور پر سب کے نزدیک مفصلات میں سے ہے۔ اور ہمارے ائمہ کے نزدیک سورہ نجم سورہ انشقاق اور سورہ اقراء تینوں مفصل ہیں اور تینوں میں سجدے ہیں۔

سورہ والنجم وہ پہلی سورت ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے مکے میں کفار کے سامنے پڑھ کر سنایا۔

قریش کے اسلام کے لئے آنحضرت ﷺ کی تمنا...... حافظ دمیاطی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دیکھتے تھے کہ آپ کی قوم آپ سے بالکل الگ تھلگ اور بے تعلق رہتی ہے چنانچہ ایک روز جبکہ آپ تنہا بیٹھے ہوئے تھے آپ کے دل میں حسرت پیدا ہوئی اور آپ نے تمنا کرتے ہوئے دل میں کہا۔

"کاش مجھ پر کوئی ایسی چیز نازل نہ ہوتی جو ان لوگوں کو مجھ سے بیزار کردے۔"

مگر روایت کے ان الفاظ میں شبہ ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک دوسری روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے دل میں ان مشرکوں کے مسلمان ہوجانے کی تمنا کرتے ہوئے کہا۔

"کاش مجھ پر کوئی ایسی چیز نازل ہو جو ان لوگوں کو مجھ سے قریب کردے!"

اس تمنا میں قوم کے ساتھ میل جول...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنی قوم کے قریب آنے لگے وہ بھی آپ سے قریب ہونے لگے اور آپ بھی ان کو قریب لانے لگے۔ آخر ایک روز آپ ان کی مجلس میں بیٹھے جو کعبے کے گرد ہوا کرتی تھیں۔ اور پھر اسی مجلس میں آپ نے سورہ والنجم تلاوت کر کے سنائی۔ واللہ اعلم۔

مشرکین کا سجدہ...... اس وقت جو مشرکین وہاں موجود تھے ان میں ولید ابن مغیرہ بھی تھا (مشرکین نے اس میں سجدے کی آیت سن کر سجدہ کیا۔ مگر ولید ابن مغیرہ چونکہ بہت بوڑھا تھا اور سجدہ نہیں کرسکتا تھا اسلئے اس نے اپنے ہاتھ میں تھوڑی سی مٹی اٹھائی اور اس کو پیشانی پر رکھ کر سجدہ کیا۔ مگر ایک قول یہ ہے کہ ایسا کرنے والا سعید ابن عاص تھا۔ ایک قول کے مطابق ان دونوں نے ہی ایسا کیا تھا۔ اور ایک قول کے مطابق امیہ بن خلف نے ایسا کیا تھا اسی قول کو صحیح بھی مانا گیا ہے۔ نیز ایک قول کے مطابق عتبہ ابن ربیعہ اور ایک قول کے مطابق ابولہب تھا۔

اس اختلاف کے سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے ان سب نے جن کے نام ذکر کئے گئے ایسا کیا ہو البتہ بعض نے تکبر اور غرور کی وجہ سے زمین پر سر رکھ کر سجدہ نہ کیا ہو اور بعض نے مجبوری کی وجہ سے نہ کیا ہو۔ جنہوں نے تکبر اور غرور کی وجہ سے ایسا کیا تھا ان میں ابولہب بھی شامل ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ سورہ والنجم میں جب سجدے کی آیت آئی تو۔

"رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مومنوں، مشرکوں انسانوں اور جنوں سب نے سجدہ کیا صرف ابولہب نے نہیں کیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں تھوڑی سی مٹی اٹھا کر اپنی پیشانی پر لگائی اور کہا کہ اتنا ہی کافی ہے۔"

مگر اس روایت کی مخالفت حضرت ابن مسعودؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ میں نے ایسا کرنے والے شخص کو کفر کی حالت میں قتل ہوتے ہوئے دیکھا۔ (کیونکہ ابولہب قتل نہیں ہوا تھا بلکہ طاعون کی

بیماری میں مرا تھا جیسا کہ آگے بیان ہوگا) مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے یہاں قتل سے مراد مرنا ہو۔

<u>قریش کی بیہودہ شرط اور آنحضرت ﷺ کی گرانی</u>...... غرض یہ سورہ نجم سن کر مشرکوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مارنے اور جلانے والا ہے)وہی پیدا کرنے والا ہے اور وہی روزی دینے والا ہے مگر ہمارے یہ بت اس کے سامنے ہماری سفارش کریں گے اب اگر آپ اس دین میں ہمارے معبودوں کا اعزاز اور حصہ بھی رکھیں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔"

آنحضرت ﷺ کو کفار کی یہ بات بے حد ناگوار ہوئی اور آپ اس کے بعد کچھ دن تک گھر میں بیٹھے رہے۔

اب یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو یہ بات ناگوار کیوں ہوئی جبکہ پیچھے علامہ دمیاطی کا یہ قول گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ تمنا کی تھی کہ آپ پر کوئی ایسی چیز نازل ہو جو مشرکین کو آپ کے قریب کر دے اور وہ مسلمان ہو جائیں (مگر یہ اشکال بے بنیاد ہے)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شاید یہ اس کے بعد کی بات ہے جبکہ آپ نے سورہ والنجم بعد میں حضرت جبرئیل کو پڑھ کر سنائی اور اس میں وہ دونوں کلمے بھی پڑھے جن کا پچھلی سطروں میں ذکر ہوا تو جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ دو کلمے میں لے کر نہیں آیا تھا۔ کیونکہ جب شام کو جبرئیلؑ آئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے سورہ والنجم پڑھی تو وہ دونوں کلمے بھی پڑھے جنہیں سن کر جبرئیلؑ نے کہا۔

"یہ دو کلمے میں نے آپ کو نہیں پہنچائے!"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ بات کہی جو اس نے نہیں کہی تھی!"

اس بات کا آنحضرت ﷺ پر بہت زیادہ اثر ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر وہ آیت نازل فرمائی جو سورۂ اسریٰ میں ہے۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا۔ تا۔ ثم لاتجدلك علينا نصيرا

الآیہ پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۷ آیت ۷۳ تا ۷۵

ترجمہ:۔اور یہ کافر لوگ آپ کو اس چیز سے بچلانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپ پر وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے تاکہ آپ اس کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت نہ کریں اور ایسی حالت میں آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے اور اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو حالت حیات میں اور بعد موت کے دوہرا عذاب چکھاتے پھر آپ ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار بھی نہ پاتے۔

اب اس پوری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وہ دونوں کلمے یہ سمجھ کر پڑھ دیئے تھے کہ یہ بھی وحی کا حصہ ہیں۔ مگر ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت اس سلسلے میں نازل نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے مدینے میں قیام کرنے اور دین کی اشاعت کا کام کرنے پر چونکہ یہودی آپ سے حسد کرتے اور جلتے تھے اس لئے انہوں نے آپ سے ایک دفعہ کہا۔

"اگر تم اپنے آپ کو نبی سمجھتے ہو تو سرزمین شام میں جا کر رہو اس لئے کہ وہی نبیوں کی سرزمین رہی

ہے۔ پھر ہم بھی تم پر ایمان لے آئیں گے۔"

یہ بات آنحضرت ﷺ کے دل میں جمی اور آپؐ اپنی سواری پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ مدینے واپس آ گئے۔ یہ بات اس سے بعد والی آیت وان کادوا لیستفزونک کی بنیاد پر کہی گئی ہے۔ مگر ایک قول یہ ہے کہ اس کے بعد والی جو آیت ہے وہ مکے والوں کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

اسلام قبول کرنے کے لئے بنی ثقیف کی احمقانہ شرط...... ایک قول یہ ہے کہ آیت وان کا دوالیفتنوك بنی ثقیف کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا۔

"ہم اس وقت تک آپ کی پیروی نہیں کریں گے جب تک کہ آپ ہمیں کوئی ایسا اعزاز نہ دیں جس کی بنیاد پر ہم مکے والوں کے مقابلے میں فخر کر سکیں نہ ہمیں کچھ دینا پڑے اور نہ کہیں جانا پڑے۔ نہ ہم نماز میں جھکیں گے۔ نیز جو کچھ سود ہمارا کسی پر نکلتا ہے وہ ہمارا ہو اور جو دوسرے لوگوں کا ہم پر نکلتا ہو وہ کالعدم ہو جایا کرے۔

دوسرے یہ کہ آپ ہمیں ایک سال لات نامی بت کی عبادت کی اجازت دیں اور آپ ہماری بستی کو بھی ایسا ہی عزالور احترام دے دیں جیسا مکے کو دیا گیا ہے۔ اگر اس پر عرب کے لوگ آپ سے کہیں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تو آپ ان سے کہہ سکتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا تھا۔"

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت قریش کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا۔

"ہم تم کو اس وقت تک حجر اسود کو چھونے نہیں دیں گے جب تک کہ تم ہمارے بتوں کو بھی احترام کے ساتھ نہیں چھوؤ گے اور اس کا بھی اسی طرح مسح نہیں کرو گے۔"

اس آیت کے بارے میں بعض علماء کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ یہ ان آیتوں میں سے ہے جن کے نازل ہونے کے سبب کئی کئی رہے ہیں۔ مگر قاضی بیضاوی نے صرف پہلے سبب کو ہی بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ جہاں تک شیطان کے ان دو کلموں کا تعلق ہے تو اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دونوں زبان مبارک سے نہیں کہے تھے بلکہ (جب رسول اللہ وحی کو تلاوت فرمایا کرتے تھے تو آپ ایک ایک آیت پر ٹھہرا کرتے تھے چنانچہ) جب آپ نے یہ حصہ تلاور فرمایا ومناہ الثالثة الاخری اور آپ لفظ اخری پر ٹھہرے تو شیطان نے آپ کے اس وقفے سے فائدہ اٹھایا اور آپ کی سی آواز میں فوراً یہ کلمے پڑھ دیئے جن میں ان تینوں بتوں کی تعریف ہوتی تھی۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ دونوں کلمے بھی آنحضرت ﷺ نے ہی فرمائے ہیں (اس لئے کہ شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملادی تھی) کتاب شرح مواقف میں یہی ہے (اور علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ یہ بات ممکن ہو سکتی ہے آخر بعد میں آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف وہ بات منسوب کی جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی۔

قریش کی خوش فہمی...... غرض کافر کلمے سن کر خوش ہو گئے اور کہنے لگے۔

"آخر محمد ﷺ ہمارے دین یعنی اپنی قوم کے دین کی طرف لوٹ آئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے یہ کہہ دیا کہ ہمارے معبود ہمارے لئے سفارش کریں گے۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ الآیہ پ ۱۷ سورہ حج ع ۷

ترجمہ:۔ اور اے محمد ﷺ ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کا یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے اللہ کے احکام میں کچھ پڑھا تب ہی شیطان نے اس کے پڑھنے میں کفار کے قلوب میں شبہ ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو جوابات قاطعہ سے نیست و نابود کر دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کے مضامین کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب علم والا خوب حکمت والا ہے۔

یعنی شیطان قرأت میں ایسے کلمے ڈال دیتا ہے جو قرآن کے نہیں ہیں اور جن سے وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں جن کے لئے وحی نازل ہوتی ہے (غرض اس طرح اللہ تعالیٰ نے شیطان کی خباثت کا پردہ چاک فرمادیا اور اس کو ذلیل و رسوا ہونا پڑا)

بخاری میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ جب آپ نے کلام فرمایا تو شیطان نے آپ کے کلام میں اپنے کچھ کلمے ملادیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کلموں کو نیست و نابود فرمادیا اور پھر اپنی آیات کو مضبوط اور مستحکم کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے کلموں کو جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ وہ ایمان میں رخنہ ڈالنے والی چیزوں سے ان چیزوں کو ممتاز کرنے کے لئے جو ایمان کے لئے ثابت ہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

میں ایسے کسی واقعے سے واقف نہیں جو اسی طرح کسی نبی اور رسول کے ساتھ پیش آیا ہو۔ ادھر اس واقعہ پر یہ اشکال بھی ہوتا ہے کہ شیطان وحی خداوندی میں اپنے کلمے ملانے کی کیسے جرات کر سکتا ہے (جبکہ اس سلسلے میں یہ باتیں بیان ہو چکی ہیں کہ وحی خداوندی کی حفاظت کے لئے حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ ہزاروں فرشتے آتے تھے تاکہ شیاطین وحی میں اپنی طرف سے کچھ خلط ملط نہ کر سکیں) اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ قصہ ایسا ہے جس کی سچائی میں علماء اور مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے شبہ کیا ہے اور کہا ہے "یہ قصہ باطل ہے اس کو دہریوں نے گھڑا ہے۔"

شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی روایت پر تنقید...... چنانچہ قاضی بیضاوی نے اسی لئے اس کو اپنی تفسیر میں شامل نہیں کیا ہے۔ اسی طرح علامہ قاضی عیاض نے بھی اس واقعہ کو غلط بتلایا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس حدیث کو کسی بھی صحیح حدیث پیش کرنے والے محدث نے پیش نہیں کیا اور نہ ہی اس کو کسی نے صحیح اور متصل سند کے ساتھ پیش کیا ہے۔ بلکہ اس کو صرف ان مفسروں اور مورخوں نے بیان کیا ہے جو ہر عجیب و غریب اور کمزور روایت کو بیان کر دیتے ہیں۔

علامہ بیہقی نے کہا ہے کہ اس قصے کے تمام راوی مطعون ہیں۔ ان ہی سے نقل کرتے ہوئے امام نووی نے کہا ہے کہ جہاں تک اس قصے کا تعلق ہے جس کو کچھ راویوں اور مفسروں نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مشرکوں کے سجدہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے کچھ ایسے کلمے نکل گئے تھے جن سے ان کے معبودوں کی تعریف ہوتی تھی۔ تو یہ بالکل باطل قصہ ہے اس میں کوئی خبر بھی درست نہیں ہے۔ نہ تو یہ روایت اور نقل کے لحاظ سے صحیح ہے اور نہ عقل کے لحاظ سے ہی صحیح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے معبود کی تعریف کرنا کفر ہے اس لئے اس کی نسبت رسول کی طرف قطعاً" جائز نہیں ہے۔ نہ ہی یہ کہنا جائز ہے کہ ان کلموں کو شیطان نے آپ کی زبان مبارک سے کہلوادیا تھا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی زبان

مبارک پر شیطان کا حاوی ہو جانا ممکن نہیں ہے۔ ورنہ ظاہر ہے اس کے نتیجہ میں وحی پر سے یقین اٹھ جائے گا۔

علامہ فخر رازی نے کہا ہے کہ یہ قصہ باطل اور من گھڑت ہے اس کا بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ لآیہ پ ۲۷ سورہ نجم ع ۱

ترجمہ:۔اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں۔ ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ شیطان کو یہ جرات ہو ہی نہیں سکتی کہ وحی میں اپنی طرف سے کچھ ملا سکے۔

مگر بعض لوگوں نے اس واقعہ کو صحیح بھی بتلایا ہے جن میں حافظ حدیث شہاب ابن حجر ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ قاضی عیاض کا اس واقعہ سے انکار کرنا فائدہ مند نہیں ہے اور اس کی کوئی تاویل نہیں کی جاتی ہے۔ یہاں تک شہاب کا کلام ہے۔

تشریح...... یہ واقعہ حقیقت میں روایت درروایت اور نقل و عقل کی روشنی میں درست نہیں ہے۔ اس روایت میں اس قدر جھول اور کمزوریاں ہیں کہ اس پر قطعاً بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ جن لوگوں نے روایت کو درست مانا ہے وہ بھی پھر واقعہ کی مختلف تاویلات کرتے ہیں جو خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ درست نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں احقر مترجم نے مختلف کتابوں اور تفسیروں کا مطالعہ کیا جن سے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ ردیات نہایت کمزور ہے اس کی سند بھی صحیح نہیں ہے اور اس کے راوی بھی قابل اعتبار نہیں ہیں۔ اس ذیل میں کتاب شرح زرقانی علی المواہب نے بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور اس روایت اور قصے کے تمام کمزور پہلوؤں کو تفصیل سے پیش کیا ہے۔ جو حضرات، اس بارے میں تسلی اور اطمینان چاہیں وہ مذکورہ کتاب کی جلد اول ص ۲۷۸ مطبوعہ مطبعۃ الازہر مصریہ ۱۳۲۵ھ سے ص ۲۸۶ تک ملاحظہ فرمائیں۔ احقر نے طوالت کی وجہ سے صرف حوالہ دینے پر اکتفا کیا ہے کیونکہ وہ سب فنی بحث قارئین کی دلچسپی کی چیز نہیں ہے۔ تشریح ختم۔ مرتب)۔

مشرکوں کے سجدے کی شہرت اور مہاجرین کی غلط فہمی...... غرض مشرکوں کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے کا یہ واقعہ ایک دم سارے میں مشہور ہو گیا۔ یہاں تک کہ جو مسلمان ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے ان کو وہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ مکے والوں یعنی قریشی سرداروں نے سجدہ کیا اور وہ سب مسلمان ہو گئے۔ یہاں تک کہ ولید ابن مغیرہ اور سعید ابن عاص بھی مسلمان ہو گئے۔

مہاجرین حبشہ کی واپسی...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس خبر کو پھیلانے والے نے اصل میں جب یہ دیکھا کہ مشرکوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ساتھ سجدہ کیا تو اس نے یہ سمجھا کہ وہ سب مسلمان ہو گئے۔ ان کی آنحضرت ﷺ کے ساتھ صلح ہو گئی اور اب ان کے درمیان کوئی جھگڑا باقی نہیں رہا۔ چنانچہ اس نے یہ خبر پھیلا دی اور پھر یہ بات اتنی تیزی کے ساتھ پھیلی کہ حبشہ کو ہجرت کر جانے والے مسلمانوں تک پہنچ گئی۔ ان مسلمانوں کو اس خبر پر یقین آ گیا۔ انہوں نے کہا کہ جب مکے کے باقی لوگ مسلمان ہو گئے تو پھر ہم بھی اپنے خاندان والوں کے پاس جا کر ہی کیوں نہ رہیں۔ چنانچہ ان مہاجروں میں سے ایک جماعت حبشہ سے مکے کو واپس روانہ ہو گئی۔ یہ لوگ کل ملا کر تینتیس تھے ان میں حضرت عثمان غنی، حضرت زبیر ابن عوام اور حضرت عثمان ابن مظعونؓ بھی تھے۔

مکے کے قریب پہنچ کر اصلیت کی اطلاع...... یہ واقعہ شوال کے مہینہ کا ہے۔ غرض جب یہ قافلہ مکے

سے تھوڑے فاصلے پر رہ گیا تو ان کو مکے سے آنے والا ایک قافلہ ملا۔ انہوں نے اس قافلے سے قریش کے بارے میں معلوم کیا۔ اس پر اس قافلے والوں نے ان کو اصل واقعہ بتلایا اور کہا۔

"ایک دن محمد ﷺ نے قریش کے معبودوں کا احترام کے ساتھ نام لیا۔ اس پر سب لوگ محمد کے ساتھ ہو گئے مگر پھر محمد نے ان کے معبودوں کو برا کہا تو قریش بھی اپنی پہلی روش پر ہی لوٹ گئے۔ اب ہم ان کو اسی حالت میں چھوڑ کر آرہے ہیں۔"

مہاجرین کا مشورہ اور فیصلہ ...... اب یہ خبر سن کر ان مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس حالت میں تو ہم لوگوں کو واپس حبشہ ہی کو لوٹ جانا چاہئے۔ مگر پھر وہ کہنے لگے۔

"اب جبکہ ہم مکے کے سامنے پہنچ گئے ہیں تو ہمیں شہر میں داخل ہو کر دیکھنا چاہئے کہ قریش کا کیا معاملہ ہے پھر اپنے گھر والوں سے مل کر ہم واپس حبشہ کو چلے جائیں گے۔"

اس کے بعد یہ لوگ مکے میں داخل ہو گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ کسی کی پناہ حاصل کر کے کھلے عام شہر میں چلے گئے اور کچھ لوگ جن کو کسی کی پناہ نہیں مل سکی چوری چھپے مکے میں داخل ہوئے۔

کتاب امتاع میں یہ ہے کہ مکے کو ہجرت کر کے جانے والے مسلمان جب مکے واپس آئے تھے تو وہ اس واقعہ کے بعد آئے تھے جب کہ مشرکوں نے مسلمانوں کا بائیکاٹ کر کے ان کو شعب ابو طالب نامی گھاٹی میں محصور کر دیا تھا۔ یہاں تک کتاب امتاع کا حوالہ ہے۔ مگر اس بات میں کافی اشکال ہے اور اس بات کو قبول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ شعب ابو طالب میں مسلمان تین سال یا دو سال تک محصور رہے تھے۔ جبکہ یہ مسلمان اس وقت حبشہ میں تین مہینے بھی نہیں ٹھہرے تھے۔ جیسا کہ یہ بات بیان ہو چکی ہے۔ نیز یہ کہ دوسری بار جو ہجرت ہوئی ہے وہ مسلمانوں کے شعب ابو طالب میں محصور ہونے کے بعد ہوئی ہے۔ جیسا کہ آگے بیان ہو گا۔

کتاب عیون الاثر میں یہ ہے کہ حبشہ سے آنے والے ان مسلمانوں میں سے سوائے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے ہر شخص کسی نہ کسی کی پناہ حاصل کر کے مکے میں داخل ہوا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ کو کسی کی پناہ نہ مل سکی اور وہ بہت تھوڑا عرصہ مکے میں ٹھہر کر واپس حبشہ چلے گئے۔

اب گویا اس قول سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ عیون الاثر کے مصنف کے نزدیک حضرت ابن مسعودؓ پہلی ہجرت میں جانے والوں میں شامل ہیں۔ یہی قول ان کے شیخ حافظ دمیاطی کا بھی ہے۔ مگر دمیاطی نے پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ ابن مسعودؓ پہلی ہجرت میں شامل تھے اور انہوں نے اس بارے میں کوئی اختلاف بیان نہیں کیا جبکہ عیون الاثر نے اس بارے میں اختلاف بھی بیان کیا ہے کہ بعض کے نزدیک پہلی ہجرت میں ابن مسعود نہیں گئے تھے۔ ابن اسحاق کا قول بھی انکار کا ہے انہوں نے کہا ہے کہ ابن مسعود دوسری باری کی ہجرت میں حبشہ گئے تھے۔ لہٰذا عیون الاثر کو بھی یہی بات لکھنی چاہئے تھی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان آنے والوں میں ہر شخص ہی چوری چھپے مکے میں داخل ہوا تھا (یعنی کسی کو کوئی پناہ نہیں مل سکی تھی) اور یہ کہ ان میں سے ہر شخص سوائے حضرت ابن مسعودؓ کے مکے میں داخل ہوا تھا۔ صرف حضرت ابن مسعودؓ مکے میں داخل نہیں ہو سکے بلکہ وہ حبشہ کو وہیں سے واپس ہو گئے تھے۔

اس طرح ان روایتوں میں اختلاف ہوتا ہے مگر کہا جاتا ہے کہ اول تو چونکہ ان میں سے اکثر بغیر کسی کی پناہ لئے مکے میں چوری چھپے داخل ہوئے تھے اس لئے سب کے بارے میں یہی بات کہہ دی گئی۔ لہٰذا یہ اختلاف

ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرے کہ چونکہ ابن مسعودؓ مکے میں داخل ہو کر بہت تھوڑی دیر رہے اور پھر واپس ہو گئے تھے اس لئے یہ کہہ دیا گیا کہ وہ مکے میں داخل ہی نہیں ہوئے۔ اس طرح ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

مکے واپسی پر قریش مظالم کا سامنا...... جب یہ مسلمان حبشہ سے واپس مکے آئے تو انہیں مشرکین کی طرف سے پہلے سے بھی زیادہ مظالم اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

(قال) جو لوگ کسی کی پناہ حاصل کر کے مکے میں داخل ہوئے تھے ان میں حضرت عثمان ابن مظعون بھی تھے۔ یہ ولید ابن مغیرہ کی پناہ حاصل کر کے مکے میں آئے تھے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے ساتھ کتنا سخت معاملہ ہو رہا ہے اور وہ کیسے کیسے مظالم کا شکار ہو رہے ہیں تو انہوں نے کہا۔

عثمان ابن مظعون کو ولید کی پناہ...... "خدا کی قسم میرے دن اور میری راتیں تو ایک مشرک کی پناہ میں آرام و سکون سے گزریں اور میرے ساتھی اور میرے ہم مذہب اللہ تعالی کے راستے میں ایسی ایسی تکلیفیں اٹھائیں۔ یہ بہت غلط بات ہے۔!"

پناہ سے انکار...... یہ کہہ کر حضرت عثمان ابن مظعونؓ ولید ابن مغیرہ کے پاس آئے اور اس سے بولے۔

"اے ابو عبد شمس! تم نے اپنی ذمہ داری خوب پوری کر دی۔ اب میں تمہاری پناہ تمہیں واپس کرتا ہوں۔"

ولید نے کہا۔

"بھتیجے! شاید میری قوم میں سے کسی نے تمہیں میری پناہ میں ہوتے ہوئے کچھ کہا ہے۔ مگر تم نہ گھبراؤ میں اس کو دیکھ لوں گا۔"

حضرت عثمان نے کہا۔

"نہیں خدا کی قسم مجھے کسی نے کچھ کہا اور نہ کوئی تکلیف پہنچائی مگر مجھے اللہ تعالی کی ہی پناہ کافی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کے سوا ہر کسی کی پناہ لوٹا دوں۔"

اس پر ولید نے کہا۔

"تب میرے ساتھ مسجد حرام میں چلو اور میری پناہ لوٹانے کا اسی طرح اعلان کرو جس طرح علی الاعلان میں نے پناہ دی تھی۔"

چنانچہ یہ دونوں مسجد حرام میں آئے اور یہاں ولید نے اعلان کیا۔

"یہ عثمان یہاں میری پناہ لوٹانے کے لئے آئے ہیں۔"

اب حضرت عثمان نے کہا۔

"یہ سچ کہتے ہیں۔ میں نے ان کو وعدے کا پابند اور شریف پایا۔ مگر میں اللہ تعالی کے سوا کسی کی پناہ نہیں چاہتا اور اسی لئے میں نے ان کی پناہ لوٹا دی ہے۔"

اس پر ولید ابن مغیرہ نے کہا۔

"میں تم سب لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ اب میں اس شخص کی ذمہ داری سے بری ہوں سوائے اس کے کہ یہ پھر میری پناہ میں آنا چاہیں۔"

پناہ لوٹانے کے بعد عثمانؓ سے سلوک...... اس کے بعد حضرت عثمانؓ وہاں سے چلے اور لبید ابن ربیعہ

ابن مالک کے پاس آبیٹھے۔ یہ لبید کے اسلام لانے سے پہلے کی بات ہے اس وقت وہ قریش کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے شعر و شاعری کر رہے تھے۔ لبید نے کہا۔

اَلَا کُلُّ شَیْئٍ مَاخَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ۔

بے شک سوائے اللہ کی ذات کے ہر چیز باطل ہے۔

حضرت عثمانؓ نے یہ سن کر کہا کہ تم نے سچ کہا۔ پھر لبید نے کہا۔

وَ کُلُّ نَعِیْمٍ لَا مُحَالَۃَ زَائِلٌ۔

اور ہر عیش و طرب بہر حال ایک دن ختم ہو جائے گا۔

حضرت عثمانؓ نے کہا۔

"تم نے غلط کہا۔ جنت کی نعمتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔"

اس پر لبید نے مجلس والوں سے کہا۔

"اے گروہ قریش! تمہارے ہم نشین کی تو کبھی توہین نہیں کی جایا کرتی تھی۔ تم میں یہ بات کب سے پیدا ہو گئی!"

اس پر ان میں سے ایک بولا۔

"یہ ایک بے وقوف شخص ہے۔ اس کی حماقت کی ایک دلیل تو یہ ہی ہے کہ اس نے ہمارا دین چھوڑ دیا۔ اس لئے اس جیسے بے وقوف آدمی کی باتوں کا خیال نہ کرو۔"

پناہ لوٹانے پر ولید کا طنز...... اس پر حضرت عثمان نے اس شخص کو منہ توڑ جواب دیا۔ وہ غصے میں ایک دم کھڑا ہو گیا اور اس نے حضرت عثمان کی آنکھ پر طمانچہ مارا۔ اس وقت ولید ابن مغیرہ قریب ہی کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ حضرت عثمان سے کہنے لگا۔

خدا کی قسم بھتیجے کیا تمہاری آنکھ اس وقت اس آفت سے محفوظ نہیں تھی جب تم ایک مضبوط پناہ میں تھے۔

مگر تم اس پناہ سے بلاوجہ نکل گئے۔ حالانکہ تم اس وقت ان مصیبتوں سے محفوظ رہتے۔!"

عثمان کا دلیرانہ جواب...... حضرت عثمان نے کہا۔

"خدا کی قسم میں اسی مصیبت کو تلاش کر رہا تھا جو مجھے اب مل گئی ہے۔ اور میری وہ آنکھ جواب تک صحیح ہے اسی مصیبت کو تلاش کر رہی ہے جو اللہ کے راستے میں اس کی بہن یعنی دوسری آنکھ کو پیش آئی ہے۔ اب میرے پاس ان کی سنت اور طریقہ ہے جو مجھے تم لوگوں سے زیادہ عزیز ہیں اور اب میں اس ذات کی پناہ میں ہوں جو تم لوگوں سے کہیں زیادہ معزز اور بلند ہے۔"

یہاں جب لبید نے نعیم یعنی نعمتوں کا ذکر کیا تو حضرت عثمان یہ سمجھے تھے کہ یہ ان نعمتوں کو بھی کہہ رہا ہے جو آخرت میں مومنوں کو ملیں گی۔ اسی لئے انہوں نے کہا کہ جنت کی نعمتیں ختم ہونے والی نہیں ہیں (گویا لبید کی مراد صرف دنیوی نعمتوں سے تھی آخرت کی نعمتوں سے نہیں)

اب یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر لبید کی مراد صرف دنیوی نعمتوں سے ہی ہوتی جن میں آخرت کی نعمتیں شامل نہیں ہیں تو وہ حضرت عثمان کے جواب سے ناراض نہ ہوتا۔

مگر اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ لبید کو جس بات پر غصہ آیا وہ حضرت عثمان کا برملا یہ کہنا تھا کہ تو جھوٹا ہے یہ بات اسی بنیاد پر ہے کہ لبید نے یہ شعر اسلام لانے سے پہلے پڑھا تھا۔ اسی بات کی تائید اکثر محدثین نے کی ہے اور یہ دلیل دی ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد لبید نے کبھی یہ شعر نہیں پڑھا۔ اس بات سے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے جو کتاب استیعاب میں ہے کہ چونکہ یہ شعر جو لبید نے پڑھا مضمون کے لحاظ سے عمدہ اور اچھا شعر ہے اس لئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لبید نے یہ شعر مسلمان ہونے کے بعد پڑھا تھا (جس پر یہ واقعہ پیش آیا) اسی طرح حضرت اسد کا دوسرا شعر ہے۔

وَکُلُّ امرئٍ یَوْمًا سَیَعْلَمُ سَعْیَهٗ
اِذَا کَشَفَتْ عِنْدَ الْاِلٰهِ الْمَحَاصِلُ

ترجمہ:۔ ہر شخص کو ایک دن اپنے کئے کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا جب کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے اعمال کھولے جائیں گے۔

اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگرچہ یہ شعر ایسے ہی ہیں جن کو ایک مسلمان ہی کہہ سکتا ہے مگر اس کے باوجود یہ ضروری نہیں کہ لبید نے یہ شعر مسلمان ہونے کی حالت میں ہی کہے ہوں۔ کیونکہ اسی طرح کا ایک واقعہ امیہ ابن ابی صلت کا ہے کہ اس نے بھی کافر ہوتے ہوئے ایک شعر ایسا کہا تھا کہ جو ایک مسلمان ہی کہہ سکتا ہے۔ چنانچہ اسی لئے لبید کے اس شعر کو سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔

"اس کا شعر ایمان لے آیا مگر اس کا دل کافر ہی رہا ہے"۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ اسلام کے قریب قریب آگیا۔

علامہ محی الدین ابن عربی نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے ذیل میں لکھا ہے کہ یہ سب سے زیادہ سچا اور حق شعر ہے جو کسی عرب نے کہا۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے زیادہ بلیغ کلمہ ہے جس کے ساتھ کسی عرب نے کلام کیا۔

اَلَا کُلُّ شَیْئٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ

بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔

مسائل تصوف...... یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ تمام موجودات کو اگرچہ باطل کہا گیا ہے لیکن اس کے باوجود ان کے حق ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جب عارف پر مقامات طے کرنے میں حال اور اپنے مقام کا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ ذات باری کے سوا ہر چیز کو اس حیثیت سے باطل سمجھنے لگتا ہے کہ اس کا اپنا ذاتی کوئی وجود نہیں ہے لہٰذا اس چیز کا حکم بھی وہی ہوگا جو عدم اور نہ ہونے کا ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے اسی بات کو اس طرح کہا ہے کہ باطل سے مراد باطل جیسی چیز ہے کیونکہ یہ عالم اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہے خود بخود نہیں ہے۔ لہٰذا اس حیثیت سے وہ چیز باطل ہے۔

ایک عارف جب اپنے عرفان کی ابتداء میں قرب الٰہی کے مقامات تک پہنچتا ہے تو اکثر یہ کائنات اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور جلوہ حق کے سامنے اس کا جلوہ چھپ جاتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ حقیقت میں یہ کائنات ختم ہو جاتی ہے۔ پھر جب عارف کا عرفان مکمل ہو جاتا ہے تو وہ حق اور خلق کو ایک ساتھ ایک ہی وقت میں دیکھتا ہے۔ مگر ہر شخص اس مقام تک نہیں پہنچ پاتا۔ کیونکہ اکثر لوگ وہی ہوتے ہیں جو اگر حق کا مشاہدہ دیتے

ہیں تو پھر خلق یعنی کائنات ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور اگر کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو حق کا مشاہدہ نہیں کرپاتے۔

یہ تفصیل وحدت اور حلول کے بیان کے ذیل میں گزر چکی ہے کہ وحدت یعنی ایک ہو جانے کا ادراک وہی کرتا ہے جو اجتماع ضدین یعنی دو ضدوں یا متضاد چیزوں کے ایک جگہ جمع ہونے کا ادراک کر سکے۔

غالباً شیخ حسن بکری کا ایک قول مشاہدہ کے اسی پہلے مقام کو ظاہر کرتا ہے۔ انہوں نے کہا تھا۔

اَستَغفِرُ اللّٰہَ مِمَّا سِوَی اللّٰہِ۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت مانگتا ہوں۔ ان تمام چیزوں سے جو ماسوی اس لئے کہ باطل چیز ذات باری کے وجود ذاتی کا اثبات کرتے ہوئے مغفرت اور بخشش طلب کرتی ہے۔

غرض حضرت لبید کے بارے میں علامہ سہیلی کا قول ہے کہ وہ مسلمان ہوئے اور انہوں نے اسلام کی پابندی کی اسی قول کی تائید اکثر محدثوں نے کی ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد وہ ساٹھ سال زندہ ہے مگر اس پورے زمانے میں انہوں نے کبھی شعر نہیں کہا۔

حضرت عمرؓ نے اپنی خلاف کے زمانے میں ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ انہوں نے شعر کہنے کیوں چھوڑ دیئے تو حضرت لبیدؓ نے کہا۔

"جب اللہ تعالیٰ نے مجھے پڑھنے کے لئے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران جیسا پاک کلام دیا تو میں شعر کیوں پڑھوں۔"

حضرت لبید کا یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے ان کے وظیفے میں پانچ سو کا اضافہ فرمادیا۔ اس طرح ان کا وظیفہ ڈھائی ہزار ہو گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد صرف ایک ہی شعر کہا تھا جو یہ ہے۔

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَاتِنِی اَجَلِی
حَتّٰی اِکتَسَیْتُ مِنَ الاِسْلَامِ سِرِ بَالاً

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے مجھے موت کے پنجے سے دور رکھا یہاں تک کہ میں نے اسلام کا مبارک لباس زیب تن کر لیا۔

<u>ابو سلمہ مہاجر کو ابو طالب کی پناہ</u>...... (اس کے بعد پھر ان مسلمانوں کا ذکر کرتے ہیں جو حبشہ سے واپس آکر مکے میں داخل ہوئے تھے۔ قال) اسی طرح کسی کی پناہ حاصل کر کے مکے میں داخل ہونے والوں میں آنحضرت ﷺ کے پھوپی زاد بھائی حضرت ابو سلمہ ابن عبد الاسد بھی تھے۔ یہ اپنے ماموں ابو طالب کی پناہ حاصل کر کے مکے میں داخل ہوئے تھے۔

<u>قریش کا ابو طالب پر اعتراض</u>...... جب ابو طالب نے ان کو پناہ دی تو بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابو طالب کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔

"ابو طالب تم نے اپنے بھتیجے کو تو ہمارے خلاف اپنی پناہ میں لے ہی رکھا ہے مگر اب یہ ابو سلمہ جو ہمارے ہی خاندان یعنی بنی مخزوم کے ہیں ان سے تمہارا کیا واسطہ کہ تم نے ان کو پناہ دی؟"

ابو طالب نے کہا۔

"اس نے میری پناہ طالب کی تھی۔ پھر یہ کہ وہ میرا بھانجہ ہے۔ اگر میں اپنے بھانجے کی حفاظت نہیں

کروں گا۔ تو اپنے بھتیجے کی حفاظت بھی نہیں کروں گا۔"

ابولہب کی غیرت اور ابو طالب کی حمایت...... یہ سن کر ابولہب اٹھا اور ان لوگوں سے بولا۔

"اے گروہ قریش! یہ بزرگ یعنی ابو طالب جب بھی اپنی قوم میں سے کسی شخص کو پناہ دیتے ہیں تم ان سے جھگڑنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہو۔ خدا کی قسم یا تو تم یہ سلسلہ بند کر دو ورنہ میں ہر موقعہ پر اور ان کے ہر معاملے میں علی الاعلان ان کی حمایت میں کھڑا ہوں گا اور ان کا چاہا پورا کراؤں گا۔"

ابولہب کی یہ ناراضگی دیکھ کر سب نے فوراً" کہا۔

"ابو عتبہ! ہم کوئی ایسی بات نہیں کریں گے جو تمہیں ناپسند ہو۔"

ابولہب کی ناراضگی سے لوگ اس لئے ڈرے کہ رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں یہ ان کا سب سے پر جوش حامی اور مددگار تھا۔

ادھر اس موقعہ پر ابولہب کا یہ رویہ دیکھ کر اور اس کی گفتگو سن کر ابو طالب کو اس کا بڑا ارمان رہا کہ آنحضرت ﷺ کی حمایت اور حفاظت کے سلسلے میں بھی کاش یہ ان کا مددگار بن جائے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا اسلام

اسلام قبول کرنے کے بعد جن لوگوں کو ایذائیں دی گئیں اور جن کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا جیسا حضرت عثمان ابن مظعون کے ساتھ پیش آیا ان میں حضرت عمر ابن خطاب بھی ہیں۔

ان کے مسلمان ہونے کے واقعے کی روایت جو بعض محدثوں نے نقل کی۔ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہم سے ایک دفعہ کہا۔

"کیا تم پسند کرو گے کہ میں تمہیں اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ اور اس کا سبب بتلاؤں۔"

ہم نے کہا ضرور۔ تب حضرت عمر نے فرمایا۔

"میں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں سب سے زیادہ پیش پیش تھا۔ ایک دن جبکہ سخت گرمی پڑ رہی تھی اور دوپہر کا وقت تھا میں مکے کی ایک گلی میں تھا کہ میری ملاقات ایک قریشی شخص سے ہوئی۔"

یہ شخص نعیم ابن عبد اللہ نحام تھا۔ ان کو نحام اس لئے کہا جانے لگا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔

"میں نے اس کی نحمہ یعنی آواز اور سرسراہٹ جنت میں سنی ہے۔"

یہ اپنی قوم کے خوف سے اپنے اسلام کو چھپاتے تھے۔ غرض حضرت عمر نے آگے فرمایا۔

بہن بہنوئی کے اسلام کی اطلاع...... انہوں نے مجھے بتلایا کہ میری بہن یعنی ام جمیل جن کا نام فاطمہ یا زینت یا آمنہ تھا بے دین یعنی مسلمان ہو گئی ہے اور اسی کا شوہر سعید ابن زید ابن مرو ابن نفیل بھی مسلمان ہو گیا ہے۔"

یہ حضرت سعید عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہے۔ یہ حضرت عمر کے چچازاد بھائی تھے۔ ادھر ان حضرت سعید کی بہن عاتکہ خود حضرت عمر کی بیوی تھیں۔ پھر

حضرت عمر نے فرمایا۔

میں یہ سن کر غصے میں بھرا ہوا لوٹا۔ اس زمانے میں رسول اللہ ﷺ یہ کیا کرتے تھے کہ جب کوئی ایک یا دو آدمی مسلمان ہوتے تو آپ ان کو کسی ایسے شخص کے حوالے کر دیتے جو بااثر اور خوش حال ہوتا تھا اور وہ ان کو اپنے پاس سے کھانا کھلایا کرتا تھا۔ چنانچہ آپ نے دو مسلمانوں کو میرے بہنوئی کے بھی حوالے کیا ہوا تھا۔"

ان دونوں میں سے ایک حضرت خباب ابن ارت تھے لیکن دوسرے کے نام سے واقف نہیں ہوں سیرت ابن ہشام میں یہ ہے صرف حضرت خبابؓ ہی کو حضرت سعید کے سپرد کیا گیا تھا۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا۔

یہ خباب اکثر میرے بہن بہنوئی کے پاس آیا کرتے تھے اور وہ دونوں ان کو قرآن پاک پڑھایا کرتے تھے۔ غرض میں یہ خبر سن کر سیدھا ان دونوں کے یہاں پہنچا اور میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے پوچھا گیا کون ہے۔ میں نے کہا ابن خطاب۔ اس وقت یہ لوگ اندر بیٹھے ہوئے قرآن پاک پڑھ رہے تھے۔ جب ان لوگوں نے میری آواز سنی تو ایک دم خاموش ہو گئے اور جلدی سے قرآن پاک کے اوراق چھپا دیئے۔

<u>بہن بہنوئی جلال عمر کے شکار</u>...... اس کے بعد میری بہن نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ میں نے کہا۔

"اے اپنی جان کی دشمن! میں نے سنا ہے کہ تو بے دین ہو گئی ہے!"

ساتھ ہی میں نے کسی چیز سے اس کو مارا جو اس وقت میرے ہاتھ میں تھی۔ اس کے جسم سے خون بہنے لگا جب اس نے خون بہتا ہوا دیکھا تو رونے لگی اور بولی۔

"اے ابن خطاب! تم جو چاہو کر لو میں تو مسلمان ہو چکی ہوں۔"

اب میں گھر میں داخل ہوا اور چارپائی پر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے چاروں طرف دیکھا تو مجھے گھر کے ایک کونے میں قرآن پاک کے اوراق رکھے ہوئے نظر آئے۔ میں نے کہا۔

"یہ کون سی کتاب ہے۔ مجھے دکھاؤ!"

کیونکہ حضرت عمر لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہ سن کر میری بہن نے کہا۔

"یہ کتاب تمہارے ہاتھ میں ہرگز نہیں دی جائے گی تم اس کے اہل نہیں ہو۔ تم ناپاکی کے بعد غسل نہیں کرتے اور پاک نہیں ہوتے۔ جبکہ اس کتاب کو سوائے ان لوگوں کے جو پاک ہوں کوئی نہیں چھو سکتا۔"

غرض وہ اصرار کرتے رہے آخر جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ جب میں نے غسل کر کے پاکی حاصل کر لی تو اس نے وہ اوراق مجھے دیئے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب حضرت عمر نے قرآن پاک مانگا تو ان کی بہن نے کہا۔

"بھائی! تم مشرک ہونے کی وجہ سے ناپاک ہو جبکہ اس قرآن پاک کو سوائے پاک لوگوں کے کوئی نہیں چھو سکتا۔"

یہاں یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت عمر کی بہن نے کہا تھا کہ جب تک تم غسل نہ کر لو قرآن پاک نہیں دیا جائے گا۔ اس سے بعض علماء کے اس قول کی تردید ہوتی ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ ناپاکی کے بعد غسل کیا کرتے تھے۔ اب یہاں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ سب لوگ کرتے ہوں گے مگر عمر ابن خطاب نہیں کرتے ہوں گے کیونکہ یہ بات بظاہر ممکن نہیں ہے۔ اس روایت میں جو الفاظ ہیں ان کے مطابق ام جمیل کا حضرت عمر کو ان کے اصرار پر قرآن پاک دے دینا ظاہر کرتا ہے کہ ان کے غسل کیے بغیر ان کو قرآن دے دیا گیا۔ مگر اس سے

گذشتہ روایت کی تردید ہوتی ہے جس میں ہے کہ جب حضرت عمر نے غسل کر لیا جب ان کی بہن نے ان کو قرآن پاک دیا۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ قرآن مانگنے پر ام جمیل نے حضرت عمر کو یہ جواب دیا تھا۔

"ہمیں قرآن پاک کے بارے میں تمہاری طرف سے اندیشہ ہے۔"

اس پر حضرت عمر نے کہا کہ تم ڈرو مت۔ پھر انہوں نے اپنے معبودوں کے نام پر ان کے سامنے حلف کیا کہ پڑھنے کے بعد وہ ان اوراق کو واپس دے دیں گے۔ اب ام جمیل نے ان کو وہ اوراق دے دیئے۔ ان کو اس بات کا لالچ تھا کہ کسی طرح حضرت عمر مسلمان ہو جائیں۔ اب حضرت عمر نے جیسے ہی ان اوراق پر نظر ڈالی تو انہیں سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی نظر آئی۔

<u>کلام الٰہی کی ہیبت</u>...... حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ جیسے ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر میری نظر پڑی مجھ پر ایک دم دہشت طاری ہو گئی اور وہ اوراق میرے ہاتھ سے چھوٹ گئے۔ پھر میں نے اپنے اوپر قابو پایا اور دوبارہ وہ اوراق لے کر ان کو پڑھا تو اس میں یہ آیتیں نظر آئیں۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِيْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ پ ۲۷ سورہ حدید ع ۱ آیت ۱

ترجمہ :- اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

<u>ہدایت</u>...... ان آیات کو پڑھتے ہوئے جب بھی میں نے حق تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے کوئی نام پڑھا میں ہر مرتبہ کانپ اٹھا اور ہر دفعہ وہ اوراق دہشت کی وجہ سے میرے ہاتھوں سے چھوٹ جاتے تھے۔ پھر میں اپنے اوپر قابو پاتا اور دوبارہ وہ اوراق لے کر پڑھتا۔ آخر پڑھتے پڑھتے میں اس آیت تک پہنچا۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ پ ۲۷ سورہ حدید ع ۱ آیت ۷

ترجمہ :- تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ایمان لا کر جس مال میں تم کو اس نے قائم مقام کیا ہے اس میں سے اس کی راہ میں خرچ کرو۔

یہاں تک پہنچ کر میں ایک دم پکار اٹھا۔

اَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه

<u>ابوجہل یا عمر فاروق کے اسلام کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعا</u>...... میرے منہ سے کلمہ شہادت سنتے ہی وہ سب لوگ جو میرے ڈر سے چھپے ہوئے تھے تکبیر کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔ میری زبان سے کلمہ شہادت سن کر وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ ان سب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور پھر انہوں نے کہا۔

"اے ابن خطاب! تمہیں بشارت و خوش خبری ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ دو آدمیوں میں سے ایک کے ذریعہ اسلام کو عزت عطا فرما۔ یا تو ابوجہل یعنی عمرو ابن ہشام کے ذریعہ اور یا عمر ابن خطاب کے ذریعہ سے۔ ایک روایت میں لفظ ہیں کہ ابوالحکم عمرو ابن ہشام یعنی ابوجہل اور عمر ابن خطاب میں سے جو شخص تجھے محبوب ہو اس کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما۔ ایک دوسری روایت میں صرف حضرت عمر ہی کا نام لے کر دعا کے الفاظ ہیں اس میں ابوجہل کا تذکرہ نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دراصل یہ فرمایا تھا کہ اے اللہ عمر کو اسلام کے ذریعہ عزت عطا فرما۔ اس لئے کہ اسلام دوسروں کو عزت بخشتا ہے کوئی شخص اسلام کو عزت نہیں دیتا۔ مگر

شاید یہ بات حضرت عائشہؓ نے اپنے اجتہاد سے فرمائی ہے اور اس بنیاد پر کہ ظاہر ہے اسلام کسی شخص کے ذریعہ سر بلند نہیں ہو تا بلکہ اسلام تو خود دوسروں کو سر بلند کرتا ہے۔ یہ دونوں پہلو قابل غور ہیں۔

رسول اللہ کے پاس حاضری...... رسول اللہ ﷺ نے بدھ کے روز یہ دعا مانگی تھی اور جمعرات کے روز حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے۔ غرض حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ جب ان لوگوں کو میری سچائی اور صداقت کا یقین آگیا تو میں نے ان سے کہا۔

"مجھے وہ جگہ بتلاؤ جہاں اس وقت رسول اللہ ﷺ سے مل سکتے ہیں۔"

انہوں نے بتلایا کہ اس وقت آنحضرت ﷺ اس مکان میں ہیں جو صفا پہاڑی کے دامن میں ہے۔ انہوں نے مجھے پورا پتہ بتلایا۔ یہ مکان وہی دار ارقم تھا۔ چنانچہ میں اسی وقت آنحضرت ﷺ کے پاس روانہ ہو گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت خبابؓ سے کہا تھا کہ خباب ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو۔ چنانچہ حضرت خباب اور حضرت عمر کے چچازاد بھائی حضرت سعید دونوں حضرت عمر کے ساتھ چلے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے مکان پر پہنچ کر جب میں نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے پوچھا گیا کون ہے؟ میں نے کہا عمر ابن خطاب! میرا نام سن کر کسی کو دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں ہوئی کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں میری سختی اور غصے کو جانتے تھے اور انہیں اس وقت تک یہ معلوم نہیں تھا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں آخر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"دروازہ کھول دو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے تو وہ ہدایت پائے گا۔"

اس کے بعد دروازہ کھول دیا گیا۔ ان کو اندر داخل ہونے کی اجازت حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب نے دی تھی۔ کیونکہ حضرت حمزہؓ حضرت عمرؓ سے تین دن پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ تین مہینے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ جب مسلمان ہوئے تو اس وقت ان کی عمر ستائیس سال تھی۔

غرض پھر حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔

عمر بارگاہ نبوت میں...... جب میں اندر داخل ہوا تو دو آدمی میرے پہلو سے پہلو ملا کر اس طرح چلے کہ انہوں نے مجھے پکڑ رکھا تھا۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے پہنچا تو آپ نے فرمایا۔

"ان کو چھوڑ دو۔!"

چنانچہ وہ دونوں آدمی مجھے چھوڑ کر الگ ہو گئے اور میں آنحضرت ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے میرے کرتے کا دامن پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا۔

"اے ابن خطاب! خدا کے لئے ہدایت کا راستہ اختیار کرو۔"

میں نے عرض کیا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

میرے یہ الفاظ سنتے ہی مسلمانوں نے اس زور سے تکبیر کہی کہ مکے کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی۔"

دعائے رسول ﷺ...... طبرانی کی کتاب اوسط میں ایک روایت ہے جس کو حاکم نے حسن سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اس میں اس طرح ہے کہ جب حضرت عمر مسلمان ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ ان کے سینے پر اپنا ہاتھ مار کر فرمایا۔

"اے اللہ! عمر کے دل میں جو کچھ میل ہے اس کو نکال دے اور اس کی جگہ ایمان بھر دے۔"

غالباً اس موقعہ پر حضرت خباب اور حضرت سعید حضرت عمر کے ساتھ مکان کے اندر نہیں گئے تھے ورنہ وہ حضرت عمرؓ کے اسلام کی خوش خبری فوراً ہی سنا دیتے۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب حضرت عمر نے دروازے پر دستک دی اور اندر کے لوگوں نے ان کی آواز سنی تھی اندر سے ایک شخص اٹھا اور اس نے دروازے کی جھریوں سے باہر جھانکا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ ننگی تلوار لٹکائے کھڑے ہیں۔ اس وقت ان کی نظر حضرت خبابؓ اور حضرت سعیدؓ پر نہیں پڑی جو حضرت عمر کے ساتھ تھے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ شخص آنحضرت ﷺ کے پاس واپس آیا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں عرض کیا۔

"یارسول اللہ باہر عمر ابن خطاب ننگی تلوار لٹکائے کھڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے شر سے محفوظ رکھے۔"

اس پر حضرت حمزہؓ نے کہا۔

"ان کو اندر آنے دو۔ اگر وہ خیر اور بھلائی کے ارادے سے آئے ہیں تو ہم بھی یہی معاملہ کریں گے۔ لیکن اگر وہ کسی برائی کے ارادہ سے آئے ہیں تو ہم ان کو ان ہی کی تلوار سے قتل کر دیں گے۔"

ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا۔

"اگر وہ خیر کے ارادے سے آئے ہیں تو ہم ان کا استقبال کریں گے اور اگر برائی کی نیت سے آئے ہیں تو ان کو قتل کر دیں گے۔"

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر عمر اچھی نیت سے آئے ہیں تو سلامتی پائیں گے اور اگر کسی اور نیت سے آئے ہیں تو ان کو قتل کر دینا مشکل نہیں ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ان کو آنے دو۔ جب وہ اندر آئے تو آنحضرت ﷺ اٹھ کر ان کی طرف بڑھے اور مکان کے صحن میں ہی ان کو جالیا۔ آپ ﷺ نے ان کو شانے سے پکڑ کر بہت زور سے بھینچا اور فرمایا۔

تم کس لئے آئے ہو عمر۔ نہ جانے تم یہ سب کب ختم کرو گے۔ کیا اس وقت جبکہ اللہ تعالیٰ تم پر قیامت نازل فرمادے۔!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے ان کا دامن اور تلوار کا میان پکڑ کر فرمایا۔

"عمر! کیا تم یہ کفر و گمراہی اس وقت چھوڑو گے جب کہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ہی رسوائی اور تباہی نازل فرمائے جیسی ولید ابن مغیرہ پر نازل فرمائی ہے!"

واضح رہے کہ یہ ولید ابن مغیرہ آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑانے والوں میں سے ایک تھا جیسا کہ بیان ہوا حضرت عمر نے اس پر عرض کیا۔

"یارسول اللہ! میں اس لئے آیا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

<u>عمرؓ کے اسلام پر آنحضرت ﷺ کی پر مسرت تکبیر</u>...... ایک روایت کے مطابق انہوں نے کلمہ پڑھا اور اس میں یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اتنی بلند آواز سے تکبیر کہی کہ اس کو حرم میں بیٹھے ہوئے لوگوں تک نے سنا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر آئے تو دروازہ کے پاس حضرت بلال بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا کون ہے؟ کہا۔ عمر ابن خطاب۔ اس پر بلالؓ نے کہا۔

"ٹھہرو۔ میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لوں۔"

پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے بتلایا کہ دروازے پر عمر ابن خطاب ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا ہے تو اس کو اسلام میں داخل فرمائے گا۔ پھر حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ دروازہ کھول دو۔ جب حضرت عمر اندر آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کا بازو پکڑ کر ہلایا۔ حضرت عمر آنحضرت ﷺ کی ہیبت سے کانپنے لگے اور بیٹھ گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کا دامن پکڑ کر جھٹکا دیا۔ حضرت عمر ہیبت کی وجہ سے ایک دم گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"یہ عمر ابن خطاب ہیں۔ اے اللہ! عمر ابن خطاب کے ذریعہ اسلام کو سر بلند فرما۔ تم کیا چاہتے ہو۔ اور کس لئے آئے ہو؟"

حضرت عمر نے عرض کیا۔

"آپ جس چیز کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں وہ میرے سامنے بھی پیش کیجئے۔"

آپ نے فرمایا کہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد۔ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ حضرت عمر نے یہ کلمے کہے اور مسلمان ہو گئے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہ بات اس تفصیل کے خلاف نہیں ہے جو پہلے بیان ہوئی کہ حضرت عمر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہونے سے پہلے اپنی بہن کے گھر میں ہی کلمہ شہادت پڑھ چکے تھے۔ ادھر یہاں حضرت عمرؓ نے ایک جگہ تو یہ کہا کہ میں جب آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تو وہاں لوگ میرے مسلمان ہونے سے واقف نہیں تھے اور پھر آنحضرت ﷺ سے یہ عرض کیا کہ میں آپ پر ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ میں آپ کے اور آپ کے صحابہ کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کرنے آیا ہوں۔ اسی پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عمر اسلام قبول کرو۔

پھر حضرت عمر کا آنحضرت ﷺ سے یہ کہنا کہ میرے سامنے وہی چیز پیش فرمائیے جس کی طرف آپ لوگوں کو بلاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غالباً "حضرت عمرؓ یہ سمجھتے تھے کہ۔ جو کلمے اپنی بہن کے یہاں میں کہہ چکا ہوں شاید صحیح مسلمان ہونے کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور کلمہ کہنا ضروری ہو گا۔ واللہ اعلم۔

پھر حضرت عمر کہتے ہیں۔

<u>حضرت عمرؓ کی دلیرانہ خواہش</u>...... میری خواہش تھی کہ میرے اسلام کا سب لوگوں میں اعلان ہو جائے اور میں بھی ان ہی مصیبتوں اور تکلیفوں کا شکار ہوں جس سے دوسرے سب مسلمان دوچار ہیں۔ چنانچہ میں اپنے ماموں یعنی ابو جہل کے پاس گیا جو قریش کا بڑا معزز آدمی تھا اور میں نے اس کو بتلایا کہ میں بے دین ہو گیا ہوں۔"

<u>ابو جہل کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان</u>...... ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا۔

جب میں مسلمان ہوا تو مجھے خیال آیا کہ مکے والوں میں آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا دشمن ابو جہل ہے لہذا مجھے

اسی کو جاکر یہ خبر دینی چاہئے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ چنانچہ میں ابو جہل کے پاس گیا اور دروازے پر دستک دی۔ اس نے پوچھا کون ہے۔ میں نے کہا عمر ابن خطاب! وہ فوراً باہر نکل کر آیا اور کہنے لگا۔

"مرحبا۔ خوش آمدید بھانجے! کیسے آئے!"

میں نے کہا

"میں تمہیں ایک خوش خبری سنانے آیا ہوں۔"

ابو جہل نے پوچھا 'وہ کیا ہے۔ میں نے کہا

"میں اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں۔ اور جو کچھ وہ لے کر آئے اس میں سے اس کی تصدیق کر دی ہے۔"

ابو جہل نے یہ سنتے ہی غصے سے ایک دم بڑے زور سے دروازہ بند کر لیا اور چلا کر بولا۔

"خدا تیرا اور اس خبر کا ناس کرے۔"

ابو جہل حضرت عمر کا موماں تھا۔ حضرت عمر کی والدہ ابو جہل کی بہن تھیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ابو جہل حضرت عمر کی والدہ کا ماموں تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی والدہ ابو جہل کی چچازاد بہن تھیں۔ اسی بات کو علامہ ابن عبد البر نے صحیح کہا ہے۔ یعنی ماں کے سب داد ھیال والے بیٹے کے ننہال والے ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کی مصیبتوں میں شرکت کی آرزو...... غرض حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں قریش کے ایک اور معزز سردار کے پاس پہنچا اور اس کو بھی یہی اطلاع دی کہ میں بے دین ہو گیا ہوں۔ مگر ان دونوں نے میرے ساتھ کوئی سختی نہیں کی۔ آخر ایک شخص نے مجھ سے کہا۔

"کیا تم چاہتے ہو کہ لوگوں کو تمہارے مسلمان ہونے کی خبر ہو جائے ؟"

میں نے کہا۔ "ہاں!" اس نے کہا۔

"جب قریش کے لوگ حجر اسود کے پاس بیٹھیں اور سب جمع ہو جائیں تو تم فلاں شخص کے پاس جانا۔ وہ شخص کوئی راز چھپا نہیں سکتا اور اس سے رازداری کے ساتھ بتلانا کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے۔"

یہ شخص حضرت جمیلی ابن معمر تھے۔ یہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوہ حنین میں شریک ہوئے تھے۔ ان کا لقب ذی القلبین تھا یعنی دو دلوں والا۔ ان ہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

مَاجَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ پ ۲۱ سورہ احزاب ع ۱ آیۃ ۴

ترجمہ :- اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔

کفار کو اطلاع...... انہوں نے حضرت عمر کے خلافت کے زمانے میں وفات پائی۔ حضرت عمرؓ ان کی وفات پر بہت زیادہ غم گین اور اداس رہے۔

غرض حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ جب حجر اسود کے پاس سب قریشی جمع ہو گئے تو میں اسی شخص کے پاس گیا۔ پھر میں نے اس کے بالکل قریب بیٹھ کر آہستہ سے بتلایا کہ میں نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ بڑی زور سے چیخ چیخ کر کہنے لگا۔

"لوگو سنو۔ عمر ابن خطاب بھی بے دین ہو گیا۔!"

عمر فاروقؓ کے ساتھ قریش کی بد سلوکی...... (یہ سنتے ہی سب لوگ جمع ہوگئے اور) پھر سب مجھے مارنے لگے اور میں بھی ان کو مارنے لگا۔ اسی وقت میرا ماموں یعنی ابو جہل حجر اسود کے پاس کھڑا ہوا اور اس نے اپنی آستین کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"لوگو۔ خبردار! میں اپنے بھانجے کو پناہ دیتا ہوں۔"

ابو جہل کی پناہ اور فاروق اعظمؓ کا انکار...... یہ سنتے ہی لوگ میرے پاس سے ہٹ گئے۔ اس واقعہ کے بعد چونکہ ابو جہل نے مجھے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔ اس لئے اب میں دیکھتا کہ مشرکین سب مسلمانوں پر مظالم کرتے اور ان کو مارتے ہیں مگر مجھے کوئی کچھ نہیں کہتا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ پناہ وغیرہ سب بے کار چیز ہے کہ سب مسلمانوں کو ستایا جا رہا ہے اور مجھے کوئی کچھ نہیں کہتا۔ چنانچہ میں لوگوں کے دوبارہ حجر اسود کے پاس جمع ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ جب سب لوگ وہاں پہنچ گئے تو میں اپنے ماموں ابو جہل کے پاس آیا اور اس سے بولا۔

"تمہاری دی ہوئی پناہ تمہیں ہی مبارک!"

اس نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بھانجے! ایسا مت کرو!"

میں نے کہا کہ نہیں ایسا ہی ہوگا۔ (اور اس طرح سب کے سامنے حضرت عمر نے اس کی پناہ اس کو لوٹا دی۔ جب قریش کو معلوم ہو گیا کہ اب عمر پھر بے سہارا ہو گئے ہیں تو ان کے ہاتھ آزاد ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں)

"اس کے بعد میں ہمیشہ پٹتا بھی رہا اور پیٹتا بھی رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو سر بلند کر دیا۔" سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب کہ لوگ حضرت عمرؓ کو مار رہے تھے اور حضرت عمر ان کو مار رہے تھے کہ اچانک ایک قریشی بوڑھا سردار وہاں آیا جو ایک اونی حلہ اور حاشیہ دار قمیص پہنے ہوئے تھا۔ وہ آکر لوگوں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ یہ عاص ابن وائل تھا۔ اس نے لوگوں سے کہا۔

"تمہارا ناس ہو۔ یہ کیا ہو رہا ہے!"

لوگوں نے کہا کہ عمر بے دین ہو گیا ہے۔ اس پر عاص نے کہا

"وہ آزاد ہے اس نے اپنے لئے جو چاہا پسند کر لیا۔ اب تم کیا چاہتے ہو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس طرح بنی عدی ابن کعب اپنے آدمی کو تمہارے حوالے کر دیں گے۔ اس کو فوراً چھوڑ دو۔!"

یہ سنتے ہی لوگ حضرت عمر کو چھوڑ کر کائی کی طرح چھٹ گئے۔

عمر فاروق دشمنوں کے نرغے میں...... بخاری میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو لوگ ان کے مکان کے پاس جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ عمر بے دین ہو گیا۔ اس وقت جبکہ عمرؓ اپنے مکان میں چھپے ہوئے تھے کہ ان کے پاس عاص ابن وائل آیا اور بولا کہ کیا بات ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔

"تمہاری قوم کہتی ہے کہ چونکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اس لئے وہ مجھے قتل کر دیں گے۔"

عاص نے کہا

"تمہیں امان ہے۔ کوئی شخص تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

اس کے بعد عاص باہر گیا اور لوگوں سے ملا۔ اس وقت یہاں پوری وادی میں لوگوں کے ٹھٹ کے

ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ عاص نے لوگوں سے کہا۔

"تم لوگ کہاں جا رہے ہو!"

لوگوں نے کہا

"ہم اسی عمر ابن خطاب سے نمٹنے جا رہے ہیں جو بے دین ہو گیا ہے۔"

عاص نے کہا

"اس کو اب کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں اس کو پناہ دے چکا ہوں۔"

یہ سنتے ہی لوگ وہاں سے چھٹ گئے اور اپنے اپنے گھروں کو ہو لئے۔

فاروق اعظمؓ کے ہاتھوں عتبہ کی پٹائی...... ایک روایت میں ہے کہ عتبہ ابن ربیعہ حضرت عمر پر جھپٹا مگر حضرت عمر نے اس کو اچھال کر زمین پر پھینک دیا اور اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کو مارنے لگے۔ انہوں نے اس کی آنکھوں میں اپنی انگلیاں گاڑ دیں۔ عتبہ چیخنے لگا جو شخص بھی عتبہ کی مدد کے لئے قریب آتا تھا حضرت عمر اپنے ہاتھوں سے اس کو ڈھکیل دیتے تھے۔

فاروق اعظم کو نبوت کے اعجاز کا مشاہدہ...... حضرت عمرؓ سے اپنے اسلام کے متعلق ایک اور روایت ہے جس میں ہے کہ ایک دن میں آنحضرت ﷺ کا مقابلہ کرنے کے لئے گھر سے نکلا۔ اس وقت تک میں مسلمان نہیں ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ مجھ سے پہلے ہی مسجد حرام میں پہنچ چکے ہیں (اور نماز پڑھ رہے ہیں) میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا آپ نے سورہ حاقہ پڑھنی شروع کی۔ میں قرآن پاک کے انداز بیان پر حیران ہوا اور دل میں کہنے لگا۔

"جیسے قریش کے لوگ کہتے ہیں یہ شخص تو واقعی شاعر ہے۔"

اسی وقت آنحضرت ﷺ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ پ ۲۹ سورہ حاقہ ع ۲ آیت ۴۱

ترجمہ :- کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا یس جس پر آیا وہ ضرور رسول ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں مگر تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔

حضرت عمر کہتے ہیں یہ آیت سن کر میں نے دل میں کہا۔

یہ تو کاہن بھی ہے کہ میرے دل کی بات جان گیا۔

اسی وقت آپ نے یہ آیتیں پڑھیں۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ آخر سورت تک پ ۲۹ سورہ حاقہ ع ۲ آیت ۴۲

ترجمہ :- اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے جیسا بعض کفار آپ کو کہتے تھے تم بہت کم سمجھتے ہو۔

اس وقت پوری طرح اسلام میرے دل میں گھر کر گیا۔

اسی طرح سیرت ابن ہشام میں حضرت عمر سے روایت ہے کہ ایک دن میں حرم میں طواف کرنے کے ارادے سے آیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ جب نماز پڑھا کرتے تھے تو ملک شام کی طرف منہ کر لیا کرتے تھے۔ یعنی بیت المقدس کے پتھر کی طرف، لیکن اس طرح کہ آپ کعبے کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان کر لیا کرتے تھے۔ اس طرح آپ کی نماز کی جگہ حجر اسود اور رکن

یمانی کے درمیان ہوا کرتی تھی کیونکہ اس کے بغیر بیت المقدس کا سامنا نہیں ہوتا تھا۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

"غرض حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر میں نے دل میں کہا کہ آج کی رات تو میں بھی محمد کا کلام سن سکوں گا کہ یہ کیا کہتے ہیں۔"

پھر میں نے سوچا کہ اگر میں ان کے قریب گیا تو یہ میری سرسراہٹ سن لیں گے۔ اس لئے میں حجر اسود کی سمت سے گیا اور کعبے کے غلاف کے اندر چھپ کر آہستہ آہستہ آپ کے قریب سرکنے لگا، آپ اسی طرح نماز میں مشغول تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اسی وقت پڑھا۔ الرحمٰن۔ اس وقت میں رسول اللہ کے بالکل سامنے تھا صرف کعبے کا غلاف مجھے چھپائے ہوئے تھا۔ اب جب میں نے قرآن پاک سننا شروع کیا تو میرا دل پگھلنے لگا میں رو پڑا اور میرے دل میں اسلام اتر گیا۔ میں اسی طرح اپنی جگہ کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پوری فرمائی اور اس کے بعد وہاں سے واپس تشریف لے گئے۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ آپ نے میرے پیروں کی چاپ سن لی مگر آپ یہ سمجھے کہ میں آپ کو ستانے کے لئے آپ کا پیچھا کر رہا ہوں۔ آپ نے ایک دم مجھے ڈانٹا اور پھر فرمایا۔

"ابن خطاب! تم اتنی رات گئے کس لئے آرہے ہو؟"

میں نے عرض کیا

"میں آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان لانے کے لئے آیا ہوں۔"

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ ایک رات مجھے نیند نہ آئی تو میں گھر سے نکل کر حرم میں آیا اور کعبے کے غلاف میں داخل ہو گیا۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ آکر حجر اسود کے پاس نماز پڑھنے لگے۔ اس وقت میں نے ایسا کلام سنا جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ چنانچہ جب آپ چلے تو میں آپ کے پیچھے ہو لیا۔ جب آپ نے رک کر پوچھا کون ہے اور معلوم ہوا کہ میں ہوں تو آپ نے فرمایا۔

"اے عمر! تم مجھے نہ رات کو چھوڑتے ہو اور نہ دن کو!"

یہ سن کر مجھے ڈر ہوا کہ کہیں آپ میرے لئے بددعا نہ فرمادیں اس لئے میں نے فوراً کلمہ شہادت پڑھ دیا۔ تب آپ نے مجھ سے پوچھا۔

"اے عمر! کیا تم اپنے اسلام کو چھپانا چاہتے ہو؟"

میں نے عرض کیا۔

"نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا کہ میں اپنے اسلام کا بھی اسی طرح کھلے عام اعلان کروں گا جیسے اپنے شرک کا کیا کرتا تھا۔"

اس پر آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے عمر۔"

اس کے بعد آپ نے میرے سینے پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے ثابت قدمی کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا اور آنحضرت ﷺ اپنے مکان میں تشریف لے گئے۔

اس سلسلے میں یہ کئی روایتیں بیان ہوئی ہے۔ اگر یہ سب صحیح ہیں تو ان کے درمیان موافقت پیدا کئے جانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر ہیثمی نے اس بارے میں لکھا ہے کہ ان روایتوں میں موافقت اس

طرح ممکن ہے کہ یہ واقعات ایک سے زائد مرتبہ مختلف انداز میں حضرت عمر کے اسلام لاتے سے پہلے پیش آئے ہوں گے۔ یہاں تک علامہ ہیثمی کا کلام ہے۔ لیکن بہر حال یہ قابل غور ہے۔

فاردق اعظم کے قبول اسلام کی ایک دوسری روایت...... اس سلسلے میں ایک روایت دوسری ہے کہ ایک مرتبہ ابو جہل ابن ہشام نے لوگوں سے کہا۔

"اے گروہ قریش! محمد ﷺ تمہارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں اور تمہیں بے عقل ٹھہراتے ہیں نیز تمہارے بزرگوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں۔ اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ جو شخص محمد کو قتل کرے گا میری طرف سے وہ ایک سو سرخ و سیاہ اونٹوں اور ایک ہزار اوقیہ چاندی کے انعام کا حقدار ہو گا۔"

ایک رویات میں اس طرح ہے کہ۔

"جو شخص محمد کو قتل کرے اس کو اتنے اوقیہ سونا اور اتنے اوقیہ چاندی دینے اور اتنے اتنے اوقیہ مشک، اتنے تھان قیمتی کپڑے کے اور اس کے علاوہ دوسری بہت سی چیزیں دینے کا اعلان کرو۔"

یہ سن کو مجمع میں سے حضرت عمر کھڑے ہوئے اور بولے۔

"اس انعام کا حقدار میں بنوں گا۔"

لوگوں نے کہا۔ بے شک عمر اگر تم ان کو قتل کردو تو یہ انعام تمہارا ہو گا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے اس بارے میں ان سے باقاعدہ عہد لیا۔

حضرت عمر کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ننگی تلوار اپنے مونڈھے سے لٹکا کر گھر سے روانہ ہوا اور آنحضرت ﷺ کے مکان کی طرف چلا۔ راستے میں میں ایک جگہ سے گزرا جہاں ایک مینڈھا ذبح کیا جارہا تھا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ اس مینڈھے کے پیٹ میں سے آواز آرہی ہے۔

"اے آل ذریح۔ یعنی اے ذبیح کی اولاد۔ پکارنے والا پکار رہا ہے اور صاف الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ وہ تمہیں لاالہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی شہادت دینے کی دعوت دیتا ہے۔!"

یہ آواز سن کر میں نے اپنے آپ سے کہا۔

"اس معاملے میں صرف تیری ہی طرف اشارہ ہے!"

ذریح ذبح شدہ مینڈھے کو کہا جاتا ہے اس کو ذریح خون کی وجہ سے کہا جاتا ہے کیونکہ ذریح کے معنی تیز سرخی کے ہیں اور خون بھی گہرا سرخ ہوتا ہے کیونکہ عربی میں کہا جاتا ہے۔ احمر ذریحی۔ یعنی گہرا سرخ۔

اس کے بعد حضرت عمر ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو مسلمان ہو چکا تھا لیکن اپنی قوم کے ڈر سے اپنے اسلام کو چھپاتا تھا۔ ان کا نام نعیم تھا یعنی نعیم ابن عبد اللہ نحام۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے انہوں نے حضرت عمر سے کہا۔

"کہاں کا ارادہ ہے اے ابن خطاب؟"

میں نے کہا۔

"اسی بے دین کے پاس جارہا ہوں جس نے قریش میں پھوٹ ڈال دی ہے، جو ان کو بے عقل بتلاتا ہے اور ان کے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے۔ میں اس کو قتل کرنے جارہا ہوں۔"

نعیم نے یہ سن کر کہا۔

" خدا کی قسم تم اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ بنی عبد مناف یعنی آنحضرت ﷺ کے خاندان والے تمہیں محمد کو قتل کر دینے کے بعد زمین پر چلنے پھرنے کے لئے زندہ چھوڑ دیں گے۔ اور پہلے تو تم اپنے گھر جا کر اپنے گھر والوں کو ہی سنبھال لو۔!"

حضرت عمر نے پوچھا میرے کون گھر والے۔ انہوں نے کہا۔

" تمہارے بہنوئی اور چچازاد بھائی سعید ابن زید ابن عمر و ابن نفیل اور تمہای بہن۔ جو دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ لہٰذا پہلے ان کی خبر لو۔!"

حضرت نعیم نے اس لئے کیا کہ حضرت عمر کی توجہ ہٹا دیں اور وہ آنحضرتؐ کو کوئی اذیت نہ پہنچا سکیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمر سے راستے میں جس شخص کی ملاقات ہوئی تھی وہ حضرت سعد ابن ابی وقاص تھے۔ انہوں نے حضرت عمر کو دیکھ کر پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو۔ حضرت عمر نے کہا۔ محمد کو قتل کرنے۔ اس پر حضرت سعدؓ نے کہا۔

" تمہاری حیثیت ہی کیا ہے کہ تم ان کو قتل کر سکو۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ تم محمد کو قتل کر دو گے اور بنی عبد مناف تمہیں زندہ چھوڑ دیں گے!"

حضرت عمر نے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں تو بھی ضرور بے دین ہو گیا ہے! اس لئے پہلے تیرا ہی کام تمام کرتا ہوں۔"

حضرت سعد نے یہ سنتے ہی فوراً" زور سے کلمہ شہادت پڑھا۔ حضرت عمر نے اسی وقت تلوار سونت لی۔ ادھر حضرت سعد نے بھی تلوار میان سے کھینچ لی اور دونوں ایک دوسرے پر وار کرنے کیلئے تاکنے لگے۔ اچانک حضرت سعد نے حضرت عمر سے کہا۔

"عمر تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم یہ معاملہ اپنے بہن بہنوئی کے ساتھ کیوں نہیں کرتے۔

حضرت عمر نے پوچھا کیا وہ بھی بے دین ہو گئے ہیں؟ سعد نے کہا۔ "ہاں!"۔ اب حضرت عمر ان کو چھوڑ کر فوراً" اپنے بہن بہنوئی کے گھر کی طرف چلے۔ اب ممکن ہے حضرت عمر کو راستے میں حضرت نعیم اور حضرت سعد دونوں ہی ملے ہوں اور دونوں ہی نے ان کو یہ خبر دی ہو۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت عمر کو اپنے بہن بہنوئی کے پاس حضرت خباب بھی ملے ان کے ہاتھ میں قرآن پاک کے اوراق تھے اور وہ ان کے سامنے سورہ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر نے دروازے پر دستک دی اور ان لوگوں نے حضرت عمر کے پاؤں کی چاپ سنی تو حضرت خباب ایک دم چھپ گئے اور قرآن پاک کے اوراق جلدی میں وہیں چھوڑ گئے۔ حضرت عمر اندر داخل ہوئے تو انہوں نے پوچھا۔

" یہ گنگناہٹ کیسی تھی جو میں نے سنی؟"

ان کی بہن نے کہا

"ہم باتیں کر رہے تھے تم نے صرف وہی آواز سنی ہو گی۔"

حضرت عمر نے اپنے بہن اور بہنوئی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ خدا کی قسم مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں نے اسلام پر محمد سے بیعت کر لی ہے!"

اس کے بعد انہوں نے اپنے بہنوئی کو مارا اور انکو زمین پر گرا کر انکے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور ان کی داڑھی پکڑ کر کھینچنی شروع کی۔ اسی وقت ان کی بہن اپنے شوہر کو بچانے کے لئے بھائی کو پکڑنے لگیں۔ حضرت عمر نے بہن کے بھی ایک ہاتھ مارا جس سے ان کے زخم آگیا۔ اب جب انہوں نے خون دیکھا تو حضرت عمر سے کہا۔

"اے خدا کے دشمن! تو مجھے اس وجہ سے مار رہا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو ایک کہتی ہوں۔ ہاں۔ میں کھلے بندوں کہتی ہوں کہ میں مسلمان ہو گئی ہوں۔ اور جو کچھ تم کر سکتے ہو کر لو!"

اب جب حضرت عمر نے بہن کا خون دیکھا اور اپنے ہاتھوں بہنوئی کی حالت دیکھی تو ان کو ندامت و شرمندگی ہوئی۔ پھر وہ بہن سے بولے۔

"مجھے یہ اوراق دو تاکہ میں بھی دیکھوں کہ محمد جو پیغام لے کر آئے ہیں وہ کیا ہے!"

حضرت عمر خود بھی لکھے پڑھے تھے ان کی بہن نے کہا کہ ہمیں ڈر ہے تم ان اوراق کو ضائع نہ کر دو۔ اس پر حضرت عمر نے پڑھ کر واپس کر دینے کا وعدہ کیا۔ اب ان کی بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو۔ اس پر حضرت عمر اٹھ کر غسل کرنے گئے۔ اسی وقت حضرت خباب نکل کر آئے اور ام جمیل سے بولے۔

"کیا تم اللہ کی کتاب عمر کے ہاتھ میں دے رہی ہو حالانکہ وہ کافر ہیں!"

انہوں نے کہا

ہاں۔ میری آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی کو ہدایت عطا فرمادے۔"

اس کے بعد حضرت خباب واپس جا کر چھپ گئے اور حضرت عمر اندر آئے۔ ام جمیل نے ان کو اوراق دیئے حضرت عمر پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہنچے۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فَتَرْدٰى پ ۱۶ سورہ طٰہٰ ع ۱ آیت ۱۶

ترجمہ :- سو تم کو قیامت سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پائے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتا ہے کہیں تم اس بے فکری کی وجہ سے تباہ نہ ہو جاؤ۔

یہ آیت پڑھتے ہی حضرت عمر نے کلمۂ شہادت پڑھا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر نے اللہ کا کلام پڑھا تو کہنے لگے۔

"کتنا عمدہ اور پاکیزہ کلام ہے یہ!"

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب حضرت عمر اس آیت پر پہنچے۔

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا ۔ فَاعْبُدْنِيْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ پ ۱۶ سورہ طٰہٰ ع ۱ آیت ۱۴

ترجمہ :- وہ یہ ہے کہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو۔ حضرت عمر نے کہا۔

"جس کا یہ کلام ہے وہ اسی کا حقدار ہے کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت نہ کی جائے۔"

حضرت خباب نے جیسے ہی حضرت عمر کا یہ جملہ سنا وہ ایک دم باہر نکل آئے اور بولے۔

"اے عمر! میری آرزو ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو دعا فرمائی تھی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہی چنا ہو۔ کل میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا فرماتے ہوئے سنا ہے کہ۔ اے اللہ ابوالحکم ابن ہشام یا عمر ابن خطاب کے ذریعہ اسلام کو مضبوط فرما۔ اللہ اللہ اے عمر!"

اسی وقت حضرت عمر نے خباب سے کہا کہ مجھے آنحضرت ﷺ کے پاس لے چلو تاکہ میں مسلمان ہو جاؤں۔ یعنی آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کے سامنے بھی مسلمان ہونے کا اقرار کروں۔ للذا اب گذشتہ روایت کے اس لفظ سے کوئی شبہ نہیں ہوتا کہ وہ بہن کے یہاں ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ غرض حضرت خباب نے ان کو آنحضرت ﷺ کا پتہ بتلایا اور حضرت عمر آنحضرت ﷺ کے پاس چلے گئے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس سلسلے میں دو روایتیں بیان ہوئی ہیں۔ چونکہ واقعہ ایک ہی ہے اس لئے ان دونوں میں موافقت ممکن ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے حضرت عمر کے بہن کے یہاں جانے کا واقعہ دوبار تو پیش آیا نہیں۔ للذا شاید پہلے تو عمر کے بہنوئی، حضرت خباب اور ان کے ساتھی کے ساتھ خود بھی چھپ گئے تھے لیکن پھر سامنے آگئے اور تب حضرت عمر نے بہن اور بہنوئی دونوں کو مارا۔ پہلی روایت میں صرف بہن کا ذکر ہے (جبکہ دوسری روایت میں دونوں کا ذکر ہے)۔

جہاں تک قرآن پاک کے اوراق کا تعلق ہے تو ظاہر ہے وہ کئی تھے۔ اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں کہ ایک میں سبع لله ما فی السموات والارض تھا اور دوسرے میں سورہ طہٰ تھی۔ پہلی روایت میں صرف سبح لله کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسری روایت میں سورہ طہٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی روایت میں یہ بھی ہے کہ عمر مسلمان ہو گئے اور دوسری میں یہ لفظ نہیں ذکر کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

اسلام عمر پر مشرکوں کا ملال...... حضرت ابن عباسؓ سے ہی ایک اور روایت ہے کہ جب حضرت عمر مسلمان ہوئے تو مشرکوں نے کہا کہ ہماری قوم کے دو ٹکڑے ہو گئے حضرت ابن عباسؓ سے ہی ایک روایت یہ ہے کہ جب حضرت عمر مسلمان ہوئے تو جبرئیلؑ رسول اللہ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"اے محمد! آسمان والوں کو عمر کے مسلمان ہونے کی خوش خبری دی گئی ہے۔"

عمر فاروقؓ کے ذریعہ اسلام کی سر بلندی...... (قال) بخاری میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب سے حضرت عمر مسلمان ہوئے ہم مسلمان سر بلند ہو گئے۔ بعض نے اسی روایت میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ابن مسعود نے فرمایا۔ حضرت عمر کے مسلمان ہونے سے پہلے ہم کھلے بندوں کعبے کے پاس اطمینان سے نماز بھی ادا نہیں کر سکتے تھے۔ مگر حضرت عمر نے مسلمان ہونے کے بعد مشرکوں کا مقابلہ کیا آخر ان لوگوں نے رکاوٹ ڈالنی چھوڑ دی اور ہم اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے جس میں بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے حالانکہ اس سے پہلے مسلمان آہستہ آہستہ قرآن پاک پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ پیچھے بھی بیان ہوا ہے۔

حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے تو ہم لوگ آزادی کے ساتھ کعبے کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھنے لگے۔

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ۔ اپنے صحابہ کے ساتھ اس وقت تک دار ارقم میں پوشیدہ رہے جب تک کہ حضرت عمرؓ کے ذریعہ مسلمانوں کے تعداد چالیس تک پوری نہیں ہو گئی۔ اس کے بعد مسلمان دار ارقم سے نکل آئے۔ اس سلسلے میں جو اشکال ہے وہ بیان ہو چکا ہے۔

فاروق اعظمؓ کے اقوال زریں...... حضرت عمرؓ کے جو قول مشہور ہیں ان میں چند یہ ہیں۔

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرا وہ محفوظ رہا۔ جس نے اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہو گیا۔ سردار وہ ہے جو مانگنے پر سخاوت کا مظاہرہ کرے۔ بردبار وہ ہے وہ جو جاہل سمجھے جانے پر بردباری کا مظاہرہ

کرے۔ سب سے زیادہ بدنصیب حاکم وہ ہے جس کے ساتھ اس کی رعیت شقاوت کا معاملہ کرے۔ سب سے زیادہ عادل آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ عذر قبول کرے۔

مختصر تاریخ الخلفاء میں علامہ ہیثمی نے لکھا ہے کہ یہ دعا سب سے پہلے حضرت عمر نے دی ہے۔

اَطَالَ اللّٰہ تَعَالیٰ بَقَاکَ وَ اَیَدَکَ اللّٰہ

ترجمہ :-اللہ تعالیٰ تیری عمر میں برکت عطا فرمائے اور تیری دستگیری فرمائے۔

یہ دعا حضرت عمر نے حضرت علی کو دی تھی۔ حضرت عمر ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے شہروں میں قاضی متعین کئے۔

حضرت ارقم ابن ارقم...... حضرت ارقم ابن ارقم کے بارے میں (جن کے مکان میں آنحضرت ﷺ اور مسلمان پوشیدہ ہوئے تھے) کہا جاتا ہے کہ ہجرت کے بعد جب یہ مدینے میں رہتے تھے تو ایک دفعہ انہوں نے بیت المقدس جانے کی تیاری کی تاکہ وہاں پہنچ کر نماز پڑھیں۔ جب یہ سفر کی تیاری کر چکے تو آنحضرت ﷺ کے پاس رخصت ہونے کے لئے آئے۔ آپ نے ان سے پوچھا۔

"تم مدینہ چھوڑ کر کس لئے جا رہے ہو۔ کسی ضرورت سے یا تجارت کے سلسلے میں؟"

انہوں نے جواب دیا

"نہیں یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ میں بیت المقدس میں نماز پڑھنے کے لئے جانا چاہتا ہوں۔"

آپ نے فرمایا

"سوائے مسجد حرام کے باقی تمام مسجدوں کے مقابلے میں میری مسجد میں نماز پڑھنا ایک ہزار گنا زیادہ افضل ہے۔"

یہ سن کر حضرت ارقم بیٹھ گئے اور انہوں نے بیت المقدس جانے کا ارادہ ختم کر دیا۔

جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ ان کے جنازے کی نماز حضرت سعد ابن وقاص پڑھائیں۔ مگر جب حضرت ارقمؓ کا انتقال ہوا تو اس وقت حضرت سعدؓ عقیق گئے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر مروان نے کہا۔

ایک غائب آدمی کے انتظار میں رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی کے جنازے کو نہیں روکا جا سکتا۔"

یہ کہہ کر اس نے خود نماز پڑھانے کا ارادہ کیا مگر حضرت ارقم کے بیٹے نے مروان کو نماز پڑھانے سے روک دیا اس پر دونوں کے درمیان تکرار ہونے لگا۔ مگر پھر حضرت سعدؓ تشریف لے آئے اور انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

فاروق لقب کی وجہ فاروق اعظم کی زبانی...... حضرت عمرؓ سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے فاروق کا لقب کیوں دیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔

جب میں مسلمان ہوا تو آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ مشرکوں سے پوشیدہ رہتے تھے۔ میں نے مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم موت اور زندگی دونوں حالتوں میں حق پر ہی ہیں۔"

آپ نے فرمایا۔

"بے شک۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے تم حق پر رہو گے چاہے مرو چاہے زندہ رہو۔"

حضرت عمرؓ کی جرات...... تب میں نے عرض کیا۔

"پھر ہم کس لئے چھپ رہے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو سچائی دے کر بھیجا۔ کہ وہ تمام مجلسیں جنمیں میں کفر کی حالت میں بیٹھا ہوں ان میں بغیر کسی کے خوف اور ڈر کے اب اپنے اسلام کا اعلان کروں گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا آپ یہاں سے باہر تشریف لے چلئے۔"

پھر ہم دو صفوں میں آپ کے ساتھ چلے ایک صف کے آگے حمزہ تھے اور ایک صف کے آگے میں تھا۔ اس مجمع کی وجہ سے ایسا غبار اڑ رہا تھا جیسے آٹے میں سے غبار اڑتا ہے۔ یعنی اس ہجوم کے قدموں کی وجہ سے زمین سے ہر چاپ پر غبار اڑ رہا تھا۔ غرض حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔

حرم میں کھلے بندوں طواف و نماز...... "آخر اسی طرح چلتے ہوئے ہم حرم میں داخل ہوئے۔ قریش کی جیسے ہی مجھ پر اور حمزہ پر نظر پڑی ان پر خوف اور بے بسی چھا گئی۔ آنحضرت ﷺ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور علی الاعلان ظہر کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ ﷺ اور آپ کے سب ساتھی واپس دار ارقم میں آگئے۔ اسی روز رسول اللہ نے مجھے فاروق کا لقب عطا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ حق اور باطل کے درمیان فرق فرما دیا تھا۔"

ایک دوسری روایت ہے اس میں بھی اسی طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ دو صفوں کے ساتھ نکلے جن میں ایک میں حمزہؓ تھے اور ایک میں حضرت عمرؓ تھے۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! آپ اپنے دین کو کیوں چھپاتے ہیں اس کو ظاہر فرمائیے۔"

ایک روایت میں حضرت عمرؓ کا یہ جملہ بھی ہے۔

"خدا کی قسم! آج کے بعد کبھی اللہ تعالیٰ کی عبادت چھپ کر نہیں کی جائے گی۔"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ مسلمانوں کے ساتھ دار ارقم سے نکلے۔ حضرت عمرؓ تلوار ہاتھ میں لئے آگے آگے تھے اور زور زور سے کہتے جاتے تھے لَا اِلٰہ الا اللّٰہ محمدٌ رَسول اللّٰہ۔ یہاں تک کہ سب حرم میں داخل ہو گئے۔ یہاں پہنچ کر حضرت عمرؓ نے قریش کو سناتے ہوئے زور سے کہا۔

"تم میں سے جس نے بھی اپنی جگہ سے حرکت کی تو میری تلوار اس کا فیصلہ کرے گی۔"

اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے طواف شروع کیا تو حضرت عمر آگے آگے رہے۔ مسلمانوں نے کعبے کے گرد نماز پڑھی اور سب نے بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کی جبکہ اس سے پہلے وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔

یہی روایت کتاب منتقل میں بھی ہے مگر اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک ظہر کی نماز فرض نہیں ہوئی تھی البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ظہر سے مراد وہ نماز ہو جو ظہر کی نماز کے وقت میں پڑھی تھی۔ غالباً یہاں وہی دو رکعت کی نماز مراد ہے جو آپ شام کو پڑھا کرتے تھے۔ ان کو آپ نے ظہر کے وقت میں پڑھا۔

مرد حق آگاہ...... حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کے متعلق میری خواہش حق تعالیٰ کی مراد کے مطابق نکلی۔ مثلاً میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک مرتبہ عرض کیا۔

"اگر ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالیں!" تو حق تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلًّى الآیہ پ ا سورہ بقرہ ع ۱۵ آیت ۱۲۵

ترجمہ :-اور مقام ابراہیم کو کبھی کبھی نماز پڑھنے کی جگہ بنالیا کرو۔

اسی طرح ایک مرتبہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! آپ کی بیویوں کے سامنے نیک اور فاجر ہر قسم کے لوگ جاتے ہیں اس لئے کیا اچھا ہو کہ آپ ان کو پردے کا حکم فرمادیں!" اس پر پردے کی آیت نازل ہوئی جو یہ ہے۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ الآیہ پ ۵ سورہ نساء ع ۲

ترجمہ :-اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو۔

اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات غیرت کی وجہ سے کچھ کہنے سننے لگیں تو میں نے ان سے کہا کہ تم کسی قسم کے غرور میں ہر گز مت رہنا اگر رسول اللہ ﷺ تم کو طلاق دے دیں تو تمہارے بدلے اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں رسول اللہ ﷺ کو دے دیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عَسٰى رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا الآیہ
پ ۲۸ سورہ تحریم ع ۱

ترجمہ :-اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دے گا جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں ہوں گی کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں۔

رسول اللہ ﷺ کی کسی بیوی نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ سے کہا تھا۔

"اے عمر! کیا رسول اللہ اپنی بیویوں کو وعظ و نصیحت نہیں فرماسکتے جو تم انہیں وعظ و نصیحت کرتے رہتے ہو۔!"

سردار منافقین ابن ابی کی نماز جنازہ اور عمر فاروقؓ...... حضرت عمرؓ نے ہی رسول اللہ ﷺ کو عبداللہ ابن ابی ابن سلول کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا تھا۔

بخاری شریف میں ہے کہ عبداللہ ابی کا انتقال ہوا تو اس کی بیٹے حضرت عبداللہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے آپ کی ایک قمیص مبارک مانگی تاکہ اس میں اپنے باپ کو کفنا سکیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو قمیص دے دی۔

اس روایت سے بیضاوی کی اس روایت کی مخالفت نہیں ہوتی جس میں ہے کہ جب ابن ابی (جو منافقوں کا سردار تھا) بیمار ہوا تو اس نے آنحضرت ﷺ کو اپنے یہاں بلایا جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو اس نے آپ سے درخواست کی کہ آپ اس کی مغفرت کی دعا فرمائیں اور اسے اپنے کسی ایسے کپڑے میں کفنائیں جو آپ کے بدن مبارک سے لگتا رہا ہو اور یہ کہ آپ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

جب اس کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے اپنا قمیص اس کے کفن کے لئے بھیجا۔ ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے ابن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ کے مانگنے کے بعد ہی اپنا قمیص بھجوایا ہو۔

کتاب کشاف میں ہے کہ یہاں اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ ابن ابی ایک منافق تھا۔ آنحضرت ﷺ کے

لئے یہ کیسے جائز تھا کہ آپ ایک منافق کا یہ اعزاز فرمائیں کہ اس کو کفنانے کے لئے اپنا قمیص بھیجیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے ایک نیک سلوک کے بدلے میں ایسا کیا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ غزوہ بدر میں قید ہوگئے تو ان کو پہنانے کے لئے کوئی کرتہ نہیں ملا کیونکہ حضرت عباسؓ بہت لمبے قد کے تھے (اور کسی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہیں آرہا تھا۔ اسی عبداللہ ابن ابی نے اس وقت اپنا کرتہ ان کو پہنایا تھا)

دوسرا جواب یہ ہے کہ قمیص بھیجنے میں بخل کرنا اور خاص طور پر اس وقت جبکہ آپ سے مانگا گیا تھا۔ آپ کی شان اور فیاضی کے خلاف تھا۔

معاہدہ حدیبیہ کے دن مشرکوں نے اس سے کہا تھا کہ ہم محمد کو مکے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے البتہ تم کو اجازت ہے۔ اس پر اس نے کہا۔

"نہیں۔ میرے لئے رسول اللہ کا اسوہ حسنہ یعنی پاک طریقہ ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے اس پر اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔ نیز یہ کہ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ کا اعزاز بھی مقصود تھا (جو ایک بلند مرتبہ صحابی اور سچے مسلمان تھے) ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن ابی غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ساتھ شریک تھا۔ اسی طرح معاہدہ حدیبیہ میں بھی اس کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔

غرض اس کے بعد ابن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ان کے باپ کی نماز جنازہ پڑھادیں۔ پھر انہوں نے کہا۔

"میری آپ سے یہ بھی درخواست ہے کہ آپ ان کی قبر کے پاس کچھ دیر کھڑے ہوں تاکہ دشمن ان کو گالیاں نہ دیں۔"

ان سے پہلے نماز جنازہ کے متعلق خود ابن ابی آپ سے کہہ چکا تھا۔ غرض رسول اللہ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی وقت حضرت عمرؓ اٹھے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کے کرتے کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا۔

"یارسول اللہ! کیا آپ اس شخص پر نماز پڑھنے جارہے ہیں جس کی نماز سے آپ کو آپ کے رب نے منع کیا ہے۔" آپ نے فرمایا "مجھے اس بارے میں اختیار دیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهم لآیہ پ ۱۰ سورہ توبہ ع ۱۰

ترجمہ :- آپ خواہ ان منافقین کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا۔

(تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر ستر مرتبہ بھی میں ان منافقوں کے لئے مغفرت مانگوں تب بھی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہیں فرمائے گا) تو میں ستر بار سے زیادہ مرتبہ ان کے لئے مغفرت مانگوں گا۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عمر نے عرض کیا کہ کیا آپ ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھیں گے حالانکہ اس نے فلاں دن یہ کہا تھا فلاں دن یہ کہا تھا۔ اس طرح حضرت عمر نے کئی باتیں گنوائیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ مسکرائے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں جب میں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا۔

"مجھے اختیار دیا گیا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہو کہ اگر میں ستر بار سے زائد ان کے لئے مغفرت مانگوں تو ان کی مغفرت ہو جائے گی۔ تو میں ستر بار سے بھی زائد مرتبہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا۔"

منافقین کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی استغفار فائدہ مند نہیں ...... اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ابن ابی کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ مگر اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے منافقوں کے متعلق یہ حکم نازل ہوا۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ

الآیۃ پ ۱۰ سورہ توبہ ع ۱۱

ترجمہ:- اور ان میں کوئی مر جائے تو اس کے جنازے پر کبھی نماز نہ پڑھئے اور نہ دفن کے لئے اس کی قبر پر کھڑے ہوئیے کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ حالت کفر ہی میں مرے ہیں۔

اب یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ آیت میں اختیار ہونے کے کیا معنی ہیں۔ دوسرے یہ ایک جگہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ستر بار سے بھی زائد مرتبہ استغفار کروں گا۔ اور ایک جگہ فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اگر میں ستر بار سے زائد مرتبہ استغفار کروں.... ان دونوں جملوں میں مطابقت بھی قابل غور ہے۔

اس سلسلے میں میں نے قاضی بیضاوی کا کلام دیکھا جو اختیار دیئے جانے کے متعلق اور اس کے سبب کے متعلق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں ستر بار سے بھی زائد مرتبہ ان کے لئے استغفار کروں گا یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لفظ سے ستر کا مخصوص عدد سمجھے تھے اس لئے کہ اصلاً تو عدد ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ نے یہ سمجھا کہ یہ آخری حد ہے جہاں تک منافقوں کے لئے استغفار قبول نہیں کرسکتے۔ اور اس تعداد سے زائد مرتبہ مغفرت مانگنے کا حکم دوسرا ہوگا یعنی پھر مغفرت قبول ہو سکتی ہے۔ مگر پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر واضح فرمایا کہ اس لفظ سے ستر کا عدد مراد نہیں ہے بلکہ محض تکثیر اور زیادتی مراد ہے (کہ چاہے کتنی ہی مرتبہ آپ ان کے واسطے مغفرت مانگیں وہ مغفرت قبول نہیں ہوگی) یہ وضاحت حق تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمائی ہے۔

پ ۲۸ سورہ منافقون

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ع ۱ آیۃ ۶

ترجمہ:- جب ان کے کفر کی یہ حالت ہے تو ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں۔ خواہ ان کے لئے آپ استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو توفیق کی ہدایت نہیں دیتا۔

یہاں تک قاضی بیضاوی کا کلام ہے۔ مگر اب آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے شبہ پیدا ہوتا ہے جو آپ نے فرمایا ہے کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں ستر بار سے زائد ان کے لئے مغفرت چاہوں تو یہ بخش دیئے جائیں گے تو میں ستر بار سے بھی زائد مرتبہ ان کے واسطے استغفار کرتا۔ کیونکہ اس ارشاد کی روشنی میں اس کے جنازے کی نماز پڑھنی درست نہیں (کیونکہ نماز جنازہ میں روح کے لئے مغفرت ہی مانگی جاتی ہے)۔ اس لئے یہ روایت قابل غور ہے۔

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ قرآن میں حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق قرآن ہے۔ جس مسئلے میں کسی نے کچھ نہیں کہا اور عمر نے کچھ کہا تو قرآن کی آیت اسی طرح آئی جیسے انہوں نے کہا تھا۔

بعض علماء نے قرآن پاک کی وہ باتیں شمار کی ہیں جو حضرت عمر کی رائے کے مطابق نازل ہوئی ہے۔ ایسی آیتوں کی تعداد بیس تک پہنچتی ہے۔ بعض علماء نے اس موضوع پر پوری کتاب بھی لکھی ہے (یعنی اس سے

حضرت عمر فاروقؓ کا مرتبہ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اللہ تعالیٰ ان کی زبان پر کلام حق جاری فرما دیتا تھا اور وہ وہی بات کہہ جاتے تھے جو قرآن پاک میں نازل ہونے والی تھی)۔

اس بارے میں علامہ جلال سیوطی سے سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کا نظم میں جواب دیا تھا۔ جس مضمون کی روایت پچھلی سطروں میں حضرت علیؓ سے گزری ہے ایسی ایک روایت حضرت ابن عمرؓ کی بھی ہے۔

ایسے ہی مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کی کسی مسئلے میں جو رائے ہوتی تھی قرآن مجید اکثر اس کے مطابق ہی نازل ہوتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور قلب پر حق کو جاری فرما دیا ہے۔"

غزوہ بدر کے قیدیوں کے بیان میں بھی اس کی اور مثالیں آئیں گی کہ کس طرح حضرت عمرؓ کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے حق کو جاری فرما دیا تھا چنانچہ اسی کی ایک مثال یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِنْ طِيْنٍ (الآیہ پ ۱۸ سورہ مومنون ع ۱)

ترجمہ :- اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ یعنی غذا سے بنایا۔

یہ آیت سن کر حضرت عمرؓ نے کہا۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ

ترجمہ :- یعنی سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

چنانچہ آیت اسی طرح نازل ہوئی (جو اس آیت کا ختم ہے)۔

اسی طرح کی ایک مثال یہ واقعہ ہے کہ کسی یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تمہارے پیغمبر جن جبرئیل کا تذکرہ کرتے ہیں وہ ہمارے دشمن ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ سے فرمایا۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۔

ترجمہ :- یعنی جو شخص خدائے تعالیٰ کا دشمن ہو اور فرشتوں کا ہو اور پیغمبروں کا ہو اور جبرئیل کا ہو اور میکائیل کا ہو تو اللہ تعالیٰ دشمن ہے ایسے کافروں کا۔

چنانچہ قرآن کریم کی آیت پارۂ آلم سورہ بقرہ کے رکوع ۱۲ میں اسی طرح نازل ہوئی۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عمرہ کیلئے مکے جانے کی اجازت مانگی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت دی اور فرمایا۔ "میرے بھائی۔ ہمیں اپنی دعا میں بھول نہ جانا۔"

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ

"میرے بھائی ہمیں اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھنا ہمیں بھلانا نہیں۔"

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے لئے سب سے بڑی خوش نصیبی کی بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے اپنا بھائی فرمایا۔

حضرت عمرؓ کے فضائل میں حدیث میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ سے سب سے پہلے مصافحہ کرنے والے اور اس کو سب سے پہلے سلام کرنے والے حضرت عمرؓ ہوں گے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان پر حق کو رکھ دیا ہے اور وہ اسی کو بولتے ہیں

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ابن خطاب ہوتے۔

ایسے ہی ایک دوسرے صحابی حضرت مصعب ابن عمیر ہیں کہ قرآن پاک کی بعض آیتیں ان کے

مطابق ہی نازل ہوئیں۔ غزوہ احد کے دن ان کے ہاتھ میں اسلامی پرچم تھا۔ اچانک انہوں نے کسی کو پکارتے سنا کہ محمد ﷺ قتل ہوگئے۔ یہ سنتے ہی ان کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہوگیا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْل قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُل۔

یعنی۔ اور محمد ﷺ نرے رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے اور بھی بہت رسول گزر چکے ہیں۔

یہی قرآن پاک کی آیت بھی ہے، جو پارہ ۴ سورہ آل عمران کے رکوع ۱۴ میں ہے۔

باب بست و ششم (۲۷)

مشرکوں کی طرف سے بنی ہاشم، بنی مطلب اور بنی عبد مناف کا مقاطعہ یعنی مقاطعہ اور اس کا عہد نامہ

تمام کفار قریش نے مل کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا اور کہا

"اس نے ہماری اولاد اور ہماری عورتوں تک کو ہم سے برگشتہ کر دیا ہے۔"

پھر ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے خاندان والوں سے کہا

"تم ہم سے دو گنا خوں بہا لے لو اور اس کی اجازت دے دو کہ قریش کا کوئی شخص اس کو یعنی آنحضرت ﷺ کو قتل کر دے تاکہ ہمیں سکون مل جائے اور تمہیں فائدہ پہنچ جائے۔"

مگر آنحضرت ﷺ کے خاندان والوں نے قریش کی اس تجویز کو نہیں مانا۔ اس پر قریش نے غصے میں آکر یہ طے کیا کہ تمام بنی ہاشم اور بنی مطلب کا بائیکاٹ کیا جائے اور انہیں مکے سے نکال کر شعب ابو طالب نامی گھاٹی میں محصور اور مقید کر دیا جائے۔

<u>بنی ہاشم میں شادی بیاہ کی ممانعت</u>...... اس سلسلے میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ شعب ابو طالب نامی گھاٹی مکے کی بستی سے باہر تھی۔ غرض اس کے ساتھ ہی قریش نے طے کیا کہ بنی ہاشم کو بازاروں میں نہ آنے دیا جائے تاکہ وہ کوئی چیز نہ خرید سکیں۔ نیز یہ کہ اب نہ بنی ہاشم کے یہاں کسی کا شادی بیاہ کیا جائے اور نہ ان کے لئے کوئی صلح قبول کی جائے۔ اسی طرح بنی ہاشم کے معاملے میں کسی شخص کو نرم دلی اختیار نہ کرنی چاہئے (یعنی ان پر کیسی بھی سختی گزر جائے کسی کے دل میں ان کے لئے رحم کا جذبہ نہ پیدا ہونا چاہئے) اور یہ بائیکاٹ اس وقت تک جاری رہنا چاہئے جب تک کہ بنی ہاشم کے لوگ آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے لئے قریش کے حوالے نہ کر دیں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

"نہ بنی ہاشم کی لڑکیوں کو بیاہ کر لاؤ اور نہ اپنی لڑکیوں کی ان کے یہاں شادی کرو، نہ ان کو کوئی چیز فروخت کرو اور نہ ان سے کوئی چیز خریدو اور نہ ان کی طرف سے کوئی صلح قبول کرو۔"

قریش نے اس معاہدے کی باقاعدہ تحریر لکھی اور اس معاہدے اور تحریر کا پوری طرح احترام کرانے کے لئے انہوں نے اس تحریر کو کعبے میں ٹانگ دیا۔ اس بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ تحریر ابوجہل کی خالہ کے پاس رکھوائی گئی تھی۔

ان دونوں روایتوں میں یوں موافقت پیدا کی جاتی ہے کہ شاید کعبے میں ٹانگے جانے سے پہلے یہ تحریر ابوجہل کی خالہ کے پاس رکھوائی گئی ہوگی۔ اس کی بنیاد وہ قول بھی بن سکتا ہے جو آگے آئے گا اور جس میں ہے کہ اس سلسلے کی تحریریں ایک سے زیادہ تھیں۔

قریش کا یہ اجتماع اور حلف نامہ ابطح کے علاقے میں خیف بنی کنانہ میں ہوا۔ اس جگہ کا نام محصب تھا اور یہ جگہ بالائی مکے میں قبرستان کے قریب تھی۔

غرض قریش کے اس حلف نامے کے بعد اس تحریر کے مطابق ابولہب کو چھوڑ کر تمام بنی ہاشم اور بنی مطلب جن میں کافر اور مسلمان سب شامل تھے شعب ابوطالب نامی گھاٹی **میں** پہنچ گئے۔ ابولہب اس لئے بچ گیا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کے قتل کے فیصلے میں اپنے خاندان کو چھوڑ کر قریش کا ساتھ دیا تھا۔ شعب ابوطالب میں محصور ہونے کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک چھیالیس سال تھی۔

<u>مسلمانوں پر مصائب</u>...... بخاری میں ہے کہ اس گھاٹی میں مسلمانوں نے بڑا سخت وقت گزارا۔ (اور قریش کے بائیکاٹ کی وجہ سے ان کو کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی لوگ بھوک سے بے حال ہوگئے) یہاں تک کہ گھاس پھونس اور درختوں کے پتے کھا کھا کر گزارہ کرنے لگے۔

(چونکہ خرید و فروخت کا بائیکاٹ قریش نے کیا تھا اس لئے) علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ جب بھی مکے میں باہر سے کوئی قافلہ آتا تو یہ مجبور اور بے کس لوگ فوراً ان کے پاس پہنچتے تاکہ ان سے کھانے پینے کا کچھ سامان خرید لیں۔ مگر جب بھی ایسا ہوتا تو فوراً وہاں ابولہب پہنچ جاتا اور قافلے سے کہتا۔

"لوگو! محمد کے ساتھی اگر کوئی چیز تم سے خریدنا چاہیں تو اس کے دام اتنے بڑھا دو کہ وہ تم سے کچھ نہ خرید سکیں۔ تم لوگ میری حیثیت اور میری ذمہ داری کو اچھی طرح جانتے ہو۔"

چنانچہ وہ تاجر اپنے مال کی اتنی قیمت بتلاتے کہ یہ لوگ مایوس ہو کر اپنے بچوں کے پاس واپس آجاتے جو بھوک سے بیتاب تڑپتے اور بلکتے ہوتے تھے اور ان کو خالی ہاتھ دیکھ کر وہ بچے سبک سبک کر رونے لگتے تھے۔

ادھر وہ تاجر ابولہب کے پاس پہنچتے اور وہ ان سے ان کا سب مال خوب منافع دے کر خرید لیتا تھا۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا کلام ہے۔

گذشتہ سطروں میں گزرا ہے کہ بنی ہاشم کیلئے قریش نے بازاروں میں آنے کی ممانعت کردی تھی جبکہ یہاں بیان ہوا ہے کہ جب باہر سے تجارتی قافلے آتے تو یہ لوگ ان کے پاس پہنچتے۔ مگر ان دونوں باتوں میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ پابندی صرف قریش مکہ کی طرف سے تھی باہر کے لوگ اس میں شامل نہیں تھے۔

مسلمانوں کا یہ بائیکاٹ ۷ نبوی میں محرم کے شروع میں ہوا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے مکے میں مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: ایک روایت میں آتا ہے کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کا مکے کی بستی سے نکل کر شعب ابوطالب میں پہنچنا اس لئے نہیں تھا کہ قریش نے ان کو نکال کر وہاں پہنچا دیا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ ہوئی تھی

کہ (مسلمانوں کے حبشہ کو ہجرت کرنے پر قریش نے ان کے پیچھے اپنے آدمی حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجے اور اس سے یہ کہا کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دے مگر نجاشی بادشاہ نے انکار کر دیا اور کفار وہاں سے رسوا ہو کر واپس آئے۔ ان لوگوں میں حضرت عمرو ابن عاص بھی تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) غرض حضرت عمرو ابن عاص نجاشی کے پاس سے ناکام واپس ہوئے اور نجاشی نے وہ ہدیئے تحفے بھی واپس کر دیئے جو کفار اس کو خوش کرنے کے لئے اس کے واسطے لے کر گئے تھے۔ ادھر عمرو ابن عاص کے ساتھ عمارہ ابن ولید بھی گیا تھا مگر یہ اس کو بھی اپنے ساتھ واپس نہ لا سکے (کیونکہ عمارہ سے نجاشی بادشاہ ناراض ہو گیا تھا اور اس نے اس پر سحر کرایا جس سے اس کا دماغ خراب ہو گیا تھا اور یہ پہاڑوں اور جنگلوں میں جا کر گم ہو گیا تھا۔ اس کا واقعہ آگے آرہا ہے)۔

غرض ادھر تو عمرو ابن عاص ناکام واپس آئے اور ادھر مشرکوں کو یہ خبر ملی کہ نجاشی بادشاہ نے جعفرؓ اور مسلمانوں کے ساتھ بہت اعزاز اور احترام کا معاملہ کیا ہے۔ جیسا کہ یہ سب تفصیل آگے آرہی ہیں۔ اور ادھر عرب کے مختلف قبیلوں میں اسلام کا بول بالا ہونے لگا۔ ان سب باتوں کی وجہ سے مشرکوں کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے اور انہوں نے غیظ و غضب میں آکر مسلمانوں کو اور زیادہ ستانا شروع کر دیا۔

ادھر قریش نے یہ طے کیا کہ کھلے عام رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیا جائے۔ ابو طالب نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے فوراً" بنی ہاشم اور بنی مطلب کے لوگوں کو جمع کیا جن میں مسلمان اور کافر سب شامل تھے۔ پھر انہوں نے ان سب لوگوں کو حکم دیا کہ سب آنحضرت ﷺ کے ساتھ شعب ابو طالب نامی گھاٹی میں داخل ہو کر رہیں اور آنحضرت ﷺ کی حفاظت کریں۔ چنانچہ بنی ہاشم اور بنی مطلب نے ایک ہو کر اس حکم کی تعمیل کی اور ان میں اس معاملے میں ایسا اتفاق اور اتحاد ہوا کہ اس کی مثال نہیں ہے۔ چنانچہ یہ سب لوگ گھاٹی میں داخل ہوگئے۔ صرف بنی ہاشم کی ایک شاخ بنی شمس اور بنی نوفل ان سے الگ ہو گئے اسی طرف ابو طالب نے اپنے قصیدے کے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

جزی الله عنا عبد شمس ونوفلا
عقبته شر عا جلا غیر اجل

ترجمہ :- اے اللہ بنی عبد شمس اور بنی نوفل کو بہت جلدی اور بغیر تاخیر کے ہماری طرف سے بہت برا بدلہ دے۔

ایک دوسرے قصیدے میں ابو طالب نے یہ کہا ہے۔

جزی الله عنا عبد شمس ونوفلا
وتیما و مخزو ما عقوقا وما ثما

ترجمہ :- اے اللہ ہماری طرف سے بنی عبد شمس، بنی نوفل، بنی مخزوم وغیرہ کو بدلہ دے۔

اب جب قریش نے دیکھا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب شعب ابوطالب میں داخل ہوگئے ہیں تو انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے ایک حلف نامہ لکھنے کا فیصلہ کیا کہ کوئی قریشی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا اور کسی قسم کا معاملہ اور تعلق نہیں رکھے گا۔

اب اس روایت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عمرو ابن عاص مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانے کے لئے نجاشی بادشاہ کے پاس مسلمانوں کی دوسری ہجرت کے موقعہ پر گئے تھے جو مسلمانوں کے شعب ابوطالب میں داخل ہونے کے بعد ہوئی ہے پہلی ہجرت کے موقعہ پر نہیں جو اس واقعہ سے پہلے ہوئی تھی۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب بست و ہشتم (۲۸)

ملک حبشہ کو دوسری ہجرت

جب مسلمانوں کے مقاطعہ یعنی بائیکاٹ کا یہ واقعہ پیش آیا جو پیچھے بیان ہوا تو ان میں سے اکثر لوگ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے تھے ہجرت کر کے حبشہ کو چلے گئے اس طرح نجاشی بادشاہ کے پاس پہنچنے والے مسلمان کل ملا کر اڑتیس مرد اور بارہ عورتیں تھیں مگر اڑتیس مردوں کی تعداد اس صورت میں ہے جبکہ ان میں حضرت عمار ابن یاسر کو بھی شامل کیا جائے مگر ان کے جانے کے بارے میں اختلاف ہے کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں جو کچھ ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمار بھی ان میں شامل تھے۔

ان لوگوں میں حضرت جعفر ابن ابو طالب اور ان کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس بھی تھیں اسی طرح مقداد ابن اسود، عبداللہ ابن مسعود، عبیداللہ ابن جحش اور اس کی بیوی ام حبیبہ بنت ابوسفیان بھی تھیں مگر یہ عبیداللہ ابن جحش حبشہ جا کر مرتد ہو گیا اور اس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا پھر اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی بیوی حضرت ام حبیبہؓ اسلام پر باقی رہیں جن سے بعد میں آنحضرت ﷺ نے نکاح فرمالیا۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

ایک مرتد...... حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ میرا شوہر عبیداللہ بہت برے حال میں ہے اور اس کی صورت بگڑ گئی ہے (یہ خواب عبیداللہ کے مرتد ہونے سے پہلے کا ہے) صبح ہوئی تو ان کا شوہر اچانک ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"اے ام حبیبہ! میں نے اس دین پر اب غور کیا ہے اور میرا یہ خیال ہے کہ عیسائی مذہب سے اچھا مذہب کوئی نہیں ہے۔ میں اس مذہب کے قریب آگیا تھا مگر پھر میں نے محمد ﷺ کا دین اختیار کر لیا۔ مگر اب میں محمد ﷺ کے دین سے نکل کر عیسائی مذہب میں داخل ہو گیا ہوں۔"

حضرت ام حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے یہ سن کر کہا۔

"خدا کی قسم اس میں تمہارے لئے کوئی خیر نہیں ہے۔"

اس کے بعد میں نے اس سے اپنا خواب بیان کیا۔ مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ ہر وقت شراب کے نشے میں بدہوش رہنے لگا۔ یہاں تک کہ اسی حال میں وہ مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد میں نے پھر خواب دیکھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"اے ام المومنین!"

یہ سن کر میں گھبرا سی گئی اور میں نے اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے نکاح فرمائیں گے چنانچہ اس کے بعد ایسا ہی ہوا۔

حضرت ابو موسیٰ اور کچھ دوسرے لوگوں کی یمن سے ہجرت...... ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے بھی حبشہ کو ہجرت فرمائی مگر ابن اسحاق کی مراد یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ نے یمن سے حبشہ کو ہجرت فرمائی مکے سے نہیں واقدی اس روایت سے یہی سمجھے ہیں کہ ابو موسیٰ نے مکے سے ہجرت کی اور پھر انہوں نے اس روایت پر اعتراض کیا ہے۔

خود حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ انہیں آنحضرت ﷺ کی ہجرت کا حال معلوم ہوا تو اس وقت وہ یمن میں تھے چنانچہ اس خبر پر وہ تقریباً پچاس آدمیوں کے ساتھ ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس آنے کے لئے ایک جہاز میں روانہ ہوئے مگر ہواؤں کے رخ کی وجہ سے جہاز حبشہ میں جا پہنچا اور اس طرح یہ لوگ بھی نجاشی بادشاہ کے پاس پہنچ گئے وہاں پہنچ کر انہوں نے حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کو بھی موجود پایا۔ حضرت جعفرؓ نے ان لوگوں کو بھی وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا۔

اس کے بعد یہ سب حبشہ میں ہی رہتے رہے یہاں تک کہ خیبر کی فتح کے وقت حضرت جعفر سمیت یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے جیسا کہ آگے تفصیل سے اس کا بیان آئے گا۔

ابو موسیٰؓ کی اس روایت کے بعد وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو علماء نے ابن اسحاق کی روایت پر کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ کا مکے سے حبشہ کو ہجرت کرنا بہت زیادہ عجیب و غریب روایت ہے اور شاید یہ کسی راوی کا اپنی طرف سے اضافہ ہے۔

نجاشی کے پاس قریشی وفد...... غرض حبشہ میں مسلمانوں کو بہترین پناہ گاہ اور بہترین پڑوسی ملے۔ جب مسلمان حبشہ میں جا کر رہنے لگے تو قریش نے ان کے پیچھے پیچھے عمرو ابن عاص اور عمارہ ابن ولید کو بھیجا (تاکہ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف وہاں کے بادشاہ کو بھڑکا کر مسلمانوں کو وہاں سے نکلوادیں۔

یہ عمارہ ابن ولید وہی نوجوان تھا جس کو قریشیوں نے ابو طالب کو دینا چاہا تھا تاکہ اس کے بدلے میں وہ آنحضرت ﷺ کو لے کر قتل کر دیں غرض یہ دونوں نجاشی بادشاہ کے لئے بہت سے ھدیئے اور تحفے لے کر گئے۔ ان ھدیوں میں گھوڑے اور ریشمی جبے شامل تھے۔ بادشاہ کے علاوہ ان لوگوں نے حبشہ کے دوسرے بڑے لوگوں کو ھدیئے اور تحفے دیئے تھے تاکہ اس طرح وہ لوگ اپنے یہاں آنے والے مسلمانوں کو قریش کے حوالے کر دیں۔

جب یہ دونوں بادشاہ نجاشی کے پاس پہنچے تو انہوں نے اس کو سجدہ کیا اور اس کے بعد ایک بادشاہ کے دائیں رخ پر بیٹھ گیا اور دوسرا بائیں رخ پر بیٹھ گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ بادشاہ نے ان کا اعزاز کیا اور عمرو ابن عاص کو اپنے تخت پر بٹھایا۔ پھر بادشاہ نے ان کے ہدیئے قبول کئے اس کے بعد انہوں نے بادشاہ سے کہا۔

"ہمارے خاندان کے کچھ لوگ آپ کی سرزمین میں آئے ہیں۔ یہ لوگ ہم سے اور ہمارے معبودوں سے بیزار ہو گئے ہیں۔ اور انہوں نے آپ کا دین بھی اختیار نہیں کیا ہے بلکہ ایک ایسے نئے دین میں شامل ہو گئے ہیں، جس کو نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ۔ اب ہمیں قریش کے بڑے لوگوں اور سرداروں نے جہاں پناہ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیں۔"

نجاشی کی معاملہ فہمی...... بادشاہ نے کہا

"وہ لوگ کہاں ہیں ؟"

انہوں نے جواب دیا کہ آپ ہی کے یہاں ہیں۔ بادشاہ نے فوراً ان کو بلانے کے لئے اپنے آدمی بھیجے (ادھر چونکہ حبشہ کے معزز لوگوں کو بھی قریشیوں نے ھدیئے اور تحفے دے کر خوش کیا تھا اس لئے انہوں نے قریشیوں کی تائید کی) چنانچہ انہوں نے بادشاہ سے کہا۔

"آپ ان مہاجروں کو ان دونوں قریشیوں کے حوالے کر دیجئے کیونکہ یہ ان لوگوں کے بارے میں زیادہ بہتر جانتے ہیں۔"

مگر نجاشی بولا

"ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم میں ان آنے والوں کو اس وقت تک کسی کے حوالے نہیں کروں گا جب تک یہ نہ جان لوں کہ وہ کس دین پر ہیں۔"

عمرو ابن عاص نے فوراً کہا۔

"وہ جہاں پناہ کو سجدہ بھی نہیں کریں گے۔ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ وہ لوگ آپ کے سامنے جھکیں گے بھی نہیں اور آپ کے طریقے اور آپ کے دین کے خلاف جب وہ آپ کے سامنے آئیں گے تو اس طرح آپ کو سلام بھی نہیں کریں گے جیسے سب لوگ کرتے ہیں۔"

دربار شاہی میں مسلمانوں کی طلبی...... غرض اس کے بعد مسلمان وہاں دربار میں لائے گئے حضرت جعفرؓ نے مسلمانوں سے کہا۔

"آج میں تم سب کی ترجمانی کروں گا۔"

کیونکہ جب مسلمانوں کو بلانے کے لئے نجاشی بادشاہ کا ایلچی ان کے پاس پہنچا تو سب مسلمان جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

"بادشاہ کے پاس پہنچ کر تم کیا کہو گے ؟"

اس پر حضرت جعفر نے کہا تھا کہ میں تمہاری ترجمانی کروں گا۔ نیز انہوں نے مسلمانوں سے کہا۔

"ہم وہی کہیں گے جو ہمارے نبی نے ہمیں تعلیم دی ہے اور جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے دیکھو جو ہونا ہے ہو جائے گا۔"

ادھر مسلمانوں کے آنے سے پہلے نجاشی بادشاہ نے اپنے تمام بڑے بڑے عیسائی عالموں کو دربار میں بلا لیا اور ان کو حکم دیا کہ نصرانی مذہب کی کتابیں اس کے چاروں طرف رکھ دیں۔

دربار میں حاضری...... جب مسلمان بادشاہ کے محل پر پہنچے تو دربار کے دروازے پر سے حضرت جعفرؓ نے زور سے پکار کہا۔

"جعفر دروازے پر موجود ہے اور اس کے ساتھ اللہ والوں کی جماعت ہے جو اندر آنے کی اجازت چاہتی ہے۔"

نجاشی نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ وہ اللہ کی امان اور اس کی پناہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔"

حضرت جعفر اور ان کے ساتھی دربار میں داخل ہوئے اور انہوں نے بادشاہ کو سلام کیا اس پر نجاشی نے حضرت جعفر سے کہا۔

"کیا بات ہے۔ تم نے سجدہ نہیں کیا!؟"

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت جعفرؓ نے دروازے پر پکارا تو عمرو ابن عاص نے اپنے ساتھی عمارہ سے کہا۔

"تم دیکھ رہے ہو یہ لوگ کس طرح اللہ والوں کے نام کا اعلان کر رہے ہیں اور بادشاہ نے اس پر کیا جواب دیا ہے۔"

نجاشی کے سامنے جعفر کی حق گوئی...... اس کے بعد عمرو نے بادشاہ سے کہا

جہاں پناہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ لوگ کس قدر مغرور ہیں کہ انہوں نے آپ کے طریقے کے مطابق آپ کو سلام بھی نہیں کیا۔

یہ سن کر نجاشی نے حضرت جعفر سے کہا

"تم نے میرے طریقے کے مطابق مجھے سجدہ اور سلام کیوں نہیں کیا؟"

حضرت جعفر نے کہا

"ہم اللہ عزوجل کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔"

نجاشی نے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے حضرت جعفر نے فرمایا۔

"اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان ایک رسول بھیجا ہے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ عزوجل کے سوا کسی کو سجدہ نہ کریں۔ اس کے رسول نے ہمیں بتلایا ہے کہ جنت والوں کا سلام وہی ہے جو ہم نے آپ کو کیا ہے اسی لئے ہم نے آپ کو اسی طریقے سے سلام کیا جس طریقے پر ہم ایک دوسرے کو کرتے ہیں۔"

نجاشی اس بات کو جانتا تھا کیونکہ یہ بات انجیل میں موجود تھی۔

اس کے بعد حضرت جعفر نے کہا

"اللہ کے رسول نے ہمیں نماز کا حکم دیا ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔"

یہاں نماز سے مراد پانچ نمازیں نہیں ہیں کیونکہ پانچ نمازیں اس وقت تک فرض نہیں ہوئی تھیں بلکہ صرف وہی دو رکعت نماز صبح کی اور دو رکعت شام کی تھی۔ یعنی دو رکعتیں سورج طلوع ہونے سے پہلے اور دو رکعتیں سورج غروب ہونے سے پہلے جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔

اسی طرح یہاں زکوۃ سے مراد مطلق صدقہ ہے مال کی زکوۃ نہیں ہے کیونکہ مال کی زکوۃ مدینے میں

ہجرت کے دوسرے سال میں فرض ہوئی تھی۔ یہاں زکوۃ سے ان کی مراد طہارت اور پاکی ہے۔

ابن مریم کے متعلق اسلامی عقیدے کا اظہار...... عمرو ابن عاص نے پھر نجاشی (کو بھڑکانے کے لئے اس سے کہا۔

"یہ لوگ ابن مریم یعنی عیسیٰؑ کے متعلق عقیدے میں آپ کے مخالف ہیں یہ ان کو اللہ جل مجدہ کا بیٹا نہیں کہتے۔"

اس پر نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا۔

"تم لوگ ابن مریم اور مریم علیہا السلام کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟"

مسلمانوں نے کہا۔

"ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں جس کے ذریعہ کنواری مریم کو حاملہ کیا گیا۔ یعنی حضرت مریم ایسی ماں تھیں جو کنواری اور باکرہ تھیں اور جو کسی مرد کے ذریعہ حاملہ نہیں ہوئی تھیں جس کے ذریعہ بیٹا پیدا ہوتا ہے۔"

بادشاہ پر کلمہ حق کی تاثیر ...... نجاشی نے اپنے عیسائی عالموں سے کہا۔

"اے حبش کے لوگو اور اے راہبو! یہ لوگ اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہہ رہے ہیں جو تم کہتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ یعنی محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہی پیغمبر ہیں جن کے متعلق عیسیٰؑ کو انجیل میں خوش خبری دی گئی ہے۔"

(ی) روح اللہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ روح القدس یعنی جبرئیلؑ کے پھونک مارنے سے مریم علیہا السلام کے پیٹ میں آئے۔ اسی کلمتہ اللہ کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہو جا اور وہ ہو گئے یعنی اس قول کے ساتھ ہی ہو گئے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ نجاشی بادشاہ نے اپنے راہبوں وغیرہ سے یہ کہا تھا۔

"میں تمہیں اس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے عیسیٰؑ پر انجیل اتاری کہ کیا تم کتابوں میں عیسیٰؑ اور قیامت کے درمیان کوئی نبی اور رسول پاتے ہو۔ یعنی جس کی صفات ایسی ہوں جیسی انہوں نے بیان کی ہیں؟"

راہبوں نے کہا

"بے شک ایسے نبی کا ذکر ہم پاتے ہیں اور ہمیں عیسیٰؑ نے اس نبی کی خوش خبری دی ہے اور فرمایا ہے کہ جو اس نبی پر ایمان لایا وہ مجھ پر ایمان لایا اور جس نے ان کے ساتھ کفر کیا اس نے میرے ساتھ کفر کیا۔"

یہ سنتے ہی نجاشی نے کہا

"خدا کی قسم اگر حکومت کی یہ ذمہ داری مجھ پر نہ ہوتی تو میں ان کے یعنی آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوتا اور میں ہی وہ ہوتا جو ان کے جوتے اٹھایا کرتا اور ان کے ہاتھ دھلایا کرتا۔"

مسلمانوں کو حبشہ میں سکونت کی اجازت اور وظائف کا حکم...... پھر نجاشی نے مسلمانوں سے کہا

"میری سلطنت میں جہاں دل چاہے امن و سکون کے ساتھ رہو۔"

اس کے بعد اس نے مسلمانوں کے روزینوں اور وظیفوں کے لئے حکم جاری کیا اور لوگوں سے کہا۔

"ان لوگوں کو جس نے بھی بری نگاہ سے دیکھا وہ سمجھ لے کہ گویا اس نے میری خلاف ورزی کی ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ اس نے مسلمانوں سے کہا۔

"جاؤ تمہیں امان ہے۔ جو شخص تمہیں برا بھلا کہے اس پر جرمانہ کیا جائے گا۔"

یہ بات نجاشی نے تین مرتبہ کہی اس جرمانے کی مقدار چار درہم تھی اور پھر ان کو دو گنا کر دیا گیا جیسا کہ بعض روایتوں سے ظاہر ہے۔

قریشی ہدیئے قبول کرنے سے نجاشی کا انکار...... ادھر نجاشی نے عمرو ابن عاص اور ان کے ساتھی عمارہ کے لائے ہوئے ہدیوں کو واپس کرنے کا حکم دیدیا۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ نجاشی نے کہا

"میں نہیں چاہتا کہ سونے کے پہاڑ کھڑے کرلوں اور تم لوگ تکلیفوں میں پڑے رہو۔ ان لوگوں کو ان کے ہدیئے واپس کر دو مجھے ان ہدیوں کی ضرورت نہیں ہے خدا کی قسم جب اللہ تعالیٰ نے مجھے میری حکومت واپس دلائی تھی تو بغیر رشوت کے دلائی تھی تو کیا اب میں رشوت لوں گا۔ دوسرے لوگوں نے بھی میری اطاعت نہیں کی تھی کہ میں ان کی اطاعت کا پابند ہوں۔"

یہ نجاشی بادشاہ خود ایک بہت بڑا مذہبی عالم تھا اور عیسیٰؑ پر اللہ تعالیٰ نے جو علوم نازل فرمائے تھے اس نے ان کو پڑھا تھا یہاں تک کہ شہنشاہ قیصر روم اپنے نصرانی علماء کو نجاشی کے پاس بھیجا کرتا تھا تاکہ وہ اس سے علم حاصل کریں۔

حبشہ میں نجاشی سلطنت کی تاریخ...... پچھلی سطروں میں نجاشی بادشاہ کا ایک قول گزرا ہے کہ جب اللہ نے میرا ملک مجھے واپس فرمایا تو رشوت نہیں لی تھی۔ سلطنت واپس کئے جانے کے متعلق حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب نجاشی کا باپ حبشہ کا بادشاہ تھا تو عوام نے اس کو قتل کر دیا تھا اور اس کے بھائی کو جو نجاشی کا چچا تھا ملک حبشہ کا حکمراں بنادیا۔ اس طرح نجاشی بادشاہ کی پرورش اپنے چچا کے پاس ہوئی جس کے اپنے بارہ لڑکے تھے مگر ان میں سے کوئی بھی بادشاہ بننے کے لائق نہیں تھا۔ اب جب حبشہ کے عوام کو اس بات کا اندازہ ہوا کہ نجاشی ہی آئندہ بادشاہ بنے گا تو انہیں ڈر ہوا کہ وہ اپنے باپ کے قتل کے بدلے میں ان کو قتل کرا دے گا۔ چنانچہ ایک وفد نجاشی کے چچا کے پاس آیا جو اس وقت بادشاہ تھا اور اس سے کہا کہ وہ نجاشی کو قتل کردے مگر بادشاہ نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا بلکہ اس نے نجاشی کو فوراً وہاں سے نکال کر اس کو کسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

اتفاق سے اسی روز رات کو (اچانک گھٹا بارش ہوئی اور) بادشاہ کے اوپر بجلی گری جس سے وہ مر گیا اب حبش کے لوگوں نے محسوس کیا کہ سوائے نجاشی کے کوئی شخص ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے قابل نہیں چنانچہ فوراً لوگ اس شخص کے پاس پہنچے جس نے نجاشی کو خریدا تھا اور نجاشی کو اس سے لے کر آئے اور اس کو اپنا بادشاہ بنایا۔ اس طرح لوگوں میں نکوکاری پیدا ہو گئی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جس نے نجاشی کو خریدا تھا وہ ایک عرب تھا وہ نجاشی کو خرید کر اپنے علاقہ میں لے گیا۔ جہاں نجاشی ایک مدت تک اس کے پاس رہا۔

پھر جب ملک حبش کے حالات خراب ہوئے اور لوگ پریشان ہو گئے تو وہ نجاشی کی تلاش میں نکلے اور آخر اس کو اس کے مالک کے پاس سے لے کر آئے۔

نجاشی ایک بوریہ نشین درویش کے روپ میں...... اسی بات کی تائید نجاشی کی ایک روایت سے ہوتی

ہے کہ جب غزوہ بدر ہوا تو اس نے ان مسلمانوں کو بلایا جو اس کے پاس رہ رہے تھے جب مسلمان وہاں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ نجاشی ٹاٹ کا لباس پہنے ہوئے اور زمین پر راکھ کے اوپر بیٹھا ہوا ہے۔ انہوں نے حیران ہو کر اس سے کہا۔

"جہاں پناہ یہ کیا ہے ؟"

بادشاہ نے کہا

"ہم انجیل میں یہ تعلیم پاتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو بندے پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاکساری کا اظہار کرے اب ہمارے اور تمہارے درمیان ایک عظیم نعمت ظاہر ہوئی ہے اور وہ یہ کہ ایک وادی میں جس کا نام بدر ہے رسول اللہ ﷺ اور ان کے دشمنوں کا مقابلہ ہوا یہ وہی وادی ہے جس میں میں اپنے مالک کی بکریاں چرایا کرتا تھا میرا مالک بنی ضمر کا ایک شخص تھا۔ غرض اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کے اس مقابلے میں اپنے دشمنوں کو شکست دی اور اپنے دین کو فتح نصیب فرمائی ہے۔

آگے ایک روایت آئے گی جس میں ہے کہ جب نجاشی کے سامنے سورہ مریم کی تلاوت کی گئی تو وہ اتنا رویا تھا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی۔ اس روایت کے سلسلے میں علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے نجاشی عرب کے علاقے میں کافی مدت تک رہا ہے یہاں تک کہ اسے عربی زبان اتنی آگئی تھی کہ وہ سورہ مریم پڑھے جانے پر اس کو سمجھتا بھی رہا۔

(قال) حضرت جعفر حبشہ کی ہجرت کے سلسلے میں خود بیان کرتے ہیں کہ جب ہم سرزمین حبشہ میں پہنچے تو وہاں ہمیں بہترین لوگ ملے اپنے دین کے بارے میں ہمیں امن و سکون ملا اور ہم اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگے نہ وہاں ہمیں کوئی ایذا دینے والا تھا اور نہ کوئی ناخوشگوار بات کہنے والا تھا۔

جب یہ بات قریش کو معلوم ہوئی تو انہوں نے سازش کی کہ ہمارے پیچھے اپنے دو ذہین آدمی بھیجیں اور ان کے ہاتھ مکے کی مشہور چیزوں میں سے کچھ ہدیئے بھیجیں (اور بادشاہ کو خوش کر کے مسلمانوں کو وہاں سے نکلوادیں) جو تحفے وہ لائے تھے ان میں سب سے عمدہ چیز مکے کا چمڑا تھا انہوں نے اتنا چمڑا بھیجا۔ حبشہ کے ہر پادری کو اس میں سے دیا جا سکے۔

یہ بات اس پچھلی روایت کی مخالف نہیں ہوتی جس میں گزرا ہے کہ یہ تحفے گھوڑوں اور ریشمی جبوں پر مشتمل تھے کیونکہ شاید انہوں نے بادشاہ کو جو گھوڑے اور ریشمی جبے دیئے ان کے ساتھ کچھ کھالیں بھی دیں اور باقی تمام کھالیں دوسرے حکام اور پادریوں میں تقسیم کر دیں تاکہ ان کو اپنے حق میں ہموار کیا جا سکے پچھلی روایت میں صرف گھوڑوں اور ریشمی جبوں کا اس لئے ذکر کیا گیا کہ یہ تحفے بادشاہ کے لئے خاص تھے۔

<u>قریشی وفد کی حبشی حکام اور پادریوں سے سازباز</u>...... غرض قریش نے عمرو ابن عاص اور عمارہ ابن ولید کو بھیجا تاکہ وہ نجاشی سے درخواست کریں کہ مسلمان کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ جبکہ اس وقت تک ہم بادشاہ کے سامنے پیش بھی نہیں ہوئے تھے اور یہی قریش کا مقصد تھا کہ مسلمانوں کے بادشاہ کے روبرو پیش ہونے اور اپنے واقعات سنانے سے پہلے ہی قریش کا یہ وفد بادشاہ سے بات کر کے اس سے مسلمانوں کو مانگ لے)

ادھر پادریوں وغیرہ نے ان دونوں قریشیوں کے بارے میں بادشاہ کو اچھی خبریں پہنچائی تھیں کیونکہ جب ان دونوں نے پادریوں وغیرہ کو ہدیئے تحفے دیئے تو ساتھ ہی ان سے کہا۔

"جب ہم مسلمانوں کے بارے میں بادشاہ سے گفتگو کریں تو آپ لوگ بادشاہ کو مشورہ دیں کہ وہ مسلمانوں سے گفتگو کرنے سے پہلے ہی ان کو ہمارے حوالے کر دے۔"

قریش نے ان دونوں قاصدوں کو یہی ہدایت بھی کی تھی چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ان کو رخصت کرتے وقت قریش نے ان سے کہا تھا۔

"بادشاہ سے گفتگو کرنے سے پہلے ہر پادری کو ایک ایک ہدیہ دینا۔ پھر نجاشی کے سامنے پہنچ کر اس کو ہدیئے دینا اور اس کے بعد بادشاہ کے مسلمانوں سے گفتگو کرنے سے پہلے ہی اس سے درخواست کرنا کہ وہ مسلمانوں کو تمہارے حوالے کر دے۔

چنانچہ اب جب یہ دونوں قاصد نجاشی کے سامنے پہنچے تو انہوں نے اس سے کہا۔

"ہمارے کچھ بیوقوف نوجوان آپ کی سرزمین میں آگئے ہیں انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے مگر وہ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں بلکہ انہوں نے ایک نیا دین اختیار کیا ہے جو آپ کے اور ہمارے لئے بالکل نیا ہے۔ یہ دین ان کے پاس ایک جھوٹا شخص لے کر آیا ہے جو ہم میں ظاہر ہوا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ سوائے چند بیوقوفوں کے ہم میں سے کسی نے اس کی بات نہیں سنی۔ اب ہمیں ان لوگوں کی قوم کے معزز اور بڑے لوگوں نے آپ کے پاس بھیجا ہے جو ان آنے والوں کے عزیز رشتے دار ہیں تاکہ ان لوگوں کو واپس بلا لیں۔ کیونکہ وہ لوگ زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ انہوں نے قوم کے لوگوں پر کیسے کیسے عیب لگائے ہیں۔"

یہ سن کر نجاشی کے حکام اور راہبوں نے کہا۔

"جہاں پناہ! یہ لوگ سچ کہتے ہیں ان آنے والے لوگوں کی قوم کے آدمی ہی ان سے زیادہ واقف ہی ہیں آپ ان لوگوں کو ان دونوں کے حوالے کر دیجئے تاکہ یہ ان سب کو ان کے ملک اور ان کی قوم میں واپس لے جائیں۔

<u>نجاشی کی انصاف پسندی</u>...... یہ سن کر نجاشی بادشاہ کو غصہ آگیا اور اس نے کہا۔

"خدا کی قسم ہرگز نہیں میں ان لوگوں کو ان کے حوالے نہیں کروں گا جنہوں نے میری پناہ لی ہے میری سرزمین میں آئے ہیں اور جنہوں نے دوسروں کے مقابلے میں مجھے اختیار کیا ہے میں پہلے ان لوگوں کو بلا کر ان الزامات کے بارے میں تصدیق کروں گا جو یہ دونوں ان پر لگا رہے ہیں اگر واقعہ ایسا ہی نکلا جیسا انہوں نے بیان کیا ہے تو میں ان لوگوں کو ان کے حوالے کر دوں گا ورنہ ان کی حفاظت کروں گا اور انہوں نے جس بھروسے پر میری پناہ لی ہے اس کو سچ کر کے دکھلاؤں گا۔

اس کے بعد نجاشی نے آدمی بھیج کر ہمیں بلایا ہم نے وہاں پہنچ کر سلام کیا تو درباریوں نے ہم سے کہا کہ ہم نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔ ہم نے کہا۔ ہم خدا کے سوا کسی کے سامنے اپنا سر نہیں جھکاتے۔ اس کے بعد نجاشی نے ہم سے کہا۔

"وہ کیا دین ہے جسے تم نے اپنی قوم کا دین چھوڑ کر اختیار کر لیا ہے جبکہ تم نہ تو عیسائی ہی ہوئے اور نہ تم نے دوسری قوموں کا کوئی دین اختیار کیا ہے۔"

<u>دربار شاہی میں جعفرؓ کی بیباکانہ تقریر</u>...... حضرت جعفرؓ کہتے ہیں ہم نے کہا۔

"اے بادشاہ! ہم جاہلیت کی ایک گمراہ قوم تھے) پتھروں کو پوجتے تھے اور مردار جانوروں کا گوشت

کھاتے تھے فحش اور بے حیائی کی حرکتیں کیا کرتے تھے اور رشتہ داروں کے حقوق پامال کرتے تھے پڑوسیوں کے ساتھ بد معاملگی کرتے تھے اور ہر طاقت ور آدمی کمزور کو دبالیا کرتا تھا ہماری یہ حالت تھی کہ اچانک اللہ تعالی نے ہم میں اسی طرح ایک رسول بھیجا جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں میں رسول بھیجے جاتے رہے ہیں۔ یہ رسول ہمارے ہی میں سے ہیں اور ہم ان کا حسب و نسب ان کی سچائی اور پاک دامنی اچھی طرح جانتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں اللہ تعالی کی طرف بلایا کہ ہم اس کو ایک جانیں۔ اس کی عبادت کریں اور یہ کہ خدا کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم ان کو چھوڑ دیں۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف حق تعالی کی عبادت کریں۔ نماز پڑھیں یعنی دو رکعت صبح اور دو رکعت شام۔ زکوٰۃ دیں یعنی مطلق صدقہ۔ روزے رکھیں۔ یعنی ہر مہینے میں تین روزے جو ایک قول کے مطابق ہر چاند کے مہینے کی تیرہویں چودہویں اور پندرہویں تاریخ میں رکھے جاتے تھے اور ایک قول کے مطابق مہینے کی کسی بھی تین تاریخوں میں۔ انہوں نے ہمیں سچ بولنے امانت پوری کرنے رشتے داروں کی خبر گیری کرنے پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنے برائیوں اور خون بہانے سے بچنے اور بدکاری سے دور رہنے کا حکم دیا اسی طرح گندی باتیں کرنے یتیموں کا مال کھانے اور گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں پر تہمتیں لگانے سے روکا۔

ہم نے ان کی تصدیق کی ان پر ایمان لائے اور جو کچھ تعلیمات وہ لے کر آئے ان کی پیروی کی اس بات پر ہماری قوم ہماری دشمن بن گئی تاکہ ہمیں پھر بتوں کو پوجنے اور ان ہی برائیوں کے کرنے پر مجبور کرے۔

انہوں نے ہم پر بڑے بڑے ظلم کئے اور نئے سے نئے ستم ڈھائے انہوں نے ہمیں ہر طرح تنگ کیا آخر جب ان کا ظلم و ستم حد سے گزر گیا اور یہ ہمارے اور ہمارے دین کے راستے میں رکاوٹ بننے لگے تو ہم آپ کی سرزمین کی طرف نکل پڑے اور ہم نے دوسروں کے مقابلے میں آپ کو پسند کیا ہم اس امید پر آئے ہیں کہ آپ کے پاس رہتے ہوئے ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔"

نجاشی کے سامنے آیات قرآنی کی تلاوت..... حضرت جعفرؓ کی یہ تقریر سننے کے بعد نجاشی نے ان سے کہا۔

"کیا آپ کے پاس اپنے نبی پر آنے والی وحی کا کچھ حصہ موجود ہے ؟"

حضرت جعفرؓ کہتے ہیں میں نے کہا۔ "ہاں موجود ہے۔!"

نجاشی نے کہا وہ مجھے پڑھ کر سناؤ۔

اس پر میں نے اس کے سامنے کھیعص سے آیات قرآنی تلاوت کیں۔ خدا کی قسم کلام الہی کو سن کر نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی اس کے ساتھ ہی اس کے پادری وغیرہ بھی رو رہے تھے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب نجاشی نے جعفر سے کہا کہ مجھے اس نبی کا لایا ہوا کلام پڑھ کر سناؤ تو میں نے اس کے سامنے سورہ عنکبوت اور سورہ روم پڑھی۔ قرآن پاک کی آیات سن کر نجاشی اور اس کے ساتھیوں کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور انہوں نے کہا۔

"جعفر! یہ پاک کلام ہمیں کچھ اور سناؤ۔"

اس پر حضرت جعفرؓ نے سورہ کہف پڑھی تو نجاشی نے کہا۔

"یہ کلام خدا کی قسم وہی ہے جو موسیٰؑ بھی لے کر آئے تھے۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ یہ کلام اور وہ کلام جو موسیٰؑ لے کر آئے تھے ایک ہی چراغ کی روشنی ہیں۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو جو پیغام دیا گیا تھا حضرت عیسیٰؑ نے اس کو باقی رکھا تھا۔ مگر ایک روایت میں موسیٰؑ کے بجائے عیسیٰؑ کا نام ہے چنانچہ ایک دوسری روایت کے مضمون سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ نجاشی نے زمین سے ایک لکڑی اٹھا کر کہا کہ خدا کی قسم اس پیغام میں اور اس میں جو انجیل میں ہے صرف اتنا ہی سا فرق ہے اس نے لکڑی کی طرف اشارہ کیا۔

قریشی وفد سے سوال جواب...... ایک روایت میں یہ ہے کہ جب قریشی قاصدوں کی بات سننے کے بعد نجاشی نے مسلمانوں سے گفتگو کی تو حضرت جعفرؓ نے نجاشی سے کہا۔

"ان دونوں قاصدوں سے پوچھئے کہ آیا ہم لوگ غلام ہیں یا آزاد ہیں اگر ہم غلام ہیں تو آپ ہمیں ہمارے مالکوں کے پاس واپس کرا سکتے ہیں۔"

قاصدوں نے کہا کہ نہیں یہ لوگ آزاد ہیں۔ پھر حضرت جعفر نے کہا۔

"ان سے پوچھئے کیا ہم نے بلاوجہ کسی کا خون بہایا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ہم خون بہا دیں گے۔ یا ہم نے بغیر حق کے کسی کا مال چھین لیا ہے تو اس کی ادائیگی ہمارے ذمہ ہے۔"

عمرو ابن عاص نے کہا کہ ایسا بھی نہیں ہے پھر خود نجاشی نے عمرو ابن عاص اور عمارہ سے کہا۔

"کیا تم دونوں کا ان پر کچھ قرض نکلتا ہے۔"

دونوں نے کہا "نہیں!" تب نجاشی نے کہا۔

وفد کو نجاشی کا دوٹوک جواب...... "بس تو جاؤ۔ خدا کی قسم میں کبھی ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ چاہے تم مجھے ان کے بدلے میں سونے کا پہاڑ ہی کیوں نہ دے رہے ہو۔"

اس کے اگلے دن عمرو ابن عاص دوبارہ نجاشی کے پاس آئے اور اس سے بولے۔

"یہ لوگ عیسیٰؑ کے بارے میں ایک بہت بڑی بات کہتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ اللہ کے بندے ہیں اس کے بیٹے نہیں ہیں۔"

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ عمرو نے نجاشی سے کہا۔

جہاں پناہ! ان کی کتاب میں عیسیٰؑ اور ان کی والدہ مریم کو گالیاں دی گئی ہیں اس کے بارے میں ان سے پوچھئے۔"

چنانچہ نجاشی نے حضرت جعفر سے پوچھا تو انہوں نے نجاشی کے سامنے وہ جواب دیا جو پہلی روایت میں گزرا ہے۔

حضرت عروہ ابن زبیر سے ایک روایت ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ نجاشی سے صرف حضرت عثمان ابن عفان نے مسلمانوں کی طرف سے بات چیت کی تھی۔ مگر یہ کہنا بہت عجیب بات ہے اور قابل غور ہے۔

قریشی وفد میں پھوٹ...... طبرانی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے ایک روایت بیان کی ہے جس کی سند میں سب راوی صحیح ہیں وہ روایت یہ ہے کہ حبشہ پہنچ کر عمرو ابن عاص نے اپنے ساتھی عمارہ ابن ولید کے ساتھ ایک فریب کیا تھا۔ اس فریب کا سبب ان دونوں کے درمیان پیش آنے والا ایک واقعہ تھا جس کی وجہ سے اسی سفر میں ان دونوں کے درمیان دشمنی پیدا ہو گئی تھی۔

عمارہ کی بے حیائی اور پھوٹ کا سبب......واقعہ یہ تھا کہ عمرو ابن عاص کے ساتھ ان کی بیوی بھی تھیں عمرو ابن عاص بہت چھوٹے سے قد کے اور بد صورت آدمی تھے۔ ادھر عمارہ ابن ولید بہت خوبصورت اور حسین و جمیل نوجوان تھا۔ اس کی خوبصورتی کی وجہ سے عمرو کی بیوی عمارہ پر فریفتہ ہو گئی آخر عمرو اور عمارہ جب جہاز میں سوار ہوئے تو عمارہ نے عمرو سے کہا کہ

"اپنی بیوی سے کہو کہ مجھ سے پیار کرائے۔"

عمرو نے غضب ناک ہو کر کہا۔

"تجھے شرم نہیں آتی!"

اس پر عمارہ نے عمرو کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا عمرو چیخنے لگے اور جہاز والوں اور عمارہ کو مدد کے لئے پکارا۔ آخر انہیں سمندر میں سے نکال کر پھر جہاز میں چڑھایا گیا۔ اس واقعہ کے بعد عمرو کے دل میں عمارہ کے خلاف دشمنی بیٹھ گئی مگر انہوں نے اس کو ظاہر نہیں ہونے دیا بلکہ اپنی بیوی سے کہا۔

"اپنے چچا کے بیٹے عمارہ سے پیار کراؤ تا کہ اس کا دل خوش ہو جائے۔"

عمارہ سے ابن عاص کا بھیانک انتقام......جب یہ حبشہ پہنچ گئے تو یہاں عمرو نے انتقام لینے کے لئے عمارہ کے ساتھ فریب کیا اور عمارہ سے کہا۔

"تم ایک خوبصورت نوجوان ہو اور عورتیں حسن پر مرتی ہیں اس لئے تم نجاشی کی بیوی کو لبھاؤ ممکن ہے اس طرح وہ بادشاہ سے ہماری درخواست کے معاملے میں سفارش کر دے۔"

عمارہ فوراً تیار ہو گیا اور بار بار نجاشی کی بیوی کے پاس جا کر اس سے اتنے تعلقات بڑھائے کہ ایک روز اس نے اپنا عطر عمارہ کو ہدیہ کیا۔

جب عمارہ نجاشی کی بیوی کے پاس گیا ہوا تھا تو اسی وقت عمرو ابن عاص خاموشی سے نجاشی کے پاس پہنچے اور اس کو یہ بات بتلاتے ہوئے کہا۔

"میرا یہ ساتھی حالانکہ شادی شدہ آدمی ہے مگر وہ تمہاری بیوی پر بری نظر رکھتا ہے اور اس وقت اس کے پاس ہی ہے آپ اس بات کی تحقیق کر سکتے ہیں۔"

نجاشی کا غضب اور عمارہ کا انجام...... نجاشی نے یہ سن کر فوراً کسی کو بھیج کر اس کی تحقیق کرائی تو معلوم ہوا کہ واقعی عمارہ نجاشی کی بیوی کے پاس موجود ہے نجاشی نے اس کو پکڑ کر بلوایا اور عمرو سے کہا۔

"اگر یہ میری پناہ میں نہ ہوتا تو میں اسی وقت اس کو قتل کر دیتا۔ مگر اب میں اس کو قتل سے بھی زیادہ خوفناک سزا دوں گا۔"

اس کے بعد نجاشی نے ایک جادوگر کو بلوایا اس نے کچھ منتر پڑھ کر عمارہ کے پیشاب کرنے کے سوراخ میں پھونکا جس کے ساتھ اس کی عقل ختم ہو گئی اور یہ بالکل دیوانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ دیوانگی میں بستی سے نکل کر پہاڑوں میں جانوروں کے درمیان جا پہنچا اور وہیں اسی حالت میں کہیں مر گیا۔

عمرو ابن عاص کے دو شعر ہیں جن میں انہوں نے عمارہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے

اذا المرء لم یترك طعاما یحبه
ولم ینه قلبا غاویا حیث یمما

ترجمہ: اگر آدمی اپنی محبوب غذائیں نہیں چھوڑتا اور اس کا دل اپنی منزل پر نہیں پہنچتا بلکہ بھٹکتا رہتا ہے۔

قَضیٰ وَطْرًامِنْہُ وَغَادَرَ تسبّۃً
اِذَا ذُکِرَت اَمْثَا لَھَا تَمْلأُ الفمَا

ترجمہ: اور وہ اپنی من پسند غذا سے ہی اپنی خواہش پوری کرتا ہے تو نفس کی غلامی کے واقعات رنگ لا کر رہتے ہیں۔

عمارہ اسی طرح دیوانگی کی حالت میں جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتا رہا یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں وہ اسی حالت میں مرا۔

عمارہ کے چچازاد بھائی عبداللہ ابن ابی ربیعہ نے جو ایک صحابی تھے حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں ان سے اجازت مانگی کہ وہ عمارہ کو تلاش کرنے کے لئے جانا چاہتے ہیں ممکن ہے کہ وہ کہیں مل جائے حضرت عمرؓ نے اجازت دیدی چنانچہ حضرت عبداللہ ملک حبشہ کو روانہ ہوگئے وہاں انہوں نے اس کو بے حد تلاش کیا آخر انہیں معلوم ہوا کہ وہ فلاں پہاڑ پر جانوروں کے درمیان رہتا ہے اور جانوروں کے ساتھ ہی بھاگتا دوڑتا ہے۔

حضرت عبداللہ اس پہاڑ پر پہنچے اور آخر انہوں نے اس کو پالیا۔ حضرت عبداللہ نے اس کو پکڑ کر باندھ لیا۔ اس وقت عمارہ ان سے کہتا تھا۔

"مجھے چھوڑ دو ورنہ میں اسی وقت مر جاؤں گا۔"

مگر حضرت عبداللہ نے اس کو نہیں چھوڑا اور وہ اسی وقت مر گیا۔

آگے ایک روایت آئے گی کہ غزوہ بدر کے بعد مشرکین مکہ نے پھر عمرو ابن عاص کو ان عبداللہ ابن ابو ربیعہ کے ساتھ ملک حبش کو بھیجا تھا تاکہ یہ وہاں نجاشی بادشاہ سے ملیں اور اس سے کہیں کہ وہ اپنے پاس رہنے والے مسلمانوں کو ان دونوں قاصدوں کے حوالے کردیں تاکہ قریش مکہ ان کو غزوہ بدر میں قتل ہونے والے اپنے آدمیوں کے بدلے میں قتل کردیں۔ حضرت عمرو ابن عاص کے ساتھ اس دفعہ یہی حضرت عبداللہ ابن ابو ربیعہ گئے تھے۔ مسلمان ہونے سے پہلے ان کا نام بحیر تھا۔ جب یہ مسلمان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا تھا۔ ان کا باپ ابو ربیعہ تھا جس کو ذوالرمحین یعنی دو نیزوں والا کہا جاتا تھا۔

ان حضرت عبداللہ کی ماں اور ابو جہل ابن ہشام کی ماں ایک ہی عورت تھی اور اس طرح ابو جہل اور یہ حضرت عبداللہ ماں شریک بھائی تھے۔

ان دونوں کو یعنی حضرت عمرو اور حضرت عبداللہ کو غزوہ بدر کے بعد حبشہ بھیجا گیا تھا اور گویا حضرت عمرو کا یہ دوسرا سفر تھا مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ کتاب مواہب کے مصنف نے لکھا ہے کہ عمرو ابن عاص عبداللہ ابن ربیعہ اور ان کے ساتھ عمارہ ابن ولید کو قریش نے پہلی ہجرت کے بعد حبشہ بھیجا تھا۔ اور صرف عمرو ابن العاص اور عمارہ ابن ولید کو دوسری ہجرت کے بعد بھیجا تھا۔

حالانکہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حضرت عمرو ابن عاص کے ساتھ عبداللہ ابن ربیعہ غزوہ بدر کے بعد گئے تھے۔ اگرچہ یہ بات ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ کو بھی دو مرتبہ حبشہ بھیجا گیا ہو مگر یہ بہت دور کا احتمال ہے پھر بلکہ اس سے وہ روایت بھی غلط ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ حبشہ کو ہجرت کر جانے والے مسلمانوں کے معاملے میں قریش نے دو مرتبہ اپنے قاصد نجاشی کے پاس بھیجے پہلی بار عمرو ابن عاص اور عمارہ ابن ولید کو بھیجا اور

دوسری بار عمرو ابن عاص اور عبداللہ ابن ابوربیعہ کو بھیجا۔ بہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

شعب ابو طالبؑ میں مسلمانوں کے حصار کی مدت...... (اس کے بعد پھر قریش کی طرف سے مسلمانوں کے بائیکاٹ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ مسلمان شعب ابو طالب نامی گھاٹی میں تین سال اور ایک قول کے مطابق دو سال تک محصور ہے یہ عرصہ مسلمانوں پر انتہائی سخت تکلیف اور کسمپرسی کا گزرا جس میں انہوں نے بڑے بڑے مصائب جھیلے۔ اسی دوران اور یہیں شعب ابو طالب میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

ان حالات کو دیکھ کر قریش میں کچھ لوگ ایسے تھے جو خوش ہوتے تھے اور کچھ وہ تھے جو رنجیدہ ہوئے تھے۔ بائیکاٹ کے مخالف کہتے۔

دیکھو یہ عہد نامہ یعنی بائیکاٹ کا حلف نامہ لکھنے والے کا کیا حشر ہوا۔ یعنی اس کے ہاتھ شل ہو گئے جیسا کہ بیان ہوا۔

مظلوم مسلمان اور سنگ دل قریش...... خود مشرکوں پر اتنی کڑی نگرانی تھی کہ کوئی شخص ان ستم رسیدہ لوگوں کے پاس کھانا یا سالن نہیں پہنچا سکتا تھا۔ قریش کی سختی کی یہ حالت تھی کہ ایک روز ابو جہل کو راستے میں حکیم ابن حزام ملے۔ ان کے ساتھ ان کا غلام تھا جو کچھ گیہوں اٹھائے ہوئے تھا جسے حضرت حکیم ابن حزام ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے پاس لے جانا چاہتے تھے حضرت خدیجہؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شعب ابو طالب میں ہی تھیں۔ ابو جہل نے حکیم کو دیکھا تو ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔

"کیا تم بنی ہاشم کے پاس کھانا لے کر جاؤ گے۔ خدا کی قسم ہر گز نہیں ورنہ میں تمہیں سارے مکے میں رسوا کروں گا۔"

اس پر ابو البختری ابن ہشام نے ابو جہل سے پوچھا کیا بات ہے۔ تو ابو جہل نے کہا۔

"یہ بنی ہاشم کے پاس کھانا لے کر جانا چاہتے ہیں۔"

ابو البختری نے کہا

یہ کھانا تو یہ اپنی پھوپھی یعنی خدیجہ کے پاس لے جا رہے ہیں جو وہاں اپنے شوہر کے ساتھ ہیں (اور خدیجہ بنی ہاشم میں سے نہیں ہیں) تو کیا اب تم ان کو اپنی پھوپی کے پاس جانے سے بھی روکو گے۔ ہٹو ان کا راستہ چھوڑ دو۔"

مگر ابو جہل نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر ابو البختری اور ابو جہل میں لڑائی ہو گئی یہاں تک کہ ابو البختری نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ابو جہل کے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اس کے بعد ابو البختری نے ابو جہل کو گرا کر زمین پر روندا۔

یہ ابو البختری کافر تھا اور کفر کی ہی حالت میں غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کا نام ابو البختری حؔ سے بولا جاتا ہے اور جیسا کہ کتاب اسد الغابہ میں ہے ابو البختری خؔ سے بھی بولا جاتا ہے۔

قریش کی انتہائی سختی کی ایسی ہی ایک اور مثال یہ ہے کہ ایک رات ہاشم ابن عمرو ابن حرث عامری جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے تین اونٹوں پر کھانا لے کر گھاٹی میں داخل ہو گئے قریش کو اس کا پتہ چل گیا وہ صبح بنی ہاشم کے پاس پہنچے اور اس سے باز پرس کی ہاشم نے کہا۔

"میں آئندہ ایسی کوئی بات نہیں کروں گا جو آپ کے خلاف ہوتی ہو۔"

مگر اس کے بعد ایک رات پھر وہ ایک اونٹ یا ایک قول کے مطابق دو اونٹوں پر کھانا لے کر گھاٹی میں پہنچ آئے قریش کو اس کا بھی پتہ چل گیا۔ اس دفعہ قریش سخت غضب ناک ہوئے اور برا بھلا کہتے ہوئے ہاشم پر حملہ آور ہوئے۔ مگر اسی وقت ابوسفیان نے کہا۔

"اے چھوڑ دو۔ اس نے صلہ رحمی یعنی رشتے داروں کا حق پورا کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ میں خدا کے نام پر حلف اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم ایسا کرتے تو کوئی بری بات نہ ہوتی۔"

آنحضرت ﷺ کے متعلق ابو طالب کی احتیاط...... اس زمانے میں ابو طالب کی آنحضرت ﷺ کے سلسلے میں احتیاط اور فکر کا یہ حال تھا کہ ہر رات وہ آنحضرت ﷺ کو آپ کے بستر پر سونے کے لئے لٹا آتے اور پھر جب سب لوگ سو جاتے تو وہ آپ کو جگا کر وہاں سے ہٹا دیتے اور اپنے بیٹوں میں سے کسی کو یا کسی اور کو آپ کے بستر پر آپ کی جگہ لٹا دیتے تاکہ کہیں کوئی دشمن چپکے سے آپ کو اغوا کر کے نہ لے جائے۔

قریشی حلف نامہ دیمک کی نذر...... پھر مسلمانوں کے اس گھاٹی میں قیام کے زمانے میں ہی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ پیدا ہوئے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی کہ دیمک نے قریش کے لکھے ہوئے اس حلف نامے کو چاٹ لیا ہے۔ یہ دیمک ایک چیونٹی ہوتی ہے جو لکڑی کو کھا لیتی ہے۔ اگر یہ ایک سال تک زندہ رہ جائے تو اس کے پر نکل آتے ہیں اور یہ اڑنے لگتی ہے اور یہی وہ کیڑا ہے جس نے جنات کو حضرت سلیمانؑ کی موت کی خبر دی تھی۔

آنحضرت ﷺ کو آسمان سے اس کی اطلاع...... غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خبر دی کہ دیمک نے اس عہد نامہ کے وہ الفاظ چاٹ لئے ہیں جن کو مسلمانوں پر ظلم کرنے اور ان کے حقوق تلف کرنے کے لئے لکھا گیا تھا۔ اور یہ کہ ان الفاظ میں سوائے اللہ تعالیٰ کے نام کے باقی کچھ نہیں رہا۔

اک روایت میں یہ ہے کہ اس تحریر میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کا نام تھا دیمک نے ان کو چاٹ لیا ہے اور اب اس میں سوائے ظلم و شرک اور حق تلفی کے لفظوں کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔

مگر ان دونوں روایتوں میں پہلی روایت دوسری کے مقابلے میں زیادہ ثابت ہے۔

(قال) ان دونوں روایتوں کے مضمون میں اس طرح موافقت پیدا کی جاتی ہے کہ مشرکوں نے اس تحریر کے ایک سے زیادہ نسخے تیار کئے تھے۔ اب دیمک نے بعض نسخوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نام کو چاٹ لیا اور بعض میں سے اللہ تعالیٰ کے نام کو چھوڑ کر جو مضمون تھا اس کو چاٹ لیا تاکہ اللہ تعالیٰ کا نام مشرکوں کے ظلم و جفا کے ساتھ جمع نہ ہو۔

جو تحریر مشرکوں نے کعبے کے دروازے پر لٹکائی تھی دیمک نے اسی میں سے اللہ تعالیٰ کے ناموں کو چاٹ لیا جیسا کہ آگے آنے والی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

اس اطلاع پر ابو طالب کا اقدام...... غرض آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کو اس بات کی خبر دی ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کی یہ بات سن کر کہا۔

روشن ستاروں کی قسم۔ تم نے کبھی مجھ سے جھوٹ نہیں بولا۔!"

یہاں ابو طالب کے جملے میں والثواقب کا لفظ آیا ہے جس کے معنی پھینکی جانے والی چیز کے ہیں۔

ستارے کو ثاقب اس لئے کہتے ہیں کہ یہ شیطانوں کے مارے جاتے ہیں ایک قول کے مطابق ثاقب کے معنی روشنی پھینکنے والی چیز کے ہیں کیونکہ ستارے اپنی روشنی سے اندھیرے کو مارتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ابوطالب نے یہ سن کر آنحضرت ﷺ سے فرمایا۔

کیا تمہارے رب نے تمہیں اس بات کی خبر دی ہے ؟"

آپ نے فرمایا۔ "ہاں!"

اس کے بعد ابوطالب بنی ہاشم اور بنی مطلب کے لوگوں کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر اس گھاٹی سے کعبے کی طرف روانہ ہوئے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کی دی ہوئی یہ خبر اپنے گھر والوں کو سنائی تو انہوں نے کہا کہ پھر اب آپ کی کیا رائے ہے۔ ابوطالب نے کہا۔

"میری رائے ہے کہ تم سب اپنے بہترین لباس پہنو اور قریش کے پاس جاؤ اور اس سے پہلے کہ یہ بات ان تک پہنچے تم ان کو جاکر یہ اطلاع دو۔"

چنانچہ وہ لوگ گھاٹی سے روانہ ہوئے اور ڈرتے ڈرتے مسجد حرام تک پہنچے۔ قریش نے ان لوگوں کو یہاں دیکھا تو وہ یہ سمجھے کہ یہ لوگ مصیبتوں سے گھبرا کر نکل آئے ہیں تاکہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کے لئے مشرکوں کے حوالے کر دیں۔ یہاں پہنچ کر ابوطالب نے ان لوگوں سے گفتگو کی اور کہا۔

ہمارے اور تمہارے درمیان معاملات بہت طول اختیار کر گئے ہیں اس لئے اب تم لوگ اپنا وہ حلف نامہ لے کر آؤ ممکن ہے ہمارے تمہارے درمیان صلح کی کوئی شکل نکل آئے۔"

<u>قریش کے سامنے آسمانی خبر کا اظہار</u>...... ابوطالب نے اصل بات بتلانے کے بجائے یہ بات اسلئے کہی تھی کہ کہیں قریش حلف نامہ سامنے لانے سے پہلے اس کو دیکھ نہ لیں کیونکہ اس کے بعد وہ اس کو لے کر ہی نہ آتے۔ غرض وہ لوگ حلف نامہ لے کر آ گئے اور اب انہیں اس بات میں کوئی شک نہیں رہا کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ تمام عہد و پیمان اور حلف نامے آنحضرت ﷺ کی اسی وجہ سے ہوئے تھے۔

حلف نامے کی تحریریں لاکر انہوں نے ان کے سامنے رکھ دیں اور ابوطالب اور ان کے ساتھیوں کو ڈانٹتے ہوئے کہنے لگے۔

"تم لوگوں نے ہمارے اور اپنے اوپر جو مصیبت ڈالی تھی آخر اب اس سے پیچھے ہٹتے ہی بنی!"

ابوطالب نے کہا۔

"میں تمہارے پاس ایک انصاف کی بات لے کر آیا ہوں جس میں نہ تمہاری بے عزتی ہے اور نہ ہماری وہ یہ ہے کہ میرے بھتیجے یعنی آنحضرت ﷺ نے بتایا ہے کہ اس حلف نامے پر جو تمہارے ہاتھوں میں ہے اللہ تعالیٰ نے ایک کیڑا مسلط فرمادیا ہے جس نے اس میں سے وہ تمام حصے چاٹ لئے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے نام لکھے ہوئے تھے اب اس میں صرف تمہارے ظلم و جفا اور زیادتیوں کا تذکرہ رہ گیا ہے۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہ بات گویا اس دوسری روایت کی بنیاد پر ہے جو پیچھے ذکر ہوئی ہے اب جہاں تک پہلی روایت کا تعلق ہے جو زیادہ ثابت ہے تو اس صورت میں ابوطالب کا قول یہ ہوگا کہ کیڑے نے صرف اللہ تعالیٰ کے نام چھوڑ دیئے ہیں اور باقی تمہارے عہد نامے کے تمام الفاظ چاٹ لئے ہیں۔

اس سلسلے میں میں نے علامہ ابن جوزی کا کلام دیکھا انہوں نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابو طالب نے قریش سے یہ کہا کہ میرے بھتیجے نے مجھے خبر دی ہے کہ جو حلف نامہ تم نے لکھا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے کیڑا مسلط فرمادیا جس نے اس سارے حلف نامے کو چاٹ گیا صرف یہ پہلا جملہ باقی رہ گیا باسمك للهم یعنی اے اللہ تیرے نام سے شروع کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

آنحضرت ﷺ کی اطلاع کی تصدیق...... غرض اس کے بعد ابو طالب نے کہا۔

اگر بات اسی طرح ہے جیسے میرے بھتیجے نے بتلائی ہے تو معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تو پھر تم اپنی غلط رائے سے باز آؤ لیکن اگر تم باز نہ آئے تو بھی خدا کی قسم جب تک ہم میں سے آخری آدمی بھی زندہ ہے ہم محمد کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے اور اگر میرے بھتیجے کی بات غلط نکلی تو ہم اس کو تمہارے حوالے کر دیں گے پھر تم چاہے اس کو قتل کرو اور چاہے زندہ رکھو۔"

اس پر قریش نے کہا

"ہمیں تمہاری بات منظور ہے۔"

اب انہوں نے عہد نامہ کھول کر دیکھا تو انہیں معلوم ہوا کہ ابو طالب جو خبر لے کر آئے ہیں وہ بالکل صحیح ہے یہ دیکھ کر ان میں سے اکثر لوگوں نے کہا۔

یہ تمہارے بھتیجے کا جادو ہے۔"

ایسے لوگوں کا ظلم اور سرکشی اس واقعہ کے بعد اور زیادہ بڑھ گئی مگر ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو اس بات پر نادم اور شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے۔

"اب یہ سختی ہماری طرف سے اپنے بھائیوں پر ظلم ہے۔"

تصدیق کے بعد مسلمانوں اور ابو طالب کی فریاد...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب مشرکوں نے حلف نامے کو ابو طالب کی اطلاع کے مطابق دیمک خوردہ پایا تو ابو طالب نے ان سے کہا۔

"اے گروہ قریش ہمیں کس بنیاد پر محصور کیا جارہا ہے اور کس لئے اس گھاٹی میں قید کیا جارہا ہے جبکہ معاملہ صاف ہو گیا اور یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ حقیقت میں اس ظلم وزیادتی بائیکاٹ اور سختی کے سزاوار تم خود ہو۔"

اس کے بعد ابو طالب اور ان کے ساتھی کعبے کے غلاف میں گھس گئے اور وہ یہ کہتے جاتے تھے۔

"اے اللہ! جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا جنہوں نے ہماری حق تلفی کی اور ہم پر ناحق زیادتیاں کیں ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔"

کفار قریش ہی میں سے مسلمانوں کی غیبی مدد...... اس کے بعد یہ سب گھاٹی میں واپس چلے گئے ادھر مشرکوں میں سے ایک جماعت اس حلف نامہ کو پھاڑنے کے لئے آگے بڑھی یہ کل پانچ آدمی تھے جن میں ہشام ابن عمرو، زہیر ابن امیہ جو آنحضرت ﷺ کی پھوپی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ مطعم ابن عدی جو کفر ہی کی حالت میں مارا گیا۔ ابوالبختری ابن ہشام جو غزوہ بدر میں کفر کی حالت میں مارا گیا اور زمعہ ابن اسود تھا یہ بھی غزوہ بدر میں کفر کی حالت میں مارا گیا۔

حلف نامہ کا کاتب اور اس کا انجام...... جہاں تک اس حلف نامے کے لکھنے والے کا تعلق ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن سعد کہتے ہیں کہ اس کا لکھنے والا بغیض ابن عامر تھا جس کا وہ ہاتھ شل ہو گیا تھا اس

کے مسلمان ہونے کا بھی کوئی پتہ نہیں چلتا۔ مگر ابن اسحاق کا قول یہ ہے کہ اس حلف نامے کا لکھنے والا ہشام ابن عمر وابن حرث تھا جس کا ذکر پیچھے بھی ہوا ہے۔

(قال) ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا لکھنے والا منصور ابن عکرمہ تھا جس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا کتاب نور میں علامہ ابن ہشام کے حوالے سے یہی قول نقل کیا گیا ہے ایک قول یہ ہے کہ نضر ابن حرث نے لکھا تھا جس کے لئے آنحضرت ﷺ نے بددعا فرمائی اور اس کی ایک انگلی شل ہو گئی تھی۔ یہ شخص میدان بدر سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے وقت کفر کی حالت میں قتل ہوا۔

ایک قول یہ ہے کہ حلف نامہ لکھنے والا طلحہ ابن ابو طلحہ عبدری تھا۔ مگر علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مشہور قول یہ ہے کہ لکھنے والا منصور تھا۔ ان تمام روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ شاید اس حلف نامہ کی کئی نقلیں تھیں اور ان لوگوں میں سے جن کے نام ذکر کئے گئے ہر ایک نے ایک ایک نسخہ لکھا تھا اب جہاں تک ہاتھ کے شل ہونے کا سوال ہے تو یہ واقعہ اس شخص کے ساتھ پیش آیا تھا جس نے وہ اصل مضمون لکھا تھا جو کعبے کے دروازے پر لٹکایا گیا تھا اور شاید سب سے پہلے وہی نسخہ لکھا گیا تھا۔

اس تحریر کو دیمک کے کھانے اور ان پانچ آدمیوں کی طرف جنہوں نے اس تحریر کو پھاڑنے کی کوشش کی تھی قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

فدیته خمسته الصحیفته بالخمسته
اذا کان الکرام فداء
فتیته بیتوا علی فعل خیر
حمد الصبح امره والمساء
بالامر اناه بعد هشام
زمعته انه الفتی الاتاء
وزهیر و المطعم بن عدی
وابوالبختری من حیث شاء
نقصو مبرم الصحیفته اذ
شدت علیه من العدا الانداء
اذکر تنابا کلها اکل منساها
سلیمان الارضته الخرساء
وبها اخبر النبی وکم اخرج
خبالته الغیوب خباء

مطلب...... اس تحریر کو پھاڑنے والے قریش کے پانچ آدمی ان پانچ قریشیوں کا بدل بن گئے جو آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑا کر آپ کو تکلیف پہنچایا کرتے تھے جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔ اس گروہ نے حجون کے مقام پر رات کے وقت جمع ہو کر مشورہ کیا اور اس ظالمانہ تحریر کو پھاڑنے کا فیصلہ کیا۔ حلف نامے کو پھاڑنے کے اس نیک اور عظیم الشان مقصد کے لئے صبح اور شام ان کی تعریف کی گئی۔ ہشام کے بعد وہاں اسود پہنچا جو اپنی قوم میں انتہائی شریف شخص تھا اور اچھے کاموں میں پیش پیش رہتا تھا۔ پھر زہیر مطعم ابن عدی اور ابو البختری پہنچے اور انہوں نے اس تحریر اور اس کے ظالمانہ مضمون کو چاک کر دیا۔ ایک چھوٹے سے کیڑے نے اس تحریر کو چاٹ کر سلیمانؑ کا واقعہ یاد دلا دیا اور آنحضرت ﷺ کو اس بات کی پہلے ہی خبر دیدی گئی تھی اور کتنے ہی دوسرے موقعوں

پر آنحضرت ﷺ نے غیب کے پردوں میں چھپی ہوئی باتیں حق تعالیٰ کے بتلانے پر لوگوں کے سامنے ظاہر فرمادی تھیں۔

پانچ بد اور پانچ شریف...... مقصد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑا کر آپ کو تکلیف پہنچانے والے بھی قریش کے پانچ آدمی تھے اور یہ نیک کام کرنے والے بھی پانچ ہی تھے اس طرح ان پانچوں نے ان پانچ کا بدل کر کے کمی پوری کر دی۔ یہ بات اس قول کے خلاف نہیں جاتی کہ ان پانچوں میں سے کچھ لوگ کفر کی حالت میں ہی مرے ہیں۔

حلف نامے کے خلاف پانچ مشرکوں کا جذبہ...... (قال) اس تحریر کو پھاڑے جانے کا تفصیلی واقعہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ہشام ابن عمرو ابن حرث ایک رات زہیر ابن امیہ ابن عاتکہ بنت عبد المطلب کے پاس آئے۔ یہ دونوں حضرات بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ غرض ہشام نے زہیر سے کہا۔

"زہیر! کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ تم دونوں وقت آرام سے روٹی کھاتے ہو، اچھے سے اچھا لباس پہنتے ہو جبکہ تمہاری ننہال کے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ نہ وہ کوئی چیز خرید سکتے ہیں اور نہ بیچ سکتے ہیں؟"

زہیر نے کہا۔ "ہشام تم بتاؤ میں تنہا آدمی کیا کروں! خدا کی قسم اگر کوئی ایک آدمی بھی میرا ساتھ دینے والا ہوتا تو میں اب تک کبھی کا اس تحریر کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر چکا ہوتا۔"

ہشام نے کہا دوسرا آدمی تو موجود ہے زہیر نے کہا وہ کون ہے؟ ہشام نے کہا میں ہوں! زہیر نے کہا ایک آدمی اور اپنے ساتھ ملاؤ چنانچہ ہشام مطعم ابن عدی کے پاس گئے اور اس سے بولے۔

"مطعم! کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ بنی عبد مناف کے دونوں خاندان یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو جائیں اور تم تماشہ دیکھتے رہو؟"

مطعم نے بھی وہی جواب دیا کہ بتاؤ میں اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہوں جبکہ کوئی میرا ساتھ دینے والا نہیں ہے۔ ہشام نے کہا تمہارا ساتھ دینے کو دوسرا آدمی موجود ہے! مطعم نے پوچھا وہ کون ہے۔ ہشام نے کہا میں ہوں۔ اب مطعم نے کہا کہ ایک تیسرا ساتھی اور ہونا چاہئے۔ ہشام نے کہا میں نے تیسرے کا بھی انتظام کر لیا ہے۔ مطعم نے پوچھا وہ کون ہے۔ ہشام نے کہا زہیر ابن امیہ۔ مطعم نے کہا کہ پھر ایک چوتھے آدمی کا اور انتظام کر لو۔

اب ہشام کہتے ہیں کہ میں ابو البختری کے پاس گیا اور اس سے بھی میں نے وہی بات کی جو مطعم سے کی تھی۔ ابو البختری نے کہا۔

"اس کام میں ہمارا کوئی مددگار بھی ہے۔"

میں نے کہا ہاں مددگار بھی ہیں۔ ابو البختری نے کہا وہ کون ہیں۔ میں نے کہا زہیر ابن امیہ مطعم ابن عدی اور خود میں اس کام میں تمہارے ساتھ ہیں ابو البختری نے کہا ایک پانچویں آدمی کا انتظام اور ہونا چاہئے ہشام کہتے ہیں اب میں زمعہ ابن اسود کے پاس گیا اور میں نے اس سے بات کی۔ اس نے بھی یہی بات پوچھی کہ کیا اس معاملے میں کوئی ہماری مدد کرنے کو بھی تیار ہوگا۔ میں نے اس کو چاروں آدمیوں کے نام بتلائے۔

حلف نامے کو پھاڑنے کا عہد اور اس کی تکمیل...... اس کے بعد یہ پانچوں آدمی رات کے وقت حجون کے مقام پر جمع ہوئے یہاں انہوں نے مشورہ کر کے یہ فیصلہ اور عہد کیا کہ ہم اس حلف نامے کو پھاڑنے کا بیڑہ اٹھاتے ہیں اور اس کام کو پورا ہی کر کے دم لیں گے۔ زہیر نے کہا کہ میں اس سلسلے میں پہل کروں گا اور لوگوں

سے بات کروں گا۔

صبح یہ لوگ حرم میں قریشی مجلسوں میں پہنچے۔ ادھر زہیر نے صبح ہوتے ہی اپنا حلّہ پہنا اور بیت اللہ میں آکر طواف کیا۔ اس کے بعد یہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے۔

"مکے والو! کیا ہم اطمینان کے ساتھ اچھے سے اچھا کھاتے اور اچھے سے اچھا پہنتے رہیں اور بنی ہاشم اور بنی مطلب اس بے کسی کے ساتھ ہلاک ہو جائیں کہ نہ وہ کچھ خرید سکتے ہیں اور نہ بیچ سکتے ہیں۔ خدا کی قسم میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ یہ ظالمانہ اور انسانیت سوز حلف نامہ نہیں پھاڑ دیا جائے گا۔"

یہ سنتے ہی ابو جہل ایک دم چیخا۔

"تو بکتا ہے۔ خدا کی قسم اس حلف نامہ کو ہرگز نہیں پھاڑا جا سکتا۔"

اس پر ایک دم زمعہ ابن اسود اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے ابو جہل کو پھٹکارتے ہوئے کہا۔

"سب سے زیادہ بکواس تو خود کرتا ہے۔ جب یہ حلف نامہ لکھا گیا تھا تو ہم اس سے متفق نہیں تھے۔"

اسی وقت تیسرا ساتھی ابو البختری اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے پکار کر کہا۔

"زمعہ ٹھیک کہتا ہے۔"

اسی وقت مطعم اٹھا اور اس نے اعلان کیا۔

ان دونوں نے ٹھیک کہا ہے ان کے مقابلے پر بولنے والا بکواس کرتا ہے۔ ہم اس حلف نامے اور اس کے مضمون سے خدا کے سامنے بری ہوتے ہیں۔"

مقاطع کا اختتام ...... یہ سن کر ہشام ابن عمرو اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی یہی بات کہہ کر اپنے ساتھیوں کی تائید کی۔ اب ابو جہل نے بے کسی کے ساتھ کہا۔

"یہ سازش رات ہی کی تیار کی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔"

اسی وقت مطعم ابن عدی نے اٹھ کر اس حلف نامے کو پھاڑ ڈالا۔

اس تفصیل سے وہ روایت بھی ثابت ہوتی ہے جس میں گزرا ہے کہ دیمک نے اُس حلف نامے میں سے صرف وہ حصے چاٹ لئے تھے جہاں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا تھا اور اس طرح اس میں قریش کے اس عہد کا صرف مضمون رہ گیا تھا۔ یہ بات اس لئے ثابت ہوتی ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا اور دیمک نے عہد نامہ کا مضمون ہی چاٹ لیا ہوتا تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد اس تحریر کو پھاڑنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی تھی۔

مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ ممکن ہے ان پانچوں آدمیوں کے اس تحریر کو پھاڑنے کے بعد ابو طالب نے قریش کو دیمک کی اطلاع دی ہو (مگر یہ بات ناقابل فہم ہے کیونکہ تحریر پھاڑ دینے کے بعد دیمک کی اطلاع دینے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی تھی) چنانچہ علامہ شیمی نے لکھا ہے کہ یہ بات بعید از قیاس ہے۔

غرض اس تحریر کو پھاڑ دینے کے بعد یہ پانچوں آدمی وہاں سے اٹھے۔ اب ان کے ساتھ اور بہت سے لوگ ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے ہتھیار پہنے اور سیدھے اس گھاٹی میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ اپنے اپنے گھروں میں آجاؤ چنانچہ سب اسی وقت نکل کر اپنے گھروں پر پہنچ گئے اور اس طرح تین سال یا ایک روایت کے مطابق دو سال تک قریشیوں کے انسانیت سوز مظالم اور بنی ہاشم کی کس مپرسی کا یہ باب بند ہوا)

باب بست و نہم (۲۹)

نجران کے وفد کی آمد

اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ ابھی مکے ہی میں تھے کہ آپ کے پاس نجران کے لوگوں کا ایک وفد آیا یہ لوگ عیسائی تھے نجران ایک بستی تھی جو مکے اور یمن کے درمیان میں تھی یہ بستی مکے سے تقریبا سات منزل کے فاصلے پر تھی۔ یہ نصرانیوں کی ایک منزل تھی۔

اس وفد میں تقریبا بیس آدمی تھے ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے بارے میں ان مہاجروں سے خبر ملی تھی جو مکے سے ہجرت کر کے حبش گئے تھے۔

جب یہ مکے پہنچے تو آنحضرت ﷺ سے ان کی ملاقات حرم میں ہوئی۔ یہ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھ گئے اور آپ سے مختلف سوالات اور باتیں کرنے لگے۔ اس وقت قریش بھی کعبے کے چاروں طرف اپنی مجلسیں بنائے بیٹھے تھے اور ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے اپنی باتیں کر چکے تو آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن پاک کی کچھ آیتیں پڑھ کر سنائیں قرآن کریم کی آیات سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اور ان کے دلوں نے اس کلام کی سچائی کی گواہی دی یہ فورا آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے اور انہوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں چونکہ رسول اللہ ﷺ کی خبریں اور صفات پڑھی تھیں اس لئے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر یہ پہچان گئے کہ آپ ہی نبی آخرالزماں ہیں۔

مسلمانان نجران پر قریش کا غصہ ...... اس کے بعد جب یہ لوگ آپ کے پاس سے اٹھ کر جانے لگے تو ابو جہل اور چند دوسرے قریشی سرداروں نے ان کو روکا اور کہنے لگے۔

"خدا تمہیں رسوا کرے! بھیجنے والوں نے جو تمہارے ہم مذہب ہیں تمہیں اس لئے بھیجا تھا کہ تم یہاں سے اس شخص کے متعلق معلومات کر کے ان کو بتلاؤ اور وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں مگر تم اس کے پاس بیٹھ کر اتنے رویدہ ہو گئے کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور اس کی تصدیق کر دی! تم سے زیادہ احمق اور بے عقل قافلہ ہم نے آج تک نہیں دیکھا تھا!"

ان لوگوں نے تلملا کر جواب دیا۔

"تم لوگوں کو ہمارا اسلام ہے! ہم سے تمہارا کیا واسطہ ہے! تم اپنے کام سے کام رکھو ہمیں اپنی مرضی سے کام کرنے دو۔"

کہا جاتا ہے کہ ان ہی لوگوں کے بارے میں حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ۝ تا لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ (الآیہ پ ۲۰ سورہ قصص ع ۶) آیت ۵۲ تا ۵۵

ترجمہ: اور جن لوگوں کو آسمانی کتابیں دی ہیں ان میں جو منصف ہیں وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہ حق ہے جو ہمارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اور ہم تو اس کے آنے سے پہلے ہی مانتے تھے ان لوگوں کو ان کی پختگی کی وجہ سے دوہر ثواب ملے گا اور وہ لوگ نیکی اور تحمل سے بدی اور ایذا کا دفعیہ کردیتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جب کوئی لغویات سنتے ہیں تو اس کو ٹال جاتے ہیں اور سلامت روی کے طور پر کہہ دیتے ہیں کہ ہم کچھ جواب نہیں دیتے ہمارا کیا ہمارے سامنے آئے گا اور تمہارا کیا تمہارے سامنے آئے گا۔ بھائی ہم تم کو سلام کرتے ہیں ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔"

اسی طرح حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ (پ7 سورہ مائدہ ع)اا آیۃ

ترجمہ: اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف بھیجا گیا تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔

ضماد اَزْدی کا اسلام...... کتاب وفا میں ضماد ازدی کے بھی آنحضرت ﷺ کے پاس آنے کا ذکر کیا گیا ہے انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ ضماد مکے آیا۔ یہ قبیلہ ازد کا آدمی تھا اور جھاڑ پھونک کے ذریعہ جنات کا اثر اتارا کرتا تھا یہ مکے آیا تو اس نے مکے کے اوباش لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ محمد ﷺ پر جن کا اثر ہے اور وہ مجنوں ہیں۔ اس نے یہ سن کر کہا۔

"اگر میں اس شخص کو دیکھ سکوں تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کو میرے ہاتھ سے شفا عطا فرمادے۔"

اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے بولا۔

"اے محمد! میں جھاڑ پھونک کا علاج کرتا ہوں اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں بہتوں کو شفا عطا فرماتا ہے۔ کیا آپ پر بھی کچھ اثر ہے؟"

آپ نے فرمایا۔

"تمام حمد و تعریف اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے۔ ہم اسی کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرماتا ہے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی نصیب کرتا ہے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

ضماد نے یہ سن کر کہا۔

"یہ کلمے میرے سامنے پھر دوہرایئے۔"

آپ نے تین مرتبہ یہ کلمہ دہرایا تو اس نے کہا۔

"میں نے کاہنوں کے کلمات بھی سنے ہیں ساحروں یعنی جادوگروں کے کلمات بھی سنے ہیں اور شاعروں کے کلمات بھی سنے ہیں مگر آپ کے ان کلمات جیسے کلمے کبھی نہیں سنے تھے۔ اپنا ہاتھ لایئے میں اسلام پر آپ سے بیعت کرتا ہوں (یعنی مسلمان ہوتا ہوں)۔"

چنانچہ ضماد نے اسی وقت آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپ نے فرمایا اپنی قوم کے لئے بھی بیعت کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کرتا ہوں۔

باب سی ام (۳۰)

آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب اور آپ کی اہلیہ حضرت خدیجہؓ کا انتقال

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ان دونوں کا ایک ہی سال میں انتقال ہوا ہے جبکہ بنی ہاشم اور بنی مطلب شعب ابو طالب سے نکل چکے تھے ان دونوں کی وفات میں اٹھائیس دن کا فصل ہے۔

ان دونوں کے ایک ہی سال میں وفات پانے کے واقعے کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

وقضیٰ عمه ابو طالب والدهر
فيه السراء والضَّرَّاءُ

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب کی وفات ہوگئی اور زمانے کی چہل پہل جوں کی توں باقی ہے۔

ثم ماتت خديجته ذٰلِكَ العام
ونالت من احمد المنا

ترجمہ: پھر اسی سال حضرت خدیجہؓ نے بھی وفات پاکر احمد مصطفیٰ ﷺ کے غم کو دوبالا کر دیا۔

ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کا درمیانی فصل...... ان دونوں کی وفات آنحضرت ﷺ کے مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے سے تین سال پہلے ہوئی ہے اس وقت آنحضرت ﷺ کی نبوت کو دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا یعنی جبرئیلؑ کے پہلی بار وحی لے کر آنے کے وقت سے اس قول سے علامہ ابن اسحاق اور چند دوسرے علماء کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا انتقال معراج کے واقعہ کے بعد ہوا ہے۔ ادھر قصیدہ ہمزیہ کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ خدیجہؓ کا انتقال ابو طالب کے انتقال کے بعد ہوا ہے۔ مگر ایک قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کی وفات ابو طالب کے انتقال سے پینتیس دن پہلے ہوئی تھی۔ نیز ایک قول یہ بھی ہے کہ ابو طالب کے انتقال کے تین دن بعد ہوئی تھی۔

قصیدہ ہمزیہ کے شاعر کا اس بارے میں جو قول ہے اسی کی تائید علامہ ابن کثیرؒ کے قول سے بھی ہوتی

ہے۔ علامہ کا قول ہے کہ مشہور روایت یہ ہے کہ ابو طالب حضرت خدیجہؓ کی وفات سے تین دن پہلے مرے تھے۔

حضرت خدیجہؓ کی تدفین...... حضرت خدیجہؓ کو جون کے قبرستان میں دفن کیا گیا اور آنحضرت ﷺ دفن کے وقت ان کی قبر میں اترے تھے۔ انتقال کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر پینسٹھ سال تھی۔ اس وقت تک نماز جنازہ نہیں اتری تھی۔

آدمؑ کی تدفین اور نماز جنازہ کا واقعہ...... علامہ فاکہانی مالکی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جنازہ کی نماز اس امت کی خصوصیت ہے۔ مگر آگے ان کی اسی شرح میں لکھا ہے کہ جب آدمؑ کا انتقال ہوا تو ان کے لئے حنوط لایا گیا۔ ان کا کفن جنت سے بھیجا گیا تھا۔ آسمان سے فرشتوں نے آکر ان کو غسل دیا اور تین کپڑوں میں کفنایا اور پھر ان کی لاش پر حنوط ملا گیا۔ پھر ان میں سے ایک فرشتہ آگے بڑھا اور اس نے نماز جنازہ پڑھائی باقی فرشتوں نے اس کے پیچھے نماز جنازہ ادا کی۔ پھر فرشتوں نے ان کی قبر اور لحد بنائی اور اس میں ان کو دفن کیا اور لحد کو کچی اینٹوں سے بند کیا۔

شیثؑ کو فرشتوں کی تعلیم...... ان فرشتوں کے ساتھ حضرت آدمؑ کے بیٹے حضرت شیثؑ بھی تھے جو حضرت آدمؑ کے جانشین تھے جب فرشتے حضرت آدم ﷺ کو دفن کر چکے تو انہوں نے حضرت شیثؑ سے کہا۔

"دفن کا یہ طریقہ ہے۔ اپنی اولاد اور اپنے بھائیوں کے ساتھ اسی طرح عمل کرنا اس لئے کہ یہ تمہاری سنت ہے۔"

یہاں تک علامہ فاکہانی کی شرح رسالہ کا حوالہ ہے۔

اب ظاہر ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ فرشتوں کی اس ہدایت کے بعد شیثؑ نے اس طریقے پر عمل نہ کیا ہو۔ مگر یہاں آدمؑ پر فرشتوں کے نماز جنازہ پڑھنے سے ممکن ہے نماز کا یہ جانا پہچانا طریقہ مراد نہ ہو جس میں تکبیرات وغیرہ ہوتی ہیں بلکہ صرف دعا مراد ہو۔

مگر نماز سے صرف دعا مراد ہونے کی تردید میں کتاب عرائس کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب آدمؑ کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے شیثؑ نے جبرئیلؑ سے کہا کہ ان کی نماز جناز پڑھائیے۔ جبرئیلؑ نے کہا۔

"نہیں آپ آگے آئیے اور اپنے والد کی نماز جنازہ پڑھائیے۔"

چنانچہ شیثؑ آگے بڑھے اور انہوں نے اپنے والد کی نماز جنازہ پڑھائی جس میں تیرہ تکبیریں کہیں۔

اسی طرح کی ایک روایت حاکم نے بھی پیش کی ہے جو مرفوع[1] حدیث ہے اور اس کی سند کو صحیح بتلا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردے کو غسل دینا کفن پہنانا جنازے کی نماز پڑھنا دفن کرنا او لحد بنانا پچھلی شریعتوں میں بھی تھا کیونکہ اس حدیث کے مطابق نماز سے صرف دعا مراد نہیں ہو سکتی بلکہ وہ اصل نماز ہے جس میں تکبیریں ہوتی ہیں۔

نماز جنازہ کب فرض ہوئی...... لہٰذا اس تفصیل کے بعد یہ کہنا درست نہیں رہتا کہ نماز جنازہ صرف اس آخری امت کی خصوصیت ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پچھلی شریعتوں میں نماز جنازہ کے موجود ہونے سے

---

[1] حدیث مرفوع کی تعریف سیرت حلبیہ کے گذشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیے۔ مرتب

لازم نہیں ہوتا کہ اس کو قریش بھی جانتے رہے ہوں کیونکہ اگر قریش کو معلوم ہوتا تو وہ بھی اپنے مردوں پر نماز پڑھا کرتے۔ آگے ایک روایت آئے گی کہ قریش اپنے مردوں پر نماز جنازہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ پھر یہ کہ اگر قریش میں یہ طریقہ جانا پہچانا ہوتا تو آنحضرت ﷺ حضرت خدیجہؓ کی نماز جنازہ ضرور پڑھتے۔ اسی طرح حضرت خدیجہؓ سے پہلے جن مسلمانوں کا انتقال ہوا تھا ان کی بھی نماز جنازہ پڑھتے جیسے ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی حضرت سکران جو حضرت سودہؓ کے پہلے شوہر تھے۔

آگے روایت آئے گی کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینے پہنچے تو حضرت براء ابن معرور کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ صحابہ کے ساتھ ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑھی۔ یہ پہلی میت کی نماز ہے جو اسلام میں پڑھی گئی۔ معرور کے اصل معنی مقصود ہیں۔

یہاں یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے اس نماز سے صرف دعا مراد ہو مگر اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے اس میں چار تکبیریں کہی تھیں۔ اس نماز کے متعلق نو صحابہ نے روایتیں بیان کی ہیں جن سب کے نام علامہ سہیلی نے ذکر کئے ہیں۔ مگر کتاب امتاع میں ایک قول ہے جو آگے بیان ہوگا کہ کسی سیرت کی کتاب میں مجھے ایسی روایت نہیں مل سکی جس سے معلوم ہو سکے کہ نماز جنازہ کب فرض ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے مدینے کو ہجرت کرنے کے بعد پہلے سال میں اسعد ابن زرارہ کا انتقال ہوا ہے اور ہجرت کے دوسرے سال میں عثمان ابن مظعون کا انتقال ہوا مگر ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس سے معلوم ہو کہ ان دونوں میں سے کس کی نماز جنازہ پڑھائی گئی ہے۔

مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ نماز جنازہ ہجرت کے پہلے سال میں فرض ہوئی ہے اور وہ سب سے پہلے صحابی جن کی آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی حضرت اسعد ابن زرارہ ہیں اب ان دونوں اقوال کا اختلاف قابل غور ہے۔

<u>زمانہ جاہلیت میں نماز جنازہ کا طریقہ</u>...... ادھر بعض علماء نے لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ مردوں کو غسل دیتے اور کفن پہنایا کرتے تھے نیز وہ ان کی نماز بھی پڑھا کرتے تھے جس کا طریقہ یہ تھا کہ جب مردے کو پلنگ پر تیار کر کے لٹا دیا جاتا تو اس کا ولی اور وارث پلنگ کے پاس کھڑا ہو کر پہلے اس کی خوبیاں بیان کرتا اور اس کی تعریفیں کرتا پھر کہتا کہ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ اس کے بعد مردے کو دفن کر دیا جاتا۔

<u>آنحضرت ﷺ کیلئے عام الحزن یعنی غموں کا سال</u>...... غرض نبوت کے اس دسویں سال میں چونکہ حضرت خدیجہؓ اور آنحضرت ﷺ کے شفیق چچا ابو طالب دونوں کا انتقال ہوا اس لئے آپ نے اس سال کو غموں کا سال فرمایا۔ آپ ان دونوں محبت کرنے والی اور ہر موقعہ پر ساتھ دینے والی ہستیوں کے ایک ساتھ اٹھ جانے کی وجہ سے ہر وقت غمگین رہتے یہاں تک کہ آپ اکثر وقت گھر کے اندر ہی رہتے اور بہت کم باہر تشریف لاتے۔

صحیح قول کی بنیاد پر حضرت خدیجہؓ شادی کے بعد پچیس سال زندہ رہیں اور اتنی لمبی مدت تک ان کا اور آپ کا ساتھ رہا۔

ایک روایت ہے کہ جب حضرت خدیجہؓ بیمار تھیں تو ایک دن آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے ان سے فرمایا۔

"جو کچھ میں نے تمہارے بارے میں دیکھا ہے کیا تم اس سے خوش نہیں؟ اللہ تعالیٰ ناپسندیدگی میں

ہی خیر پیدا فرمانے والا ہے (یعنی ہماری جدائی کے اس غم میں بھی خیر ہے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ نے مجھے خبر دی ہے کہ اس نے جنت میں تمہارے ساتھ ساتھ مریم بنت عمران یعنی عیسیٰ کی والدہ موسیٰ کی بہن کلثوم اور فرعون کی بیوی آسیہ سے میری شادی کی ہے۔!

یہ کلثوم وہی خاتون ہیں جنہوں نے اپنے چچازاد بھائی قارون کو کیمیا یعنی سونا بنانے کا نسخہ بتلایا تھا غرض حضرت خدیجہؓ نے یہ سن کر آپ سے پوچھا۔

"یارسول اللہ! کیا اللہ تعالی نے آپ کو اس بات کی خبر دی ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ کیا اللہ تعالی نے ایسا کیا ہے۔"

آپ نے فرمایا۔ "ہاں!" حضرت خدیجہؓ نے کہا۔

"اللہ تعالی محبت و برکت عطا فرمائے۔"

ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کو جنت کا ایک انگور کھلایا۔

یہاں حضرت خدیجہؓ نے جو دعا دی ہے اس کے عربی الفاظ یہ ہیں بالرفاء والبنین یہ زمانہ جاہلیت کی ایک دعا ہے جو شادی کے وقت دی جاتی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی شوہر اور بیوی کے درمیان موافقت و محبت اور ملائمت پیدا فرمائے۔ اس میں رفاء کا لفظ رفات الثوب سے لیا گیا ہے۔ کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک ہو جائیں۔ حضرت خدیجہ نے شاید یہ دعا اس وقت دی تھی جب کہ اس وقت تک اس سے روکا نہیں گیا تھا۔

مگر کتاب امتاع میں ایک روایت ہے کہ جب عمر فاروقؓ نے حضرت ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب سے نکاح کیا تو وہ روضہ اقدس میں سب سے پہلے مہاجر مسلمانوں کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"مجھے محبت و ہم آہنگی کی دعا دو۔"

لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین کیا ہوا ہے۔ انہوں نے فرمایا

"میں نے ام کلثوم بنت علی ابن ابو طالب سے نکاح کر لیا ہے۔"

یہاں تک کتاب امتاع کا حوالہ ہے۔ (اس روایت میں بھی اسی زمانہ جاہلیت کی دعا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) لیکن شاید اس کی ممانعت کا حکم اس وقت تک حضرت عمر فاروقؓ اور ان صحابہ کو معلوم نہیں ہوا تھا ورنہ وہ اس سے انکار کرتے۔

حضرت سودہؓ سے آنحضرت ﷺ کا نکاح...... حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال رمضان کے مہینے میں ہوا تھا۔ ان کی وفات کے چند دن بعد اسی مہینے میں آنحضرت ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ سے شادی کی۔ آنحضرت ﷺ سے پہلے ان کی شادی ان کے چچا کے لڑکے حضرت سکرانؓ سے ہوئی تھی۔ حضرت سکران دوسری ہجرت کے حکم کے وقت ان کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے پھر کچھ عرصہ بعد بیوی کے ساتھ ہی واپس مکے آگئے تھے۔ یہاں آکر جلد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ جب حضرت سودہؓ کی عدت کا زمانہ پورا ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح فرمالیا اور چار سو درہم مہر دیا۔

نکاح سے پہلے حضرت سودہ کا خواب...... انہوں نے اپنے پہلے شوہر کی زندگی میں ایک دفعہ خواب دیکھا تھا کہ آنحضرت ﷺ ان کی گردن پر ہیں۔ انہوں نے اپنے شوہر سے یہ خواب بیان کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔

"اگر تم نے سچ مچ یہ خواب دیکھا ہے تو میں جلد ہی مر جاؤں گا اور رسول اللہ ﷺ تم سے نکاح فرمائیں

گے۔"

دوسرا خواب اور تعبیر کا ظہور...... پھر دوسری رات میں انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ لیٹی ہوئی ہیں کہ اچانک چاند آسمان سے ٹوٹ کر ان کے اوپر آرہا۔ انہوں نے یہ خواب بھی اپنے شوہر کو سنایا تو انہوں نے کہا۔

"اب شاید میں بہت جلد مر جاؤں گا۔"

اور پھر اسی دن حضرت سکران کا انتقال ہو گیا۔

حضرت عائشہؓ سے نکاح...... اس کے بعد شوال کے مہینے میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا نکاح کے وقت حضرت عائشہ کی عمر چھ یا سات سال تھی۔

چنانچہ حضرت خولہ بنت حکیم سے جو حضرت عثمان ابن مظعون کی بیوی تھیں روایت ہے کہ جب حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک روز عرض کیا۔

"کیا آپ دوسری شادی نہیں کریں گے ؟"

آپ نے پوچھا کس سے تو میں نے کہا۔

"آپ کنواری لڑکی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں یا بیوہ عورت سے۔"

آپ نے پوچھا کنواری لڑکی کون ہے۔ میں نے کہا۔

"اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس اعزاز کی سب سے زیادہ حق دار حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیٹی یعنی حضرت عائشہ ہیں۔"

پھر آپ نے پوچھا کہ بیوہ عورت کون ہے۔ تو میں نے کہا۔

"سودہ بنت زمعہ ہیں جو آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے مذہب پر ایمان لا چکی ہیں۔"

حضرت خولہ کے ذریعہ سلسلہ جنبانی...... تب آپ نے خولہ بنت حکیم سے فرمایا کہ تم دونوں کے پاس جاؤ اور رشتے کے متعلق بات کرو۔ چنانچہ خولہ کہتی ہیں کہ پہلے میں سودہ بنت زمعہ کے پاس گئی اور ان سے بولی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کس قدر خیر و برکت کا سامان کیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کیا ہوا تو میں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے کہ میں تم سے آنحضرت ﷺ کا رشتہ دوں۔

حضرت سودہ نے کہا کہ بہتر ہے تم میرے والد کے پاس جاؤ اور ان سے اس بارے میں بات کرو۔ سودہ کے باپ ایک بوڑھا اور معزز آدمی تھا۔ میں اس کے پاس گئی اور جاہلیت کے زمانے کے مطابق اس کو سلام کیا۔ اس نے پوچھا کون ہے میں نے کہا خولہ بنت حکیم۔ اس نے پوچھا کیا بات ہے تو میں نے کہا۔

"مجھے محمد ابن عبداللہ نے بھیجا ہے کہ میں سودہ سے ان کا پیغام دوں۔"

حضرت سودہ کے باپ نے کہا کہ بڑا اچھا رشتہ ہے اس کے بعد اس نے مجھ سے اپنی بیٹی یعنی حضرت سودہ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیا کہتی ہیں تو میں نے بتایا کہ ان کو یہ رشتہ پسند ہے۔ اس نے کہا کہ اس کو میرے پاس بلا لاؤ۔ چنانچہ میں سودہ کو بلا لائی تو اس نے بیٹی سے کہا۔

"بیٹی یہ یعنی خولہ بنت حکیم کہتی ہیں کہ ان کو محمد ابن عبداللہ نے تم سے اپنا رشتہ دے کر بھیجا ہے۔ وہ شریف و معزز آدمی ہیں اس لئے تمہاری کیا رائے ہے۔ کیا میں ان سے تمہارا نکاح کر دوں۔"

حضرت سودہ نے کہا ہاں مجھے منظور ہے چنانچہ سودہ کے باپ نے خولہ سے کہا کہ محمد ابن عبداللہ کو

میرے پاس بلا لاؤ۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے آئے اور حضرت سودہ سے آپ کا نکاح ہو گیا۔

اس کے بعد جب حضرت سودہ کا بھائی عبد ابن زمعہ آیا اور اس کو بہن کی شادی کی خبر ملی تو وہ اپنا سر مٹی میں ملنے لگا۔ اس کے بعد جب یہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے کہا۔

"رسول اللہ ﷺ کے سودہ کے ساتھ شادی کر لینے پر اس دن میں دیوانوں کی طرح اپنا سر مٹی میں ملنے لگا تھا۔"

حضرت عائشہ سے شادی کا پیغام...... غرض اس کے بعد حضرت خولہ حضرت عائشہ کی والدہ حضرت ام رومان کے پاس گئیں اور ان سے بھی یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کس قدر خیر و برکت کا سامان فرمایا ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے عائشہ سے پیغام ڈالنے کے لئے بھیجا ہے حضرت ام رومان نے کہا کہ ابو بکر کے آنے تک ٹھہرو کچھ دیر بعد حضرت ابو بکرؓ تشریف لے آئے تو میں نے ان سے بھی یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے بڑی خیر و برکت کا سامان فرمایا ہے۔ انہوں نے پوچھا کیا بات ہے۔ تو میں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے عائشہ سے اپنا رشتہ دے کر بھیجا ہے۔

حضرت ابو بکر نے کہا۔

"چونکہ عائشہ رسول اللہ ﷺ کے بھائی کی بیٹی ہے اس لئے کیا شرعی طور پر یہ رشتہ ہو سکتا ہے۔"

میں فوراً آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اور میں نے آپ کے سامنے حضرت ابو بکرؓ کا سوال دہرایا۔ آپ نے فرمایا۔

"واپس جاؤ اور ان سے کہو کہ میں اور وہ صرف اسلامی رشتے میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں (خاندانی رشتے سے نہیں) اس لئے ان کی بیٹی سے میرا نکاح کرنا جائز ہے۔"

ام رومان کا تذبذب...... میں پھر واپس گئی اور ابو بکرؓ کو آنحضرت ﷺ کا فرمان پہنچایا۔ ان کی بیوی حضرت ام رومان نے کہا۔

"مطعم ابن عدی نے اپنے بیٹے جبیر کے لئے عائشہ سے رشتہ دیا تھا اور ابو بکر نے اس سے وعدہ کر لیا تھا خدا کی قسم انہوں نے یعنی ابو بکر نے کبھی وعدہ کر کے اسے جھوٹا نہیں کیا۔"

منجانب اللہ مشکل کا حل...... حضرت ابو بکرؓ فوراً ہی مطعم کے پاس گئے۔ اس وقت مطعم کے پاس اس کی بیوی یعنی جبیر کی ماں بھی موجود تھی۔ اس نے حضرت ابو بکرؓ سے ایسی گفتگو کی کہ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے دل میں مطعم سے کئے ہوئے اپنے وعدے کا جو خیال تھا وہ جاتا رہا کیونکہ وہاں پہنچ کر حضرت ابو بکرؓ نے مطعم سے کہا۔

"لڑکی کی شادی کے بارے میں اب تم کیا کہتے ہو؟"

مطعم یہ سن کر اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے بولا کہ تم کیا کہتی ہو۔ اس نے حضرت ابو بکر سے کہا۔

"اگر ہم نے اپنے لڑکے کی شادی تمہارے یہاں کر دی تو تم اس کو بھی بے دین بنا کر اپنے اسی دین میں شامل کر لو گے جس پر تم خود ہو۔"

اب حضرت ابو بکرؓ مطعم کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ تم خود کیا کہتے ہو۔ اس نے بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ان کی بات تم نے سن ہی لی ہے۔"

یہ سنتے ہی حضرت ابو بکرؓ اٹھ کھڑے ہوئے ان کے دل پر مطعم سے کئے ہوئے اپنے وعدے کا جو بوجھ تھا وہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ سیدھے گھر واپس آئے اور حضرت خولہ سے بولے کہ رسول اللہ ﷺ کو میرے یہاں بلا لاؤ اور اسی وقت حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت عائشہ کا نکاح کر دیا جبکہ اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال تھی ایک قول یہ بھی ہے کہ سات سال تھی اور یہ قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نکاح حضرت سودہ بنت زمعہ کے ساتھ حضرت عائشہ سے پہلے ہوا تھا کیونکہ حضرت سودہ کے ساتھ آپ کا نکاح اسی رمضان کے مہینے میں ہوا ہے جس میں حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی جبکہ حضرت عائشہ کے ساتھ آپ کا نکاح شوال کے مہینے میں ہوا۔

"یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت سودہ کی رخصتی بھی مکے میں ہی ہوئی تھی جبکہ حضرت عائشہ کی رخصتی مدینہ میں ہوئی۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ حضرت خولہ حضرت عائشہ سے رشتہ لے کر پہلے گئی تھیں اور آنحضرت ﷺ کا نکاح حضرت عائشہ سے ہی پہلے ہوا تھا۔ یعنی اس وقت تک حضرت خولہ حضرت سودہ سے پیغام لے کر نہیں گئی تھیں۔ اس طرح ان دونوں روایتوں میں اختلاف ہو جاتا ہے ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سودہؓ کے نکاح سے مراد رخصتی یعنی ہم بستری ہے۔

مگر ظاہر ہے یہ جواب درست نہیں ہے کیونکہ جو دعویٰ کیا گیا ہے یہ بات اس کی دلیل نہیں بنتی بلکہ اس کے مخالف قول کی دلیل ہوتی ہے۔

<u>ابو طالب کی بیماری میں قریش کا وفد</u>...... جب ابو طالب مرض وفات میں مبتلا ہوئے اور قریش کو معلوم ہوا کہ ابو طالب کی بیماری بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ تو وہ آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ حمزہ اور عمر ابن خطاب جب سے مسلمان ہوئے ہیں اس وقت سے محمد کا معاملہ قریش کے تمام قبیلوں میں پھیل گیا ہے۔ اس لئے چلو ابو طالب کے پاس چلتے ہیں تاکہ وہ اپنے بھتیجے سے ہمارے متعلق وعدہ لے لیں اور ہم سے اپنے بھتیجے کے متعلق وعدہ لے لیں کیونکہ خدا کی قسم کہیں دوسرے لوگ ہمارے اس معاملے کو ہم سے چھین نہ لیں۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ قریش نے کہا۔

"ہمیں ڈر ہے کہ اس بوڑھے کے مرنے کے بعد کہیں ہم محمد کو قتل نہ کر دیں اور پھر عرب ہمیں شرم و عار دلائیں کہ جب تک محمد کا چچا زندہ رہا ہم اس کو کچھ نہ کہہ سکے اور چچا کے آنکھیں بند کرتے ہی ہم اس پر چڑھ دوڑے۔"

اس مشورہ کے بعد قریش کے معزز لوگ ابو طالب کے پاس گئے ان لوگوں میں ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ، نیز ابو جہل، امیہ ابن خلف اور ابو سفیان بھی تھے جو بعد میں فتح مکہ کی رات میں مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔

غرض وہاں پہنچ کر انہوں نے پہلے ایک شخص مطلب کو اجازت لینے کے لئے اندر بھیجا۔ اس نے اندر جا کر ابو طالب سے ان لوگوں کے واسطے اجازت لینے کے لئے کہا۔

باہر آپ کی قوم کے بزرگ اور سردار کھڑے ہوئے ہیں جو اندر آنا چاہتے ہیں۔"

آنحضرت ﷺ کے متعلق گفتگو...... ابو طالب نے کہا بلالو۔ اب یہ سب اندر ابو طالب کے پاس آئے اور ان سے بولے۔

"ابو طالب! ہم لوگوں میں آپ کی جو حیثیت ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ابو طالب آپ ہمارے بڑے اور سردار ہیں۔ اب جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں آپ کا آخری وقت آپہنچا جس کا ہمیں ڈر تھا۔ ادھر آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھتیجے اور ہمارے درمیان کس قسم کے معاملات چل رہے ہیں۔ اس لئے آپ ان کو بلائیے اور ہم سے ان کے متعلق عہد لے لیجئے اور ان سے ہمارے متعلق عہد دلائیے تاکہ وہ ہم سے یکسو رہیں۔ وہ ہم سے اور ہمارے دین سے کوئی مطلب نہ رکھیں اور ہم ان کے دین سے بے تعلق ہو کر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔"

ابو جہل کی کینہ توزی...... ابو طالب نے اسی وقت آنحضرت ﷺ کو بلا بھیجا آپ تشریف لائے تو وہاں ابو طالب اور ان لوگوں کے درمیان ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی ابو جہل کو ڈر ہوا کہ آنحضرت ﷺ اس جگہ نہ بیٹھ جائیں اور اس طرح آپ کو مجلس میں ایک نمایاں اور ممتاز جگہ مل جائے اس لئے اس نے جلدی سے اچھل کر اس جگہ پر قبضہ کر لیا۔ اب آنحضرت ﷺ کو ابو طالب کے قریب بیٹھنے کی جگہ نظر نہیں آئی تو آپ دروازے کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

مگر کتاب وفا میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جگہ نہ دیکھ کر لوگوں سے کہا۔

"میرے بیٹھنے کے لئے میرے چچا کے پاس جگہ خالی کرو۔"

قریشیوں نے کہا۔

"ہم جگہ نہیں خالی کریں گے۔ اگر تمہاری رشتہ داری ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہم سے زیادہ حقدار ہو کیونکہ تمہاری طرح ہماری بھی ان سے رشتے داری ہے۔"

آنحضرت ﷺ سے قریش کا ایک سوال...... تب ابو طالب نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"بھتیجے یہ تمہاری قوم کے معزز لوگ ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ تمہاری قوم کے بزرگ اور سردار تم سے عہد لینے اور تمہیں عہد دینے آئے ہیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ تم سے انصاف مانگنے آئے ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ تمہاری قوم کے یہ سردار تم سے جو مانگنے آئے ہیں وہ ان کو دیدو۔ یہ انہوں نے انصاف کی بات کہی ہے کہ تم ان کے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دو اور یہ تمہارے معبود کے بارے میں اپنی زبانیں بند کر لیں گے۔"

قریش سے آنحضرت ﷺ کا ایک سوال...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ اگر میں تمہارا سوال پورا کروں تو تم میری صرف ایک بات پوری کر دو جس سے تم پورے عرب پر چھا جاؤ گے اور سارا عجم یعنی غیر عرب علاقہ تمہارے نقش قدم پر چلنے لگے گا یعنی تمہارا پیرو اور نیاز مند بن جائے گا۔"

ابو جہل نے فوراً کہا۔

"ضرور۔ میں تمہاری دس باتیں پوری کرنے کو تیار ہوں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ہم تمہاری وہ بات بھی پوری کریں گے اور اس کے ساتھ دس دوسری باتیں بھی پوری کر دیں گے۔ بتاؤ وہ کیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔
"تم یہ کہہ دو لا الہ الا اللہ اور اس کے سوا جن کو پوجتے ہو ان کو چھوڑ دو۔!"
قریش کا پیچ و تاب...... یہ سنتے ہی انہوں نے دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجانی شروع کر دیں۔ پھر کہنے لگے۔
"محمد! کیا تم اتنے سارے معبودوں کو ایک معبود بنا دینا چاہتے ہو۔ تمہاری بات بھی عجیب ہے!"
اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔
صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ٥ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ الایہ پ23 سورہ ص ع آیت
ترجمہ: ص قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے پر ہے بلکہ خود یہ کفار ہی تعصب اور حق کی مخالفت میں ہیں ایک
روایت میں یہ لفظ ہیں کہ مشرکوں نے کہا۔
"کیا ہماری تمام ضرورتوں کے لئے تنہا ایک خدا کافی ہو سکتا ہے!"؟
ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔
"ہم سے کوئی اور بات مانگو۔"
ایک روایت میں آتا ہے کہ اس پر ابو طالب نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔
"بھتیجے! کیا اس کے سوا کوئی اور بات نہیں ہو سکتی جو تم ان سے مانگو کیونکہ تمہاری قوم اس بات کو پسند نہیں کرتی۔"
آپ نے فرمایا۔
"چچا۔ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا۔"
اس کے بعد آپ نے مشرکوں سے فرمایا۔
"اگر تم سورج بھی لا کر میرے ہاتھ میں رکھ دو تب بھی میں تم سے اس کے سوا اور کچھ نہیں مانگوں گا۔"
اب مشرکوں نے مایوس ہو کر ایک دوسرے سے کہنا شروع کیا کہ خدا کی قسم تم جو کچھ اس شخص سے چاہتے ہو یہ اس میں سے تمہیں کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ چلو اور اپنے باپ دادا کے دین پر عمل کرتے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارے اور اس شخص کے درمیان فیصلہ فرمادے۔
کفار کی دھمکی...... اس کے بعد یہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے ابو طالب کے یہاں سے اٹھتے ہوئے کہا۔
"خدا کی قسم ہم تمہیں بھی گالیاں دیں گے اور تمہارے اس معبود کو بھی جو تمہیں اس قسم کے حکم دیتا ہے۔"
ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ
"یا تو تم ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے باز آجاؤ ورنہ ہم بھی تمہارے اس معبود کو برا بھلا کہیں گے جو تمہیں اس طرح کے حکم دیا کرتا ہے۔"
کتاب ینبوع میں ہے کہ اس دوسری روایت کے الفاظ پہلی کے مقابلے میں زیادہ مناسب ہیں (جس میں ہے کہ تم ہمارے معبودوں کو برا کہو گے تو ہم بھی تمہارے معبود کو برا کہیں گے) کیونکہ مشرکین جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں وہ یہ جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو برا نہیں کہتے تھے بلکہ ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے کہ آپ باطل معبودوں کو برا کہیں۔

ایک قول ہے کہ اسی واقعہ کی بنیاد پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَاتَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ الایہ پ ۷ سورہ انعام ع ۱۳ آیت ۱۰۹

ترجمہ: اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔

مگر کتاب نہر میں اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ کفار قریش نے ایک دفعہ ابو طالب سے یہ کہا تھا (جس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

"یا تو تم محمد کو ہمارے معبودوں کو گالیاں دینے اور ان میں عیب ڈالنے سے روک لو ورنہ ہم بھی محمد کے معبود کو برا بھلا کہیں گے اور شعروں میں اس کی ہجو کریں گے۔"

اس کے بعد اسی کتاب میں آگے لکھا ہے کہ اس آیت کا حکم اس امت کے لئے باقی ہے (یعنی مشرکوں کے معبودوں کی برائیاں کرنا جائز نہیں ہے) اگر کوئی کافر کی حفاظت میں رہتے ہوئے اسلام یا رسول اللہ کو برا کہہ سکتا ہے تو مسلمان کے لئے کافر کے دین کی برائی کرنا جائز نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی ایسی کرنا جائز ہے جس سے ان کے معبودوں کی برائی کی طرف اشارہ ہوتا ہو اس لئے کہ پھر وہ بھی یہی کرے گا کیونکہ طاعت اور فرمانبرداری اگر کسی فتنے اور فساد کی طرف لے جاتی ہو تو پھر وہ طاعت اور فرمانبرداری نہیں رہتی اور اس سے روکنا اسی طرح ضروری ہو جاتا ہے جیسے کسی برائی اور گناہ سے روکنا ضروری ہوتا ہے۔ یہاں تک کتاب نہر کا حوالہ ہے۔

<u>ابو طالب کے اسلام کی تمنا</u>...... غرض جب آنحضرت ﷺ نے مشرکوں سے وہ بات کہی جو پچھلی سطروں میں بیان ہوئی تو ابو طالب نے آپ سے کہا۔

"خدا کی قسم بھتیجے! میرا خیال ہے کہ تم نے ان سے کوئی ناقابل عمل اور غلط بات نہیں مانگی۔"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو امید ہوئی کہ شاید خود ابو طالب بھی راستی اور حق کو قبول کر لیں گے اس لئے آپ فوراً اپنے چچا سے کہنے لگے۔

"چچا۔ آپ ہی یہ کلمہ کہہ دیجئے تاکہ قیامت کے دن میں آپ کی شفاعت کر سکوں۔"

<u>ابو طالب کی بد قسمتی اور محرومی</u>...... یعنی اگر اس کلمے کے کہہ دینے کے بعد آپ نے کوئی گناہ کیا (تو مجھے قیامت میں آپ کی سفارش کرنے کا موقعہ رہے گا) کیونکہ ویسے تو اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے غرض جب ابو طالب نے اپنے اسلام قبول کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی آرزو دیکھی تو انہوں نے کہا۔

"خدا کی قسم بھتیجے! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میرے بعد لوگ تمہیں اور تمہارے خاندان والوں کو شرم و عار دلائیں گے اور قریش یہ کہیں گے کہ میں نے موت کے خوف سے یہ کلمہ کہہ دیا تو میں یہ کلمہ کہہ کر ضرور تمہارا دل ٹھنڈا کرتا کیونکہ اس سلسلہ میں تمہارے شوق اور تمہاری تمنا کا مجھے احساس ہے۔ مگر اب میں اپنے بزرگوں عبد المطلب ہاشم اور عبد مناف کے دین پر مرتا ہوں۔"

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّکَ لَاتَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ الایہ پ ۲۰ سورہ قصص ع ۶ آیت ۵۶

ترجمہ: آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم بھی اسی کو ہے۔

ابو طالب کی خاندان والوں کو ہدایت...... مقاتل سے روایت ہے کہ ابو طالب نے اپنی موت کے وقت کہا تھا۔

"اے بنی ہاشم! محمد کی اطاعت کرو ان کو سچا جانو اور فلاح و ہدایت پالو۔"

اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"اے چچا! آپ جو نصیحت دوسروں کو کر رہے ہیں اس پر خود کیوں عمل نہیں کرتے۔"

ابو طالب نے کہا۔

"بھتیجے تم کیا چاہتے ہو؟"

آپ نے فرمایا۔

"میں چاہتا ہوں آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیں تا کہ میں اللہ تعالی کے حضور میں آپ کے لئے اس کلمے کے کہنے کی گواہی دے سکوں۔"

ابو طالب نے جواب دیا۔

"بھتیجے! میں جانتا ہوں کہ تم سچے ہو لیکن میں نہیں چاہتا کہ میرے بعد لوگ شرم دلائیں۔" وغیرہ وغیرہ

اہل خاندان کے دیر سے اسلام قبول کرنے میں حکمت خداوندی...... کتاب ہدی میں ہے کہ ابو طالب کے اپنی قوم کے دین پر باقی رکھے جانے میں اللہ رب العزت کی بڑی زبردست حکمت پوشیدہ تھی اور اس میں جو مصلحتیں چھپی ہوئی ہیں وہ غور کرنے والوں پر کھل سکتی ہیں اسی طرح آپ کے رشتے داروں اور چچا کی اولاد والوں میں جو مسلمان ہوئے ان کے دیر سے اسلام قبول کرنے میں بھی حق تعالی کی زبردست حکمت پنہاں تھی۔

اگر ابو طالب مسلمان ہو جاتے اور آنحضرت ﷺ کے دوسرے رشتے دار اور چچا کی اولادیں اسلام قبول کرنے میں پیش پیش رہتے تو یہ کہا جاتا کہ اپنے خاندان کا آدمی ہونے کی وجہ سے ان سب لوگوں نے اس میں فخر و غرور سمجھ کر آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیا تاکہ خاندان کو سربلندی حاصل ہو لہذا ان سب کے اسلام کو ان کا تعصب اور تنگ نظری کہا جاتا۔

لیکن ہوا یہ کہ اجنبی اور غیر لوگوں نے سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کا دامن تھاما اور آنحضرت ﷺ کی محبت میں خود اپنے آدمیوں اور رشتے داروں سے لڑے یہاں تک کہ ان میں سے بعض بعض لوگوں نے صرف آنحضرت ﷺ اور اسلام کی خاطر اپنے باپ اور بھائیوں سے لڑائیاں لڑیں۔ اس سے سب کے سامنے یہ بات صاف ہو گئی کہ جو لوگ بھی مسلمان ہوئے اور اپنے دین پر جمے ہوئے ہیں وہ سچائی کے یقین اور پوری سمجھ بوجھ کے ساتھ ایسا کر رہے ہیں۔

ایک روایت ہے کہ جب ابو طالب کی موت سر پر آ پہنچی اور ان کا دم آخر ہونے لگا تو حضرت عباسؓ نے دیکھا کہ ان کے ہونٹ ہل رہے ہیں انہوں نے جلدی سے اپنا کان ان کے ہونٹوں کے قریب کیا اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"بھتیجے! خدا کی قسم میرے بھائی یعنی ابو طالب نے وہ کلمہ کہہ دیا جس کے کہنے کے لئے تم نے ان سے کہا تھا۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نہیں سنا۔ اس روایت میں یہ اشکال ہے کہ حضرت عباسؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد یہ بات نہیں کہی۔ ادھر یہ کہ جو آیت پچھلی سطروں میں بیان کی گئی ہے اس کے بارے میں جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ ابو طالب کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے تو یہ روایت خود بخود غلط ہو جاتی ہے۔

ابو طالب کی اخروی حالت...... ادھر یہ کہ بخاری و مسلم میں حضرت عباسؓ سے ایک روایت ہے اس سے بھی ابو طالب کے مسلمان ہونے کی روایت غلط ہو جاتی ہے۔ اس روایت میں حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ابو طالب ہمیشہ آپ کی مدد اور حمایت کرتے رہے کیا اس سے ان کو آخرت میں فائدہ پہنچ سکتا ہے؟"

آپ نے فرمایا: "ہاں۔ مجھے ان کی قیامت کے دن کی حالت دکھلائی گئی تو میں نے ان کو جہنم میں ڈوبے ہوئے پایا پھر میں نے ان کو جہنم کے اس گہرے حصے سے نکال کر پایاب حصے میں پہنچادیا۔ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ۔ ہاں میں نے ان کو جہنم کے پایاب یعنی اوپر کے حصے میں پایا۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے حصے میں ہوتے۔"

اس روایت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر حضرت عباسؓ نے ابو طالب کے آخری وقت میں ان سے کلمہ سنا ہوتا تو وہ آنحضرت ﷺ سے ان کے بارے میں یہ سوال کرتے دوسرے یہ کہ حضرت عباسؓ مسلمان ہونے کے بعد اس بات کی گواہی ضرور دیتے اور اس وقت ان کی شہادت کو قبول کیا جاتا (اور ابو طالب کو مسلمان قرار دیدیا جاتا)

مگر اس بارے میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے ابو طالب کے بارے میں یہ سوال اس لئے کیا اور ان کے کلمہ پڑھنے کی شہادت اس لئے نہیں دی کہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت ان کے بتلانے پر یہ فرمادیا تھا کہ میں نے ابو طالب کی زبان سے کلمہ نہیں سنا۔ لہذا حضرت عباسؓ اس سے یہ سمجھے کہ چونکہ آنحضرت ﷺ نے ان کا کلمہ نہیں سنا اس لئے اب اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اسی لئے انہوں نے بعد میں آنحضرت ﷺ سے ابو طالب کے انجام کے متعلق یہ سوال کیا۔ حضرت عباسؓ یہ سمجھے کہ اب اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ابو طالب کے کلمہ پڑھنے کے متعلق ان کی شہادت معتبر نہیں ہوگی۔

مشرکین کے لئے مغفرت مانگنے کی ممانعت...... اسی طرح ایک دوسری روایت سے بھی اس روایت کی تردید ہوتی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ بار بار ابو طالب سے کلمہ پڑھنے کو کہتے رہے اور وہ انکار کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"خدا کی قسم! میں اس وقت تک تمہارے لئے مغفرت کی دعا مانگتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ ہی اس سے نہ روک دے۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ الآیہ پ ۱۱ سورہ توبہ ع ۱۴ آیت ۱۱۳

ترجمہ: پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی

کیوں نہ ہوں۔ اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔

مگر پیچھے یہ بات بیان ہوئی کہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ تھا کہ آپ اپنی والدہ کی قبر پر گئے تھے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگی تھی۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید اس آیت کے نازل ہونے کے یہ دونوں ہی سبب رہے ہوں۔ کیونکہ اس واقعہ کے بعد جب آپ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے ان کے لئے مغفرت کی دعا اس خیال سے مانگی ہو کہ آپ کی والدہ اور آپ کے چچا کے معاملے میں فرق ہے یعنی آپ کی والدہ کو تو اسلام کی دعوت ہی نہیں دی گئی (کیونکہ وہ اسلام کے آنے سے پہلے ہی وفات پاچکی تھیں) جبکہ ابو طالب کو بار بار اسلام قبول کرنے کے لئے کہا گیا)

ادھر غزوہ احد میں آپ نے یہ دعا مانگی تھی کہ اے اللہ میری قوم کی مغفرت فرما۔ مگر اس دعا سے بھی کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ گناہوں سے معافی اور مغفرت توبہ یا دوسرے لفظوں میں کہنا چاہئے کہ اسلام کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا اس دعا کا مطلب ہے کہ گویا آنحضرت ﷺ نے اپنی قوم کے لئے توبہ یعنی اسلام کی دعا فرمائی تھی۔

اس آیت کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے۔ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما۔ یعنی اسلام کی طرف ان کو ہدایت فرما۔

<u>ابو طالب کا انتقال اور کفن دفن</u>...... (قال) ابن حبان کے مجموعہ حدیث میں ایک حدیث بیان کی گئی ہے کہ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ جب ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپ سے کہا۔

"یا رسول اللہ! آپ کے گمراہ چچا مر گئے۔"

آپ نے فرمایا کہ ان کو کہیں لے جا کر دبا دو (کیونکہ کافر کے دفن میں اہتمام نہیں ہے) حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ اس سے فارغ ہو کر جب میں آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا اب تم غسل کر لو۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: حضرت علیؓ کو آپ نے غسل کا حکم اس لئے دیا تھا کہ حضرت علی نے ابو طالب کو غسل دیا تھا۔ اس حدیث اور دوسرے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے کہ جو شخص مردے کو نہلائے اس کو بعد میں خود بھی غسل کر لینا چاہئے۔ ہمارے آئمہ یعنی شافعی علماء یہ مسئلہ نکالتے ہیں کہ جو شخص بھی کسی مردے کو غسل دے چاہے وہ مردہ مسلمان کا ہو یا کافر کا۔ اس کے لئے مستحب ہے کہ بعد میں وہ خود بھی غسل کرے۔

بیہقی نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ کے حکم پر ابو طالب کی لاش کو غسل دیا تھا۔ مگر بیہقی نے ہی اس روایت کو کمزور بتلایا ہے۔

ایک روایت میں حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے آنحضرت ﷺ کو ابو طالب کے انتقال کی خبر دی تو آپ رونے لگے اور آپ نے فرمایا۔ ان کو غسل دو کفن پہناؤ اور دفن کرو۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحمت فرمائے۔"

ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ابو طالب کے جنازے کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے۔

"اے چچا! تم نے رشتے داروں کا حق ادا کیا تم کو جزائے خیر ملے۔"

اس کے بارے میں علامہ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے ابو طالب کو فائدہ...... ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ ابو طالب کے انتقال کے بعد آنحضرت ﷺ کے سامنے ان کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

"ان کو میری شفاعت سے فائدہ پہنچے گا۔ ایک حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ شاید قیامت کے دن ان کو میری شفاعت سے فائدہ پہنچ جائے اور ان کو جہنم کے اوپری حصے میں رکھا جائے یعنی ایسی جگہ کہ صرف ان کے قدم جہنم میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ ان کو جہنم کے اوپری حصے میں ایسی جگہ رکھا جائے جہاں ان کے ٹخنے جہنم میں ڈوبے ہوں جس سے ان کا دماغ تک کھولتا ہوگا۔"

حضرت ابن عمرؓ کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"قیامت کے دن میں اپنے والد، والدہ، اپنے چچا ابو طالب اور جاہلیت کے زمانے میں اپنے بھائی یعنی حضرت حلیمہ کے دودھ میں شریک رضاعی بھائی کے لئے شفاعت کروں گا۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: شاید اپنے والدین کے لئے شفاعت کی بات آپ نے اس واقعہ سے پہلے فرمائی ہے جبکہ آپ کے ماں باپ کو آپ کے سامنے زندہ کیا گیا تھا اور وہ آپ پر ایمان لائے تھے۔ جیسا کہ یہ بات ان کے لئے مغفرت مانگنے کے سلسلے میں آپ کی ممانعت کے ذکر پر بیان کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ میں قیامت میں اپنے ماں باپ اپنے چچا ابو طالب اور دایہ حلیمہ کے دودھ سے اپنے رضاعی بھائی کے لئے سفارش کروں گا کہ وہ اپنی قبروں سے اٹھنے کے بعد گرد و غبار اور مٹی ہو جائیں۔ تاکہ جہنم میں ڈالے جانے سے محفوظ رہیں۔

اپنے والدین کے ایمان والے ہونے سے متعلق جن روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کسی انصاری مسلمان کی موت پر تعزیت کو گئیں تو آپ نے ان سے فرمایا۔

"شاید تم ان کے ساتھ قبرستان گئی تھیں۔"

حضرت فاطمہؓ نے کہا "نہیں!" تو آپ نے فرمایا۔

"اگر تم ان کے ساتھ قبرستان چلی جاتیں تو تم جنت کو نہ دیکھ پاتیں یہاں تک کہ چاہے تمہارے باپ کے دادا یعنی عبدالمطلب تک اس کو دیکھ لیتے۔"

(یعنی عبدالمطلب جو جنت میں نہیں جاسکتے ان ہی کی طرح تم بھی جنت میں نہ جاسکتیں) یہاں آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے تمہارے دادا یعنی اپنے والد کے متعلق نہیں فرمایا بلکہ اپنے دادا یعنی عبدالمطلب کے متعلق فرمایا (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والد جنت میں جائیں گے)

ادھر یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ دایہ حلیمہ اور ان کی اولاد مسلمان ہو گئی تھی۔ لہذا اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات اپنے دودھ شریک بھائی کے مسلمان ہونے سے پہلے فرمائی ہے۔ جیسا کہ اسی طرح کی بات آپ کے والدین کے سلسلے میں گزرنے والی حدیث کے متعلق پچھلی سطروں میں کہی گئی ہے۔

اب جہاں تک پہلی حدیث کا تعلق ہے تو اس میں بعض راوی منکر ہیں اور دوسری روایت کی سند میں بعض راوی ضعیف اور کمزور ہیں۔ نیز اس دوسری روایت کے سلسلے میں علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ اس میں

کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے اور جہاں تک آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب کے بارے میں آپ کی شفاعت کے قبول ہونے کا تعلق ہے تو یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے (یعنی ان کے عذاب میں کمی کا ہونا آپ کی خصوصیت ہوگی) لہٰذا اب اس روایت پر حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی روشنی میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا کہ ان کو یعنی کافروں کو کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا۔ یعنی مستقل طور پر جہنم سے نکالنے کے سلسلے میں کسی کی شفاعت فائدہ مند نہیں ہوگی۔

پھر یہ کہ اس دوسری روایت میں یہ بات مناسب نہیں معلوم ہوتی کہ آپ نے ان کے لئے گرد و غبار اور مٹی کر دیئے جانے کے متعلق سفارش فرمائی لیکن اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔

(قال) حضرت ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

دوزخیوں یعنی کفار میں جس کو سب سے کم عذاب دیا جائے گا وہ ابو طالب ہوں گے۔ کہ ان کو ایسے جوتے پہنائے جائیں گے جن سے ان کا دماغ تک کھولتا رہے گا۔ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ اس طرح کھولتا ہوگا جیسے دھات کا برتن کھولتا ہے یہاں تک کہ ان کا دماغ پگھل کر ان کے قدموں پر بہتا ہوگا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ ان کا دماغ اس طرح کھولتا ہے جیسے کڑھائی میں تازہ کھجور پگھلنے لگتی ہے۔"

جاہلیت میں عربوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ جلدی پکنے کی وجہ سے تازہ کھجور پکا کر کھالیا کرتے تھے۔

علامہ سہیلی نے عذاب کو ابو طالب کے پیروں کے ساتھ خاص کئے جانے کی حکمت بھی بیان کی ہے۔

کچھ سخت قسم کے شیعہ حضرات نے دعویٰ کیا ہے کہ ابو طالب مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ لوگ اس کی دلیل میں بے بنیاد روایتیں پیش کرتے ہیں جن کو علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب اصابہ میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے کچھ ایسی چیزیں یعنی روایتیں دیکھی ہیں جن کو شیعوں نے ابو طالب کے مسلمان ہو جانے کی دلیل کے طور پر جمع کیا ہے مگر یہ سب بے بنیاد اور واہی روایتیں ہیں جن سے اس بارے میں کوئی دلیل نہیں لی جا سکتی۔

ابو طالب نے ایک روایت بھی بیان کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد ﷺ نے بتلایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایک جان کر اس کی عبادت کرنے اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

ایسے ہی ابو طالب کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے بھتیجے نے یہ کہا۔

"شکر کرنے پر اللہ تعالیٰ رزق میں اضافہ فرماتا ہے اور کفر کرنے پر عذاب دیتا ہے۔"

<u>کون سا ایمان معتبر ہے</u>...... کتاب مواہب میں علامہ قرآنی کی شرح تنقیح کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ ابو طالب ان لوگوں میں سے ہیں جو آنحضرت ﷺ کے ظاہر و باطن پر تو ایمان لے آئے لیکن فروغ یعنی احکام پر یقین اور اعتقاد نہ رکھ کر انہوں نے کفر کیا۔ کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میرا بھتیجہ جو کچھ کہتا ہے وہ سب حق اور سچ ہے اور اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ قریشی عورتیں مجھ پر آوازیں کسیں گی تو میں محمد ﷺ کی فرماں برداری کرتا۔ لہٰذا یہ بات حق کا زبان سے اعتراف اور دل سے اعتقاد ہے مگر یہ کہ وہ احکام

وغیرہ پہ یقین نہیں رکھتے تھے (ورنہ مسلمان ہو جاتے) یہاں تک کتاب مواہب کا حوالہ ہے۔

مگر اس قول میں اشکال ہے کیونکہ ہر زبان سے ایمان کا اظہار تو لا اله الا الله کہنے سے ہوتا ہے جبکہ ابو طالب نے یہ کلمہ کبھی نہیں کہا جیسا کہ یہ بات ظاہر ہے۔

ادھر یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کو نفع پہنچانے والا ایمان جس سے وہ جنت کا مستحق ہوتا ہے اور ہمیشہ جہنم میں رہنے سے محفوظ ہو جاتا ہے وہ ہے جس میں دل سے اس بات کی تصدیق کی جائے کہ وہ رسول خدا محمد ﷺ کا دین ہے جو اس نے جانا ہے چاہے وہ قدرت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و یکتائی اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کی گواہی کا زبان سے اقرار نہ کرے یعنی اس حالت میں کہ نہ اس سے اس کا مطالبہ کیا گیا کہ وہ انکار کرلے (یعنی اس کا انکار ظاہر ہونے کے لئے کلمہ شہادت پڑھنے کا مطالبہ ضروری تھا مطالبہ نہ ہونے کی صورت میں انکار کا سوال ہی نہیں لہذا ایسے شخص کو اس قلبی تصدیق پر مومن کہا جائے گا) جبکہ ابو طالب سے اس اقرار کا مطالبہ کیا گیا تھا اور پھر انہوں نے انکار کر دیا تھا (لہذا ان کو مسلمان نہیں کہا جا سکتا)

بغیر ایمان کے عمل خیر فائدہ مند نہیں ہے...... کتاب طبرانی میں ام سلمہ سے روایت ہے کہ ابو جہل کے بھائی حرث ابن ہشام حجۃ الوداع کے دن آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے کہنے لگے۔

"یا رسول اللہ! آپ جن اچھائیوں پر زور دیتے ہیں وہ رشتے داروں کی خبر گیری پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا یتیموں کی مدد کرنا اور مہمانوں پر غریبوں کو کھانا کھلانا ہیں۔ یہ ساری اچھائیاں میرے والد ہشام میں موجود ہیں۔ لہذا ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" آپ نے فرمایا۔

"ہر اس شخص کی قبر جس نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ایک ہونے کی گواہی نہیں دی جہنم کا ایک حصہ ہے میں نے اپنے چچا ابو طالب کو دوزخ کے سب سے نچلے حصے میں پایا پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے ان کو وہاں سے نکالا اور چونکہ انہوں نے میرے ساتھ نیک سلوک کیا تھا اس لئے ان کو دوزخ کے اوپری یعنی پایاب حصے میں پہنچا دیا گیا۔"

سرداران قریش کو آخر وقت ابو طالب کی وصیتیں...... ایک روایت ہے کہ جب ابو طالب کا آخری وقت آپہنچا تو ان کے پاس قریش کے تمام بڑے بڑے سردار جمع ہو گئے اور ابو طالب نے ان کو وصیتیں اور نصیحتیں کیں ان ہی میں سے یہ ہیں کہ انہوں نے کہا۔

"اے گروہ قریش! تم اللہ کی مخلوق میں بہترین لوگ اور عربوں کا دل ہو۔ تم میں عزت مند بھی ہیں اور بہادر فیاض اور خوش حال بھی ہیں عربوں میں کوئی عزت و مقام ایسا نہیں جس کو تم نے حاصل نہ کر لیا اور کوئی شرف اور سرفرازی ایسی نہیں جس کو چھوڑ دیا ہو۔ اس طرح دوسرے لوگوں پر تمہیں ایک خاص فضیلت حاصل ہے اور اس کی بناء پر دوسرے لوگ تمہارے نیاز مند ہیں۔ میں تمہیں اس گھر یعنی بیت اللہ کی تعظیم باقی رکھنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اسی میں پروردگار کی خوشنودی چھپی ہے اور اسی میں زندگی کی سربلندی پوشیدہ ہے رشتے داروں کی ہمیشہ خبر گیری کرتے رہنا ان سے کبھی لاپرواہی نہ کرنا کیونکہ اسی میں مسرت اور اولاد کی کثرت و برکت کا راز ہے سرکشی اور شورہ پشتی سے ہمیشہ دور رہنا کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی کے نتیجہ میں ہلاک و برباد ہوئی ہیں بلانے والے کی آواز پر لبیک کہنا اور سائل اور مانگنے والے کو کبھی مایوس نہ کرنا کیونکہ اسی میں زندگی اور موت کی عزت ہے۔ ہمیشہ سچائی اور امانت داری کو اپنا دستور بنائے رکھنا کیونکہ ان ہی خوبیوں سے بڑے لوگوں کے دلوں

میں آدمی کی محبت اور عوام کے دلوں میں عزت پیدا ہوتی ہے۔ میں تمہیں محمد ﷺ کے ساتھ بھلائی اور نیک سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ قریش میں سب سے بڑے امین ہیں عربوں میں سب سے زیادہ سچے اور ان تمام خوبیوں کے مالک ہیں جن کی میں تمہیں وصیت کر رہا ہوں وہ ایک ایسا پیغام لے کر آئے ہیں جس کو دلوں نے قبول کر لیا ہے لیکن دشمنی کی وجہ سے زبانوں نے انکار کر دیا ہے۔ خدا کی قسم ایسا لگتا ہے جیسے میں مستقبل میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے چور اور لٹیرے نیز نکوکار اور اچھے لوگ اور کمزور بے بس لوگ جوق در جوق ان کی آواز پر لبیک کہہ رہے ہیں اور ان کے پیغام کو قبول کر کے ان کی بات کو اونچا کر رہے ہیں۔ وہ لوگ موت کی سختیوں میں کود کر انہیں گلے لگا رہے ہیں۔ اور پھر قریشی سردار اور معزز لوگوں کی حیثیت عام آدمیوں سے زیادہ نہ رہی۔ وہ خانہ خراب ہو گئے اور ان میں کے کمزور لوگ اختیار اور عزت والے ہو گئے۔ آج کے عظیم اور مرتبے والے لوگ کل سب سے زیادہ ضرورت مند اور محتاج بن گئے۔ جو آج محمد سے بہت دور ہیں کل وہ ان کے ہمدم و ہم نشین بن گئے۔ عرب نے اپنی محبت و خیر خواہی کے ساتھ اپنی باگ ڈور ان کو دیدی۔ اس لئے اے گروہ قریش! تم ہی محمد کے ساتھی بن جاؤ اور تم ہی ان کی جماعت کے حامی و مددگار بن جاؤ۔ خدا کی قسم ان کے سیدھے راستے پر چلنے اور یہ سعادتیں حاصل کرنے میں تم پیش پیش رہنا!

<u>ابو طالب کی طرف سے بنی مطلب کو قبول حق کی وصیت</u>...... ایک روایت میں ہے کہ جب ابو طالب کا آخیر وقت آ پہنچا تو انہوں نے بنی مطلب کو بلایا اور ان سے کہا۔

"تم نے محمد سے جو کچھ سنا اور اس پر عمل کیا تو اس میں ہمیشہ تمہارے لئے خیر ہو گی۔ اس لئے ان کی پیروی کرو اور بھلائی حاصل کرو۔"

<u>ابو طالب کے بعد آنحضرت ﷺ کو ایذا رسانیوں میں شدت</u>...... مگر ابو طالب کے انتقال کے بعد آپ کو قریش نے اتنی تکلیفیں پہنچائیں کہ ابو طالب کی زندگی میں وہ ممکن نہیں تھیں یہاں تک کہ ایک قریشی شریر نے آپ کے سر مبارک پر کوڑا ڈال دیا آپ اسی حال میں اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ آپ کی صاحبزادی یہ حالت دیکھ کر ایک دم آپ کے پاس آئیں وہ روتی جاتی تھیں اور کوڑا صاف کرتی جاتی تھیں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ ان سے یہ فرما رہے تھے۔

"نہ رو۔ نہ رو بیٹی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کی حفاظت فرمانے والا ہے۔" آپ فرماتے تھے۔

"ابو طالب کی موت تک قریش کبھی مجھ سے اتنا برا معاملہ نہیں کر سکے۔"

<u>ابو طالب کی یاد</u>...... آنحضرت ﷺ کو قریش نے جو تکلیفیں پہنچائیں ان میں سے کچھ کا بیان گزر چکا ہے اور کچھ واقعات آگے ذکر ہوں گے۔

آنحضرت ﷺ نے ابو طالب کے انتقال کے بعد جب دیکھا کہ کفار قریش ہر طرف سے آپ پر چڑھ دوڑے ہیں تو آپ نے حسرت سے ابو طالب کو یاد کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے چچا کتنی جلد مجھے احساس ہو گیا کہ میں آپ کو کھو چکا ہوں۔"

<u>ابو لہب کا جذبہ اور آنحضرت ﷺ کی حفاظت کا عزم</u>...... جب ابو لہب کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور آپ کی حفاظت و حمایت کرنے کا اعلان کیا اور کہا۔

"اے محمد! جو تم چاہتے ہو وہ کرتے رہو اور ابو طالب کی زندگی میں جو کچھ کر رہے تھے اس کو جاری

رکھو۔ لات و عزیٰ کی قسم میری زندگی تک تمہاری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

اس کے بعد ایک روز ابن عیطلہ نے آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیں۔ یہ وہی شخص ہے جس کا ذکر آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑانے والوں میں گزرا ہے۔ غرض اس نے آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیں تو ابو لہب نے اس کو مارا۔ وہ وہاں سے یہ چیختا ہوا بھاگا۔

"اے گروہ قریش! ابو عقبہ یعنی ابو لہب بھی بے دین ہو گیا۔"

یہ سنتے ہی قریش ابو لہب کے پاس جمع ہو گئے اور اس سے بولے۔

"تم نے بھی عبد المطلب کا دین چھوڑ دیا۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ تم بھی بے دین ہو گئے۔"

ابو لہب نے کہا۔

"میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا بلکہ میں اپنے بھتیجے کی حفاظت کرنے لگا ہوں تا کہ وہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے کرے۔"

ایک مشرک کی شاطرانہ چال...... اس پر قریش نے کہا کہ پھر تو تم بہت اچھا اور نیک کام کر رہے ہو کہ رشتہ داروں کا حق ادا کر رہے ہو۔ اس کے بعد کچھ عرصہ اسی طرح گزر گیا کہ ابو لہب کی حمایت کی وجہ سے کوئی شخص آپ کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکا کیونکہ سب کے دلوں میں ابو لہب کا خوف اور ہیبت بیٹھی ہوئی تھی۔ آخر ایک دن ابو جہل اور عقبہ ابن معیط ابو لہب کے پاس آئے اور اس سے بولے۔

"کیا تمہیں تمہارے بھتیجے نے یہ بھی بتلایا کہ مرنے کے بعد تمہارے باپ کا ٹھکانہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تمہارا باپ جہنم میں ہے۔"

اس پر ابو لہب نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔

"محمد! کیا عبد المطلب جہنم میں ڈالے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا۔

"ہاں۔ اور جو شخص بھی اس دین پر مرے گا جس پر عبد المطلب مرے ہیں وہ جہنم میں داخل ہو گا۔"

آنحضرت ﷺ کی حفاظت سے دست کشی...... ابو لہب نے بگڑ کر کہا۔

میں تو دشمنوں سے تمہارا بچاؤ کرتا ہوں اور تم یہ کہتے ہو کہ عبد المطلب جہنم میں داخل ہوں گے۔"

اس کے بعد ابو لہب اور دوسرے تمام قریش آنحضرت ﷺ کے سخت دشمن بن گئے۔ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ابو لہب نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ عبد المطلب کا ٹھکانہ کہاں ہے! آپ نے فرمایا۔ "جہاں ان کی قوم کا ٹھکانہ ہے۔"

ابو لہب یہ سن کر ابو جہل اور عقبہ کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا:

"میں نے محمد سے یہ بات پوچھی تھی اس نے کہا ہے کہ عبد المطلب کا ٹھکانہ وہی ہے جو ان کی قوم کا ہے۔"

ان دونوں نے کہا۔

"مگر وہ کہتا ہے کہ عبد المطلب جہنم میں ہیں۔"

اب ابو لہب پھر آپ کے پاس آیا اور بولا کہ کیا عبد المطلب جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

تب آپ نے فرمایا۔ "ہاں۔"

مگر یہاں یہ بات واضح رہے کہ عبد المطلب اہل فترت میں سے ہیں جن کے بارے میں تفصیلی بحث گزشتہ کلام میں گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم۔

باب سی و یکم (۳۱)

رسول اللہ ﷺ کی طائف کو روانگی

اس بستی کا نام طائف اس لئے پڑا کہ حضر موت کے ایک شخص نے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ یہاں آکر قیام کیا۔ پھر اس نے اپنے گھر والوں سے کہا۔

"کیا میں یہاں ایک دیوار تعمیر نہ کردوں جو تمہاری اس بستی کو ہر طرف سے گھیر کر اس کی محافظ ہو جائے!"

طائف کے معنی چوکیدار اور نگہبان کے ہی ہیں اس لئے اس بستی کو طائف کہا جانے لگا۔ بعض مورخوں نے اس نام کا دوسرا سبب بتلایا ہے۔

ابو طالب کے انتقال کے بعد قریش آنحضرت ﷺ کو بڑی زبردست تکلیفیں پہنچانے لگے کیونکہ اب انہیں کسی کا ڈر نہیں رہ گیا تھا۔ آخر قریش کی ان مسلسل اور زبردست ایذارسانیوں اور خاص طور پر ابولہب کی شرارتوں اور اس کی بیوی کی جس کو قرآن میں حمالۃ الحطب کہا گیا ہجو اور تذلیل سے آنحضرت ﷺ اس قدر پریشان افسردہ خاطر اور تنگ دل ہوگئے کہ آپ ایک روز مکے سے نکل کر طائف کو روانہ ہوگئے۔

آنحضرت ﷺ پر دشمنوں کی یورش...... حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ابو طالب کے انتقال کے بعد ایک روز میں نے دیکھا کہ قریش کے لوگ آنحضرت ﷺ کو پکڑے ہوئے ہیں اور ہر شخص آپ کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے ساتھ ہی وہ لوگ کہتے جاتے تھے۔

"یہ تو ہی تو ہے جس نے ہمارے اتنے سارے معبودوں کو ایک معبود بنادیا ہے۔"

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم آپ کو اس حالت میں دیکھ کر ہم میں سے حضرت ابو بکرؓ ایک دم تڑپ کر اس بھیڑ میں گھس گئے وہ کسی کو مار کر ہٹاتے تھے اور کسی کو دھکیل کر آپ سے دور کرتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

"کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے!"

مکے سے باہر حمایت کی تلاش...... آنحضرت ﷺ شوال ۱۰ نبوی میں طائف تشریف لے گئے تھے اس

سفر میں آپ تنہا ہی تھے۔ مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کے ساتھ آپ کے غلام زید ابن حارثہ بھی تھے طائف میں مشہور قبیلہ ثقیف رہتا تھا آپ یہ اندازہ کرنے کیلئے طائف تشریف لے گئے تھے کہ قبیلہ ثقیف کے دلوں میں بھی اسلام کیلئے کچھ گنجائش ہے یا نہیں آپ اس امید میں گئے تھے کہ ممکن ہے یہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور اسلام کو پھیلانے کے کام میں دشمنوں اور مخالفوں کے مقابلے میں آپ کی حمایت اور حفاظت کریں۔

کتاب امتاع میں ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ طائف کے لوگ آپ کے ننھیال والے تھے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ پریشانی افسردہ خاطری اور تنگ دلی کے وقت طائف تشریف لے گئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے طائف کو مکے والوں میں ہر اس شخص کے لئے جو تنگ دل اور پریشان خاطر ہو۔ سکون اور اطمینان کی جگہ بنادیا۔

ایک اور کتاب میں ہے کہ اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکے کے مسلمانوں کے لئے طائف کو قیامت تک کے لئے سکون و آرام کی جگہ بنادیا۔ لہذا اب یہ امت کے لئے راحت کی جگہ اور ہر پریشانی اور غم میں پر سکون پناہ گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے زمانے کے لوگوں کے وقت سے یہی دستور رکھا ہے اور خدا کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ طائف کے متعلق یہ بات قابل غور ہے۔

طائف میں سرداران ثقیف سے ناکام گفتگو...... غرض جب رسول اللہ ﷺ طائف پہنچے تو آپ نے سب سے پہلے قبیلہ ثقیف کے سرداروں اور معزز لوگوں کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ یہ تین بھائی تھے ایک عبد یالیل جس کا نام کنانہ تھا۔ اسکے مسلمان ہونے نہ ہونے کے متعلق کچھ پتہ نہیں ہے۔ دوسرا اس کا بھائی مسعود تھا جس کا نام عبد کلال تھا اس کے اسلام کے متعلق بھی کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اور تیسرا حبیب تھا اس کے بارے میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ اس کے صحابی ہونے میں بھی شبہ ہے یہ تینوں عمرو ابن عمیر ابن عوف ثقفی کے بیٹے تھے۔

سرداران ثقیف کا گستاخانہ جواب...... آنحضرت ﷺ ان تینوں کے پاس جاکر بیٹھے اور جس مقصد سے تشریف لائے تھے اس کے بارے میں آپ نے ان سے گفتگو فرمائی یعنی اسلام کے متعلق ان کی حمایت حاصل کرنے اور آنحضرت ﷺ کے مخالفوں کے مقابلے پر آپ کا ساتھ دینے کے متعلق بات چیت فرمائی۔ یہ سن کر ان میں سے ایک نے جو کعبے کا غلاف کاٹا کرتا تھا۔ اور ایک قول کے مطابق اس کو چرایا کرتا تھا کہنے لگا۔

"کیا تمہیں ہی خدا نے بھیجا ہے!"؟

دوسرا بولا۔

"تمہارے سوا خدا کو رسول بنانے کے لئے کوئی اور نہیں ملتا تھا!"

تیسرے نے کہا

"خدا کی قسم میں تم سے کوئی بات چیت نہیں کروں گا کیونکہ جیسا کہ تم کہتے ہو اگر تم واقعی خدا کے رسول ہو تو تمہارے ساتھ سوال جواب اور بحث کرنا بہت خطرناک یعنی ہلاکت کی بات ہے (کیونکہ نبی کے ساتھ کٹھ حجتی کرنا تباہی کو دعوت دینے کے برابر ہے) اور اگر تم نبی نہیں ہو بلکہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہے ہو تو تم جیسے آدمی سے گفتگو زیبا نہیں ہے۔"

بنی ثقیف کا شرمناک برتاؤ...... آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے جوابات سن کر بنی ثقیف سے مایوس ہو گئے آپ وہاں سے اٹھے اور چلتے ہوئے ان سے فرمانے لگے کہ میرے یہاں آنے کو کسی پر ظاہر مت کرنا۔ کیونکہ

آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی قوم یعنی قریش کو آپ کے طائف آنے کا حال معلوم ہو کیونکہ اس سے واپسی کے بعد آپ کے لئے اور زیادہ مشکلات پیدا ہو جاتیں۔

ان تینوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ جہاں تمہیں ٹھکانہ مل سکے چلے جاؤ مگر ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ اس کے بعد ان تینوں نے اپنے یہاں کے اوباش لوگ اور اپنے غلام آپ کے پیچھے لگا دیئے جو آپ کے پیچھے پیچھے آپ کو گالیاں دیتے اور چیختے ہوئے چلنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے چاروں طرف لوگ جمع ہو گئے اور راستوں میں بھی دونوں طرف لوگوں کا ہجوم لگ گیا جو آپ کے وہاں سے گزرنے کا انتظار کر رہا تھا جب آنحضرت ﷺ ان صفوں کے درمیان سے گزرے تو لوگوں نے آپ پر پتھر برسانے شروع کر دیئے یہاں تک کہ آپ جو بھی قدم اٹھاتے تو اس پر لوگ پتھر مارتے اور آپ کے پاؤں کو کچلتے یہاں تک کہ آپ کے دونوں پیر خون سے تربتر ہو گئے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ کے اتنے زخم آئے کہ آپ کے دونوں جوتے خون سے بھر گئے۔

<u>آنحضرت ﷺ پر پتھروں کی بارش</u>...... یہاں سے گزرتے ہوئے آپ پر مسلسل پتھر مارے جارہے تھے آپ کے جب بھی کوئی پتھر لگتا تو آپ تکلیف سے بے چین ہو کر زمین پر بیٹھ جاتے۔ اس پر یہ اوباش لوگ آپ کے بازوؤں میں ہاتھ ڈال کر آپ کو اٹھا دیتے۔ اور پھر جیسے ہی آپ چلنے کے لئے قدم بڑھاتے پھر پتھر برسنے شروع ہو جاتے ساتھ ہی وہ لوگ آپ پر ہنستے اور قہقہے لگاتے جاتے تھے۔

ادھر حضرت زید ابن حارثہ۔ یعنی اس روایت کی بنیاد پر جس میں ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے آپ کو بچانے کے لئے خود سامنے آجاتے تھے جس سے ان کے اتنے زخم آئے کہ ان کا سر کئی جگہ سے پھٹ گیا۔

<u>ایک باغ میں پناہ</u>...... آخر خدا خدا کر کے جب ان اوباشوں سے آنحضرت ﷺ کو چھٹکارا ملا تو آپ بنی ثقیف کے باغوں میں سے ایک باغ میں چلے گئے اس وقت آپ کے دونوں پیر لہولہان ہو رہے تھے۔ آپ یہاں باغ میں آکر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ یہ ایک انگور کی بیل (یعنی ٹٹے پر چڑھی ہوئی تھی) اس کو یہاں حبلہ کہا گیا ہے جس کے معنی حاملہ عورت کے ہیں۔ درخت کو حبلہ اس لئے کہا گیا کہ یہ انگوروں کو حمل کرتا یعنی اٹھاتا ہے آنحضرت ﷺ نے حبلہ کے حبل یعنی حمل کے پکنے اور شیریں ہونے سے پہلے بیچنے کو منع فرمایا ہے۔ اس کی ایک تفسیر میں انگور کی فروخت بھی مراد لی گئی ہے۔ علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ یہ تفسیر عجیب و غریب ہے اور اس کو کسی نے بھی بیان نہیں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے انگور کے درخت یعنی بیل کو کرم کہنے سے منع فرمایا ہے آپ کا ارشاد ہے کہ انگور کو کرم کہنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ کرم (یعنی پاک اور عمدہ) تو صرف مومن کا دل ہوتا

اس لئے انگور کو عنب کا درخت کہو۔ (قال) عنب یعنی انگور کو کرم کہنے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اس درخت یعنی بیل کے پھل سے شراب بنائی جاتی ہے اور اس کو وہ عمدہ اور پاک چیز سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے لفظ کرم یعنی پاکی اور عمدگی کے لفظ سے اس کا نام رکھا۔

غرض آنحضرت ﷺ زخمی حالت میں اس جگہ آکر بیٹھ گئے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ پھر ان تینوں یعنی عبدیالیل اور اس کے بھائیوں نے اوباش لوگوں اور غلاموں کو آنحضرت ﷺ کے پیچھے لگا دیا جو آپ کو

گالیاں دیتے اور چلاتے ہوئے آپ کے پیچھے چلے جس سے وہاں لوگوں کا ہجوم ہو گیا یہاں تک کہ آپ نے ایک باغ میں گھس کر پناہ لی جو عتبہ اور شیبہ کا باغ تھا۔ یہ دونوں بھائی ربیعہ کے بیٹے تھے چنانچہ جب آپ باغ میں داخل ہو گئے تو لوگ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ اس وقت آپ نے دعا فرماتے ہوئے کہا۔

"اے اللہ میں اپنی کمزوری و لاچاری اور بے بسی کی تجھ سے ہی فریاد کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا ساتھی ہے اور تو ہی میرا رب ہے جس پر میں بھروسہ کرتا ہوں اگر مجھ پر تیرا غضب اور غصہ نہیں ہے تو مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے!"

مسافر کی تواضع...... اچانک آپ نے دیکھا کہ باغ میں اس کے مالک عتبہ اور شیبہ بھی موجود ہیں انہوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ طائف کے اوباشوں نے آپ کے ہاتھ کیا معاملہ کیا تھا آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ کو وہاں رہنا گوارا نہ ہوا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ان دونوں کو اللہ اور اس کے رسول سے کتنی دشمنی ہے۔ مگر جب انہوں نے آپ کو اور آپ کی تکلیف کو دیکھا تو ان کے دلوں میں رحم کا جذبہ پیدا ہوا انہوں نے فوراً اپنے نصرانی غلام کو پکارا جس کا نام عداس تھا۔ ان کا شمار صحابہ میں ہی ہوتا ہے اور غزوہ بدر کے لئے آنحضرت ﷺ کی روانگی سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ غرض ان دونوں نے غلام کو پکار کر کہا۔

"اس درخت سے انگور کا ایک خوشہ توڑو اور اس کو اس رکابی میں رکھ کر اس شخص کے پاس لے جاؤ اور ان سے کھانے کی درخواست کرو۔"

اس روایت سے اس بارے میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ حضرت زید ابن حارثہ بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے اگرچہ اس روایت میں صرف آنحضرت ﷺ کا ذکر ہے آپ کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا ذکر نہیں ہے۔

غرض عداس نے حکم کی تعمیل کی اور انگوروں کا خوشہ طباق میں رکھ کر آنحضرت ﷺ کو پیش کر کے کہا کہ کھائیے۔ آپ نے جب اپنا دست مبارک انگور کھانے کیلئے بڑھایا تو فرمایا بسم اللہ۔ اس کے بعد آپ نے انگور کھائے۔

نصرانی غلام کی عقیدت...... یہ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ جب بھی کچھ کھانے کے لئے ہاتھ بڑھاتے تو پہلے بسم اللہ کہا کرتے تھے۔ آپ کا سب کھانے والوں کے لئے حکم ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ کہا کریں۔ جو شخص کھانے کے شروع میں بسم اللہ کہنا بھول جائے اس کے لئے آنحضرت ﷺ کا حکم یہ ہے کہ جس وقت یاد آئے تو وہ یوں کہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ اس کے شروع اور آخر میں اللہ کا نام لیتا ہوں۔

غرض عداس نے آنحضرت ﷺ کو بسم اللہ کہتے سنا تو اس نے آپ کے چہرے پر نظر ڈالی اور خود سے بولا۔

"خدا کی قسم ان علاقوں کے لوگ تو ایسا کلام نہیں کرتے!"

آپ نے اس سے پوچھا۔

"تم کس علاقے کے رہنے والے ہو عداس۔ اور تمہارا دین کیا ہے۔!"

اس نے کہا۔

"میں نصرانی ہوں اور نینوی کا رہنے والا ہوں۔"

یونس کاذکر..... نینوی میں پہلے نون پر زیر ہے اور دوسرے پر زبر ہے اور ایک قول کے مطابق دوسرے نون پر پیش ہے۔ یہ موصل کے علاقہ میں دریائے دجلہ کے کنارے ایک بستی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر عداس سے کہا۔

"تو تم اس مرد صالح یونسؑ کے ہم وطن ہو جو متی کے بیٹے تھے!"

ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ متی یونسؑ کے باپ کا نام تھا لیکن تاریخ حماۃ میں ہے کہ متی ان کی والدہ کا نام تھا۔ اور یہ کہ سوائے عیسیٰؑ اور یونسؑ کے کوئی اور اپنی ماں کی نسبت سے مشہور نہیں ہے۔

کتاب مزیل الخفاء میں ہے کہ اس بارے میں ایک صحیح حدیث سے شبہ پیدا ہو سکتا ہے جس میں ہے کہ مجھے یونس ابن متی پر فضیلت مت دو۔ اس میں یونسؑ کی نسبت باپ کی طرف کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متی ان کا باپ تھا ماں نہیں۔

اس شبہ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یونسؑ کے بعد ابن متی کا لفظ حدیث میں صحابی کی طرف سے داخل کیا گیا ہے تاکہ یونسؑ کا تعارف اسی طرح صحیح ہو جائے جس طرح وہ مشہور ہیں یہ آنحضرت ﷺ کا کلام نہیں ہے اب چونکہ حدیث سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ باپ کی طرف نسبت کے یہ الفاظ بھی صحابی نے آنحضرت ﷺ سے سنے ہیں اس لئے صحابی نے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے روایت کے آخر میں خود ہی یہ بات کہہ دی کہ ان کی نسبت باپ کی طرف کی گئی ماں کی طرف نہیں۔ یہاں تک کتاب مزیل الخفاء کا حوالہ ہے۔

غرض آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یونس ابن متی کا نام سن کر عداس نے کہا۔

"آپ کو یونس ابن متی کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔ خدا کی قسم جب میں نینوی سے نکلا تھا تو وہاں دس آدمی بھی ایسے نہیں تھے جو یہ جانتے رہے ہوں کہ متی کون تھا۔ اس لئے آپ کو متی کے بارے میں کہاں سے معلوم ہوا جبکہ آپ خود بھی ان پڑھ ہیں اور ان پڑھ لوگوں میں ہی رہتے ہیں؟"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"وہ میرے بھائی تھے۔ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی امی نبی ہوں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے متعلق بھی بتلایا اور یہ بھی بتلایا ہے کہ ان کی قوم نے ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا۔"

یعنی انہوں نے کس طرح قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور پھر چالیس دن بعد عذاب آنے کی خبر دی اور خود اپنی قوم کو چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے تھے کیونکہ قوم نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

یہ پیغمبروں کی عادت رہی ہے کہ جب وہ اپنی قوم کو عذاب آنے کی خبر دیدیتے تو خود وہاں سے کہیں باہر چلے جاتے تھے۔ غرض جب یونسؑ وہاں سے چلے گئے اور قوم نے ان کو کھو دیا اس وقت اللہ نے ان کو توبہ کی توفیق دی یعنی یونسؑ انہیں جس پیغام کی طرف بلاتے تھے اس پر ایمان لانے کی توفیق ہوئی کتاب کشاف میں ہے کہ یونسؑ نے ان سے کہا۔

"میں تمہیں چالیس دن کی مہلت دیتا ہوں۔"

اس پر قوم کے لوگوں نے کہا۔

"اگر ہم نے اس دوران میں ہلاکت اور تباہی کے آثار دیکھے تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔"

اس کے بعد جب پینتیس راتیں گزر گئیں تو اچانک آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھک گیا۔ پھر ان بادلوں میں سے دھواں نکلنے لگا جس نے نیچے آکر پوری بستی کو ڈھک لیا۔ اب لوگ گھبرائے اور جلدی جلدی موٹے ٹاٹ کے کپڑے اپنے اوپر لپیٹ کر نکلے۔ انہوں نے تمام جانوروں اور مویشیوں کو بستی سے باہر نکالا۔ پھر انہوں نے عورتوں اور ان کے بچوں کو الگ الگ کر دیا اور اسی طرح تمام جانوروں کو ان کے بچوں سے علیحدہ کر دیا۔

آخر جب عذاب بالکل سر پر آگیا تو انہوں نے اللہ کی طرف پناہ ڈھونڈی لوگ اور بچے رونے لگے اونٹ اور ان کے بچے جو جدا جدا تھے بلبلانے لگے گائے اور بچھڑے علیحدہ علیحدہ ڈکارنے لگے اور بکریاں اور ان کے بچے الگ الگ ایک دوسرے کے لئے تڑپنے لگے۔ اس وقت لوگوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا۔

"اے زندہ اور باقی رہنے والے۔ جس کے سوا کوئی زندہ اور باقی رہنے والا نہیں ہے۔ اے زندہ اور باقی رہنے والے تو ہی مردوں کو جلانے والا ہے۔ اے اللہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

فضیل سے روایت ہے کہ انہوں نے یہ دعا کی۔

"اے اللہ! ہمارے گناہ اور سرکشی بہت بڑھ گئی تھی۔ مگر تو ہر چیز سے زیادہ عظیم اور بالاتر ہے پس اے اللہ! ہمارے ساتھ وہی معاملہ فرما جو تجھ کو سزاوار ہے۔ ہمارے ساتھ وہ معاملہ نہ فرما جس کے ہم سزاوار ہیں۔"

تفسیر کشاف میں ہے کہ انہوں نے چالیس رات تک گریہ وزاری کی۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ سچائی اور خلوص کے ساتھ دعا کر رہے ہیں اس لئے اس نے ان کی توبہ قبول فرما کر ان کو معاف فرما دیا اور ان سے عذاب کو دور فرما دیا جبکہ یونس ؑ اور قوم کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہو گیا۔ اس وقت راہ میں کوئی شخص یونس ؑ کو ملا تو انہوں نے اس سے قوم کا حال پوچھا۔ اس نے ان کو سارا واقعہ بتلایا کہ کس طرح قوم ان کے جانے کے بعد پچھتائی۔ مگر یونس ؑ نے فرمایا کہ میں اب اس قوم کے پاس واپس نہیں جاؤں گا جس کے سامنے میں جھوٹا ہو گیا ہوں (یعنی ان پر عذاب نہ آیا) اس وقت کی شریعت میں قتل کی سزا موت تھی۔ اس کے بعد یونس ؑ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چل دیئے (یعنی اللہ تعالیٰ سے اجازت لئے بغیر چل دیئے اور یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی پکڑ نہیں کرے گا۔ اور ان کو تنگی اور غم میں نہیں ڈالے گا چنانچہ قرآن پاک کی آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ الخ الایہ پ ۱۷ سورہ انبیاء ع ۶ آیت ۸۷

ترجمہ: اور مچھلی والے پیغمبر یعنی یونس ؑ کا تذکرہ کیجئے کہ جب وہ اپنی قوم سے خفا ہو کر چل دیئے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم ان پر اس چلے جانے میں کوئی دارو گیر نہ کریں گے۔

یونس کی قوم کی توبہ دس محرم جمعہ کے دن قبول ہوئی بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ یونس ؑ کی قوم کا عذاب دس محرم کو ٹلا اور اسی دن یونس ؑ مچھلی کے پیٹ سے نکالے گئے چنانچہ بعض اور لوگوں نے بھی یہی کہا ہے کہ یونس ؑ کو اسی دن مچھلی نے اپنے پیٹ سے باہر نکالا۔ یہ قول علامہ شعبی کا ہے کہ یونس ؑ کو چاشت کے وقت میں مچھلی نے نگلا تھا اور (چالیس دن بعد) عصر کے بعد کے وقت ان کو باہر نکال دیا تھا جبکہ سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔

یونس ؑ کا واقعہ ...... تشریح: یونس ؑ کے واقعہ کی کچھ تفصیل موقعہ کے لحاظ سے تفسیر ابن کثیر وغیرہ سے مترجم پیش کر رہا ہے۔

حضرت یونسؑ خدا کے بڑے برگزیدہ نبی تھے ان کو اللہ تعالی نے موصل کے علاقہ میں نینوا کی بستی میں پیغمبر بنا کر ظاہر فرمایا تھا۔ قصص الانبیاء میں ہے کہ ان کی قوم کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر تھی۔ آپ نے اپنی قوم کو مسلسل اللہ تعالی کے راستے کی طرف بلایا اور حق کی دعوت دی مگر قوم ایمان نہ لائی۔

آخر یونسؑ اپنی قوم سے مایوس ہوگئے اور آپ نے ان کو خبردار کیا کہ تین دن کے اندر تم پر عذاب آنے والا ہے خود یونسؑ قوم کی سرکشی سے بددل اور ناراض ہو کر بستی سے چلے گئے۔ اس کے بعد عذاب کے آثار ظاہر ہوئے اور قوم نے سمجھ لیا کہ یونسؑ نبی ہیں اور نبی جھوٹے نہیں ہوا کرتے۔ وہ سب کے سب بدحواس اور پریشان ہو کر بستی سے نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ماؤں اور ان کے بچوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا اور اسی طرح جانوروں اور مویشیوں کو بھی ساتھ لے کر ماؤں کو بچوں سے الگ کر دیا۔ اسکے بعد سب نے رو رو کر سچائی کے ساتھ اللہ تعالی کے سامنے توبہ کی اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی ادھر جانور اپنی بھیانک صداؤں میں اللہ تعالی سے رحمت کی بھیک مانگ رہے تھے۔

آخر اللہ تعالی کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے اس قوم پر سے عذاب ٹال دیا۔ چنانچہ حق تعالی کا ارشاد ہے کہ عذاب کے بعد کسی قوم کو اس کی توبہ سے فائدہ نہیں پہنچا سوائے قوم یونسؑ کے کہ ان کی دعا عین عذاب کے سر پر آجانے کے بعد قبول ہوئی اور اللہ تعالی نے ان کو موت تک کی مہلت دیدی۔

ادھر یونسؑ اپنی قوم کے پاس سے نکل کر چلے اور ساحل پر پہنچ کر مسافروں کی ایک کشتی میں سوار ہوگئے۔ دریا کے بیچ میں کشتی کو طوفان نے گھیر لیا اور کشتی غرق ہونے کے قریب ہوگئی۔ اس وقت کشتی میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے آپس میں طے کیا کہ کشتی کا وزن کم کرنے کے لئے ایک آدمی کو قربانی دینی چاہئے کہ وہ سب کو بچانے کے لئے دریا میں کود جائے تاکہ وزن کم ہو اور کشتی غرق ہونے سے بچ جائے۔ اس پر قرعہ ڈالا گیا تو یونسؑ کا نام نکلا۔ یونسؑ تیار ہوگئے مگر کشتی کے لوگ آپ جیسے بزرگ انسان کو اس طرح قربان کرنے پر راضی نہ ہوئے اور دوبارہ قرعہ ڈالا۔ اس مرتبہ پھر یونسؑ کا نام نکلا۔ پھر تیسری دفعہ قرعہ ڈالا گیا مگر تیسری بار بھی قرعہ آپ ہی کے نام نکلا۔

اب یونسؑ خود ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور کپڑے اتار کر دریا میں کود گئے۔ حق تعالی کو اپنے پیغمبر کی ایک کوتاہی پر آپ کو آزمائش میں ڈالنا مقصود تھا ہلاک کرنا نہیں چنانچہ بحر اخضر میں ایک مچھلی کو حق تعالی کا حکم ہوا۔ وہ اسی وقت دریا کا سینہ چیرتی ہوئی یونسؑ کی طرف بڑھی اور ان کو نگل گئی مگر اس نے آپ کو اس طرح نگلا کہ یونسؑ کے جسم مبارک پر نہ اس کے دانت لگے نہ کوئی زخم آیا اور نہ کوئی ہڈی ٹوٹی یونسؑ کو اس مچھلی کی غذا نہیں بنایا گیا تھا بلکہ اس کے پیٹ کو ان کیلئے ایک اندھیری کوٹھڑی کا قید خانہ بنایا گیا تھا۔ اور اسی وجہ سے آپ کو قرآن پاک میں مچھلی والے پیغمبر فرمایا گیا۔ عربی میں مچھلی کو نون کہا جاتا ہے آپ کو قرآن پاک میں ذالنون یعنی مچھلی والا کہا گیا۔

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یونسؑ کا غصہ اپنی قوم پر تھا اور یہ خیال تھا کہ اللہ تعالی آپ کی پکڑ نہیں فرمائے گا۔

غرض آگے ابن کثیر میں ہے کہ مچھلی کے پیٹ کی اس اندھیری کوٹھڑی میں پہنچ کر یونسؑ نے اللہ تعالی کے سامنے گریہ وزاری کی۔ یہاں ہر طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی کہ اول تو مچھلی سمندر کی تہہ میں تھی جہاں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ دوسرے خود مچھلی کے پیٹ کے اندر تاریکی ہی تاریکی تھی اور تیسرے ہر

طرف رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ یونس ؑ کے اس قید خانے میں ہر جانب اندھیروں ہی اندھیروں کا راج تھا۔

یہاں یونس ؑ نے سمندر کی تہہ میں پڑی ہوئی کنکریوں کی آواز سنی کہ وہ اللہ جل شانہ کی تسبیح میں مشغول ہیں اس آواز کو سن کر یونس ؑ نے خود بھی حق تعالیٰ کی حمد و تسبیح شروع فرمادی۔

مچھلی کے پیٹ کی اس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں پہنچ کر ایک دم تو حضرت یونس ؑ یہ سمجھے کہ میں مر گیا ہوں مگر پھر اپنے پیر ہلا کر دیکھے تو یقین ہو گیا کہ زندہ ہوں۔ آپ وہیں سر بہ سجود ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائے۔

"پروردگار۔ میں اس جگہ کو تیرے حضور سجدہ کرنے کے لئے مسجد بناتا ہوں جہاں آج سے پہلے کبھی کسی نے سجدہ نہیں کیا ہوگا۔"

حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ آپ چالیس دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے۔

ابن جریر نے اس واقعہ کی تفصیل دیتے ہوئے لکھا ہے کہ سمندر کی تہہ میں پہنچ کر جب یونس ؑ نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی آواز سنی تو حیران رہ گئے۔ اسی وقت وحی آئی کہ یہ سمندر کے جانوروں کی تسبیح ہے۔ یونس ؑ نے وہیں تسبیح کرنی شروع کر دی۔ آپ کی تسبیح کی آواز فرشتوں نے سنی تو انہوں نے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا۔

اے اللہ! یہ اس قدر کمزور اور دور کی آواز کس کی ہے۔ ہم اس کو نہیں پہچان سکے!"

ارشاد ہوا۔

"یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے۔ اس نے میری نافرمانی کی جس کے نتیجہ میں مچھلی کے پیٹ کو اس کے لئے قید خانہ بنادیا گیا۔"

(یہاں نافرمانی سے مراد یونس ؑ کی یہ بھول تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم آئے بغیر اپنی قوم کے پاس سے چلے آئے تھے۔ مقرب اور خاص بندوں کی اتنی سی چوک بھی گوارا نہیں ہوتی۔ اسی لئے یونس ؑ کو اس بات پر آزمائش میں ڈالا گیا ورنہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں ان سے نافرمانی سرزد نہیں ہوتی)

غرض یہ سن کر فرشتوں نے یونس ؑ کی سفارش کی اور کہا۔

"بارالہا! یہ تیرے فرمانبردار بندوں میں سے ہیں اور ان کے نیک اعمال ہر وقت آسمانوں پر پہنچتے رہتے ہیں۔"

حق تعالیٰ نے فرشتوں کی سفارش قبول فرمائی اور اسی وقت مچھلی کو حکم دیا کہ ان کو کنارے پر جا کر اگل دے (چنانچہ مچھلی نے آپ کو کنارے پر آکر اپنے پیٹ سے باہر نکال دیا۔ تشریح ختم ابن کثیر پارہ 17 سورہ انبیاء رکوع دوم۔ مرتب)

ایک روایت میں ہے کہ جتنے عرصہ تک یونس ؑ مچھلی کے پیٹ میں رہے مچھلی نے کوئی چیز نہیں کھائی تاکہ آپ کو تکلیف نہ ہو۔ علامہ سدی نے کہا ہے کہ آپ چالیس دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ جعفر صادق کہتے ہیں کہ سات دن رہے اور قتادہ کہتے ہیں کہ تین دن رہے۔

علامہ حلبی نے یونس ؑ کے کشتی سے نکلنے کا جو واقعہ بیان کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے یونس ؑ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ وہ اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے اور ایک کشتی میں سوار ہو کر چلے

مگر کشتی بیچ سمندر میں رک گئی اس پر یونس ؑ نے دوسرے مسافروں سے کہا۔

"تمہارے ساتھ ایک ایسا بندہ ہے جو اپنے رب سے بھاگا ہوا ہے یہ کشتی اس وقت تک نہیں چلے گی جب تک کہ تم اس بندے کو سمندر میں نہیں ڈال دو گے۔"

یہ بات انہوں نے اپنی طرف اشارہ کر کے کہی۔ کشتی والوں نے کہا۔

"اے خدا کے نبی! ہم آپ کو ہرگز سمندر میں نہیں گرائیں گے۔"

اس پر یونس ؑ نے فرمایا کہ پھر قرعہ ڈال لو جس کا نام نکلے اس کو سمندر میں ڈال دو۔ اس پر تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی مگر تینوں دفعہ ان ہی کا نام نکلا۔ آخر لوگوں نے ان کو سمندر میں ڈال دیا جس کے بعد ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ بات کشتی کے ملاحوں میں سے ایک نے کہی تھی کہ تمہارے ساتھ اپنے رب سے بھاگا ہوا ایک بندہ ہے پھر جب قرعہ ڈالا گیا اور تینوں دفعہ یونس ؑ کا نام نکلا تو انہوں نے خود ہی اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یونس ؑ کو مچھلی کے نکلنے سے پہلے نبوت و رسالت مل چکی تھی مگر ایک قول یہ ہے کہ مچھلی کے اگل دینے کے بعد ان کو رسالت ملی تھی۔ مگر ظاہر ہے اس قول میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر مچھلی کے نگلنے سے پہلے ان کو رسالت و نبوت نہیں ملی تھی تو انہوں نے کیسے اپنی قوم کو تبلیغ کی اور کیسے ان کو خدا کے عذاب کی خبر دی۔

اولوالعزم پیغمبر ...... حضرت وہب ابن منبہ سے روایت ہے کہ ان سے یونس ؑ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا۔

"وہ ایک مرد صالح تھے وہ خلقی طور پر بہت کمزور تھے جب ان پر نبوت کا بوجھ پڑا تو وہ اس کے نیچے دب گئے انہوں نے اس بوجھ کو اتار دیا اور وہاں سے فرار ہوئے۔ (ی) یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ نبوت کا بڑا زبردست بوجھ ہوتا ہے جس کو صرف اولوالعزم پیغمبر ہی برداشت کر سکتے ہیں ان اولالعزم پیغمبروں میں حضرت نوح حضرت ہود حضرت ابراہیم اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔

حضرت نوح ؑ کو اولالعزم پیغمبر کہنے کی وجہ ان کا اپنی قوم سے یہ ارشاد ہے جس کو قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے۔

إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ الآیہ پ ۱۱ سورہ یونس ع ۷ آیت ۷۱

ترجمہ: جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم کو میرا رہنا (یعنی وعظ گوئی کی حالت میں) اور احکام خداوندی کی نصیحت کرنا بھاری اور ناگوار معلوم ہوتا ہے تو میرا تو خدا ہی پر بھروسہ ہے تو تم میرے ضرر پہنچانے کے متعلق اپنی تدبیر جو کچھ کر سکو مع اپنے شرکاء یعنی بتوں کے پختہ کر لو پھر تمہاری وہ تدبیر تمہاری گھٹن اور دل تنگی کا باعث نہ ہونا چاہئے پھر میرے ساتھ جو کچھ کرنا ہے کر گزرو اور مجھ کو اصلا مہلت نہ دو۔

تشریح...... اس آیت کی تفسیر میں حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ

یعنی اکثر خفیہ تدبیر سے طبیعت گھٹا کرتی ہے سو خفیہ تدبیر کی ضرورت نہیں جو کچھ تدبیر کرو دل کھول

کر اعلانیہ کرو میرا نہ لحاظ پاس کرو اور نہ میرے چلے جانے نکل جانے کا اندیشہ کرو کیونکہ اتنے آدمیوں کے پہرے میں سے ایک آدمی کا نکل جانا بھی مستبعد ہے۔ پھر اخفاء کی کیا ضرورت ہے۔ تشریح ختم۔ مرتب)

اسی طرح ہود کا یہ ارشاد ہے جو ان کے الوالعزم پیغمبر ہونے کی دلیل ہے اور جس کو قرآن پاک میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

قَالَ اِنِّیٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ

الآیہ پ ۱۲ سورہ ہود ع ۴

ترجمہ: ہود نے فرمایا کہ میں علی الاعلان اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی سن لو اور گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے بالکل بیزار ہوں جن کو تم خدا کے سوا شریک عبادت قرار دیتے ہو سو تم اور وہ سب مل کر میرے ساتھ ہر طرح کا داؤ گھات کر لو پھر ذرا مجھ کو مہلت نہ دو۔

اسی طرح حضرت ابراہیم کے الوالعزم پیغمبر ہونے کی دلیل میں ان کا اور ان پر ایمان لانے والوں کا یہ قول ہے جو قرآن پاک میں بیان ہوا ہے۔

اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ الآیہ پ ۲۸ سورہ ممتحنہ ع ۱

ترجمہ: جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض زیادہ ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بارے میں حق تعالی کا یہ ارشاد ہے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ

الآیہ پ ۲۶ سورہ احقاف ع ۴

ترجمہ: تو آپ صبر کیجئے جیسے اور ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا تھا اور ان لوگوں کے لئے انتقام الٰہی کی جلدی نہ کیجئے اور جس روز یہ لوگ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو گویا یہ لوگ دن بھر میں ایک گھڑی رہے ہیں۔

تشریح...... اوالوالعزم کے متعلق حضرت تھانویؒ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ

اوالوالعزم سے محققین نے سب پیغمبر مراد لئے ہیں کیونکہ سب کا اہل عزم اور اہل ہمت ہونا ظاہر ہے اور من الرسل میں کلمہ من بیانیہ ہے اور چونکہ حسب ارشاد فضلنا بعضھم علی بعض اس صفت میں بعض رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام اوروں سے بڑھے ہوئے ہیں اس بناء پر یہ لقب بعض رسل کا بھی مشہور ہو گیا ہے جیسا کہ اعلام غالبہ میں ہوتا ہے۔ حوالہ تفسیر بیان القرآن تشریح ختم۔ از مرتب)

اس درمیانی تفصیل کے بعد پھر اصل واقعہ بیان کرتے ہیں جو آنحضرت ﷺ اور عداس غلام کے درمیان گفتگو کا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ نے عداس کو بتلایا کہ یونس ابن متی بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں تو) عداس ایک دم آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچا اور آپ کے سر مبارک اور ہاتھوں پیروں کو بوسے دینے لگا۔

عداس کی عقیدت پر عتبہ وشیبہ کی حیرت...... عتبہ اور شیبہ جو باغ کے مالک تھے اور دور کھڑے ہوئے یہ

سب کچھ دیکھ رہے تھے انہوں نے عداس کو آنحضرت ﷺ کے قدم لیتے ہوئے دیکھا تو ان میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا۔

"تمہارے غلام کو تو اس شخص نے تم سے کھودیا۔"

اس کے بعد جب عداس ان کے پاس آیا تو ان میں سے ایک نے اس سے پوچھا۔

"تیرا ناس ہو۔ تجھے کیا ہو گیا تھا کہ تو اس شخص کا سر اور ہاتھ پیر چومنے لگا تھا۔"

عداس نے کہا۔

"میرے آقا۔ اس شخص سے بہتر انسان روئے زمین پر نہیں ہو سکتا۔ اس نے مجھے ایسی بات بتلائی جس کو نبی کے سوا کوئی نہیں بتلا سکتا۔"

اس پر عتبہ یا شیبہ نے کہا۔

"تیرا برا ہو۔ تو اپنے دین سے ہر گز مت پھر جانا۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: ایک روایت میں یوں ہے کہ ان دونوں نے عداس سے کہا۔

"کیا بات ہے تم نے محمد کو سجدہ کیا اور ان کے پیر چومے اس سے پہلے ہمارے ساتھ تو کبھی تم نے ایسا نہیں کیا (حالانکہ ہم تمہارے آقا ہیں)"

اس پر عداس نے کہا۔

"ان بزرگ ہستی نے مجھے اس نبی کے بارے میں بتلایا ہے جن کو میں جانتا ہوں وہ رسول تھے جن کو اللہ تعالی نے ہماری ہدایت کے لئے بھیجا تھا۔"

اس پر وہ دونوں ہنس پڑے اور کہنے لگے۔

"یہ شخص تمہیں کہیں تمہارے عیسائی مذہب سے نہ پھیر دے کیونکہ یہ ایک (نعوذ باللہ) دھوکے باز شخص ہے۔ تمہارا دین اس کے دین سے کہیں بہتر ہے۔"

آغاز نبوت کے بیان میں یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت خدیجہؓ آنحضرت ﷺ کو ورقہ ابن نوفل کے پاس لے جانے سے پہلے عداس کے پاس لے گئی تھیں جو نینوی کا رہنے والا اور ایک عیسائی شخص تھا اور یہ کہ نینوی حضرت یونسؑ کی بستی تھی۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ وہ عداس اس عداس کے علاوہ ایک دوسرا شخص تھا اگرچہ بعض حضرات کو یہ مغالطہ ہوا ہے کہ وہ عداس یہی غلام تھا۔

علامہ شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ ۵۸۵ھ میں جبکہ میں اندلس میں تھا تو میں (مکاشفہ کے ذریعہ) یونسؑ کی قوم کی ایک جماعت سے ملا اور میں نے زمین پر ان میں سے ایک آدمی کے پیر کا نشان ناپا تو میں نے دیکھا کہ اس کے پیر کی لمبائی سوا تین بالشت تھی۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ پر سخت ترین دن...... بخاری میں حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔

"کیا جنگ احد کے دن سے زیادہ سخت کبھی کوئی دن آپ پر گزرا ہے؟"

آپ نے فرمایا۔

"تمہاری قوم سے مجھے جو تکلیف پہنچی وہ یوم عقبہ سے بھی زیادہ سخت تھی جبکہ میں نے اپنے آپ کو

ابن عبد یالیل ابن کلال کے سامنے پیش کیا تھا۔"

یہاں ابن عبد یالیل ابن کلال کہا گیا ہے۔ یہ غالباً مغالطہ ہے۔ یہاں مناسب یہ ہے کہ عبد یالیل سے پہلے ابن کا لفظ نہ ہونا چاہئے اور دوسری جگہ ابن کے بجائے و ہو یعنی اس طرح کہا جائے عبد یالیل اور کلال یعنی عبد کلال۔ (جیسا کہ ان ناموں کی تفصیل بیان کی گئی تھی)

یہاں آنحضرت ﷺ نے تین بھائیوں میں سے صرف ان ہی دو کا ذکر فرمایا ہے اور تیسرے بھائی حبیب کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حبیب کے مقابلے میں یہی دونوں زیادہ معزز اور مشہور لوگ تھے ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بات کے جواب میں آپ سے بدکلامی کرنے والے یہی دونوں تھے حبیب نے بدکلامی نہیں کی تھی۔

حدیث میں ابن عبد یالیل ابن کلال کہنے کی ایک وجہ ہو سکتی ہے کہ یہ بات ثابت ہے کہ ان تینوں بھائیوں کے باپ دادا میں کسی پشت میں ایک شخص تھا جس کا نام عبد یالیل اور عبد کلال تھا (لہذا اسی شخص کی نسبت سے ابن عبد یالیل ابن کلال کہا گیا) اب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابن عبد یالیل کہہ کر آپ نے تینوں بھائی مراد لئے تھے کیونکہ لفظ ابن جمع کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے ادھر کتاب نور میں بھی یہ ہے کہ اس حدیث میں ابن کا لفظ ثابت ہے مگر ابن اسحاق اور ابن عبید وغیرہ کے کلام میں ابن کا لفظ نہیں ہے کتاب شمس شامی میں وہ قول ذکر ہے جو اہل مغازی یعنی غزوات سے متعلق روایات پیش کرنے والے حضرات کا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جس کا بھائی تھا باپ یا دادا نہیں تھا۔ غرض آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے آگے فرمایا۔

"میں نے ابن عبد یالیل کے سامنے جو بات پیش کی اس کو اس نے نہیں مانا تو میں وہاں سے چل پڑا میرا چہرہ اداس اور غمگین تھا یہاں تک کہ میں قرن ثعالب کے مقام تک پہنچ گیا۔"

قرن ثعالب کو قرن منازل بھی کہا جاتا ہے یہ اہل نجد حجاز یا یمن کی میقات ہے۔ اس کے اور مکے کے درمیان ایک دن اور ایک رات کا فاصلہ ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ قرن کے پیچھے مکہ سے ایک رات کے فاصلے پر ایک بستی ہے۔ علامہ جوہری نے کہا ہے کہ حضرت اویس قرنی کی نسبت اسی بستی کی طرف ہے اور وہ اصل میں بنی مراد کے قبیلے کے ایک قرن یعنی شاخ سے منسوب تھے جیسا کہ مسلم کی روایت سے ثابت ہے۔

جبرئیل کے ساتھ پہاڑوں کے فرشتے کی آمد...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"یہاں پہنچ کر میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک بدلی نے میرے اوپر سایہ کیا ہوا ہے پھر میں نے دیکھا تو اس میں جبرئیلؑ نظر آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا۔ آپ کو آپ کی قوم یعنی بظاہر بنی ثقیف۔ نے جو جواب دیا ہے اور جو کچھ کہا ہے اس کو حق تعالیٰ نے سن لیا ہے مجھے پہاڑوں کے نگراں فرشتے کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا گیا ہے اس لئے آپ بنی ثقیف کے بارے میں جو چاہیں اس کا اس فرشتے کو حکم فرمائیں۔"

دشمن قوم کو پہاڑوں کے درمیان کچل ڈالنے کی پیشکش...... اس کے بعد اس پہاڑوں کے فرشتے نے آنحضرت ﷺ کو پکارا اور عرض کیا "اگر آپ چاہیں تو میں اخشبین پہاڑوں کے درمیان اس قوم کو کچل ڈالوں۔"

یہ دو پہاڑ ہیں جن کی نسبت کبھی مکے کی طرف کی جاتی ہے اور کبھی منیٰ کی طرف کی جاتی ہے۔ جب مکے کی طرف نسبت کی جائے تو مراد ہوتے ہیں ابو قبیس پہاڑ اور قیقعان پہاڑ۔ ایک قول کے مطابق قیقعان کے بجائے وہ سرخ پہاڑ جو ابو قبیس کے سامنے ہے اور جس پر سے قیقعان پہاڑ نظر آتا ہے اور جب ان کی نسبت منیٰ کی

طرف ہوتی ہے تو وہ دو پہاڑ مراد ہوتے ہیں جو منیٰ میں عقبہ کے نیچے اور مسد کے اوپر ہیں۔
یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ پہاڑوں کے فرشتے نے یہ بات بنی ثقیف کے لئے کہی تھی کہ ان کو دو پہاڑوں کے درمیان کچل دیا جائے حالانکہ بنی ثقیف ان میں سے کسی بھی دو پہاڑوں کے درمیان میں نہیں رہتے تھے بلکہ ان کی بستی ان دونوں پہاڑوں کی حدود سے باہر تھی لہذا یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس قوم کو ان دونوں پہاڑوں کے درمیان میں کچل دیا جائے گا۔
ایک روایت میں اس فرشتے کے یہ الفاظ ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو ان لوگوں کو زمین میں دھنسا دیا جائے یا ان کے اوپر پہاڑ گرا دیئے جائیں۔ یعنی وہ پہاڑ جو اس علاقے میں ہیں۔"
علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے تمہاری قوم فرمایا ہے تو یہاں حضرت عائشہؓ کی قوم سے مراد قریش ہیں طائف کے لوگ نہیں جو قبیلہ ثقیف میں سے تھے یہاں قریش کے مراد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں آنحضرت ﷺ کے طائف جانے کا سبب تو قریش کے لوگ ہی بنے تھے۔ دوسرے یہ کہ قبیلہ ثقیف کے لوگ حضرت عائشہؓ کی قوم نہیں تھے۔ لہذا اس قوم کو ان دو پہاڑوں کے درمیان کچلنے کی بات پر کوئی شبہ نہیں رہتا۔
یہی بات کتاب ھُدیٰ میں بھی کہی گئی ہے کہ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا کہ آنحضرت ﷺ حکم دیں تو مکے والوں کو دو پہاڑوں کے درمیان کچل دیں یہ مکے کے دو پہاڑ ہیں اور مکہ شہر ان دونوں کے بیچ میں ہے۔
کتاب ھُدیٰ میں ہی ایک اور جگہ بھی یہی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس اختیار کے ساتھ پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل کرے یہاں تک کتاب ھدیٰ کا حوالہ ہے۔
مگر یہ سب باتیں اس حدیث کی تفصیل کے خلاف ہیں (کہ یہاں قریش مراد ہیں) کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جبکہ میں نے اپنے آپ کو عبد یالیل کے سامنے پیش کیا۔ اسی طرح حضرت جبرئیلؑ کا یہ قول جو گزرا ہے کہ آپ کو آپ کی قوم نے جو جواب دیا ہے اور جو کچھ کہا ہے اس کو حق تعالیٰ نے سن لیا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قریش مراد نہیں ہے بلکہ قبیلہ ثقیف مراد ہے یہی بات ابن شحنہ نے شرح منظومہ میں کہی ہے۔ انہوں نے طائف سے نکل کر آنحضرت ﷺ کی کی ہوئی دعا کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کے ساتھ پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا۔
لہذا اب یہ کہا جائے گا کہ مراد یہ ہے کہ ان دونوں پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر قبیلہ ثقیف کی بستی یعنی طائف میں منتقل کرنے کے بعد اس قوم کو ان کے درمیان میں کچل دیا جائے گا۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔
رحمت عالم کا فرشتے کو جواب...... غرض جب پہاڑوں کے فرشتے نے آنحضرت ﷺ سے یہ بات کہی تو آپ نے فرمایا۔
"نہیں میری آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں ضرور ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ شرک نہیں کریں گے۔"
اس پر پہاڑوں کے فرشتے نے آپ سے عرض کیا۔

"جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نام دیا ہے آپ حقیقت میں رؤف ورحیم یعنی بہت معاف فرمانے والے اور بہت رحم کھانے والے ہیں۔"

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ میں پہاڑوں کے فرشتے کے نام سے واقف نہیں ہوں۔

قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے آنحضرت ﷺ کی مروت اور درگزر کرنے کی حلف کو اپنے ان شعروں میں بیان کیا ہے۔"

جهلت قومه عليه وحلما
واخوا لحلم دابته الاغضاء
وسع العالمين علما و حلما
فهوبحر لم تعيهه الاعباء

مطلب...... یعنی آنحضرت ﷺ کی قوم نے آپ کے ساتھ بد تمیزی اور اجڈپن کیا اور آپ کو زبردست تکلیفیں پہنچائیں مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ محبت ونرمی کا معاملہ فرمایا کیونکہ ایک ایسی بامروت ہستی کی شان جو انتقام کو پسند نہ کرتی ہو یہی ہے کہ وہ دشمنوں کی برائیوں سے درگزر کرے اس لئے کہ اس کا علم تمام دنیا کے علوم سے زیادہ ہے اور اس کی مروت سب کی مروت سے زیادہ ہے۔ چنانچہ آپ کا علم بھی زیادہ تھا اور آپ کا حلم یعنی مروت بھی زیادہ تھی جو کسی وقتی جذبے کے بوجھ کو محسوس نہیں کرتی تھی۔

مگر ان شعروں میں بھی آنحضرت ﷺ کی قوم کہا گیا ہے جبکہ حدیث کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس موقعہ پر تکلیف پہنچانے والی آپ کی قوم یعنی قریش کی قوم نہیں تھی بلکہ بنی ثقیف کی قوم تھی۔ اس لئے یہ بات قابل غور ہے۔

نصیبین کے جنات کا گزر اور تلاوت قرآن کی آواز...... غرض طائف کے اسی سفر سے واپسی میں آنحضرت ﷺ راستے میں ایک جگہ نخلہ کے مقام پر آرام فرما ہوئے یہ جگہ مکے اور طائف کے درمیان میں تھی اس وقت آپ کے پاس سے سات اور ایک قول کے مطابق نو جنوں کا گزر ہوا جو نصیبین کے رہنے والے تھے یہ شام میں ایک شہر کا نام ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ یمن کا شہر تھا۔

نصیبین شہر کیلئے آنحضرت ﷺ کی دعا...... آنحضرت ﷺ نے اس شہر کی تعریف فرمائی ہے آپ کا ارشاد ہے کہ نصیبین کو اٹھا کر میرے سامنے کیا گیا یہاں تک کہ میں نے اس کو دیکھا پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس شہر میں پانی کی نہر کو میٹھا فرمادے اس کے درختوں کو پھل دار بنادے اور اس شہر میں بارش کی کثرت فرمادے۔

غرض یہاں نخلہ کے مقام پر آنحضرت ﷺ ٹھہرے اور آپ آدھی رات کو اٹھ کر یہاں نماز پڑھ رہے تھے ایک روایت میں ہے کہ اس وقت آپ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔

ایک روایت یہ ہے کہ جس وقت جنوں کی یہ جماعت آنحضرت ﷺ کے قریب سے گزری اس وقت آپ اس باغ میں قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے۔

غالباً اس وقت آنحضرت ﷺ نماز میں قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے۔ یہاں صبح کی نماز سے مراد وہی دو رکعتیں ہیں جو آپ سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھا کرتے تھے اس وقت آپ نے یہ نماز شاید فجر کے وقت سے پہلے پڑھی جو رات کے حصہ میں سے ملا ہوا حصہ ہوتا ہے۔ جہاں تک آدھی رات کہنے کا تعلق ہے یہ شاید راوی کا مغالطہ ہے۔ یا پھر آپ نے دو نمازیں پڑھیں دو رکعت آدھی رات میں پڑھی اور دو رکعتیں فجر کے

وقت کے بعد یعنی سورج نکلنے سے پہلے پڑھیں اور دونوں میں آپ نے قرآن پاک کی تلاوت فرمائی یا دونوں نمازوں کے درمیان تلاوت فرمائی۔ نیز یہ کہ جنات نے دونوں مرتبہ کی تلاوت سنی۔ نیز یہ کہ ان صبح کی دو رکعت نماز کی جو پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے پڑھی جاتی تھیں) فجر کی نماز کہا گیا ہے جو جائز ہے۔ اس سے بعض لوگوں کا یہ قول رد ہو جاتا ہے کہ فجر کی نماز واجب نہیں ہوئی تھی۔

اس وقت آنحضرت ﷺ سورۂ جن تلاوت فرما رہے تھے (جبکہ جنوں کی اس جماعت کا وہاں سے گزر ہوا۔ صحیحین میں اس قول پر ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ سورۂ جن اس وقت جنوں کے قرآن سننے کے بعد نازل ہوئی ہے۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ آگے ایک روایت آرہی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ یہاں سننے سے وہ سننا مراد نہیں جس کا یہاں ذکر ہوا بلکہ اس سے پہلے انہوں نے جو سنا تھا وہ مراد ہے۔ اس کا ذکر آگے آنے والی حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں آئیگا۔ ادھر یہاں نماز فجر والی روایت کو علامہ فخر رازی کی طرح تفسیر کشاف میں ذکر کیا ہے ورنہ وہ روایات جن کا ہمیں علم ہے ان میں صرف رات کی نماز کا ذکر ہے۔ نماز فجر ظہور کی ابتداء میں باغ میں ہوئی تھی جبکہ آپ اور آپ کے صحابہ عکاظ کے بازار میں گئے تھے جیسا کہ آگے آنے والی ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوگا۔

ان جنات کا اسلام ...... غرض آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے کلام پاک سن کر یہ جنات اسی وقت مسلمان ہو گئے اس سے پہلے یہ یہودی تھے۔ اس بات کا اندازہ ان کی اس بات سے ہوتا ہے جو قرآن پاک میں بیان فرمائی گئی ہے کہ۔

قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی الآیۃ پ26 ع3 سورہ احقاف آیت ۳۰

ترجمہ: کہنے لگے کہ اے بھائیو ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔

تو اس جگہ جنوں نے عیسیٰ کے بعد نہیں کہا جس سے معلوم ہوا کہ وہ پہلے یہودی تھے۔ ہاں البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ عیسائی ہی رہے ہوں مگر چونکہ عیسیٰؑ کی شریعت نے موسیٰؑ کی شریعت کو بھی بر قرار رکھا تھا اس کو ختم نہیں کیا تھا اس لئے جنات نے موسیٰؑ کا نام لیا۔

یہاں جنات نے کتاب کہا ہے حالانکہ انہوں نے صرف چند آیتیں سنی تھیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ سنا اس کی بنیاد پر اس کا بھی اندازہ کر لیا جو اس وقت نازل نہیں ہوا تھا کیونکہ نہ پورا قرآن انہوں نے سنا اور نہ پورا قرآن اس وقت تک نازل ہوا تھا۔

شیاطین جنات میں ہلچل ...... (قال) حضرت ابن عباسؓ نے جنوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی ملاقات کا انکار کیا ہے (ی) یعنی ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ان سے روایت ہے کہ نہ رسول اللہ ﷺ نے جنات کے لئے قرآن پاک کی تلاوت فرمائی اور نہ ان کو دیکھا۔ آپ اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ عکاظ کے بازار میں جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ طائف اور نخلہ کے درمیان میں تھے جو ثقیف اور قیس عیلان کا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

ادھر شیاطین کو آسمان کی خبریں سننے سے روکنے کے لئے زبردست حفاظت کی جانے لگی اور شیطانوں پر شہاب مارے جانے لگے اس سے شیاطین و جنات گھبرا کر بھاگے اور اپنی قوم کے پاس پہنچے۔ انہوں نے پوچھا کیا

ہو گیا تو ان شاطین نے کہا۔

"ہمیں آسمانی خبریں سننے سے روکنے کے لئے زبردست حفاظت کی جارہی ہے اور ہم پر شہاب مارے جارہے ہیں۔"

اس پر شیطانوں کی قوم نے کہا۔

"یہ سب کچھ یقیناً کسی خاص بات کے لئے ہی ہوا ہے۔"

اس کے بعد یہ سب شیاطین و جنات اس کا سبب معلوم کرنے کے لئے مشرق و مغرب میں پھیل گئے ان میں سے ایک جماعت تہامہ یعنی مکے کی جانب گئی اچانک انہیں رسول اللہ ﷺ نظر آئے جو عکاظ کے بازار میں جاتے ہوئے اپنے صحابہ کے ساتھ راہ کے ایک باغ میں فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ یہاں جب ان شیاطین کو قرآن پاک کی آواز آئی تو یہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور پھر کہنے لگے۔

"یہی وہ چیز ہے جو آسمان کی خبروں اور ہمارے درمیان رکاوٹ بنی ہے۔"

اس کے بعد وہ اپنی قوم کے پاس گئے اور ان سے بولے۔"

"بھائیو! ہم نے ایک عجیب قرآن یعنی کلام سنا ہے جو بھلائی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔"

ادھر اللہ تعالی نے آنحضرت ﷺ پر وحی نازل فرمائی جو یہ تھی۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ الآیہ پ29 سورہ جن ع ا

ترجمہ: آپ ان لوگوں سے کہئے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا پھر اپنی قوم میں واپس جا کر انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست بتلاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے جو دو رکعت نماز سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھی جاتی تھیں ان کو فجر کی نماز کہنا جائز ہے لیکن یہ بات صرف وقت کے ایک ہونے کی بنیاد پر کہنی جائز ہے اس لحاظ سے نہیں کہ یہ پانچ نمازوں میں کی ایک نماز تھی جو معراج کی رات میں فرض ہوئیں۔

اس روایت میں بیان ہوا ہے کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ سب پڑھ رہے تھے اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ امامت فرما رہے تھے کیونکہ اس نماز میں بھی جماعت کرنا جائز تھا۔ ادھر یہ بات ظاہر ہے کہ یہ واقعہ جو حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں بیان کیا گیا ہے اس واقعہ کے علاوہ دوسرا ہے جو آنحضرت ﷺ کی طائف سے واپسی کے وقت پیش آیا تھا کیونکہ اس روایت میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ عکاظ کے بازار میں جارہے تھے۔

جہاں تک طائف سے واپسی کے وقت کا قصہ ہے تو اس میں آپ یا تو تنہا تھے اور یا آپ کے ساتھ آپ کے غلام زید ابن حارثہ تھے جیسا کہ بیان ہوا ہے۔ پھر یہ کہ طائف سے واپسی کے وقت آپ مکے آرہے تھے نہ کہ عکاظ کے بازار میں جارہے تھے۔ تیسرے یہ کہ طائف سے واپسی کے دوران آپ نے نماز میں سورہ جن پڑھی تھی جبکہ اس واقعہ میں آپ نے سورہ جن کے علاوہ دوسری سورت پڑھی تھی اس کے بعد یہ سورت نازل ہوئی۔ چوتھے یہ کہ یہ واقعہ جو حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں بیان کیا گیا ہے طائف سے واپسی کے واقعہ سے پہلے کا

ہے۔اس لئے کہ ابن عباسؓ کا واقعہ وحی کے آغاز کے زمانے کا ہے کیونکہ شیاطین کو آسمان کی خبروں سے روکنے کے لئے ان پر اسی زمانے میں شہاب مارے گئے تھے جبکہ طائف کا یہ واقعہ اس کے کئی سال کے بعد پیش آیا۔

کیا اس موقعہ پر آپ کی جنات سے ملاقات ہوئی...... مگر دونوں واقعوں کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بھی موقعہ پر جنات سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات نہیں ہوئی نہ آپ نے ان کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت فرمائی بلکہ جنات نے آپ کی بے خبری میں آپ کی زبان مبارک سے قرآن پاک سنا خود ابن عباسؓ نے بھی اس کی صراحت فرمائی ہے۔

ادھر حافظ دمیاطی نے بھی اس بات کی صراحت کرتے ہوئے اپنی سیرت کی کتاب میں کہا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ طائف سے مکے جانے کے لئے روانہ ہوئے اور ایک باغ میں ٹھہر کر نماز پڑھ رہے تھے تو نصیبین کے جنات میں سے سات جنوں کی ایک جماعت آپ کے پاس سے گزری اور انہوں نے تلاوت سنی۔ آپ اس وقت سورہ جن پڑھ رہے تھے مگر آنحضرت ﷺ کو جنات کے سننے کا علم اس وقت تک نہیں ہوا جب تک کہ آپ پر یہ وحی نازل ہوئی۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ الخ پ ۲۶ سورہ احقاف ع ۳ آیت ۲۹

ترجمہ: اور جبکہ ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف سے لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے۔

یہاں تک حافظ دمیاطی کا کلام ہے۔اس آیت کا نزول جنات کے جانے کے بعد ہوا چنانچہ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو جنات واپس لوٹے اور اپنی قوم کو ڈراتے ہوئے ان کے پاس پہنچے وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے تھے اور جو کچھ کلام انہوں نے سنا تھا اس پر سر جھکا دیا تھا۔اس کے بعد حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی۔

کتاب سفر السعادۃ میں جو کچھ ہے اس کا اندازہ اس تفصیل کے بعد کیا جا سکتا ہے اس میں یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ طائف سے واپسی میں نخلہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کے پاس جنات آئے اور انہوں نے آپ کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا۔

اسی طرح کتاب مواہب میں بھی یہی تفصیل ہے اور اسکے آخر میں انہوں نے لکھا ہے کہ جنوں کے واقعہ کی اس رات میں آنحضرت ﷺ کو جس نے جنات کے آنے کی خبر دی وہ ایک درخت تھا نیز یہ کہ ان جنوں نے آنحضرت ﷺ سے توشہ یعنی اپنے لئے راستے کے کھانے کا بھی سوال کیا تھا۔اسپر آپ نے ان سے فرمایا۔

"ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تمہاری غذا ہے وہ تمہارے ہاتھوں میں پہنچے گی تو بہت زیادہ گوشت والی ہو کر پہنچے گی نیز لید اور جانوروں کا گوبر تمہارے جانوروں کا چارہ ہوگا۔ان دونوں چیزوں کے بارے میں آپ کا مسلمانوں کے لئے ارشاد ہے کہ پس اے مسلمانو! تم ان دونوں چیزوں (یعنی ہڈی اور کوئلہ) سے استنجانہ کرو اس لئے کہ یہ تمہارے جنات بھائیوں کی خوراک ہے۔"

یہاں ان جنات کا آنحضرت ﷺ کے پاس جمع ہونا خاص توشہ مانگنے کے لئے نہیں تھا۔

مگر کہا جاتا ہے کہ وہاں ایک درخت نے ہی آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی تھی۔اب گویا آنحضرت ﷺ کو ان جنات کے واپس جانے سے پہلے ان کے آنے کے متعلق درخت نے بتلایا۔نیز یہ کہ ان جنات کے آنحضرت ﷺ کے پاس آنے کا سبب قرآن سننا تھا۔اور یہ کہ درخت کے آنحضرت ﷺ کو اطلاع

دینے سے اس بات میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کو جنات کے قرآن پاک سننے کی اس وقت تک خبر نہیں ہوئی جب تک کہ خود قرآن میں ہی آپ کو اطلاع نہیں دیدی گئی۔ اب یہ بات ظاہر ہے کہ پھر جنات نے اس موقعہ پر آپ سے توشہ نہیں مانگا تھا بلکہ ان دونوں موقعوں یعنی طالف سے واپسی اور عکاظ کو جانے کے وقت کے واقعات کے علاوہ کسی اور واقعہ میں جنات نے آپ سے توشہ مانگا ہوگا جو مکے میں پیش آیا ہوگا۔ اس واقعہ کے متعلق آگے گفتگو آرہی ہے۔

جنات کو اپنی قوم میں تبلیغ کا حکم...... علامہ ابن جریر نے لکھا ہے کہ احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جنات نے نخلہ کے مقام پر ہی آنحضرت ﷺ سے قرآن پاک سنا تھا اور اسلام لے آئے تھے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان جنات کو ان کی قوم کے پاس واپس بھیجا تاکہ وہ انہیں ڈرائیں اور اسلام کی دعوت دیں (یعنی طائف سے واپسی کے وقت ہی یہ واقعہ پیش آیا) کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جو حدیث پیچھے گزری ہے اس کی روشنی میں اس واقعہ کا ظہور کی ابتداء میں پیش آنا سمجھ میں نہیں آتا۔ لہٰذا اب یہ دوسرا احتمال ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ پہلے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی بے خبری میں قرآن پاک سنا اور پھر جب درخت نے آپ کو اس کی اطلاع دیدی تو یہ جنات آپ سے ملے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ نے ان جنات کو واپس بھیجا تاکہ یہ اپنی قوم کو ڈرائیں۔ تو اس کے بارے میں میں نے کسی روایت میں نہیں دیکھا حالانکہ دعوی یہ کیا گیا ہے کہ یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے غالباً اس قول کے کہنے والے نے یہ بات قرآن پاک کی اس آیت سے سمجھی ہے جس میں ہے کہ پھر وہ جنات وہاں سے اپنی قوم کو ڈراتے ہوئے واپس ہوئے۔

ابن جریر اور طبرانی نے اس سلسلے میں ابن عباس کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جو جنات نخلہ کے مقام پر آنحضرت ﷺ سے ملے تھے وہ نو تھے اور نصیبین کے رہنے والے تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنا قاصد بناکر ان کی قوم میں واپس بھیجا تھا مگر اس تفصیل سے کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے طائف سے واپسی کے وقت کا ہے۔

یہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ابن جریر کی اس روایت میں ابن عباس کی طرف سے بھی اس بات کا انکار ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جنوں کی یہ ملاقات بعثت یعنی ظہور کے وقت تھی (کیونکہ اس میں کہا گیا ہے کہ نخلہ کے مقام پر جنات سے ملاقات ہوئی تھی) اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نخلہ کے مقام پر صرف طائف سے واپسی میں ہی نہ ٹھہرے ہوں بلکہ اس کے علاوہ بھی وہاں تشریف لے گئے ہوں (لہٰذا ابن عباسؓ کی طرف سے یہ اس کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ جنوں سے ظہور کے وقت ملاقات کا انکار کررہے ہوں)

ادھر کتاب نور میں ایک اور روایت ہے جو ابن عباسؓ کی اس روایت کے خلاف ہے جس میں ہے کہ عکاظ کے بازار کو جاتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی جنوں سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس روایت کی تفصیل یہ ہے کہ بخاری وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ جب عکاظ کے بازار میں جانے کے لئے مکے سے روانہ ہوئے تو راہ میں جنوں سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ بہرحال روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

طائف اور نخلہ کے قیام کی مدت...... (قال) غرض ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ طائف میں ایک مہینہ دس دن تک رہے اور اسکے بعد واپسی میں نخلہ کے مقام پر بھی آپ چند دن تک ٹھہرے۔ طائف میں کوئی

معزز آدمی ایسا نہیں تھا جسکے پاس آپ نہ گئے ہوں آپ نے ان سے گفتگو فرمائی مگر کسی نے آپ کی بات نہیں مانی۔

غرض واپسی میں جب آپ نے مکے میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا تو زید ابن حارثہ نے جو آپ کے غلام تھے اور آپکے ساتھ تھے آپ سے کہا۔

"قریش آپ کو مکے سے نکال چکے ہیں اب آپ کیسے مکے میں داخل ہوں گے۔"

مقصد یہ ہے کہ قریش کی زیادتیاں اور مظالم ہی مکے سے آپ کے نکلنے کا سبب بنے تھے اور آپ مدد حاصل کرنے کے لئے مکے سے گئے تھے مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی اس لئے اب کیسے مکے میں داخلہ ہو سکے گا۔

آپ نے فرمایا۔

"زید! جو صورت حال ہے اس میں اللہ تعالیٰ ہی کشادگی اور آسانی پیدا فرمانے والا ہے۔ وہی اپنے دین کا مددگار ہے اور وہی اپنے نبی کا بول بالا فرمانے والا ہے۔"

مکے میں داخلہ کیلئے پناہ کی ضرورت...... اس کے بعد آپ غار حرا تک پہنچ گئے۔ یہاں سے آپ نے ایک قریشی اخنس ابن شریق کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ آپ کے مکے میں داخل ہونے پر آپ کو دشمنوں سے پناہ دیں۔ یہ اخنس بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اس پیغام کے جواب میں اخنس نے یہ کہلایا کہ میں نے خود دوسروں سے معاہدہ کر رکھا ہے لہذا میں کیسے آپ کو معاہدے کے خلاف پناہ دے سکتا ہوں۔ یہ عرب کا طریقہ اور دستور تھا اور یہی اس کی اصطلاح تھی (چنانچہ اخنس نے قریش سے معاہدہ کر رکھا تھا اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو پناہ دینے سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد آپ نے سہیل ابن عمرو کے پاس یہی پیغام بھیجا۔ یہ سہیل بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے مگر سہیل نے جواب دیا کہ ہم نبی عامر ہیں اور بنی عامر کے لوگ بنی کعب یعنی قریش کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دے سکتے۔

اب اس بارے میں ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ان دونوں آدمیوں کا معاملہ یہی تھا تو آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس پیغام ہی کیوں بھیجا۔ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو عرب کے اس دستور اور ان دونوں کے ان معاملوں کی خبر نہ ہو۔ اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عرب کے اس طریقے کے خلاف ان سے مدد چاہی تھی۔

مطعم کی پناہ میں مکے میں داخلہ...... غرض اس کے بعد تیسری مرتبہ میں آپ نے مطعم ابن عدی کے پاس پیغام بھیجا۔ یہ مطعم غزوہ بدر سے تقریباً سات مہینے پہلے کفر کی حالت میں مر گیا تھا۔ اس کے پاس آنحضرت ﷺ نے کہلایا کہ میں تمہاری پناہ میں مکے میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی یہ بات مان لی اور جواب میں کہلایا کہ آنحضرت ﷺ سے کہہ دو کہ وہ آجائیں قاصد واپس آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو مطعم کا پیغام پہنچایا۔ آپ اسی وقت مکے میں داخل ہو گئے۔

پھر مطعم ابن عدی اور اس کے خاندان والوں نے ہتھیار لگائے اور سب مسجد حرام میں آئے۔ یہاں پہنچ کر مطعم اپنی سواری پر کھڑا ہو گیا اور پکار کر بولا۔

"اے گروہ قریش! میں نے محمد کو پناہ دی ہے اس لئے تم میں سے کوئی ان کو کچھ نہ کہے۔"

اس اعلان کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع کرائی تو آپ مسجد حرام میں تشریف لائے۔

آپ نے کعبے کا طواف کیا اور نماز پڑھی اور اس کے بعد اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اس دوران میں مطعم ابن عدی اور اس کا بیٹا بھی طواف کرتے رہے۔

(قال) ایک روایت یہ ہے کہ یہ رات آنحضرت ﷺ نے مطعم کے یہاں بسر فرمائی۔ صبح کو مطعم اور اسکے بیٹوں نے جو تعداد میں چھ یا سات تھے اپنے ہتھیار لگائے اور آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر بیت اللہ میں آئے۔ یہاں ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ طواف کر لیجئے اور خود یہ لوگ اپنی تلواروں کی میانوں سے آنحضرت ﷺ کو گھیرے رہے یہاں تک کہ آپ طواف سے فارغ ہو گئے۔

اس کے بعد ابوسفیان مطعم کے پاس آئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ کیا تم نے محمد کو امان دی ہے۔ مطعم نے کہا ہاں میں نے پناہ دی ہے ابوسفیان نے کہا کہ تمہاری دی ہوئی امان کا احترام کیا جائے گا جس کو تم نے امان دی اس کو ہم نے بھی امان دی۔ اس کے بعد ابوسفیان مطعم کے پاس ہی بیٹھ گئے اور جب تک آنحضرت ﷺ طواف سے فارغ ہوئے وہیں رہے۔

جہاں تک آنحضرت ﷺ کے ایک کافر کی امان میں مکے میں داخل ہونے کا تعلق ہے تو اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ حکیم اور دانا کے ہر کام میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مکے سے طائف چلے جانے اور وہاں والوں کو اسلام کی دعوت دینے کی وجہ سے قریش نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ آپ کو اب مکے میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا اسی لئے آپ کو کسی شخص کی پناہ کی ضرورت پیش آئی) مطعم نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس وقت جو بھلائی کی تھی اس کی وجہ سے جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تو جو کافر قید ہوئے تھے ان کے بارے میں فیصلہ فرمانے سے پہلے آپ نے فرمایا۔

"اگر ان قیدیوں میں مطعم ابن عدی زندہ موجود ہوتا اور مجھ سے ان قیدیوں کے بارے میں سفارش کرتا تو میں اس کے لئے ان کو چھوڑ دیتا۔"

کتاب اسد الغابہ میں مطعم ابن عدی کے لڑکے جبیر ابن مطعم کے بارے میں ایک روایت ہے یہ جبیر معاہدہ حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان مسلمان ہو گئے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔

غرض ایک روایت ہے کہ غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں بات کرنے کے لئے یہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اس وقت تک یہ کافر تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے قیدیوں کو چھوڑ دینے کے لئے عرض کیا آپ نے فرمایا۔

"اگر تمہارے بوڑھے والد زندہ ہوتے اور وہ ہم سے ان کے بارے میں گفتگو کرتے تو ہم ان کی سفارش قبول کر لیتے۔"

اس روایت کی تفصیل آگے غزوہ بدر کے بیان میں آئے گی۔ آنحضرت ﷺ کے اس جواب کی وجہ مطعم کی وہی بھلائی تھی جو اس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کی تھی۔ ادھر یہ کہ مطعم بھی ان لوگوں میں شامل تھا جس نے مسلمانوں کے بائیکاٹ کے سلسلے میں قریش کے عہدنامے کو پھاڑ ڈالنے میں کوشش کی تھی جیسا کہ بیان ہوا۔

جنات کی ایک بڑی جماعت کی حاضری...... (قال) حضرت کعب احبارؓ سے روایت ہے کہ نصیبین کے سات جنوں کی جماعت جب نخلہ کے مقام سے واپس ہوئی تو اس نے ہی قوم کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔ پھر

یہ اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ دوبارہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے یہ کل ملا کر تین سو تھے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ مکے میں تھے۔ یہ سب جحون کے مقام پر پہنچے (جو مکے کا قبرستان تھا) اس کے بعد ان میں سے ایک جن آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

"ہماری قوم والے جحون کے مقام پر جمع ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

آنحضرت ﷺ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ آپ رات میں کسی وقت جحون کے مقام پر تشریف لے جاکر ان سے ملیں گے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک روز ہمارے پاس آئے اور آپ نے فرمایا۔

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے بھائی جنات کے سامنے قرآن پاک سناؤں۔ اس لئے تم میں سے کوئی ایک شخص میرے ساتھ چلنے کے لئے اٹھے۔ مگر ایسا شخص ہرگز نہ اٹھے جس کے دل میں ذرہ برابر بھی غرور یا تکبر ہو۔"

ابن مسعود ﷺ کے ساتھ مقام جحون کو روانگی...... آنحضرت ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی مگر صحابہ میں سے کوئی بھی نہیں اٹھا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آخر آپکے ساتھ چلنے کیلئے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں شاید صحابہ یہ سمجھے کہ تکبر سے مراد وہ چیزیں ہیں جو عام طور پر اس میں شمار نہیں ہوتیں جیسے اچھے کپڑے پہننے کی خواہش جس سے کوئی بھی خالی نہیں ہوتا۔ آنحضرت ﷺ نے تکبر اور بڑائی کی تفصیل یہ فرمائی ہے کہ تکبر سے کسی چیز کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو چھوٹا اور کمتر سمجھ کر ان کی طرف متوجہ نہ ہونا۔ صحابہ نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں!"

آپ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ خود جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند فرماتا ہے۔ جہاں تک تکبر اور بڑائی کا تعلق ہے تو وہ حقارت سے دیکھنا اور دوسروں کو کمتر اور چھوٹا جاننا ہے۔"

"پہلی راویت میں غمص الناس ہے اور دوسری ابوداؤد کی روایت میں غوظ الناس ہے۔"

ایک حدیث میں آتا ہے۔

"وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ایک حبہ برابر بھی تکبر ہوگا اور وہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ایک حبہ برابر بھی ایمان ہے۔"

علامہ خطابیؒ کہتے ہیں کہ یہاں دوسری روایت میں تکبر سے مراد کفر کا تکبر ہے کیونکہ وہی ایمان کا مقابل ہوتا ہے۔

ابن مسعود کیلئے آنحضرت ﷺ کا حصار...... غرض حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ مکے کے ایک نواح یعنی بالائی حصے میں جحون کے مقام پر تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے میرے چاروں طرف اپنے پیر سے ایک خط کھینچ کر حصار بنادیا۔

پھر مجھ سے فرمایا۔

"اس سے باہر مت نکلنا۔ اگر تم نے اس حصار سے قدم باہر نکالا تو قیامت کے دن تک نہ تم مجھے دیکھ پاؤ گے اور نہ میں تمہیں دیکھ پاؤں گا۔"

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"میرے آنے تک اسی طرح رہو۔ تمہیں کسی چیز سے ڈر نہیں لگے گا کوئی دہشت نہیں ہوگی اور کسی چیز کو دیکھ کر کوئی ہول نہیں ہوگی۔"

جنات سے ملاقات اور ان کا ذوق و شوق...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ بیٹھ گئے۔ اچانک آپ کے پاس بالکل سیاہ فام لوگ آئے جو زط۔ یعنی سوڈان کے ایک مخصوص علاقے کے لوگوں کی طرح بالکل کالے تھے۔ یہ بہت سے لوگ تھے اور جیسا کہ حق تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے آپ پر ہجوم کر کے ٹوٹے پڑ رہے تھے یعنی قرآن پاک سننے کی خواہش میں ایک پر ایک گر رہے تھے آنحضرت ﷺ پر ان لوگوں کا ہجوم دیکھ کر میں نے چاہا کہ اٹھ کر ان لوگوں کو آپ سے دور کروں مگر مجھے آنحضرت ﷺ کا فرمان یاد آگیا اور میں اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ اس کے بعد یہ جنات آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ اس وقت میں نے سنا کہ یہ آپ سے کہہ رہے تھے۔

جنات کی طرف سے توشہ کی درخواست...... یارسول اللہ! ہم جس سرزمین کے رہنے والے ہیں اور جہاں ہمیں واپس جانا ہے وہ بہت دور جگہ ہے اس لئے ہمارے اور ہماری سواریوں کے لئے زادراہ یعنی راستے کے توشے کا انتظام فرما دیجئے۔"

غالباً ان جنات کے ساتھ اپنے اور سواریوں کے لئے جو توشہ تھا وہ ختم ہو گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو جواب دیا۔

"ہر وہ ہڈی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو جب تمہارے ہاتھوں میں پہنچے گی تو پہلے سے بھی زیادہ پر گوشت ہو جائے گی۔" (مسلم)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ایسی ہر ہڈی پر اتنا ہی گوشت پیدا ہو جائے گا جتنا اس پر اس دن تھا جس دن وہ کھائی گئی ہوگی۔ اور ہر لید اور گوبر تمہارے جانوروں کا چارہ ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں جنات کو آنحضرت ﷺ نے یہ جواب دیا کہ ہر کھائی ہوئی ہڈی اور ہر لید گوبر تمہارے لئے ہے۔ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! اس سے ان کا کیا پیٹ بھرے گا۔ یعنی ان کا اور ان کے جانوروں کا۔"

جنات کی غذا...... آپ نے فرمایا۔

ہر ہڈی ان کے لئے ایسی گوشت والی ہو جائے گی جیسی اس روز تھی جس دن کھائی گئی اور ہر لید گوبر میں وہ دانے پیدا ہو جائیں گے جو جانور نے کھائے تھے۔"

ایک روایت میں ہے کہ لید اور گوبر میں ان کو وہی جو کے دانے ملیں گے جو ان جانوروں نے کھائے تھے۔ اب گویا اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لید اور گوبر جنات کے جانوروں کی خوراک ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جو کے دانے جنات کے جانوروں کے لئے دوبارہ اسی طرح تروتازہ کر دیئے جاتے ہیں۔ اب یہاں تین روایتیں ہو گئی ہیں ایک میں ہے کہ لید اور گوبر میں ایسے ہی دانے پیدا ہو جاتے ہیں جو جانوروں نے کھائے تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ اسی طرح جو بن جاتی ہے۔ اور تیسرے یہ کہ وہ اسی طرح تروتازہ چارہ بن جاتی ہے ان تینوں باتوں میں موافقت کی ضرورت ہے۔

ابو نعیم کی ایک روایت میں ہے کہ لید ان کے لئے کھجور بن جائے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لید

ان کا کھانا ہے۔ ان باتوں میں بھی موافقت کی ضرورت ہے علامہ شہیمی نے ان میں موافقت پیدا کی ہے کہ لید کبھی تو ان کے جانوروں کا چارہ بن جاتی ہے اور کبھی خود ان کے لئے کھانا بن جاتی ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ جنات نے مجھ سے پونجی یا توشہ مانگا میں نے ان کو ہر پرانی ہڈی اور ہر لید اور گوبر کی پونجی دی۔ یہاں پرانی سے مراد ہے جس پر کافی زمانہ گزر چکا ہو کیونکہ اس کے باوجود وہ ان کا کھانا رہتی ہے جیسا کہ جل کر کوئلہ ہو جانے کے باوجود وہ ان کی غذا رہتی ہے۔ شاید یہاں ہر پرانی ہڈی سے مراد یہ ہے کہ چاہے وہ ہڈی کتنی ہی پرانی کیوں نہ ہو چکی ہو۔ یہ مراد نہیں ہے کہ صرف پرانی ہڈیوں کو ہی ان کی خوراک بنایا گیا۔

یہاں ہڈیوں کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ جنات ان کو ایسی ہی پر گوشت پائیں گے جیسی وہ کھانے کے دن تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف پاک اور حلال جانوروں کی ہڈیاں مراد ہیں۔ کیونکہ یہ بھی گزرا ہے کہ ہر وہ ہڈی جس پر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ لہٰذا ایسی ہڈیاں جنات کی خوراک نہیں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا اسی لئے جنات انسانوں کا کھانا چرا کر نہیں کھاتے جیسا کہ بعض روایتوں سے ظاہر ہے مگر ابوداؤد کی روایت میں یہ ہے کہ ہر وہ ہڈی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ ادھر علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ اکثر حدیثیں اس مضمون کو ظاہر کرتی ہیں جو ابوداؤد کی روایت کا ہے۔ اسی لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ روایت کہ ہر وہ ہڈی جس پر خدا کا نام لیا گیا ہو جنات میں صرف مومنوں کے لئے ہے۔ اور وہ روایت کہ وہ ہڈی کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ جنات میں شیاطین کے لئے ہے یہی قول ہے جو احادیث کے مطابق ہے۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا کلام ہے۔

ابلیس کی غذا...... ان احادیث میں ایک یہ ہے کہ ایک دفعہ ابلیس یعنی شیطانوں کے سردار نے کہا۔

"اے پروردگار! تیری مخلوق میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس کے لئے تو نے کوئی نہ کوئی رزق نہ پیدا کیا ہو۔ مگر میرا رزق کیا ہے؟"

اس پر ارشاد باری ہوا۔

"ہر وہ چیز جس پر میرا نام نہ لیا گیا ہو تیرا کھانا ہے۔"

یہ بات ظاہر ہے کہ ابلیس تمام جنات کا باپ ہے۔ وہ چیزیں جن پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو ان میں مردار جانوروں کی ہڈیاں شامل ہیں ادھر جنات کے مومنوں کے مقابلے میں جنات کے شیاطین سے مراد فاسق جنات ہیں کافر جنات مراد نہیں ہیں۔ اس لئے کہ جنات کے کافر بھی مومنوں کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ سے ملے تھے اور دونوں ہی گروہوں نے آپ سے راستے کا توشہ مانگا تھا اور آپ نے دونوں کے ہی مناسب ان کو خوراک بتلائی تھی ادھر یہ کہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں بھی گزرا ہے اور آگے آئے گا بھی کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے تمہارے بھائی جنات فرمایا تھا۔ مگر اسی کی بنیاد پر بعض علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے راستے کا توشہ مانگنے والے جنات صرف مومن تھے۔ اس لئے یہ اختلاف قابل غور ہے۔

ہڈی اور لید سے استنجاء کی ممانعت...... غرض جب رسول اللہ ﷺ نے جنات کو ہڈیوں کی غذا بتلائی تو انہوں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! لوگ ہڈیوں کو گندا کر دیتے ہیں اور ہمارے کھانے کی نہیں رہتیں۔"

اس پر آنحضرت ﷺ نے انسانوں کو ہڈیوں اور لید سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے۔

"تم جب بیت الخلاء سے فارغ ہو تو ہڈی یا لید گوبر سے ہر گز استنجاء مت کرو اس لئے کہ وہ تمہارے، جنات بھائیوں کی غذا ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ جنات نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اپنی امت کو ان دونوں چیزوں سے استنجاء کرنے سے منع فرما دیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں ہمارے لئے رزق پیدا فرمایا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ہڈی اور مینگنی وغیرہ سے استنجاء کرنے سے امت کو منع فرما دیا۔

اس ممانعت کے بعد ان چیزوں پر پیشاب پاخانہ کرنے کی ممانعت خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ جنات نے جو یہ کہا تھا کہ انسان ہڈیوں وغیرہ کو گندا کر دیتے ہیں اس سے ان کی مراد یقیناً یہی رہی ہوگی کہ لوگ ان چیزوں سے استنجاء کر لیتے ہیں۔ گندگی سے یہ مراد نہیں ہوگی کہ ان پر تھوکتے یا ناک صاف کر دیتے ہیں۔

<u>آنحضرت ﷺ سے سانپ کی سرگوشیاں</u>...... حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک روز میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کہیں جا رہا تھا کہ اچانک ایک سانپ راستے میں آگیا۔ وہ آنحضرت ﷺ کے بالکل برابر میں آیا اور اس نے اپنا منہ آپ کے کان کے قریب کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آپ سے سرگوشیاں کر رہا ہے۔ آپ نے کچھ دیر میں فرمایا۔ ہاں۔ اس کے بعد وہ سانپ وہاں سے چلا گیا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے آپ سے اسکے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ جنات میں سے تھا اور مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اپنی امت کو حکم فرما دیجئے کہ وہ لید اور ہڈیوں سے استنجاء نہ کیا کریں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمارے لئے رزق پیدا فرمایا ہے۔

غالباً جنات میں کے اس شخص کو یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ پہلے ہی اپنی امت کو ان چیزوں سے استنجاء کرنے سے منع فرما چکے ہیں۔

ادھر جنوں کی طرف سے توشہ کا سوال کرنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ چیزیں اس سے پہلے ان کی اور ان کی سواریوں کی غذا نہیں تھیں۔ اب اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس سے پہلے ان کا توشہ کیا تھا۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ آدمیوں کے کھانے میں ہر وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔

لہذا ابلیس کے متعلق جو روایت پیچھے بیان ہوئی ہے اس میں ان چیزوں سے جن پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو ہڈیوں کے علاوہ دوسری چیزیں مراد ہوں گی۔ بہر حال یہ سب اختلافِ روایات قابل غور ہے۔ ادھر آنحضرت ﷺ کی طرف سے ان چیزوں سے استنجا کرنے کی ممانعت ظاہر کرتی ہے کہ یہ چیزیں جنات کے لئے صرف اس سفر میں ہی توشہ نہیں بنائی گئیں بلکہ ہمیشہ کے لئے توشہ بنائی گئی ہیں۔

حضرت جابر ابن عبداللہؓ کی جو روایت پچھلی سطروں میں گزری ہے اسی جیسی ایک روایت غزوہ تبوک کے بیان میں آگے بھی آرہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک زبردست اور بہت بڑا سانپ مسلمانوں کے راستے میں آگیا۔ لوگ ڈر کر اس سے دور ہو گئے مگر وہ سانپ سیدھا آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور رک گیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ اپنی سواری پر سوار تھے آپ کی سواری زمین پر بیٹھ گئی۔ یہ سانپ بہت دیر تک آپ کے قریب رہا اور لوگ یہ منظر دیکھتے رہے۔ اس کے بعد آپ کی سواری کھڑی ہو گئی تب آپ نے صحابہ سے پوچھا۔

"کیا تم لوگ جانتے ہو یہ کون ہے؟"

لوگوں نے کہا۔
"اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔"
آپ نے فرمایا۔
"یہ ان آٹھ جنات کے قافلے میں کا ایک جن ہے جو میرے پاس قرآن پاک سننے آئے تھے۔"

جنات کھاتے اور پیتے ہیں...... کتاب مواہب میں ہے کہ جنات کی غذا کے متعلق جو روایات بیان ہوئی ہیں ان سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جنات نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں بلکہ صرف سونگھنے سے ان کو غذا حاصل ہو جاتی ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: میں نے اپنی کتاب "عقد المرجان فی ما یتعلق بالجان" میں لکھا ہے کہ جنات کے کھانے کے بارے میں تین قول ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں بلکہ سونگھ کر غذا حاصل کر لیتے ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جنات کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو کھاتی اور پیتی ہے اور ایک قسم نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے بلکہ صرف سونگھنے یعنی سانس لینے سے ان کو غذا حاصل ہو جاتی ہے۔ جنات کے کھانے پینے کے بارے میں تمام بحث کا یہی خلاصہ ہے۔ واللہ اعلم۔

جنات سے ملاقات کی ایک دوسری روایت...... (غرض اسکے بعد حضرت ابن مسعودؓ کی اسی روایت کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہیں جو چل رہی ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ حجون کے مقام پر رات کے وقت میں گئے جہاں آپ نے جنات کے ایک بڑے ہجوم کو قرآن پاک سنایا اور ان کو رستہ بتلایا) حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں جب وہ جنات واپس چلے گئے تو میں نے آپ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ تھے آپ نے فرمایا یہ نصیبین کے جنات تھے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حجون کے مقام پر پہنچ کر آنحضرت ﷺ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے جب پو پھٹنے لگی تو رسول اللہ ﷺ واپس آئے آپ نے مجھ سے فرمایا۔
"تم کھڑے ہوئے کیوں ہو؟"
میں نے عرض کیا کہ میں بیٹھا ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا بیٹھنے میں کیا ڈر تھا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں بیٹھنے میں میں اس حصار یعنی دائرے سے باہر نہ ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا۔
"اگر تم اس حصار سے باہر نکل آتے تو قیامت کے دن تک نہ تم مجھے دیکھ پاتے اور نہ میں تمہیں دیکھ پاتا۔
ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اگر تم حصار سے نکل آتے تو مجھے خطرہ تھا کہ ان میں سے کوئی تمہیں اچک لیتا۔"
ابن مسعودؓ کے جواب میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ بیٹھنے سے وہ حصار سے باہر کیسے نکل جاتے جبکہ ان کو نکلنے کا ڈر بھی تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے پو پھٹنے واپس آکر مجھ سے پوچھا کہ کیا تم سو گئے تھے۔ میں نے عرض کیا۔
"خدا کی قسم ہرگز نہیں یا رسول اللہ۔ بلکہ میں نے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ ان لوگوں کے ہجوم سے بچانے کے لئے آپ کی مدد کو جاؤں۔ یعنی جب وہ آپ کے قریب پہنچنے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے اور میں ان کی عجیب آوازیں سن رہا تھا۔ اس وقت مجھے آپ کی طرف سے ڈر ہوا مگر پھر میں نے سنا کہ آپ ان کو اپنے عصا یعنی لاٹھی سے پرے دھکیل رہے ہیں اور فرما رہے ہیں بیٹھ جاؤ۔

پھر حضرت ابن مسعودؓ نے آنحضرت ﷺ سے جنات کے اس شور کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا۔
"جنات اپنے ایک شخص کے بارے میں جھگڑ رہے تھے جو قتل کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے یہ مقدمہ میرے سامنے رکھا تو میں نے حق کے مطابق اس کا فیصلہ کر دیا۔"

سعید ابن جبیر سے ایک روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ان کو بتلایا کہ وہ جنات جو نصیبین کے رہنے والے تھے بارہ ہزار کی تعداد میں آئے تھے اور آپ نے ان کے سامنے جو سورت تلاوت فرمائی وہ اقراء تھی۔

اب اس روایت سے ابن مسعود کی اس روایت پر کوئی شبہ نہیں ہوتا جس میں صرف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے قرآن پاک سے آغاز فرمایا کیونکہ قرآن پاک سے مراد پڑھنا ہی ہے۔

آنحضرت ﷺ جن وانس کے پیغمبر ہیں...... بعض روایتوں میں حضرت ابن مسعودؓ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر آپ نے اپنی انگلیاں میری انگلیوں میں پھنسائیں اور فرمایا۔
"مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا کہ مجھ پر جنات اور انسان ایمان لائیں گے جہاں تک انسانوں کا تعلق ہے تو وہ مجھ پر ایمان لا چکے ہیں اور جہاں تک جنات کا تعلق ہے تو ان کو تم نے دیکھ ہی لیا۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس روایت میں گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن مسعودؓ کے لئے جو دائرہ یعنی حصار بنایا تھا وہ اس سے نہیں نکلے۔ مگر سیرت ابن ہشام میں جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حصار سے باہر نکل آئے تھے۔ ابن ہشام میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ
"پھر میں ان جنات کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ پہاڑوں سے اتر اتر کر آنحضرت ﷺ کے پاس آرہے ہیں اور پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ پر ہجوم کر لیا۔" یہ اختلاف قابل غور ہے۔

اب یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابن عباسؓ والے واقعے اور طائف سے واپسی کے وقت والے واقعے کے بعد پیش آیا ہے کیونکہ ابن عباسؓ والا واقعہ آغاز نبوت کے وقت پیش آیا تھا اور طائف سے واپسی کا واقعہ اس کے ایک لمبی مدت کے بعد پیش آیا جیسا کہ بیان ہوا۔ لہذا یہ تیسرا حصہ جسے حضرت ابن مسعودؓ نے بیان کیا ہے ان دونوں واقعات کے بعد پیش آیا۔ واللہ اعلم۔

ایک ضمنی بحث...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ابن مسعودؓ سے فرمایا۔
کیا تمہارے پاس وضو۔ یعنی پانی ہے جس سے ہم وضو کر سکیں۔"
میں نے عرض کیا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ پھر اس برتن میں کیا ہے میں نے عرض کیا نبیذ ہے (جو کھجور وغیرہ کو پانی میں ڈال کر مشروب کی شکل میں تیار کیا جاتا تھا)
آپ نے فرمایا۔
"پاکیزہ کھجوریں ہیں اور پاکیزہ پانی ہے۔ مجھے وضو کراؤ۔"
چنانچہ میں نے پانی ڈالا اور آپ نے وضو فرمائی۔ اسکے بعد آپ نماز کیلئے کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: شافعی علماء اس کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ کھجور سے پانی میں اتنی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی کہ پھر اس کو پانی ہی نہ کہا جا سکے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ پاک پانی ہے۔ ابن مسعودؓ کے یہ کہنے سے کہ اس میں نبیذ ہے مراد یہ ہے کہ کچھ چیز ڈلی ہوئی ہے یعنی کھجور ہے۔ انہوں نے اول کے اعتبار سے اس کو نبیذ کا نام دے دیا (یعنی نبیذ بننے سے پہلے اس کو نبیذ کہہ دیا) یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ یوسفؑ کے واقعے

میں ایک جگہ ارشاد ہے کہ

قال احد هما انی ارانی اعصر خمرا پ ۱۲ سورہ یوسف ع ۵

ترجمہ: ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے شراب نچوڑ رہا ہوں۔

حضرت یوسف اور عزیز مصر کے ساقی و نانبائی کا واقعہ...... تشریح: یوسف کے واقعہ میں گزشتہ کسی قسط میں بیان ہوا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی راحیل ان پر عاشق ہو گئی تھی اور اس نے یوسف کو اپنے گھر کے اندر بلا کر آپ سے اپنی بری خواہش پوری کرانی چاہی تھی مگر یوسف اللہ تعالی کی حفاظت کی وجہ سے محفوظ رہے۔ جب بات کھلی تو راحیل نے تمام الزام یوسف پر رکھ دیا تھا مگر اللہ تعالی نے ان کی سچائی راحیل کے شوہر عزیز مصر پر ظاہر فرمادی اور اس کو یقین آگیا کہ یوسف پاک دامن اور بے قصور ہیں مگر اسکے باوجود لوگوں نے سوچا کہ معاملہ بادشاہ کی بیوی کا ہے جس پر الزام آرہا ہے اس لئے انہوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ یوسف کو کچھ دنوں کے لئے قید خانے میں بند کر دیں تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ قصور حضرت یوسف کا ہی رہا ہوگا۔ چنانچہ یوسف کو قید کر دیا گیا۔

اتفاق سے اسی دن بادشاہ کا ساقی اور خانساماں بھی کسی جرم میں پکڑ کر اسی قید خانے میں پہنچائے گئے۔ یہ دونوں شاہی ملازم یوسف سے محبت کرنے لگے۔ اس بارے میں تفسیر ابن کثیر میں علامہ ابن کثیر نے یہ تفصیل دی ہے کہ

بادشاہ کے اس ساقی کا نام بندار تھا اور خانساماں یعنی نانبائی کا نام بخلث تھا۔ انہوں نے قید خانے میں یوسف کے بہترین اوصاف اور نیکیوں کی شہرت سنی اور آپ کی سچائی نیک دلی، خوش اخلاقی اور سب سے محبت کا برتاؤ دیکھا تو یہ دونوں یوسف کے گرویدہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک دن انہوں نے یوسف سے کہا۔

"یوسف۔ ہمیں آپ سے دلی محبت اور عقیدت ہو گئی ہے۔"

یوسف نے فرمایا۔

"اللہ تعالی تمہیں برکت عطا فرمائے مگر مجھ سے جس نے محبت کی اس کے نتیجہ میں مجھ پر نئی مصیبت ہی آئی۔ والد کی شفقت پھوپی کی محبت اور یہاں تک کہ عزیز مصر کی بیوی کا عشق و محبت ہر ایک میرے لئے کسی مصیبت اور پریشانی کا سبب بنا۔ اب تم اپنی محبت کا اظہار کر رہے ہو۔"

ایک دن ساقی اور نانبائی دونوں نے خواب دیکھے ساقی نے یہ دیکھا کہ وہ بادشاہ کو پلانے کے لئے انگور کا رس نچوڑ رہا ہے جس سے شراب بنائی جاتی ہے اس نے یہ خواب یوسف کو سنا کر آپ سے اس کی تعبیر پوچھی آپ نے فرمایا۔

"اس کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں تین روز بعد معافی ہو جائے گی اور تم قید سے آزاد کر کے بادشاہ کی اسی خدمت پر بلائے جاؤ گے۔"

اس کے بعد نانبائی نے کہا۔

"میں نے بھی ایک خواب دیکھا ہے کہ میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے آکر اس میں سے ٹکڑے نوچ رہے ہیں۔"

یوسف نے اس کی یہ تعبیر دی کہ تجھ کو پھانسی دی جائے گی اور پرندے تیرا سر نوچ کر کھائیں گے۔

چنانچہ یوسف ؑ کی یہ دونوں تعبیریں پوری ہوئیں کہ ساقی کو معافی ہو گئی اور نانبائی کو پھانسی پر لٹکادیا گیا۔

غرض اس واقعہ میں ساقی نے اپنا یہ خواب بیان کیا تھا کہ میں انگور کا رس نچوڑ رہا ہوں حق تعالیٰ نے اس کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے کہ ساقی نے کہا کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انگوروں کے رس سے شراب بنائی جاتی تھی لہذا جو اس رس کا مقصد تھا اس کو ظاہر کیا گیا اور رس کہنے کے بجائے شراب فرمائی گئی۔

اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ نے آنحضرت ﷺ کے سوال پر فرمایا کہ اس برتن میں نبیذ ہے جو اس وقت تک بنی نہیں تھی بلکہ نبیذ بنانے کے لئے پانی میں کھجوریں ڈالی گئی تھیں۔ اسی مشابہت کو اس آیت کے ذریعہ ظاہر کیا گیا۔

تشریح ختم۔ از مرتب)

مگر یہ سب گفتگو اسی بنیاد پر ہے کہ اس حدیث کو صحیح مانا جائے ورنہ بعض علماء نے ابن مسعودؓ کی اس حدیث کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ نبیذ والی حدیث تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ چونکہ حدیث کے صحیح یا غلط ہونے میں شبہ ہے اس لئے میرے نزدیک نبیذ سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو بھی نبیذ سے وضو جائز ہونے کے سلسلے میں اس کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ پاکیزہ کھجوریں ہیں اور پاکیزہ پانی ہے یعنی کھجور پانی میں بہت کم ملی جس سے پانی کا وصف تبدیل نہیں ہوا۔ کیونکہ اگر پانی میسر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے وضو کے بجائے مٹی کے ذریعہ تیمم یعنی پاکی حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔

(قال) یہ انسان کا شرف اور اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مٹی کو پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے بنایا اور اس کا اعزاز کرنے کے لئے اس کو مٹی ہی سے پاکی حاصل کرنے کا حکم دیا (جس سے گویا انسان کی اصل اور اس کے خمیر کو پاکیزہ اور پاک کرنے والا بنا کر حق تعالیٰ نے خود انسان کو معزز فرمایا)

جنات سے ملاقات کی تیسری روایت...... مگر امام احمد، امام مسلم اور امام ترمذی نے علقمہ سے روایت بیان کی ہے حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود سے پوچھا "کیا جنات کے واقعے والی رات میں آپ میں سے کوئی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا۔"

حضرت ابن مسعود نے کہا۔

"ہم میں سے کوئی اس وقت آپ کے ساتھ نہیں تھا۔ بلکہ ایک رات اچانک آنحضرت ﷺ کہیں تشریف لے گئے ہمیں خیال ہوا کہ شاید دشمنوں نے آپ کو دھوکہ دیا اور آپ پر غالب آگئے۔ چنانچہ ہم نے آپ کی تلاش کی مگر آپ کہیں نہ ملے۔ ہم نے یہ رات بڑی سخت بے چینی اور پریشانی میں گزاری۔ صبح کو اچانک ہم نے دیکھا کہ آپ جون کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ حرا کی طرف سے آرہے ہیں ہم نے آپ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ہم نے اچانک آپ کو کھو دیا۔ پھر ہم نے آپ کو بہت تلاش کیا مگر آپ نہ ملے تو ہم نے سخت بے چینی اور پریشانی میں رات گزاری۔"

آپ نے فرمایا۔

"میرے پاس جنات کا قاصد آیا تھا میں اس کے ساتھ جنات کے پاس گیا تھا اور میں نے ان کو قرآن پاک سنایا۔"

اس کے بعد آپ ہمیں وہاں لے کر گئے اور اس جگہ جنات کے آثار اور ان کی جلائی ہوئی آگ کے نشانات ہمیں دکھلائے۔

ممکن ہے کہ کعب احبار کی جو روایت پیچھے بیان ہوئی ہے وہ بھی یہی ہو اور یہ کہ یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہو جس میں حضرت ابن مسعودؓ آپ کے ساتھ تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ واقعہ اس کے علاوہ کوئی اور ہو بلکہ وہ واقعہ ہو جو حضرت عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس آنے والے جنات کی تعداد بارہ ہزار تھی جو جزیرہ موصل کے رہنے والے تھے کیونکہ حضرت کعب احبار کی جو روایت اس سلسلے میں گزری ہے اس میں یہ کہا گیا ہے کہ نجات کی تعداد تین سو تھی جو نصیبین کے رہنے والے تھے۔ لہٰذا اب اس بات کا احتمال ہے کہ یہ واقعہ اس واقعہ سے پہلے کا ہو جس میں ابن مسعودؓ بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابن مسعود والے واقعے کے بعد کا ہو۔

اب ان احتمالات کی بنیاد پر گویا جنات سے آنحضرت ﷺ مکے میں تین بار ملے۔ ایک مرتبہ جبکہ حضرت ابن مسعودؓ آپ کے ساتھ تھے اور دو مرتبہ اس وقت جبکہ ابن مسعودؓ آپ کے ساتھ نہ تھے۔

کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں ہے کہ سورہ رحمٰن سورہ قل اُوحِیَ اِلَیَّ اور سورہ احقاف میں جنات کے بارے میں جو کچھ ذکر ہے وہ کافی ہے۔

جنات سے تین ملاقاتیں ہوئیں...... اقول۔ مولف کہتے ہیں: خلاصہ یہ نکلا کہ پہلی مرتبہ ظہور کی ابتداء میں جب آنحضرت ﷺ مکے سے عکاظ کے بازار کی طرف جا رہے تھے اس وقت جنات سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات نہیں ہوئی اور نہ آپ کو ان کے آنے اور قرآن سننے کی خبر ہوئی جیسا کہ ابن عباسؓ کی پیچھے گزرنے والی روایت سے معلوم ہوا اسی طرح ہم نے جو اشکالات بیان کئے ہیں ان کی بنیاد پر اس وقت بھی جنات سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات نہیں ہوئی۔ جب آپ طائف سے واپسی میں نخلہ کے مقام پر ٹھہرے تھے مگر ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان دونوں مرتبہ میں جنات کا آنحضرت ﷺ کی تلاوت سننا روایات سے ثابت ہوتا ہے!

کتاب مواہب میں جو کچھ ہے اس کے بعد وہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ طائف سے واپسی کے وقت نخلہ کے مقام پر جنات کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی ملاقات میں شبہ ہے جہاں تک جنات کے قرآن سننے کا تعلق ہے تو وہ ظہور کی ابتداء میں ہوا ہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت ظاہر کرتی ہے یعنی جب آپ عکاظ کے بازار میں جا رہے تھے۔ ادھر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد مکے میں دو یا تین مرتبہ جنات سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان کو قرآن پاک سنایا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ واللہ اعلم۔

شیطان کی فریاد اور جواب خداوندی...... بیہقی نے کتاب شعب الایمان میں ابن قتادہؓ سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ جب ابلیس کو آسمان سے دھتکار دیا گیا تو اس نے کہا۔

"اے پروردگار! تو نے اس کو یعنی مجھے راندہ درگاہ کر دیا ہے۔ اب اس کا علم کیا ہوگا؟"

ارشاد ہوا کہ سحر ہے۔ پھر اس نے کہا کہ ابلیس کا پڑھنا پڑھانا کیا ہوگا۔ ارشاد ہوا شعر و شاعری؟ پھر اس نے کہا اس کا لکھنا کیا ہوگا۔ ارشاد ہوا گھنی یعنی زندہ آدمیوں کی کھال میں گودی ہوئی تحریریں،

(جس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کھال میں نام وغیرہ کھنوانا ناجائز ہے) پھر اس نے کہا کہ اس کا کھانا کیا ہوگا۔ ارشاد ہوا ہر مردار گوشت اور ہر وہ گوشت جس پر یعنی جس کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ یعنی آدمیوں کا کھانا جو وہ چرا کر لے جاتا ہے۔ اس نے کہا اس کا پینا یعنی پانی کیا ہوگا۔ ارشاد ہوا ہر نشہ والی چیز: پھر اس نے کہا اس کا گھر کہاں ہوگا۔ ارشاد ہوا حمام یعنی غسل خانہ (جہاں آدمی برہنہ ہوتا ہے) پھر اس نے پوچھا اس کے رہنے کی جگہ کہاں ہوگی۔ ارشاد ہوا بازاروں میں! پھر اس نے کہا اس کی آواز کیا ہوگی۔ ارشاد ہوا ساز اور باجے پھر اس نے پوچھا کہ اس کا جال کیا ہوگا۔ تو ارشاد ہوا کہ عورتیں!"

اب گویا حمام یعنی غسل خانہ تو شیطان کا مستقل گھر ہے جہاں وہ اکثر رہتا ہے اور بازار وہ جگہ ہے جہاں شیطان گھومتا پھرتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بظاہر جنات میں وہ تمام لوگ جو ایمان نہیں لائے ان کا حال یہی ہے جو ابلیس کا بیان ہوا۔

باب سی ودوم (۳۲)

طفیل ابن عمر ودوسی کے اسلام کا واقعہ

طفیل ابن عمر ودوسی اپنی قوم کے ایک معزز آدمی اور ایک اونچے درجے کے شاعر تھے۔ یہ ایک مرتبہ مکے آئے ان کے آنے کی خبر سنتے ہی قریش کے لوگ ان کے پاس پہنچے ان کو احترام کی وجہ سے لوگ طفیل نہیں کہتے تھے بلکہ ابو طفیل کہتے تھے) اور کہنے لگے۔

"اے ابو طفیل! آپ ہمارے شہر میں اس وقت تشریف لائے ہیں جبکہ ہمارے درمیان اس شخص یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنا معاملہ بہت پیچیدہ اور سنگین کر لیا ہے اس نے ہمارا شیرازہ بکھیر دیا اور ہم میں پھوٹ ڈال دی۔ اس کی باتوں میں جادو کا اثر ہے جس سے اس نے دو سگے بھائیوں اور میاں بیوی تک میں پھوٹ ڈال دی اب ہمیں آپ کی اور آپ کی قوم کی طرف سے بھی فکر ہو گیا ہے۔ اس لئے آپ نہ تو اس سے کوئی بات کریں اور نہ اس کی کوئی بات سنیں!"

طفیل کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے مجھ پر اتنا اصرار کیا کہ آخر میں نے فیصلہ کر لیا کہ نہ میں محمد ﷺ کی کوئی بات سنوں گا اور نہ ان سے کوئی بات کروں گا۔ یہاں تک کہ اگلے دن جب میں مسجد حرام میں طواف کرنے کے لئے گیا تو میں نے اپنے کانوں میں کپڑا ٹھونس لیا ایسا میں نے اسی خوف سے کیا کہ کہیں آنحضرت ﷺ کی کوئی بات میرے کانوں میں نہ پڑ جائے۔

آنحضرت ﷺ سے ملاقات اور اقرار حق ...... صبح کو جب میں بیت اللہ میں گیا تو میں نے آنحضرت ﷺ کو کعبے کے پاس نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ میں آپ کے قریب ہی کھڑا ہو گیا اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ آپ کا کچھ کلام میرے کانوں میں پڑ جائے۔ چنانچہ میں نے ایک نہایت پاکیزہ اور خوبصورت کلام سنا۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں اچھے اور برے کو خود ہی خوب جانتا ہوں۔ اس لئے اس شخص کی بات سن لینے میں ہی کیا حرج ہے۔ اگر یہ کوئی اچھی بات کہتے ہیں تو میں قبول کروں گا اور بری بات ہو گی تو اس کو چھوڑ دوں گا۔

کچھ دیر بعد آنحضرت (نماز سے فارغ ہو کر) اپنے گھر کی طرف چلے تو میں نے کہا

"اے محمد! آپ کی قوم نے مجھ سے ایسا ایسا کہا تھا۔ اسی لئے میں نے آپ کی بات سننے سے بچنے کے لئے اپنے کانوں تک میں کپڑا ٹھونس لیا تھا۔ مگر آپ اپنی بات میرے سامنے پیش کریں۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اسلام پیش کیا اور ان کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت فرمائی۔ آپ نے ان کے سامنے قل هو الله احد قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تلاوت فرمائی۔

اس بارے میں یہ اشکال ہوتا ہے جو آگے آئے گا کہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس یہ دونوں سورتیں مدینے میں اس وقت نازل ہوئی تھیں جبکہ آنحضرت ﷺ پر جادو کیا گیا تھا۔ اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاید یہ دونوں سورتیں ان میں سے ہیں جو ایک سے زائد مرتبہ نازل ہوئیں۔

غرض طفیل نے یہ پاکیزہ کلام سن کر کہا۔

"خدا کی قسم! میں نے اس سے اچھا کلام کبھی سنا اور نہ اس سے زیادہ عمدہ معاملہ کبھی میرے سامنے پیش کیا گیا۔"

طفیل کو حق کی نشانی...... طفیل کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں مسلمان ہو گیا اور میں نے آپ سے عرض کیا۔ "اے اللہ کے نبی! میں اپنی قوم میں ایک اونچی حیثیت کا آدمی ہوں جس کی بات سب مانتے ہیں۔ اب میں واپس اپنے وطن جارہا ہوں جہاں میں اپنی قوم کے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کروں گا۔ اس لئے آپ میرے واسطے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے گا۔"

اس پر آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔

اللهم اجعل له ايته یعنی اے اللہ اس کو کوئی نشانی عطا فرمادے۔

اس کے بعد میں وہاں سے روانہ ہو گیا۔ جب میں اپنی بستی کے قریب پہنچ گیا تو وہاں پانی کے قریب ٹھہرے ہوئے قافلے نظر آنے لگے۔ اچانک آنحضرت ﷺ کی دعا کے مطابق میری دونوں آنکھوں کے بیچ میں روشن چراغ کی طرح ایک نور پیدا ہو گیا۔ یہ ایک اندھیری رات تھی۔ میں نے اللہ سے دعا کی۔

"اے اللہ! اس نور کو میرے چہرے کے سوا کہیں اور پیدا فرمادے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ میری قوم کے لوگ اس کو یہ نہ سمجھ لیں کہ دین بدل لینے کی وجہ سے میری شکل بگڑ گئی۔"

چنانچہ اسی وقت وہ نور میرے کوڑے یعنی درے کے سرے میں منتقل ہو گیا۔ چنانچہ اب دور سے دیکھنے والوں کو یہ ایک لٹکتی ہوئی قندیل نظر آنے لگا۔

حضرت طفیل کو اسی نور کی وجہ سے ذی النور یعنی نور والے کا خطاب دیا گیا۔ اسی طرف امام سبکیؒ نے اپنے قصیدے کے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وفي جبهة الدوسي ثم بسوطه
جعلت ضياء مثل شمس منيرة

ترجمہ: پہلے طفیل ابن عمر ددوسی کی پیشانی میں اور پھر ان کے کوڑے کے سرے میں ایک ایسا نور پیدا کر دیا گیا جو سورج کی طرح روشن تھا۔

طفیل کے گھر والوں کا اسلام...... طفیل کہتے ہیں کہ گھر پہنچنے کے بعد جب میرے والد میرے پاس آئے تو میں نے ان سے کہا۔

"آپ میرے پاس مت آئیے۔ اب نہ میرا آپ سے کوئی تعلق ہے اور نہ آپ کا مجھ سے کوئی تعلق ہے۔"

باپ نے کہ کیوں بیٹے ایسا کیوں ہے ؟ میں نے کہا

"میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میں نے محمد ﷺ کے دین کی پیروی قبول کرلی ہے۔"

انہوں نے کہا۔

"بیٹے جو تمہارا دین ہے وہی میرا دین ہے۔"

اب حضرت طفیل نے ان سے کہا کہ پھر آپ پہلے غسل کیجئے اور اپنے کپڑوں کو پاک کر کے آیئے چنانچہ انہوں نے یہ کام کر لیا تو طفیل نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

اس کے بعد میرے پاس میری بیوی آئی تو میں نے اس سے بھی یہی کہا کہ میرے پاس مت آؤ اب میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ میں نے اپنا دین چھوڑ کر محمد ﷺ کا دین اختیار کر لیا ہے۔ اس پر اس نے بھی یہی کہا کہ جو تمہارا دین وہی میرا بھی دین ہے اور اسی وقت مسلمان ہو گئی۔

قوم دوس کے لئے ہدایت کی دعا..... اس کے بعد میں نے قوم دوس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس پر وہ لوگ بگڑ کر مجھ پر چڑھ دوڑے۔ میں یہ حال دیکھ کر پھر آنحضرت ؐ کے پاس آیا اور میں نے آپ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! قوم دوس مجھ پر غالب آگئی۔ اس لئے آپ ان کے لئے بددعا فرمایئے۔"

آپ نے فرمایا۔

"اے اللہ! قوم دوس کو ہدایت فرما۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ۔ اور انہیں اس دین کی طرف لے آ۔"

قوم دوس کا اسلام ...... طفیل کہتے ہیں کہ پھر میں واپس اپنی قوم میں چلا گیا اور ان کو اسلام کی تبلیغ کرتا رہا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مکے سے مدینے تشریف لے گئے اور غزوہ بدر غزوہ احد اور غزوہ خندق بھی پیش آگیا۔

آخر وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ میں ان مسلمان ہونے والے لوگوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا۔ اس وقت آپ خیبر کے مقام پر غزوہ میں تھے۔ میرے ساتھ قوم دوس کے ستر یا اسی گھرانے تھے ان ہی میں حضرت ابوہریرہ بھی تھے (چونکہ ہم غزوے یعنی جنگ کے وقت وہاں پہنچے تھے اس لئے) رسول اللہ ﷺ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ مال غنیمت میں سے ہمارا حصہ بھی نکالا اگرچہ ہم جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: کتاب نور میں صحیح کے حوالے سے اس بات کی تردید ہے اور یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو کچھ نہیں دیا صرف جنگ میں شریک ہونے والوں کو حصہ ملا اور ان کے سوا صرف ان لوگوں کو ملا جو حبشہ کی سرزمین سے جہاز میں آئے تھے۔ یعنی حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھی جن میں اشعری لوگ یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ان کی قوم والے بھی تھے۔ ان حضرات کے بارے میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہ لوگ یمن سے حبشہ کو ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور اس کے بعد مدینے آگئے تھے۔

مگر اس بارے میں ایک روایت سے اشکال ہوتا ہے جو آگے آئے گی کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر اپنے صحابہ سے فرمایا تھا کہ مال غنیمت میں ان لوگوں یعنی جہاز سے آنے والوں کو بھی اپنے حصے میں شریک

کرلیں چنانچہ صحابہ نے ایسا ہی کیا۔

ادھر آگے ایک روایت آئے گی کہ آپ نے جہاز والوں۔ اور میرے علم کے مطابق قوم دوس والوں کو ان دونوں قلعوں کے اموال میں سے کچھ مال دیا تھا جو صلح کے ذریعہ فتح ہوئے تھے۔ آپ نے یہ مال خود اپنے مال میں سے دیا تھا جو اللہ تعالی نے آپ کو عنایت فرمایا تھا مال غنیمت میں سے نہیں۔

جہاں تک آنحضرت ﷺ کا اپنے صحابہ سے یہ درخواست فرمانا ہے کہ وہ ان لوگوں کو بھی اپنے مال میں شریک کرلیں یہ اس عام مشورے کی ایک نظیر اور شکل ہے جس کا حق تعالی نے اس آیت میں حکم فرمایا ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ قرآن حکیم پ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۷ آیت ۱۵۹

ترجمہ: اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔

آپ کا فرمانا اس لئے نہیں تھا کہ آپ ان سے ان کے حق کی دست برداری چاہتے تھے۔ واللہ اعلم

باب سی وسوم (۳۳)

اسراء ومعراج اور پانچ نمازوں کی فرضیت

اسراء یعنی رات میں بیت المقدس کا سفر...... یہ بات واضح رہے اور خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کو اسراء اور معراج ہونے میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ اجمالی طور پر تو یہ واقعہ قرآن پاک سے ثابت ہے اور تفصیلی طور پر اس کے عجیب وغریب واقعات بے شمار حدیثوں سے ثابت ہیں جو صحابہ میں سے مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت نے روایت کی ہیں ان روایتوں کی تعداد تیس تک پہنچتی ہے اس بناء پر علامہ حاتمی صوفی کا قول تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو تیس مرتبہ معراج ہوئی۔ گویا اس طرح انہوں نے معراج کے بارے میں ہر حدیث کو ایک مستقل معراج کا اوقعہ تسلیم کیا ہے۔

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسراء اور معراج کا واقعہ بعثت یعنی ظہور کے بعد پیش آیا۔ یعنی اسراء کا وہ واقعہ جو بیداری اور جاگنے کی حالت میں آنحضرت ﷺ کو پیش آیا۔

(اسراء کے لغوی معنی رات کو چلنے کے ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالی نے بلایا اور آپ ﷺ رات میں چل کر وہاں تشریف لے گئے جہاں آپ نے تمام آسمانوں کی سیر کی اور حق تعالی سے ہم کلام ہوئے اس لئے اس واقعہ کو اسراء کہا جاتا ہے۔

اسراء ومعراج بیداری میں ہوئی...... معراج کا لفظ عروج سے بنا ہے جس کے معنی بلندی اور اوپر اٹھنے کے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اس رات آسمانوں پر تشریف لے جانے اور بلندیوں پر پہنچنے کی وجہ سے اس واقعہ کو معراج بھی کہا جاتا ہے۔ لہذا اس مرتبہ کو اسراء ومعراج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے)

غرض یہاں اسراء سے مراد وہی ہے جو آپ کو جاگنے کی حالت میں جسم مبارک کے ساتھ پیش آیا (یعنی) خواب میں بلکہ بیداری کی حالت اور حقیقت میں اپنے جسم مبارک کے ساتھ آپ رات میں تشریف لے گئے)

اس قید کے بعد اب بخاری میں حضرت انس ابن مالک کی اس روایت سے کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا

جس میں ہے کہ اسراء کا واقعہ آپ پر وحی آنے سے پہلے پیش آیا۔ یہاں اختلاف اس لئے نہیں پیدا ہوتا کہ یہ واقعہ سونے کی حالت میں پیش آیا تھا جس میں آپ کی روح کو سیر کرائی گئی تھی۔ اسراء کا یہ پہلا واقعہ اس لئے تھا کہ آپ کو آئندہ کے لئے سہولت اور آسانی رہے اور آئندہ پیش آنے والے واقعات سے آپ مانوس ہو جائیں جیسا کہ وحی کی ابتداء اسی مقصد سے سچے خوابوں کے ذریعہ ہوئی تھی۔

اسراء کتنی بار ہوئی...... اس بارے میں علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی کا قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اسراء اور معراج کا واقعہ پینتالیس مرتبہ پیش آیا جس میں سے ایک مرتبہ آپ جاگنے کی حالت میں اپنے جسم مبارک کے ساتھ آسمانوں کی سیر کو تشریف لے گئے اور باقی مرتبہ میں صرف آپ کی روح نے یہ سیر کی۔

اسراء کی تاریخ...... یہ رات جس میں آپ اپنے جسم مبارک کے ساتھ تشریف لے گئے ربیع الاول کے مہینے کی سترہویں رات تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ اسی مہینے کی ستائیسویں رات تھی اسی طرح ایک قول انتیس رمضان ایک قول سترہ ربیع الثانی اور ایک قول سترہ رجب کا بھی ہے۔

سترہ رجب کا قول حافظ عبدالغنی کا ہے اور لوگوں نے اسی پر عمل کیا۔ اس کے علاوہ شوال اور ذی الحجہ کے مہینوں کے بھی قول ہیں۔ مگر شیخ عبدالوہاب نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تمام اسرافات اسی بات میں پیش آئیں جس کے بارے میں یہ اختلاف ہے۔ مگر یہ بات قابل غور ہے۔

معراج کا یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے کا ہے۔ ابن حزم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ تمام علماء کا اسی پر اتفاق ہے۔ مگر اس بارے میں بھی کئی قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ہجرت سے دو سال پہلے پیش کیا اور ایک قول یہ ہے کہ تین سال پہلے پیش آیا۔

اسراء اور معراج کا واقعہ آنحضرت ﷺ کے طائف کے سفر کے بعد پیش آیا ہے جیسا کہ تفصیلات سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔ مگر اسحاق کی ایک روایت ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے طائف جانے سے پہلے کا ہے مگر اس قول میں شبہ ہے جو ظاہر ہے۔

اس رات کے بعد آنے والے دن کے سلسلے میں بھی اختلاف ہے ایک قول ہے کہ جمعہ کا دن تھا اور ایک قول ہے کہ پیر کا دن تھا۔ مگر ابن وجیہ کہتے ہیں کہ وہ دن خدا نے چاہا تو یقیناً پیر کا رہا ہوگا تاکہ اس طرح آنحضرت ﷺ کی ولادت آپ کے ظہور آپکی ہجرت اور آپ کی وفات کے دن ایک ہی رہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ پیر کے دن ہی پیدا ہوئے پیر ہی کے دن آپ کا ظہور ہوا ہجرت کے وقت مکے سے پیر کے ہی دن روانہ ہوئے پیر کے ہی دن مدینے میں داخل ہوئے اور یہاں تک کہ پیر کے ہی دن آپ کی وفات ہوئی۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

واقعہ کی روایت...... حضرت ام ہانیؓ بنت ابو طالب سے ایک روایت ہے حضرت ام ہانی کا نام مشہور قول کے مطابق بے شبہ تھا۔ آگے فتح مکہ کے بیان میں آپ کا ذکر ہوگا فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئی تھیں مگر ان کا شوہر ہبیرہ فتح مکہ کے وقت نجران کو فرار ہو گیا تھا اور وہیں وہ کفر کی حالت میں مر گیا تھا۔

غرض حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ ایک روز اندھیرے منہ یعنی فجر کے وقت سے پہلے رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے میں اس وقت تک اپنے بستر پر ہی تھی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا۔

چھت کا شق ہونا...... کیا تمہیں معلوم ہے کہ آج رات جب میں مسجد حرام میں سویا۔ یعنی بیت اللہ کے قریب یا حجر اسود یعنی حطیم میں جیسا کہ بعض روایات میں صاف ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اچانک میرے مکان کی چھت شق ہو گئی یعنی پھٹی۔"

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ شاید چھت کے پھٹنے میں یہ تمہید یعنی اشارہ پوشیدہ رہا ہو کہ عنقریب اب آپ کا سینہ چاک کیا جانے والا ہے اور فرشتے نے چھت کے اس شگاف سے آپ کو وہ کیفیت دکھلائی جو آپ کے ساتھ پیش آنے والی تھی اور یہ سب آنحضرت ﷺ کی تسلی اور دلداری کے لئے کیا گیا ہو یعنی تاکہ آپ کو مزید تسلی اور اطمینان حاصل ہو جائے کیونکہ یوں تو اس سے پہلے کئی مرتبہ آپ کا سینہ چاک کیا جا چکا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس رات آنحضرت ﷺ حضرت ام ہانیؓ کے مکان میں سوئے ہوئے تھے وہ کہتی ہیں کہ پھر اچانک میں نے دیکھا کہ آپ گھر میں موجود نہیں ہیں میں آپ کے غائب ہونے سے اتنی پریشان ہوئی کہ پھر مجھے نیند نہیں آئی کیونکہ مجھے یہ دھڑکا لگا رہا کہ کہیں آپ کسی قریشی کے دام میں نہ آگئے ہوں۔

ابن سعد سے بھی ایک روایت ہے کہ ایک رات آنحضرت ﷺ گم ہو گئے اور تمام نبی عبدالمطلب آپ کی تلاش میں چاروں طرف دوڑنے لگے۔ حضرت عباسؓ آپ کو ڈھونڈھتے ہوئے ذی طوی کے مقام تک پہنچ گئے وہ آپ کا نام لے کر پکارتے جاتے تھے۔ اے محمد۔ اے محمد!

آپ نے جواب دیا۔ لبیک۔ لبیک۔ حاضر ہوا۔ حاضر ہوا۔

حضرت عباس نے کہا

"تم نے اپنی قوم کو پریشان کر ڈالا۔ تم کہاں تھے"۔

آپ نے فرمایا۔

"میں بیت المقدس گیا تھا۔!"

"حضرت عباس نے کہا کیا اسی رات میں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔"

"حضرت عباس نے فرمایا تمہیں کوئی حادثہ تو نہیں پیش آگیا۔ آپ نے فرمایا نہیں مجھے کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپ اسی جگہ یعنی ذی طوی کے مقام پر اپنی آسمانی سواری براق پر سے اترے تھے۔

حضرت ام ہانیؓ سے ہی روایت ہے کہ آپ نے جب رات میں سفر فرمایا یعنی معراج کو تشریف لے گئے اس رات آپ میرے ہی مکان پر سوئے تھے۔ آپ نے رات کو عشاء کی نماز پڑھی اور اس کے بعد سو گئے اور ہم لوگ بھی سو گئے فجر سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اٹھایا یعنی نیند سے بیدار کیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز پڑھ لی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ پڑھ لی تو آپ نے فرمایا۔

"اے ام ہانی! جیسا کہ تم نے دیکھا میں نے رات عشاء کی نماز اسی وادی یعنی مکے میں تمہارے ساتھ پڑھی۔ پھر میں بیت المقدس گیا اور وہاں نماز پڑھی اور اب پھر صبح کی نماز میں نے تمہارے ساتھ پڑھی جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو۔"

یہاں عشاء اور فجر کی نمازوں سے وہی دو دو رکعتوں والی نمازیں ہیں جو آپ ان نمازوں کے وقت میں پڑھا کرتے تھے ورنہ جہاں تک عشاء اور فجر کی نمازوں کا تعلق ہے یہ اس وقت فرض نہیں ہوئی تھیں۔

اس روایت میں حضرت ام ہانیؓ کا یہ قول گزرا ہے کہ ہم نے بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔

اس قول میں شبہ ہے کیونکہ اس روایت کے شروع میں گزرا ہے کہ حضرت ام ہانی واقعہ معراج کے بہت بعد فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئی تھیں۔ آگے بھی ایک روایت آئے گی جس میں ہے کہ وہ فتح مکہ کے دن سے پہلے مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔ اس شبہ کو دور کرنے کے سلسلے میں کتاب مزیل الخفاء میں یہ ہے کہ اس قول سے ام ہانی کی مراد یہ ہے کہ نماز کے لئے آنحضرت ﷺ کو جس جس چیز کی ضرورت پیش آتی تھی ہم نے اس کا انتظام کیا (یعنی جیسے وضو کے لئے پانی اور جاء نماز وغیرہ) مزیل الخفاء میں ہے کہ اس شبہ کا اسی طرح جواب دیا جاتا ہے مگر اس سے زیادہ بہتر جواب ایک اور دیا جاتا ہے کہ یہ بات ام ہانی نے اپنے علاوہ دوسروں کے متعلق کہی تھی اور یا یہ کہ وہ مسلمان تو پہلے ہی ہو چکی تھیں لیکن انہوں نے فتح مکہ کے دن سے پہلے اپنے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا۔

فرشتوں کی آمد...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رات کے اس سفر کی تفصیل بتلاتے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان کے ساتھ شعب ابو طالب نامی گھاٹی سے رات میں سفر فرمایا۔

ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کرتے ہوئے علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ ام ہانی کے گھر میں سوئے ہوئے تھے جو شعب ابو طالب کے پاس تھا۔ چنانچہ ام ہانی کے مکان کی ہی چھت پھٹی کیونکہ آنحضرت ﷺ اسی گھر میں سوئے ہوئے تھے۔ پھر اس شگاف میں سے فرشتہ نکلا اور آپ کو مسجد حرام میں لے کر گیا آپ پر اس وقت نیند کا اثر تھا۔ یہاں آکر آپ حجر اسود کے پاس لیٹ گئے۔

اس تفصیل کے بعد وہ روایت ٹھیک ہو جاتی ہے جس میں گزرا ہے کہ آپ مسجد حرام میں سوئے تھے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام آئے جن کے ساتھ ایک تیسرا فرشتہ بھی تھا۔ اس وقت آپ مسجد حرام میں لیٹے ہوئے سو رہے تھے۔ آپ کے ایک طرف آپ کے چچا حضرت حمزہ تھے اور دوسری طرف آپ کے چچازاد بھائی جعفر ابن ابو طالب تھے ان فرشتوں نے یہاں پہنچ کر کہا۔

"دونوں آدمیوں کے درمیان میں لیٹے ہوئے قوم کے سردار کو لے چلو۔"

اسراء کے موقعہ پر شق صدر...... پھر وہ آپ کو اٹھا کر زمزم کے کنویں کے پاس لائے اور یہاں انہوں نے آپ کو اتار کر لٹا دیا۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام آگے بڑھے اور انہوں نے آپ کی ہنسلی کی ہڈیوں کے درمیان میں جو گڑھا تھا وہاں سے پیٹ کے نیچے تک چاک کیا۔

ایک روایت کے مطابق پیٹ کے نرم حصے تک چاک کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ناف کے نیچے کے بالوں کی جگہ تک چاک کیا۔ یعنی جبرئیل علیہ السلام نے اس پورے حصے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا جس سے یہ پورا حصہ چاک ہو گیا۔ گویا ہر مرتبہ شق صدر یعنی سینہ چاک کئے جانے کے موقعہ پر آلے کا استعمال نہیں کیا گیا اور نہ ہر دفعہ خون بہا اور نہ ہی اس عمل سے آپ کو کوئی تکلیف محسوس ہوئی۔ جیسا کہ بعض روایتوں میں یہ تصریح گزر بھی چکی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ پورا واقعہ ہی عام عادت وفطرت کے خلاف اور معجزے کے ظہور کے طور پر تھا۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے میکائیل علیہ السلام سے کہا۔

"مجھے ایک طشت میں زمزم کا پانی دو تاکہ میں ان کا قلب پاک کروں اور سینہ کھول دوں یعنی سینے میں ٹھنڈک اور اطمینان بھر دوں۔"

اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے آپ کا قلب مبارک باہر نکالا۔ اس کو چاک کر کے تین مرتبہ دھویا اور اس میں جو کچھ میل تھا اس کو نکال ڈالا۔ یہ میل غالباً اس سیاہ دانے کا کچھ بقیہ حصہ رہا ہوگا جو اس وقت آپ کے قلب مبارک میں سے نکالا گیا تھا جبکہ آپ بنی سعد میں دایہ حلیمہ کی پرورش میں تھے (جس کا تفصیلی بیان رضاعت کے سلسلے میں گزر چکا ہے۔ اس بنیاد پر کہ اس وقت اس کو توڑا گیا تھا جیسا کہ دوسری مرتبہ آپ کا سینہ چاک کئے جانے کے سلسلے میں بیان ہوا ہے جبکہ آپ کی عمر مبارک دس سال کی تھی۔ اور پھر تیسری بار آنحضرت ﷺ کے ظہور کے وقت یہی واقعہ گزرا۔ اس لئے اس سلسلے میں کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا کہ وہ سیاہ دانہ پہلی مرتبہ میں اس وقت نکال لیا گیا تھا جبکہ آپ دایہ حلیمہ کی پرورش میں تھے۔ ادھر یہ بات محال اور ناممکن معلوم ہوتی ہے کہ وہ سیاہ دانہ ایک دفعہ نکالنے کے بعد بار بار ڈالا اور نکالا جاتا رہا ہو۔ لہذا اب یہ کہنا مناسب ہے کہ اس سیاہ دانے کو تو پہلی بار میں نکال لیا گیا تھا اور اس کے بعد دوسرے اوقات میں صرف میل نکالا گیا جو اس سیاہ دانے کے علاوہ دوسری چیز تھی۔ اور اس میل سے مراد وہ چیزیں ہیں جو انسانی طبیعت اور فطرت کا خاصہ یعنی لازمی حصہ ہوتی ہیں۔ جہاں تک اس میل کو بار بار نکالنے کا تعلق ہے تو اس کا مقصد اس میل کو مکمل طور پر اور ہمیشہ کے لئے صاف کر دینا تھا۔ مگر پہلی مرتبہ میں اس سیاہ دانے کا ذکر اور فرشتے کا یہ کہنا کہ یہ آدمی کے دل میں شیطان کا حصہ ہے یہ قول کسی راوی کا وہم ہے۔

غرض جبرئیل علیہ السلام کے کہنے پر میکائیل علیہ السلام نے زمزم کے پانی کے طشت سات مرتبہ دیئے اس کے بعد وہ ایک سونے کا طشت لائے جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا۔ یعنی نفس ایمان اور حکمت اور اس کی اصل سے بھرا ہوا طشت لے کر آئے کیونکہ معانی اور علوم و حکمت کو جسموں کی شکل دی گئی تھی۔ یا یہ کہ اس طشت میں وہ چیز تھی جو ایمان و حکمت کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ یعنی ان دونوں چیزوں کے کمال کی شکل تھی۔

اب اس روایت میں اس گزشتہ روایت سے کوئی اختلاف نہیں رہتا جس میں گزرا ہے کہ پھر فرشتہ ایک طشت لایا جو ایمان حکمت اور سکینت سے بھرا ہوا تھا انہوں نے اس کو آپ کے سینے میں ڈال دیا اور پھر آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت لگائی۔

رضاعت کے بیان میں یہ اختلاف گزر چکا ہے کہ ایک روایت کے مطابق مہر نبوت آپ کے قلب میں لگائی گئی۔ ایک میں ہے کہ سینے میں لگائی گئی اور ایک میں ہے کہ آپ کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں لگائی گئی۔ اس بارے میں تفصیلی بحث بھی گزر چکی ہے۔

قاضی عیاض نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ معراج کی رات میں بھی آپ کا سینہ چاک کیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جبکہ آپ بچے تھے اور بنی سعد میں دایہ حلیمہ کی پرورش میں تھے۔ اس بات سے اشارہ ملتا ہے کہ قاضی عیاض۔ ظہور کے وقت بھی سینہ چاک کئے جانے کو بھی نہیں مانتے اور اسی طرح اس وقت کے شق صدر کو بھی نہیں مانتے جو دس سال کی عمر میں ہوا تھا۔

مگر حافظ ابن حجر نے قاضی عیاض کی اس رائے کو غلط بتایا ہے اور کہا ہے کہ بہت سی ایسی روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات میں بھی آپ کا سینہ چاک کیا گیا تھا اور ظہور کے وقت بھی۔ جبکہ ان دونوں مرتبہ سے پہلے بچپن میں یہ واقعہ ہو ہی چکا تھا۔ حافظ ابن حجر نے ان تینوں مرتبہ میں سینہ چاک کئے جانے

کی حکمتیں بھی بیان کی ہیں۔ادھر یہ بیان بھی گزر چکا ہے کہ بعض روایات کے مطابق دس سال کی عمر میں بھی آپ کا سینہ چاک کیا گیا اور پھر بیس سال کی عمر میں بھی یہ واقعہ پیش آیا۔اس پر جو شبہ ہوتا ہے وہ بھی بیان ہو چکا ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: ممکن ہے معراج کی رات میں سینہ چاک کئے جانے سے قاضی عیاض نے اسی لئے انکار کیا ہو کہ بعض روایتوں میں اس مرتبہ بھی سیاہ دلنہ نکالے جانے کا ذکر ہے اور یہ بھی کہ فرشتے نے کہا کہ یہ آپ میں کا شیطان کا حصہ تھا۔لہذا قاضی عیاض نے اس وقت کے شق صدر یعنی سینہ چاک کئے جانے سے ہی انکار کر دیا کہ یہ واقعہ تو آنحضرت ﷺ کے بچپن میں پیش آچکا ہے ایک دفعہ اس سیاہ دانے کو نکال دینے کے بعد بار بار اس کو پھر ڈالنا سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ پھر یہ کہ اس سیاہ دانے کا بقیہ حصہ کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ فرشتے کا یہ قول بھی موجود ہے کہ یہ دانہ آپ میں شیطان کا حصہ تھا (یعنی فرشتے نے یہ نہیں کہا کہ یہ دانہ شیطان کے حصہ میں کا بقیہ جزو ہے)۔اب یہی کہا جا سکتا ہے کہ فرشتے کی مراد یہی تھی کہ شیطان کے حصے کا بقیہ جزء ہے (مگر یہ صرف احتمال ہے جس کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا) اس لئے یہ بات قابل غور ہے۔

ادھر یہ بات بھی واضح رہے کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ (اسی رات) فرشتے نے میرے سینے کو۔اور ایک روایت کے مطابق۔ میرے دل کو دھویا۔اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ قلب اور سینے کو ساتھ ساتھ دھویا گیا جب کہ سینے اور قلب دونوں کو چاک کیا گیا تھا۔لہذا آنحضرت ﷺ نے ایک وقت میں صرف سینے کا ذکر فرمایا اور دوسرے وقت میں صرف قلب کا ذکر فرمایا۔

رضاعت کے بیان میں ایک روایت یہ گزری ہے کہ آپ کا پیٹ چاک کیا گیا اور پھر قلب چاک کیا گیا۔ دوسری روایت میں تھا کہ آپ کا سینہ چاک کیا گیا اور پھر قلب چاک کیا گیا پھر ایک روایت میں صرف سینہ چاک کئے جانے کا ذکر ہے اور ایک میں صرف قلب چاک کئے جانے کا ذکر ہے مگر یہ بیان ہو چکا ہے کہ پیٹ سے مراد سینہ ہے۔یہاں دونوں میں پیٹ یا سینے سے مراد قلب نہیں ہے مگر کچھ علماء نے جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سینے سے مراد قلب ہے۔

اسی لئے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شق صدر اور اس کا دھویا جانا آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی مخصوص تھا یا یہ واقعہ دوسرے نبیوں کے ساتھ بھی پیش آیا۔

اس بارے میں یہ جواب دیا جاتا ہے کہ تابوت بنی اسرائیل یعنی تابوت سکینہ کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو ان کے ساتھ یہ تابوت اتارا تھا (تابوت سکینہ کا تفصیلی واقعہ سیرت حلبیہ اردو جلد اول قسط چہارم کے ص 34 پر گزر چکا ہے۔اسی سلسلے کی کچھ مزید تفصیلات یہاں بیان ہو رہی ہیں)

غرض اللہ تعالیٰ نے اس تابوت کو زمین پر اتارا۔اس تابوت میں ان تمام نبیوں کی تصویریں تھیں جو آدم علیہ السلام کی اولاد میں ہونے والے تھے۔اس میں نبیوں کی تعداد کے برابر چھوٹے چھوٹے گھر یعنی خانے تھے ان میں سے آخری خانہ آنحضرت ﷺ کے نام کا تھا۔یہ خانہ سرخ یاقوت کا تھا جو تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا۔ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ خانہ اس لکڑی کا تھا جس کی کنگھیاں بنتی ہیں اور اس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا۔

غرض یہ تابوت حضرت آدمؑ کے پاس ان کی موت تک رہا۔ان کے انتقال کے بعد یہ ان کے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کے پاس رہا اور اس کے بعد یہ آدم علیہ السلام کی اولاد کو وراثت میں ملتا رہا یہاں تک کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کے انتقال کے بعد یہ ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ملا اور پھر ان کے بیٹے قیدار کو ملا۔ مگر پھر اسماعیل علیہ السلام کے دوسرے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے نے اس تابوت کو قیدار سے حاصل کرنے کے لئے جھگڑا کیا مگر اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار کو حکم ہوا کہ وہ اس کو اپنے چچا کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کو پہنچادے جن کا لقب اسرائیل اللہ تھا۔ چنانچہ قیدار اس کو لے کر گیا اور اس نے یہ تابوت حضرت یعقوبؑ کے سپرد کر دیا۔ پھر یہ تابوت ان کی اولاد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اس میں تورات اور اپنا عصا نیز اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور ان تختیوں کے ٹکڑے رکھے جو ٹوٹ کر چورہ ہو گئی تھیں (ان تختیوں پر احکام تھے)

تابوت سکینہ کا طشت...... اسی تابوت میں ایک طشت تھا جو جنت کے سونے کا تھا اسی طشت میں تمام نبیوں کے قلوب یعنی دل دھوئے اور صاف کئے گئے۔ اب اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ دل کا دھویا جانا آنحضرت ﷺ کی خصوصیت نہیں تھی (بلکہ دوسرے پیغمبروں کے دل بھی اسی طرح دھوئے گئے)

تابوت سکینہ کی خصوصیت...... اس تابوت کی خصوصیت یہ تھی کہ جب بھی لوگوں کے درمیان جھگڑا ہوتا تو اس میں سے آواز سنائی دیتی اور جھگڑنے والوں کے درمیان فیصلہ سنائی دیتا۔ اسی طرح اس کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ جب بھی وہ لوگ کسی جنگ میں اس تابوت کو اپنے سامنے رکھتے تو ان کو فتح نصیب ہوتی۔ اسی طرح یہ کہ لشکر میں سے جو کوئی بھی اس پر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا وہ یقیناً قتل ہو جاتا تھا اور یا لشکر ہی کو شکست ہو جاتی تھی۔

(تو گویا اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شق صدر یعنی سینہ کا چاک کیا جانا آنحضرت ﷺ کی خصوصیت نہیں تھا مگر علماء علامہ سیوطی نے خصائص میں کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وہ خصوصیت جو صرف آپ کو حاصل ہوئی اور آپ سے پہلے کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوئی آپ کا شق صدر تھا۔ اس بارے میں دو قول ہیں مگر زیادہ صحیح قول یہی ہے۔ لیکن بعض علماء نے لکھا ہے کہ صرف شق صدر یعنی سینہ چاک کیا جانا آپ کی خصوصیت نہیں تھی بلکہ شق صدر کا ایک سے زائد بار ہونا آپ کی خصوصیت ہے کیونکہ اس کا بار بار ہونا احادیث سے ثابت ہے جبکہ دوسرے پیغمبروں کا شق صدر ہونا صرف تابوت کے واقعہ سے ثابت ہے پھر یہ کہ ان کے شق صدر کے متعلق ایسی کوئی بات نہیں معلوم ہوتی کہ وہ بار بار ہوا ہے۔

اگر یوں کہا جائے کہ شق صدر یعنی سینہ چاک کئے جانے کا معاملہ تو تمام نبیوں میں مشترک ہے لیکن شق قلب اور سیاہ دانے کا نکالا جانا آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے۔ نیز یہ کہ تابوت والے واقعے میں قلوب یعنی دلوں کے دھوئے جانے سے مراد سینہ ہے اور کتاب خصائص کے حوالے میں سینے سے مراد قلب ہے۔ تو یہ بات بھی ممکن ہے کیونکہ تابوت والے واقعے میں یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سوا دوسرے نبیوں کے دلوں میں سے بھی سیاہ دانہ نکالا گیا تھا (اور ظاہر ہے کہ اگر ان کے قلوب چاک کئے جاتے تو سیاہ دانہ بھی نکالا جاتا۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہاں قلب سے مراد سینہ ہے جس کو چاک کیا گیا) میں نے ایسی کوئی روایت بھی نہیں دیکھی جس سے معلوم ہو کہ دوسرے نبیوں کے قلوب میں سے بھی سیاہ دانہ نکالا گیا تھا۔

ادھر دوسرے پیغمبروں کے قلوب کے دھوئے جانے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ ان کو چاک کر کے

اندر سے دھویا گیا بلکہ شاید ان کو صرف باہر سے ہی دھویا گیا ہے۔ اس سلسلے میں رضاعت کے بیان میں بحث ہو چکی ہے۔ اب اس تفصیل کے بعد علامہ شمس شامی کا وہ قول غلط ہو جاتا ہے جو پیچھے بیان کیا گیا ہے کہ اس بارے میں زیادہ مضبوط قول یہی ہے کہ اس میں تمام نبی شریک ہیں اور یہ کہ اس کے خلاف تلاش کے باوجود مجھے کوئی چیز نہیں ملی۔ بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے۔ انہوں نے شق صدر کے سلسلے میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام نور البدر فی ماجاء فی شق الصدر ہے۔ واللہ اعلم

غرض آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور مجھے مسجد حرام کے دروازے پر لائے۔ حسن سے اس طرح روایت ہے کہ۔ جب کہ میں حجر اسود کے پاس نیند اور بیداری کے درمیان کی حالت میں تھا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے مجھے اپنے پیر سے جگایا۔ میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا مگر مجھے کوئی شخص نظر نہیں آیا میں پھر اسی جگہ لیٹ گیا۔ وہ دوبارہ میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے اپنے پیر سے جگایا میں پھر اٹھا اور کسی کو نہ پاکر پھر لیٹ گیا۔ پھر وہ تیسری مرتبہ آئے اور انہوں نے مجھے اپنے پیر سے جگایا۔ میں پھر اٹھا مگر وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ اسی وقت جبرئیل علیہ السلام نے میرا بازو پکڑا اور میں ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا پھر وہ مجھے مسجد حرام کے دروازے پر لائے۔

اب یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے وہاں کسی کو پایا ہی نہیں تھا تو آپ کا بازو پکڑ کر کس نے اٹھایا۔ اس کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا تو اس وقت آپ نے ان کو دیکھا۔ غرض پھر آپ فرماتے ہیں

براق:..... مسجد حرام کے دروازے پر آکر) میں نے دیکھا کہ وہاں ایک سفید رنگ کی سواری یعنی گھوڑے جیسی سواری موجود ہے۔

اس سواری کو اسی وجہ سے براق کہا جاتا ہے کیونکہ عربی میں برق چندھیا جانے اور آنکھوں کے خیرہ ہو جانے کو کہتے ہیں چونکہ اس جانور کی سفیدی ایسی ہی چکا چوند کرنے والی تھی اس لئے اس کو براق کہا جاتا ہے۔

براق کی حقیقت اور اس نام کا سبب..... ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کو براق اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی رفتار برق یعنی بجلی کی طرح تیز تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ چونکہ یہ جانور سیاہ اور سفید دو رنگوں کا تھا اس لئے اس کو براق کہا گیا۔ یعنی جیسے اگر بکری کا درمیانی حصہ سفید ہو اور باقی سیاہ تو اس کو برقا کہا جاتا ہے (کیونکہ عربی زبان میں ابرق سیاہ اور سفید کو کہتے ہیں جیسے عفراء چتکبری کو کہتے ہیں چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ سفید و سیاہ یعنی چتکبری چیز کی قربانی کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سیاہ خون کے مقابلے میں سیاہ و سفید خون زیادہ پاک ہے۔ مگر صحاح کی حدیث میں چتکبری کے بجائے سفید کا لفظ ہے جس کی سفیدی بہت تیز نہ ہو۔ چنانچہ شاۃ عفراء ایسی بکری کو کہتے ہیں جس میں سفیدی کے ساتھ سرخی بھی ہو مگر سفیدی غالب ہو کیونکہ ایسی بکری کے بالوں کی سیاہی یا سرخی پر سفیدی غالب ہوتی ہے اسی بناء پر اس کو سفید کہہ دیا جاتا ہے شاید اس لئے کہ اس کے بالوں کی سیاہی قائم نہیں ہوتی بلکہ سرخی کے قریب ہوتی ہے اسی لئے ایسے رنگ کو سرخ کہہ دیا جاتا ہے۔ مگر اب یہ کہنا پڑے گا کہ براق بھی ایسا ہی رہا ہو گا کہ اس کے بال تو سفید ہوں گے مگر ان میں سیاہ یا سرخی مائل دھبے ہوں گے۔ اور شاید وہ ایسا ہی تھا۔ اس بات کی تائید بعض علماء کے اسی قول سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ براق دو رنگوں والا تھا یعنی سیاہ اور سفید تھا اور جیسا کہ بیان ہوا اگر سیاہی ہلکی ہو تو وہ سرخی کے مشابہ ہو جاتی ہے۔

غرض اس دوسری روایت میں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ اس وقت آنحضرت ﷺ حمزہ اور جعفر رضی اللہ عنہ کے درمیان میں لیٹے ہوئے تھے۔ نیز اس میں یہ تفصیل بھی نہیں دی گئی کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ میکائیل علیہ السلام اور ایک دوسرا فرشتہ بھی آیا تھا اور یہ کہ یہ تینوں آپ کو اٹھا کر زمزم کے کنویں کے پاس لائے تھے اور پھر جبرئیل علیہ السلام نے آپ کا سینہ چاک کیا تھا۔ جیسا کہ پچھلی روایت میں یہ سب تفصیلات بھی ذکر ہوئی ہیں۔ غرض پھر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

"یہ براق یعنی معراج کی رات میں آسمان سے بھیجی جانے والی سواری گدھے سے بڑی اور خچر سے چھوٹی تھی اس کے کان لمبے لمبے تھے۔ اس پر زین کسی ہوئی تھی اور لگام پڑی ہوئی تھی۔ جیسا کہ بعض روایتوں سے ظاہر ہے۔ میں اس سواری پر سوار ہو گیا (اس کے دوڑنے کی رفتار اتنی تیز تھی کہ) اس کا ہر قدم حد نگاہ پر پڑتا تھا (یعنی ایک ایک قدم اتنی دور پڑتا تھا جہاں تک آدمی کی نظر دیکھ سکتی تھی) ایک روایت میں یوں ہے کہ اس کی ایک ٹاپ وہاں پڑتی تھی جہاں آدمی کی نگاہ کی حد پہنچتی ہے۔ جب وہ بلندی سے نیچے کی طرف اترتا تھا تو اس کی اگلی ٹانگیں لمبی ہو جاتی تھیں اور پچھلی ٹانگیں چھوٹی ہو جاتی تھیں اور جب نیچے سے اوپر کی طرف دوڑتا تھا تو اس کی پچھلی ٹانگیں لمبی ہو جاتی تھیں اور اگلی ٹانگیں چھوٹی ہو جاتی تھیں۔"

<u>براق اور فرعون کا گھوڑا اور فرعون کے عجائبات</u>...... موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون بادشاہ تھا اس کے گھوڑے کی بھی یہی خصوصیت بتلائی گئی ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ فرعون کے پاس چار عجائبات تھے۔ ایک تو اس کی داڑھی تھی جو آٹھ بالشت لمبی تھی اور بالکل سبز رنگ کی تھی جبکہ خود اس کا قد سات بالشت کا تھا۔ اس طرح فرعون کی داڑھی خود فرعون سے ایک بالشت لمبی تھی۔

اسی طرح ایک فرعون کا گھوڑا تھا۔ کہیں اس کو گھوڑے کے بجائے برذون بھی کہا گیا ہے جو ٹٹو اور ترکی گھوڑے کو کہتے ہیں۔ جب وہ پہاڑ پر چڑھتا تھا تو اس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی ہو جاتی تھیں اور پچھلی ٹانگیں لمبی ہو جاتی تھیں اور جب بلندی سے نیچے اترتا تھا تو اس کا الٹا ہو جاتا تھا۔

<u>برق رفتار براق</u>...... غرض براق کے بارے میں ایک روایت میں ہے کہ اس کی ایک ایک ٹاپ حد نگاہ کے برابر ہوتی تھی چنانچہ ابن مغیرہ کہتے ہیں کہ اس طرح براق زمین سے آسمان تک کا فاصلہ ایک ٹاپ یا ایک قدم میں پورا کرتا تھا۔ کیونکہ زمین پر سے آدمی کی آنکھ آسمان کو دیکھتی ہے (یعنی زمین سے حد نگاہ آسمان ہوتا ہے) لہذا براق نے سات قدم میں تمام آسمانوں کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ کیونکہ آسمان دنیا پر سے نگاہ سیدھی اس سے اوپر کے آسمان پر پڑے گی اور پھر اسی طرح وہاں سے اگلے آسمان پر پڑے گی۔ مگر یہ بات اس بنیاد پر ہے کہ آنحضرت ﷺ کو معراج میں براق پر ہی اٹھایا گیا۔ اس بارے میں جو شبہ ہے وہ آگے بیان ہوگا۔ غرض آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

"جب میں براق پر سوار ہونے کے لئے اس کے قریب پہنچا تو وہ ایک دم بدکا۔ یعنی اپنے اوپر سواری سے روکنے کے لئے بھڑکا۔ جبرئیل علیہ السلام نے اس سے فرمایا۔

"سیدھا ہو جا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ پر سواری کرنے والوں میں محمد سے زیادہ معزز کوئی نہیں ہے۔"

<u>براق پر سواری</u>...... ایک روایت میں ہے کہ اس جانور یعنی براق کی رانوں میں دو پر یعنی اڑانے والے بازو لگے

ہوئے تھے جن سے وہ اپنی پچھلی ٹانگوں کو تیزی کے ساتھ آگے دھکیلتا تھا۔ اس لئے جب میں اس پر سوار ہونے کے لئے اس کے قریب پہنچا تو وہ ایک دم چونکا ہوا اور سواری دینے سے بدکنے لگا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے ایک دم اپنی کنوتیاں ملائیں۔ کیونکہ جانور کا یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ جب وہ چونکتا ہے تو اپنے کان کھڑے کر کے ملا لیتا ہے جبرئیل علیہ السلام نے اس کو بدکتے دیکھ کر اس کے ایال پر ہاتھ پھیرا اور اس سے کہا۔

براق۔ تجھے اپنی حرکت پر شرم نہیں آتی خدا کی قسم تجھ پر سوار ہونے والوں میں محمد ﷺ سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک معزز کوئی نہیں ہے۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اللہ کے بندوں میں محمد سے بڑھ کر"

یہ سن کر براق نادم ہوا یہاں تک کہ اس ندامت سے اس کا بدن پسینے میں بھیگ گیا۔ اس کے بعد وہ پرسکون ہو کر کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ اس پر سوار ہو گئے۔

<u>بُراق دوسرے نبیوں کی سواری بھی بنا ہے</u>...... ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے اس سے کہا کہ براق سیدھا ہو جا خدا کی قسم نبیوں میں محمد ﷺ سے زیادہ معزز نبی کوئی تجھ پر سوار نہیں ہوا۔ یعنی اس لئے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے ہونے والے نبی بھی براق پر سوار ہوئے ہیں۔ چنانچہ بیہقی میں ایک حدیث ہے کہ مجھ سے پہلے دوسرے نبی براق پر سوار ہوتے رہے ہیں۔ نسائی شریف میں ہے کہ یہ براق مجھ سے پہلے پیغمبروں کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے اس کے بعد ایک زمانہ تک یہ کسی کی سواری میں نہیں رہا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے درمیان جو فترت کا زمانہ گزرا اس میں اس پر کوئی سوار نہیں ہوا۔ جیسا کہ ابن بطال نے لکھا ہے۔

اب اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے درمیان جو نبی ہوئے ہیں ان میں سے اس پر کوئی سوار نہیں ہوا۔ اس بارے میں بعض روایتوں سے صاف طور پر یہی بات معلوم ہوتی ہے تو گو عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے درمیان کہنے سے معلوم ہوا کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس پر سوار ہوئے ہیں لیکن عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے درمیان اگر پیغمبر ہوئے ہیں تو ان میں سے کوئی اس پر سوار نہیں ہوا۔ اس بارے میں کتاب نہر کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے درمیان ایک ہزار نبی ہوئے ہیں۔

مگر پیچھے جو یہ کہا گیا ہے کہ اس لئے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے ہونے والے نبی بھی براق پر سوار ہوئے ہیں۔ تو یہ ایک عام جملہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے تمام ہی پیغمبر اس پر سوار ہوئے ہیں چاہے وہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے ہوں اور چاہے بعد کے ہوں اس بارے میں امام نووی کہتے ہیں کہ سب نبیوں کے اس پر سوار ہونے کا دعویٰ کرنے کے لئے کسی صحیح حدیث کی ضرورت ہے یہاں تک نووی کا کلام ہے۔

اس دعوی کے سلسلے میں کچھ روایتیں تو بیان کی گئیں اور ایک روایت آگے آئے گی جس کے ظاہری الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس براق کو اسی کڑے سے باندھا جس سے پیغمبر باندھا کرتے تھے۔ اس روایت کے متعلق ظاہر ہے کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا کہ اس روایت میں یہ لفظ نہیں ہیں کہ دوسرے پیغمبر براق کو باندھتے تھے اس لئے ممکن ہے کہ دوسرے پیغمبر براق کے سوا اپنی کسی سواری کو اس سے باندھتے ہوں۔ مگر بیہقی میں جو روایت ہے اس میں صاف یہ ہے کہ میں نے اپنی سواری یعنی

براق کو اسی چیز سے باندھا جس سے اس کو دوسرے نبی باندھا کرتے تھے۔

چنانچہ شیخ شعرانی کہتے ہیں کہ کوئی رسول ایسا نہیں ہوا جس نے اس براق پر سفر نہ کیا ہو۔ یہاں تک علامہ شعرانی کا حوالہ ہے۔

یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ان کی بیوی ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام براق پر سوار ہو کر مکے تک گئے تھے۔ اسی طرح تاریخ ازرقی میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ہر سال براق پر بیٹھ کر حج کو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت سعید ابن میسب وغیرہ سے روایت ہے کہ براق ابراہیم علیہ السلام کی سواری تھی جس پر وہ بیت اللہ کی زیارت کو جایا کرتے تھے۔

مگر ابن وحیہ اور امام نووی وغیرہ نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے براق پر کوئی دوسرا شخص سوار نہیں ہوا۔ لیکن اس دعوی کے باوجود جبرئیل علیہ السلام کے اس جملے سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا جو انہوں نے براق سے کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ سے زیادہ معزز سوار تجھ پر کبھی سوار نہیں ہوا کیونکہ قضیہ سالبہ موضوع کے ذکر کئے بغیر بھی صحیح ہوتا ہے چنانچہ خصائص صغری میں ہے کہ دو میں سے ایک قول کے مطابق براق پر سواری آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ اس طرح براق پر بیٹھے کہ اس پر زین کسی ہوئی تھی اور لگام پڑی ہوئی تھی۔

کتاب منتقی میں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ براق پر دوسرے پیغمبر بھی سوار ہوئے ہوں مگر یہ صرف آنحضرت ﷺ کی ہی خصوصیت ہے کہ آپ کی سواری کے وقت اس کی ایک ایک ٹاپ حد نگاہ کے برابر پڑتی تھی۔

<u>ایک عجیب روایت</u>...... ایک تفسیر میں بڑی عجیب اور غریب بات نظر سے گزری کہ جب آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچنے پر براق ایک دم بھڑکا تو جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"محمد! شاید آج آپ نے صفر نامی بت کو چھوا ہے (یعنی شاید اس کو آپ کا ہاتھ لگ گیا ہے

! یہ صفر نامی ایک بت تھا جس کا کچھ حصہ سونے کا تھا اور کچھ حصہ تانبے کا بنا ہوا تھا آنحضرت ﷺ نے اس بت کو فتح مکہ کے دن توڑا تھا غرض جبرئیل علیہ السلام کی یہ بات سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"میں نے اس کو بالکل نہیں چھوا۔ ہاں آج میں اس بت کے پاس سے گزرا تھا اور گزرتے ہوئے میں نے اس کو مخاطب کر کے یہ بھی کہا تھا کہ برا ہو اس شخص کا جو خدا کو چھوڑ کر تیری عبادت کرتا ہے۔"

جبرئیل علیہ السلام نے کہا

یہ براق صرف اسی وجہ سے بھڑکا ہے۔"

یعنی صرف اس وجہ سے کہ آنحضرت ﷺ اس بت کے پاس سے گزرے تھے۔ جیسا کہ امام احمد سے نقل کیا جاتا ہے یہ حدیث موضوع یعنی من گھڑت ہے علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ ایک بے سر و پا روایت ہے مغلطائی کہتے ہیں کہ اس کو ذکر کرنا آنحضرت ﷺ کی شان کے خلاف ہے۔

عربی میں بھڑکنے والے گھوڑے کو فرس شموس کہا جاتا ہے شموستہ نہیں کہا جاتا۔ کتاب استیعاب نے براق کے سلسلے میں اس کے علاوہ بھی بہت سی عجیب باتیں بیان کی ہیں جن کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے۔

بُراق کا تفصیلی حلیہ ...... ثعلبی نے ایک ضعیف سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے جس میں براق کا حلیہ بیان کیا گیا ہے اس میں ہے کہ براق کے چہرے کے گال آدمیوں کے گالوں کی طرح ہیں اور اس کی گردن کے بال گھوڑے کے ایال کی طرح کے ہیں۔ اس کی ٹانگیں اونٹ کے جیسی ہیں اور اس کے کھر اور دم گائے کے جیسی ہے (پیچھے بھی ایک جگہ اس کے لئے خف کا لفظ آیا ہے اس کے معنی اونٹ یا شتر مرغ کی ٹاپ اور تلوے کے ہیں اور یہاں اظلاف کا لفظ آیا ہے اس کے معنی کھر ہیں) اب گویا پچھلی روایت میں بھی خف سے یہی مراد ہے کیونکہ اونٹ کے جیسی ٹانگوں کے ساتھ ظلف ہی مناسب ہے خف مناسب نہیں ہے۔

ایک روایت میں براق کا حلیہ اس طرح ہے کہ اس کا چہرہ آدمی کے چہرے کی طرح ہے اور اس کا جسم گھوڑے کے جسم کے جیسا ہے اس کی ٹانگیں بیل کی ٹانگوں جیسی ہیں اور اس کی دم ہرن کی دم جیسی ہے۔ اور براق نہ نر ہے اور نہ مادہ ہے۔

چنانچہ اسی وجہ سے براق کو کبھی مذکر بولا جاتا ہے اور کبھی مونث یعنی مادہ بولا جاتا ہے حقیقت میں اس کی جنس کوئی تیسری ہے۔ اسی لئے یہ براق حق تعالی کے اس ارشاد کے دائرہ میں نہیں آتا۔

ومن کل شئی خلقنا زوجین لعلکم تذکرون الایہ پ ۲۷ سورہ والذریات ع ۱۲

اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم بنایا تا کہ ہم ان مصنوعات سے توحید کو سمجھو۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اسی تیسری جنس میں ملائکہ یعنی فرشتے پیدا کئے گئے ہیں کیونکہ وہ نہ مذکر یعنی نر ہیں اور نہ مونث یعنی مادہ ہیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ براق کے کان ہاتھی کے کانوں جیسے ہیں اس کی گردن اونٹ کی گردن جیسی ہے اس کا سینہ ہاتھی کے سینہ جیسا ہے اور یاقوت کی طرح سرخ اور چمک دار ہے اس کے بازو ہیں جو ایسے یہی جیسے عقاب کے ہوتے ہیں اور ان میں تمام رنگ جھلکتے ہیں۔ اس کی ٹانگیں گھوڑے کی ٹانگوں جیسی ہیں۔ اس کی دم اونٹ کی دم جیسی ہے۔

اب اگر ان سب روایتوں کو درست مانا جائے تو ان کے درمیان موافق کی ضرورت ہے۔

روانگی ...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں روانہ ہوا اور جبرئیل علیہ السلام میرے ساتھ ساتھ رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ براق پر سوار ہوئے تھے کتاب شفاء میں ہے کہ واپسی تک دونوں براق کی پیٹھ پر سوار رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ میں جبرئیل علیہ السلام کے پیچھے براق پر بیٹھا۔ ابن حبان نے اپنے احادیث کے مجموعہ میں لکھا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو اپنے ساتھ براق پر بٹھایا۔

کتاب شرف میں ہے کہ براق کی رکاوٹ جبرئیل علیہ السلام نے پکڑ رکھی تھی اور اسکی لگام میکائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آپ کے دائیں جانب تھے اور میکائیل علیہ السلام آپ کے بائیں جانب تھے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ شاید جبرئیل علیہ السلام اس سفر کے دوران کبھی کبھی تو آپ کے ساتھ براق پر بیٹھنے اور کبھی دائیں جانب سے انہوں نے براق کی رکاب تھامی۔ اسی طرح میکائیل علیہ السلام نے کبھی تو لگام سنبھالی اور کبھی صرف ساتھ رہے مگر بائیں جانب میں رہے یا یہ کہ

وہ بائیں جانب سے لگام تھامے رہے۔ کتاب شفاء کے حوالے سے جو یہ بات گزری ہے کہ جبرئیل اور آنحضرت ﷺ براق کی پیٹھ پر رہے اس سے بھی کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا کیونکہ شاید مراد یہ ہے کہ سفر کے زیادہ حصے میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ جبرئیل بھی براق پر سوار رہے۔

مگر کتاب حیات الحیوان میں ہے کہ میرے نزدیک بظاہر معراج کی رات میں جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے ساتھ براق پر سوار نہیں ہوئے کیونکہ یہ سواری اسراء اور معراج کے شرف کے ساتھ خاص تھی۔ یہاں تک حیات الحیوان کا حوالہ ہے جو قابل غور ہے۔ واللہ اعلم۔

<u>بیت المقدس میں قدم رنجہ</u>...... پھر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں بیت المقدس پہنچا اور وہاں میں نے اس براق کو مسجد کے دروازے پر اسی کڑے کے ساتھ باندھا جس سے انبیاء علیہم السلام باندھا کرتے تھے۔ جیسا کہ بیہقی کے حوالے سے یہ روایت بیان ہو چکی ہے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ پھر جبرئیل علیہ السلام نے اس مقدس پتھر میں اپنی انگلی ڈال کر ایک سوراخ بنایا اور ایک روایت کے مطابق۔ انہوں نے اپنا ہاتھ ڈال کر پتھر میں پھٹن بنائی اور اس کے ساتھ براق کو باندھا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں (: پیچھے جو بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حلقہ یا کڑا یہاں پہلے سے بنا ہوا تھا اور بعد کی روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنایا) مگر ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ شاید جبرئیل علیہ السلام نے اپنی انگلی ڈال کر اس حلقے کو زیادہ بڑا کیا تھا اور یا اس کی بندش میں انگلی ڈال کر اس کو صاف کیا تھا اور یہ کہ اسی پھٹن کو حلقہ کہا گیا ہے کیونکہ وہ پتھر دروازے پر ہی ہے یہ پھٹن چونکہ گول تھی اس لئے اس کو حلقہ کہا گیا ہے۔

کتاب امتاع میں ہے کہ بیت المقدس کا پتھر گندھے ہوئے آٹے کی طرح نرم ہو گیا تھا آنحضرت ﷺ نے اس میں اپنی سواری یعنی براق کو باندھا اس کے بعد سے آج تک لوگ اس جگہ کو تلاش اور تحقیق کر رہے ہیں۔ یہاں تک کتاب امتاع کا حوالہ ہے۔

ان دونوں روایتوں میں بعض علماء نے اس طرح موافقت پیدا کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے براق کو حترام کی وجہ سے اسی حلقے میں باندھا تھا جو مسجد کے دروازے سے باہر ہے اور معین جگہ کو انبیاء بھی استعمال کرتے ہے ہیں مگر پھر جبرئیل علیہ السلام نے براق کو وہاں سے کھولا اور اس کو مسجد کے زاویہ میں اسی پتھر میں باندھا جو سخرہ کہلاتا ہے اور جس کو انہوں نے اپنی انگلی ڈال کر پھاڑا تھا۔ اس طرح جبرئیل علیہ السلام براق کو مسجد کے روازے سے اندر لے آئے گویا جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ سے یہ کہتے ہوئے براق کو اندر لائے۔

"آپ ان میں سے نہیں ہیں جن کی سواریاں دروازے پر کھڑی ہوں بلکہ آپ کی سواری اندر کھڑی ہو گی۔"

<u>عیسائی راہب کی طرف سے واقعہ اسراء کی تصدیق</u>...... ابوسفیان نے مسلمان ہونے سے پہلے قیصر وم سے جو گفتگو کی تھی اور جس میں انہوں نے اپنے خیال میں آنحضرت ﷺ کا مرتبہ کم کر کے دکھانے کی شش کی تھی اس میں ہے کہ انہوں نے شاہ قیصر سے کہا۔

"جہاں پناہ! اجازت ہو تو میں آپ کو اس شخص یعنی آنحضرت ﷺ کے متعلق ایسی بات بتلاؤں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ بھی بولتا ہے؟"

بادشاہ نے پوچھا وہ کیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا

"وہ کہتا ہے کہ وہ ہماری سرزمین حرم سے چل کر تمہاری مسجد یعنی بیت المقدس پہنچا اور پھر ایک ہی رات میں وہاں سے واپس بھی آگیا۔"

اس پر ایک عیسائی مذہبی عالم نے کہا

"میں اس رات کو جانتا ہوں۔"

بادشاہ نے پوچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا تو اس نے کہا۔

میری یہ عادت تھی کہ میں مسجد اقصیٰ کے دروازے بند کئے بغیر رات کو کبھی نہیں سوتا تھا۔ جب وہ رات آئی جس میں معراج ہوئی) تو میں نے تمام دروازے بند کئے مگر ایک دروازہ کوشش کے باوجود مجھ سے بند نہیں ہوا آخر میں نے مدد کے لئے اپنے خادموں وغیرہ کو بلایا مگر سب کے کوشش کرنے کے باوجود بھی ہم سے وہ دروازہ بند نہیں ہوا۔ آخر میرے ساتھیوں نے کہا کہ شاید اوپر کی دیوار کچھ نیچے کو بیٹھ گئی ہے جس سے دروازہ دب گیا اور کواڑ بند نہیں ہورہے ہیں اس لئے اس وقت اس کو یوں ہی چھوڑ دو کل کسی بڑھئی کو بلا کر اس کی مرمت کرادیں گے۔

چنانچہ ہم نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔ صبح کو میں پھر اس دروازے پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے کے سامنے جو پتھر تھا وہ سرکا ہوا تھا۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ ادھر میں نے دیکھا کہ اس میں ایسے نشانات ہیں جیسے وہاں کوئی جانور باندھا گیا ہو۔ یعنی براق کے باندھنے کے نشانات تھے اور میں نے دیکھا کہ دروازے کے بند ہونے میں اس وقت کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

اب میں سمجھ گیا کہ دروازہ بند نہ ہونے کی وجہ وہ تھی جو میں قدیم مذہبی کتابوں میں پڑھ چکا تھا کہ ایک نبی بیت المقدس سے آسمانوں کی طرف معراج کرے گا۔ چنانچہ میں نے اپنے ساتھیوں سے بتلایا کہ رات درواز، بند نہ ہونے کی وجہ کیا تھی۔"

اس واقعے کی تفصیل آگے اس جگہ ذکر ہوگی جہاں شہنشاہ قیصر کے نام آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک یعنی خط کا بیان ہوگا یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ جس پتھر یعنی صخرہ کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد وہ مشہور صخرہ مقدسہ نہیں ہے بلکہ وہ پتھر مراد ہے جو مسجد اقصیٰ کے دروازے پر تھا۔ اگرچہ بعض روایتوں سے یہی شبہ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ پھر جبرئیل علیہ السلام اس صخرہ یعنی پتھر کے پاس آئے جو بیت المقدس میں ہے انہوں نے اپنی انگلی ڈال کر اس کو پھاڑا اور پھر اس شگاف میں براق کو باندھا۔ تو یہاں بیت المقدس میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ صخرہ جو مسجد کے دروازے پر ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ اس روایت میں مسجد کے ایک دروازے کا بند نہ ہو سکنا بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھی ورنہ ظاہر ہے اگر دروازہ بند ہو جاتا تو بھی جبرئیل علیہ السلام کے لئے بند دروازے میں داخل ہونا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

شداد ابن اوس سے ایک روایت ہے جس میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"پھر (یعنی براق پر سوار ہونے کے بعد) میں اور میرے ساتھ جبرئیل علیہ السلام مکے سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ہم بیت المقدس کے شہر میں اس کے دائیں دروازے سے داخل ہوئے اور پھر مسجد کے قبلہ

کے پاس آئے پھر جبرئیل علیہ السلام نے اس میں براق کو باندھا۔"

اس تفصیل اور گزشتہ تفصیل سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ شاید وہ دروازہ جس کا پیچھے ذکر آیا ہے مسجد کے قبلے کی جانب میں تھا اور شاید یہ دائیں جانب کا وہی دروازہ تھا جس میں سورج اور چاند کی تصویریں ہیں چنانچہ ایک روایت میں اس طرح کے الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ مسجد کے اس دروازے سے داخل ہوئے جس میں سورج اور چاند کی تصویریں ہیں۔ یعنی ان کی مثالیں بنی ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم

براق کو باندھنے کی جو روایت ہے حذیفہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ بھاگ نہیں سکتا تھا کیونکہ عالم الغیب نے اس کو آنحضرت ﷺ کے لئے مسخر فرمادیا تھا۔ مگر اس بات کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ دور اندیشی یا تدبیر کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ چنانچہ وہب ابن منبہ سے روایت ہے کہ تقدیر پر ایمان رکھنا انسان کو ہلاکت کی چیزوں سے بچنے سے نہیں روکتا۔ حضرت وہب کہتے ہیں کہ یہ بات میں نے ستر آسمانی کتابوں میں دیکھی ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ توکل کے موضوع پر تقریر فرما رہے تھے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ تب تو یا رسول اللہ ﷺ مجھے جنگل میں اپنے اونٹ کو کھلا چھوڑ دینا چاہئے اور اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ توکل یہ ہے کہ تم زمین میں کھونٹا گاڑو اونٹ کے پیر میں رسی ڈالو اور اس کو اس کھونٹے میں باندھو اور پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو چنانچہ آنحضرت ﷺ اسی لئے یعنی تقدیر پر ایمان رکھنے کے باوجود جب سفر فرماتے تو اپنے لئے توشہ کا انتظار فرماتے اور جنگ میں تشریف لے جاتے تو ہتھیار بھی رکھتے یہاں تک کہ غزوہ احد میں آپ نے دو زرہیں زیب تن فرمائی تھیں۔

حوران جنت سے ملاقات ...... (قال) ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ بیت المقدس کے صخرہ یعنی مقدس پتھر پر پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا۔

"اے محمد! کیا آپ نے اپنے پروردگار سے یہ درخواست بھی کی ہے کہ وہ آپ کو جنت کی حوریں دکھلائے؟"

آپ نے فرمایا ہاں۔ ہاں۔ تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔

"تو ان عورتوں کے پاس چلئے۔"

حوران جنت کی صفات ...... چنانچہ وہاں پہنچ کر آپ نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے ان سے پوچھا تم کون ہو۔ انہوں نے کہا۔

ہم نیک اور بہترین عورتیں ہیں۔ ان پاکیزہ اور پاک دل لوگوں کی جو گناہوں کے میل کچیل اور گندگی سے پاک ہیں جو پھر ہمیشہ ہمارے پاس رہیں گے اور پھر کبھی نہ نکالے جائیں گے اور جن تک موت کے ہاتھ کبھی نہ پہنچ سکیں گے بلکہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس بارے میں کسی کو کوئی اختلاف یا شبہ نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ صخرہ یعنی مقدس پتھر کے دائیں جانب میں جو قبہ بنا ہوا ہے اور جس کو قبہ معراج کہا جاتا ہے وہاں سے معراج کے لئے آسمانوں کی طرف روانہ ہوئے۔

صخرہ مقدسہ یعنی بیت المقدس کا پتھر ...... جہاں تک بیت المقدس کے اس پتھر کا تعلق ہے جس کا ذکر ہوا اس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ بیت المقدس کا یہ پتھر جنت کے پتھروں میں سے ایک پتھر ہے

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ پتھروں کا سردار بیت المقدس کا پتھر ہے ایک روایت میں آتا ہے کہ بیت المقدس کا پتھر ایک کھجور کے درخت کے پاس کا ہے اور وہ درخت جنت کی نہروں میں سے ایک نہر پر ہے اور اس درخت کے نیچے فرعون کی بیوی آسیہ اور حضرت مریم بیٹھی ہوئی جنت والوں کے لئے قیامت تک کے لئے موتیوں کے ہار پرو رہی ہیں۔

اس روایت کی سند کے متعلق علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ اس کی سند نامعلوم ہے اور ظاہری طور پر یہ جھوٹی روایت ہے۔

<u>اس پتھر کے عجائبات اور اس پر آنحضرت ﷺ کی ہیبت کا اثر</u>...... امام ابو بکر عربی نے موطا امام مالک کی شرح میں لکھا ہے۔

"بیت المقدس کا پتھر اللہ تعالیٰ کی عجائبات میں سے ایک ہے کیونکہ یہ ایک خاکی رنگ کا پتھر ہے جو مسجد اقصیٰ کے بالکل بیچ میں قائم ہے مگر کسی طرف سے اس کو کوئی چیز روکے ہوئے نہیں ہے بلکہ اس کو اسی چیز نے روکا ہوا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر آسمان کو زمین پر آپڑنے سے روکا ہوا ہے جنوب کی طرف سے اس کی بلندی پر آنحضرت ﷺ براق پر سوار ہونے کے لئے تشریف لائے آنحضرت ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے یہ پتھر اسی جانب سے جھک گیا ہے جس طرف سے آنحضرت ﷺ تشریف لائے تھے اور دوسری جانب میں ان فرشتوں کو انگلیوں کے نشانات ہیں جن سے انہوں نے اس کو دوسری طرف جھکنے کے وقت پکڑا تھا۔ (یعنی جب آنحضرت ﷺ اس پر تشریف لائے تو آپ کی ہیبت کی وجہ سے یہ پتھر اسی طرف جھکنے لگا اور کسی حد تک جھک بھی گیا۔ اس وقت اس کو گرنے سے روکنے کے لئے دوسری طرف سے فرشتوں نے اپنی انگلیوں سے اس کو روکا جن کے نشانات اس پر باقی رہ گئے ہیں) اس کے نیچے وہ غار ہے جو اس کے نیچے پیدا ہو گیا ہے اور جس کی وجہ سے اب یہ کسی چیز پر بھی ٹکا ہوا نہیں ہے۔"

پھر امام ابو بکرؒ لکھتے ہیں۔

"اس پتھر کی ہیبت کی وجہ سے اس کے نیچے نہیں گیا کیونکہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں میرے گناہوں کی وجہ سے یہ مجھ پر ہی نہ آپڑے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ پتھر معلق اور آسمان اور زمین کے درمیان لٹکا ہوا ہے۔"

غرض اس کے بعد علامہ ابو بکر لکھتے ہیں

"پھر ایک مدت کے بعد میں ایک مرتبہ اس پتھر کے نیچے داخل ہو گیا وہاں میں نے حیرت ناک چیز اور دنیا کا ایک عجوبہ دیکھا۔ آپ اس پتھر کے تمام کناروں کو دیکھتے چلے جائیے تو آپ ان کو ہر طرف سے زمین سے علیحدہ پائیں گے زمین کا کوئی حصہ یا ذرا سا کونہ بھی اس سے ملا ہوا نہیں ہے اور ایک حصہ دوسرے کے مقابلے میں زمین سے زیادہ ہی دور ہے اور اس طرح یہ پتھر آسمان و زمین کے درمیان لٹکا ہوا ہے)

تقریباً یہی بات علامہ ابن عربی نے بھی لکھی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ براق پر سوار ہوئے تھے تو اس پتھر پر آپ کے قدموں کے نشانات پڑ گئے تھے اور یہ کہ آپ جس طرف سے اس پتھر پر چڑھے تھے وہ حصہ آنحضرت ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے جھک گیا تھا جس پر دوسری طرف سے فرشتوں نے اس کو سہارا دے کر مزید جھکنے سے روکا تھا۔

اسی طرح کی بات علامہ احفظ ناصر الدین دمشقی نے بھی لکھی ہے وہ اپنی کتاب معراج المسیح میں کہتے

ہیں کہ پھر آنحضرت اور جبرئیل علیہ السلام بیت المقدس کے پتھر کے پاس پہنچے۔ آنحضرت ﷺ مشرق کی جانب سے اس کے اوپر چڑھے۔ آنحضرت ﷺ کا قدم مبارک پڑتے ہی یہ چٹان ایکدم ہلنے لگی اور اسی طرف کو جھکنے لگی جس طرف سے آپ اس پر چڑھے تھے۔ چٹان کو ہلتے اور جھکتے ہوئے دیکھ کر فرشتوں نے اس کو سنبھالا۔

ابن عربی کا یہ قول گزرا ہے کہ اس پتھر پر جب آنحضرت ﷺ براق پر سوار ہوئے وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ براق پر آسمانوں میں تشریف لے گئے تھے۔ اس سلسلے میں آگے بحث آئے گی۔

یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ علامہ سیوطی سے پوچھا گیا تھا کہ پتھروں میں آنحضرت ﷺ کے قدم مبارک دھنسنے اور ان میں نشان پڑنے کے بارے میں جو روایتیں ہیں وہ کہاں تک درست ہیں اور آیا اس روایت کی کوئی اصل بھی ہے اس پر علامہ سیوطی نے جواب دیا کہ اس سلسلے میں وہ کسی ایسی روایت سے واقف نہیں ہیں جو اس بات کی اصل اور بنیاد بن سکے اور نہ ہی انہوں نے حدیث کی کسی کتاب میں ایسی کوئی حدیث دیکھی جو کسی نے اس دعویٰ کی دلیل میں پیش کی ہے۔ اس سلسلے میں جو شبہ پیدا ہوتا ہے وہ بھی بیان ہو چکا ہے۔

<u>یہ پتھر دنیا کے میٹھے چشموں کی اصل ہے</u>...... کتاب عرائس میں ایک حدیث ہے کہ دنیا میں میٹھے پانی کا جو بھی چشمہ ہے وہ اصل کے لحاظ سے بیت المقدس کے اس مقدس پتھر کے نیچے سے پھوٹتا ہے اور پھر وہاں سے دنیا میں دوسری جگہوں میں پھیلا ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

<u>بیت المقدس میں کچھ انبیاء سے ملاقات</u>...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ پھر کچھ نبیوں کو زندہ کر کے میرے سامنے لایا گیا۔"

یہاں کچھ کے لئے (رھط) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور عربی زبان میں رہط دس سے کم آدمیوں کی جماعت کو کہتے ہیں (تو گویا آپ کے سامنے دس کے قریب نبیوں کو زندہ کر کے لایا گیا) ان میں سے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا نام ذکر فرمایا ہے۔ ان دونوں نبیوں کے نام خصوصیت سے ذکر کرنے کی حکمت پوشیدہ نہیں ہے۔

<u>آنحضرت ﷺ امام انبیاء و ملائکہ</u>...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے ان نبیوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نبیوں کو آنحضرت ﷺ کے مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے کے وقت زندہ کر کے سامنے لایا گیا۔ آپ نے ان انبیاء علیہم السلام کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی۔

<u>زندۂ جاوید حضرات</u>...... یہاں زندہ کئے جانے کے لئے نشر کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا۔ اب ان نبیوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے سوا باقی تمام نبیوں کے لئے یہ بات درست ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ لفظ صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کی ابھی تک وفات ہی نہیں ہوئی ہے (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ ہی آسمان پر اٹھا لیا ہے) ادھر انبیاء علیہم السلام کے دوبارہ زندہ کئے جانے کے سلسلے میں غزوہ بدر کے تحت بیان آئے گا جہاں ان مردوں کا ذکر ہے جن کو قلیب بدر یعنی بدر کے میدان میں گڑھے میں دفن کیا گیا تھا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے وفات پانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے سے مراد ان کی روحوں کا اپنے جسموں سے زبردست اور شدید تعلق ہے یہاں تک کہ اسی وجہ سے عالم برزخ میں ان حضرات کی زندگی بالکل ایسی ہے جیسی دنیا میں ان کی زندگی تھی۔ اسی موقعہ پر ہم نے عالم برزخ میں ان کے نمازیں پڑھنے اور حج وغیرہ کرنے کے متعلق بھی کلام کیا ہے۔

ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ اور جبرئیل علیہ السلام دونوں نے وہاں دو دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد جلد ہی وہاں بہت سے لوگوں کا مجمع ہو گیا۔ جو ان نبیوں کی اس جماعت کے علاوہ تھے۔ اس طرح دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ پھر وہاں اس مجمع میں کھڑے ہوئے رکوع کرتے ہوئے اور سجدے کرتے ہوئے لوگوں کے درمیان نبی پہچانے جا رہے تھے۔ غرض پھر ایک موذن نے اذان دی اور اس کے بعد نماز کھڑی ہو گئی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: قرآن پاک کی آیت ہے۔

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ
اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ الآیہ پ ۲۵ سورہ زخرف ع ۴

ترجمہ: اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔

اس آیت کے بارے میں ابن حبیب نے لکھا ہے کہ یہ اسراء و معراج کی رات میں بیت المقدس میں نازل ہوئی تھی۔

پیچھے بیان ہوا ہے کہ موذن نے اذان دی اور اس کے بعد نماز کھڑی ہو گئی۔ یہ غالباً عطف تفسیری ہے اس لئے یہاں اذان سے مراد اقامت یعنی تکبیر ہے اور تکبیر کے بھی وہ معروف الفاظ نہیں جواب ہیں کیونکہ اذان اور تکبیر کے شریعت میں شامل ہونے کے متعلق آگے تفصیل بیان ہو گی کہ یہ دونوں مدینے میں مشروع ہوئیں (تو گویا اذان کی ہی تفسیر نماز کی اقامت سے کی گئی)

بعض روایتوں کی بنیاد پر ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ عطف تفسیری نہیں بلکہ عطف مغایر ہے (یعنی اذان اور نماز کی اقامت سے مراد ایک چیز نہیں بلکہ دونوں علیحدہ علیحدہ چیزیں مراد ہیں) چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب ہم مسجد اقصیٰ میں پہنچ گئے تو ایک موذن نے اذان دی اور اس کے بعد نماز کی اقامت یعنی تکبیر کہی۔ مگر اس تفصیل سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اذان اور اقامت یعنی تکبیر سے اذان اور تکبیر کے وہی جانے پہچانے الفاظ مراد ہوں جو آج کہے جاتے ہیں کیونکہ اذان اور تکبیر جیسا کہ بتلایا گیا آنحضرت ﷺ کے مدینے تشریف لاتے کے بعد شریعت میں آئی ہیں اور یہ واقعہ ہجرت کے پہلے سال اور ایک قول کے مطابق دوسرے سال کا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ جب آنحضرت ﷺ معراج کی رات میں آسمانوں پر تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اذان کے الفاظ وحی کی صورت میں نازل فرمائے جن کو بعد میں آپ نے حضرت بلالؓ کو سکھلا دیا)

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن رجب کہتے ہیں کہ یہ موضوع اور من گھڑت حدیث ہے اسی طرح ایک حدیث اور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات میں آنحضرت ﷺ کو اذان سکھلائی۔ اس حدیث کی سند بھی متہم اور مشکوک ہے۔

تکبیر کی تعلیم ...... کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ تکبیر کے الفاظ آنحضرت ﷺ کو معراج کی رات میں بتلائے گئے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اذان یعنی اقامت و تکبیر سکھلانے کا

ارادہ فرمایا تو اس نے آپ کو معراج پر بلایا یہاں تک کہ آپ بلند ہوتے ہوتے اس حجاب اور پردے تک پہنچ گئے جو رحمٰن یعنی اللہ تعالیٰ سے بالکل قریب ہے۔ مراد یہ ہے کہ عرش الٰہی سے بالکل قریب ہے۔ اسی وقت اس پردے سے ایک فرشتہ نکلا اور اس نے کہا۔

الله اکبر . الله اکبر

اسی وقت حجاب کے پیچھے سے آواز آئی

"میرے بندے نے سچ کہا۔ میں سب سے بڑا ہوں۔ میں سب سے بڑا ہوں۔"

اس کے بعد فرشتے نے کہا

اشهد ان لا اله الا الله

حجاب کے پیچھے سے آواز آئی

"میرے بندے نے سچ کہا۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔"

پھر فرشتے نے کہا۔

اشهد ان محمد ارسول الله

اس پر حجاب کے پیچھے سے آواز آئی۔

میرے بندے نے سچ کہا۔ میں نے ہی محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔"

پھر فرشتے نے کہا۔ حی علی الصلاه . حیَ علی الفلاح . قد قامت الصلوه قد قامت الصلوه الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله

اس کے بعد فرشتے نے آنحضرت ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور آپ کو آسمان والوں کی نماز کا امام بنانے کے لئے آگے بڑھادیا۔

کتاب شفاء میں ہے کہ حجاب دراصل مخلوق کے حق میں حجاب تھا خالق کے حق میں کوئی حجاب نہیں تھا اس لئے کہ پردے اور حجاب میں چھپی ہوئی مخلوق ہے حق تعالیٰ کی ذات بابرکات نہیں ہے۔

(قال) ایک قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس رات حق تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔ اب اگر یہ قول صحیح ہے تو غالباً وہ دیدار دوسرے موقعہ پر ہوا ہے جب آنحضرت ﷺ کی نگاہوں پر سے یہ پردہ ہٹادیا گیا اور آپ نے اپنے رب کی زیارت فرمائی۔

حق تعالیٰ کی بیکراں مخلوقات...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے اس فرشتے کے متعلق پوچھا (جس نے اذان کے الفاظ آپ کے سامنے کہے تھے) تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔

"اس فرشتے کو میں نے بھی آج تک اس گھڑی سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

ایک روایت میں جبرئیل علیہ السلام کے الفاظ یہ ہیں۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا کہ میں اپنے مرتبہ میں تمام مخلوقات کے مقابلے میں سب سے زیادہ حق تعالیٰ کے قریب ہوں مگر جب سے میں پیدا کیا گیا اس وقت سے اس گھڑی تک میں نے بھی اس فرشتے کو نہیں دیکھا تھا۔"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ اور اس جگہ پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ جبرئیل علیہ السلام

بھی تھے جبکہ آگے بیان آئے گا کہ سدرہ المنتہی پر پہنچ کر جبرئیل علیہ السلام آپ سے جدا ہو گئے تھے (اور آنحضرت ﷺ آگے بڑھ گئے تھے) اس لئے یہ اختلاف قابل غور ہے۔ واللہ اعلم

(اس کے بعد آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میرے بیت المقدس پہنچنے پر وہاں پیغمبروں کی جماعت کو میرے سامنے لایا گیا اور اذان ہو گئی تو) وہ سب انبیاء اور دوسرے لوگ صفیں باندھ کر اس انتظار میں کھڑے ہو گئے کہ امامت کون کرے گا۔ اسی وقت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو آگے کر دیا اور آپ ﷺ نے ان سب کو دو رکعت نماز پڑھائی۔

اس سلسلے میں ایک روایت اور ہے کہ معراج کی رات میں جبرئیل علیہ السلام نے اذان دی تو فرشتوں نے خیال کیا کہ شاید جبرئیل علیہ السلام نماز پڑھائیں گے مگر انہوں نے مجھے آگے کر دیا اور میں نے نماز پڑھائی۔ اس روایت کے بارے میں علامہ ذہبی کا خیال ہے کہ یہ منکر بلکہ موضوع حدیث ہے۔

اس نماز سے آنحضرت ﷺ کے اونچے مقام اور بلند تر درجہ کا اعلان مقصود تھا کہ آپ امامت میں بھی سب سے مقدم ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب نماز کے لئے اقامت ہوئی تو وہ سب بڑھے یہاں تک کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو آگے کر دیا۔ اس روایت سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ پیغمبروں کے آنحضرت ﷺ کو آگے بڑھا دینے کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو آگے کیا ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے اذان کہی یعنی نماز کھڑی کی اور آسمان سے فرشتے اترے اور اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو زندہ کر کے آنحضرت ﷺ کے سامنے کیا۔

جہاں تک فرشتوں کے نازل ہونے اور تمام نبیوں کے زندہ کئے جانے کا تعلق ہے اس کی دلیل یہ روایت ہے کہ آپ کے سامنے آدم علیہ السلام اور آپ کے علاوہ دوسروں کو زندہ کیا گیا۔ اس روایت میں تمام نبی مراد ہیں جبکہ اس سے پہلے رسول کا ذکر ہوا ہے۔ اس طرح خاص کا ذکر کرنے کے بعد عام کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ نبی کے مقابلے میں رسول خاص ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام کے زندہ کئے جانے کے متعلق کتاب خصائص صغریٰ میں یہی بات کہی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے پیغمبروں کو زندہ کیا اور آپ نے ان کو اور فرشتوں کو نماز پڑھائی۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہی ہیں۔

اب اس آخری جملے سے شبہ ہوتا ہے کہ اگر انبیاء زندہ ہی ہیں تو ان کو زندہ کئے جانے اور آپ کے ان کو نماز پڑھانے کا کیا مطلب ہے مگر زندہ کئے جانے کے معنی پچھلی سطروں میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔

غرض اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ نماز پڑھا کر لوٹے تو جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے پوچھا۔

"اے محمد! کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن حضرات نے نماز پڑھی ہے؟"

آپ نے فرمایا۔ "نہیں تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا

ان تمام نبیوں نے جن کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا تھا۔"

(ی) نبی رسول کے علاوہ دوسرا ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ خود اس کی طرف ہی ظاہر فرماتا ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: پیچھے بیان ہوا ہے کہ کھڑے ہوئے اور سجدہ و رکوع کرنے والوں میں آنحضرت ﷺ نے ان نبیوں کو پہچانا جبکہ یہاں کہا گیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو ان کے بارے میں

بتلایا۔ مگر اس سے دونوں باتیں مراد ہو سکتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان میں سے اکثر کو خود پہچان لیا۔ یا یہ کہ جبرئیل علیہ السلام کے بتلانے کے بعد آپ نے ان کو پہچانا۔

علامہ قرطبی نے اپنے تفسیر میں ابن عباس کی حدیث بیان کی ہے کہ جب معراج کی رات میں آنحضرت ﷺ بیت المقدس پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے تمام نبیوں کو آپ کے سامنے جمع فرمایا۔ یہ سب سات صفوں میں تھے ان میں سے تین صفوں میں انبیاء مرسلین تھے اور باقی چار صفوں میں دوسرے تمام نبی تھے جو پچھلے نبیوں کی شریعتوں کی ہی تبلیغ فرماتے رہے تھے) اس جماعت میں آپ کی کمر کے بالکل پیچھے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ آپ کے دائیں جانب حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اور بائیں جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے۔ واللہ اعلم۔

فرشتوں سے آنحضرت ﷺ کا تعارف...... ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ بیت المقدس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرشتوں کو نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد فرشتوں نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا۔

"اے جبرئیل : آپ کے ساتھ یہ کون ہیں ؟"

جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔

"یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں۔"

فرشتوں نے پوچھا کہ کیا ان کو معراج کرانے کے لئے ہی بھیجا گیا ہے۔ یعنی اس بنیاد پر کہ معراج بھی اسراء کی رات میں ہی ہوئی۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہاہاں! تو انہوں نے کہا۔

"اللہ تعالیٰ اس عظیم بھائی اور خلیفہ کو سلامت رکھے یہ بڑے اچھے بھائی اور بڑے خلیفہ ہیں۔"

پیچھے جو روایت بیان ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے فرشتوں اور نبیوں دونوں کے ساتھ نماز پڑھی اس میں اور اس روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ صرف فرشتوں کے ہی یہ سوال کرنے کی وجہ سے اس روایت میں آنحضرت ﷺ نے نماز میں بھی ان فرشتوں ہی کا ذکر فرمایا۔ اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فرشتے آسمان سے بیت المقدس میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے نہیں آئے تھے۔

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ بظاہر آنحضرت ﷺ نے آسمانوں پر جانے سے پہلے انبیاء اور مرسلین کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی تھی جیسا کہ واقعہ کی تفصیل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ آپ نے اوپر جانے سے پہلے اور بعد میں دونوں دفعہ یہاں نبیوں کو نماز پڑھائی۔ کیونکہ حدیث کی تفصیل سے یہی معلوم ہوتا ہے اور اس کو ماننے میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے۔

بیت المقدس میں نماز کے متعلق ایک بحث...... (قال) بعض لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان انبیاء کو بیت المقدس میں نہیں بلکہ آسمانوں میں نماز پڑھائی تھی۔ یہ قول حذیفہ کا ہے انہوں نے بیت المقدس میں نماز پڑھانے کا انکار کیا ہے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اکثر روایتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بیت المقدس ہی میں نماز پڑھائی ہے اور بظاہر معراج سے واپسی کے بعد پڑھائی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ نے بیت المقدس میں صرف ایک مرتبہ ہی یعنی واپسی میں نماز پڑھی ہے کیونکہ آسمانوں پر پہنچنے کے بعد جب آپ ان نبیوں کے پاس سے گزرے تو ہر ایک کے متعلق آپ جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے تھے کہ یہ کون ہیں اور وہ آپ کو ان کے متعلق بتلاتے تھے ورنہ اگر آپ نے ان کے ساتھ آسمانوں پر جانے سے پہلے نماز پڑھی

ہوتی تو آپ ان کو پہچان لیتے کیونکہ یہ بات گزر بھی چکی ہے کہ بیت المقدس میں آپ نے رکوع سجدے کرنے والوں میں انبیاء کو پہچانا (جس سے معلوم ہوا کہ آپ ان کو اس سے پہلے آسمانوں میں دیکھ چکے تھے) کیونکہ تھوڑی ہی دیر پہلے آپ نے ان کو آسمانوں میں دیکھا تھا۔

یہ بات آنحضرت ﷺ کی شان کے مطابق بھی ہے کیونکہ سب سے پہلے آپ کی طلبی بارگاہ خداوندی میں تھی یہ بات اسی بناء پر کہ اسراء یعنی بیت المقدس کا سفر اور معراج دونوں ایک ساتھ ایک ہی رات میں ہوئی تھیں اب چونکہ آپ کی طلبی حق تعالیٰ کی جناب میں ہونے والی تھی اس لئے یہی بات مناسب اور آپ کی شان کے مطابق بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس سے پہلے راستے میں آپ کسی بھی دوسرے کام میں مشغول نہیں ہوئے ہوں گے (بلکہ سب سے پہلے باری تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہوئے ہوں گے) اور جب وہاں سے فارغ ہو گئے تب آپ اپنے دوسرے بھائیوں یعنی انبیاء سے ملے ہوں گے اور اسی وقت ان تمام انبیاء پر آپ کا شرف اور مرتبے کی بلندی ظاہر ہوئی اسی لئے انہوں نے آپ کو امامت کے لئے آگے بڑھایا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آسمانوں سے واپسی کے بعد بیت المقدس میں نماز پڑھی تھی جس کی دلیل یہ ہے کہ جب آپ آسمانوں پر پہنچے تھے تو آپ نے ہر نبی کے متعلق علیحدہ علیحدہ پوچھا تھا۔ مگر یہ دلیل کافی نہیں ہے کیونکہ جب اس کے خلاف حدیث موجود ہے تو صرف عقل بحث کے ذریعہ کسی حدیث کی تردید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر کا یہ قول پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ آپ نے آسمانوں پر جانے سے پہلے اور بعد میں دونوں دفعہ بیت المقدس میں نماز پڑھی جس کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے اس بات سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کہ پ نے آسمانوں میں نبیوں کے متعلق پوچھا تھا جبکہ آپ کچھ ہی دیر پہلے ان کے ساتھ نماز پڑھ چکے تھے نیز اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے کہ آپ ان کو بیت المقدس میں دیکھ چکے تھے کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا ان کو نماز پڑھانے کے وقت جبرئیل علیہ السلام نے ان نبیوں کا آپ سے تعارف کرا یا تھا۔ نیز یہ کہ آپ نے ان نبیوں میں سے اکثر کو نہیں بلکہ سب کو ہی بیت المقدس میں دیکھ لیا تھا۔ اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ پھر آپ آسمانوں میں ان انبیاء کو دیکھ کر کیوں نہیں پہچانے تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے آسمانوں میں یہ انبیاء ان صورتوں میں نہ ہوں جن صورتوں میں یہ بیت المقدس میں آئے تھے کیونکہ ظاہر ہے یہ سب انبیاء عالم برزخ میں ہیں اور عالم برزخ عالم مثال ہے جس کی تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں۔

چنانچہ بعض علماء نے صاف ہی لکھا ہے کہ آسمانوں میں آنحضرت ﷺ نے نبیوں کو جو دیکھا وہ دراصل ان کی روحوں کو دیکھا تھا سوائے عیسیٰ وادریس علیہما السلام کے کہ وہ اپنی اصلی حیثیت اور جسم میں نظر آئے اب جہاں تک بیت المقدس میں ان کو دیکھنے کا تعلق ہے تو اس میں دونوں باتیں ممکن ہیں کہ ہو سکتا ہے یہاں بھی آپ نے ان کی روحوں کو ہی دیکھا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں ان کو ان کے اصلی جسموں میں دیکھا ہو۔

جسموں کے ساتھ دیکھنے کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ میرے لئے آدم علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ میرے سامنے ان نبیوں کو بھی زندہ کر کے لایا گیا جن کے نام اللہ نے بتلائے ہیں اور ان نبیوں کو بھی جن کے نام اللہ تعالیٰ نے نہیں بتلائے پھر میں نے ان کو نماز پڑھائی۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آسمانوں پر پہنچنے سے پہلے بیت المقدس میں نبیوں سے ملنا

آنحضرت ﷺ کی شان کے مطابق نہیں کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ سے ملنے کے لئے جارہے تھے اس لئے راستے میں دوسرے کاموں میں مشغول ہونا سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ تو یہ دراصل آپ کو مانوس کرنے کے لئے تھا اور یہ بات آپ کی شان کے بالکل مطابق اور آپ کے حال کے بالکل مناسب تھی۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ نے یہاں جو نماز پڑھی اس کے بارے میں اختلاف ہے ایک قول ہے کہ یہ عشاء کی نماز تھی۔ یعنی وہ دو رکعت نماز جو آپ عشا کے وقت پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی اس بنیاد پر کہ آپ نے معراج یعنی آسمانوں پر جانے سے پہلے یہ نماز پڑھی مگر اس میں یہ شبہ ہے کہ آپ نے وہ دو رکعت نماز پڑھی تھی جو آپ صبح میں پڑھا کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت فجر طلوع ہو چکی تھی اور آپ معراج سے واپس آکر بیت المقدس میں تشریف لائے تھے لیکن یہ بات بیان ہو بھی چکی ہے اور آگے بھی آئے گی کہ صبح کی نماز آپ نے معراج سے واپس تشریف لانے کے بعد مکے میں پڑھی تھی۔

(قال) ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے مگر بظاہر یہ نماز جو آپ نے بیت المقدس میں پڑھی محض نفل نماز تھی (نہ صبح والی نماز تھی اور نہ شام والی تھی) اور ظاہر ہے نفل نماز کو جماعت سے پڑھنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس نماز کو عشاء یا صبح کی نماز کہنا کچھ صحیح نہیں ہے کیونکہ پانچ نمازوں میں سے سب سے پہلی جو نماز آپ نے پڑھی وہ ظہر کی تھی۔ مگر اس بارے میں کہا جا چکا ہے کہ عشاء یا صبح سے (موجودہ عشاء یا فجر کی نماز مراد نہیں ہے بلکہ) وہ دو رکعت والی نماز مراد ہے جو معراج سے پہلے آپ پر اتاری گئی تھی۔

اب جو شخص یہ کہے کہ آپ نے پانچ نمازوں کے نازل ہونے کے بعد پہلی نماز مکے میں نہیں پڑھی۔ یعنی آپ نے صبح کی نماز بیت المقدس میں پڑھی تو اس کو اس بات کی دلیل بھی دینی ہوگی جس سے معلوم ہو کہ بیت المقدس میں پڑھی جانے والی نماز پانچ نمازوں میں سے ایک تھی۔

<u>اسراء و معراج میں کتنا وقت لگا</u>...... کتاب زین القصص میں ہے کہ معراج میں آنحضرت ﷺ کے جانے اور آنے میں تین گھڑی وقت لگا ایک قول ہے کہ چار گھڑی رات باقی رہ گئی تھی۔ مگر علامہ سبکیؒ نے کہا ہے کہ یہ سارے کام ایک لمحے میں ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے قصیدے میں کہا ہے۔

وعدت و کل الا مر فی قدر لحظته

یعنی آپ کے جانے آنے میں کچھ بھی عرصہ نہ لگا کیونکہ اللہ تعالیٰ تھوڑے سے وقت کو بہت لمبا کردینے پر قادر ہے جبکہ وہ جس کے لئے چاہے ایک لمبے زمانے کو سمیٹ دینے پر قدرت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس امت کے بہت سے اولیاء اللہ کے لئے بھی حق تعالیٰ نے ایک مختصر سے وقت کو پھیلایا ہے جس میں بڑے بڑے دور اور زمانے سمٹ کر آگئے۔ اس بارے میں بہت سے واقعات بھی مشہور ہیں۔

<u>**دودھ اس امت کے لئے خیر کی علامت ہے**</u>...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

"پھر میرے سامنے دو برتن لائے گئے جن میں سے ایک میں سرخ چیز تھی اور ایک میں سفید چیز تھی۔ میں نے ان میں سے سفید کو پی لیا۔ اسی وقت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا۔

"آپ نے دودھ پیا ہے اور شراب کو چھوڑ دیا ہے اگر آپ شراب پی لیتے تو آپ کی امت مرتد ہو جاتی اور شراب میں ڈوب جاتی۔"

شراب سے اس امت کی اکثریت کو دور کر دیا گیا...... اس بات کی دلیل اگلی حدیث ہے جو بخاری میں ہے کہ اسراء یعنی اس سفر کی رات میں ایلیاء کے مقام پر آنحضرت ﷺ کے سامنے دو پیالے لائے گئے جن میں سے ایک میں دودھ تھا اور ایک میں شراب تھی آپ نے ایک نظر ان دونوں کو دیکھا اور پھر دودھ کا پیالہ اٹھالیا۔ اسی وقت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کو فطرت اور راستی کی طرف رہنمائی ہوئی۔ اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت ڈگمگا جاتی اور ان میں سے آپ کی فرمانبر داری کرنے والے بہت تھوڑے رہ جاتے۔ یعنی اب جس طرح آپ نے شراب سے ہاتھ کھینچ لیا اسی طرح آپ کی امت بھی شراب سے دور رہے گی۔

گویا یہاں مرتد ہونے سے مراد یہ ہے کہ امت کے لوگ ہر صحیح بات سے ہٹ جاتے۔ یہ پیالے آپ کے سامنے اسی وقت لائے گئے تھے جب کہ آپ بیت المقدس کی مسجد میں ہی تھے۔ آگے روایت آئے گی کہ یہ پیالے آپ کے سامنے مسجد سے روانہ ہونے کے بعد اور آسمانوں پر جانے سے پہلے بھی لائے گئے تھے۔

قریش کو یہ واقعہ سنانے کا عزم...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میں براق پر سوار ہوا اور لمحے بھر میں ہی میں مکے واپس پہنچ گیا۔ جبرئیل علیہ السلام اس وقت بھی میرے ساتھ تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ام ہانی کو اسراء کا یہ واقعہ سنانے کے بعد ان سے فرمایا۔

"میں چاہتا ہوں کہ قریش کے پاس جاؤں اور یہ پورا واقعہ ان کو سناؤں۔"

ام ہانی کی پریشانی...... حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ یہ سنتے ہی میں آنحضرت ﷺ کی چادر کا دامن پکڑ کر کھڑی ہو گئی اور آپ سے کہنے لگی۔

"بھائی۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ آپ قریش سے اس واقعہ کا ذکر نہ کریں کیونکہ جو لوگ آپ کی نبوت مان چکے ہیں مجھے ڈر ہے وہ بھی آپ کو جھوٹا سمجھنے لگیں گے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ میں اللہ عزوجل کا نام لے کر آپ سے کہتی ہوں کہ آپ ایسی قوم کے پاس جارہے ہیں جو آپ کو جھٹلائے گی اور آپ کی بات کو کبھی نہیں مانے گی۔ اس لئے مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ لوگ آپ پر کامیاب نہ ہو جائیں۔"

آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر ہاتھ سے اپنی چادر کو جھٹکا دیا اور میرے ہاتھ سے چھڑا لیا اور اس کو اپنے پیٹ تک کھینچ لیا۔ اسی وقت میری نظر چادر کے اوپر آپ کی پیٹ کی سلوٹوں پر پڑی میں نے دیکھا کہ وہ ایسی لگتی تھیں جیسے کاغذ کی تہیں ہوں۔ آپ کے دل کے پاس سے ایک ایسا نور پھوٹ رہا تھا جس سے بصریٰ تک جگمگا اٹھے میں یہ صورت دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑی پھر جب میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ جا چکے تھے۔ میں نے فوراً اپنی باندی نبعہ سے کہا جو حبشی تھی۔ یہ باندی مسلمان ہو گئی تھی۔

"ان کے پیچھے پیچھے جاؤ اور دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔"

تعاقب اور خبر رسانی...... جب وہ واپس آئی تو اس نے مجھے بتلایا کہ آنحضرت ﷺ قریش کے ایک گروہ کے پاس پہنچ جو حرم میں حطیم کے مقام پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ جگہ کعبے کے دروازے اور حجر اسود کے بیچ میں تھی بعض علماء نے لکھا ہے کہ رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان ہے اس جگہ کو حطیم اس لئے کہا جاتا ہے کہ حطم کے معنی ایک دوسرے پر بھیڑ کرنا ہیں اور یہاں بھی مجمع کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں دعا کے قبول ہونے کی بشارت دی گئی ہے ایک قول ہے کہ جس نے اس جگہ گناہ کے لئے کوئی عہد کیا اس کو اس کا انجام بہت جلد مل جاتا ہے۔ کبھی حطیم حجر کو بھی کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

دشمنوں کے سامنے واقعہ کا بے تکلف اظہار...... یہ قریشی لوگ جن کے پاس آنحضرت ﷺ تشریف لائے تھے یہ مطعم ابن عدی ابو جہل ابن ہشام اور ولید ابن مغیرہ غرض ان کے پاس آکر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"میں نے عشاء کی نماز۔ یعنی وہ نماز جو اس وقت عشاء کے وقت میں پڑھی جاتی تھی۔ اس مسجد یعنی مسجد حرام میں پڑھی اور پھر صبح کی نماز بھی۔ یعنی وہ نماز جو صبح کے وقت میں پڑھی جاتی تھی کیونکہ عشاء اور صبح کی نمازیں اس وقت تک فرض نہیں ہوئی تھیں۔ میں نے اسی مسجد میں پڑھی اور اس دوران یعنی ان دونوں نمازوں کے درمیان میں بیت المقدس میں گیا۔"

یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ پھر ان دونوں وقتوں کے درمیان ایک لمحہ بھر میں میں بیت المقدس میں ہو آیا جبکہ اس تعبیر سے لوگوں کے کان آشنا بھی نہیں تھے۔

(قال) حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ واقعہ سنانے کے لئے آنحضرت ﷺ مسجد میں داخل ہوئے اور آپ نے محسوس فرمایا کہ لوگ آپ کو جھٹلائیں گے ادھر آپ اس واقعہ کو لوگوں کے سامنے بتلانا بھی چاہتے تھے کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کی قدرت اور خود آپ کے اونچے مقام کا اظہار تھا۔ اس لئے آپ وہیں ایک طرف رنجیدہ ہو کر خاموش بیٹھ گئے اسی وقت دشمن خدا ابو جہل آپ کے پاس سے گزرا۔ وہ آپ کو دیکھ کر وہیں آپ کے پاس بیٹھ گیا اور مسخرے پن کے ساتھ بولا۔

"کیا کوئی نئی بات ہوئی ہے؟"

آپ نے فرمایا۔

"ہاں۔ مجھے رات سفر کرایا گیا ہے۔"

ابو جہل نے پوچھا۔ "کہاں کا؟" آپ نے فرمایا "بیت المقدس کا"

ابو جہل بولا۔

"اور پھر صبح یہیں ہمارے درمیان میں ہوئی۔"

قریش کا رد عمل ...... آپ نے فرمایا "ہاں! ابو جہل نے ایک دم آپ کو جھٹلایا نہیں بلکہ اس نے سوچا کہ اور لوگوں کو بلا کر ان کو بھی یہ بات سنواؤں کیونکہ اگر ابھی میں نے اس واقعہ کو جھٹلا دیا تو شاید دوسرے لوگوں کے سامنے آنحضرت ﷺ اس واقعے سے انکار فرمادیں اس لئے وہ آپ سے کہنے لگا۔

"کیا رائے ہے کہ میں تمہاری قوم کے دوسرے لوگوں کو بھی بلا لوں اور پھر تم یہی بات ان کو بھی سناؤ جو مجھے سنائی ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں بلا لو!

ابو جہل نے فوراً سب کو بلانے کے لئے پکارا۔

"اے بنی کعب ابن لوی کے گروہ!"

یہ آواز سنتے ہی سب لوگ اپنی اپنی مجلسوں سے اٹھ گئے اور یہاں آکر آنحضرت ﷺ اور ابو جہل کے پاس بیٹھ گئے اب ابو جہل نے آپ سے کہا۔

"اپنی قوم کو وہی سب کچھ اب پھر بتلاؤ جو تم نے ابھی مجھ سے بتلایا تھا۔"

آپ نے فرمایا کہ آج رات میں نے سفر کیا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہاں کا؟ آپ نے فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کی زبانی عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ ...... میں بیت المقدس گیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ وہاں پچھلے نبیوں کی ایک جماعت کو دوبارہ زندہ کر کے میرے سامنے لایا گیا۔ ان میں ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام تھے میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی اور پھر ان سے باتیں کیں۔"

ابو جہل نے تمسخر آمیز انداز میں کہا کہ مجھے ان پیغمبروں کے حلیے بتلاؤ۔ آپ نے فرمایا۔

"جہاں تک عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو وہ نہ لمبے ہیں اور نہ پستہ قد ہیں بلکہ میانہ قد کے ہیں سینہ چوڑا اور سرخ و سفید رنگ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے رنگ میں سرخی غالب ہے اور ایسا لگتا تھا جیسے ان کی داڑھی سے نور کے موتی برس رہے ہیں۔ ایک روایت میں ہے گویا وہ کسی دیماس یعنی اندھیری جگہ یا غسل خانہ سے نکل آئے ہوں۔"

حمام ...... دیماس کے معنی حمام ہیں جہاں سے آدمی شرابور ہو کر نکلتا ہے۔ دمس اصل میں اندھیرے اور تاریکی کو کہتے ہیں چنانچہ اندھیری رات کو لیل دامس کہتے ہیں حمام عربی کا لفظ ہے (جس کے معنی گرم پانی کا چشمہ ہیں) اس کو سب سے پہلے جنات نے ایجاد کیا تھا اور سلیمان علیہ السلام کے لئے تیار کیا تھا۔ ایک قول ہے کہ اس کا موجد بقراط تھا اور ایک قول ہے کہ بقراط سے پہلے کے کسی شخص نے ایک آدمی کا تجربہ دیکھا کہ اس کو جوڑوں کے درد کا عارضہ تھا۔ وہ اتفاق سے گرم پانی کے ایک چشمہ میں گر پڑا جو ایک گڑھے میں تھا۔ اس کو اسی دم اس پانی سے سکون محسوس ہوا تو وہ اس کو برابر استعمال کرنے لگا یہاں تک کہ کچھ ہی عرصہ میں اس کو آرام ہو گیا۔

مختلف سندوں سے ایک روایت ہے جو سب ضعیف سندیں ہیں مگر مختلف سندوں میں کچھ راوی مضبوط یعنی قابل اعتبار بھی ہیں۔ اس روایت میں ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام حمام میں داخل ہوئے اور انہوں نے اس پانی کی گرمی اور شدت محسوس کی تو وہ ایک دم کہہ اٹھے۔

"اللہ کے عذاب سے پناہ ہو!"

کیونکہ حمام یعنی گرم پانی کے چشمے میں داخل ہونا جہنم کی یاد دلاتا ہے اس لئے کہ حمام یعنی گرم پانی کا چشمہ دوزخ سے سب سے زیادہ مشابہ چیز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس چشمے کی تلی میں آگ ہوتی ہے اور اس کی اوپر کی تہہ میں سیاہی اور ظلمت ہوتی ہے۔ ایک قول ہے کہ بہترین حمام وہ ہے جس کی بناء آگے نکلی ہوئی ہو جو کشادہ ہو اور جس کا پانی میٹھا ہو۔ جہاں تک حمام کی بناء یا موت کے پرانے ہونے کا تعلق ہے تو یہ سات برس کے بعد پرانا ہو جاتا ہے۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب کے علاقہ میں آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے لوگ حمام سے واقف نہیں تھے بلکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب صحابہ نے عجم کے علاقے فتح کئے تو انہوں نے حمام دیکھے۔ مگر اس پر بخاری کی ایک روایت سے شبہ ہوتا ہے جیسے حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ صحابہ سے فرمایا۔

"کیا تم ایسی کوٹھڑی کو جانتے ہو جس کو حمام کہا جاتا ہے؟"

صحابہ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! ہاں اس سے بدن کا میل کچیل دور ہوتا ہے اور بیماروں کو فائدہ ہوتا ہے۔"

آپ نے فرمایا کہ اس میں بدن ڈھانپ کر جایا کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس کوٹھڑی سے بچے رہو جس کو حمام کہتے ہیں اس پر صحابہ نے وہی بات کہی جو اوپر بیان ہوئی اور یہ بھی کہا کہ یہ دوزخ کی یاد دلاتا ہے اس پر آپ نے فرمایا۔

"اگر تم حمام کو ضرور ہی استعمال کرو تو جو بھی اس میں داخل ہو وہ بدن کو ڈھانپ کر رکھے۔"

(یہاں جن حماموں کا ذکر ہو رہا ہے وہ مخصوص قسم کے حمام ہوتے تھے جو گرم پانی کے چشموں پر بنائے جاتے تھے ان میں مرد و عورت سب داخل ہو جاتے تھے اور اسی بے حیائی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان میں داخل ہونے سے روکا ہے۔ عام حمام اور غسل خانے مراد نہیں ہیں)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بھی صحابہ حمام سے واقف تھے مگر ممکن ہے کہ صحابہ نے حمام کے بارے میں یہ بات دوسروں سے سنی ہو جبکہ پچھلی روایت میں اس بات کا انکار ہے کہ وہ خود کبھی حمام میں نہیں گئے تھے۔ چنانچہ اس بات کا اندازہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے کہ ایسی کوٹھڑی جس کو حمام کہتے ہیں یا ایک حدیث میں ہے۔

"عنقریب تم عجم کے ایسے علاقے فتح کرو گے جہاں تم میں ایسی کوٹھڑیاں ملیں گی جن کو حمام کہا جاتا ہے۔"

حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جحفہ کے حمام میں گئے ہیں مگر اس سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس کو صحیح ماننے کی صورت میں ہی شبہ ہو سکتا ہے اور اس حمام سے مراد صرف غسل خانہ ہے وہ خاص انداز کا حمام نہیں جس کا ذکر ہو رہا ہے۔

اسی طرح معجم طبرانی میں ابو رافع سے ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ ایک جگہ سے گزرے تو آپ نے فرمایا کہ یہ جگہ حمام کے لئے بہت اچھی ہے چنانچہ وہاں حمام بنا دیا گیا۔ اس روایت سے بھی یہ شبہ نہیں پیدا ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں حمام تھے کیونکہ ہو سکتا ہے اس جگہ آپ کی وفات کے بعد حمام بنایا گیا ہو۔ ادھر یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں شمار ہوگا (کہ آپ نے اس جگہ کو حمام کے لئے مناسب سمجھا اور وہاں گرم پانی کا چشمہ حقیقت میں نکل آیا)

بعض علماء نے کہا ہے کہ شاید یہ بات آنحضرت ﷺ نے اس جگہ کی برائی ظاہر کرنے کے لئے کہی ہو چنانچہ وہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ روایت صرف حمام کی فضیلت کو ہی ظاہر کرتی ہے اس جگہ کی فضیلت کو ظاہر نہیں کرتی۔ مگر یہ بات صرف اسی حدیث کی بنیاد پر نہیں کہی گئی بلکہ بخاری میں ابن عباسؓ کی ایک روایت سے بھی وہ حضرات حمام کی فضیلت ثابت کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ حمام میل کچیل کو دور کرتا ہے اور بیماروں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

مسند احمد میں ام درداء سے روایت ہے کہ ایک دن میں حمام میں سے نکلی تو آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی آپ نے پوچھا ام درداء کہاں سے آرہی ہو۔ میں نے کہا حمام میں سے۔ گویا اس حدیث سے بھی آنحضرت ﷺ کے زمانے میں حمام کا وجود ثابت ہوتا ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد صرف غسل خانہ ہے وہ خاص انداز کا حمام نہیں جس کی بحث ہو رہی ہے۔

مسند فردوس میں ابن عمرؓ سے ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ حمام میں سے

نکلے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تمہارا حمام پاک ہے۔ اس روایت کے متعلق بھی وہی جواب دیا جاتا ہے۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کبھی حمام میں نہیں گئے اور شاید آپ نے حمام کو اس خاص شکل میں کبھی دیکھا بھی نہیں۔ یہاں تک ابن قیم کا حوالہ ہے۔

فرقہ نخی سے روایت ہے کہ کوئی نبی بھی کبھی کسی حمام میں نہیں گیا۔ مگر اس سے پہلے سلیمان علیہ السلام کے متعلق ایک روایت بیان ہو چکی ہے جس کی وجہ سے اس روایت میں اشکال ہوتا ہے ابن قیم کا جو قول گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کوئی حمام نہیں دیکھا۔ اس کے جواب میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ ملک شام میں تشریف لے گئے تھے اور وہاں ایسے حمام بہت تھے اس لئے یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں ہے کہ آپ نے وہ حمام دیکھے ہی نہ ہوں ہاں ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ آپ ان حماموں میں سے کسی میں خود بھی گئے۔

اس پر بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ شام کے علاقے میں صرف بصریٰ میں گئے ہیں اس لئے ممکن ہے اس وقت بصریٰ میں حمام نہ موجود ہوں۔

طبرانی میں ابن عباس سے ایک مرفوع حدیث ہے کہ

"سب سے بدترین گھر حمام ہے کہ اس میں آواز اونچی ہو جاتی ہے اور ستر یعنی بدن کے پوشیدہ حصے کھل جاتے ہیں اس لئے جو شخص بھی حمام میں جائے وہ بدن یعنی ستر کو ڈھانپ کر رکھے۔"

اس حدیث کے راوی سب صحیح ہیں صرف ایک راوی میں کچھ کلام ہے مگر اس سلسلے میں امام غزالی کا قول بہت عمدہ ہے کہ روایت ہے کہ

"حمام بڑا اچھا گھر ہے جو بدن کو پاک کرتا ہے میل کچیل کو دور کرتا ہے اور دوزخ کی یاد دلاتا ہے اور برا گھر بھی حمام ہی ہے کہ اس میں بدن کے پوشیدہ حصے یعنی ستر کھل جاتا ہے اور شرم جاتی رہتی ہے۔"

گویا اس حدیث کے پہلے حصہ میں حمام کے فائدوں کا ذکر کیا گیا اور دوسرے حصے میں حمام کے نقصانات کا ذکر کیا گیا۔ لہٰذا اگر برائیوں سے بچتے ہوئے ایک ہی جگہ سے کوئی فائدہ حاصل کر لیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

گویا حمام کے سلسلے میں پانچوں احکام شامل ہیں۔ یعنی یہ واجب بھی ہوگا حرام بھی ہوگا۔ مندوب بھی ہوگا مکروہ بھی ہوگا اور مباح بھی ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک اس سلسلے میں اصل یہ ہے کہ یہ مردوں کے لئے اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ بدن کے پوشیدہ حصے ڈھکے ہوئے ہوں اور عورتوں کے لئے پوشیدہ حصوں کو چھپانے کے باوجود مکروہ ہے اگر کوئی عذر نہ ہو چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ عورتوں میں سے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کو چاہئے کہ حماموں میں داخل نہ ہو۔ اور یہ کہ پوشیدہ حصوں کو ڈھانپے بغیر عورتوں کا حمام میں داخل ہونا حرام ہے چنانچہ اسی بات کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ میری امت کی عورتوں پر حمام حرام ہے۔

قاہرہ میں سب سے پہلے جس نے حمام جاری کیا وہ فاطمی خاندان کا بادشاہ عبدالعزیز ابن مغر عبیدی تھا۔ بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ حمام کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کا صرف یہ ارشاد ہی مضبوط ہے اور بھروسہ

کے قابل ہے جو آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کے حلیے کے سلسلے میں فرمایا تھا کہ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ابھی حمام سے نکلے ہوں بعض دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ اس سلسلے میں سب سے زیادہ صحیح حدیث صرف یہ ہے کہ اس گھر سے بچو جس کو حمام کہا جاتا ہے۔ اس میں جو شخص داخل ہو وہ اپنے بدن کو ڈھانپ کر جائے۔

(اصل بیان اس کا چل راہ ہے کہ ابو جہل کے پوچھنے پر آنحضرت ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بتلایا تھا) ان کے حلیئے کے سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت یہ ہے کہ وہ آدم کے یعنی گندمی رنگ کے تھے۔ پھر انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے حلیے میں ان کا رنگ سرخ نہیں بتلایا تھا۔ بلکہ آپ نے فرمایا تھا کہ ان کا رنگ گندم گوں تھا مگر راوی کو اس بارے میں مغالطہ ہو گیا اور اس نے یہ نقل کیا کہ ان کا رنگ سرخ تھا)

اس کا جواب دیتے ہوئے امام نودی کہتے ہیں کہ راوی کی مراد سرخی کی حقیقت نہیں ہے بلکہ وہ رنگ ہے جو سرخی کے قریب قریب ہی ہوتا ہے اب سرخی کا قریبی رنگ گندمی ہوتا ہے (یعنی سرخ اگر ہلکی ہو تو وہ گندمی رنگ کہلائے گی) چنانچہ ایسے رنگ کو تعبیر کرنے کے لئے گندمی رنگ کہا جاتا ہے جیسا کہ سرخ رنگ بھی کہا جاتا ہے۔

غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بتلاتے ہوئے مزید فرمایا کہ ان کے بال گھونگریالے تھے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: بعض دوسری روایتوں میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کے لئے گھونگریالے کا لفظ آیا ہے اور اس میں ہے کہ اچانک عیسیٰ علیہ السلام نظر آئے جو گھونگھریالے تھے۔ یہاں خود عیسیٰ علیہ السلام کو گھونگریالے کہنے کا مطلب یہی ہے کہ ان کے بال گھونگھریالے تھے کہ عربی میں بالوں کے گھونگر کو جعد کہتے ہیں) مگر امام نودی کہتے ہیں کہ یہاں عیسیٰ علیہ السلام کو جعد کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا جسم بھرا ہوا اور مضبوط تھا۔ اس سے بالوں کے گھونگھر مراد نہیں ہیں۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔ واللہ اعلم

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بالوں کے رنگ میں سرخی زیادہ تھی جیسے عروہ ابن مسعود ثقفیؓ کے بال ہیں۔

یہ عروہ ثقفی طائف کے قبیلہ ثقیف کے تھے آنحضرت ﷺ کے طائف سے آنے کے بعد اور آپ کے ہجرت کر کے مدینے پہنچنے سے پہلے یہ آنحضرت ﷺ کے پاس آکر مسلمان ہو گئے تھے اور ساتھ ہی رہنے لگے تھے پھر کچھ عرصہ بعد یہ اپنی قوم یعنی قبیلہ ثقیف میں واپس پہنچے اور ان کو اسلام کی تبلیغ شروع کی مگر قوم کے لوگوں نے ان کو قتل کر دیا ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

"اپنی قوم میں ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسی قوم یسین کے بزرگ کی تھی۔"

<u>موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ</u> ...... اس کا تفصیلی واقعہ آگے آئے گا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بتلاتے ہوئے فرمایا۔

"جہاں تک موسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو وہ موٹے اور گندمی رنگ کے تھے۔ چنانچہ اسی لئے معجزے کے طور پر ان کے ہاتھ کا رنگ بالکل سفید ہو جاتا تھا جو ان کے بدن کے باقی رنگ کے خلاف تھا اور یہ ان کی نشانی یعنی معجزہ ظاہر کرتا تھا۔ ان کا قد اتنا لمبا تھا کہ وہ قوم شنودہ کے آدمی معلوم ہوتے تھے۔"

یہ شنودہ یمن کا ایک گروہ تھا۔ یہ لوگ اپنی نسبت ایک شخص شنودہ کی طرف کرتے تھے۔ یہ شنودہ نامی شخص کعب ابن عبداللہ تھا جو ازد کی اولاد میں سے تھا (شنودہ اصل میں شنان سے بنا ہے جس کے معنی دشمن اور دشمنی رکھنے والے کے ہیں) کعب کو شنورہ کا لقب اس لئے دیا گیا کہ اس کے اور اس کے گھر والوں کے درمیان زبردست دشمنی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کو شنورہ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ گندے اور کمتر لوگوں سے بہت پرہیز کرتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے حلیئے میں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ ان کا قد اتنا لمبا تھا جیسا عمان کے خاندان ازد کا ہوتا ہے۔ یہ ازد یمن کے ایک خاندان کا مورث اعلی تھا۔ عمان یمن کا ایک شہر ہے اس کو عمان اس لئے کہا گیا کہ سب سے پہلے یہاں آنے والا شخص جس کی وجہ سے یہ بستی آباد ہوئی عمان ابن سنان تھا یہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ دوسرا شہر عمان ہے جس میں ع پر زبر ہے یہ شام کا ایک شہر ہے۔ اس کا نام عمان اس لئے پڑا کہ اس کو آباد کرنے والا شخص عمان ابن لوط تھا۔ جیسے ایک خاص گروہ کے لوگوں کو جو ازد کی اولاد میں ہیں عمان کے ازد کہا جاتا ہے اسی طرح شنورہ کے ازد بھی کہا جاتا ہے خاندان ازد میں ہر شخص کا قد بہت لمبا ہوتا تھا اور یہ لوگ اس خصوصیت میں مشہور تھے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کے حلیے میں بتلایا کہ ان کے بال گھنے تھے آنکھیں گہری اور تیز تھیں ہموار دانت ابھرے ہوئے ہونٹ اور پُر گوشت مسوڑھے تھے۔

<u>ابراہیم علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ</u>...... اور جہاں تک ابراہیم علیہ السلام کا تعلق ہے تو خدا کی قسم وہ صورت شکل اور مزاج کے لحاظ سے انسانوں میں مجھ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے تھے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کے سوا کسی کو ایسا نہیں دیکھا جو تمہارے ساتھی یعنی خود آپ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہو اور نہ تمہارے ساتھی کو ان سے زیادہ کسی سے مشابہت رکھنے والا پایا۔

<u>مشرکین کی طرف سے تمسخر اور مذاق</u>...... یہ بات اور یہ واقعہ سن کر قریش کے لوگوں نے بہت شور مچایا اور انہیں اس پر بہت ناگواری ہوئی چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ آپ کا مذاق بنانے کے لئے سیٹیاں بجانے لگے اور کچھ لوگ حیرت کا اظہار کرنے کے لئے آپ کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ آخر مطعم ابن عدی بولا۔

"آج سے پہلے جب تک تم نے یہ بات نہیں کہی تھی اس وقت تک بھی تمہارا معاملہ کچھ زیادہ سخت نہیں تھا مگر اب میں گواہی دیتا ہوں کہ تم جھوٹے ہو۔ بیت المقدس پہنچنے کے لئے مہینوں چڑھائیاں چڑھنے اور پہاڑوں سے اترنے میں ہمارے اونٹوں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں اور تم یہ کہتے ہو کہ تم ایک ہی رات میں وہاں ہو کر آ بھی گئے۔ لات اور عزیٰ کی قسم نہ میں تمہاری کبھی تصدیق کر سکتا ہوں اور نہ اس بات کی جو تم نے کہی ہے۔"

وہاں حضرت ابو بکرؓ بھی موجود تھے انہوں نے مطعم سے کہا۔

"اے مطعم! تو نے اپنے بھتیجے کو بہت بری بات کہی اور ان کے ساتھ بہت بری طرح پیش آیا۔ تو ان کو جھوٹا کہتا ہے مگر میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ سچے ہیں۔"

ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے سامنے یہ واقعہ سنایا تو کچھ وہ لوگ بھی

مرتد ہو کر اسلام سے پھر گئے جو آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ مگر اس سلسلے میں کتاب مواہب میں یہ ہے کہ یہ سن کر صدیق اکبر اور ان سب لوگوں نے آپ کی تصدیق کی جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکے تھے۔ مگر پچھلی روایت کی روشنی میں اس قول پر شبہ ہوتا ہے ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سب سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام پر ثابت قدم ہو چکے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کو واقعہ کی اطلاع...... ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ سن کر مشرکوں میں سے بہت سے لوگ حضرت ابو بکرؓ کے پاس دوڑے گئے اور ان سے کہنے لگے کیا تمہیں خبر بھی ہے کہ تمہارے صاحب آج یہ کہہ رہے ہیں کہ رات انہوں نے بیت المقدس تک سفر کیا ہے۔"

فوری تصدیق...... حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں!"

تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔

"اگر آنحضرت ﷺ نے یہ بات فرمائی ہے تو بے شک آپ نے سچ فرمایا ہے۔"

مشرکوں نے کہا

"کیا تم اس بات پر یقین کرتے ہو کہ وہ بیت المقدس گئے بھی اور صبح ہونے سے پہلے واپس بھی آگئے۔"

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا

"میں تو ان کی اس بات پر بھی یقین کرتا ہوں جو اس سے بھی زیادہ آگے کی ہے کہ ان کے پاس پل بھر میں آسمان سے خبر یعنی وحی آتی ہے!"

یعنی تم اسی بات پر تعجب کر رہے ہو جب کہ یہ بات اس سے بھی زیادہ تعجب اور حیرانی کی ہے کہ آپ کے پاس ذرا سی دیر میں ایک فرشتہ آسمان سے خبریں لے کر آتا ہے میں اس بات پر بھی یقین رکھتا ہوں!

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حضرت ابو بکرؓ نے مطعم سے جو وہ بات کہی ہے جس کا پیچھے ذکر ہوا وہ اس کے بعد کہی ہوگی یعنی جب ان کے مکان پر مشرکوں کے ذریعہ انہیں آنحضرت ﷺ کے بیت المقدس جانے کا حال معلوم ہوا اور اس کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کے پاس گئے تب انہوں نے یہ بات کہی لہذا ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کا سفر فرمانے اور قریش سے اس واقعے کا ذکر فرمانے کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

حظی المسجد الحرام بممشاه
ولم یش حظه ایلیاء
ثم رانی یحدث الناس شبکرا
اذا تته من ربه النعماء

مطلب: ساری مسجد حرام کو اپنے اندر آنحضرت ﷺ کے چلنے پھرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اس کو بقیہ تمام جگہوں سے اس سعادت میں بھی فضیلت حاصل ہے پھر مسجد اقصیٰ کو بھی آنحضرت ﷺ کے چلنے پھرنے کی سعادت کا حصہ ملا اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا اور وہ بھی باقی دونوں مسجدوں کے ساتھ اس فضیلت میں برابر ہو گئی اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ واپس مکے میں تشریف لے آئے تو آپ نے اس رات میں ملنے والی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے طور پر لوگوں کے سامنے اس کا ذکر فرمایا۔

مشرکوں کی طرف سے ثبوت کا مطالبہ...... (غرض جب ابو جہل کے پوچھنے پر آنحضرت ﷺ نے

عیسٰی علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے حلیے صحیح صحیح بتلادیئے) تواب مطعم ابن عدی نے آپ سے کہا۔
"اے محمد! ہمیں بیت المقدس کا نقشہ اور تفصیل بتلاؤ!"
اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح آنحضرت ﷺ کا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔ مگر ایک قول یہ ہے کہ یہ سوال حضرت ابو بکرؓ نے کیا تھا اور انہوں نے مشرکوں کے سامنے آپ سے عرض کیا۔
"مجھے بیت المقدس کا نقشہ بتلایئے کیونکہ میں وہاں جاچکا ہوں۔"

آنحضرت ﷺ کی طرف سے بیت المقدس کی نقشہ کشی......اس سوال سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح سب لوگوں کے سامنے آنحضرت ﷺ کی سچائی ظاہر ہو جائے گی چنانچہ آپ نے فرمایا۔
"میں رات کے وقت میں بیت المقدس پہنچا اور رات ہی میں وہاں سے واپس ہوا۔"
آپ نے اتنا ہی فرمایا تھا کہ اسی وقت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور انہوں نے پورا بیت المقدس آپ کی نظروں کے سامنے کر دیا چنانچہ آپ اس کو دیکھتے رہے اور لوگوں کو بتلاتے رہے کہ اس کا ایک دروازہ ایسا ہے جو فلاں جگہ ہے۔ ایک دروازہ ایسا ہے جو فلاں جگہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ
اس طرح آپ بیت المقدس کے متعلق صحیح صحیح باتیں بتلاتے رہے اور حضرت ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ کی ہر اطلاع پر یہ کہتے رہے۔
"آپ نے سچ کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔"
یہاں تک کہ آپ نے خاص مسجد کا نقشہ بتلانا شروع کیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ قریش میں سے جو بھی بیت المقدس جاچکا تھا اس نے آپ کی بتلائی ہوئی ہر ہر تفصیل کی تصدیق کی۔

بیت المقدس آپ کی نگاہوں کے سامنے......ایک روایت میں ہے کہ جب قریش نے مجھے جھٹلایا اور مجھ سے بیت المقدس کے متعلق ایک ایک چیز کی تفصیلات پوچھنی شروع کیں جن کو میں دیکھ بھی نہیں سکا تھا تو مجھے سخت تکلیف اور تنگی پیش آئی یہاں تک کہ میں اٹھ کر حجر اسود کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے پروں پر بیت المقدس کی تصویر میری نگاہوں کے سامنے اجاگر کر دی یعنی اس کی مثالی شکل نظروں کے سامنے آگئی۔
ایک روایت میں ہے کہ بیت المقدس کو یعنی اس کی تصویر کو میرے سامنے لے آیا گیا میں اس کو دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ جبرئیل کے پروں پر میرے سامنے رکھ دیا گیا۔
ان دونوں روایتوں کی تفصیل سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ مسجد کا اس طرح نظروں کے سامنے کر دیا جانا تمثیل کے باب یعنی مثالی شکل کی ایک نوعیت ہے۔ یہ ایسی ہی مثال ہے جیسی کہ جنت اور دوزخ کو ایک دیوار میں ظاہر فرمادیا گیا تھا یہ مراد نہیں ہے کہ فاصلے کو سمیٹ دیا گیا تھا اور زمین کو لپیٹ کر وہ حجابات اور پردے اٹھا دیئے گئے تھے جو درمیان میں حائل ہوتے ہیں اور چیز کو دیکھنے نہیں دیتے۔
علامہ سیوطیؒ نے یہی کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب صبح کو مکے میں قریش کو بیت المقدس کا نقشہ بتلا رہے تھے تو درمیان کے فاصلے کو سمیٹ کر پردے ہٹا دیئے گئے تھے۔ اگر علامہ سیوطی کا قول مانا جائے تو پھر جبرئیل علیہ السلام کے پروں پر بیت المقدس کا عکس ظاہر ہونے کی بات صحیح نہیں رہتی۔
یہاں کہا گیا ہے کہ بیت المقدس کا آنحضرت ﷺ کی نگاہوں کے سامنے آجانے کا مطلب یہ ہے کہ

اس کی مثالی شکل یعنی عکس آپ کے سامنے لے آیا گیا تھا اصل بیت المقدس سامنے نہیں لایا گیا تھا کیونکہ اگر اصل سامنے لایا جاتا تو جتنی دیر وہ مکے میں آنحضرت ﷺ کے سامنے رہتا اتنی دیر بیت المقدس کے لوگوں کو وہ اپنے یہاں نظر نہ آتا۔ لہذا یہ بات ماننی ہوگی کہ بیت المقدس کا عکس اس کی جگہ سمیت وہاں سے اٹھا کر لایا اور اس کی جگہ جبرئیل علیہ السلام کا پر تھا۔

مگر علامہ ہیثمیؒ کہتے ہیں کہ خود بیت المقدس کو ہی آپ کے سامنے لے آیا گیا تھا اس کے عکس کو نہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے سلیمان علیہ السلام کے پاس بلکہ صباء بلقیس کا تخت پلک جھپکنے میں لے آیا گیا تھا۔

مگر یہ بات قابل غور ہے کیونکہ ملکہ بلقیس کا اصل تخت جب سلیمان علیہ السلام کے پاس لے لایا گیا تھا تو خود اس شہر کے لوگوں کو وہ تخت وہاں نہیں ملا تھا جب کہ بیت المقدس کے معاملے میں ایسا نہیں ہوا تھا۔

بیت المقدس کے آنحضرت ﷺ کے سامنے آنے کا یہ واقعہ عقیل کے مکانُ کے پاس پیش آیا تھا۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہ مکان صفا پہاڑی کے پاس تھا اور یہ کہ یہ مکان عقیل ابن ابو طالب کے پاس چلتا رہا یہاں تک کہ حجاج ابن یوسف کے بھائی کے پاس پہنچا اور پھر جب خلیفہ ہارون رشید کی بیوی ملکہ زبیدہ یا خیزران حج کے لئے آئی تو اس نے اس مکان کو مسجد بنوا دیا تھا۔ اس سلسلے میں جو شبہ ہوتا ہے وہ بھی بیان ہو چکا ہے۔

غرض آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں قریش کو بیت المقدس کی نشانیاں اور علامتیں بتلاتا رہا جبکہ وہ میری نظروں کے سامنے تھا۔ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب کہ حجر اسود کی بنیاد پہلی ہی تھی۔ یہ بات اس بنیاد پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں حجر اسود کے پاس کھڑا ہو گیا۔

<u>قریش کی طرف سے علامتوں کی تصدیق</u>...... آنحضرت ﷺ قریش کو بیت المقدس کی نشانیاں بتلاتے رہے اور وہ لوگ جو بیت المقدس جا چکے تھے) آپ کی تصدیق کرتے رہے۔ چنانچہ اسی لئے ایک قول ہے کہ اسراء یعنی رات کا یہ سفر بیت المقدس کی طرف اس لئے کرایا گیا تھا کہ یہ جگہ قریش کی دیکھی بھالی تھی۔ لہذا آپ کی اطلاع میں جب وہ بیت المقدس کا نقشہ اور نشانیاں پوچھیں گے تو آنحضرت ﷺ ان کو وہی سب کچھ بتلائیں گے جو وہ خود وہاں جا کر دیکھ چکے ہیں لہذا وہ یہ جانتے ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی بیت المقدس نہیں گئے آپ کی تصدیق کرنے پر مجبور ہوں گے اور اس طرح آنحضرت ﷺ کی سچائی کی دلیل ان کے سامنے آئے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

کتاب مواہب میں یہی دلیل دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اسی لئے مشرکوں نے آنحضرت ﷺ سے (بیت المقدس کے بارے میں تو سوالات کئے مگر) یہ نہیں پوچھا کہ آپ نے آسمانوں میں کیا دیکھا کیونکہ آسمانوں کے بارے میں خود انہیں بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مشرکوں کو اسراء کا حال سنایا تو ساتھ ہی آپ نے معراج کا حال بھی سنایا تھا مگر اس کے خلاف آگے روایت آئے گی کیونکہ آنے والی بحث میں ایک قول ہے کہ معراج کا واقعہ اسراء کے بعد ایک دوسری رات میں پیش آیا تھا (یعنی اس رات آپ بیت المقدس تک جا کر واپس مکے تشریف لے آئے تھے وہاں سے آسمانوں پر آپ کو معراج نہیں ہوئی تھی بلکہ معراج ایک دوسری رات میں اس کے بعد ہوئی تھی)

<u>بیت المقدس سے معراج کئے جانے کی حکمت</u>...... ایک قول یہ ہے کہ بیت المقدس تک اسراء

کرائے جانے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ آسمان کا وہ دروازہ جس کو مصعد الملائکہ کہا جاتا ہے ٹھیک بیت المقدس کے سامنے ہے لہذا یہاں سے معراج ہونے میں آپ سیدھے بلندی کی طرف تشریف لے گئے راستے میں پیچ و خم اور گھماؤ پھراؤ نہیں ہوئے۔

مگر علامہ ابن حجر نے اس قول میں شبہ ظاہر کیا ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں حدیث میں آتا ہے کہ ہر آسمان میں ایک ایک بیت المعمور ہے اور آسمان دنیا میں جو بیت المعمور ہے وہ بالکل کعبے کی سیدھ میں ہے۔ لہذا اس حدیث کی روشنی میں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو مکے سے معراج کرائی جاتی تاکہ آپ گھماؤ پھراؤ کے بغیر بلند ہو کر بیت المعمور میں نماز پڑھتے۔ یہاں تک ابن حجر کا حوالہ ہے۔

علامہ ابن حجر کی اس دلیل کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ بیت المعمور کعبے کی سیدھ میں ہے لیکن اس کا دروازہ کعبے کی سیدھ میں نہیں بلکہ بیت المقدس کی سیدھ میں ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آسمان دنیا میں ایک دروازہ ہے جو کعبے کی سیدھ میں ہے تو پھر یہ بات ٹھیک ہو گی۔

صدیق لقب...... حضرت ام ہانی کی باندی نبعہ کہتی ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابو بکرؓ سے یہ فرماتے ہوئے سنا۔

اے ابو بکر! اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام صدیق یعنی سچ کو قبول کرنے والا رکھا ہے۔"

چنانچہ اسی لئے حضرت علیؓ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکرؓ کا لقب صدیق آسمان سے نازل فرمایا ہے۔

مگر اسحاق ابن ابو بشر نے اپنی سند سے جو ابو یعلی غفاری تک پہنچتی ہے ایک حدیث بیان کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔

"میرے بعد ایک فتنہ اٹھے گا۔ اس لئے جب وہ وقت آئے تو تم لوگ علی ابن ابو طالب کا دامن تھام لینا اس لئے کہ وہ پہلے آدمی یہی ہیں جنہوں نے مجھے دیکھا اور یہی وہ پہلے آدمی ہیں جو قیامت کے دن میرے ساتھ مصافحہ کریں گے۔ یہی صدیق اکبر یعنی سب سے زیادہ سچ کو قبول کرنے والے اور یہی اس امت کے فاروق ہیں جو حق اور باطل کے درمیان فرق کر کے انھیں الگ الگ کر دیں گے یہی مسلمانوں کے سب سے بڑے امیر اور سردار ہیں جبکہ مال و دولت منافقوں کا سب سے بڑا سردار ہے۔"

مگر اس حدیث کے راوی اسحاق ابن بشر کے متعلق کتاب استیعاب میں ہے کہ اسحاق ابن بشر کی حدیثوں میں نکارت اور کمزوری ہوتی ہے اس لئے اگر کوئی حدیث وہ تنہا نقل کریں تو یہ حجت اور دلیل نہیں بنائی جا سکتی یہاں تک کتاب استیعاب کا حوالہ ہے۔

مسند بزاز میں ضعیف سند سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ابن ابو طالب سے فرمایا۔

"تم ہی صدیق اکبر ہو اور تم ہی وہ فاروق ہو جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اور باطل میں فرق کرے گا۔"

قریش کی طرف سے سفر کی نشانیوں کا مطالبہ...... ایک روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے کفار قریش کو اپنی رات کے سفر یعنی اسراء کے بارے میں بتلایا تو انہوں نے آپ سے کہا۔

"اے محمد! اس کی یعنی جو کچھ تم بیان کر رہے ہو نشانی یا علامت اور ثبوت کیا ہے کیونکہ ہم نے اس جیسی

بات آج سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ یعنی کیا راستے کی کوئی ایسی نشانی یا علامت تم بتلا سکتے ہو جو تم نے دیکھی ہو گی اور جو تمہاری بات کا ثبوت بن سکے۔ کیونکہ جہاں تک بیت المقدس کا نقشہ وغیرہ بتلانے کی بات ہے تو وہ ممکن ہے تم نے کسی ایسے آدمی سے سن کر یاد کر رکھا ہو جو وہاں جا چکا ہے!۔"

یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا

بطور نشانی راستے کے قافلوں کی اطلاع ...... میری سچائی کی علامت یہ ہے کہ بیت المقدس کو جاتے ہوئے فلاں وادی میں میں فلاں قبیلے کے ایک قافلے کے پاس سے گزرا جو اونٹوں پر سوار تھا۔ میری سواری یعنی براق کی بو پا کر اس قافلے کا ایک اونٹ بھڑک کر بھاگا اور کھو گیا۔ پھر میں نے ان کو اس اونٹ کا پتہ بتلایا۔ اس وقت میں ملک شام یعنی بیت المقدس کی طرف جا رہا تھا۔ پھر واپسی میں جب میں فلاں وادی سے گزرا تو مجھے بنی فلاں کا قافلہ ملا میں نے دیکھا کہ اس وقت وہ سب لوگ سو رہے تھے اور وہیں ان کا ایک برتن ڈھکا ہوا رکھا تھا جس میں پانی تھا میں نے اس برتن پر ڈھکی ہوئی چیز ہٹائی اور اس میں سے پانی پیا اور اس کے بعد میں نے اس کو پھر اسی طرح ڈھک دیا۔ بعض علماء نے اس طرح بیان کیا ہے کہ

"سواری یعنی براق وہیں رک گئی اور اس نے اپنے کھر سے اس برتن کو الٹ دیا جس میں قافلے والوں میں سے کسی کے منہ ہاتھ دھونے کا پانی تھا اور براق نے اس کو پی لیا۔"

جہاں تک کسی دوسرے آدمی کے پانی کا تعلق ہے تو اس کو پینا جائز ہے کیونکہ عربوں میں پانی اور دودھ کا معاملہ ایک ہی جیسا تھا کہ یہ دونوں چیزیں ہر مسافر کے لئے جائز تھیں کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر ان کو استعمال کر سکتا تھا) جب کہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو اس کے مالک سے آپ اس کو لے سکتے تھے اور مالک کے لئے اس چیز کو اسی وقت آپ پر صرف کر دینا واجب تھا۔

اس سلسلے میں ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ یہ حربی یعنی اسلام کے دشمن کا مال تھا اس لئے اس کو بلا اجازت استعمال کرنا جائز تھا (حربی یا اہل حرب اس ملک کے کافروں کو کہا جاتا ہے جہاں اسلام اور کفر برسر جنگ ہوں یا ایک دوسرے کے شدید دشمن ہوں جس سے مسلمانوں کا جان و مال محفوظ نہ ہو مگر یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ واقعہ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور جب تک جہاد کا حکم نہ ہو اس وقت تک اہل حرب یعنی دار الحرب کے کافروں کے مال پر قبضہ کرنا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے اسی طرح جیسے جہاد کے حکم تک کافروں کی جان لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس وقت کافروں کی سلامتی واجب ہے جو اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان کے مال کو اسی طرح نہ چھوڑ دیا جائے جس طرح ان کی جانوں کو چھوڑا ہوا ہے۔ یہ بات ابن حجر نے شرح ہمزیہ میں کہی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے ایک دلیل...... مگر علامہ جلال محلی نے اس کے خلاف بات کہی ہے انہوں نے اس آیت کی تفسیر کی ہے۔

فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

پ۲۰ سورہ قصص ع ۱ آیت ۱۳

ترجمہ: ہم نے موسیٰ کو ان کی والدہ کے پاس اپنے وعدے کے مطابق واپس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی

ہوں اور تاکہ فراق کے غم میں نہ رہیں اور تاکہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ اکثر لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے۔

تشریح...... موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا واقعہ ہے علامہ جلال محلی نے اس واقعہ سے کافر کے مال کے سلسلے میں جو بات کہی ہے وہ واقعہ جانے بغیر سمجھ میں نہیں آسکے گی اس لئے احقر مترجم اس واقعہ کو علامہ ابن کثیر کی کتاب البدایہ والنہایہ سے پیش کر رہا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے موسیٰ ابن عمران ابن فاہب ابن عازر ابن لادی ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوْسٰى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ○ وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَا اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ○ آیہ پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۵۱ تا ۵۳

ترجمہ: اور اس کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر کیجئے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے خاص کئے ہوئے بندے تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے اور ہم نے ان کو کوہ طور کی داہنی جانب سے آواز دی اور ہم نے ان کو راز کی باتیں کرنے کے لئے مقرب بنایا اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ کا تذکرہ بہت سی جگہوں پر فرمایا ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

طٰسٓمّٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ الخ الایہ پ ۲۰ سورہ قصص ع ۱ آیت ۱ تا ۳

ترجمہ: قسم یہ مضامین جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں کتاب واضح المعنی یعنی قرآن کی آیتیں ہیں ہم آپ کو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر یعنی نازل کر کے سناتے ہیں ان لوگوں کے نفع کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں فرعون سرزمین مصر میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو بہت قسموں میں کر رکھا تھا کہ ان باشندوں میں سے ایک جماعت یعنی بنی اسرائیل کا زور گھٹا رکھا تھا اس طرح سے کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور ان کی عورتوں یعنی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا واقعی وہ بہت بڑا مفسد تھا۔ الخ

بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم...... یعنی فرعون کا جبر و ظلم اور سرکشی حد سے بڑھ گئی تھی۔ اس نے دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ لیا اور پروردگار کی اطاعت و فرمانبرداری سے منہ موڑ لیا میں نے اپنی قوم یعنی عیت میں لوگوں کی بہت سی قسمیں اور فرقے بنا رکھے تھے وہ ان لوگوں میں پھوٹ ڈلوا کر ان میں خوں ریزی کراتا اور اس طرح ان کمزور لوگوں پر اپنی ظالمانہ حکومت چلا رہا تھا خاص طور پر اس نے بنی اسرائیل کی قوم کو سب سے زیادہ اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ یہ قوم حضرت یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام کی اولاد تھی اور اس وقت سب سے زیادہ اچھی اور نیک قوم تھی۔

یہ ظالم و جابر بد دماغ سرکش اور کافر بادشاہ ان بنی اسرائیلیوں کا بادشاہ بن بیٹھا اور اس نے ان کو انتشار سے زیادہ ذلیل و خوار کیا اور نہایت نیچ اور کم درجے کی خدمتیں ان سے لیتا تھا۔ یہ اسی پر بس نہیں کرتا تھا

بلکہ ان کے بچوں کو ذبح کرڈالتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ (مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے لوگ زور اور قوت نہ پکڑ سکیں کیونکہ اسے ان ہی لوگوں کی طرف سے اپنی سلطنت کا خطرہ تھا)

بچوں کو قتل کرنے کا حکم...... بچوں کو ذبح کرانے کی یہ کمینی اور ظالمانہ حرکت یہ اس لئے کرتا تھا کہ بنی اسرائیل کے لوگ آپس میں اس پیشین گوئی کے متعلق بات کیا کرتے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دور کے فرعون کی اولاد کے لئے کی تھی۔ اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے مگر یہ روایت ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو اس وقت کے فرعون نے پکڑ لیا تو اس نے ان کے ساتھ اپنی بری خواہش پوری کرنی چاہی مگر اللہ تعالیٰ نے سارہ کی حفاظت فرمائی اور وہ محفوظ رہیں۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ان کی اولاد میں سے ایک نوجوان پیدا ہوگا اور اس کے ہاتھوں اس وقت کا فرعون ہلاک و برباد ہوگا اور اس طرح مصر کی سلطنت فرعونوں کے ہاتھ سے نکل جائے گی جو بنی اسرائیل کے ذریعہ نکلے گی۔

موسیٰ کے متعلق ابراہیم علیہما السلام کی پیش گوئی...... ابراہیم علیہ السلام کی یہ پیشین گوئی بنی اسرائیل میں بہت مشہور تھی۔ یہ بات قبطیوں کو بھی معلوم ہوئی اور انہوں نے یہ بات فرعون تک پہنچادی چنانچہ فرعون کے جو خاص درباری اور راتوں کو اس کے داستان گو تھے ان کے مشورہ پر فرعون نے یہ حکم دیدیا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کردیا جائے تاکہ وہ اس لڑکے سے محفوظ رہے جس کے متعلق پیش گوئی ہے مگر وہ تقدیر الٰہی سے کسی طرح نہیں بچ سکا۔

مگر حضرت ابن مسعودؓ اور دوسرے چند صحابہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک زبردست آگ اٹھی اور مصر کے تمام محلات اور پوری قبطی قوم کو جلا کر بھسم کرڈالا مگر بنی اسرائیل کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ فرعون سو کر اٹھا تو اس خواب سے بہت زیادہ دہشت زدہ تھا اس نے فوراً اپنے تمام کاہنوں اور جادوگروں وغیرہ کو بلا کر اس خواب کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا۔

"اس کی تعبیر یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک نوجوان اٹھے گا اور اس کے ہاتھوں مصر والوں کی ہلاکت اور بربادی ہوگی۔"

یہ سن کر فرعون نے فوراً حکم دیدیا کہ بنی اسرائیل کے یہاں آئندہ جو بھی لڑکا پیدا ہو اس کو ذبح کردیا جائے اور لڑکی ہو تو چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ اسی کے بارے میں حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان لوگوں پر جن کو ذلیل و خوار کیا جارہا ہے ہم اپنا فضل و کرم فرمانا چاہتے ہیں یعنی بنی اسرائیل پر اور ان ہی کو ہم دنیا کی سرداری و امامت دیں گے اور ان ہی کو ہم ان نعمتوں کا وارث و حقدار بنائیں گے یعنی ان کو ملک مصر اور اس کی سلطنت دیں گے اور ان کو طاقت و حکومت دے کر فرعون وہامان جیسے سرکشوں اور ان کے لشکروں کو وہی چیز دکھادیں گے جس سے وہ بچنا چاہتے ہیں۔

غرض فرعون نے اپنے اس انتظام میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا کہ موسیٰ علیہ السلام کا وجود دنیا میں نہ رہنے پائے یہاں تک کہ اس نے بہت سے آدمی اور دائیاں اس کام پر متعین کردیں کہ وہ بنی اسرائیل میں تمام حاملہ عورتوں کو دیکھتی پھرتی تھیں اور یہ معلوم رکھتی تھیں کہ کب ان کے یہاں بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ چنانچہ جیسے ہی کسی عورت کے یہاں بچہ پیدا ہوتا یہ جلاد اسی گھڑی اس کو ذبح کرڈالتے تھے۔

اہل کتاب یعنی عسائیوں اور یہودیوں کا کہنا یہ ہے کہ فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو موسیٰ علیہ

السلام کی تلاش یا خوف میں قتل نہیں کراتا تھا بلکہ اس لئے قتل کراتا کہ بنی اسرائیل کی طاقت ٹوٹ جائے اور پھر جب وہ ان کے ساتھ خوں ریزی کریں یا ان کا مقابلہ کریں تو بنی اسرائیل ان کے مقابلے کی تاب نہ لاسکیں مگر یہ بات صحیح نہیں ہے۔

فرعون کی پیش بندیاں اور تقدیر الٰہی کا فیصلہ ...... غرض ایک طرف تو فرعون کے یہ ظالمانہ انتظامات تھے مگر دوسری طرف تقدیر الٰہی پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ اے ظالم وسرکش تو اپنے لشکر کی کثرت اپنی طاقت اور پھیلی ہوئی سلطنت پر مغرور ہے مگر اس ذات باری نے جو سب پر غالب ہے اور جس کی لکھی ہوئی تقدیر کوئی نہیں مٹا سکتا۔ اس نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ جس سے تو بچنا چاہتا ہے اور جس کے ڈر میں تو نے بے شمار انسانی جانیں اپنے ظلم کا نشانہ بنادیں۔ وہ بچہ تیرے ہی گھر میں پرورش پائے گا۔ تیرے ہی بستر پر سوئے گا اور تیرے ہی گھر میں تیرے ہی کھانے پینے میں سے کھائے پئے گا۔ تو ہی خود اس کو متبنی یعنی منہ بولا بیٹا بنائے گا اور تو ہی اس کو پالے گا مگر اس کے راز اور حقیقت تک تیری نظر نہیں جائے گی۔ پھر تیری دنیا اور تیری آخرت کی تباہی اسی کے ہاتھوں ہوگی کیونکہ جو کھلا ہوا حق اور سچائی وہ لے کر آئے گا تو اس کی مخالفت کرے گا اور اس وحی کو جھٹلائے گا جو تجھے اور ساری مخلوق کو یہ حقیقت بتلانے کے لئے آئے گی کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہی جو چاہتا ہے کرتا ہے وہی سب سے زیادہ طاقت ور اور قوت والا ہے اور اس کی عظمت وجبروت اور قوت وطاقت کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔

بہت سے مفسروں نے لکھا ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل کے بچے قتل کئے جارہے تھے اس لئے قبطیوں نے فرعون سے شکایت کی کہ بنی اسرائیل کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے انہوں نے اس خوف کا اظہار کیا ہے کہ بچے قتل ہوتے رہیں گے اور بڑے اپنی عمریں پوری کرکے مرتے رہیں گے تو انجام کار وہ سب نیچ کام خود قبطیوں کو ہی کرتے پڑیں گے جو کہ اب بنی اسرائیل کے ذمے تھے۔

اس پر فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کیا جائے اور ایک سال چھوڑ دیا جایا کرے چنانچہ مفسروں نے لکھا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام تو قتل کی بندش کے سال میں پیدا ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام اسی سال میں پیدا ہوئے جس سال بچوں کے قتل کا حکم تھا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اسی وجہ سے سخت فکر اور ڈر تھا۔ اسی لئے انہوں نے حمل کے شروع دنوں سے ہی اس بات کی کہ احتیاط کی کہ حمل کے آثار کسی پر ظاہر نہ ہونے پائیں اور وہ اس کو چھپاتی رہیں۔

جب ان کے یہاں بچہ پیدا ہوا تو ان کے دل میں حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ڈالا گیا کہ وہ ایک تابوت بنائیں اور اس میں ایک رسی باندھ کر رکھیں ان کا گھر دریا سے بالکل ملا ہوا تھا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بچے کو دودھ پلاتی رہیں جیسے ہی انہیں کسی کا ڈر ہوتا تو وہ بچے کو اس میں لٹادیتیں اور اس تابوت کو دریا میں ڈال کر اس کا دوسرا سرا اپنے پاس رکھتیں چنانچہ جب لوگ چلے جاتے تو رسی کھینچ کر تابوت کو دریا سے باہر نکال لیتیں۔

اس کے بعد حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا۔

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی ... تا ... وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ الایہ پ ۲۰ سورہ قصص ع ۱ آیت ۷ تا ۹

ترجمہ: ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ پھر جب تم کو ان کی نسبت جاسوسوں کے مطلع ہونے کا اندیشہ ہو تو بے خوف وخطر ان کو دریائے نیل میں ڈال دینا اور نہ تو غرق سے اندیشہ کرنا اور نہ مفارقت پر غم کرنا

کیونکہ ہم ضرور ان کو پھر تمہارے ہی پاس واپس پہنچادیں گے اور پھر اپنے وقت پر ان کو پیغمبر بنادیں گے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اسی طرح ان کو دودھ پلاتی رہیں۔ آخر جب راز کے کھل جانے کا ڈر ہوا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک صندوق میں بند کر کے اللہ کے نام پر دریائے نیل میں ڈال دیا اور وہ صندوق تیرتا ہوا کنارے پر جالگا) تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو معہ صندوق کے اٹھالیا تاکہ وہ ان کیلئے دشمن اور غم کا باعث بنیں بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین اس بارے میں بہت چوکے۔ (کہ اپنے دشمن کو اپنی بغل میں پالا) اور فرعون کی بی بی حضرت آسیہ نے فرعون سے کہا کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل مت کرو عجب نہیں کر بڑا ہو کر ہم کو کچھ فائدہ پہنچادے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں۔ اور لوگوں کو انجام کی خبر نہ تھی۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ایار فایا ایاز خت تھا۔ انہوں نے ایک دن موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا۔

موسیٰ علیہ السلام کی شاہی محل میں پرورش...... علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یارخانے اپنی بیٹی کو دریا کے کنارے کنارے صندوق کے ساتھ بھیجا کہ معلوم کر کے آ صندوق کہاں جاتا ہے چنانچہ وہ ساتھ ساتھ گئی یہاں تک کہ صندوق فرعون کے محل کے سامنے سے گزرنے لگا وہاں حضرت آسیہ کی کنیزیں کھڑی ہوئی تھیں انہوں نے ایک صندوق بہتا ہوا دیکھا تو اس کو فوراً نکال لیا اور حضرت آسیہ کے پاس لے گئیں۔ ایار خا کی بیٹی اتنا دیکھ کر واپس آگئی اور یہ واقعہ اپنی والدہ کو بتلایا۔

مفسروں نے لکھا ہے کہ جن باندیوں نے وہ صندوق دریا میں سے نکالا انہوں نے خود اس کو کھولنے کی ہمت نہیں کی بلکہ اس کو بند کا بند فرعون کی بیوی آسیہ کے پاس لے گئیں۔

آسیہ کا نسب نامہ یہ ہے: آسیہ بنت مراحم ابن عبید ابن ریان ابن ولید۔ آسیہ کی چوتھی پشت میں یہ ولید حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کا فرعون تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ آسیہ قبطی نسل سے نہیں تھیں بلکہ یہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہی خاندان میں سے تھیں۔ علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کی پھوپھی تھیں۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ آسیہ، حضرت مریم اور حضرت کلثوم جنت میں آنحضرت ﷺ کی بیویاں بتائی جائیں گی۔

غرض آسیہ نے جیسے ہی صندوق کھولا اور موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر سے کپڑا ہٹایا تو موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ نبوت کے نور اور جلال موسوی سے دیکھتا ہوا نظر آیا۔ آسیہ نے جیسے ہی اس پر نور اور پر جلال معصوم چہرے کو دیکھا ان کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کی محبت گھر کر گئی۔ فرعون آیا تو اس نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ ساتھ ہی اس نے بچہ کو دیکھ کر اس کو ذبح کردیئے جانے کا حکم دیا مگر آسیہ نے فرعون سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے لئے مانگ لیا اور اس طرح ان کو فرعون کے ظالم ہاتھوں سے بچانے کے لئے کہا۔

"یہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

فرعون نے یہ سن کر کہا۔

"جہاں تک تمہارا معاملہ ہے تو تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ضرور ہو سکتا ہے مگر مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت آسیہ نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا تھا کہ شاید ہمیں اس سے فائدہ پہنچے۔ چنانچہ

انہوں نے ان کے ذریعہ جس نفع کی امید اور آرزو کی تھی اللہ تعالیٰ نے وہ نفع ان کو پہنچایا۔ یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ان کو موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ہدایت فرمائی اور آخرت میں ان ہی کے ذریعہ حق تعالیٰ نے حضرت آسیہ کو جنت میں ٹھکانہ دیا۔

ساتھ ہی آسیہ نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اس بچے کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیں گے۔ یہ اس لئے کہ ان دونوں کے کوئی اولاد نہیں تھی آسیہ کے بارے میں یہ بات آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بیان میں گزر چکی ہے کہ وہ اگرچہ فرعون کی بیوی تھیں مگر حق تعالیٰ نے ہمیشہ ان کے جسم کو فرعون کے ہاتھوں سے محفوظ رکھا اور وہ کبھی ان کے ساتھ ہم بستر نہ ہو سکا۔

غرض اس طرح موسیٰ علیہ السلام خود فرعون کے گھر میں پرورش کے لئے پہنچا دیئے گئے مگر ان لوگوں کو خبر نہیں تھی کہ یہی وہ بچہ ہے جس کے ہاتھوں فرعون جیسے سرکش کی سلطنت کی بربادی مقدر ہو چکی ہے۔

ادھر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ایار خا کا دل اپنے بچے کے لئے بے قرار ہو گیا اور معصوم کے لئے طرح طرح کے خیالات دل میں آنے لگے قریب تھا کہ وہ یہ راز دوسروں پر فاش کردیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا اور وہ حق تعالیٰ کے وعدے پر یقین کر کے خاموش رہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بڑی بیٹی کو موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کے ساتھ ساتھ بھیجا جس کی تفصیل بیان ہوئی۔

<u>موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دودھ سے پرورش</u>...... اب جبکہ آسیہ نے بچے کو گود لے لیا تو ان کے لئے کسی دودھ پلانے والی دایہ کی تلاش ہوئی۔ مگر اس مقصد سے جو عورت بھی آئی موسیٰ علیہ السلام نے اس کا دودھ نہیں پکڑا اور نہ کچھ کھایا پیا۔ اس پر سب لوگ سخت پریشان ہوئے اور انہوں نے ہر ہر طرح موسیٰ علیہ السلام کو کچھ کھلانے پلانے کی کوشش کی مگر انہوں نے کچھ نہ لیا۔ آخر فرعون کے آدمیوں نے بچے کو دائیوں کے ساتھ شہر میں بھیجا تاکہ وہ ایسی کوئی عورت تلاش کریں جس کا دودھ یہ بچہ قبول کرلے یہ لوگ بچے کو لئے ایک جگہ شہر میں کھڑے ہوئے تھے اور بہت سے آدمی بچے کے گرد جمع تھے کہ اسی وقت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ان کو دیکھ لیا۔ اس نے لوگوں پر یہ تو ظاہر نہیں کیا کہ وہ بچے کی بہن ہیں لیکن یہ کہا۔

"کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتلاؤں جو تمہارے لئے اس بچے کی پرورش کریں اور دل سے اس کے خیر خواہ بھی ہوں!

ابن عباس سے روایت ہے کہ جب اس نے یہ بات کہی تو لوگوں کو شبہ ہوا اور انہوں نے اس سے کہا "تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس گھرانے کے لوگ اس بچے سے محبت اور خیر خواہی کریں گے۔"

مگر اس نے فوراً یہ کہہ کر ان کا شبہ دور کر دیا۔

"اس لئے کہ ان کو بادشاہ سے محبت ہے اور پھر ان کو اس سے مالی فائدہ بھی حاصل ہوگا۔"

یہ سن کر لوگوں کا شبہ دور ہو گیا اور وہ اس کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے گھر پہنچے یہاں ایار خانے موسیٰ علیہ السلام کو گود لے کر انکو اپنا دودھ دیا تو انہوں نے فوراً ماں کی چھاتی پکڑلی اور دودھ پینے لگے۔ یہ دیکھ کر سب لوگ بے حد خوش ہوئے اور فوراً ایک شخص کو آسیہ کے پاس یہ خوش خبری سنانے کے لئے بھیج دیا۔ آسیہ نے ایار خا سے درخواست کی کہ وہ ان کے پاس شاہی محل میں ہی آکر رہیں وہ ان کو خوش کر دیں گی۔ مگر ایار خانے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہا۔

"میرے شوہر اور بچے ہیں میں صرف اسی صورت میں بچے کو دودھ پلا سکتی ہوں کہ آپ اس کو میرے ساتھ بھیج دیں۔"

آسیہ نے اس بات کو مان لیا اور وہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلالے کے لئے ایار خا کے پاس بھیجنے لگیں ساتھ ہی انہوں نے ایار خا کو بہت سا انعام واکرام اور قیمتی پوشاکیں دیں اور اس خدمت پر باقاعدہ ان کی تنخواہ یعنی وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔

واقعہ موسیٰ سے استدلال...... اس طرح حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام کو واپس ان کی والدہ کے پاس پہنچادیا تاکہ بیٹے کو دیکھ دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور انہیں بیٹے کی جدائی کا غم نہ ستائے۔

گویا اس طرح اللہ تعالیٰ نے بچے کو ماں کی گود میں بھی پہنچادیا اور اپنے ہی بیٹے کو دودھ پلانے پر بادشاہ کے یہاں سے ایار خا کو اجرت بھی دلائی جس سے ان کو دوہرا فائدہ ہوا۔ تشریح ختم۔ از البدایہ والنہایہ جلد دوم ص ۲۲۳ تا ۲۲۴ مرتب)

(اصل بیان اسراء یعنی بیت المقدس تک آنحضرت ﷺ کے رات میں سفر فرمانے کا چل رہا ہے جس میں آپ نے کفار کے پوچھنے پر سفر اور راستے کی نشانیاں بتلاتے ہوئے فرمایا کہ راستے میں مجھے ایک قافلہ ملا تھا جس کے پاس برتن میں پانی رکھا تھا اور میں نے اس کو پی لیا تھا۔ اس پر یہ شبہ تھا کہ دوسرے کا مال بلا اجازت استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اس پر ایک جواب یہ بھی دیا گیا تھا کہ یہ حربی کا مال تھا جس کا استعمال جائز ہے۔ اس سلسلے میں علامہ جلال محلی نے فرددناہ الی امہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے ہی بیٹے کو دودھ پلایا اور اس پر اجرت لی۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے یہ مال لینا جائز فرمادیا تھا کیونکہ یہ مال حربی یعنی فرعون کا تھا (حالانکہ پیچھے ابن حجر کا قول گذرا ہے کہ چونکہ اسراء کے واقعہ کے وقت تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا اس لئے حربی کا مال بلا اجازت استعمال کرنا جائز ہونے کا سوال نہیں ہے) اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ شاید موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں کافر کا مال اس طرح لینا جائز رہا ہوگا (اس لئے اس واقعہ کو آنحضرت ﷺ کے لئے دلیل نہیں بنایا جاسکتا)

غرض اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اپنے رات میں بیت المقدس تک سفر کرنے کی ایک اور نشانی بتلائی اور کفار سے فرمایا۔

میری بات کی سچائی کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ ان لوگوں کا قافلہ اب ثنیہ کے مقام پر پہنچنے والا ہے اور اس میں آگے آگے ایک خاکستری رنگ کا اونٹ ہے۔ یعنی جس کی سفیدی میں سیاہی کا غلبہ ہو۔ عربوں کے نزدیک ایسا اونٹ گوشت کھانے کے لحاظ سے سب سے عمدہ اور عمل یعنی چلنے اور سفر کرنے کے لحاظ سے سب سے گھٹیا سمجھا جاتا تھا۔ غرض آپ نے فرمایا کہ اس اونٹ پر دو بوریاں لدی ہوئی ہیں جن میں سے ایک سیاہ ہے اور ایک سیاہ اور سفید ہے۔"

آپ کی دی ہوئی خبر کی تصدیق...... یہ سنتے ہی سب لوگ فوراً ثنیہ کے مقام کی طرف دوڑ پڑے وہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے انہیں وہی خاکستری یعنی گندمی رنگ کا اونٹ ملا جس کے اوپر دو بوریاں لدی ہوئی تھیں۔

اب مشرکوں نے قافلے والوں سے پانی کے برتن کے بارے میں اور اونٹ کے بھڑکنے اور بدک کر بھاگنے کے متعلق پوچھا۔ ساتھ ہی انہوں نے اس شخص کے بارے میں بھی قافلے والوں سے سوال کیا جس نے

انہیں بھاگے ہوئے اونٹ کا پتہ دیا تھا۔ قافلے والوں نے ان چیزوں کے بارے میں وہی بات بتلائی جس سے آنحضرت ﷺ کی تصدیق ہوئی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہ بات واضح رہے کہ اونٹ کے بھڑک کر بھاگنے اور کھو جانے اور پھر آنحضرت ﷺ کے اس کا پتہ بتلانے کا یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا کہ جب آپ بیت المقدس کی طرف تشریف لے جارہے تھے اور وہ قافلہ آپ کو ملک شام سے مکے کی طرف واپس آتے ہوئے ملا تھا جس کے ساتھ پانی کا ایک برتن تھا جس میں سے آنحضرت ﷺ نے پانی پیا تھا اور یہی وہ قافلہ تھا جو آنحضرت ﷺ کے یہ بات بتلانے کے وقت ثنیہ کے مقام پر پہنچ رہا تھا۔ اس تفصیل کے بعد اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کفار نے اس قافلے سے اونٹ کے گم ہو جانے وغیرہ کے متعلق کیوں پوچھا (کیونکہ وہ دوسرا قافلہ تھا)

اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ قافلہ جس کو آنحضرت ﷺ نے واپسی میں دیکھا شاید اپنی واپسی میں اس قافلے سے ملا تھا جو شام جارہا تھا اور اس جانے والے قافلے نے ان کو یہ واقعہ بتلایا ہو۔ واللہ اعلم۔

قریشی قافلوں کے متعلق اطلاع...... غرض جب آنحضرت ﷺ ان لوگوں کو بیت المقدس کے بارے میں بتلا چکے تو انہوں نے مطعم سے کہا۔

"مطعم! اب ہم ان سے یعنی آنحضرت ﷺ سے بیت المقدس کے سلسلے میں ان چیزوں کے بارے میں پوچھتے ہیں جو زیادہ ضروری ہیں۔"

پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"اے محمد! ہمیں خود ہماری قافلوں کے بارے میں بتلاؤ جو ملک شام کو جانے اور آنے والے ہیں۔ کیا ان میں سے بھی کسی سے تم ملے ہو؟

آپ نے فرمایا۔

"ہاں! میں نے روحاء کے مقام پر بنی فلاں کا قافلہ دیکھا تھا۔ یہ روحاء مدینے کے قریب ایک جگہ کا نام ہے اور مدینے اور اس جگہ کے درمیان دو رات کا سفر ہے۔ اس قافلے کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا وہ سب اس کی تلاش میں گئے ہوئے تھے کہ میں ان کے پڑاؤ میں پہنچا اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہاں پانی سے بھرا ہوا ایک برتن رکھا ہوا تھا میں نے اس میں سے پانی پیا تھا۔ تم اس کے بارے میں ان قافلے والوں سے پوچھ سکتے ہو۔"

اس پر مشرکوں نے کہا۔

"ہاں لات اور عزیٰ کی قسم یہ ایک نشانی ہوگی۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہی وہ قافلہ ہے جس کے پاس سے آنحضرت ﷺ واپسی میں مکے کو آتے ہوئے گزرے تھے۔ اس روایت میں یہ بات زیادہ ہے کہ ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔ پچھلی روایت میں یہ لفظ گزرے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ اس قافلے کے پڑاؤ میں پہنچے تھے تو آپ نے ان کو سوتا ہوا پایا تھا جبکہ یہاں کہا گیا ہے کہ اس وقت پڑاؤ میں کوئی نہیں تھا کیونکہ وہ اپنے اونٹ کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔

جہاں تک اونٹ کے گم ہو جانے کے اضافے کا تعلق ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کیونکہ پچھلی روایت میں شاید یہ بات راوی سے رہ گئی۔ اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ پڑاؤ میں کوئی نہیں تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پڑاؤ میں۔ کوئی شخص بیدار نہیں تھا بلکہ قافلے کے کچھ لوگ سو رہے تھے اور باقی اونٹ کی

تلاش میں گئے ہوئے تھے۔

مگر اس دوسری روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ نے روحاء کے مقام پر اس قافلے کو دیکھا تھا۔ اس بات سے شبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ اگر آپ کی واپسی کے وقت آپ روحاء کے مقام پر اس قافلے کے پاس سے گزرے تھے تو صبح کو مشرکوں سے آپ کا یہ فرمانا کہ وہ قافلہ اب ثنیہ کے مقام پر پہنچا ہوگا۔ ٹھیک نہیں رہتا۔ کیونکہ روحاء سے کسی قافلے کا ایک رات میں ان کے پہنچ جانا بالکل ناممکن بات ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ روحاء سے وہ روحاء مراد نہیں ہے جو مدینے کے قریب ہے بلکہ دوسری جگہ مراد ہے جو مکے سے قریب ہے۔ واللہ اعلم۔

براق کی بو پا کر اونٹوں کا بدکنا...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

پھر میں بنی فلاں کے قافلے کے پاس پہنچا تو میرے براق کی بو پا کر اونٹ بھڑک اٹھے اور ان میں سے ایک سرخ اونٹ بیٹھ گیا اس اونٹ کی کھال پر سفید دھاریاں ہیں مگر میں نہیں جانتا کہ یوں اچانک بھاگنے کی وجہ سے اونٹ کے چوٹ بھی آئی یا نہیں۔"

یہ روایت تیسرے واقعہ کی ہو سکتی ہے مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وہی پہلی روایت ہو جس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ ان اونٹوں میں سے ایک بیٹھ گیا تھا جیسے اس تیسری روایت میں وہ لفظ نہیں ہیں جو پہلی روایت میں ہیں کہ پھر ان کا ایک اونٹ بدک کر بھاگ گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ پھر میں بنی فلاں کے قافلے کے پاس پہنچا جو فلاں جگہ ٹھہرا ہوا تھا اور اس میں ایک اونٹ پر سیاہ اور سفید و سیاہ جھولیں تھیں۔ جب براق اس قافلے کے سامنے پہنچا تو وہ اونٹ بھڑک اٹھا اور پھر گر پڑا جس سے اس کی ٹانگ کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی۔ نیز ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جسے میرے بتلانے پر فلاں آدمی لے کر آیا۔ میں نے قافلے والوں کو سلام کیا تو ان میں سے کسی نے کہا یہ تو محمد کی آواز ہے۔

یہ واقعہ سنا کر آپ نے مشرکوں سے فرمایا کہ اب تم لوگ ان قافلے والوں سے میری بات کی تصدیق کر سکتے ہو۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اور اس سے پہلی روایت دونوں وہی ہیں جو سب سے پہلے بیان ہوئی ہے۔ بس اس میں یہ اضافہ ہے کہ پھر میں نے ان کو سلام کیا۔ غرض یہ بات سن کر مشرکوں نے کہا کہ لات و عزیٰ کی قسم یہ بات ثبوت بن سکتی ہے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں بنی فلاں کے قافلے کے پاس سے گزرا جو ابواء کے مقام پر تھا یہ ابواء جیسا کہ پیچھے بھی کئی جگہ بیان ہوا مکے اور مدینے کے بیچ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس قافلے کے آگے آگے ایک سرخ رنگ کا اونٹ تھا۔ یعنی خاکستری رنگ کا تھا جیسا کہ ذکر ہوا۔ اور وہ قافلہ اب ثنیہ کے مقام پر پہنچنے ہی والا ہے۔ لوگ یہ سنتے ہی ثنیہ کے مقام پر پہنچے جہاں آنحضرت ﷺ کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ مگر اس تصدیق کے بعد انہوں نے یہ کہا کہ ولید سچ ہی کہتا ہے کہ یہ شخص جادوگر ہے۔

ادھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِىٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِى الْقُرْاٰنِ الایہ پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۶ آیت ۶۰

ترجمہ: اور ہم نے جو تماشہ آپ کو شب معراج دکھلایا تھا اور جس درخت کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے ہم نے تو ان دونوں چیزوں کو ان لوگوں کے لئے موجب گمراہی کر دیا۔

(یہاں اس واقعہ اسراء کو رویاء فرمایا گیا ہے جس کے معنی خواب کے ہیں حضرت تھانویؒ نے اس کا

ترجمہ تماشہ کیا ہے اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اس کو "نمود یعنی خواب" لکھا ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسراء کا خواب مراد ہے لیکن یہ (سونے کی حالت کا خواب نہیں ہے بلکہ) آنکھوں دیکھا خواب یعنی رویاء عین ہے۔ جس طرح رویت عین دیکھنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح رویاء عین بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے اگرچہ بعض لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہے (کیونکہ رویاء کے معنی خواب ہیں اور رویت اصل دیکھنے کو کہتے ہیں۔ اسی لئے اختلاف کرنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ خواب میں پیش آیا۔ مگر عام جمہور علماء کے قول کے مطابق یہ واقعہ خواب کا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں آپ جاگنے کی حالت میں اپنے جسم مبارک کے ساتھ تشریف لے گئے تھے) ظاہر ہے کہ اگر اسراء کا واقعہ خواب میں پیش آیا ہوتا تو اس واقعہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کو جھٹلایا نہ جاتا (کیونکہ خواب میں دیکھی ہوئی عجیب چیزوں پر کوئی کسی کو نہیں جھٹلاتا)

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت نازل ہونے کا سبب یہ ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے حکم ابن ابوالعاص ابو مروان کی اولاد کو جو بنی امیہ کے لوگ تھے خواب میں بندروں کی شکل میں دیکھا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ میں نے بنی مروان کو اپنے ممبر یعنی تخت خلافت پر باری باری جھپٹتے دیکھا۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ان کو اپنے ممبر پر بندروں کی طرح اچک اچک کر اور اچھل اچھل کر چڑھتے دیکھا۔ ایک روایت میں اس کے بعد یہ لفظ بھی ہیں کہ۔ اس کے بعد کسی نے کبھی آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر ہنسی نہیں دیکھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی وما جعلنا

ایک روایت یہ ہے کہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ پ30 سورہ کوثر آیہ

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو کوثر (ایک حوض کا نام ہے اور ہر خیر کثیر بھی اس میں داخل ہے) عطا فرمائی ہے۔ سوان نعمتوں کے شکریہ میں آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔ بالیقین آپ کا دشمن بے نام و نشان ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ پ30 سورہ قدر

ترجمہ: بے شک قرآن کو ہم نے شب قدر میں اتارا ہے اور (شوق بڑھانے کے لئے فرماتے ہیں کہ) آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے (آگے جواب ہے کہ) شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔

بعض علماء نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مراد ہے کہ یہ شب قدر ان ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن میں آپ کے بعد بنی امیہ کے لوگ حکمران ہوں گے۔ کیونکہ بنی امیہ کی خلافت کی مدت بیاسی سال ہے جس کے ایک ہزار مہینے بنتے ہیں۔ بنی امیہ میں جو لوگ خلیفہ ہوئے ان کی تعداد چودہ ہے ان میں سب سے پہلے حضرت امیر معاویہ ابن ابوسفیان ہیں اور سب سے آخری خلیفہ مروان ابن محمد ہے۔

ایک عالم سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ بنی امیہ کا خاندان بھی بہت بڑا تھا اور مال و دولت اور غلام باندیاں بھی بے شمار تھیں اس کے باوجود ان کی سلطنت کے زوال کا سبب کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔

"وہ اپنے مخلصوں سے دور ہو گئے اور اپنے دشمنوں کی جاہلانہ باتوں میں آکر ان سے قریب ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے مخلص ان سے دور ہو جانے کی وجہ سے ان کے دشمن ہو گئے اور دشمن قریب آجانے کے

بالو خود ...ست نہ بن سکے۔"

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں گزرا ہے کہ آپ نے بنی مردان کو خواب میں دیکھا۔ اس کے متعلق ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے دوسرے محدثوں نے اس کو منکر کہا ہے۔

اسی طرح ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"میں نے بنی عباس کو دیکھا کہ وہ میرے ممبر پر پہنچنے کے لئے ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں میں یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوا"

(اس بارے میں گزشتہ قسطوں میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ اس قسم کی حدیثیں پوری چھان بین کے بغیر قابل اعتبار نہیں ہیں کیونکہ بنی امیہ اور بنی عباس کے درمیان ایک عرصہ تک اقتدار اور سلطنت کی جنگ رہی ہے اور اس کے نتیجہ میں دونوں نے ایک دوسرے کو کمتر دکھانے کی کوشش کی ہے چنانچہ بہت سی حدیثیں بھی اسی مقصد سے گھڑی گئی ہیں۔ واللہ اعلم)

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت یعنی وما جعلنا معاہدہ حدیبیہ کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے جو خواب دیکھا تھا اس پر نازل ہوئی تھی۔ آپ نے اس معاہدے سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ سر منڈائے ہوئے اور بال کترائے ہوئے مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں۔

مگر اس کے بعد جب آپ اس مقصد سے مکے تشریف لے گئے تو کفار نے آپ کو مکے میں داخل نہیں ہونے دیا اس پر بعض صحابہ نے آپ سے عرض کیا۔

"کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ آپ اس کے ساتھ مکے میں داخل ہوں گے۔"

آپ نے فرمایا۔

"بے شک کہا تھا۔ لیکن کیا میں نے یہ کہا تھا کہ اسی سال داخل ہوں گا۔"

صحابہ نے عرض کیا نہیں یہ تو نہیں فرمایا تھا۔ تب آپ نے فرمایا کہ بس پھر یہ اسی طرح ہے جیسے جبرئیل نے کہا ہے اس واقعہ کی تفصیل معاہدہ حدیبیہ کے بیان میں آگے آئے گی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت اس خواب کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی جو آپ نے غزوہ بدر کے متعلق دیکھا تھا۔ اس خواب میں جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو مشرکوں کی شکست اور بچھڑنے وغیرہ کی جگہیں دکھلائی تھیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو وہ جگہیں دکھلائیں۔ قریش کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑایا۔

اب گویا اس آیت کے نازل ہونے کی بہت سی وجہیں ذکر ہوئیں مگر اس سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے یہ آیت ان سب اسباب کی وجہ سے نازل ہوئی ہو اس لئے کہ بعض آیتیں مختلف اسباب کے تحت مختلف اوقات میں اور بار بار نازل ہوئی ہیں۔ علامہ ابن حجر ہیثمی کہتے ہیں کہ ایک آیت کے نازل ہونے کے سبب مختلف ہو سکتے ہیں لیکن اسی صورت میں جبکہ وہ تمام اسباب نازل ہونے سے پہلے پیش آچکے ہوں۔

ایک قافلے کے مکے پہنچنے کے متعلق دن کا تعین...... ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جس قافلے کا ذکر فرمایا تھا اس کے بارے میں متعین کر کے بتلایا تھا کہ وہ فلاں دن مکے پہنچ جائے گا۔ مشرکوں نے آپ سے پوچھا تھا کہ وہ قافلہ یہاں کب پہنچے گا تو آپ نے فرمایا۔

"وہ قافلہ تمہارے پاس فلاں دن پہنچ جائے گا۔ اس میں آگے آگے ایک خاکستری رنگ کا اونٹ ہوگا جس پر گندم گوں رنگ کی جھول ہوگی اور اس پر دو بورے لدے ہوئے ہوں گے۔"

اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کے لئے سورج یعنی دن کو روکا گیا...... جب وہ دن آیا تو قریش کے لوگ گھروں سے نکل کر اس قافلے کا انتظار کرنے لگے۔ آخر دن ڈھلنے لگا مگر وہ قافلہ نہیں پہنچا یہاں تک کہ سورج چھپنے کے قریب ہوگیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالی سے دعا فرمائی کہ سورج کو غروب ہونے سے اس وقت تک کے لئے روک دے جب تک کہ وہ قافلہ نہ آجائے (تاکہ اس طرح کفار آپ کو جھوٹا نہ سمجھیں) چنانچہ حق تعالی نے سورج کو اس کی جگہ روک دیا یہاں تک کہ وہ قافلہ دن چھپنے سے پہلے پہنچ گیا جس میں وہ ساری علامتیں موجود تھیں جو آنحضرت ﷺ نے بتلائی تھیں۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: ممکن ہے یہ بات کسی دوسرے قافلے کے بارے میں آپ نے دن متعین کر کے فرمائی ہو جس کے پاس سے آپ کا گزر ہوا تھا۔ لہٰذا اس گزشتہ روایت میں کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا جس کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ وہ اب ثنیہ کے مقام پر پہنچنے والا ہے۔

سورج کے روکے جانے کے متعلق قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے بھی اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وشمس الضحى طاعتك وقت مغيبها
فما غربت بل وافقتك بوقفته

ترجمہ: اور چمکتے ہوئے سورج نے اپنے غروب ہونے کے وقت آپ کے حکم کی تعمیل کی چنانچہ وہ غروب نہیں ہوا بلکہ آپ کی خواہش کے مطابق کچھ دیر تک اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ کے لئے سورج کو طلوع ہونے سے روکا گیا تھا۔ چنانچہ ایک راویت میں ہے کہ ایک مشرک نے جب آپ سے یہ کہا کہ ہمیں ہمارے قافلے کے متعلق بتلاؤ تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے قافلے کے پاس سے تنعیم کے مقام پر گزرا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس قافلے میں کتنے اونٹ تھے کیا سامان تھا اور قافلے میں کون کون لوگ تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں اس پر غور نہیں کر سکا تھا۔ مگر اس کے بعد پھر آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے قافلے میں اونٹوں کی تعداد سامان کی تفصیل اور قافلے والوں کے متعلق خبر دی اور فرمایا۔

"یہ قافلہ آفتاب طلوع ہونے کے وقت تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔"

چنانچہ اللہ تعالی نے (آنحضرت ﷺ کی دعا پر) اس وقت تک سورج کو طلوع ہونے سے روکے رکھا جب تک کہ وہ قافلہ مکے نہیں پہنچ گیا۔ یہ لوگ جب قافلے کو دیکھنے کے لئے نکلے تو اچانک کسی نے کہا۔

"لو یہ سورج تو نکل آیا۔"

اسی وقت کسی دوسرے نے پکار کر کہا۔

"اور لو یہ قافلہ بھی آگیا۔ اس میں وہی فلاں فلاں آدمی ہیں۔"

قافلے میں وہ لوگ نکلے جن کے متعلق آنحضرت ﷺ بتلا چکے تھے۔ اب اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کے متعلق بھی وہی بات کہی جاتی ہے جو پیچھے بیان ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

جہاں تک سورج کے رکنے کا تعلق ہے اس کا مطلب ہے کہ سورج کی حرکت (یعنی زمین کی

گردش) بالکل رک گئی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ حرکت ہلکی ہو گئی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ وقت کے لحاظ سے اپنی جگہ سے پیچھے ہو جاتا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس موقعہ کے علاوہ اور کبھی آنحضرت ﷺ کے لئے سورج کو نہیں روکا گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ غزوہ خندق کے دن بھی آنحضرت ﷺ کے لئے سورج کو غروب ہونے سے روکا گیا تھا یہاں تک کہ آپ نے عصر کی نماز پڑھی اور اس کے بعد سورج غروب ہوا۔ مگر اس روایت کی تردید اس قول سے ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ اس دن آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز سورج غروب ہو جانے کے بعد پڑھی تھی اور فرمایا تھا کہ ان مشرکوں نے ہمیں نماز وسطی درمیانی نماز یعنی عصر کی نماز سے روک دیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مگر بعض حضرات نے اس بارے میں دوسری ہی بات لکھی ہے کہ غزوہ خندق کئی دن تک رہا تھا۔ ان میں سے ایک دن سورج کو شفق یا اس کے بعد کی زردی کی شکل میں روکا گیا تھا اور آپ نے اسی وقت میں نماز پڑھی اور بعض دنوں میں روکا نہیں گیا بلکہ آپ نے غروب کے بعد نماز پڑھی۔ ان ہی بعض حضرات نے کہا ہے کہ شفق کی سرخی یا زردی میں تاخیر کی روایت کرنے والا دوسرا ہے اور غروب میں تاخیر کی روایت کرنے والا دوسرا شخص ہے اور اس طرح یہ دونوں باتیں الگ الگ روایتوں میں کہی گئی ہیں۔

<u>دوسرے انبیاء جن کے لئے سورج کو روکا گیا</u>...... ایک ضعیف روایت ہے کہ داؤد علیہ السلام کے لئے بھی ایک بار سورج کو غروب سے روکا گیا تھا۔ علامہ بغویؒ نے لکھا ہے کہ اسی طرح ایک مرتبہ سورج کو سلیمان علیہ السلام کے لئے بھی روکا گیا ہے چنانچہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو حکم دیا جو سورج پر متعین ہیں کہ وہ اس کو پیچھے پھیر دیں تاکہ سلیمان علیہ السلام عصر کی نماز وقت کے اندر پڑھ لیں۔

<u>سلیمان علیہ السلام کے لئے بھی سورج کو روکا گیا تھا</u>...... اس کا مطلب ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے لئے سورج کو پیچھے پھیرا گیا تھا روکا نہیں گیا تھا جبکہ یہاں اس کو روکے جانے کے سلسلہ میں ہی بحث چل رہی ہے ادھر بعض حضرات نے کہا کہ سلیمان علیہ السلام نے اپنے گھوڑوں کی کوچیں کاٹ ڈالی تھیں اور انکی گردن ماردی تھی کیونکہ ان کی وجہ سے وہ وقت پر عصر کی نماز ادا نہیں کر سکے تھے یعنی حق تعالیٰ کا حکم اس کے وقت میں پورا نہیں کر سکے تھے انہوں نے صدقہ نہیں کیا۔ تو یہ بھی انہوں نے حق تعالیٰ کے حکم کی تعظیم میں کیا تھا کیونکہ صدقہ کرنے میں بھی وقت کا صرف ہونا ضروری تھا۔

سلیمان علیہ السلام اور گھوڑوں کا واقعہ

سلیمان علیہ السلام اور گھوڑوں کے جس واقعہ کی طرف پچھلی سطروں میں اشارہ کیا گیا ہے احقر مترجم۔

تشریح...... : اس واقع کی تفصیل کتاب قصص الانبیاء وغیرہ سے پیش کر رہا ہے۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ رُدُّوهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ الایہ پ ۲۳ سورہ ص ع ۳ آیت ۳۰ تا ۳۳

ترجمہ: اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا۔ بہت اچھے بندے تھے کہ خدا کی طرف رجوع ہونے والے تھے چنانچہ (وہ قصہ ان کا یاد کرنے کے قابل ہے) جبکہ شام کے وقت ان کے روبرو اصل اور عمدہ گھوڑے پیش

کئے گئے تو کہنے لگے کہ افسوس میں اس مال کی محبت میں لگ کر اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب پردہ مغرب میں جھک گیا (پھر حشم و خدم کو حکم دیا کہ) ذرا ان گھوڑوں کو پھر تو میرے سامنے لاؤ۔ سو انہوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔

ملکہ صبا کی خواہش اور سیر زمین...... ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام سے ملکہ بلقیس نے کہا۔ آپ روز ہوا کے تخت پر سوار ہو کر ساری دنیا کی سیر اور نظارہ کرتے ہیں۔ ایک روز ہمیں بھی اپنے ساتھ لے چلئے تاکہ ہم بھی اس سیر سے لطف اندوز ہو سکیں اور مختلف جزیرے وغیرہ دیکھ سکیں۔

چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ ان کے تخت کو فلاں جزیرے میں لے چل بلقیس اس جزیرے کے خوبصورت مناظر دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ اس جزیرے میں جو گھوڑے تھے ان کے بازوؤں میں پر تھے۔ یہ گھوڑے سلیمان علیہ السلام کا تخت دیکھ کر پرندوں کی طرح اڑ گئے۔

سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو پکڑ کر لاؤ۔ مگر جنات نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! ان گھوڑوں کو پکڑنا ہماری طاقت سے باہر ہے البتہ فلاں جن ان کو پکڑ سکتا ہے مگر وہ آپ سے بغاوت کر کے دریا کی تہہ میں چھپ گیا ہے۔ اس جن کو اس طرح پکڑا جا سکتا ہے کہ ہم اس کو آپ کے مرنے کی خبر دیں۔ اس خبر پر وہ فوراً نکل آئے گا۔

چنانچہ سلیمان علیہ السلام کی اجازت پر یہ جنات گئے اور تمام دریاؤں کے پاس جا کر آواز لگائی کہ سلیمان کا انتقال ہو گیا ہے تم باہر نکل آؤ۔ وہ اسی وقت سمندر کی تہہ سے باہر آ گیا تو انہوں نے اس سے کہا کہ سلیمان مر چکے ہیں اب ہم آرام سے ان کے ملک میں جا کر رہ سکیں گے۔ جب وہ جن ان کے قریب آیا تو اچانک انہوں نے کمند ڈال کر اس کو پکڑ لیا اور اس کو سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر پیش کیا۔ سلیمان علیہ السلام نے اس کو تیز نگاہوں سے دیکھا تو اس نے خوفزدہ ہو کر آپ سے معافی اور جاں بخشی چاہی۔ سلیمان علیہ السلام نے اس شرط پر اس کی جاں بخشی کا وعدہ کیا کہ وہ آپ کے لئے اس جزیرے سے وہ گھوڑے پکڑ کر لائے۔

یہ جن اپنے ساتھ دوسرے کچھ جنات کو لے کر ان میں سے چالیس گھوڑوں کو پکڑ کر لایا۔ اس وقت عصر کی نماز کا وقت تھا مگر سلیمان علیہ السلام ان گھوڑوں کی عمدگی دیکھ کر ایسے مشغول ہوئے کہ عصر کی نماز کا وقت ختم ہونے لگا اسی وقت جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے سلیمان علیہ السلام کو اس مشغولیت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پہنچائی انہوں نے فوراً توبہ اور استغفار کی اور ان گھوڑوں کو دوبارہ اپنے سامنے پیش کئے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ جب یہ گھوڑے پھر لائے گئے تو انہوں نے ان کی ٹانگیں اور گردنیں کاٹ ڈالیں کہ ان میں گھر کر وہ عصر کی نماز ادا نہیں کر سکے۔

ادھر ان کے لئے سورج کو روک دیا گیا تاکہ عصر کا وقت ختم نہ ہو اور انہوں نے وقت کے اندر اندر نماز ادا کر لی تشریح ختم۔ ان قصص الانبیاء واقعہ سلیمان علیہ السلام)

یوشع علیہ السلام کے لئے بھی سورج کو روکا گیا تھا...... اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھانجے حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے بھی سورج کو روکا گیا ہے یہی ابن نون ابن یوسف صدیق علیہ السلام ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد یہی ان کے جانشین ہوئے اور انہوں نے تبلیغ دین کا کام کیا۔

اس واقعہ کی تفصیل اور کنعانی قوم پر یلغار...... موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ان

کو اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو ارض مقدس یعنی ملک شام کی سرزمین کا وارث بنایا جائے گا اس وقت سرزمین شام پر کنعانی قوم کا قبضہ تھا جو انتہائی ظالم اور سرکش لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان سرکشوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ یہی قوم عمالیق کی قوم تھی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ جو چھ لاکھ سر فروش تھے روانہ ہوئے اور کنعانیوں کے شہر کے قریب جاکر ٹھہرے یہ اریح شہر تھا۔

ہیبت ناک قوم...... یہاں پہنچ کر موسیٰ علیہ السلام نے بارہ آدمیوں کا ایک گروہ روانہ کیا۔ انہوں نے ہر قبیلے میں سے ایک ایک آدمی اس گروہ میں شامل کیا تھا تاکہ یہ لوگ کنعانیوں کی خبریں لاکر دیں۔ یہ لوگ شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ اس قوم کے لوگوں کے قد بدن حیرت ناک حد تک بڑے اور عظیم الشان تھے۔

چنانچہ کسی نے لکھا ہے کہ (ان لوگوں کے جسم اور ڈیل ڈول اتنے بڑے اور ہیبت ناک تھے کہ) اس نے اس قوم کے ایک آدمی کی آنکھ کے گڑھے کے چاروں طرف ایک مادہ بجو اور اس کے بچوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ستر آدمی ان میں سے ایک آدمی کی کھوپڑی کے نیچے بیٹھ سکتے تھے۔ ان لوگوں کے ایک انگور کو بنی اسرائیل کے پانچ آدمی مل کر اٹھا سکتے تھے۔ اسی طرح کنعانیوں کے انار تھے اگر اس کے دانے نکال دیئے جائیں تو اس کے خول میں ان کے چار یا پانچ آدمی گھس کر بیٹھ سکتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کے جنگی جاسوس...... غرض جب موسیٰ علیہ السلام کے یہ بارہ جاسوس شہر میں پہنچے تو ایک کنعانی نے ان کو دیکھ لیا۔ وہ ایک گٹھڑی میں کچھ پھل لئے ہوئے تھا اس نے ان بارہ کے بارہ آدمیوں کو بھی اٹھا کر اپنی گٹھڑی میں رکھ لیا اور ان کو اپنے بادشاہ کے سامنے لایا بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ تو انہوں نے کہا۔

"ہم موسیٰؑ کے جاسوس ہیں۔"

بادشاہ نے کہا۔

"(اب تمہیں ہماری طاقت و قوت کا اندازہ ہو گیا ہوگا) جاؤ میں تمہیں چھوڑتا ہوں جاکر اپنے آدمیوں سے ہمارے متعلق بتلادو۔"

کتاب عرائس میں ہے کہ یہ پکڑنے والا عوج ابن عنق تھا۔ یہ عنق آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک بدکار عورت تھی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ روئے زمین پر یہ سب سے پہلی فاحشہ اور بدکار عورت تھی (عوج اسی عورت کا حرامی بیٹا تھا)

اس قوم کا مشہور شخص عوج بن عنق...... تشریح: عوج بن عنق کی لمبائی ضرب المثل ہے اور اس کے لمبے قد کے متعلق عجیب و غریب باتیں مشہور ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے اس کے بارے میں روایت نقل کی ہے کہ یہ عوج بن عنق بنت آدم تھا۔ اس کے قد کی لمبائی تین ہزار تین سو تینتیس گز تھی اور جسم کی چوڑائی صرف تین گز تھی۔ مگر یہ روایتیں ناقابل اعتبار اور واہی قسم کی ہیں۔ یہ روایات خود حدیث صحیح کے بھی خلاف ہیں جہاں تک انسان کے قد کی لمبائی کا تعلق ہے اس کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ سب سے لمبے قد کے انسان آدم علیہ السلام تھے آپ نے فرمایا ہے کہ آدم علیہ السلام کا قد اللہ تعالیٰ نے ساٹھ ہاتھ رکھا تھا اور ان کے بعد سے آج تک انسانوں کے قد گھٹتے جارہے ہیں۔

عوج ابن عنق کے متعلق جو روایات ہیں وہ سب اسرائیلی ہیں جن کا صحیح ہونا یقینی نہیں۔ عوج بن عنق کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ یہ کافر تھا اور زنا کی اولاد یعنی حرامی تھا۔ یہ طوفان نوح کے وقت موجود تھا مگر اپنی سرکشی کی وجہ سے کشتی میں نہیں بیٹھا تھا۔ مگر جب طوفان آیا تو پانی اس شخص کے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچا چنانچہ یہ زندہ سلامت رہا۔

مگر ظاہر ہے یہ روایت بے سروپا اور غلط ہے کیونکہ قرآن پاک سے اس بات کی تردید ہوتی ہے۔ حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ ان کافروں میں سے ایک کو بھی روئے زمین پر زندہ نہ چھوڑ۔ یہ دعا قرآن پاک میں ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا تھا۔ چنانچہ طوفان آیا اور اس کی تباہی میں ایک بھی کافر زندہ نہیں رہا تھا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچالیا اور باقی سب کافروں کو غرقاب کر دیا۔

اب ظاہر ہے کہ جب اپنی نافرمانی کی وجہ سے نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی اس تباہی سے نہ بچ سکا اور غرق ہو گیا تو عوج ابن عنق کیسے بچ گیا جو ایک کافر اور زنا کی اولاد تھا۔ تشریح ختم۔ از مرتب)

(یہاں موسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے بارہ جاسوسوں کا ذکر ہو رہا ہے جن کو ایک شخص نے پکڑ لیا تھا جس کے بارے میں ایک قول یہ گذرا ہے کہ ان لوگوں کو پکڑنے والا عوج بن عنق تھا)

کتاب عرائس میں ہے کہ جب اس عوج بن عنق نے ان لوگوں کو دیکھا اس وقت اس کے سر پر لکڑیوں کا ایک گھٹڑ رکھا ہوا تھا۔ اس نے ان بارہ آدمیوں کو بھی ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا اور اپنی بغل میں دبا کر اپنے گھر بیوی کے پاس لایا اور اس سے کہنے لگا۔

"ذرا ان لوگوں کو تو دیکھنا یہ ہمارے ساتھ جنگ کرنے کو آئے ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے ان بارہ آدمیوں کو اٹھا کر بیوی کے سامنے پھینک دیا اور اس سے بولا۔

"میں انہیں اپنے پیر سے نہ مسل ڈالوں۔"۔

اس کی بیوی نے کہا۔

"نہیں! بلکہ ان کو چھوڑ دو تاکہ انہوں نے یہاں جو کچھ دیکھا ہے وہ اپنی قوم کو جا کر بتلادیں۔"

جاسوسوں کی واپسی اور بنی اسرائیل کا خوف...... چنانچہ اس نے ان کو چھوڑ دیا۔ یہ لوگ واپس موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے اور ان کو سارا حال کہہ دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ یہ بات دوسرے لوگوں سے نہ بتائیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف تھا کہ کہیں بنی اسرائیل اس خبر پر خوفزدہ نہ ہو جائیں اور موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ کر واپس نہ ہو جائیں۔ مگر ان بارہ آدمیوں نے موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت کا کچھ خیال نہیں کیا اور ہر ایک نے اپنی اپنی قوم کے لوگوں کو وہ سارا بھیانک اور ہیبت ناک حال کہہ سنایا جو وہ دیکھ کر آئے۔

یہ خبر سن کر بنی اسرائیل کے لوگ سخت خوفزدہ ہوگئے اور انہوں نے فوراً جنگ نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر ان بارہ آدمیوں میں سے دو نے اپنی اپنی قوم کو یہ حال نہیں سنایا تھا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق اس بات کو چھپائے رہے۔ ان میں سے ایک حضرت یوشع ابن نون تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور دوسرے کالب ابن یوقنا تھے جو یوسف علیہ السلام کے بھائی بن یامین کی اولاد میں سے

تھے۔

بددعاء موسوی...... غرض بنی اسرائیل نے یہ خبر سننے کے بعد کنعانیوں سے جنگ نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا جس کو قرآن نے بھی ذکر کیا ہے۔

"تم اور تمہارا رب ہی جا کر ان سے لڑلو ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

اس پر موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لئے بددعا فرمائی اور حق تعالیٰ سے عرض کیا۔

"اے اللہ! میں صرف اپنا اور اپنے بھائی کا ذمہ دار ہوں۔"

کیونکہ اس موقعہ پر موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینے والا اور ان پر یقین رکھنے والے ان کے بھائی ہارون یوشع اور کالب ہی رہ گئے تھے اس آیت میں یوشع اور کالب ہی مراد ہیں۔

قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ الایہ پ ۶ سورہ مائدہ ع آیت ۲۳

ترجمہ: ان دو شخصوں نے جو کہ ڈرنے والوں میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تھا کہا کہ تم ان پر دروازے تک تو چلو سو جس وقت تم دروازے میں قدم رکھو گے اسی وقت غالب آجاؤ گے اور اللہ پر نظر رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم ڈرومت کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ ہم ان کو جانتے ہیں ان کے بدن اور ڈیل ڈول تو بہت بڑے بڑے ہیں مگر ان کے دل بہت چھوٹے ہیں اس لئے ان سے ڈرومت بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان والے ہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس دعا میں موسیٰ علیہ السلام کی اپنے بھائی سے مراد خاص طور پر صرف ہارون علیہ السلام ہی نہیں ہیں بلکہ وہ دوسرے لوگ بھی ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ محبت رکھی اور آپ کے حکم کو مانا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی۔

"(اے اللہ! میں صرف اپنے اور اپنے بھائی پر ہی اختیار رکھتا ہوں) اس لئے تو ہمارے اور اس بے حکم اور فاسق قوم کے درمیان فیصلہ فرمادے۔ یعنی ہمارے اور ان نافرمانوں کے درمیان دوری پیدا فرمادے)"

بددعاء کا اثر اور بنی سرائیل کی سرگردانی...... حق تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور انہیں میدان تیہہ میں بھٹکنے کو چھوڑ دیا کہ اب یہ یہاں سے چالیس سال تک نہیں نکل سکتے چنانچہ وہ نافرمان لوگ اس کے بعد اسی میدان میں حیران و پریشان ٹھوکریں کھاتے پھرتے رہے اور انہیں اس سے نکلنے کا راستہ نہ ملا) وہ اس میدان میں چھ فرسخ کے علاقے میں اس طرح بھٹکتے رہے کہ سارا دن چلتے اور شام ہوتی تو اپنے آپ کو اسی جگہ پاتے جہاں سے چلے تھے اور رات بھر چلتے تو صبح کو اپنے آپ کو اسی جگہ پاتے جہاں سے رات چلے تھے (واضح رہے کہ ایک فرسخ تقریباً آٹھ کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ کل اڑتالیس کلومیٹر کا علاقہ تھا جس میں یہ قوم چالیس سال تک بھٹکتی رہی)

میدان تیہہ میں من و سلویٰ کا نزول اور دیگر عجائبات......(اس مصیبت کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے وہیں کچھ عجائبات بھی ظاہر فرمائے اور آسانیاں عطا فرمائیں) مثلاً یہ کہ ان لوگوں کو کھانے پینے کی تنگی اور فکر سے بچانے کے لئے ان کے واسطے آسمان سے من و سلویٰ اتارا جانے لگا۔ اسی طرح ان کے بدن پر جو

کپڑے تھے ان کو ایسا کر دیا گیا کہ وہ نہ پھٹتے تھے اور نہ میلے ہوتے تھے ادھر ان کو ایسا کر دیا کہ اگر وہ بچے کو پہنائے ہیں تو بچے کا جسم بڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ بھی بڑھتے رہتے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک بادل کے ذریعہ ان پر سایہ فرمادیا تاکہ وہ سورج اور دھوپ کی شدت سے محفوظ رہیں۔

چالیس دن اور چالیس سال...... جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی یہ حیرانی اور تھکاوٹ دیکھی تو وہ اپنی بددعا پر نادم ہونے لگے۔

کتاب حیوۃ الحیوان میں یہ ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل نے چالیس دن تک بچھڑے کی عبادت کی تھی اس لئے ان کو چالیس سال تک میدان تیہہ میں بھٹکا کر اس کی سزا دی گئی اور ہر دن کے بدلے میں ایک سال کی سزا ملی۔ غرض موسیٰ علیہ السلام اپنی بددعا پر نادم ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی جس کا قرآن پاک میں ذکر ہے کہ آپ ان نافرمانوں اور فاسقوں کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔

کتاب انس جلیل میں ہے کہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانے میں یہ شہر اریحا ان طاقتور سرکشوں کا ٹھکانہ تھا اور اسلام کے زمانے میں یہ شہر فوج کے ہراول دستوں کے افسروں کا ٹھکانہ ہے کیونکہ اب یہ بیت مقدس کے دیہات میں سے ایک گاؤں ہے۔

ہارون علیہ السلام کی وفات اور بنی اسرائیل کا شک...... غرض اس کے بعد اسی میدان تیہہ میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی وفات ہو گئی پہلے ہارون علیہ السلام کا انتقال ہوا اور ان کے دو سال بعد موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ اس بات سے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ ہارون علیہ السلام کی قبر مبارک احد کے میدان میں ہے جیسا کہ آگے اس کا بیان آئے گا۔ اسی طرح اس بات سے اس قول کی بھی تردید ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہارون علیہ السلام سے پہلے ہوا تھا اور ان کو ہارون علیہ السلام نے دفن کیا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کی برات اور اس کا ثبوت...... ایک قول ہے کہ ہارون علیہ السلام نے کسی غار میں ایک تخت دیکھا تھا۔ وہ جیسے ہی اس پر کھڑے ہوئے ان کا انتقال ہو گیا۔ اس پر بنی اسرائیل نے کہا کہ چونکہ بنی اسرائیل ہارون علیہ السلام سے محبت رکھتے تھے اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے ان کو حسد کی وجہ سے قتل کر دیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔

"تمہارا برا ہو۔ وہ میرے بھائی اور وزیر تھے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ایسے شخص کو قتل کروں گا۔"

مگر بنی اسرائیل کو یقین نہیں آیا اور اسی طرح ان کے خلاف چرچا کرتے رہے۔ آخر موسیٰ علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھ کر حق تعالیٰ سے دعا مانگی جس پر اللہ تعالیٰ نے وہ تخت اتارا جس پر کھڑے ہونے سے ہارون علیہ السلام کی موت ہوئی تھی۔ اب لوگوں نے جب آسمان و زمین کے بیچ میں اس تخت کو دیکھا تو انہیں یقین آیا۔

مگر ایک قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے اس الزام پر موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کو ساتھ لے کر ہارون علیہ السلام کی قبر پر گئے اور وہاں انہوں نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ ہارون علیہ السلام کو دوبارہ زندہ کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا اور پھر خود ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بتلایا کہ ان کو موسیٰ نے قتل نہیں کیا بلکہ ان کا انتقال ہوا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد یوشعؑ ان کے جانشین...... غرض ان دونوں پیغمبروں کی وفات کے بعد حضرت یوشع ابن نون ان کے جانشین ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبری سے سرفراز فرمایا۔ (ی) یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کا آخر وقت آپہنچا تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ ان کے بعد یوشع نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جبارین یعنی کنعانی قوم کے سرکشوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع بنی اسرائیل کو لے کر چلے اور کنعانیوں سے لڑے۔

کنعانیوں سے جنگ اور سورج روکے جانے کا واقعہ...... یوشع علیہ السلام کنعانیوں سے کئی دن تک لڑے آخر کنعانیوں کی شکست کے آثار نظر آنے لگے۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ جب یوشع علیہ السلام کو فتح ہونے لگی تو سورج ڈوبنے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس وقت یوشع علیہ السلام نے سورج کو خطاب کر کے کہا۔

"اے سورج! تو بھی حکم کا غلام ہے اور میں بھی پروردگار کے حکم کا بندہ ہوں۔ تجھے میری حرمت کی قسم کہ تو ایک گھڑی ٹھہر کر دن کی روشنی کو باقی رکھ۔"

ایک روایت میں ہے کہ یوشع علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

"اے اللہ! اس سورج کو میرے لئے تھوڑی دیر روک دے۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا۔ یہاں تک کہ یوشع علیہ السلام نے شہر فتح فرمالیا۔ یوشع علیہ السلام نے یہ دعا اس لئے مانگی تھی کہ یہ جمعہ کا دن تھا۔ سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی سنیچر کا دن شروع ہو جاتا اور سنیچر کے دن بنی اسرائیل میں لڑائی اور خون ریزی حرام تھی کیونکہ یہ ان کا محترم دن تھا۔

علامہ سبکی نے یوشع علیہ السلام کے لئے سورج کے روکے جانے کو سورج کا پھیرا جانا اور لوٹایا جانا کہا ہے ان کا شعر ہے۔

وردت عليك الشمس بعد مغيبها
كما انها قدما ليوشع ردت

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے لئے بھی سورج کو اس کے چھپنے کے بعد دوبارہ واپس لوٹایا گیا جیسا کہ یوشع علیہ السلام کے لئے اس کو واپس پھیر آگیا تھا۔

اس شعر میں اگر اس کے چھپنے کے بعد کا فقرہ نہ ہوتا تو کوئی اشکال کی بات نہیں تھی کیونکہ اس صورت میں چھپنے سے مراد سورج کا روک دیا جانا ہو سکتا تھا اس کا غروب ہونا نہیں۔ اسی لئے علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ۔ وہ حدیث جس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور جو امام بخاری کی شرائط کے مطابق ہے اس میں یہ ہے کہ سوائے یوشع علیہ السلام کے سورج کو کسی بشر یعنی انسان کے لئے نہیں روکا گیا یہ واقعہ ان راتوں میں پیش آیا تھا جن میں وہ بیت المقدس کی طرف بڑھے تھے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کو فتح کرنے والے یوشع علیہ السلام ہیں موسیٰ علیہ السلام نہیں تھے اور یہ بھی کہ سورج کو بیت المقدس کی فتح کے وقت روکا گیا تھا اریحا کی فتح کے وقت نہیں۔ یہاں تک علامہ ابن کثیر کا کلام ہے جو گزشتہ تفصیل کے خلاف ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی قبر نا معلوم ہے...... کتاب غرائس میں یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات میدان تیہہ میں نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ اریحا کی طرف گئے۔ اس لشکر کے ہراول یعنی اگلے حصہ میں

یوشع علیہ السلام تھے۔ یہاں پہنچ کر یوشع علیہ السلام اپنے دستے کے ساتھ اریحا شہر میں داخل ہوگئے اور انہوں نے جبارین یعنی کنعانیوں سے زبردست جنگ کی ان کے بعد موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ یہاں وہ کچھ عرصہ رہے اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا مگر مخلوق میں کسی کو ان کی قبر کا پتہ نہیں ہے۔

اس تفصیل کے بعد کتاب عرائس میں لکھا ہے کہ یہ قول دوسرے تمام اقوال کے مقابلے میں سچائی اور صداقت کے قریب ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی آخر وقت میں دعا......اس کے بعد اسی کتاب میں لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے کہا۔

"اے پروردگار! مجھے بیت المقدس کی سرزمین سے ایک تیر کی مار کے برابر قریب کردے۔"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اگر میں وہاں ہوتا تو تم کو ان کی قبر دکھلاتا جو ریت کے سرخ ٹیلے کے پاس راستے پر ہے۔"

علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ سوائے یوشع علیہ السلام کے سورج کو کسی انسان کے لئے نہیں روکا گیا۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ واقعہ حضرت یوشع کی خصوصیات میں سے تھا۔ لہذا اس کی روشنی میں وہ روایت کمزور ہو جاتی ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ غزوہ خیبر کے موقعہ پر سورج کو غروب ہونے کے بعد لوٹایا گیا تھا یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے عصر کی نماز پڑھی جو اس لئے رہ گئی تھی کہ آنحضرت ﷺ اپنی سواری پر سو گئے تھے۔ یہ واقعہ آگے بیان ہوگا۔ (پھر علامہ ابن کثیر خیبر والی اس روایت کے بارے میں کہتے ہیں کہ) یہ حدیث منکر ہے اس میں صحیح یا حسن ہونے کا کوئی جز نہیں ہے پھر یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو مختلف وجہوں سے اس کی روایت ضروری تھی اور بہت سے معتبر راوی اس کو بیان کرتے مگر اس کو اہل بیت میں سے صرف ایک عورت نے روایت کیا ہے اور وہ ایسی کہ اس کے متعلق کوئی تفصیل نہیں (کہ عام زندگی میں وہ کیسی تھی اور اس کی باتیں قابل اعتبار ہوتی تھیں یا نہیں) یہاں تک علامہ ابن کثیر کا کلام ہے۔

مگر اس روایت پر جو شبہ ہوتا ہے وہ آگے بیان ہوگا کیونکہ ایک حدیث یہ ہے کہ سورج کو (ی) سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی کے لئے روکا نہیں گیا۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ مراد سورج کو روکنے سے ہے اس کو غروب ہو جانے کے بعد پھیرنے یعنی واپس لوٹانے سے نہیں ہے جب کہ ان دونوں باتوں میں فرق ہے کیونکہ سورج کو روکنے کا مطلب ہے اس کو اپنی جگہ پر ٹھہرا دینا اور پھیرنے کا مطلب ہے اس کے غروب ہونے کے بعد اس کو پھر واپس لانا بہرحال یہ اختلاف قابل غور ہے۔

سورج کے روکے جانے پر ایک شبہ......علامہ سبط ابن جوزی نے لکھا ہے یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سورج کو روکنا یا اس کو دوبارہ واپس پھیر دینا مشکل ہے جو سمجھ میں نہیں آسکتا کیونکہ اس کے رکنے کی وجہ سے یا لوٹائے جانے کی وجہ سے دن اور رات میں فرق پیدا ہوگا اور اسکے نتیجہ میں آسمانوں کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ معجزات میں سے ہے اور معجزات کے سلسلے میں کوئی عقلی قیاس بھی

---

[1] حدیث صحیح حدیث منکر اور حدیث حسن کی تعریفیں سیرت حلبیہ کے گذشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیے۔

کام نہیں کر سکتا (بلکہ وہ حق تعالی کی طرف سے ظاہر ہونے والی ایک خلاف عادت بات ہوتی ہے جو جزو اور کل کا مالک ہے۔

بغداد کے ایک شیخ کا واقعہ ...... بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی قسم کا واقعہ بغداد میں ایک بزرگ کے لئے بھی پیش آیا ہے۔ یہ بزرگ عصر کی نماز کے بعد وعظ کہنے کے لئے بیٹھے اور اس میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے اہل بیت یعنی خاندان والوں کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کئے۔ اسی دوران میں ایک بادل سورج کے سامنے آگیا جس سے روشنی کم ہو گئی۔ اس پر ان بزرگ اور دوسرے تمام حاضرین نے یہ سمجھا کہ سورج چھپ گیا ہے اس لئے انہوں نے مغرب کی نماز کے لئے اٹھنے کا ارادہ کیا یہ دیکھ کر ان بزرگ نے لوگوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ ابھی نہ جائیں اس کے بعد انہوں نے مغرب کی جانب اپنا رخ کر کے کہا۔

لاتغربی یاشمس حتی ینتهی
مدحی لآل المصطفی ولنجله

ترجمہ: اے سورج اس وقت تک غروب مت ہو جب تک کہ میں آنحضرت ﷺ کی اولاد کی تعریفیں اور مدح ختم نہ کرلوں۔

ان کان للمولی وقوفك فلیکن
هذا الوقوف لولده ولنسله

ترجمہ: اگر تو اب سے پہلے آقائے نامدار کے لئے ٹھہرا تھا تو اس وقت تیرا ٹھہرنا آقائے نامدار کی اولاد اور نسل کے لئے ہوگا۔

ان کی اس دعا پر سورج ایک دم پھر سامنے آکر چمکنے لگا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر ان بزرگ پر لوگوں نے ہدیوں اور پوشاکوں کی بارش کر دی۔ یہاں تک علامہ سبط ابن جوزی کا کلام ہے۔

(مگر اس واقعہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ سورج غروب ہو چکا تھا اور پھر ان بزرگ کی دعا پر دوبارہ نکلا کیونکہ ہو سکتا ہے صرف بادل کے پیچھے ہی چھپا ہو غروب نہ ہوا ہو۔ ہاں یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگ کی دعا پر سورج بدلی کے پیچھے سے فوراً نکل آیا اور اس طرح لوگوں میں وہ بے چینی ختم ہو گئی جو اس خیال سے پیدا ہو گئی تھی اور جس کی وجہ سے یہ مجلس اکھڑ رہی تھی۔ اور یہ بات آل رسول کے ذکر کی کرامت اور آنحضرت ﷺ کا اعزاز تھی)

یوشع کے ہاتھوں اریحا کی فتح ...... (غرض اس درمیانی تفصیل کے بعد پھر یوشع علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا ذکر ہوتا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے یہ اریحا شہر فتح کر لیا تو ان کو وہاں سے بے شمار مال و دولت مال غنیمت میں ملا۔ جیسا کہ بیان ہوا کہ پچھلی امتوں کے لئے مال غنیمت یعنی جنگ کے بعد ہارے ہوئے دشمن کے کیمپ کے مال و دولت کے متعلق اللہ تعالی کا یہ حکم تھا کہ جو کچھ اس طرح ہاتھ لگتا اس کو جمع کر کے آگ میں قربان کر دیا جاتا تھا یعنی اگر اس مال میں کسی کی بد نیتی کی وجہ سے کچھ کمی نہ ہوتی بلکہ پورا ہوتا تو اوپر سے آگ آکر اس کو کھالیتی تھی۔ گویا آگ کا آنا اور اس کو کھالینا اس بات کی علامت تھا کہ سارا مال صحیح سالم اور جوں کا توں ہے جیسا کہ بیان ہوا مال غنیمت کا استعمال آنحضرت ﷺ کے علاوہ کسی نبی کے لئے حلال نہیں ہوا۔ اس کی تفصیل آگے بھی آئے گی۔

غرض بنی اسرائیل کو یہ مال و دولت ہاتھ لگا تو دستور کے مطابق اس کی نیاز پیش کی گئی مگر اس کو کھانے کے لئے آگ نہیں آئی۔ اس پر لوگوں نے یوشع علیہ السلام سے کہا۔

"اے خدا کے نبی! کیا بات ہے آگ نے ہماری نیاز کو کیوں نہیں کھایا۔"

انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے کسی نے اس مال میں بدنیتی کی ہے اس کے بعد انہوں نے ہر قبیلے کے سردار کو بلا کر اس سے ہاتھ ملایا تو اچانک ان میں سے ایک کا ہاتھ یوشع علیہ السلام کی ہتھیلی سے چپک گیا۔ یوشع علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ تمہاری ہی قوم میں کسی نے بدنیتی کی ہے۔ اس نے کہا کہ میں کس طرح معلوم کروں کہ کس نے کی ہے تو یوشع علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنی قوم میں ایک ایک آدمی کے ساتھ اسی طرح مصافحہ کرو۔ چنانچہ اس نے ایسا کیا تو ایک شخص کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چپک گیا۔ اس نے اس سے پوچھا تو اس شخص نے اقرار کیا کہ ہاں سونے کا بنا ہوا گائے کا ایک سر تھا جس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں اور دانت موتیوں کے بنے ہوئے تھے مجھے وہ پسند آیا تو میں نے چپکے سے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ اس کے بعد اس نے وہ سر لا دیا اور پھر مال غنیمت میں اس کو ملا کر رکھا گیا تو فوراً آگ آئی اور اس نے تمام مال کو کھالیا۔

موسیٰ علیہ السلام کے لئے چاند و سورج دونوں کو روکا گیا تھا...... علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ جیسے آنحضرت ﷺ کے لئے سورج کو روکا گیا تھا اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی اس کو طلوع ہونے سے روکا گیا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے لئے چاند کو بھی طلوع ہونے سے روکا گیا تھا۔

چنانچہ حضرت عروہ ابن زبیر سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے ساتھ بیت المقدس کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا تو ان کو یہ بھی حکم فرمایا کہ اپنے ساتھ یوسف علیہ السلام کے جسم مبارک کی ہڈیاں بھی نکال کر لے جائیں ان کو سرزمین مصر میں نہ چھوڑیں بلکہ اپنے ساتھ لے کر جائیں اور ان کو بیت المقدس کی سرزمین میں دفن کر دیں تاکہ اس طرح یوسف علیہ السلام کی وصیت پوری ہو جائے۔

اس کا مفصل واقعہ...... چنانچہ روایت ہے کہ جب مُوسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ کا یہ حکم ملا تو انہوں نے لوگوں سے تحقیق کی کہ کسی کو یوسف علیہ السلام کا مزار معلوم ہے یا نہیں۔ مگر کسی کو بھی مزار کا پتہ نہیں تھا۔ آخر بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا ملی۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر کہا۔

ایک بڑھیا کی طرف سے نشان دہی...... اے خدا کے نبی! مجھے ان کے مزار کی جگہ معلوم ہے مگر میں آپ کو اس شرط پر وہ جگہ بتلا سکتی ہوں کہ آپ اپنے ساتھ ہی مجھے بیت المقدس لے کر جائیں مجھے یہاں مصر میں نہ چھوڑ جائیں!

موسیٰ علیہ السلام نے اس سے وعدہ کر لیا ایک روایت میں ہے کہ بڑھیا نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا۔

"میں اس شرط پر آپ کو وہ جگہ بتلا سکتی ہوں کہ میں آپ کے ساتھ جنت میں رہوں گی۔"

یعنی آپ مجھے اپنے ساتھ جنت میں بھیجے جانے کی دعا مانگیں۔ بڑھیا کی یہ بات موسیٰ علیہ السلام کو گراں گزری تو لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ بڑھیا سے وعدہ کر لیجئے۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اس سے وعدہ فرمالیا۔

مزار یوسف ملنے کی پہلی روایت...... ادھر موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ اس رات چاند نکلتے ہی ان کو ساتھ لے کر روانہ ہو جائیں گے۔ اس لئے انہوں نے دعا مانگی کہ اے اللہ چاند کو آج دیر سے طلوع فرما تاکہ میں یوسف علیہ السلام کے معاملے سے فارغ ہو جاؤں۔ حق تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول

فرمائی۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام اس بڑھیا کے ساتھ گئے اس نے ان کو دریائے نیل کے کنارے پانی سے بھرا ہوا ایک گڑھا دکھلایا اور کہا کہ اس گڑھے کا پانی نکالو۔ چنانچہ جب لوگوں نے گڑھے کا پانی نکال دیا تو اس نے کہا اب اسے کھود دو اور یوسف علیہ السلام کے جسم مبارک کے آثار نکال لو۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ وہ بڑھیا موسیٰ علیہ السلام کو دریائے نیل کے قریب یعنی اس کے کنارے پر ایک ابھری ہوئی جگہ پر لائی۔ ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ غرض اس گڑھے کی تہہ میں انہیں لوہے کا ایک کھونٹا ملا جس میں زنجیر بندھی ہوئی تھی۔ ممکن ہے اس روایت میں جس کھدائی کا ذکر ہے وہ اس صندوق کے ملنے پر کی گئی ہو اس لئے ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

غرض انہیں یوسف علیہ السلام کے آثار ایک لوہے کے صندوق میں ملے جو دریائے نیل کے بیچ میں تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس لوہے کے صندوق کو کھینچ کر نکال لیا تو اس کے اندر ایک اور صندوق تھا جو سنگ مرمر یعنی سفید پتھر کا بنا ہوا تھا اور یوسف علیہ السلام کے جسم مبارک کے آثار اس میں تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس صندوق کو اٹھالیا۔

دوسری روایت...... کتاب انس جلیل میں یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک بے حد بوڑھا شخص آیا جس کی عمر تین سو سال تھی۔ اس نے ان سے کہا۔

"اے خدا کے نبی یوسف علیہ السلام کی قبر کے متعلق میری والدہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ساتھ اپنی والدہ کے پاس چلو۔ یہ شخص موسیٰ علیہ السلام کو لے کر اپنے گھر آیا اندر جا کر یہ آدمی موسیٰ علیہ السلام کو ایک ٹوکری کے پاس لایا جس میں اس کی ماں تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بڑھیا سے کہا۔

"کیا تم یوسف علیہ السلام کی قبر کی جگہ جانتی ہو؟"

مزار کی نشان دہی کے لئے عجیب شرط...... اس نے کہا۔

ہاں! میں جانتی ہوں۔ مگر آپ کو اس وقت تک نہیں بتاؤں گی جب تک کہ آپ میرے لئے یہ دعا نہیں فرمائیں گے کہ میری وہ جوانی لوٹ آئے جو سترہ سال کی عمر میں تھی۔ اور میری عمر اتنی ہی اور بڑھ جائے جتنی گزر چکی ہے۔"

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے لئے دعا فرمائی اور بڑھیا سے کہا۔

"تمہاری عمر کتنی ہے۔"

اس نے کہا نو سو سال۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور اس کے بعد وہ عورت مزید نو سو سال تک زندہ رہی اور اٹھارہ سو سال کی عمر میں مری۔

غرض اس بڑھیا نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسفؑ کی قبر دکھلائی۔ یہ قبر دریائے نیل کے بیچ میں تھی تاکہ اس کے اوپر سے پانی گزرتا رہے اور وہ پانی سارے مصر کے لوگ استعمال کریں اور سب کو برکت حاصل ہو۔

آنحضرت ﷺ کے لئے سورج کے دوبارہ ظاہر ہونے کا واقعہ...... جہاں تک سورج کے ڈوبنے

کے بعد اس کے دوبارہ ظاہر ہونے کا تعلق ہے تو یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے لئے غزوہ خیبر میں پیش آیا ہے۔

چنانچہ حضرت اسماء بنت عمیس فرماتی ہیں کہ غزوہ خیبر کے دوران ایک دن آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی اس وقت آپ کا سر مبارک حضرت علیؓ کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ پر یہ کیفیت سورج غروب ہونے کے بعد جاکر ختم ہوئی جب کہ حضرت علیؓ نے اس وقت تک عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی غرض جب حضرت ﷺ کو اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے کہا۔

"کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی تھی؟"

انہوں نے عرض کیا۔ "نہیں!"

آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی۔

"اے اللہ! یہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت اور خدمت میں تھا اس لئے اس کے واسطے سورج کو لوٹا دے۔"

حضرت اسماء کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا سورج ڈوب جانے کے بعد دوبارہ نکل آیا۔

بعض محدثین نے کہا ہے کہ جس شخص کو علم سے کچھ لگاؤ اور واقفیت ہے وہ ہرگز اس حدیث سے بے خبر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ یہ حدیث متصل ہے (حدیث متصل کی تعریف سیرت حلبیہ اردو قسط اول میں گزر چکی ہے) کتاب امتاع نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث حضرت اسماء سے پانچ سندوں کے ساتھ روایت ہے۔

اب اس بات سے ابن کثیر کا وہ قول رد ہو جاتا ہے جو پیچھے بیان ہوا ہے کہ اس حدیث کو صرف ایک عورت نے بیان کیا ہے جو بالکل غیر معروف ہے اور جس کا حال کچھ معلوم نہیں ہے۔ اسی طرح اس سے ابن جوزی کے اس قول کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ یہ حدیث بلا شبہ موضوع یعنی من گھڑت ہے۔

کتاب امتاع میں اس حدیث کو پانچوں سندوں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے مگر پانچویں سند میں یہ لفظ ہیں کہ خیبر کے دن حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مال غنیمت تقسیم کرنے میں مصروف تھے کہ اسی میں سورج غروب ہو گیا تھا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اے علی! کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی۔ انہوں نے کہا نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فوراً وضو فرمائی اور مسجد میں بیٹھ کر دو یا تین کلمے فرمائے جو ایسا لگتا تھا جیسے حبشی زبان کے کلمے ہوں۔ اسی وقت سورج پہلے کی طرح عصر کے وقت میں لوٹ آیا۔ حضرت علیؓ اٹھے اور انہوں نے وضو کر کے عصر کی نماز پڑھی۔ اب آنحضرت ﷺ نے پھر اسی طرح کلمے فرمائے جیسے پہلے فرمائے تھے جس سے سورج پھر واپس مغرب میں جاکر چھپ گیا جس سے ایسی آواز سنائی دی جیسے آرہ چلنے کی آواز ہوئی ہے۔

مگر یہ روایت تمام سندوں کے خلاف ہے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سند میں کچھ خبریں رہ گئی ہیں۔ اصل میں پہلے حضرت علی ﷺ آنحضرت ﷺ کے ساتھ خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم میں مصروف تھے اس کے بعد آپ ان کی گود میں سر رکھ کر سو گئے اور پھر آپ کی آنکھ اس وقت کھلی جب کہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ اس طرح ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

عجائبات سفر

سفر بیت المقدس میں مدینے سے گزر...... (اس تفصیل کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کے اسراء کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ قال) حدیث میں آتا ہے کہ بیت المقدس پہنچنے سے پہلے جبکہ آنحضرت ﷺ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ جارہے تھے کہ راستے میں آپ ایک سرسبز علاقے سے گزرے یہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا۔

"یہاں اتر کر نماز پڑھ لیجئے۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہاں سواری یعنی براق سے اتر کر نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ پھر براق پر سوار ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا۔

"کیا آپ جانتے ہیں آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے ؟"

آپ نے فرمایا نہیں! تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔

"آپ نے طیبہ یعنی مدینے میں نماز پڑھی ہے او یہی آپ کی ہجرت گاہ ہے۔"

ہجرت کے سلسلے میں آگے بیان ہوگا کہ اس روایت میں کیا شبہ ہے۔

غرض اس کے بعد براق پھر اسی برق رفتاری کے ساتھ روانہ ہو گیا کہ اس کی ہر ٹاپ حد نگاہ پر پڑتی تھی یہاں تک کہ ایک دوسرے علاقے میں پہنچ کر پھر جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ یہاں اتر کر نماز پڑھ لیجئے چنانچہ آپ نے نماز پڑھی۔ پھر جب آپ براق پر سوار ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کو معلوم ہے آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔

مدین سے گزر اور یہاں نماز...... آپ نے مدین میں نماز پڑھی ہے۔"

یہ مدین غزہ کے سامنے شجر موسیٰ کے قریب ایک بستی کا نام ہے جہاں موسیٰ رہے تھے۔ اس بستی کا نام مدین ابن ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا کیونکہ مدین نے ہی اس جگہ قیام کیا تھا جس کے بعد یہاں آبادی ہو گئی۔

بیت لحم سے گزر اور یہاں نماز...... غرض اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ براق پر سوار ہو کر آگے روانہ ہوئے اور وہ آپ کو لئے ہوئے برق رفتاری کے ساتھ دوڑنے لگا۔ کچھ دور چل کر پھر ایک جگہ جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے فرمایا کہ یہاں اتر کر نماز پڑھئے چنانچہ آپ نے نماز پڑھ لی تو پھر جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں آپ نے کس جگہ نماز پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں تو جبرئیلؑ نے کہا۔

"آپ نے بیت لحم میں نماز پڑھی ہے۔"

یہ بیت لحم بیت المقدس کے قریب ایک بستی کا نام ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔

ایک جن کی طرف سے تعاقب اور دعا جبرئیل...... کتاب ہدیٰ میں ہے کہ ایک قول کے مطابق آنحضرت ﷺ نے بیت لحم میں اتر کر نماز پڑھی مگر یہ بات صحیح نہیں ہے نیز یہ کہ جب آنحضرت ﷺ بیت

المقدس کی طرف براق پر جارہے تھے تو اچانک آپ نے ایک خوفناک جن دیکھا جب بھی آپ مڑ کر دیکھتے تو وہ جن ایک آگ کا شعلہ لئے ہوئے آپ کے پیچھے لپکتا ہوا ملتا۔ اس پر جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا۔

"کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ بتلادوں کہ اگر آپ ان کو پڑھیں تو یہ آگ ٹھنڈی ہو جائے گی اور یہ شعلہ بجھ جائے گا۔"

آپ نے فرمایا بے شک بتلایئے جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ پڑھئے۔

اَعُوذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ وَ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَاتِ الَّتِي لَايُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَايَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمِنْ شَرِّمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَاَ فِي الْاَرْضِ وَمِنْ شَرِّمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ طَوَارِقِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِلَّا طَارِقٌ يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَارَحْمٰنُ

ترجمہ: میں اللہ بزرگ و برتر کی ذات کے ذریعہ اور اس کے ان مکمل کلمات کے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں جن سے آگے کوئی نیک وبد نہیں جاسکتا۔ پناہ مانگتا ہوں ہر اس برائی سے جو آسمان سے نیچے اترتی ہے اور ہر اس برائی سے جو آسمانوں کی طرف جاتی ہے اور ہر اس برائی سے جو زمین میں بوئی جاتی ہے اور ہر اس برائی سے جو زمین سے نکلتی ہے اور رات اور دن کے تمام فتنوں سے اور راتوں اور دنوں کے گھومنے والوں سے۔ سوائے ان گھومنے اور چلنے والوں کے جو خیر اور بھلائی کے ساتھ چلتے ہیں۔ یارحمٰن

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہ کلمات پڑھے تو اسی آن اس جن کی پھنکاریں ختم ہو گئیں اور اسکا شعلہ بجھ گیا۔

مجاہدین کی اخروی حالت کا مشاہدہ...... اسی سفر میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرنے والوں کا حال دیکھا یعنی آپ کو دار الجزاء یعنی آخرت کی مثالی شکل کے ذریعہ مجاہدین کے حالات دکھلائے گئے۔ چنانچہ ان میں سے آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک دن یعنی ایک گھڑی میں زمین میں کچھ بوتے ہیں اور اگلے دن یعنی اگلی گھڑی میں اس بوائی کی فصل کاٹ لیتے ہیں اور کیفیت یہ تھی کہ جب بھی وہ فصل کاٹتے اسی وقت پھر ویسی ہی تیار فصل پیدا ہو جاتی۔ اس پر جبرئیل علیہ السلام سے آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ تو انہوں نے کہا۔

"یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے لوگ ہیں۔ ان کی ہر نیکی کا ثواب سات سو گنا کر دیا جاتا ہے اور جو کچھ یہ حضرات خیر اور بھلائی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اللہ تعالی ان کا نعم البدل ان کو عطا فرماتے ہیں۔"

مجاہدین کا اجر...... مجاہدین کے اجر کے سلسلے میں یہ بعد کے الفاظ ان کے حال کے مطابق ہیں کہ جو کچھ یہ حضرات اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کا ان کو نعم البدل دیا جاتا ہے بعد کے الفاظ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو فصل کاٹتے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ پھر اسی تعداد کے مطابق جو کہ سات سو گنا ہے پھر پیدا ہو گئی البتہ فرق یہ ہے کہ تعداد کا یہ اضافہ مجاہدوں کے لئے ہی خاص نہیں ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی کے ہر نیک عمل کے بدلے میں اس کی نیکی کو دس گنا کے حساب سے بڑھا کر سات سو گنا تک کر دیا جاتا ہے۔

اس بارے میں یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اگرچہ یہ حکم سب کے لئے ہے مگر) مجاہدوں کے لئے نیکیوں کی یہ بڑھوتری لازمی ہے جس میں کوئی فرق نہیں ہوتا جبکہ ان کے علاوہ دوسروں کے معاملے میں ایسا نہیں ہے۔

شہزادی فرعون کی مشاطہ کے محل کا مشاہدہ...... اسی سفر میں آنحضرت ﷺ کو فرعون کی شہزادی کی

سنگھار کرنے والی عورت کی نہایت بہترین بھینی بھینی خوشبو آئی۔

تشریح...... فرعون کی شہزادی کا سنگھار کرنے والی عورت کے متعلق مولف نے یہاں صرف اتنا ہی لکھا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل مترجم علامہ ابن کثیر کی تاریخ البدایۃ والنہایہ سے لے کر یہاں نقل کر رہا ہے تاکہ پڑھنے والوں کے سامنے اس اشارہ کا پورا واقعہ آجائے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں معراج کی رات میں ایک جگہ سے گزرا تو مجھے نہایت بہترین بھینی بھینی خوشبو آئی جس سے فضا مہک رہی تھی۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ فرعون کی شہزادی کی مشاطہ یعنی سنگھار کرنے والی عورت کا محل ہے (جس میں سے یہ خوشبو پھوٹ رہی ہے)

اس مشاطہ کا عجیب واقعہ اور خضر کی شادی...... اس کا واقعہ ابن عساکر نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت خضر اور الیاس دونوں بھائی تھے ان کا باپ ایک بادشاہ تھا ایک دفعہ الیاس نے اپنے باپ سے کہا۔

"میرے بھائی خضر کو سلطنت اور حکومت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس لئے اگر آپ ان کی شادی کریں تو ہو سکتا ہے ان کے کوئی لڑکا ہو جائے اور پھر یہ سلطنت اس کو مل سکے۔"

حضرت خضر کی پہلی شادی...... چنانچہ بادشاہ نے حضرت خضر کی شادی ایک خوبصورت کنواری لڑکی سے کر دی شادی کے بعد جب حضرت خضر کی اپنی بیوی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس سے کہا۔

"مجھے عورت کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے اگر تم چاہو تو میں تمہیں طلاق دے کر آزاد کر دوں اور چاہو تو میرے ساتھ ہی رہو (لیکن ہمارے درمیان شوہر بیوی کا تعلق نہیں ہوگا بس تم بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی رہو اور اس راز کو چھپائے رہو (کہ ہم دونوں میں جنسی تعلق نہیں ہے)

بیوی اس پر تیار ہو گئی کہ بغیر جنسی تعلق کے ہی ان کے ساتھ رہے۔ چنانچہ ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ سال بھر بعد بادشاہ نے خضر کی بیوی کو بلایا اور کہا۔

"تم بھی نوجوان ہو اور میرا لڑکا بھی نوجوان ہے۔ پھر تمہارے یہاں اولاد کیوں نہیں ہوئی۔"

اس عورت نے خضر کی راز ظاہر نہیں کیا بلکہ بادشاہ سے کہا۔

"اولاد اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے وہ اگر چاہے تو ہو گی نہیں چاہے گا تو کیسے ہو گی۔"

دوسری شادی اس خاتون کے ساتھ...... اس پر بادشاہ نے حضرت خضر کو حکم دیا کہ وہ بیوی کو طلاق دے دیں چنانچہ انہوں نے طلاق دے دی۔ اس کے بادشاہ نے خضر کی شادی ایک ایسی بیوہ عورت کے ساتھ کی جس کے یہاں پہلے شوہر سے ایک لڑکا ہو چکا تھا۔ جب یہ عورت خضر کے پاس گئی تو انہوں نے اس سے بھی یہی کہا جو پہلی بیوی سے کہا تھا۔ اس نے بھی اسی حالت میں خضر کے ساتھ رہنا منظور کر لیا جب سال بھر گزر گیا تو بادشاہ نے اس خاتون کو بھی بلایا اور اس سے بھی وہی سوال کیا۔ اس نے خضر کا راز کھول دیا اور یہ کہا۔

"تمہارے بیٹے کو عورت کی ضرورت نہیں ہے۔"

افشاء راز اور فرار...... اس خبر پر بادشاہ نے خضر کو طلب کیا مگر وہ بادشاہ کے ڈر سے فرار ہو گئے بادشاہ کے آدمیوں نے ان کا پیچھا بھی کیا مگر ان کو پکڑ نہیں سکے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس دوسری عورت کو قتل کر دیا تھا کیونکہ اس نے وعدہ خلافی کی اور ان کا راز بادشاہ کے سامنے کھول دیا تھا اور اسی لئے وہاں سے فرار ہو گئے تھے۔ غرض خضر نے اس دوسری عورت کو بھی طلاق دے دی۔

اب یہ خاتون شہر کے ایک دور دراز حصے میں رہنے لگی اور وہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگی۔ ایک روز اس کے سامنے سے ایک شخص گزرا جس نے بسم اللہ کہا۔ اس خاتون نے اس سے پوچھا کہ یہ کلمہ تم نے کہاں سے سیکھا اس نے کہا کہ میں خضر کے ساتھیوں میں سے ہوں۔ اس پر اس مشاطہ نے اس شخص کے ساتھ شادی کر لی جس سے اس کے یہاں کئی اولاد بھی ہوئی۔

یہ خاتون شہزادی فرعون کی مشاطہ کی حیثیت میں......اس کے بعد کسی طرح یہ نیک دل عورت فرعون کی شہزادی کی مشاطہ یعنی کنگھی چوٹی اور سنگھار کرنے والی مقرر ہو گئی۔ ایک روز یہ شہزادی کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی کہ اس کے ہاتھ سے کنگھی چھوٹ کر گر گئی۔ اس کے منہ سے ایک دم بسم اللہ نکلا اور پھر اس نے کنگھی اٹھالی) فرعون کی شہزادی نے یہ کلمہ سن کر اس سے کہا کہ اللہ تو میرے باپ ہیں۔ اس پر مشاطہ نے کہا۔

"نہیں۔ میرا اور تمہارا پروردگار اور تمہارے باپ کا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔"

کلمہ حق کہنے پر فرعون کے ہاتھوں مشاطہ کا انجام...... شہزادی نے اس بات کی خبر اپنے باپ فرعون کو پہنچادی (فرعون اس پر سخت غضب ناک ہوا کہ اس کی سلطنت میں ایک عورت نے اس کی خدائی سے انکار کیا) اس نے حکم دیا کہ تانبے کی ایک بڑی دیگ کو آگ میں تپا کر سرخ کیا جائے چنانچہ جب یہ دیگ آگ میں تپ کر بالکل سرخ انگارہ ہو گئی تو حکم دیا کہ اس مشاطہ اور اس کے دودھ پیتے بچے دونوں کو اس دیگ میں ڈال دیا جائے۔ اب اس خاتون نے جب یہ دیگ دیکھی اور حکم سنا تو یہ سخت دہشت زدہ ہوئی۔ اسی وقت اللہ نے اس دودھ پیتے بچے کو بولنے کی طاقت عطا فرمادی جو اس کی گود میں تھا۔ اس نے ماں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"ماں! صبر کرو کیونکہ تم حق اور سچائی پر ہو۔"

اس کے بعد اس مشاطہ اور اس کے بچے کو اس تپتی ہوئی دیگ میں ڈال کر مار ڈالا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس خاتون پر رحمت فرمائے۔ (تشریح ختم حوالہ البدایہ والنہایہ جلد اول ص **330** سے **331** مرتب)

آنحضرت ﷺ نے معراج کی رات میں اسی نیک دل خاتون کا محل دیکھا جس میں سے کہ خوشبوؤں کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ جیسا کہ پچھلی سطروں میں بیان ہوا)

آنحضرت ﷺ کا داعی یہود کے پاس سے گزر......اسی طرح آنحضرت ﷺ نے ایک دن یہود کی دعوت دینے والے کو دیکھا اور ایک دین مسیح کی دعوت دینے کو دیکھا۔ دین یہود کی دعوت دینے والے کو آپ نے اپنی دائیں جانب دیکھا جو آپ کو دیکھ کر یہ کہہ رہا تھا۔

"اے محمد! میری طرف دیکھئے میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں!"

آنحضرت ﷺ نے نہ تو اس کو جواب دیا اور نہ اس کی طرف متوجہ ہوئے بلکہ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبرئیل یہ کیا واقعہ ہے انہوں نے کہا۔

"یہ دین یہود کا دعوت دینے والا یعنی مبلغ ہے اگر آپ اس کی بات کا جواب دیدیتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی۔"

یعنی قرآن کے بجائے تورات پر عمل کرنے لگتی۔ مراد ہے کہ امت کا اکثر حصہ ایسا کرتا۔

داعی مسیح کے پاس سے گزر...... دوسرے یعنی دین مسیح کے دعوت دینے والے کو آپ نے اپنی بائیں جانب دیکھا جو آپ سے کہہ رہا تھا کہ اے محمد! دیکھئے میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں آپ نے اس کو بھی نہ تو

جواب دیا اور نہ ہی اس کی طرف متوجہ ہوئے بلکہ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے اس کے بارے میں پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔

"یہ دین مسیح کی دعوت دینے والا یعنی مبلغ ہے اگر آپ اس کی بات کا جواب دیدیتے تو آپ کی امت نصرانی یعنی عیسائی ہو جاتی۔"

یعنی قرآن کے بجائے انجیل پر عمل کرتی۔ مراد یہ ہے کہ امت کا اکثر حصہ ایسا کرتا۔

جہاں تک دین یہود کے مبلغ کے دائیں جانب نظر آنے اور دین مسیح کے بائیں جانب نظر آنے کا تعلق ہے تو اس کی حکمت ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا دین اول اور اصل ہے اسلئے اس کا مبلغ دائیں جانب نظر آیا)

دنیا کا پر کشش جلوہ...... اسی طرح معراج کی رات میں آنحضرت ﷺ کے سامنے دنیا کی حالت دکھلائی گئی یعنی دنیا اور اس کی رنگا رنگ دلچسپیوں کو مثالی شکل میں دکھلایا گیا۔ چنانچہ آپ نے ایک حسین و جمیل عورت کو دیکھا جو اپنے بازو کھولے ہوئے کھڑی ہے اور گویا وہ باتیں کرنا چاہتی ہے یہ عورت دنیا کی وہ تمام زینتیں اور بناؤ سنگھار کئے ہوئے تھی جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں۔ اگر عورت ایک بھی بناؤ سنگھار کرے تو اس کی طرف کتنا دل کھنچتا ہے اور وہ کتنی دلکش ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس عورت کی دلکشی کا کیا حال ہو گا جس نے ان تمام زینتوں کا سامان کر رکھا تھا جو اللہ تعالیٰ نے دلکشی بڑھانے کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ غرض اس عورت نے آپ کو دیکھ کر آپ سے کہا۔

"اے محمد! میری طرف دیکھئے۔ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

مگر آپ نے اسکی طرف توجہ نہیں دی بلکہ جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا۔

"یہ دنیا ہے۔ اگر آپ اسکی طرف توجہ دیتے تو آپ کی امت آخرت کے مقابلے میں دنیا کو اختیار کر لیتی۔"

اسی طرح آپ نے راستے کے کنارے ایک بڑھیا کو دیکھا اس نے بھی آپ سے یہی کہا کہ اے محمد میری طرف دیکھئے میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں مگر آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ بلکہ جبرئیل علیہ السلام سے ہی اس کے بارے میں بھی پوچھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔

"اس کی عمر کا اتنا ہی حصہ باقی ہے جتنا اس بڑھیا کا ہو سکتا ہے۔"

اس لئے دنیا کی زینت اور دلکشی اس لائق نہیں کہ اس کی طرف توجہ دی جائے کیونکہ اس پر بڑھاپا طاری ہو چکا ہے اور اس کی عمر میں سے اب تھوڑا سا ہی حصہ باقی رہ گیا ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے یہ لفظ نہیں کہے کہ۔ یہ دنیا ہے اور اس کی عمر میں سے۔ وغیرہ وغیرہ۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ دنیا کو جوان بھی کہا جاتا ہے اور بوڑھی بھی۔ بوڑھی تو اس کی ذات کے لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ دنیا اپنی عمر کے لحاظ سے بوڑھی ہے اور جوان دوسری چیزوں اور اس کی رنگا رنگ رعنائیوں کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ انسانی نسل کی ابتداء کے وقت سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور تک اس دنیا کو جوان کہا گیا۔ اس کے بعد سے آنحضرت ﷺ کے دور تک ادھیڑ عمر کی کہلائی اور پھر اس دور کے بعد سے قیامت تک کے لئے یہ بوڑھی کہلاتی ہے۔

اس تقسیم اور ان ناموں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جوانی اور بڑھاپا جاندار چیزوں پر طاری ہوتا ہے بے جان چیزوں کو جوان اور بوڑھا کیسے کہا جا سکتا ہے اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ دنیا کی جوانی اور اس کے بڑھاپے

سے غرض صرف مثال دینا ہے ورنہ ظاہر ہے حقیقت میں دنیا کو جوان اور بوڑھی کہنا صحیح نہیں ہو سکتا)

امانتوں کا بار کرنے والے کی مثالی شکل...... اسی طرح اس سفر میں آنحضرت ﷺ کے سامنے اس شخص کی مثالی شکل اور انجام پیش کیا گیا جو امانتیں قبول کرتا رہتا ہے مگر مالی حفاظت کی طاقت نہیں رکھتا۔ چنانچہ آپ کو ایک ایسے شخص کے سامنے لایا گیا جس نے لکڑیوں کا ایک بہت زبردست گٹھر جمع کر لیا ہے لیکن اس کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا مگر اس کے باوجود وہ اس بوجھ کو بڑھائے چلا جارہا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا۔

"یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے کہ اس کے پاس لوگوں کی امانتیں رہتی ہیں مگر یہ امانتوں کی حفاظت اور ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا لیکن اس کے باوجود امانتوں کو بڑھاتے رہنا چاہتا ہے۔"

فرض نماز چھوڑنے والوں کا مثالی انجام...... اسی طرح دارالجزاء یعنی آخرت میں آپ کو ان لوگوں کی مثالی شکل دکھائی گئی جو فرض نمازیں چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ آپ کو ایسے لوگ دکھلائے گئے جن کے سروں کو کچل کر ریزہ ریزہ کیا جارہا تھا۔ اس کے بعد وہ سر پھر اپنی اصلی حالت پر آجاتے اور پھر ان کو اسی طرح کچلا جاتا۔ غرض ان کو ذرا بھی مہلت نہیں دی جارہی تھی۔ یہ ہیبت ناک منظر دیکھ کر آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں انہوں نے کہا؟

"یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نمازیں ادا کرنے سے کترایا کرتے ہیں۔"

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کا مثالی انجام...... اسی طرح آپ کے سامنے ان لوگوں کی حالت اور انجام دکھلایا گیا جو اپنے اوپر فرض زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ اس کے بعد آپ ایسے لوگوں کے سامنے سے گزرے جن کی شرم گاہوں پر آگے اور پیچھے پھٹے ہوئے چیتھڑے لٹکے ہوئے تھے۔ اور وہ اونٹوں اور بکریوں کی طرح چر رہے تھے اور زقوم یعنی کڑوے پتے اور کانٹے کھا رہے تھے۔ یہ زقوم جیسا کہ بیان ہوا ایک انتہائی کڑوا درخت ہے جس کی زہریلی تلخی اور کڑواہٹ کو دنیا کے کسی درخت کی کڑواہٹ سے ظاہر نہیں کیا جاسکتا۔ نہ ہی یہ دنیا کا کوئی درخت ہے بلکہ یہ جہنم کا ایک درخت ہے اور اسی کو اس آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيٓ أَصْلِ الْجَحِيمِ قرآن حکیم پ ۲۳ سورہ صفٰت ع ۲ آیت ۶۴

ترجمہ: وہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ (یعنی دوزخ کی تلی) میں سے نکلتا ہے۔

اس درخت کے متعلق وہاں بیان ہو چکا ہے جہاں آنحضرت ﷺ کی ہنسی اڑانے والوں کا ذکر ہوا ہے۔ غرض لوگ زقوم کھا رہے تھے اور رضف یعنی جہنم کے تپے ہوئے پتھر چبا رہے تھے۔ رضف تپتے ہوئے پتھر کو کہا جاتا ہے۔ غرض ان لوگوں کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے کہا۔

"یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال میں سے وہ صدقات ادا نہیں کرتے جو ان پر فرض ہیں۔"

زناکاروں کا مثالی انجام...... اسی طرح آپ کو زناکاروں کا انجام دکھلایا گیا۔ پھر آپ کو ایسے لوگ دکھلائے گئے جن کے سامنے خوان لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ میں نہایت بہترین بھنا ہوا گوشت ہے اور کچھ میں سڑا ہوا اور بدبودار گوشت ہے وہ لوگ اس سڑے ہوئے بدبودار گوشت کو کھا رہے ہیں اور اس بہترین اور نفیس گوشت کو چھوڑ رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے کہا۔

"یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جن کے پاس حلال اور پاک دامن عورتیں یعنی بیویاں تھیں مگر یہ ان کو چھوڑ کر بدکا عورتوں کے ساتھ راتیں گزارتے اور صبح تک عیاشی اور حرام کاری کرتے تھے۔ یا وہ عورتیں جن کو حلال اور نیک مرد یعنی شوہر میسر تھے مگر وہ ان کو چھوڑ کر بدکار مردوں کے ساتھ راتیں گزارتی تھیں اور صبح تک داد عیش دیتی تھیں۔"

رہزنوں کا مثالی انجام...... اسی طرح آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کا حال دکھلایا گیا جو رہزنی اور ڈاکہ زنی کیا کرتے تھے اس کے بعد آپ کو ایک ایسی لکڑی کے پاس سے گزرا گیا جو راستے میں لگی ہوئی تھی اور جو چیز بھی اس کے پاس سے گزرتی تھی یہ اس کو پھاڑ ڈالتی تھی۔ آپ نے پوچھا جبرئیل یہ کیا ہے انہوں نے کہا۔

"یہ آپ کی امت کے ان لوگوں کی مثال ہے جو راستوں میں بیٹھ کر گھات لگایا کرتے ہیں اور رہزنی کرتے ہیں۔"

پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔

ولا تقعدوا بکل صراط توعدون الخ قرآن حکیم پ8 سورہ اعراف ع ۴

ترجمہ: اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو دھمکیاں دو۔

سود خوروں کے انجام کی مثالی شکل...... پھر آپ کو اس شخص کی حالت یعنی آخرت میں اس کا انجام دکھلایا گیا جو سود کا مال کھاتا ہے چنانچہ آپ نے ایسے لوگ دیکھے جو خون کے دریا میں تیر رہے ہیں اور پتھر نگل رہے ہیں آپ نے پوچھا یہ کون ہیں تو جبرئیل نے بتلایا کہ یہ سود خور ہیں ایسے ہی لوگوں کو قرآن پاک میں اس طرح تشبیہ دی گئی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ الاٰيۃ ۲۷۵ پ ۳ سورہ بقرہ ع ۳۸

ترجمہ: اور جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے قیامت میں قبروں سے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنادے لپٹ کر۔

یعنی جب قیامت کے دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو سود کا مال کھانے والے لوگ اپنی قبروں سے اس طرح نکل کر کھڑے ہوں گے جیسے وہ آدمی کھڑا ہوتا ہے جس کے دماغ میں شیطانی اثر کی وجہ سے خلل ہو کہ وہ جب بھی کھڑے ہوں گے تو کبھی سر کے بل گر پڑیں گے کبھی کمر کے بل اور کروٹ کے بل گریں گے جیسا کہ آسیبی اور شیطانی خلل والے کا حال ہوتا ہے یعنی میدان حشر میں پہنچتے وقت بھی اس کی یہ حالت ہوگی جبکہ دار الجزاء میں ان کی وہ حالت ہوگی جو بیان ہوئی۔

واعظ بے عمل کا مثالی انجام...... اسی طرح آنحضرت ﷺ کو اس عالم کی حالت اور انجام دکھا گیا جو دوسروں کو وعظ کہتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ ایسے لوگوں کے سامنے سے لے جایا گیا جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے اور جیسے ہی کٹ جاتے فوراً دوبارہ پیدا ہو جاتے اور پھر اسی طرح کاٹے جاتے اور ان کو ایک لمحے کی بھی مہلت نہ دی جاتی آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ جبرئیل یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا۔

"یہ آپ کی امت میں فتنہ پیدا کرنے والے واعظ اور خطیب ہیں جو زبان سے کچھ کہتے ہیں اور عمل کچھ کرتے ہیں۔"

چغل خوروں کے انجام کی مثالی تصویر...... اسی طرح آپ کو چغل خوروں کا انجام دکھلایا گیا چنانچہ آپ ایسے لوگوں کے سامنے سے گزرے جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے تھے آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو انہوں نے کہا۔

"یہ وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کا گوشت کھاتے ہیں یعنی غیبت کرتے ہیں اور انکی عزت و آبرو سے کھیلتے ہیں۔"

آوارہ اور مغرور لوگوں کا انجام...... پھر آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کا انجام دکھلایا گیا جو فحش اور گندی باتیں کرتے ہیں اور آوازیں کستے ہیں۔ چنانچہ آپ ایک جگہ سے گزرے جہاں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا اور اس میں سے ایک بہت بڑا بیل نکل رہا ہے پھر وہ اسی سوراخ میں جانا چاہتا ہے مگر جا نہیں پاتا۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔

یہ آپکی امت کا وہ شخص ہے جو بہت بڑی بڑی باتیں کہتا پھر ان پر شرمندہ ہوتا مگر اس کو لوٹا نہ سکتا تھا۔

جنت کی وادی سے گزر...... اسی طرح آنحضرت ﷺ کے سامنے جنت اور جنت میں رہنے والوں کا حال ظاہر کیا گیا چنانچہ آپ ایک وادی میں سے گزرے جہاں سے نہایت بہترین اور بھینی بھینی خوشبو نکل رہی تھی اور مشک سے زیادہ خوشبودار اور ٹھنڈی ہوا آرہی تھی ساتھ ہی یہاں آپ کو بہترین قسم کی ایک آواز سنائی دی۔ آپ نے پوچھا جبرئیل یہ کیا ہے تو انہوں نے کہا۔

"یہ جنت کی آواز ہے جو یہ کہہ رہی ہے کہ اے پروردگار مجھے وہی کچھ دے جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔"

جنت کی پکار...... تشریح: علامہ ابن کثیر نے جو روایت پیش کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جنت کی آواز یہ کہہ رہی ہے کہ میرے عشرت کدے کے ریشم و موتی سونا چاندی مونگے شہد پانی دودھ شراب اور جام کٹورے بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔

اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو جواب ملا۔

"ہر وہ مومن مرد و عورت تجھ میں داخل ہو گا جو محمد پر اور میرے رسولوں پر ایمان رکھتا ہو نہ میرے ساتھ شرک کرتا ہو اور نہ مجھ سے بڑھ کر یا میرے برابر کسی کو مانتا ہو اور نیک عمل کرتا ہو۔ سن لے جس کے دل میں میرا ڈر ہے اس کا دل ہر قسم کے خوف و خطر سے محفوظ رہتا ہے جو مجھ سے مانگتا ہے اس کو محروم نہیں رکھا جاتا۔ جو مجھے قرض دیتا ہے یعنی نیک عمل کرتا ہے اور میری راہ میں خرچ کرتا ہے میں اس کو بدلہ دیتا ہوں۔ جو مجھ پر توکل اور بھروسہ کرتا ہے اس کی پونجی کو اس کی ضروریات کے لئے کافی کرتا ہوں۔ میں ہی سچا معبود ہوں میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ میرا وعدہ سچا ہے غلط نہیں ہوتا۔ مومن کی نجات یقینی یقینی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی برکت والا اور سب سے بہترین خالق یعنی پیدا کرنے والا ہے۔"

یہ سن کر جنت نے کہا کہ بس میں خوش اور مطمئن ہوں۔ تشریح ختم یہاں تک ابن کثیر کا حوالہ ہے۔ (مرتب)

(ی) وادی میں جنت کا حال نظر آنے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ شاید یہ جگہ ساتویں آسمان کے اس حصے کی بالکل سیدھ میں ہو گی جہاں جنت ہے۔

دوزخ کا مشاہدہ...... اسی طرح آپ کو دوزخ کا حال دکھلایا گیا چنانچہ آپ ایک وادی میں پہنچے تو وہاں آپ نے ایک بہت بد نما آواز سنی اور بد بو محسوس فرمائی آپ نے پوچھا جبرئیل یہ کیا ہے۔ تو انہوں نے کہا۔ یہ جہنم کی آواز ہے جو یہ کہہ رہی ہے اے پروردگار! مجھے وہ غذا دے جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا۔"

جہنم کی پکار...... تشریح: علامہ ابن کثیر نے جہنم کے متعلق اس روایت کو تفصیل سے بیان کیا ہے جو یہ ہے کہ میری زنجیریں اور بیڑیاں میری آگ میرے شعلے اور گرمی ہوا اور پیپ اور عذاب کے دوسرے ہیبت ناک سامان بہت بڑھ گئے ہیں۔ میری گہرائی اور اس میں آگ کی تپش (یعنی میرا پیٹ اور اس کی بھوک بہت زیادہ ہے۔ اس لئے مجھے میری وہ خوراک دے جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔"

اس پر حق تعالی نے فرمایا۔

"ہر کافر و مشرک بد طینت بد معاش اور خبیث مرد و عورت تیری خوراک ہے۔"

اس پر جہنم نے کہا کہ بس بس خوش ہو گئی۔ تشریح ختم۔ یہاں تک علامہ ابن کثیر کا حوالہ ہے۔ مرتب)

جہاں تک جہنم کا تعلق ہے تو وہ اس وادی میں ہے جس کا ذکر ہوا ہے جیسا کہ آگے بیان آرہا ہے کہ یہ وادی جس میں اس وقت آپ تھے بیت المقدس میں ہے اس لئے یہ ممکن ہے کہ وہ وادی یعنی علاقہ جس جگہ جہنم ہے اس وادی کی سیدھ میں ہو جس کی وجہ سے آوازیں سنائی دیں۔

کتاب خصائص صغری میں ہے آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کو جنت اور دوزخ کا حال دکھلایا گیا۔ مگر خصائص صغری کے اس قول سے جنت اور دوزخ کے دیکھنے کی یہ روایتیں مراد نہیں ہو سکتیں جو پچھلی سطروں میں بیان ہوئی ہیں بلکہ اس قول میں جنت و دوزخ کا حال دکھلانے سے مراد خود جنت و دوزخ کا دیکھنا مراد ہے جو معراج کے وقت آپ کو دکھلائی گئی تھیں اور جب کہ آپ بیت المقدس کی اس وادی میں پہنچے تھے جہاں آپ نے دوزخ کی آوازیں سنیں گویا دونوں موقعہ مراد ہیں۔

اسی سفر میں آنحضرت ﷺ کو دجال کی شبیہ دکھلائی گئی جو عبد العزی ابن قطن کی شکل و صورت کا تھا۔ یہ عبد العزی ان لوگوں میں سے ہے جو جاہلیت کے زمانے میں ہی یعنی آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے مر چکا تھا۔

ابلیس کے پاس سے گزر...... پھر آپ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو سڑک کے کنارے بیٹھا ہوا تھا اور آپ سے کہہ رہا تھا۔ آؤ اے محمد! آپ نے اس کے متعلق جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے جواب دینے کے بجائے کہا کہ چلتے رہئے۔ آپ نے پھر پوچھا کہ یہ کون ہے تو انہوں نے کہا۔

یہ خدا کا دشمن ابلیس ہے جو یہ چاہتا تھا کہ آپ اس کی طرف توجہ دیں۔"

راہ فطرت کا انتخاب...... ایک روایت میں ہے کہ جب میں بیت المقدس پہنچا اور میں نے وہاں پیغمبروں اور فرشتوں کی امامت کر کے دو رکعت نماز پڑھ لی تو اچانک مجھے بے حد شدید پیاس لگنے لگی۔ اس وقت میرے سامنے دو پیالے پیش کئے گئے جن میں سے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شہد تھا۔ اس وقت اللہ تعالی نے میری رہنمائی فرمائی اور میں نے دودھ کا پیالہ اٹھا کر پی لیا۔ اس وقت میرے سامنے ایک بزرگ شخص اپنے ممبر کا سہارا لئے ہوئے بیٹھے تھے۔ انہوں نے یہ دیکھ کر جبرئیل علیہ السلام سے کہا۔

"تمہارے ساتھی نے فطرت کا راستہ اپنایا۔ ان کو ہدایت مل گئی۔"

جب میں وہاں سے نکل کر چلا تو اس وقت جبرئیل علیہ السلام میرے سامنے دو پیالے لائے جن میں

سے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب تھی میں نے ان میں سے دودھ کا پیالہ اپنے لئے پسند کر لیا۔ اس پر جبرئیل نے کہا۔

"آپ نے فطرت یعنی سیدھے راستے کو اپنا لیا جس کا سبب اسلام ہے۔"

چنانچہ اس سلسلے میں ایک حدیث ہے۔ ہر نیا پیدا ہونے والا بچہ فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

دودھ، شہد، پانی، شراب..... ایک روایت میں ہے کہ میرے سامنے تین پیالے لائے گئے جو ڈھکے ہوئے تھے پھر ان میں سے ایک پیالہ لیا گیا جس میں پانی تھا آپ نے اس میں سے تھوڑا سا پانی پی لیا۔ مگر ایک روایت میں ہے کہ آپ نے پانی بالکل نہیں پیا اور پھر آپ سے کہا گیا۔

"اگر آپ پانی پی لیتے۔ یعنی تھوڑا سا یا سارا تو آپ کی امت غرق ہو جاتی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس وقت آپ نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جو یہ کہہ رہا تھا اگر یہ پانی پی لیتے تو یہ اور ان کی امت ڈوب جاتی۔"

غرض پھر تین ان پیالوں میں سے آپ کے سامنے دوسرا پیالہ پیش کیا گیا جس میں دودھ تھا آپ نے سیراب ہو کر دودھ پی لیا۔ (ی) اسی وقت آپ نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جو یہ کہہ رہا تھا۔

"اگر انہوں نے دودھ پی لیا تو یہ بھی ہدایت پائیں گے اور ان کی امت کو بھی ہدایت ہو گی۔"

پھر آپکے سامنے تیسرا پیالہ پیش کیا گیا جس میں شراب تھی اور آپ سے کہا گیا۔ پیجئے۔ آپ نے فرمایا۔

"نہیں مجھے ضرورت نہیں میں سیراب ہو چکا ہوں۔"

اسی وقت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا۔ "یہ آپ کی امت پر حرام کی جائے گی۔"

یعنی جبکہ کچھ عرصہ جائز رہے گی پھر حرام قرار دی جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ سے کہا گیا۔

"اگر آپ شراب پی لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی اور آپ کی پیروی نہ کرتی۔ یعنی امت میں سے بہت تھوڑے سے لوگ آپ کے راستے پر چلتے۔"

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کسی پکارنے والے کی یہ آواز سنی کہ اگر یہ شراب پی لیتے تو یہ اور ان کی امت ہلاک ہو جاتے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس روایت کے واقعے کے بارے میں دونوں احتمال ہو سکتے ہیں کہ اس وقت پیش آیا ہو جبکہ آپ بیت المقدس میں تھے اور یا اس وقت پیش آیا ہو جبکہ آپ بیت المقدس سے باہر تھے۔ دوسرے یہ کہ ان تمام تفصیلات اور روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دودھ اور شراب آپ کو ایک سے زائد مرتبہ بیت المقدس کے اندر اور بیت المقدس سے باہر پیش کی گئی۔ اس بارے میں کوئی اشکال بھی نہیں پیدا ہوتا کہ آپ کو شراب اور دودھ کے دونوں پیالے آپ کے بیت المقدس سے روانہ ہونے سے پہلے اور روانہ ہونے کے بعد مگر معراج کے لئے اوپر جانے سے پہلے پیش کئے گئے ہوں۔

اسی طرح اس بارے میں بھی کوئی اشکال نہیں کہ دونوں پیالوں میں سے ایک میں دودھ کے ساتھ شہد تھا اور یہ کہ دونوں میں سے ایک میں دودھ کے ساتھ شراب تھی۔ نہ ان ہی باتوں میں کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک روایت میں دو برتنوں کا ذکر ہے اور ایک میں تین کا ذکر ہے۔ کیونکہ بعض راویوں نے شاید صرف دو ہی پیالوں کا ذکر کر کے چھوڑ دیا۔ ایسے ہی اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہوتا کہ تیسرے پیالے میں شہد تھا یا پانی تھا کیونکہ اصل میں سے ایک برتن میں شہد تھا (اب اس کو تیسرا کہہ دیا جائے یا پہلا یا دوسرا کہہ دیا جائے) پھر اس میں

شہد کے بجائے پانی بھر دیا گیا یا شاید اس شہد میں اتنا پانی ملا دیا گیا کہ پانی غائب ہو گیا یا پھر چار برتن رہے ہوں گے اور راوی نے صرف تین کا ذکر کر کے چھوڑ دیا۔

علامہ ابن کثیرؒ یہی کہتے ہیں کہ کل ملا کر چار برتن تھے جن میں چار ہی چیزیں تھیں جو چار مختلف نہروں میں کی تھیں (یعنی دودھ کی نہر، شہد کی نہر، پانی کی نہر اور شراب کی نہر میں سے لے کر ان برتنوں کو بھرا گیا تھا) اور یہ چاروں نہریں وہ ہیں جو سدرۃ المنتہی کے نیچے سے نکل رہی ہیں (سدرۃ المنتہی جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوا ساتویں آسمان پر عرش اعظم کے داہنی جانب بیری کا درخت ہے جو لوگوں کے اعمال پہنچائے جانے کی حد ہے اور فرشتوں وغیرہ کے علم کی انتہا بھی وہیں تک ہے) لیکن دوسری روایتوں کے مقابلے میں بس اتنا ہے کہ ایک میں دودھ کا ذکر آ گیا باقی میں راوی کی وجہ سے رہ گیا۔ یعنی راوی نے کہیں تو شراب کے ساتھ اسکا ذکر کر دیا اور کہیں صرف شہد کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔ اور کہیں کہیں دودھ کے ساتھ پانی اور شراب دونوں کا ذکر کر دیا۔

موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزر ...... (قال) پھر اسی سفر میں آنحضرت ﷺ موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے وہ سرخ ریت کے ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور بلند آواز سے یہ کہہ رہے تھے۔ (اے اللہ) تو نے ان کو یعنی آنحضرت ﷺ کو اعزاز عطا فرمایا اور ان کو فضیلت دی۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک کڑک دار آواز سنی اسی کے بعد آپکو سلام کیا گیا آپ نے جواب دیا اس کے بعد آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں انہوں نے کہا یہ موسیٰ ابن عمران ہیں آپ نے پوچھا کہ یہ اتنے سخت لہجہ ہیں کس سے باتیں کر رہے تھے انہوں نے کہا کہ یہ اپنے رب سے آپ کے بارے میں کلام کر رہے تھے آپ نے پوچھا کہ کیا یہ اپنے رب سے اتنے زور سے بات کرتے ہیں۔ یہاں گفتگو کیلئے عتاب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی تیز آواز میں بات کرنا ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کی جو آواز سنی وہ اونچی بھی تھی اور اس میں تیزی اور سختی بھی تھی۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ان کے لہجے کا یہ کڑاکا کس کے لئے تھا۔ جبرئیل نے کہا اپنے رب کے لئے آپ نے حیرت سے پوچھا کیا اپنے رب کے لئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔

ہاں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے مزاج کی تیزی اور سختی معلوم ہے (یعنی قدرتی طور پر ان کی آواز اور لہجہ ایسا ہی ہے ورنہ ظاہر ہے حق تعالیٰ سے اونچی آواز میں گفتگو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

یہ ایسا ہی واقعہ ہے جیسا اس کے بعد کا ہے یہ دونوں بیت المقدس پہنچنے سے پہلے پیش آئے۔ واللہ اعلم

ابراہیم علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزر ...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس رات میں اسراء یعنی مجھے بیت المقدس کا سفر کرایا گیا تو جبرئیل علیہ السلام مجھے لے کر میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے یہاں جبرئیل نے مجھ سے کہا کہ اس جگہ اتر کر دو رکعت نماز پڑھ لیجئے۔ (قال) ہم ایک درخت کے پاس سے گزرے جس کے نیچے ایک بزرگ اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون ہیں۔ انہوں نے کہا۔

"یہ آپ کے باپ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔"

ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کی آنحضرت ﷺ کو دعا ...... آپ نے یہ سن کر ابراہیمؑ کو سلام کیا انہوں نے جواب دے کر پوچھا کہ جبرئیل تمہارے ساتھ یہ کون ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ آپ کے بیٹے ہیں۔ ابراہیم

علیہ السلام نے فرمایا "نبی امی و عربی کو خوش آمدید و مرحبا۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کو برکت کی دعا دی۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو دیکھ کر خود ہی پہچان لیا تھا جبرئیل سے نہیں پوچھا جبکہ ابراہیمؑ نے آپ کو نہیں پہچانا بلکہ جبرئیل علیہ السلام سے آپ کے متعلق پوچھا۔ مگر کتاب سیرت ابن ہشام میں ہے کہ موسیٰؑ نے بھی آپ کو نہیں پہچانا تھا بلکہ جبرئیل سے پوچھا تھا کہ یہ کون ہیں۔ انہوں نے بتلایا کہ یہ احمد ہیں اس پر موسیٰؑ نے فرمایا۔

"نبی امی کو مرحبا اور خوش آمدید جنہوں نے اپنی امت کی خیر خواہی کی۔"

اس کے بعد انہوں نے بھی آپ کو برکت کی دعا دی پھر انہوں نے آپ سے کہا۔

"میں آپ کی امت کے لئے اللہ تعالیٰ سے آسانی مانگتا ہوں۔"

اب گویا یہ بات معلوم ہوئی کہ ابراہیم علیہ السلام کی قبر یا تو اس درخت کے نیچے تھی یا اس کے قریب تھی لہذا دونوں روایتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کے بعد چلتے چلتے آنحضرت ﷺ اس وادی میں پہنچے جس میں بیت المقدس ہے۔ اچانک جہنم کو کھول کر سامنے کر دیا گیا جو تہہ بر تہہ تھی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ کہا گیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے جہنم کو کیسا پایا۔ آپ نے فرمایا انگارے کی طرح (یعنی انتہائی طور پر بھڑکتی اور دہکتی حالت میں نظر آئی جس کا منظر انتہائی ہولناک تھا)

واقعہ معراج

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسراء کے بعد ہم صخرہ یعنی اس مقدس پتھر سے آسمانوں کی بلندیوں کی طرف معراج کے لئے بلند ہوئے۔

(تشریح: جیسا کہ گزشتہ قسط کے شروع میں بیان کیا گیا مسجد حرام سے مسجد اقصی تک آنحضرت ﷺ کے سفر کو اسراء کہا جاتا ہے اور مسجد اقصی سے آسمانوں پر جاتے اور سدرۃ المنتہی تک پہنچنے کو معراج کہا جاتا ہے۔ اسراء کا لفظ سیر سے بنا ہے جس کے معنی چلنے کے ہیں اور معراج کا لفظ عروج سے بنا ہے جس کے معنی بلندی اور چڑھنے کے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے معراج کے لئے عرج بنا کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اسی سے واقعہ کو معراج کہا گیا۔

اس بارے میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ معراج کے سلسلے میں تقریباً" پینتالیس صحابہ کی روایتیں ہیں جن میں اس واقعہ کے پیش آجانے کی خبر دی گئی ہے اس لئے معراج کے واقعہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس سے انکار کرنا کفر کے قریب ہے۔ ان حدیثوں میں صحیح حدیثیں بھی ہیں۔ حسن بھی اور ضعیف بھی ہیں۔ ان تمام روایتوں کی روشنی میں اتنی بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اسراء و معراج کا واقعہ پیش آیا ہے۔

بعض لوگوں کا قول یہ ہے کہ اسراء اور معراج دو الگ الگ واقعہ ہیں جو دو مختلف وقتوں میں پیش آئے یعنی ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو صرف اسراء یعنی بیت اللہ سے بیت المقدس تک سیر کرائی گئی جس کے بعد آپ مکے واپس تشریف لے آئے تھے۔ دوسری مرتبہ ایک دوسرے وقت میں آپ کو بیت اللہ سے بیت المقدس اور پھر وہاں سے آسمانوں پر معراج کے لئے لے جایا گیا۔ مگر یہ قول بہت زیادہ کمزور اور غریب ہے۔

صحیح قول یہی ہے کہ اسراء اور معراج کا واقعہ ایک ہی ساتھ پیش آیا یعنی آپ کو بیت اللہ سے بیت المقدس میں لے جایا گیا اور وہاں سے آپ کو آسمانوں کی بلندیوں کی طرف معراج کرائی گئی۔

اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ یہ واقعہ کس سال میں پیش آیا ہے۔ مگر ان میں صحیح قول یہی ہے کہ یہ واقعہ طائف کے سفر کے بعد اور ہجرت سے ایک سال پہلے یعنی ۱۱ھ نبوی میں پیش آیا۔

دوسری بحث یہ ہے کہ آیا معراج کی رات میں آنحضرت ﷺ نے حق تعالی کی زیارت فرمائی یا نہیں۔

جہاں تک پہلی بحث کا تعلق ہے کہ آیا آپ جاگنے کی حالت میں اپنے جسم مبارک کے ساتھ معراج میں تشریف لے گئے تھے۔ تو اس بارے میں حضرت عائشہ اور حضرت معاویہ کی حدیثوں سے بحث کا واقعہ ایک خواب تھا۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کا واقعہ ایک سچا خواب تھا۔ مگر یہ روایتیں سند کے لحاظ سے کمزور ہیں اس لئے ان کو دوسری حدیثوں کے مقابلے میں دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

ان کے مقابلے میں بخاری، مسلم اور ترمذی وغیرہ کی بے شمار وہ روایتیں ہیں جو سند وغیرہ کے لحاظ سے نہایت مضبوط ہیں اور جن کا خلاصہ یہ ہے کہ معراج کا واقعہ جاگنے کی حالت میں پیش آیا اور آنحضرت ﷺ اپنے جسم مبارک کے ساتھ بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے۔ لہذا ان مضبوط روایتوں کے

مقابلے میں ان کمزور روایتوں کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ اس لئے یہ بات ثابت ہے کہ معراج کا واقعہ حقیقت میں جاگنے کی حالت میں پیش آیا اور اس مقدس سفر میں آنحضرت ﷺ اپنے جسم مبارک کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔

پھر واقعہ کی تفصیلات اور مشرکین پر اور خود بعض مسلمانوں پر اس کا جو سخت رد عمل ہوا وہ بھی یہی ثابت کرتا ہے کہ یہ واقعہ جاگنے کی حالت کا ہے خواب نہیں تھا۔ مثلاً اس واقعہ کے سننے کے بعد جیسا کہ بیان ہوا اور آگے بھی آئے گا بعض کمزور ایمان کے مسلمانوں نے اسلام سے منہ موڑ لیا اور دوبارہ کفر کی تاریکیوں میں بھٹک گئے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے اس واقعہ کو سنانے کے بعد مشرکین مکہ نے جو زبردست واویلا مچایا۔ ہر طرح آپ کا مذاق اڑایا اور آپ کو جھٹلانے کی کوشش کی یہ سب بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ واقعہ جاگنے کی حالت میں پیش آیا تھا خواب میں نہیں۔ کیونکہ خواب کی بات پر اس قدر طوفان اٹھنے اور مشرکوں کے واویلا کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ خواب میں آدمی اس سے بھی زیادہ حیرتناک باتیں دیکھ لیتا ہے اور جب وہ خواب دوسروں کو سناتا ہے تو نہ کوئی شخص اس کو جھٹلاتا ہے نہ اس کا مذاق اڑاتا ہے اور نہ اس سے خواب کی سچائی کا ثبوت مانگتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس بارے میں اپنا نقطۂ نظر اور عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسراء اور معراج کا واقعہ حقیقت میں جاگنے کی حالت میں پیش آیا جس میں رسول اللہ ﷺ اپنے جسم اور روح مبارک کے ساتھ بیت المقدس اور آسمانوں میں تشریف لے گئے تھے اور یہ کہ یہ دونوں واقعے ایک ہی رات میں پیش آئے علیحدہ علیحدہ پیش نہیں آئے۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ تمام محدثین، فقہاء، متکلمین اور علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے اور تمام صحیح حدیثوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے اس بارے میں کوئی دوسری رائے رکھنا یعنی اس واقعے کو خواب سمجھنا قطعاً "غلط ہے۔ یہ واقعہ جاگنے کی حالت میں پیش آنا ممکن ہے اس لئے اس بارے میں طرح طرح کی تاویلیں یا قیاس آرائیاں کرنا بےکار ہے۔

دوسری بات معراج کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کو حق تعالیٰ کی زیارت ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ہے۔ اس بارے میں تمام اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حق تعالیٰ کی زیارت کا یہ اعزاز حاصل ہوا ہے۔ اس بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

مگر اس مسئلے میں بھی حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث ہے جس میں اس بات سے انکار کیا گیا ہے۔ حضرت معاویہؓ حق تعالیٰ کی زیارت کو ناممکن قرار دیتی ہیں۔ اس بارے میں وہ قرآن پاک کی اس آیت کو دلیل بناتی ہیں۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝ الآیہ پ ۷ سورہ انعام ع ۱۳

ترجمہ:۔ اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی یعنی نہیں پاتیں اس کو نظریں اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بیں باخبر ہے۔"

اس آیت کی روشنی میں حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ حق تعالیٰ کا دیدار ایک ناممکن چیز ہے اور یہ ناممکن ہونا سب کے لئے برابر ہے کیونکہ آیت میں یہ بات کسی کے لئے خاص کر کے نہیں فرمائی گئی۔ لہذا آنحضرت ﷺ کے لئے دیدار خداوندی ناممکن ہے۔ اور یہ کہ آپ کو زیارت نہیں ہوئی تھی۔

اس کے جواب میں علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت میں دیدار کے ممکن ہونے سے انکار نہیں کیا گیا ہے بلکہ

اس بارے سے انکار کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ کا اس طرح کا دیدار ممکن نہیں ہے جس سے اس کی ذات اقدس کا اندازہ کیا جا سکے اور اس کی کیفیت اور حقیقت کو پہچانا جا سکے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن تو ہے مگر ایسا دیدار نہیں کیا جا سکتا جس سے پوری طرح اس کی ذات اور اس کی حقیقت کو پہچانا جا سکے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ذات باری کا دیدار ضرور کیا مگر یہ وہ مکمل دیدار نہیں تھا جس سے اس عظیم ذات کی حقیقت و ہیئت اور کیفیت کو پہچانا جا سکتا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کے حق تعالیٰ کے دیدار کرنے سے اس آیت کی مخالفت نہیں ہوتی۔

ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اگر دیدار خداوندی ناممکن ہے تو وہ ان انسانی آنکھوں کے لئے ناممکن ہے جن سے ہم اس دنیا کو دیکھتے ہیں اور ان آنکھوں کی کمزوری اور ناتوانی میں کلام نہیں۔ لیکن جب حق تعالیٰ کو آنحضرت ﷺ کی عظمت اور اعزاز منظور تھا تو یقیناً اس نے آپ کے لئے وہ سامان کئے جن کے نتیجہ میں آپ کے لئے یہ عظیم خوش نصیبی ممکن ہو گئی۔ چنانچہ کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ نے اس مقصد سے آپ کو وہ عظیم بینائی اور آنکھوں کو وہ طاقتور نور دیا جس کے سبب آپ ذات کبریائی کا جلوہ کر سکے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علماء امت کے نزدیک معراج کی رات میں آنحضرت ﷺ جاگنے کی حالت میں براق پر سوار ہو کر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تشریف لے گئے اور وہاں سے آپ کو آسمانوں کی سیر کے لئے معراج کرائی گئی جہاں آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا اور اس اعزاز و مرتبے اور شرف میں بھی آپ تمام مخلوقات میں افضل قرار پائے کہ آپ نے عرش کے قریب ذات باری کا جلوہ کیا۔ تشریح ختم۔ مرتب و مترجم)

غرض آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر بیت المقدس کے اس مقدس پتھر سے ہم ایک سیڑھی کے ذریعہ چڑھے جس کے ذریعہ انسانوں کے مرنے کے بعد ان کی روحیں اوپر چڑھتی ہیں۔

<u>آسمانوں کا سفر</u>...... (تشریح: بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے اور اس کی سیر سے فارغ ہونے کے بعد آپ براق کے ذریعہ آسمانوں پر معراج کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ مگر کچھ روایتیں ایسی ہیں جن میں ہے کہ مسجد اقصیٰ کی سیر سے فارغ ہونے کے بعد آپ ایک زمرد کی سیڑھی کے ذریعہ معراج کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ ابن اسحاق حضرت ابو سعید خدریؓ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"جب میں بیت المقدس کی سیر سے فارغ ہو گیا تو میرے لئے ایک نہایت بہترین سیڑھی لائی گئی۔ وہ سیڑھی ایسی تھی کہ اس سے بہتر سیڑھی میں نے دوسری نہیں دیکھی۔ یہی وہ سیڑھی ہے (جو موت کے وقت انسان کے سامنے کر دی جاتی ہے اور) جس پر اس کی نگاہیں جمی ہوئی ہوتی ہیں (پھر اسی سیڑھی کے ذریعہ انسانوں کی روحیں اوپر چڑھائی جاتی ہیں۔)"

<u>آسمانی سیڑھی</u>...... ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کے لئے علماء نے لکھا ہے کہ شاید آنحضرت ﷺ براق پر سوار ہو کر اس سیڑھی کے ذریعہ اوپر تشریف لے گئے ہوں۔ اب اگر اس تشریح کو قبول کیا جائے تو دونوں روایتیں درست ہو جاتی ہیں۔ تشریح ختم۔ مرتب)

چنانچہ ایک روایت میں صاف ہے کہ آپ کے لئے ایک چاندی کی سیڑھی اور ایک سونے کی سیڑھی لائی گئی (ی) یہ کل ملا کر دس سیڑھیاں تھیں چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اسراء و معراج کی رات میں کل دس سیڑھیاں تھیں۔ جن میں سے سات آسمانوں تک کے لئے تھیں۔ آٹھویں سدرۃ المنتہیٰ یعنی بیری کے درخت

تک پہنچنے کے لئے تھی نویں مستوی یعنی اس جگہ تک کے لئے تھی جہاں عرش رکا ہوا ہے اور دسویں عرش تک پہنچنے کے لئے تھی۔ ان میں سے ہر سیڑھی کو معراج کہا گیا۔

یہ سیڑھی ایسی خوبصورت اور دلفریب ہوتی ہے کہ انسان نے اس جیسی کبھی نہیں دیکھی یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی آدمی مر جاتا ہے تو اس کی روح نکلنے کے فوراً بعد ہی اس کی آنکھیں آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے رہ جاتی ہیں ایسا اسی سیڑھی کی دلفریبی اور خوبصورتی کو دیکھنے کی وجہ سے ہوتا ہے جو اس کی روح کے لئے لگائی جاتی ہے تاکہ وہ روح اس سیڑھی کے ذریعہ آسمان کی طرف چلی جائے۔ یہ بات مومن اور کافر دونوں کے لئے ہوتی ہے فرق یہ ہے کہ مومن کی روح کے لئے اوپر کا آسمان کا دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے جب کہ کافر کے لئے آسمان کا دروازہ بند ہوتا ہے اسی لئے کافر کی روح اوپر چڑھنے کے بعد حسرت وندامت کے ساتھ اور روتے ہوئے واپس آجاتی ہے۔

غرض آنحضرت ﷺ کے لئے یہ سیڑھی جنت سے لائی گئی تھی۔ اس میں بے شمار موتی جڑے اور گندھے ہوئے تھے اور اس کے دائیں اور بائیں فرشتے تھے۔ چنانچہ پھر اس سیڑھی کے ذریعہ آنحضرت ﷺ جبرئیلؑ کے ساتھ بلندیوں کی طرف چڑھے۔ علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ براق پر سوار ہو کر آسمانوں پر نہیں گئے جیسا کہ بعض حضرات کو وہم ہوا ہے۔ ایسے لوگوں میں قصیدہ ہمزیہ کے شاعر بھی ہیں جیسا کہ آگے بیان آئے گا کہ معراج کے لئے بھی آپ براق کے ذریعہ ہی تشریف لے گئے تھے۔

آسمان دنیا اور اس کے نگہبان...... غرض آپ سب سے پہلے آسمان دنیا کے لئے ایک دروازے پر پہنچے۔ اس دروازے کا نام باب الحفظہ یعنی حفاظتی دروازہ ہے اور یہاں ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا نام اسماعیل ہے۔ یہ فرشتہ ہوا میں رہتا ہے۔ نہ یہ کبھی آسمان پر چڑھا ہے اور نہ کبھی زمین پر اترا ہے۔ صرف ایک مرتبہ جبکہ ملک الموت آنحضرت ﷺ کی روح مبارک قبض کرنے کے لئے زمین پر آئے تھے اس وقت ان کے ساتھ یہ اسماعیل نامی فرشتہ بھی آیا تھا۔

اس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں اور ان ماتحتوں میں سے ہر فرشتے کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں۔

پہلے آسمان پر قدم رنجہ...... غرض یہاں آسمان دنیا کے دروازے پر پہنچ کر جبرئیلؑ نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے پوچھا گیا کون ہے؟ ایک روایت میں یوں ہے کہ جبرئیلؑ نے آسمان دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھٹکھٹایا۔ آسمان والوں یعنی اس کے محافظوں نے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے کہا جبرئیل۔ پھر پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ کیونکہ ان فرشتوں نے آنحضرت ﷺ اور جبرئیل دونوں کو دیکھ تو لیا تھا مگر پہچانتے نہیں تھے۔ غالباً" جبرئیلؑ اس وقت اس شکل وصورت میں نہیں تھے جس میں فرشتے ان کو پہچانتے تھے۔

نگہبانوں کے سوال وجواب...... غرض جبرئیلؑ نے کہا۔ میرے ساتھ محمد ہیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اندر سے پوچھا گیا کیا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سوال کرنے والے فرشتے نے آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا تھا البتہ دوسرے اکثر فرشتوں نے دونوں کو دیکھ لیا تھا۔ ان فرشتوں کے پوچھنے پر جبرئیلؑ نے کہا کہ ہاں میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔ فرشتوں نے کہا۔

"کیا ان کو بلانے کے لئے یہاں سے بھیجا گیا تھا؟"

یعنی کیا اسراء اور معراج کے لئے ان کو بلایا گیا ہے۔ اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ فرشتوں کو معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ کو بیت المقدس تک اسراء کرانے کے بعد معراج کرائی جائے گی۔

(یہاں فرشتوں کے اس سوال کے یہ الفاظ ہیں وقد بعث الیہ۔ یعنی کیا ان کو بلوایا گیا تھا۔ ادھر بعثت کے معنی پیغمبر کے ظہور کے بھی ہیں۔ اسی لئے سوال کے بعد اس کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ کیا اسراء اور معراج کے لئے ان کو بلوایا گیا تھا۔ یعنی یہاں بعثت مراد نہیں ہے) کیونکہ جہاں تک آنحضرت ﷺ کی بعثت و ظہور اور مخلوق کی طرف آپ کی رسالت کا تعلق ہے اس سے فرشتے اتنی مدت گزر جانے کے باوجود بے خبر نہیں ہو سکتے پھر یہ کہ اگر اس سوال سے فرشتوں کا مقصد یہی پوچھنا ہوتا کہ کیا آپ کی بعثت یعنی ظہور ہوا ہے تو وہ صرف وقد بعث کہتے اس کے ساتھ الیہ نہ کہتے۔

مگر حضرت انسؓ کی ایک حدیث میں یہی لفظ ہیں کہ آسمان دنیا کے فرشتوں کے الفاظ صرف وقدبعث ہی تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت انس کی یہ حدیث اس وقت کی ہے جب کہ آنحضرت ﷺ پر وحی نازل نہیں ہوئی تھی اور وہ خواب کے واقعہ سے متعلق ہے بیداری کے نہیں۔ ادھر علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ فرشتوں کے صرف اتنے الفاظ ہم نے انس کی حدیث کے سوا کسی میں نہیں پائے۔ بعض روایتوں میں بعث کے بجائے ارسل الیہ کے الفاظ ہیں۔ (اس کے معنی بھی یہی ہیں)

<u>آدمؑ سے ملاقات</u>...... غرض جبرئیلؑ نے جواب میں کہا کہ ہاں ان کو بلوایا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اس پر ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ آسمان میں داخل ہوتے ہی مجھے آدمؑ نظر آئے انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور خیر کی دعا دی۔

جہاں تک لفظ آدم یعنی اس نام کا تعلق ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ یہ عربی کا لفظ نہیں بلکہ عجمی لفظ ہے اسی وجہ سے یہ صرفی قاعدہ کے خلاف ہے۔ مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ عربی کا لفظ ہے کیونکہ یہ ادمہ کے لفظ سے بنا ہے جسے معنی کتھئی یا خاکی رنگ کے ہیں یعنی وہ رنگ جو سفیدی اور سرخی کے درمیان درمیان ہوتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں ان کو سب سے زیادہ خوبصورت آدمی کہنے کی بات صحیح رہ سکتی ہے۔ یا پھر یہ لفظ آم ادیم ارض سے بنا ہے جو زمین کے ظاہری یعنی باہری حصے کو کہتے ہیں کیونکہ آدمی بھی زمین یعنی مٹی سے بنا ہے۔ اس کو عربی لفظ کہنے کی صورت میں اس کی منع صرف علمیت یا وزن فعل کے لئے ہوگی (یہ صرفی اصطلاحات ہیں جن کی تفصیل یہاں غیر متعلق ہے)

<u>آدمؑ اور ان کی نیک و بد اولاد</u>...... ایک روایت میں ہے کہ یہاں آدمؑ کے سامنے ان کی اولاد یعنی تمام انسانوں کی روحیں پیش کی جاتی ہیں۔ وہ ان میں سے مومن روحوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور کافر روحوں کو دیکھ کر ان کے چہرے پر گھٹن اور رنج کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ آسمان دنیا میں اچانک آدمؑ اسی شکل و صورت میں مکمل نظر آئے جیسے کہ اس دن تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان کی پیدا فرمایا تھا یعنی انتہائی حسین اور خوبصورت تھے۔ اسی وقت اچانک ان کے سامنے ان کی اولاد میں سے مومنوں کی روحیں پیش کی گئیں تو وہ ان کو دیکھ کر کہتے تھے۔

"یہ پاک روح اور اچھی جان ہے جو اچھے جسم میں سے نکل کر آئی ہے۔ اس کو بلند مقامات میں پہنچایئے۔"

اسی طرح ان کے سامنے ان کی اولاد میں کافر روحوں کو پیش کیا جاتا تو وہ کہتے۔
"یہ ایک خبیث روح اور خبیث جان ہے جو خبیث ہی جسم میں سے نکل کر آئی ہے۔ اس کو جہنم کے نچلے حصے میں پہنچایئے۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس تفصیل سے اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مومنوں میں سے گناہ گاروں کی روحوں کو بھی اسی طرح اونچے مقامات میں پہنچایا جائے گا جیسا کہ نیکوکاروں کی روحوں کو پہنچایا جائے گا مگر ظاہر ہے اس روایت سے یہ ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ دونوں قسم کے مومنوں کو برابر کے ہی درجے میں رکھا جائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ ان کے سامنے ان کی اولاد کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔

اس جملے میں یا تو مضاف کا ذکر نہیں کیا گیا یعنی یہ اصل میں اس طرح ہے کہ ان کی اولاد کے ان اعمال کی تحریریں پیش کی جاتی ہیں جو ان سے سرزد ہوئے اور یہی اعمال محافظوں کی کتابوں میں محفوظ ہیں اور یا وہ اعمال ہیں جو ان لوگوں سے سرزد ہوں گے اور وہ محافظوں کے بجائے دوسرے فرشتوں کی کتابوں میں محفوظ ہیں اور یا اس جملے میں خود اعمال ہی مراد ہیں جن کو صورت شکل اور جسم دے کر پیش کیا گیا جیسا کہ آگے بیان آئے گا کہ معانی اور مطالب کو صورت شکل دی گئی تھی۔ بہر حال دونوں صورتوں میں یہ کہا جائے گا کہ اس روایت میں کچھ لفظ ایسے ہیں جو عبارت میں موجود نہیں مگر معنی میں ان کو ذکر کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

ایک روایت ہے جسکی سند میں حافظ ابن حجر کے کہنے کے مطابق کمزوری ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے دیکھا) آدمؑ کی دائیں جانب ایک دروازہ ہے جس میں سے بہترین خوشبو میں آرہی ہیں اور ایک دروازہ بائیں جانب ہے جس میں سخت بدبو آرہی ہے۔ جب آدمؑ اپنی دائیں جانب کے اس دروازے کو دیکھتے ہیں تو ہنسنے لگتے ہیں اور خوش ہو جاتے ہیں اور بائیں جانب کے اس دروازے کی طرف دیکھتے ہیں تو غمگین ہو جاتے ہیں اور رونے لگتے ہیں۔

آدمؑ سے تعارف...... آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھ کر سلام کیا تو انہوں نے کہا۔
"نیک بیٹے اور صالح نبی کو مرحبا ہو۔"
آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا۔
"یہ آپ کے باپ آدمؑ ہیں اور ان کے دونوں طرف ہواؤں کے یہ جھونکے ان کی اولاد کی روحیں ہیں پھر انہوں نے مزید کہا۔ دائیں جانب کی روحیں جنتیوں کی ہیں اور بائیں جانب کی روحیں دوزخیوں کی ہیں۔ اسی لئے وہ جب اپنی دائیں طرف یعنی اپنی جنتی اولاد کو دیکھتے ہیں تو ہنستے اور خوش ہوتے ہیں اور جب بائیں جانب یعنی اپنی دوزخی اولاد کو دیکھتے ہیں تو غمگین ہوتے اور رونے لگتے ہیں۔"

ایک روایت میں جبرئیلؑ نے یہ بھی کہا کہ
"یہ دروازہ جو ان کے دائیں جانب ہے جنت کا دروازہ ہے جب وہ اس شخص کو دیکھتے ہیں جو اس میں داخل ہوگا تو ہنستے اور خوش ہوتے ہیں اور ان کے بائیں جانب جو دروازہ ہے وہ دروازہ ہے جو دوزخ کا دروازہ ہے۔ جب وہ اس شخص کو دیکھتے ہیں جو اس میں داخل ہوگا تو غمزدہ ہو جاتے اور رونے لگتے ہیں۔"

یہاں مراد یہ ہے کہ جب وہ اپنی اولاد میں اس شخص کی روح کو دیکھتے ہیں۔

اس روایت پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جنت ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور دوزخ ساتویں زمین کے نیچے ہے جس کے اوپر دنیا ہے اس لئے جنت اور جہنم کے دروازے آسمان دنیا پر کیسے ہو سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ جیسا کہ بیان ہوا کفار کی روحوں کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔

اس شبہ میں دوسرے جز کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ آدمؑ کی اولاد میں کفار کی روحیں ان کے سامنے پیش کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر ان کی نگاہ پڑتی ہے جبکہ وہ آسمان دنیا سے نیچے ہی ہیں اور نظر اس لئے پڑ جاتی ہے کہ آسمان شفاف ہے جس میں سے آرپار دیکھا جا سکتا ہے اور یا یہ کہ آسمان دنیا کے دروازے میں سے کافر روحوں پر ان کی نظر پڑ جاتی ہے۔

جہاں تک حدیث کے ان الفاظ کا تعلق ہے کہ وہ آدمؑ کے بائیں جانب تھے اس کا مطلب یہ (نہیں ہے کہ وہیں ان کے پاس تھے بلکہ مطلب یہ) ہے کہ ان کی بائیں سمت میں نظر آتے تھے۔

پہلے شبہ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ آدمؑ کی دائیں جانب جو دروازہ تھا وہ شاید ساتویں آسمان پر اس جگہ کی بالکل سیدھ میں تھا جہاں جنت ہے اس لئے چونکہ اس دروازے میں سے جنت نظر آتی تھی اس لئے اس کو جنت کا دروازہ کہہ دیا گیا۔ یہی بات جہنم کے دروازے کے بارے میں بھی کہی جاتی ہے (کہ وہ دروازہ جو آدمؑ کی بائیں جانب تھا شاید ساتویں زمین کی اس تہہ کی سیدھ میں تھا اور اس میں سے جہنم کا حال نظر آتا تھا اس لئے اس کو جہنم کا دروازہ کہہ دیا گیا) کیونکہ جہاں تک اضافت اور نسبت کا تعلق ہے تو تھوڑے سے قرب کی وجہ سے نسبت کر دی جاتی ہے (جیسے مثلاً" آدمی ریل میں سفر کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہماری گاڑی فلاں وقت چلی جب کہ ظاہر ہے کہ محض گاڑی میں بیٹھنے کی وجہ سے گاڑی اس کی نہیں ہوئی مگر وہ اس تھوڑی سی قربت کی وجہ سے اس کی نسبت اپنی طرف کر لیتا ہے۔ اسی طرح چونکہ ان دروازوں سے جنت اور جہنم کا حال نظر آتا تھا۔ یا یہ ان کی سیدھ میں تھے اس لئے ان کو جنت اور جہنم کے دروازے کہہ دیا گیا)

آدمؑ کی اولاد میں کافر روحوں کے ان کی بائیں جانب ہونے کے متعلق جو جواب دیا گیا ہے اس کے بعد حافظ ابن حجر کے گزشتہ قول کے ذریعہ جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

یہاں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نظر آنے والی روحوں میں وہ روحیں بھی تھیں جو ابھی تک اپنے جسموں میں داخل بھی نہیں ہوئیں تھیں۔ واضح رہے کہ روحیں جسموں سے پہلے پیدا کی گئی ہیں۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آدمؑ نے یہ کیسے کہہ دیا یہ پاک روح ہے جو پاک جسم میں سے نکلی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان روحوں کا ٹھکانہ آدمؑ کے دائیں اور بائیں جانب تھا۔ اور آدمؑ کو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ روحیں اپنے جسموں میں پہنچنے کے بعد کیا کریں گے اور کون سا راستہ اختیار کریں گی۔ اسی طرح اس جواب کی بھی ضرورت نہیں رہتی جو اس سلسلے میں علامہ قرطبی نے دیا ہے۔ وہ جواب یہ ہے کہ اصل میں وہ کفار جن کی روحوں کے لئے آسمانوں کا دروازہ نہیں کھلتا ان سے مراد مشرکین ہیں اہل کتاب میں کے کفار مراد نہیں ہیں۔ اس لئے وہ کافر روحیں جن کو آدمؑ نے آسمان دنیا میں دیکھا اہل کتاب میں کے کافروں کی رہی ہوں گی (یعنی ایسے کفار جو کسی نبی کے پیرو اور کسی آسمانی کتاب اور شریعت پر عمل کرنے والے نہیں ہیں ان کی روحیں آسمانوں پر نہیں پہنچ سکتیں لیکن وہ کفار جو پچھلے نبیوں میں سے کسی نبی اور اس کی کتاب و شریعت پر عمل کرتے ہیں اگرچہ اسلام آنے کے بعد وہ بھی کافر ہیں مگر ان کی روحیں ان

کے مرنے کے بعد آسمانوں میں پہنچ سکتی ہیں اور آدمؑ آسمان دنیا پر اپنی اولاد میں جن کافروں کی روحیں دیکھتے ہیں وہ ان ہی اہل کتاب کی روحیں ہوتی ہیں۔ مثلاً" یہودی اور عیسائی قومیں ہیں کہ اسلام کے بعد یہ کافر تو ہیں مگر اہل کتاب ہیں۔ اسی لئے دوسرے مشرکوں کے مقابلے میں کفار مسلمانوں کے قریب ہیں اور ان کی لڑکیوں سے مسلمان مردوں کی شادی ہو سکتی ہے اگرچہ ان کے مردوں سے مسلمان عورت کی شادی جائز نہیں۔ جبکہ اہل کتاب کے علاوہ دوسرے کافروں کی عورتوں سے مسلمان مردوں کی شادی جائز نہیں ہے۔ لیکن علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ اہل کتاب کی یہ روحیں گذشتہ اور آئندہ سب لوگوں کی ہوں بلکہ) یہاں دونوں گذشتہ روایتوں میں یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ان روحوں سے مراد صرف وہ روحیں ہوں جو اپنے جسموں میں سے نکل چکی ہیں کیونکہ ان روایتوں کی عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

یتیموں کا مال کھانے والے...... غرض آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ وہاں میں نے کچھ لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے اور ان کے ہاتھوں میں پتھروں کی طرح بڑے بڑے انگارے تھے۔ یعنی اتنے بڑے بڑے تھے کہ ایک ایک انگارے میں ان کا ہاتھ بھر گیا تھا۔ وہ لوگ ان انگاروں کو اپنے منہ میں ڈالتے تھے اور پھر یہ پاخانے کے راستے نکل جاتے تھے۔ میں نے یہ منظر دیکھ کر جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے کہا۔

"یہ وہ لوگ ہیں جو زبردستی اور ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔"

ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے زمین پر نہیں دیکھا تھا۔ (ی) یہاں لوگوں سے مراد غالباً" وہ شخص ہی ہیں (ان کی روحیں نہیں) اور یا ان کو خاص طور پر یہاں اس لئے دکھلایا گیا کہ ان میں اکثریت یتیموں کے والیوں اور ذمہ داروں کی تھی۔

سود خور لوگ...... پھر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کچھ لوگ دیکھے جن کے پیٹ ایسے تھے کہ ان جیسے پیٹ میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ان کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے جیسے گھروں کی کوٹھڑیاں اور کمرے ہوتے ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آتے تھے۔ یہ لوگ آل فرعون کے راستے میں پڑے ہوئے تھے اور آل فرعون کو جب دوزخ میں ڈالنے کے لئے لے جایا جاتا تھا تو وہ پیاس اور دیوانگی سے بلبلاتے ہوئے اونٹوں کی طرح ان بڑے پیٹ والوں کو بری طرح روندتے اور کچلتے ہوئے ان کے اوپر سے گزرتے تھے مگر ان لوگوں میں اتنی سکت نہیں تھی کہ یہ حرکت کر کے اس راستے پر سے اپنے آپ کو ہٹا سکیں (کیونکہ ان کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے کہ یہ اپنی جگہ سے ہلنے کے بھی قابل نہیں تھے)۔

آل فرعون کی جو کیفیت بتلائی گئی ہے اور جس طرح وہ ان بڑے پیٹ والوں کو کچل رہے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بڑی شدت اور سختی سے ان پیٹ والوں کو روندر ہے تھے۔

یہاں پاگل اونٹوں کے لئے مھیومہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ ہیام اونٹوں کی ایک بیماری ہے جس میں اونٹ دیوانو کی طرح بھاگتا پھرتا ہے اور کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔ علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ مھیومہ سخت پیاس کی بیماری والے اونٹ کو کہتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب بھی یہ لوگ اٹھنا چاہتے فوراً" پھر گر پڑتے۔ آپ نے جبرئیلؑ سے پوچھا

کہ یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا۔

"یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔"

اس سے پہلے بیان ہوا ہے کہ سود خوروں کو آنحضرت ﷺ نے زمین پر دیکھا تھا مگر اس حالت میں نہیں بلکہ اس طرح کہ ان میں کا ایک ایک شخص خون کے دریا میں تیر رہا تھا اور پتھر نگل رہا تھا۔

مگر اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کہ ان سود خوروں کی یہ دونوں نشانیاں رہی ہوں۔ یعنی پھر وہ اس خون کے دریا سے نکالے جاتے ہوں اور آل فرعون کے راستے میں ڈال دیئے جاتے ہوں جن کا ذکر ہوا۔ اور ان کا یہ عذاب ہمیشہ اسی طرح چلتا رہتا ہے۔

زناکار و عیاش مرد...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں نے ایسے لوگ دیکھے جن کے سامنے ایک طرف بہترین قسم کا عمدہ گوشت رکھا ہوا ہے اور دوسری طرف سڑا ہوا بدبودار گوشت رکھا ہوا ہے۔ اور وہ لوگ اس پاک اور بہترین گوشت کو چھوڑ کر وہ سڑا ہوا بدبودار گوشت کھا رہے ہیں میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے کہا۔

"یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالی نے حلال اور پاک دامن عورتیں یعنی بیویاں دی تھیں مگر یہ ان کو چھوڑ کر دوسری عورتوں کے ساتھ عیاشی کرتے تھے جن کو اللہ تعالی نے ان پر حرام کیا تھا۔"

اسی قسم کے مردوں اور عورتوں کو آنحضرت ﷺ زمین پر بھی دیکھ چکے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک جگہ کچھ خوان دیکھے جن میں بہترین پاک صاف گوشت رکھا ہوا تھا مگر اسے کھانے والا کوئی نہیں تھا۔ جبکہ کچھ اور خوان رکھے ہوئے تھے جن میں سڑا ہوا گوشت تھا اور اس کو کھانے کے لئے لوگ ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ تب آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو انہوں نے کہا کہ یہ وہ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام چیز کھاتے تھے۔

یعنی حلال مال کو چھوڑ کر حرام مال کھاتے تھے۔ تو گویا یہ بات پہلی کے مقابلے میں زیادہ عام ہے (جس میں حرام خور اور حرام کار دونوں آجاتے ہیں) ان لوگوں کو آپ نے زمین پر نہیں دیکھا تھا۔

زناکار و عیاش عورتیں...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا پھر میں ایسی عورتوں کے پاس سے گزرا جو اپنی چھاتیوں کے بل لٹکی ہوئی تھیں۔ میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون ہیں۔ تو انہوں نے کہا

"یہ وہ عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے شوہروں کے گھروں میں اولادیں پیدا کیں جو ان کے شوہروں کی نہیں۔"

(یعنی زناکار عورتیں ہیں مگر چونکہ شادی شدہ تھیں اس لئے دونوں لوگوں کے ساتھ ہم بستری اور زنا کرتیں اور حاملہ ہو جاتیں تو اپنے شوہر کے گھر بچہ جنتیں اور کسی کو پتہ نہ چلتا کہ یہ بچہ شوہر سے نہیں ہے بلکہ حرام اولاد ہے۔ تو گویا مراد ہیں زناکار عورتیں) ان کے متعلق یہ نہیں گزرا کہ آپ نے ان کو زمین پر بھی دیکھا تھا۔ البتہ پیچھے جو بیان ہوا ہے اس میں یہ ہے کہ آپ نے زناکار عورتوں کی حالت دیکھی تھی۔ وہاں یہ قید اور تفصیل نہیں تھی کہ وہ زناکار جو اپنے شوہروں کے گھروں میں حرام اولاد جنتی ہیں۔ مگر وہاں اور یہاں جو کچھ بیان ہوا اس میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ مراد صرف زناکار عورتیں ہیں کیونکہ زنا سے ہی یہ خرابی بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے یہ بات ماننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ زناکار عورتیں دونوں طرح ہوں گی۔

عیب جو اور آوازہ کش لوگ...... (قال) اس کے بعد آنحضرت ﷺ آگے بڑھے تو آپ نے ایسے لوگ دیکھے جو اپنے ہی پہلو کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے تھے اور ان سے کہا جا رہا تھا۔

"یہ بھی اسی طرح کھاؤ جس طرح تم اپنے بھائی کا گوشت کھایا کرتے تھے۔"

آپ نے یہ ہولناک منظر دیکھ کر جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو انہوں نے کہا۔

"یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے پر آوازے کسا کرتے ہیں۔"

چغل خوروں کی ایک حالت آپ نے زمین پر بھی دیکھی تھی جو اس سے مختلف تھی جیسا کہ بیان ہوا۔

آسمان دنیا میں دریاء نیل و فرات...... ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی آسمان دنیا میں دریائے نیل اور دریائے فرات کو بہتے ہوئے اور ان دونوں دریاؤں کے اصل چشمے کو دیکھا جہاں سے یہ پھوٹ رہے ہیں۔ مگر یہ روایت اس آنے والی روایت کے خلاف ہے جس میں ہے کہ آپ نے سدرہ المنتہیٰ کی جڑ میں چار نہریں دیکھی تھیں جن میں سے دو نہریں اندرونی تھیں اور دو باہری ان میں سے دو باہری نہریں میں ایک دریائے نیل تھا اور دوسرا دریائے فرات۔

ان دونوں روایتوں میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ شاید ان دونوں دریاؤں کا اصل موت تو سدرہ المنتہیٰ کے نیچے ہی ہے اور ان کا پانی جمع ہونے کی جگہ یعنی جہاں سے جمع ہو کر آگے پھوٹتا ہے وہ آسمان دنیا میں ہے اس سے پہلے یہ پانی جنت میں سے گزر کر آتا ہے اور آسمان دنیا سے یہ پانی نیچے زمین پر اترتا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ لآیہ پ ۱۸ مومنون ع ۱ آیت ۱۸

ترجمہ :- اور ہم نے آسمان سے مناسب مقدار کے ساتھ پانی برسایا پھر ہم نے اس کو مدت تک زمین میں ٹھہرایا۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یہ نیل اور فرات دریا ہیں۔ یہ پانی جنت کے سب سے نچلے حصے میں سے جبرئیلؑ کے پروں کے ذریعہ زمین پر اتارا جاتا ہے اور جبرئیلؑ نے اس پانی کو پہاڑوں کے اندر ڈالا جہاں سے زمین پر ان کے چشمے جاری ہوئے۔

پھر جب قرآن پاک اوپر اٹھایا جائے گا اور ایمان چلا جائے گا اسی وقت اللہ تعالیٰ ان دونوں دریاؤں کو بھی اوپر آسمانوں پر اٹھائے گا۔ چنانچہ اسی کے متعلق قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ پ ۱۸ سورہ مومنون ع ۱ آیت ۱۸

ترجمہ :- اور ہم اس پانی کے معدوم کر دینے پر بھی قادر ہیں۔

اس قول کو علامہ سہیلی نے ذکر کیا ہے۔ کتاب جامع صغیر میں ہے کہ دریائے نیل حقیقت میں جنت سے نکلتا ہے اور اس کے بہنے کی حالت میں اگر اس میں تلاش اور تحقیق کی جائے تو جنت کے پتے اس میں پائے جا سکتے ہیں۔

دوسرے آسمان پر قدم رنجہ...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بعد ہم دوسرے آسمان پر پہنچے۔ یہاں بھی دروازے پر پہنچ کر جبرئیلؑ نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اندر سے پوچھا گیا آپ کون ہیں۔ انہوں نے کہا جبرئیل! پھر پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا محمد ﷺ۔ پھر پوچھا گیا کہ ان کو بلوایا گیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں اب اس دوسرے آسمان کا دروازہ کھولا گیا۔

عیسٰی و یحیٰی سے ملاقات...... یہاں پہنچتے ہی عیسٰیؑ اور یحیٰی ابن ذکریا پر میری نظر پڑی جو عیسٰیؑ کے بھانجے

ہیں۔ یہ دونوں اپنے کپڑوں اور بالوں میں ایک دوسرے کے مشابہ تھے اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ بھی تھے۔ ان دونوں نے مجھے مرحبا کہا اور مجھے خیر کی دعا دی۔

ایک روایت اور ہے جس کو شاذ [۱] کہا گیا ہے کہ ان دونوں کو آپ نے تیسرے آسمان میں دیکھا تھا۔ اس روایت کو علامہ سیوطی نے جامع صغیر کے شروع میں بیان کیا ہے۔ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ وہ روایت حضرت انسؓ کی ہے جس کو شیخین نے نقل کیا ہے۔ جہاں تک شاذ روایت کا تعلق ہے تو وہ روایت کے مطلقاً" صحیح ہونے کے منافی اور خلاف نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام نے اپنی کتاب شرح الفیہ میں ایک جملہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شاذ وہ حدیث ہے جس کے راوی نے اپنے سے زیادہ قابل ترجیح راوی کی مخالفت کی ہو مگر بعض علماء کے نزدیک اس سے شاذ حدیث میں جس کے راوی نے اپنے سے زیادہ قابل ترجیح راوی کی مخالفت کی ہو مگر بعض علماء کے نزدیک اس سے شاذ حدیث صحیح حدیث کے دائرے سے خارج نہیں ہوتی کیونکہ صحیح حدیث کی تعریف یہ ہے کہ جس کی صحت پر سب کا اتفاق ہو مطلقاً" نہیں۔ یہاں تک شیخ الاسلام کا حوالہ ہے۔

علامہ سخاوی نے اپنے شیخ ابن حجر سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو شخص صحیحین یعنی بخاری و مسلم میں غور کرے گا اس کو ان میں اس قسم کی مثالیں مل سکتی ہیں یعنی وہ صحیح حدیثیں جو شاذ کے ساتھ موصوف ہیں ان دونوں کتابوں میں ملیں گی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کو خالہ کے بیٹے فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی مائیں ان دونوں کی خالہ تھیں (یعنی آپس میں بہنیں تھیں) یہی مشہور قول ہے۔ اسی کی بنیاد پر ابن سکیت نے کہا ہے کہ یوں تو کہا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کی خالہ کے بیٹے کہا جا سکتا ہے مگر ایک دوسرے کے ماموں کے بیٹے نہیں کہا جا سکتا۔ مگر کتاب عیون المعارف میں علامہ قضاعی نے لکھا ہے کہ اصل میں یحییٰؑ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ حضرت مریم کے خالہ زاد بھائی تھے خود حضرت عیسیٰؑ کے خالہ زاد بھائی نہیں تھے کیونکہ حضرت یحییٰؑ کی والدہ حضرت مریم کی والدہ کی بہن تھیں خود حضرت مریم کی بہن نہیں تھیں۔

<u>عیسیٰ و یحییٰ کے درمیان رشتہ داری</u>...... یہی بات ابن اسحاق نے بھی کہی ہے کہ حضرت مریم کے والد عمران اور حضرت یحییٰ کے والد حضرت ذکریا، سلیمانؑ کی اولاد میں سے تھے اور دونوں نے دو بہنوں سے شادی کی تھی۔ چنانچہ حضرت ذکریا کی بیوی سے حضرت یحییٰؑ پیدا ہوئے جو عیسیٰؑ سے چھ مہینے پہلے ہوئے تھے۔ اس کے بعد حضرت مریم کے پیٹ سے عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ تو حضرت ذکریا کے یہاں یحییٰ پیدا ہوئے اور عمران کی بیوی کے یہاں حضرت مریم پیدا ہوئیں۔ لہٰذا یحییٰؑ کی والدہ حضرت مریم کی والدہ کی بہن تھیں اور عیسیٰؑ حضرت یحییٰ کی خالہ زاد بہن کے لڑکے یعنی بھانجے تھے۔ اس طرح اب آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ (دوسرے آسمان پر پہنچتے ہی) میری نظر دو آپس میں خالہ زاد بھائیوں پر پڑی۔ یہ گویا صرف ایک ایسا اظہار تھا جو ایسے میں بول دیا جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک دفعہ خود حضرت عیسیٰؑ نے یحییٰؑ کو اے خالہ کے بیٹے کہہ دیا تھا جیسا کہ تفسیر تستوی میں ذکر کیا گیا ہے۔

اس تفسیر میں ہے کہ ایک روز حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰؑ چلے جا رہے تھے کہ اچانک حضرت یحییٰ

---

(۱) شاذ حدیث وہ ہے جس کا راوی ثقہ تو ہو مگر اس نے ایسے راوی کی مخالفت کی ہو جو ضبط وغیرہ جیسی وجوہ ترجیح میں اس سے برتر ہو۔

ایک عورت سے ٹکرا گئے۔ اس پر عیسیٰؑ نے ان سے کہا۔

"اے خالہ کے بیٹے! آج آپ نے ایک ایسی خطا کی ہے کہ میں سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو معاف نہیں فرمائے گا۔"

یحییٰؑ نے پوچھا کیا خطا ہوئی۔ عیسیٰؑ نے کہا۔

"آپ ایک عورت سے ٹکرا گئے!"

یحییٰؑ نے فرمایا

"خدا کی قسم مجھے اس کا احساس بھی نہیں ہوا۔"

عیسیٰؑ نے فرمایا۔

"سبحان اللہ! آپ کا جسم تو میرے ساتھ ہے پھر آپ کا دل کہاں ہے!"

یحییٰؑ نے فرمایا

"عرش کے ساتھ لٹکا ہوا ہے۔ خدا کی قسم (اس عورت کا تو ذکر کیا) اگر ایک لمحے کے لئے ہی میرا دل جبرئیلؑ کے ساتھ بھی متوجہ ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ میں نے حق تعالیٰ کی معرفت کا حق ادا نہیں کیا۔"

تو اس روایت میں عیسیٰؑ نے یحییٰؑ کو جو ان کے ماموں یعنی والدہ کے بھائی تھے ان کو اپنی خالہ کا بیٹا یعنی بھائی کہہ دیا جو محاورہ کے لحاظ سے جائز ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ عربوں اور بنی اسرائیل میں اس کا رواج عام ہے۔

اس سلسلے میں مولیٰ ابوالسعود کا کلام دیکھا انہوں نے اس اختلاف کو دور کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک قول کے مطابق یحییٰؑ کی والدہ حضرت مریم کی والدہ کی ماں شریک بہن تھیں اور خود حضرت مریم کی باپ شریک بہن تھیں۔ مگر اب یہ بات قابل غور ہو جاتی ہے کیونکہ اس طرح ایسی عورت کا بیوی ہونا ثابت ہوتا ہے جو شرعاً حرام ہے اس لئے کہ اس تفصیل کے مطابق مریم کی والدہ ایک ایسی عورت کی بیٹی ہوئیں جو ان کے باپ کی بیوی تھی یعنی سوتیلی بیٹی اس بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے ان کی شریعت میں یہ بات جائز ہو۔

(تشریح: اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس تفصیل کے مطابق حضرت مریم کے باپ عمران نے اپنی ساس سے بھی شادی کر لی تھی لہٰذا اس طرح ان کی بیوی ان کی بیٹی بھی ہو گئی اور چونکہ اس سے نکاح کر لیا تھا اس لئے بیوی بھی ہوئی) بعض حضرات نے لکھا ہے کہ شاید عمران نے پہلے حنہ کی ماں سے شادی کی جس سے ان کے یہاں اشیاع پیدا ہوئی جو یحییٰؑ کی والدہ تھیں۔ پھر عمران نے خود حنہ سے شادی کر لی جو ان کی بیوی کی بیٹی تھی۔ اس بیوی یعنی حنہ سے حضرت مریم پیدا ہوئیں۔ مگر یہ اسی صورت میں کہا جا سکتا ہے جب کہ اس بات کو ان کی شریعت میں جائز مانا جائے۔

مگر اس بارے میں یہ اشکال ہوتا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ نوحؑ کا ظہور اس بنا پر ہوا تھا۔ کہ وہ ان عورتوں سے نکاح کو منع کریں جو آدمی پر حرام ہیں۔ مگر اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ شاید حرام عورتوں سے مراد نسب کے ذریعہ حرام عورتیں مراد ہیں (جیسے خالہ، پھوپی، ماں، بہن وغیرہ) وہ عورتیں مراد نہیں تھیں جو سسرال کے ذریعہ حرام قرار پاتی ہیں (جیسے ساس اور بیوی کی زندگی میں اس کی بہن وغیرہ۔ مگر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عیسیٰؑ کی شریعت میں اس طرح کی شادی جائز ہو گی کیونکہ اسی دور میں یحییٰؑ کو بادشاہ نے اسی بات پر قتل

کیا تھا کہ وہ اپنی ملکہ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا تھا جس کی یحییٰ نے اجازت نہیں دی تھی جیسا کہ بیان ہوا)

یحییٰ نام...... یحییٰ کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کے دور میں پیدا ہونے والے یحییٰ ابن خلاد انصاری کے سوا کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا گیا۔ جس دن یحییٰ ابن خلاد انصاری پیدا ہوئے تو ان کو تحنیک کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں لایا گیا تھا۔ آپ نے ان کی تحنیک کی اور فرمایا۔

"میں اس بچے کا نام وہ رکھتا ہوں جو یحییٰ ابن ذکریا علیہما السلام کے بعد کسی کا نہیں رکھا گیا۔"

چنانچہ آپ نے ان کا نام یحییٰ رکھا۔

یحییٰ کی فضیلت...... حضرت یحییٰ کے مرتبہ اور مقام کا جن روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے ان میں سے ایک تفسیر کشاف میں ہے جسے حضرت ابن عباسؓ نے نقل کیا ہے کہ ہم ایک روز مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھے ہوئے پیغمبروں کے فضائل پر گفتگو کر رہے تھے۔ چنانچہ نوحؑ کا ذکر آیا تو ان کی طویل عبادت کا بھی ذکر آیا۔ ابراہیمؑ کا ذکر چلا تو ان کے حق تعالی کے خلیل اور دوست ہونے کی فضیلت بیان کی گئی۔ موسیٰؑ کی بات ہوئی تو ان کے حق تعالی سے ہم کلام ہونے کی فضیلت کا ذکر آیا اور عیسیٰؑ کے ذکر کے ساتھ ان کے آسمان پر اٹھا لئے جانے کا ذکر ہوا۔ پھر ہم نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ان تمام پیغمبروں سے افضل ہیں کہ آپ کو ساری دنیا کے انسانوں کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں اور یہ کہ آپ خاتم الانبیا ہیں۔

اسی وقت آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ نے پوچھا کیا باتیں کر رہے ہو؟ ہم نے بتلایا تو آپ نے فرمایا۔

"کوئی شخص بھی یحیی ابن ذکریا سے بہتر نہیں ہو سکتا۔"

یحییٰؑ کی کثرت عبادت...... پھر آپ نے فرمایا کہ انہوں نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ کبھی گناہ کا ارادہ کیا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ہر شخص حق تعالی سے اس حال میں ملے گا کہ اس نے کسی نہ کسی گناہ کا کبھی ارادہ کیا ہو گا اور پھر اس پر عمل کیا ہو گا سوائے حضرت یحییٰ کے کہ انہوں نے نہ کبھی گناہ کا ارادہ کیا اور نہ اس پر عمل کیا۔

اس حدیث [1] سے جو شبہ پیدا ہوتا ہے وہ ظاہر ہے اس لئے یہ قابل غور ہے۔

ایک روایت ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کے والد حضرت ذکریاؑ نے ایک دفعہ حضرت یحییٰ کو بے انتہا عبادت کرنے اور ہر وقت روتے رہنے پر سرزنش کی تھی۔ اس پر یحییٰ نے ان سے کہا۔

"اے باپ! کیا آپ نے ہی مجھے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ ! کیا آپ نے ہی مجھ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک گھاٹی ہے جس کو اللہ کے خوف سے ڈر کر رونے والے ہی پار کر سکتے ہیں۔"

حضرت ذکریا نے یہ سن کر فرمایا۔

---

(۱) کیونکہ یہاں لفظ گناہ میں تمام انسانوں کو شامل کیا گیا ہے جن میں انبیاءؑ معصوم ہوتے ہیں اور حق تعالی کی طرف سے گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔ ان کے گناہ سے عام گناہ مراد نہیں ہے بلکہ ان کے بلند مرتبے کی وجہ سے ان کی ہلکی سی بھول چوک پر بھی پکڑ ہو جاتی ہے اور ان سے یہی بھول چوک ممکن ہے اسی کی طرف یہاں انبیاء کے حق میں اشارہ ہے اور یہ کہ یحییٰ اس سے بھی محفوظ رہے۔ مگر علامہ ابن کثیر نے اس حدیث کو ہی ضعیف کہا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ مرتب

"بے شک۔ بس تو کوشش اور محنت کرو۔"

یحیٰؑ کے ہاتھوں قیامت میں موت کی موت...... ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن یحییٰؑ ہی موت کو ذبح کر کے ہمیشہ کے لئے ختم فرمائیں گے۔ وہ اس کو لٹائیں گے اور ایک بال سے اسے ذبح کریں گے جو ان کے ہاتھ میں ہوگا اس وقت لوگ ان کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ اس وقت موت ایک سبز کا ہی رنگ کی بھیڑ کی شکل میں لائی جائے گی اور اس کو جنت اور دوزخ کے درمیان لاکر کھڑا کیا جائے گا۔ پھر جنت اور دوزخ کے رہنے والوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم اس بھیڑ کو پہنچانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس بات کا علم ڈال دے گا اور وہ کہیں گے۔

"ہاں۔ یہ موت ہے!"

جہاں تک معانی اور نظر نہ آنے والی چیزوں کو جسم اور شکل وصورت دیئے جانے کا تعلق ہے تو اس کے متعلق حدیث میں آتا ہے جو حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں ہے۔ خلق الموت و الحیات اس کی تفسیر میں ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ موت ایک بھیڑ کی شکل میں ہوتی ہے جس کے پاس سے بھی یہ بھڑ گزر جاتی ہے وہ چیز مر جاتی ہے۔ اسی طرح زندگی ایک گھوڑے کی شکل میں ہے جس کے پاس سے بھی یہ گزر جاتا ہے وہ چیز زندہ ہو جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کا ایک جسم ہے اور میت یعنی مرنے والے آدمی کو اپنے جسم میں موت داخل ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ غرض ایک قول یہ ہے کہ قیامت کے دن موت کو ذبح کرنے والے حضرت جبرئیلؑ ہوں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت ادریسؑ بھی اسی دوسرے آسمان میں ہیں۔ مگر یہ قول شاذ ہے۔

ایک قول ہے کہ یہاں یوسفؑ ہیں۔ اس کے متعلق ایک روایت بھی ہے جس کو علامہ سیوطی نے جامع صغیر کے شروع میں بیان کیا ہے۔ اسی میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ تیسرے آسمان ہیں جیسا کہ پیچھے بھی گزرا ہے۔ اس بارے میں یہ بھی پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ ایک قول کے مطابق یہ حضرت انسؓ کی روایت ہے جس کو شیخین نے نقل کیا ہے۔

لفظ عیسیٰ کے متعلق ابو حیان نے کہا ہے کہ یہ عجمی یعنی غیر عربی لفظ ہے اور بظاہر یہ لفظ یحییٰ کی طرح ہی ہے یہاں تک ابو حیان کا کلام ہے۔ مگر دوسرے بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہی عربی لفظ ہے اور اس کا غیر منصرف ہونا علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح لفظ عیسیٰ کے متعلق بھی ایک قول یہ ہے کہ یہ عربی لفظ ہے جس کا مادہ عیس ہے عیس کے معنی ایسی سفیدی کے ہیں جس میں زردی بھی شامل ہو۔ جو لوگ لفظ عیسیٰ کو غیر عربی لفظ کہتے ہیں وہ اسے عبرانی زبان کا لفظ بتلاتے ہیں۔ ایک قول ہے کہ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے۔

تیسرے آسمان پر قدم رنجہ اور یوسفؑ سے ملاقات...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر ہم تیسرے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ اس کے دروازے پر پہنچ کر حضرت جبرئیلؑ نے اندر آنے کی اجازت مانگی تو اندر سے پوچھا گیا کون ہے؟ انہوں نے کہا جبرئیل۔ پھر پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا محمد ﷺ پھر پوچھا گیا۔ کیا ان کو بلوایا گیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں بلوایا گیا ہے۔ اب فرشتوں نے دروازہ کھولا۔ اندر پہنچتے ہی میری نظر یوسفؑ پر پڑی۔ ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ بھی تھے۔ یوسفؑ حسن کا

آدھا حصہ دیا گیا تھا باقی آدھا حصہ ساری دنیا کو دیا گیا۔ یوسفؑ کے حسن کے متعلق ایک حدیث میں آتا ہے کہ ان کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح جگمگارہا تھا۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ یوسفؑ اور ان کی والدہ کو تین حصے حسن میں سے ایک حصہ دیا گیا اور باقی دو حصے حسن پوری دنیا کو دیا گیا۔ مگر ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ ساری دنیا کے حسن میں سے اللہ تعالی نے یوسفؑ کو دو حصے حسن دیا اور باقی ساری دنیا میں ایک حصہ حسن تقسیم فرمایا۔ ان روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

حسن یوسفؑ حضرت وہب ابن منبہ سے روایت ہے کہ دنیا میں حسن کے دس حصے ہیں جن میں سے نو حصے حسن یوسفؑ کو دیا گیا اور ایک حصہ ساری دنیا کو تقسیم کیا گیا۔!

بعض علماء نے لکھا ہے کہ تمام انسانوں کے درمیان یوسفؑ کے حسن کو وہی فضیلت حاصل تھی جو چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر حاصل ہوتی ہے۔

یوسفؑ جب مصر کی گلیوں میں چلتے تو ان کے چہرے سے حسن کی کرنیں پھوٹ کر اسی طرح دیواروں کو روشن کر دیتیں جیسے دھوپ اور چاندنی دیواروں پر پڑتی ہے۔

یہاں دنیا کے باقی لوگوں سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کا حسن و جمال ایسا تھا کہ اس کی نہ کوئی نظیر ہے اور نہ اس حسن کا کوئی جواب ہے۔ جیسا کہ قصیدہ بردہ کے شاعر نے اس مصرعہ میں اشارہ کیا ہے۔

فجوهر الحسن فيه غير منقسم۔ ترجمہ: آپ کو حسن کا جو جوہر ملا تھا وہ صرف آپ ہی کا حصہ تھا اس کو تقسیم کر کے کسی کو نہیں دیا گیا تھا۔

مگر علامہ ابن منیر یہ کہتے ہیں کہ یوسفؑ کو اس حسن و جمال کا نصب حصہ دیا گیا تھا جو آنحضرت ﷺ کو عطا فرمایا گیا۔ اسی بات کی تائید علامہ سبکی نے قصیدہ تائیہ کی شرح میں کی ہے اور کہا ہے کہ آپ نے دیکھا کہ یوسفؑ کو اسی حسن کا نصف حصہ دیا گیا ہے جو آپ کو دیا گیا ہے۔

حسن کا ورثہ...... ایک قول یہ ہے کہ یوسفؑ کو اپنے دادا حضرت اسحاقؑ کے حسن کا ورثہ ملا تھا اور حضرت اسحاقؑ کو اپنی والدہ سارہ سے خوبصورتی ورثہ میں ملی تھی اور حضرت سارہ کو حسن کا چھٹا حصہ ملا تھا۔ یہ حسن کا تمام انسانوں کی ماں حضرت حوا سے ملا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ تمام مخلوقات میں یوسفؑ سب سے زیادہ حسین و جمیل انسان تھے اور ان کے حسن کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ پیچھے بیان ہوا کہ وہ ستاروں کے درمیان بدر کامل کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر یہاں بھی تمام مخلوق اور انسانوں سے آنحضرت ﷺ کے علاوہ دوسرے تمام لوگ مراد ہیں کیوں کہ یوسفؑ کا حسن اس حسن کا آدھا حصہ تھا جو آنحضرت ﷺ کے سوا تمام انسانوں کو دیا گیا ہے (دوسرے یہ کہ یہ بات خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے اور) متکلم یعنی کہنے والا اکثر ایسی عام بات کے کہنے میں خود مراد نہیں ہوا کرتا۔

ایک روایت میں ہے کہ یوسفؑ کو آدم کے حسن کا نصف حصہ ملا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آدم کے حسن کا ایک تہائی حصہ ملا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آدمؑ کو جس دن پیدا کیا گیا ہے۔ اس دن ان کا جو حسن و جمال

تھا یوسفؑ اس کے مشابہ تھے۔

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کو تمام حسن دیا گیا تھا جبکہ یوسفؑ کو حسن کا آدھا حسن دیا گیا تھا۔ اب ان سب روایات کو درست مانا جائے تو ان کا اختلاف قابل غور ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خوبصورت اور خوش گلو یعنی خوش آواز بنایا اور تمہارے نبی کو جمال اور آواز میں سب سے زیادہ بنایا۔

غرض آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ تیسرے آسمان میں پہنچتے ہی یوسفؑ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور دعائے خیر دی۔

ایک روایت میں ہے کہ اس تیسرے آسمان میں ہی حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ بھی ملے جیسا کہ بیان ہوا۔

<u>چوتھے آسمان پر قدم رنجہ اور ادریسؑ سے ملاقات</u>...... آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر ہم چوتھے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ دروازے پر پہنچ کر جبرئیلؑ نے اجازت مانگی تو پوچھا گیا کون ہے انہوں نے کہا جبرئیل۔ پھر پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے انہوں نے کہا محمد ﷺ۔ پھر پوچھا گیا کیا ان کو بلوایا گیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں بلوایا گیا ہے۔ اب فرشتوں نے دروازہ کھولا۔ اندر پہنچتے ہی میری نظر حضرت ادریسؑ پر پڑی انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور دعاء خیر دی۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا۔ نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا ہو۔ قتادہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا۔ نیک بیٹے کو مرحبا ہو۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ صرف قیاس ہے کیونکہ ادریسؑ آنحضرت ﷺ کے مورث اعلیٰ قرار پاتے ہیں اس لئے کہ وہ حضرت شیثؑ کی اولاد میں سے ہیں ان کے اور شیثؑ کے درمیان چار نسلیں ہیں۔ ان کو آدمؑ کی وفات کے دو سو سال بعد رسالت دے کر بھیجا گیا تھا۔ آدمؑ کی اولاد میں یہ پہلے شخص ہیں جن کو رسالت دے کر بھیجا گیا (نبوت اور رسالت کا فرق گزر چکا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ شیثؑ نبی یہ تھے رسول نہیں تھے نوحؑ حضرت ادریس کی اولاد میں ہیں ان کے اور نوحؑ کے درمیان دو نسلیں ہیں۔ اس طرح ادریسؑ آنحضرت ﷺ کے نسب کے اہم ستونوں میں سے ہیں۔

اس تفصیل کے بعد ظاہر ہے کہ ادریسؑ کا آنحضرت ﷺ کو نیک بیٹے کے بجائے نیک بھائی کہنا صرف تواضع اور انکسار کی وجہ سے تھا (ورنہ وہ آپ کے جد اعلیٰ ہوتے ہیں) مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ ادریسؑ نوحؑ کے دادا نہیں تھے۔ نہ ہی وہ آنحضرت ﷺ کے نسبی دادا ہیں۔

حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے۔

وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ الآیہ پ ۱۶ سورہ مریم ع ۴ آیت ۵۷

ترجمہ :- اور ہم نے ان کو کمالات میں بلند مرتبہ تک پہنچایا۔

<u>ادریسؑ کی زباں دانی</u>...... مراد یہ ہے کہ آپ کو آپ کی زندگی ہی میں آسمانوں پر اٹھالیا گیا ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ اس کے بعد کا واقعہ ہے جب کہ ادریسؑ مصر سے نکل کر روانہ ہوئے۔ پھر ساری دنیا میں گھوم پھر کر واپس وہیں آئے۔ انہوں نے بہتر (۷۲) زبانوں میں مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف بلایا۔ وہ ہر قوم کو اسی کی زبان میں تبلیغ کرتے تھے اور ان کو علوم الٰہی سکھلاتے تھے۔

ادریسؑ علم نجوم کے موجد...... ادریسؑ پہلے نبی ہیں جنہوں نے علم نجوم ایجاد کیا یعنی ستاروں کے ذریعہ زمین پر جو انقلابات اور حادثے ظاہر ہوتے ہیں ان کو معلوم کرنے کا علم جس کو علم نجوم کہتے ہیں انہوں نے ہی ایجاد کیا تھا۔ علامہ محی الدین ابن عربی کہتے ہیں کہ یہ ایک صحیح علم ہے۔ خود اس علم میں کوئی غلطی نہیں ہوتی البتہ ستاروں کی چالیں دیکھ کر حال بتلانے والا آدمی غلطی کرتا ہے جس کی وجہ اس کی کم علمی ہوتی ہے۔

ادریسؑ کے متعلق بیان ہوا کہ انہوں نے ساری دنیا کو تبلیغ ودعوت کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رسول تھے۔ مگر علامہ ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ ان کے رسول ہونے کے متعلق قرآن پاک میں کوئی دلیل نہیں ملتی بلکہ قرآن پاک میں ان کو صرف صدیقا نبیا یعنی نبی اور سچ کو قبول کرنے والا کہا گیا ہے۔ وہ پہلے شخص جن سے رسالت شروع کی گئی حضرت نوحؑ ہیں۔ ان سے پہلے جو حضرات تھے وہ سب نبی تھے رسول نہیں تھے یعنی ہر ایک اپنے رب کی طرف سے آئی شریعت پر تھا۔ اور لوگوں میں سے جو چاہے اس کی شریعت میں داخل ہو جاتا اور جو چاہتا نہ داخل ہوتا۔ البتہ ایک دفعہ نبی کی شریعت میں داخل ہو کر پھر اس کو چھوڑ دینے والا کافر ہوتا ہے۔

ادریسؑ کے اقوال زریں...... حضرت ادریسؑ کے جو قول مشہور ہیں وہ یہ ہیں۔

"دنیا اور آخرت دونوں کی محبت ایک ہی دل میں ہرگز جمع نہیں ہو سکتی۔ انسان دو قسم کے ہیں۔ طالب یعنی تلاش کرنے والے کو مقصد ملتا نہیں اور واجد یعنی پانے والے کی کسی حد پر سیری نہیں ہوتی۔ جس نے رسوائی کی ذلت کو برداشت کر لیا اس کے لئے اس کی لذت حاصل کرنا آسان ہو گیا۔ بہترین بھائی وہ ہے جو خود تمہارے ساتھ بھلائی کر چکا ہے اور اس کے بعد جب تم اس کے ساتھ برائی کرتے ہو تو وہ اس کو بھلا دیتا ہے۔"

مزار ادریسؑ...... حضرت ادریسؑ کی روح اسی چوتھے آسمان پر قبض کی گئی تھی پھر یہیں فرشتوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور یہیں ان کا مزار ہے۔ فرشتے جب بھی اس آسمان پر اترتے ہیں وہ ان کے مزار پر نماز پڑھتے ہیں۔

یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ جو لوگ پانچویں چھٹے اور ساتویں آسمان میں ہیں وہ ان سے بلند تر ہیں۔ کیونکہ ایک قول یہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر زندہ کیا اور جنت میں داخل فرمادیا اور وہ اب جنت میں ہی ہیں۔ یعنی اکثر وقت جنت میں گزارتے ہیں۔ لہٰذا اس رات میں ان کے اس آسمان یعنی چوتھے آسمان پر پائے جانے سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا اس لئے کہ ظاہر ہے جنت تمام آسمانوں سے اوپر ہے کیونکہ وہ ساتویں آسمان سے بھی بلند ہے۔ اسی طرح اس حدیث سے بھی کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کہ ادریسؑ بھی عیسیٰؑ کی طرح آسمان پر زندہ ہیں۔

پانچویں آسمان پر قدم رنجہ...... ایک روایت میں ہے کہ اس آسمان پر آپ نے ہارونؑ کو دیکھا تھا۔

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر ہم پانچویں آسمان کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں پہنچ کر بھی جبرئیلؑ نے دروازہ کھلوانے کی اجازت مانگی تو اندر سے پوچھا گیا کون۔ انہوں نے کہا جبرئیلؑ۔ پھر پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں۔ انہوں نے کہا محمد ﷺ۔ پھر پوچھا گیا کیا ان کو بلوایا گیا تھا۔ جبرئیلؑ نے کہا ہاں بلوایا گیا تھا۔ اب فرشتوں نے پانچویں آسمان کا دروازہ کھولا۔

ہارونؑ سے ملاقات...... یہاں پہنچتے ہی ہارونؑ پر میری نظر پڑی۔ ان کی داڑھی جو آدھی سفید تھی اور آدھی سیاہ تھی اتنی لمبی تھی کہ ان کی ناف تک پہنچ رہی تھی۔ ان کے گرد ان کی قوم کے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور ہارونؑ ان کو واقعات سنا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔

ایک روایت میں ہے کہ ہارونؑ کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو انہوں نے کہا۔

"یہ ہارون ابن عمرانؑ ہیں جو اپنی قوم میں بے حد محبوب اور ہر دل عزیز ہیں۔"

(ی) ہارونؑ کے اپنی قوم میں محبوب اور ہر دلعزیز ہونے کی وجہ یہ تھی کہ موسیٰؑ کے مقابلے میں قوم کے ساتھ ان کا برتاؤ بہت نرم تھا جبکہ موسیٰؑ کے مزاج میں سختی اور شدت تھی چنانچہ قوم کے ساتھ ان کا معاملہ سخت ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے موسیٰؑ کو قوم کی طرف سی کچھ تکلیفیں بھی پہنچیں۔

چھٹے آسمان پر قدم رنجہ...... آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم چھٹے آسمان کی طرف روانہ ہوئے دروازے پر پہنچ کر جبرئیلؑ نے اندر آنے کی اجازت مانگی تو اندر سے پوچھا گیا کون ہے انہوں نے کہا جبرئیل۔ پھر پوچھ گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں۔ انہوں نے کہا محمد ﷺ پھر پوچھا گیا کہ کیا ان کو بلوایا گیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں بلوایا گیا ہے۔ اب فرشتوں نے آسمان کا دروازہ کھولا۔

موسیٰؑ سے ملاقات...... یہاں داخل ہوتے ہی مجھے موسیٰؑ نظر آئے انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور دعائے خیر دی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ایسے ہی اور نبیوں کے پاس سے بھی گزرتے رہے جن کے ساتھ ان کی قومیں تھیں اور ایسے نبی اور نبیوں کے ساتھ بھی گزرے جن کے ساتھ ان کی قومیں نہیں تھیں۔ پھر آپ ایک بہت بڑے ہجوم کے پاس سے گزرے تو آپ نے پوچھا یہ کون ہیں۔ جواب ملا۔

"یہ موسیٰ اور ان کی قوم ہیں۔ (ی) مگر یہاں جیسا کہ ظاہر میں یہ لفظ ہونے چاہئیں کہ۔ یہ موسیٰ کی قوم کے لوگ ہیں۔ مگر آپ اپنا سر اٹھا کر بھی دیکھئے!"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو آپ کو ایک بے انتا عظیم ہجوم اور انسانوں کا ایسا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آیا کہ اس کے ہر طرف سے آسمان کے کنارے تک ڈھک گئے تھے۔ اسی وقت آپ کو بتلایا گیا۔

"یہ آپ کی امت ہے۔ یہ ستر ہزار یعنی ان میں سے ستر ہزار وہ ہیں جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔"

یہاں۔ ان میں سے ستر ہزار۔ اس حدیث کی بنا پر کہا گیا ہے جس میں ہے کہ مجھ سے کہا گیا۔

"یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار وہ لوگ ہیں جن پر کوئی عذاب نہیں ہے اور جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ جوش و غضب میں دوسروں کو ذلیل کرتے ہیں، نہ چھپ کر دوسروں کی باتیں سنتے ہیں، نہ بدنالی لیتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔"

یہ حدیث سن کر حضرت عکاشہ ابن محصن نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔

"کیا میں بھی اس جماعت میں ہوں؟"

آپ نے فرمایا۔ "ہاں۔!"

اسی وقت ایک دوسرے شخص نے بھی جو وہاں بیٹھا ہوا تھا پوچھا کہ کیا میں بھی اس جماعت میں ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "سوال کرنے میں تمہارے مقابلے میں عکاشہ پہل کر گئے۔"

یہ دوسرا سوال کرنے والا شخص منافق تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ تو ان لوگوں

میں نہیں ہے کیونکہ تو منافق ہے۔ بلکہ آپ نے ایسی بات فرمادی جس میں یہ جواب چھپا ہوا تھا اور اس کا پردہ بھی باقی رہا۔

ایک قول ہے کہ یہ شخص حضرت سعد ابن عبادہ تھے مگر یہ قول مردود ہے۔ (کیونکہ حضرت سعدؓ بلند مرتبہ صحابہ اور سچے مسلمانوں میں سے تھے ان کے متعلق اس قسم کی بات کھلا ہوا بہتان ہے)

موسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کی امت کو سامنے کئے جانے کے یہ دونوں واقعے مثالی ہیں یعنی ان امتوں کا عکس آپ کے سامنے پیش کیا گیا کیونکہ حقیقت میں ان امتوں کا چھٹے آسمان میں موجود ہونا بعید ہے۔

موسیٰؑ کا غصہ و غضب...... اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جس نبی اور نبیوں کے پاس سے گزرے تھے وہ چھٹے آسمان میں تھے اور جب آپ ان حضرات کے اور اس عظیم ہجوم کے پاس سے گزر کر آگے بڑھ گئے تب اچانک آپ کی نظر حضرت موسیٰ ابن عمران پر پڑی جو گندمی رنگ کے اور ایسے لمبے قد کے تھے جیسے شنوہ قبیلے کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے جسم پر اتنے زیادہ اور اتنے سخت بال تھے کہ اگر وہ دو قمیصیں بھی پہنیں تو ان میں سے بال باہر نکل آئیں۔ ان کو جب غصہ آتا تھا تو ان کے سر کے بال ان کی ٹوپی میں سے باہر نکل آتے تھے۔ اور کبھی ان کے غصے کی شدت کی وجہ سے ان کی ٹوپی میں شعلے اٹھ جاتے تھے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب ان کو غصہ آتا تو ان کے بال ان کے جبہ کے اندر سے اس طرح باہر نکل آتے جیسے کھجور کے درخت کے کانٹے ہوتے ہیں۔ یہ ان کے غصے ہی کی مثال ہے کہ جب ان کے دریا میں نہانے کے بعد پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگا تو انہوں نے اس پتھر کو مارنا شروع کر دیا اور چھ یا سات ہاتھ مارے حالانکہ اس پتھر کو اس کا کوئی احساس نہیں تھا۔ مگر اس کا سبب یہ تھا کہ جب وہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگا تو ایک چوپائے جانور کی طرح ہو گیا تھا اور ظاہر ہے اگر سواری اپنے مالک کے ساتھ منہ زوری کرنے لگے تو اس کو مار مار کر ہی سیدھا کیا جاتا تھا۔

غرض آنحضرت ﷺ نے جیسے ہی موسیٰؑ کو دیکھا آپ نے ان کو سلام کیا۔ موسیٰؑ نے آپ کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کو اور آپ کی امت کو دعائے خیر دی۔ پھر موسیٰؑ نے فرمایا۔

"لوگ سمجھتے ہیں کہ میں ان سے زیادہ اللہ کے نزدیک معزز ہوں مگر حقیقت میں اللہ کے نزدیک یہی مجھ سے زیادہ معزز ہیں۔

موسیٰؑ کا رشک...... جب آپ وہاں سے گزر کر آگے بڑھ گئے تو موسیٰؑ رونے لگے۔ اس پر ان سے رونے کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا۔

"میں اس پر رو رہا ہوں کہ یہ نوجوان میرے بعد نبی بنا کر بھیجے گئے مگر میری امت کے مقابلے میں ان کی امت کے زیادہ آدمی جنت میں داخل ہوں گے۔ (ی) بلکہ ساری امتوں کے مقابلے میں ہی آپ کی امت کے زیادہ لوگ جنت میں جائیں گے۔"

کتاب خصائص صغریٰ میں علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان کی امت کے متعلق یہ خصوصیت دی گئی ہے کہ تمام امتوں میں سے جنت میں جانے والے لوگوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی تو ان میں اسی صفیں آنحضرت ﷺ کی امت کی ہوں گی اور باقی چالیس صفیں تمام امتوں کی ہوں گی۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ تمام امتوں کا حال یہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ جنت میں ہوں گے

تو کچھ لوگ جہنم میں جائیں گے مگر آخری امت کا حال یہ ہے کہ یہ سب کے سب جنت میں جائیں گے۔

کتاب عرائس میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ حق تعالیٰ کے موسیٰؑ سے کلام فرمانے کے بعد ان کے سننے کی طاقت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ دس فرسخ کے فاصلے پر اندھیری رات میں چکنے پتھر کے اوپر چلنے والی سیاہ چیونٹی کی آواز تک سن لیا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ سوائے موسیٰ کے جنت میں داخل ہونے والا ہر شخص بغیر داڑھی مونچھ کا جوان ہوگا صرف موسیٰ کے ناف تک لمبی داڑھی ہوگی۔

ساتویں آسمان پر قدم رنجہ...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر ہم ساتویں آسمان کی طرف بلند ہوئے اس آسمان کا نام عریب ہے جیسے ساتویں زمین کا نام جریب ہے۔ خطیب نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت وہب ابن منبہ سے حدیث روایت کی ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران تلاوت کیں تو اس کو اتنا ثواب ملتا ہے جس سے عریب اور جریب کے درمیان ساری جگہ بھر جاتی ہے۔

غرض ساتویں آسمان کے دروازے پر پہنچ کر جبرئیلؑ نے دروازہ کھولے جانے کی اجازت مانگی اس پر اندر سے فرشتوں نے پوچھا کون ہے۔ انہوں نے کہا جبرئیل۔ پھر پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے انہوں نے کہا محمد ﷺ۔ پھر پوچھا گیا کیا ان کو بلوایا گیا ہے انہوں نے کہا۔ ہاں۔ اب فرشتوں نے دروازہ کھولا۔

ابراہیمؑ سے ملاقات...... اس آسمان میں داخل ہوتے ہی میری نظر حضرت ابراہیمؑ پر پڑی۔ (ی) جن کے بال کھچڑی یعنی کالے اور سفید تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ ادھیڑ عمر کے تھے۔ اس بات سے اس گذشتہ حدیث کی مخالفت نہیں ہوتی جس میں گزرا ہے کہ ابراہیمؑ جسم اور اخلاق میں تمہارے صاحب یعنی خود آنحضرت ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے انسان ہیں۔

غرض ابراہیمؑ جنت کے دروازے کے پاس یعنی اس سمت کے دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے یہی وضاحت پہلے بھی کی جاچکی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ جنت ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔ یہاں ابراہیمؑ ایک اونچی جگہ پر بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے جو عقیق کا بنا ہوا ہے۔ (عقیق ایک ہیرا ہوتا ہے جس کا رنگ سرخ ہوتا ہے) اسی کو ضراح بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ ضرح سے بنا ہے جس کے معنی پھاڑنے اور دور کرنے کے ہیں۔ اسی سے لفظ ضریح ہے جس کے معنی قبر کے ہیں۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ بیت المعمور کو ضراح اور ضریح دونوں طرح کہا جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ یہ بیت المعمور کعبے کی بالکل سیدھ میں آسمان پر ایک مسجد ہے۔ یہ کعبے کی ایسی سیدھ میں ہے کہ اگر یہ گر پڑے تو سیدھی کعبے پر ہی گرے گی۔ یعنی یہ اس ساتویں آسمان پر ایسی جگہ ہے جو کعبے کی بالکل سیدھ میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ چوتھے آسمان میں ہے۔ کتاب قاموس میں اسی قول کو معتبر مانا گیا ہے۔ ایک قول ہے کہ چھٹے آسمان میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے آسمان پر ہے۔

پیچھے یہ بات بیان ہوئی ہے کہ ہر آسمان میں ایک ایک بیت المعمور ہے اور ان میں سے ہر ایک کعبے کی بالکل سیدھ میں ہے اور یہ کہ روزانہ اس بیت المعمور میں ایک ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جو ایک بار داخل ہو چکے ہیں ان کو دوبارہ داخل ہونے کی نوبت کبھی نہیں آئے گی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: بعض علماء نے لکھا ہے کہ بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے

ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس میں روزانہ ستر سردار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں۔ غالباً آنحضرت ﷺ نے بیت المعمور میں فرشتوں کو جبرئیلؑ کے بتلانے پر دیکھا ورنہ اس رات میں آنحضرت ﷺ کا ان کو دیکھنا سمجھ میں نہیں آتا۔

بیت المعمور میں نماز…… چنانچہ علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی نے اس بارے میں یہی لکھا ہے کہ آپ کو بیت المعمور کے متعلق بتلایا گیا۔ آپ نے اس کو دیکھا اور اس میں دو رکعت نماز پڑھی۔ جبرئیلؑ نے آپ کو بتلایا کہ اس میں روزانہ ایک دروازے سے ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور دوسرے سے نکلتے ہیں۔ وہ اس دروازے سے داخل ہوتے ہیں جو ستاروں کے طلوع کی سمت ہے اور اس دروازے سے نکلتے ہیں جو ستاروں کے غروب ہونے کی سمت ہے۔ اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان فرشتوں کا اتنی بڑی تعداد میں داخل ہونا صرف اس بیت المعمور کے ساتھ خاص ہے جو ساتویں آسمان پر ہے۔

ابراہیمؑ مومنوں و کافروں کے بچوں کے نگراں…… حدیث میں یہ ثابت ہے کہ مومنوں اور کافروں کے بچے حضرت ابراہیمؑ کی کفالت اور نگرانی میں رہتے ہیں۔ آپ نے جب ان بچوں کو ابراہیمؑ کے ساتھ دیکھا تو آپ نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ انہوں نے کہا۔

"یہ مومنوں کے وہ بچے ہیں جو بچپن میں ہی مر جائیں گے۔"

آپ نے پوچھا کیا کافروں کے بچے بھی ان ہی میں ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا۔

"ہاں کافروں کے بچے بھی ان ہی میں ہیں۔"

بخاری نے باب الجنائز میں ایک طویل حدیث میں یہ نقل کیا ہے۔ انہوں نے ہی ایک دوسری جگہ بھی اس حدیث کو پیش کیا ہے جس میں لوگوں کے چھوٹے بچوں کا لفظ ہے (یعنی مومن یا کافر کی قید نہیں ہے)

کافروں کے بچوں کے بارے میں ایک روایت ہے کہ وہ جنتیوں کے خادم بنیں گے۔ یہاں تک شیخ شعرانی کا کلام ہے۔

ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے جس کی سند ضعیف ہے کہ چوتھے آسمان میں ایک نہر ہے جس کا نام نہر حیوان یعنی نہر حیات ہے۔ جبرئیلؑ روزانہ صبح کے وقت اس نہر میں اترتے ہیں جیسا کہ بعض روایتوں سے ظاہر ہے۔ وہ اس نہر میں غوطہ لگانے کے بعد باہر نکلتے ہیں اور پھر اپنا بدن جھٹکتے ہیں جس سے ستر ہزار قطرے ٹپکتے ہیں اور ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔

ایک روایت کے لفظ یوں ہیں کہ۔ ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ اتنے اتنے ہزار فرشتے پیدا فرماتا ہے جن کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ بیت المعمور میں آکر نماز پڑھیں۔ یہی وہ فرشتے ہیں جو بیت المعمور میں داخل ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور اس کے بعد ان کو دوبارہ داخل ہونے کی نوبت کبھی نہیں آتی۔ پھر ان میں سے ایک کو ان کا سردار بنا دیا جاتا ہے جس کو حکم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام فرشتوں کے ساتھ آسمان میں فلاں جگہ کھڑا ہو جائے اور قیامت تک اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا رہے۔

علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جبرئیلؑ نے یہ باتیں اسی رات میں بتلائی تھیں۔ واللہ اعلم۔

غرض ایک روایت میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ساتویں آسمان پر پہنچ کر اچانک میں نے اپنی

تمام امت کو دو حصوں میں دیکھا آدھے لوگ ایسے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے جیسے کاغذ اور باقی آدھے آدمیوں کے کپڑے بوسیدہ اور میلے تھے۔ پھر میں بیت المعمور میں داخل ہوا تو میرے ساتھ امت کے وہ لوگ بھی داخل ہوئے جن کے جسموں پر سفید کپڑے تھے اور میلے کپڑے والے لوگ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ پھر میں نے اور میرے ساتھ کے لوگوں نے بیت المعمور میں نماز پڑھی۔

(یہاں شطر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی نصف اور آدھے کے ہیں) مگر بظاہر یہاں اس سے آدھے آدھے امتی مراد نہیں ہیں کیونکہ اس طرح گنہگاروں کی تعداد فرمانبرداروں کے برابر ہو جائے گی۔

ادھر یہاں بیت المعمور میں نماز پڑھنے کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے دعا بھی مراد ہو سکتی ہے اور رکوع اور سجدے والی نماز بھی ہو سکتی ہے مگر چونکہ دو رکعت کا لفظ بھی فرمایا گیا ہے اس لئے اس کے مطابق رکوع سجدے والی نماز ہی مراد ہونی چاہئے۔

آنحضرت ﷺ کو ابراہیمؑ کا مشورہ...... غرض ابراہیمؑ نے آپ کو دیکھ کر آپ سے فرمایا۔

"اے اللہ تعالیٰ کے نبی! آپ آج رات حق تعالیٰ سے ملاقات فرمانے والے ہیں۔ آپ کی امت آخری امت ہے اور سب سے زیادہ کمزور امت ہے اس لئے اگر آپ اپنی امت کے لئے آسانیاں حاصل کر سکتے ہیں تو ضرور کریں۔"

جنت کا پودا اور اس کا پھل...... مگر سیرت شامی میں ہے کہ ابراہیمؑ نے یہ بات زمین پر ہونے والی ملاقات میں آپ سے کہی تھی جب کہ آپ بیت المقدس تک نہیں پہنچے تھے۔ آسمان میں انہوں نے آپ سے یہ کہا تھا۔

"اپنی امت کو حکم دیجئے کہ وہ اپنے لئے جنت میں زیادہ سے زیادہ پودے لگائیں اس لئے کہ جنت کی مٹی بڑی زرخیز ہے اور اس کی زمین بہت کشادہ ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"جنت کا پودا کیا ہے۔"

ابراہیمؑ نے فرمایا

"لاحول ولا قوہ الا باللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں کوئی طاقت و قوت نہیں ہے۔"

(مقصد یہ ہے کہ اپنی امت کو لاحول کثرت سے پڑھنے کی ہدایت فرمائیے)

ایک روایت میں یہ ہے کہ ابراہیمؑ نے آپ سے فرمایا۔

"اپنی امت کو میرا اسلام فرمائیے اور ان کو میری طرف سے بتلا دیجئے کہ جنت کی مٹی بڑی زرخیز ہے اور اس کا پانی میٹھا ہے اور جنت کا پودا یہ ہے سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اللہ تعالیٰ ہی کو تمام تعریفیں سزاوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔"

ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ممکن ہے جنت کا پودا ان دونوں دعاؤں کا نتیجہ ہوتا ہو جو بیان ہوئیں اور یہ کہ بعض راویوں نے دونوں کے بجائے ایک دعا بیان کر کے ہی چھوڑ دی۔

جنت میں زید ابن حارثہ کی میزبان...... پھر ایک خوبصورت سنہرے رنگ کی لڑکی نے میرا استقبال کیا مجھے وہ لڑکی بہت اچھی لگی۔ میں نے اس سے کہا۔

"لڑکی! تم کس کے لئے ہو؟"

اس نے کہا زید ابن حارثہؓ کے (اس سے حق تعالیٰ کے یہاں حضرت زید ابن حارثہ کی مقبولیت اور مقام ظاہر ہوتا ہے)۔ غالباً یہ لڑکی آنحضرت ﷺ کا استقبال کرنے کے لئے جنت سے نکل کر آئی تھی اور شاید یہ اس وقت کا واقعہ ہوگا جبکہ آنحضرت ﷺ ساتویں آسمان سے اوپر تشریف لے جا چکے تھے۔

مگر ایک روایت میں لفظ ہیں کہ۔ پھر میں نے جنت میں ایک لڑکی کو دیکھا۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ شاید آپ نے اس لڑکی کو دو مرتبہ دیکھا تھا ایک دفعہ جنت سے باہر ایک دفعہ جنت کے اندر اور جہاں تک اس سے آپ کے سوال کا تعلق ہے وہ آپ نے پہلی مرتبہ میں کیا تھا۔

جہاں تک اس لڑکی کے سنہرے رنگ کا تعلق ہے اس کے لئے حدیث میں لعس کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لعس اس رنگ کو کہتے ہیں جو سیاہی مائل سرخ ہوتا ہے۔ جیسے ان ہونٹوں کا رنگ جن میں سرخی کے ساتھ ہلکی سی سیاہی بھی ہوتی ہے۔ یہ رنگ نمکین یعنی سانولا بھی کہلاتا ہے۔ صحاح میں یہی معنی بیان کئے گئے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ ساتویں آسمان پر پہنچے تو اس کے اوپر آپ نے گرج، چمک اور بجلی کا کڑاکا دیکھا۔ اس روایت سے ظاہر ہے کہ یہ چیزیں آپ نے ساتویں آسمان میں دیکھیں جس میں یہ احتمال بھی ہے کہ آسمان میں داخل ہونے سے پہلے دیکھی ہوں۔

اب گویا آپ کا جو یہ قول ہے کہ۔ پھر آپ کے سامنے ایک شراب کا برتن ایک دودھ کا برتن اور ایک شہد کا برتن لایا گیا۔ اس میں دونوں ہی احتمال ہیں جو بیان ہوئے۔ جب یہ برتن آپ کو پیش کئے گئے تو آپ نے ان میں سے دودھ کا برتن لے لیا۔ اس پر جبرئیلؑ نے کہا۔

"آپ نے فطرت کو پالیا۔"

یعنی دودھ لے کر آپ نے فطرت کو لے لیا کیونکہ دودھ ہی فطرت (جس کی دنیا میں آتے ہی انسان کو ضرورت ہوتی ہے) اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ ہی آپ کی امت کو بھی فطرت کے راستے پر قائم فرمادیا۔ یعنی آپ کی برکت اور طفیل سے آپ کی امت کو بھی فطرت پر برقرار فرمادیا۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں۔ یہی فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہاں فطرت سے مراد اسلام ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ ابراہیمؑ چھٹے آسمان میں ہیں اور موسیٰؑ ساتویں آسمان میں ہیں۔ یہ روایت حضرت انسؓ کی ہے جو بخاری نے نقل کی ہے۔ اس بارے میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ اس اسراء یعنی بیت المقدس تک کے سفر میں تھا جس میں صرف آپ کی روح گئی تھی آپ خود اپنے جسم مبارک کے ساتھ نہیں تشریف لے گئے تھے (یعنی خواب میں آپ کو جو اسراء کرائی گئی تھی اس میں ابراہیمؑ چھٹے اور موسیٰؑ ساتویں آسمان میں ملے تھے)۔

مگر پھر بھی یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ خواب ہی تھا تو نبیوں کے خوابوں کے متعلق پیچھے گزرا ہے کہ وہ حقیقت ہوتے ہیں اس لئے یہ کہنے کے باوجود بھی ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کرنا ضرور یہ سعی ہے۔

<u>انبیاء کی طرف سے استقبالی سرگرمیاں</u>...... مگر اس شبہ کا جواب صاف ہے کہ اس روایت میں انبیاءؑ اپنی اصل جگہوں سے ہٹے بھی ہیں۔ بعض نبی جو اوپر کے آسمان میں تھے آنحضرت ﷺ سے ملاقات کے اشتیاق میں نچلے آسمانوں میں اتر کر آئے جبکہ آپ اوپر تشریف لے جا رہے تھے اسی طرح جب آپ معراج کے بعد واپس

نیچے تشریف لا رہے تھے تو بعض انبیاء جو نچلے آسمانوں میں ہیں آپ سے ملاقات کے شوق میں اوپر تشریف لے گئے تھے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے کسی روایت میں ان کو کسی آسمان میں بتلایا ہے اور کسی روایت میں کسی آسمان میں بتلایا ہے۔

مگر حافظ ابن حجر ان مخالف روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کو پسند نہیں کرتے بلکہ صحیح اور زیادہ صحیح روایتوں کے مقابلے میں دوسری روایتوں کے خلاف حکم لگاتے ہیں اور ان کو غیر معمول بہ قرار دے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ موافقت پیدا کرنا صرف آسودگی پسندی ہے جو مناسب نہیں ہے۔ یہاں تک ابن حجر کا حوالہ ہے۔

مگر میرے نزدیک یہ بات کافی محل نظر ہے۔ اختلاف کو ختم کرنے کے لئے میرے نزدیک موافقت پیدا کرنا زیادہ بہتر ہے خاص طور پر جب کہ صحیح اور زیادہ صحیح روایتوں میں اختلاف ہو رہا ہو چاہے وہ صحیح روایت شاذ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ہم صحیح اور اصح یعنی زیادہ صحیح روایت کے مقابلے میں دوسری روایتوں کو ترجیح نہیں دیں گے۔ ہاں اگر موافقت پیدا کرنا ہی مشکل ہو تو علیحدہ بات ہے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

ان مشہور روایتوں کی بنیاد پر جو پیچھے بیان ہوئیں بعض حضرات نے اس بات کی بہت سی حکمتیں بیان کی ہیں کہ کچھ نبی آپ سے ملاقات کے لئے اپنی اصل جگہوں یعنی آسمانوں سے دوسرے آسمانوں پر گئے اور باقی نبیوں نے اپنے اپنے آسمانوں پر رہتے ہوئے آپ سے ملاقات کی۔ مگر یہاں ان حکمتوں کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔

<u>سدرۃ المنتہٰی کو پرواز اور اس درخت کی ہیئت</u>...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر جبرئیل آپ کو لے کر ساتویں آسمان سے بلند ہوئے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے (سدرۃ المنتہٰی جیسا کہ بیان ہوا ساتویں آسمان سے اوپر بیری کا ایک درخت ہے جہاں تک انسانی اعمال اور فرشتوں کی پہنچ ہے) میں نے دیکھا کہ اس بیری کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ہاتھیوں کے کانوں کی طرح ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ اس کے ایک ایک پتے کے سائے میں ایک مخلوق بیٹھ سکتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ اس کا ایک ایک پتا اتنا بڑا ہے کہ اس کی نیچے یہ پوری امت بیٹھ سکتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ اگر اس کا ایک پتا یہاں سامنے آجائے تو پوری دنیا کو ڈھک سکتا ہے۔

(اب گویا زیادہ روایتوں میں پتے کو غیر معمولی بڑا کہا گیا ہے اور دور روایتوں میں ہاتھی کے کان کی طرح) اس لئے یہاں ہاتھی کے کان کی سی شکل مراد ہے کہ وہ پتے اگرچہ اتنے بڑے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک پوری دنیا کو ڈھانپ سکتا ہے مگر ان کی شکل ہاتھی کے کانوں کی طرح گول ہے۔ یعنی ہاتھی کے کانوں کا ناپ مراد نہیں ہے۔

<u>درخت کا پھل</u>...... پھر جب آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس درخت کا پھل زمین سے انگوروں کی بیل کو اٹھنے والی تھونی کے برابر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ ہجر کی تھونی کے برابر ہے۔ یہ ہجر مدینے کے قریب ایک دیہات ہے۔ یہاں کی ایک تھونی حجاز کی ڈھائی مشکوں کے برابر ہوتی ہے جبکہ ایک مشک میں سو بغدادی رطل کے برابر پانی بھرا جا سکتا ہے (ایک رطل چالیس تولہ یعنی آدھا سیر کا ہوتا ہے)

<u>اس درخت کا حسن اور نکھار</u>...... پھر جب آپ اس درخت کے اتنا قریب آئے جتنا قریب ہونے کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی۔ تو اس درخت کا رنگ وروپ اچانک بدل گیا یعنی جو حالت پہلے تھی اس سے بدل کر اس پر

ایک عجیب حسن اور نکھار پیدا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی بھی اس کے حسن اور دلکشی کی تعریف بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حسن کا دیدار آدمی کو مبہوت اور مسحور کر لیتا ہے (لہٰذا وہ کچھ بھی بتلانے کے قابل نہیں رہتا)

اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ سدرہ المنتہی ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔ یہی قول اکثر علماء کا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس کی شاخیں عرش پر قائم کرسی کے نیچے تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اور عرش اور کرسی کے بارے میں وہب ابن منبہ سے روایت ہے کہ یہ دونوں ساتویں آسمان سے اوپر ہیں۔

اس بارے میں ایک سوال کیا جاتا ہے کہ کیا سدرہ المنتہی یعنی اس بیری کے درخت کا پھل عام کھائے جانے والے پھلوں کی طرح ہی ہوتا ہے کہ ایک پھل ختم ہوتا ہے اور دوبارہ دوسرا پھل نکلتا ہے۔ ختم ہونے والا پھل یا تو کھالئے جانے کی وجہ سے ختم ہوتا ہے اور یا گر جاتا ہے لہٰذا بغیر کھائے ختم ہو جاتا ہے۔

جنت کی زیارت...... غرض آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میں جنت میں داخل ہوا۔ وہاں میں نے موتیوں کے بنے ہوئے گنبد دیکھے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ موتیوں کے گندھے ہوئے گجرے اور ہار دیکھے۔ وہاں کی مٹی مشک کی ہے۔ جنت کے انار بڑے بڑے ڈولوں کے برابر دیکھے اور وہاں کے پرندے اونٹ کے برابر ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ جنت میں اس سے پہلے داخل ہوئے جب کہ آپ وہاں سے اوپر جا کر اس بدلی تک پہنچے تھے جس نے آپ کو گھیر لیا تھا۔ جنت کے پھلوں کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ دنیا میں جو بھی میٹھے اور کڑوے پھل ہیں وہ سب جنت میں بھی موجود ہیں۔ یہاں تک کہ حنظل کا پھل بھی وہاں موجود ہے (جو انتہائی کڑوا پھل ہوتا ہے) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ جنت میں جوں ہی کوئی شخص ایک پھل توڑ کر اسے منہ تک لے جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس توڑے ہوئے پھل کی جگہ اسی وقت اس سے بھی میٹھا دوسرا پھل پیدا فرما دیتا ہے۔

جنت میں نعمتوں کی فراوانی...... اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنت کے تمام ہی پھل میٹھے اور کھانے کے ہوتے ہیں البتہ جن کو کڑوا کہا گیا ہے وہ خود کڑوے نہیں ہوتے بلکہ دنیا کے کڑوے پھلوں کی شکل کے ہوتے ہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ جنت کے میوے نہ کبھی ختم ہوتے ہیں اور نہ ان کی فصل کبھی رکتی ہے۔ یعنی بغیر رکے ہمیشہ باقی رہتے ہیں اور کھائے جاتے رہتے ہیں۔ گویا کھانا یعنی خرچ بھی چلتا رہتا ہے اور درخت کی شاخ میں اصل بھی باقی رہتا ہے۔ پھر یہ کہ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ سردی میں مسلسل فصل چلتی ہے گرمی میں مسلسل نہیں رہتی۔ یا یہ کہ جہاں سے پھل توڑا گیا اس جگہ اسی وقت دوسرا پیدا کر دیا جاتا ہے جیسا کہ بعض علماء سمجھتے ہیں بلکہ حقیقت میں وہی اصل پھل شاخ میں باقی رہتا اور نظر آتا رہتا ہے جو کھایا جا رہا ہے۔ (یعنی اتنی دیر یا رکاوٹ بھی نہیں ہوتی کہ پھل توڑنے کے بعد دوسرا اسی گھڑی اگے بلکہ جو توڑ کر کھایا گیا وہی شاخ میں بھی موجود رہتا ہے) علامہ ابن عربی اس بارے میں کافی مفصل کلام کیا ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث جو پچھلی سطروں میں بیان ہوئی یا تو ان کی نظر سے نہیں گزری اور یا ان کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

جنت کی چار نہریں...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ سدرہ المنتہی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی جڑ

میں سے چار نہریں پھوٹ رہی ہیں۔ وہ نہریں اندرونی یعنی جو آسمانی اور جنت کی ہیں یعنی اس درخت کی جڑ سے نکل کر جنت میں جارہی ہیں اور وہاں جاکر غائب ہو گئی ہیں اور دو نہریں ظاہری اور بیرونی ہیں یعنی جو اس درخت کی جڑ میں سے نکلنے کے بعد ظاہر ہی رہتی ہیں کہیں جاکر غائب نہیں ہوتیں اور جنت سے گزر کر آگے چلی جاتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے کہ جبرئیلؑ نے کہا۔

"جہاں تک ان اندرونی نہروں کا تعلق ہے تو یہ دونوں جنت میں ہیں اور جہاں تک بیرونی نہروں کا تعلق ہے تو یہ دونوں دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہاں جبرئیلؑ کا جو قول گزرا ہے کہ۔ یہ دونوں جنت میں ہیں۔ یہ جواب اس سوال کے مطابق نہیں ہے جس میں آپ نے ان نہروں کی حقیقت کے بارے میں پوچھا ہے اس کا مناسب جواب ان نہروں کا نام بلانا تھا۔ لہذا بظاہر ان کا جواب یہ ہونا چاہئے تھا کہ جہاں تک اندرونی نہروں کا تعلق ہے تو ان میں سے ایک فلاں نہر ہے اور دوسری فلاں نہر ہے۔

بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دریائے نیل اور دریائے فرات جنت میں سے گزرتے ہوئے باہر نکلے ہیں اور باقی دونوں دریا جیسے سیحان اور جیحان ہیں۔ یعنی اس بناء پر کہ یہ بھی اسی درخت کی جڑ سے پھوٹ رہے ہیں۔ جنت میں جاکر غائب یعنی ختم ہو جاتے ہیں ان کا تعلق ہے جو نیل اور فرات کے علاوہ باقی دو دریا ہیں تو اس بنیاد پر کہ وہ سیحان اور جیحان ہی ہیں۔ ان کے بارے میں بھی یہ احتمال ہے کہ وہ جنت میں جاکر غائب ہو جاتے ہیں اور چونکہ ان کا وجود آسمانوں میں جنت سے باہر ہے اس لئے جنت سے نکلنے کے بعد ہی سامنے آتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں نیل اور فرات جنت میں بھی گزرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس سے باہر آکر بھی نظروں کے سامنے رہتے ہیں کسی جگہ بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتے)۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جاتا جس میں دریائے فرات میں جنت سے پانی نہ اترتا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ بعض سالوں میں دریائے فرات میں طغیانی کی وجہ سے پانی بڑھا اور اس میں اونٹ کے جیسے انار پائے گئے چنانچہ ان کو جنت کے انار کہا گیا۔ مگر جو حدیث بیان کی گئی ہے اس کو ابن جوزی نے واہی حدیثوں میں شمار کیا ہے۔

<u>دریائے نیل و فرات آسمان پر اٹھالئے جائیں گے</u>...... ایک حدیث ہے جو ابن عباسؓ پر موقوف ہے کہ جب یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت آئے گا تو حق تعالیٰ جبرئیلؑ کو بھیجیں گے اور وہ زمین سے ان دونوں دریاؤں نیز، قرآن پاک، علم، حجر اسود، مقام ابراہیمؑ اور تابوت موسیٰ معہ اس کے سامان کے آسمانوں میں واپس لے جائیں گے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی دو دریا یعنی سیحان اور جیحان سدرہ المنتہیٰ کی جڑ سے نہیں پھوٹ رہے ہیں اس لئے اندرونی دریاؤں سے دونوں دریا مراد نہیں ہیں۔

مقاتل سے روایت ہے کہ اندرونی دریاؤں سے سلسبیل اور کوثر مراد ہیں۔ ان کے اندرونی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جنت سے باہر نکلتے ہی نہیں۔ اسی طرح دریائے نیل اور دریائے فرات کے بیرونی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جنت سے باہر نکل رہے ہیں۔

سیرت شامی میں ہے کہ یہ بات ثابت نہیں ہے کہ سیحان اور جیحان سدرہ المنتہیٰ کی جڑ میں سے پھوٹ

رہے ہیں لہذا اس طرح دریائے نیل اور دریائے فرات کو ان دونوں پر امتیاز حاصل ہے۔ اور جہاں تک ان اندرونی دو دریاؤں کا سوال ہے جن کا حدیث میں ذکر ہے وہ سیحان اور جیحان کے علاوہ دوسرے دریا ہیں۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ شاید ان دونوں یعنی سیحان اور جیحان کا معراج کی رات میں ذکر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں دریاء خود اپنے سوت اور چشمے نہیں رکھتے بلکہ نیل اور فرات کی ہی شاخیں ہیں۔ یہاں تک علامہ قرطبی کا کلام ہے۔

غالباً" اس سے مراد یہ ہے کہ نیل اور فرات کے جنت سے نکلنے کے بعد سیحان اور جیحان ان سے پھوٹے ہیں اور اس طرح وہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نہیں نکل رہے ہیں اور نہ ہی جنت میں جاکر غائب ہو رہے ہیں۔

نہر کوثر اور نہر رحمت...... غرض پھر آپ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس درخت یعنی سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں ایک چشمہ ہے یعنی ایک اور چشمہ ہے جس سے دو نہریں پھوٹ رہی ہیں ان میں سے ایک کا نام کوثر ہے اور دوسری کو نہر رحمت کہا جاتا ہے۔ میں نے اس چشمے میں غسل کیا اور میرے تمام گذشتہ اور اگلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

اب گویا نہر رحمت اور نہر کوثر بھی اسی درخت کی جڑ سے پھوٹ رہی ہیں مگر اس جگہ سے نہیں جہاں سے نیل اور فرات پھوٹ رہے ہیں۔ اب وہ قول ٹھیک ہو جاتا ہے کہ اس درخت کی جڑ میں سے چار نہریں پھوٹ رہی ہیں جن میں سے دو ظاہر ہیں اور دو باطنی ہیں۔ ادھر پچھلی سطروں میں مقاتل کی روایت میں کہا گیا ہے کہ باطنی نہروں میں سے ایک کا نام سلسبیل ہے اور دوسری کا کوثر۔ جبکہ بعد والی روایت میں ہے کہ سلسبیل اصل چشمہ کا نام ہے جس سے دو نہریں چلی ہیں ایک کا نام کوثر ہے اور دوسری کا نہر رحمت۔ یعنی پچھلی روایت میں سلسبیل بھی ایک نہر کا نام ہے جبکہ دوسری روایت میں سلسبیل اصل چشمے کا نام ہے جس سے نہریں پھوٹ رہی ہیں۔ بہر حال سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلنے والی نہریں اس بنیاد پر چار ہیں کہ سیحان اور جیحان اس سے نہیں نکل رہی ہیں لیکن اگر ان دونوں کی اصل بھی اسی کو مانا جائے تو اس صورت میں وہاں سے پھوٹنے والی نہریں چھ ہو جاتی ہیں۔

اگر پہلی بات کو مان لیا جائے تو بھی علامہ قرطبی کے اس قول کی مخالفت نہیں ہوتی جس میں ہے کہ جنت میں کوئی نہر ایسی نہیں ہے جو سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نہ نکلتی ہو۔ ان باتوں میں فرق اس لئے نہیں پیدا ہوتا کہ اس قول سے خود نہر کا سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلنا بھی مراد ہے اور یا یہ کہ وہ نہر جس نہر سے نکل رہی ہے اس کا سدرۃ المنتہیٰ سے نکلنا مراد ہے (اس صورت میں بھی اصل سدرۃ المنتہیٰ ہی رہتا ہے) اس صورت میں بھی وہ بات صحیح ہو جائے گی کہ سیحان اور جیحان دریائے نیل اور دریائے فرات کی شاخیں ہیں (کیونکہ خود نیل اور فرات سدرۃ المنتہیٰ کے چشمے سے نکلے ہیں)۔

مسلم میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں سے جنت کی چار نہریں نکل رہی ہیں نیل، فرات، سیحان اور جیحان اس سے بھی قرطبی کے قول کی مخالفت نہیں ہوتی۔ اسی طرح طبرانی میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں سے چار نہریں نکلتی ہیں۔ ایسے پانی کی جو کبھی نہیں سڑتا، ایسے دودھ کی جس کا ذائقہ کبھی خراب نہیں ہوتا، ایسی شراب کی جو پینے والوں کے لئے نہایت ذائقہ دار ہے اور ایسے شہد کی جو انتہائی پاکیزہ اور صاف ہے۔ چنانچہ یہ روایت بھی طبرانی کے قول کے مطابق ہے۔

دریائے نیل اصلاً شہد کی نہر ہے...... کعب احبار سے روایت ہے کہ شہد کی نہر۔ نہر نیل ہے۔ چنانچہ بعض دوسرے علماء کے اس قول سے اسی بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ دریائے نیل نمکین سمندر میں جس کو بحر اخضر کہا جاتا ہے۔ گرتا ہے اور اس کے بعد بحیرہ زنج میں پہنچ کر اس کی نمکینی میں ملتا ہے اگر نیل ان نمکین سمندروں میں نہ ملے تو اس کا مٹھاس اتنا زیادہ ہے کہ کوئی شخص بھی اس پانی کو نہ پی سکتا۔

اسی طرح کعب احبار کی روایت میں ہے کہ دودھ کی نہر جیحان ہے اور شراب کی نہر فرات ہے اور پانی کی نہر سیحان ہے۔ مگر کعب احبار اور دوسرے بعض علماء کی روایتوں میں نہر کوثر اور نہر رحمت کا ذکر نہیں ہے۔

مسلم کی روایت میں یہ جملہ کہا گیا ہے کہ سدرہ المنتہیٰ کی جڑ سے جنت کی چار نہریں نکل رہی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیری کے اس درخت کی کچھ شاخیں جنت میں بھی پہنچ رہی ہیں۔ اس لئے سدرہ کی جڑ میں سے نکلنے والی نہر کو جنت کی نہر کہنا غلط نہیں ہوتا۔ عارف ابن جمرہ نے اسی طرح لکھا ہے۔ مگر ہم کسی ایسی روایت سے واقف نہیں جس میں ہو کہ سدرہ کی شاخیں جنت میں پہنچی ہوئی ہیں۔ پھر یہ کہ اس روایت کو درست کرنے کے لئے یہ احتمال پیدا کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ یہ نہریں سدرہ کی جڑ میں سے نکل رہی ہیں اور پھر جنت میں پہنچی ہیں۔

سیحان اور جیحان نہروں کے ناموں کے بارے میں قاضی عیاض کا قول ہے کہ سیحان کو سیحون بھی کہا جاتا ہے اور جیحان کو جیحون بھی کہا جاتا ہے۔ مگر علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جیحون نہر جیحان کے علاوہ دوسری ہے اور سیحون نہر سیحان کے علاوہ دوسری ہے۔ امام نوی نے اس بارے میں علامہ ابن کثیر کی تائید کی ہے کہ یہ کہنا کہ سیحون اور جیحون کو ہی سیحان اور جیحان کہا جاتا ہے اور یہ یکساں نام ہیں غلط ہے کیونکہ یہ چاروں الگ الگ نام ہیں۔ یہاں تک نووی کا حوالہ ہے۔

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جیحون خراسان کے دوسری طرف بلخ کے نزدیک ایک نہر ہے۔ سیحون کے بارے میں انہوں نے کچھ نہیں لکھا۔ جو قابل غور ہے۔

پر نور درخت کے سنہری پروانے...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو پروانے اس درخت پر آرہے تھے وہ سونے کے تھے۔ یہاں پروانے کے لئے فراش کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ان پتنگوں یا کیڑوں کے ہیں جو شمع پر آکر جل جاتے ہیں۔ اسی طرح اس درخت یعنی سدرہ کے پاس آنے والوں میں فرشتے بھی تھے جو اس کے پتوں پر بیٹھ کر حق تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہے تھے اور دوسرے فرشتے اس کے قریب آکر اس پر پروانوں کی طرح ہجوم کر رہے تھے اور اس سے برکت حاصل کر رہے تھے جیسے انسان کعبے کی زیارت کے لئے اس پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔

جبرئیلؑ اصلی شکل میں...... اسی درخت یعنی سدرہ کے پاس آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بنایا ہے۔ ان کے چھ سو پر ہیں اور ہر پر اتنا بڑا ہے کہ اس سے افق یعنی آسمان کا کنارہ چھپ جائے۔ ان پروں میں سے موسم بہار کے رنگین پھولوں کی طرح اتنے رنگا رنگ موتی اور یاقوت گر رہے تھے کہ ان کا شمار اللہ ہی جاننے والا ہے۔

صریر اقلام کا مقام...... پھر ایک بدلی نے آکر اس درخت کو گھیر لیا۔ اس وقت جبرئیلؑ وہیں رہ گئے اور آنحضرت ﷺ کو اس بدلی کے ذریعہ یہاں سے اوپر اٹھالیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ مستوی کے پاس پہنچ گئے۔

یہاں آپ نے صریر اقلام یا ایک روایت کے مطابق صریف اقلام یعنی قلموں کے لکھنے کی آوازیں سنیں (یہ تقدیر کے قلم تھے) اور فرشتے ان سے مخلوق کی تقدیریں لکھ رہے تھے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جبرئیلؑ سدرۃ المنتہی سے آگے نہیں گئے۔ اسی طرح اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سدرۃ المنتہی ساتویں آسمان سے اوپر ہے جس سے بعض علماء کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ یہ عرش اعظم کے دائیں جانب ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

ایک روایت میں ہے کہ جبرئیلؑ مجھے لے کر ساتویں آسمان کے اوپر گئے یہاں تک کہ ہم ایک نہر پر پہنچے جس پر یاقوتوں، موتیوں اور زبرجد کے خیمے لگے ہوئے تھے۔ اس نہر پر ایک سبز رنگ کا پرندہ تھا جو اتنا حسین تھا کہ اس جیسا میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ یہاں پہنچ کر جبرئیلؑ نے کہا۔

"یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائی ہے۔"

میں نے دیکھا کہ اس میں یاقوت اور زمرد کی تھالوں میں رکھے ہوئے سونے چاندی کے جام کٹورے تیر رہے تھے۔ اس نہر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا میں نے ایک جام اٹھایا اور اسے نہر میں سے بھر کر پیا تو وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

سلسبیل...... اقول۔ مولف کہتے ہیں: پیچھے بیان ہوا ہے کہ یہ نہر کوثر اس چشمے سے نکلتی ہے جس کو سلسبیل کہتے ہیں اور جو سدرہ کی جڑ میں سے پھوٹ رہا ہے۔ (ی) یہ نہر اصل میں اس درخت کے نیچے سے نکلی اور جیسا کہ بیان ہوا وہاں سے گزرتی ہوئی جنت میں داخل ہوتی ہے اور جنت میں جا کر ٹھہر جاتی ہے۔ لہذا اس بارے میں کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا کہ کوثر جنت میں کی نہر ہے اور سلسبیل جنت میں کا چشمہ ہے کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا سلسبیل ہی نہر کوثر کی اصل ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہی چھٹے آسمان پر ہے اور زمین سے اوپر جانے والی ہر چیز یہاں تک پہنچ کر رک جاتی ہے پھر یہاں سے آگے جاتی ہے۔ اسی طرح اوپر سے آنے والی ہر چیز یہاں آکر ٹھہر جاتی ہے اور پھر یہاں سے آگے جاتی ہے۔ اس درخت کے پاس محافظ فرشتے کھڑے رہتے ہیں جو اس سے آگے نہیں جا سکتے اسی وجہ سے اس درخت کو سدرۃ المنتہی کہا جاتا ہے (کہ یہاں ہر چیز کی انتہائی ہو جاتی ہے)

تفسیر ابن سلام میں بعض اکابر کا یہ قول بیان کیا گیا ہے کہ اس سدرہ یعنی بیری کا نام سدرۃ المنتہی اس لئے رکھا گیا ہے کہ مومن کی روح یہاں تک پہنچ کر ٹھہر جاتی ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے اس پر نماز پڑھتے ہیں۔

جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ سدرۃ المنتہی چھٹے آسمان میں ہے یا ساتویں آسمان میں ہے حافظ ابن حجر نے اس اختلاف کو دور کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس درخت کی جڑ چھٹے آسمان میں ہے اور اس کی شاخیں ساتویں آسمان میں ہیں۔ یعنی ساتویں آسمان سے گزرتے ہوئے اوپر تک چلی گئی ہیں۔ کیونکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ یہ ساتویں آسمان سے بھی اوپر ہے۔ مگر اس کی جڑیں چھٹے آسمان میں ماننے کی صورت میں یہ بات مشکل ہو جائے گی کہ وہ چاروں نہریں اسی کی جڑ سے نکل رہی ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب جبرئیلؑ اپنے مقام یعنی سدرۃ المنتہی تک پہنچ گئے جو ان کے اوپر جانے کی حد ہے اور جو ساتویں آسمان کے اوپر ہے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"بس اب آپ اور آپ کا رب جانیں۔ میری پہنچ یہیں تک ہے میں یہاں سے آگے نہیں جا سکتا۔"

آنحضرت ﷺ کیلئے زخرف یا مخملی مسند...... آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر جب وہ بادل میرے پاس آکر مجھے گھیر چکا تو مجھے ایک نور میں لپیٹ لیا گیا۔ اسی بدلی کو کہیں کہیں زخرف یعنی سبز مخملی مسند یا تخت رواں بھی کہا گیا ہے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں جیسے پالکی ہوتی ہے یہ اسی قسم کی مسند تھی۔

بخاری کے شارح شیخ عینی نے مقاتل کی ایک روایت بیان کی ہے جس میں ہے کہ جبرئیلؑ مجھے لئے ہوئے چلے یہاں تک کہ ہم سدرۃ المنتہیٰ کے پاس حجاب اکبر تک پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر (چونکہ جبرئیلؑ کی پہنچ کا مقام ختم ہو جاتا ہے اس لئے انہوں نے) کہا

"اے محمد! اب آپ آگے تشریف لے جائیے۔"

آپ فرماتے ہیں کہ میں آگے بڑھا یہاں تک کہ میں سونے کے ایک تخت تک پہنچ گیا جس کے اوپر جنت کا ریشمیں قالین بچھا ہوا تھا۔ اسی وقت میرے پیچھے سے جبرئیلؑ نے پکار کر کہا۔

"اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کی تعریف فرما رہا ہے۔ آپ سنیئے اور اطاعت کیجئے آپ کلام الٰہی سے دہشت زدہ نہ ہوں۔"

چنانچہ اسی وقت میں نے حق تعالیٰ کی ثنا اور تعریفیں بیان کیں۔ وغیرہ وغیرہ آخر حدیث تک۔ اس حدیث میں نور مستوی کا ذکر ہے جہاں قلموں کے چلنے یعنی لکھنے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں اور جس کو مقام صریر اقلام کہا جاتا ہے۔ پھر اس میں عرش اور تخت رواں کا ذکر ہے۔ پھر حق تعالیٰ کے دیدار کا ذکر ہے اور کلام خداوندی کے سننے کا ذکر ہے۔

آنحضرت ﷺ کے ذریعہ جبرئیلؑ کی فرمائش...... ایک روایت میں ہے کہ جب جبرئیلؑ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ کر رک گئے (اور آنحضرت ﷺ سے آگے بڑھنے کو کہا) تو آپ نے ان سے فرمایا

"کیا ایسی جگہ کوئی دوست اپنے دوست کو چھوڑا کرتا ہے۔!"؟

جبرئیلؑ نے کہا کہ اگر میں یہاں سے آگے بڑھا تو جل کر راکھ ہو جاؤں گا۔"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سے کہا

"جبرئیل! کیا تم اپنے رب سے اپنی کچھ حاجت روائی چاہتے یعنی کچھ مانگنا چاہتے ہو؟"

جبرئیلؑ نے کہا

"اے محمد! اپنے رب سے میرے لئے یہ اختیار مانگ لیجئے کہ میں قیامت کے دن پل صراط پر اپنے پر پھیلا کر کھڑا ہو جاؤں تاکہ آپ کی امت کے لوگ میرے پروں پر سے ہو کر خیرت سے گزر جائیں۔"

ابوبکر کی آواز اور آپ کی حیرانی...... پھر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے نور کے پردوں میں لے جایا گیا اور میں نے ستر ہزار پردے پار کئے جن میں سے کوئی بھی پردہ ایسا نہیں تھا جس کی کوئی تشبیہ دی جا سکے۔ ان میں سے ہر پردے اور حجاب کی موٹائی اتنی تھی کہ پانچ سو سال میں اس کو پار کیا جا سکتا ہے۔ اب مجھے کسی فرشتے کی موجودگی کا احساس نہیں رہا جس کی وجہ سے مجھے کچھ وحشت ہوئی۔ اسی وقت مجھے ابوبکر صدیقؓ کے بولنے کی سی آواز آئی جو یہ کہہ رہے تھے۔

"ٹھہریئے۔ آپ کا رب نماز پڑھ رہا ہے۔!"

میں حیران ہو کر اس جگہ ابو بکر کی موجودگی اور اپنے رب کی نماز کے بارے میں سوچنے لگا۔ میں خود سے کہہ رہا تھا۔

"کیا ابو بکر مجھ سے بھی پہلے یہاں پہنچ گئے۔! اور میرے رب کے نماز پڑھنے کا مطلب ہے۔ وہ تو نماز اور عبادت سے غنی ہے۔!"

شرف ہم کلامی...... آگے آنے والی روایت سے بھی اس بات کی تائید ہوگی۔ (غرض آپ فرماتے ہیں کہ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا) کہ اچانک علی الاعلی یعنی بلندیوں کی انتہا سے آواز آئی۔

"قریب آیئے اے بہترین مخلوق۔ قریب آیئے اے احمد۔ قریب آیئے اے احمد۔!"

پھر میرے پروردگار نے مجھے اور قریب کیا یہاں تک کہ میں اپنے رب کے اتنا قریب ہو گیا جو حق تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہے۔

ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی الآیہ پ ۲۷ سورہ نجم ع ۱ آیت ۸-۹

ترجمہ:- پھر وہ فرشتہ آپ کے نزدیک آیا پھر اور نزدیک آیا سو دو کمانوں کی برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم۔

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو خصوصیت حاصل ہوئی کہ معراج اور اس کے متعلق واقعات میں آپ نے ساتویں آسمانوں کو پار کیا اور اتنی بلندی تک پہنچے کہ ذات باری سے دو کمانوں کی برابر فاصلہ رہ گیا اور اس طرح اس جگہ آپ کے قدم مبارک پڑے جہاں نہ کسی نبی مرسل کے قدم پہنچے ہیں اور نہ کسی مقرب ترین فرشتے کے۔

(قرآن پاک کی اس آیت کا ترجمہ حضرت تھانویؒ کے ترجمہ سے لیا گیا ہے اس میں فرشتے کا لفظ ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے ترجمے میں فرشتے کا لفظ نہیں ہے۔ یعنی حضرت تھانوی کے ترجمے میں دنی فتدلی کا فاعل ایک ہے اور وہ آنحضرت ﷺ ہیں۔ یعنی آپ نزدیک ہوئے پھر اور نزدیک ہوئے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ بہت ہی زیادہ قریب ہوئے۔

بعض علماء نے جن میں شریک بھی ہیں مشہور روایات کی مخالفت کرتے ہوئے اس آیت کے فاعل کے سلسلے میں ایک نئی بات کہی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے دنی فتدلی کا فاعل خود حق تعالیٰ کو قرار دیا ہے لہذا اب یہ معنی ہوں گے کہ پھر رب العزت نزدیک ہوا پھر اور نزدیک ہوا یہاں تک کہ محمد ﷺ سے دو کمان کے فاصلے پر رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ حافظ ابن حجر نے بیہقی سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے حسن سند کے ساتھ ایک روایت بیان کی ہے جو شریک کے اس قول کے مطابق ہے جو بیان ہوا وہ یہ ہے کہ دنی فتدلی کا فعل حق تعالیٰ کا ہے اور حق تعالیٰ کا نزدیک آنا ایسا ہی ہے جیسے ارشاد ہے کہ ہمارا رب روزانہ رات کو جب کہ دو تہائی رات باقی رہ جاتی ہے آسمان دنیا پر اتر آتا ہے۔

اہل حقائق کے نزدیک یہ مقام تنزل میں سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں پر کرم اور مہربانی فرماتا ہے اور بندوں سے خطاب کرنے میں اس قسم کی تعبیر اور بیان اختیار فرماتا ہے جو مقام تنزل میں سے ہے چنانچہ باری تعالیٰ اپنی ذات کے لئے وہی بیان اور طرز اختیار فرماتا ہے جو بندے اپنے لئے کرتے ہیں۔ لہذا خلاصہ یہ ہوا کہ یہ بات یعنی حق تعالیٰ کا آسمان دنیا پر نازل ہونا بندوں کے حق میں تو حقیقی ہے اور خود حق تعالیٰ کے

حق میں مجازی ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ دنی کے فاعل جبرئیلؑ ہیں اور فتدلی کے فاعل آنحضرت ﷺ ہیں۔ یعنی آپ کے رب نے آپ کو جو قربی اور بلند مرتبہ عطا فرمایا اس کے شکر میں آپ نے سجدہ کیا۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ دنی کے فاعل تو آنحضرت ﷺ ہیں اور فتدلی کا فاعل وہ تخت رواں یا بدلی ہے جو یہاں آپ کی سواری بنی تھی، یعنی وہ مخملیں مسند آپ کے قریب ہوئی یہاں تک کہ آپ اس پر بیٹھ گئے۔ پھر آنحضرت ﷺ اپنے رب سے نزدیک ہوئے یعنی درجے اور مقام و اعزاز کی ایسی نزدیکی اور ایسا قرب حاصل ہوا کہ حق تعالی سے اس سے زیادہ قرب نہیں ہو سکتا۔

علوم کا القاء...... غرض پھر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ یہاں حق تعالی نے مجھ سے سوال فرمایا تو میں اس ذات باری کو جواب دینے کی طاقت نہ پاسکا چنانچہ پھر باری تعالی نے اپنا ہاتھ میرے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں اس طرح رکھ دیا کہ اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔

یہاں حق تعالی کے ہاتھ سے مراد اس کی قدرت کا ہاتھ ہے کیونکہ اللہ تعالی ہاتھ پاؤں سے بری ہے۔

غرض آپ فرماتے ہیں کہ اس ہاتھ ٹھنڈک مجھے محسوس ہوئی اور مجھ پر اولین و آخرین کا حال روشن ہو گیا اور اس کے نتیجہ میں مجھے مختلف علم حاصل ہو گئے۔ ان میں کچھ وہ علم ہیں جن کو چھپائے رکھنے کے لئے حق تعالی نے مجھ سے اقرار لیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرے سوا دوسرے لوگ اس علم کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اسی طرح کچھ وہ علم دیئے جن کے بارے میں دوسروں کو بتانے نہ بتانے کا مجھے اختیار دیا۔ کچھ وہ علم دیا جن کو اپنی امت کے خاص اور عام سب لوگوں کو پہنچانے کا حکم فرمایا۔ یہاں خاص و عام میں انسان، جنات اور اسی طرح فرشتے بھی شامل ہیں جیسا کہ پیچھے بھی بیان ہو چکا ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ وہ علوم جن کو آنحضرت ﷺ نے مختلف علوم فرمایا ہے یہی تین قسم کے علوم ہیں (جن کی تفصیل بیان ہوئی) البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان تینوں قسموں کے علموں میں سے ہر علم مختلف قسم کے علوم پر مشتمل ہے۔ واللہ اعلم۔

آواز ابو بکر کے متعلق سوال...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں (دست قدرت رکھے جانے کے بعد جب مجھ میں قوت گویائی آ گئی اور بولنے کا یارا ہوا تو) پھر میں نے جناب باری میں عرض کیا۔

"اے اللہ! جب مجھے (سدرۃ المنتہی سے اٹھنے کے بعد تنہائی کے احساس کی وجہ سے) کچھ وحشت ہوئی تھی تو میں نے کسی بولنے والے کی آواز سنی تھی جو ابو بکر کے انداز اور آواز میں بول رہا تھا اور اس نے مجھ سے کہا تھا۔ "" ٹھہر جا تیرا رب نماز پڑھ رہا ہے۔" مجھے ان دونوں باتوں پر حیرت ہوئی کہ کیا ابو بکر اس مقام پر مجھ سے بھی پہلے پہنچ گئے اور یہ کہ میرا رب تو نماز سے غنی اور بے نیاز ہے۔!"

نماز باری تعالی...... جواب میں حق تعالی نے فرمایا۔

"میں اس سے غنی اور بے نیاز ہوں کہ کسی کے لئے نماز پڑھوں۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں سبحانی یعنی پاک ہوں میں پاک ہوں میں۔ میری رحمت میرے غضب اور غصے سے بڑھ گئی۔ اے محمد پڑھئے۔

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَ مَلٰئِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا الآیہ ۴۳ پ ۲۲ سورہ احزاب ع ۶

ترجمہ :- وہ ایسا رحیم ہے کہ وہ خود بھی اور اس کے فرشتے بھی تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تاکہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بہت مہربان ہے۔

آواز ابو بکر سنائے جانے کی حکمت...... اس لئے میری نماز کا مطلب آپ پر اور آپ کی امت پر رحمت کرنا ہے۔ اور اے محمد! جہاں تک آپ کے ساتھی کا معاملہ ہے تو جیسے تمہارے بھائی موسیٰ کو اپنے عصا یعنی لاٹھی سے انس اور لگاؤ تھا تو اسی لئے جب ہم نے اس سے ہم کلام ہونے کا ارادہ کیا تو ہم نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ میرا عصا ہے!۔ چنانچہ اس کے بعد اس کا دھیان میری عظیم ہیبت سے ہٹ گیا اور وہ اپنے عصا کے متعلق باتوں میں لگ گیا۔ اسی طرح اے محمد! چونکہ تمہیں اپنے ساتھی ابو بکر سے انس اور لگاؤ ہے اس لئے ہم نے اس کی صورت کا ایک فرشتہ پیدا کر دیا جو اس کی ہی سی آواز میں زور زور سے بولنے لگا تاکہ اپنے دوست کی آواز سن کر آپ کی وحشت دور ہو جائے جو میری عظیم ہیبت کی وجہ سے آپ کو پیدا ہو گئی تھی۔"

(جہاں تک حق تعالیٰ کی نماز کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں میں علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب نماز کی نسبت ذات باری کی طرف کی جائے تو اس سے مراد حق تعالیٰ کا اپنے فرشتوں کے سامنے اپنے بندے کا ذکر فرمانا ہوتا ہے اور یہی رحمت ہے کیونکہ ظاہر ہے حق تعالیٰ کا اپنے بندے کا ذکر فرمانا سب سے عظیم رحمت و نعمت ہے)۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: روایت میں حق تعالیٰ کا یہ اشاد گزرا ہے کہ ہم نے ابو بکر کی شکل کا ایک فرشتہ پیدا فرمادیا۔ یہاں بظاہر مراد یہ ہے کہ ان کی آواز کی جیسی آواز کا فرشتہ پیدا فرمادیا کیونکہ روایت میں یہ کہیں نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وہاں ابو بکر کو یعنی ان کی جیسی شکل کے فرشتے کو دیکھا بھی تھا۔ بلکہ آپ نے صرف اس فرشتے کی آواز سنی تھی۔ واللہ اعلم۔

جبرئیل کی خواہش کی قبولیت...... آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر حق تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا۔

"اے محمد! جبرئیل کی حاجت یا ضرورت کیا ہے؟"

میں نے عرض کیا۔ "اے اللہ! تو ہی زیادہ جاننے والا ہے۔"

حق تعالیٰ نے فرمایا۔

"جبرئیل نے جو کچھ مانگا میں نے اس کو دے دیا لیکن صرف ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے آپ سے محبت کی اور آپ کے ساتھی ہوئے۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہاں ساتھی ہونے سے شاید یہ مراد ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے آپ کے دین کی پیروی کی اور آپ کی سنت پر عمل کیا۔ یہی جبرئیلؑ کی مراد بھی تھی کیونکہ انہوں نے اپنی خواہش یا ضرورت جو آنحضرت ﷺ کے ذریعہ حق تعالیٰ کے پاس پیش کرائی تھی وہ یہ تھی کہ میں آپ کی امت کے لئے پل صراط پر اپنا پر پھیلا سکوں تاکہ وہ آسانی سے اس پر سے گزر کر جنت تک پہنچ جائیں۔ واللہ اعلم۔

دیدار خداوندی...... ایک روایت میں یوں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو ذات باری کا دیدار ہوا تو آپ فوراً سجدے میں گر گئے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے جو وحی چاہی مجھ پر اتاری۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔

فاوحی الی عبدہ ما اوحی لآیہ پ ۲۷ سورہ نجم ع ۱

ترجمہ :- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی تھی۔

جنت کے داخلے میں خصوصیت...... اس آیت کی تفسیر میں علامہ ثعلبی اور علامہ قشیری نے لکھا ہے کہ اس وقت حق تعالیٰ نے آپ پر جو وحی نازل فرمائی اس میں یہ بھی تھی کہ اے محمد! جب تک آپ جنت میں داخل نہیں ہو جائیں گے اس وقت تک تمام نبیوں کے لئے جنت حرام رہے گی۔ اسی طرح جب تک آپ کی امت جنت میں داخل نہیں ہو جائے گی اس وقت تک تمام امتوں کے لئے جنت حرام رہے گی۔

علامہ قشیری کہتے ہیں کہ اسی طرح اس وقت حق تعالیٰ نے آپ پر یہ وحی بھی نازل فرمائی کہ حوض کوثر آپ کو دے کر میں نے آپ کی یہ خصوصیت کی کہ اس طرح تمام جنتی پانی کے معاملے میں آپ کے مہمان ہوں گے۔ ان سب کو شراب، دودھ اور شہد دیا گیا ہے۔

پچاس نمازوں کی فرضیت...... غرض آپ فرماتے ہیں کہ پھر حق تعالیٰ نے روزانہ دن اور رات میں مجھ پر پچاس نمازیں فرض کیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اس موقعہ پر آپ پر جو وحی نازل ہوئیں ان میں سورہ بقرہ کی آخری آیتیں اور سورہ والضحیٰ اور سورہ الم نشرح کی کچھ آیتیں بھی شامل ہیں۔ پیچھے جہاں وحی کی قسموں پر بحث گزری ہے وہیں اس بارے میں بھی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ آیت ھو الذی یصلی علیکم پچھلے قول کی طرح ہی ہے۔

ایک حدیث میں جس کے راوی ثقہ ہیں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو مجھ سے جبرئیلؑ نے کہا۔

"کچھ دیر ٹھہریے۔ کیونکہ آپ کا رب نماز پڑھ رہا ہے۔"

میں نے کہا کیا وہ بھی نماز پڑھتا ہے۔ ایک روایت کے لفظ یوں ہیں کہ۔ وہ کیسے نماز پڑھتا ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ میں نے کہا اے جبرئیل کیا تمہارا رب بھی نماز پڑھتا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے پوچھا وہ نماز میں کیا کہتا ہے یعنی پڑھتا ہے تو جبرئیلؑ نے کہا کہ پروردگار یہ فرماتا ہے۔

"پاک ہوں بے عیب ہوں میں فرشتوں اور روح کا رب ہوں۔ میری رحمت میرے غضب سے زیادہ ہے۔"

ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ساتویں آسمان میں اور اس کے اوپر یہ واقعہ جبرئیلؑ اور دوسری فرشتوں کے ذریعہ ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا ہو کہ آپ کو پروردگار عالم کے متعلق نماز کی اطلاع دی گئی ہو۔ مگر پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اگر یہ بات اس سے پہلے بھی آپ کے علم میں آچکی تھی تو دوسری مرتبہ اور اس کے بعد آپ نے اس خبر پر حیرت کا اظہار کیوں کیا۔

اس بارے میں ایک روایت اور ہے کہ ایک دفعہ بنی اسرائیل نے موسیٰؑ سے پوچھا کہ کیا آپ کا رب نماز پڑھتا ہے؟ موسیٰؑ اس عجیب سوال پر رونے لگے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ اے موسیٰ قوم نے تم سے کیا کہا ہے۔ موسیٰؑ نے عرض کیا کہ وہی جو تو نے سن لیا ہے۔ اس پر باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا۔

"ان سے بتلا دو کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔ اور میری نماز میرے غضب کو دھیما کرتی ہے۔" واللہ اعلم۔

(تشریح: یہ بات پھر ذہن نشین رہنی چاہئے کہ نماز کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کا ذکر فرمارہا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ میری رحمت میرے غضب سے بڑھ گئی۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کی نماز سے مراد اس کی رحمت اور اس کا اپنی رحمت کا تذکرہ فرمانا ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے حق تعالیٰ مالک کل اور مالک جز ہے ساری مخلوق اس کی پیدا کردہ ہے جو اس کی عبادت کرتی ہے اور خود باری تعالیٰ کی ذات عبادت سے غنی اور بے نیاز ہے۔ مرتب)

<u>موسیٰؑ کے کہنے پر نمازوں میں کمی کی درخواست</u>...... پھر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ وحی اور پچاس نمازوں کا حکم لے کر جب میں واپس ہوا تو موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ پھر جب میں سورہ المنتہی پر واپس پہنچا جہاں جبرئیلؑ ٹھہر کر آپ کا انتظار کر رہے تھے تو یہاں سدرہ کے پاس پہنچ کر وہ بدلی جس کے ذریعہ آپ نیچے آئے تھے سمٹ گئی۔ اب جبرئیلؑ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور بہت تیزی کے ساتھ واپس ہوئے۔ جب ابراہیمؑ کے پاس سے گزر ہوا تو انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ اس کے بعد آپ موسیٰؑ کے پاس پہنچے۔

اس سے اسی مشہور روایت کی تائید ہو رہی ہے جس میں ہے کہ ابراہیمؑ ساتویں آسمان میں تھے اور موسیٰؑ چھٹے آسمان میں تھے۔ یعنی اس غیر مشہور روایت کی تائید نہیں ہوتی جس کے مطابق ابراہیمؑ چھٹے آسمان میں تھے اور موسیٰؑ ساتویں آسمان میں تھے جیسا کہ پیچھے بھی بیان ہوا ہے۔

غرض جب آپ واپسی میں موسیٰؑ کے پاس پہنچے تو انہوں نے آپ سے پوچھا۔

"آپ کے رب نے آپ پر کیا فرض فرمایا ہے؟ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آپ کو کس بات کا حکم دیا گیا ہے؟"

آپ نے فرمایا۔ پچاس نمازوں کا۔ اس پر موسیٰؑ نے کہا۔

"اپنے رب کے پاس واپس جائیے اور اس میں کمی اور آسانی مانگئے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی اور میں بنی اسرائیل میں عمر گزار کر آیا ہوں"

بخاری میں یہ روایت یوں ہے کہ۔

"آپ کی امت روزانہ پچاس نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ خدا کی قسم میں آپ سے پہلے کے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں۔ میں نے بنی اسرائیل کو راہ راست پر لانے کے لئے سارے ہی جتن کئے تھے۔ (ی) یعنی ان پر صرف دو نمازیں فرض ہوئی تھیں مگر وہ ان کی بھی پابندی نہیں کر سکتے۔" یعنی دو رکعتیں صبح کی اور دو رکعتیں شام کی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ دو رکعت نماز زوال کے وقت فرض ہوئی تھیں مگر وہ ان کو بھی پورا نہ کر سکے۔ مگر تفسیر بیضاوی میں ہے کہ بنی اسرائیل پر بھی دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں۔ آگے بعض روایات میں اس کا بیان آئے گا۔

مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ کمی مانگنے کا سبب یہ تھا کہ ان کو وہ پانچ بھی زیادہ معلوم ہوئی تھیں جو آخری مرتبہ میں مقرر کی گئی تھیں۔ لہٰذا اس سے بنی اسرائیل کی پچاس نمازوں کی روایت غلط ہو جاتی ہے بلکہ اس کے لحاظ سے وہ پہلی روایت ہی مناسب ہے جس میں ان پر دو نمازوں کا ہونا بیان کیا گیا ہے۔

قرآن پاک کی آیت ہے۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا الآیہ پ ۳ سورہ بقرہ ع ۳۹

ترجمہ :۔اور ہم پر کوئی سخت حکم بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے۔

اس آیت کی تفسیر میں قاضی بیضاوی یہ کہتے ہیں کہ یہاں سخت حکم یعنی بوجھ سے مراد ہے وہ حکم جس کے تحت حق تعالی نے بنی اسرائیل پر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض فرمائی تھیں۔

مگر علامہ جلال سیوطی نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ قول کہ بنی اسرائیل پر پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ باطل ہے پھر انہوں نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

غرض موسیٰ نے پھر آپ ﷺ سے کہا۔

" آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیے اور اس سے اپنی امت کے لئے اس میں کمی کی درخواست کیجئے۔"

کیونکہ جس چیز کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا اسی کا حکم آپ ﷺ کی امت کے لئے بھی تھا اور جو چیز آپ پر فرض کی گئی تھی وہی آپ کی امت پر بھی فرض کی گئی تھی۔ کیونکہ آپ پر ہونے والا فرض آپ کی امت کے لئے بھی فرض ہے اور آپ کو دیا جانے والا حکم آپ کی امت کے لئے بھی ہے۔ اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ ہر نبی کے لئے جو چیز ثابت ہوئی وہی اس کی امت کے لئے بھی ثابت ہوئی۔ سوائے اس کے کہ کسی حکم کے صرف نبی کے لئے خاص ہونے بارے میں کوئی دلیل موجود ہو۔

پانچ پانچ نمازوں کی کمی...... آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں واپس اپنے پروردگار کے پاس گیا۔ یعنی وہاں سے بلند ہو کر آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ یہاں ایسی بدلی نے آپ کو ڈھانپ لیا اور اوپر لے گئی جہاں آپ سجدے میں گر گئے۔ غرض آپ فرماتے ہیں کہ میں نے حق تعالی سے عرض کیا۔

"پروردگار عالم! میری خاطر اس حکم میں آسانی عطا فرمادے۔"

حق تعالیٰ نے اس میں سے پانچ نمازیں کم فرمادیں۔ میں پھر موسیٰ کے پاس واپس آیا اور میں نے ان سے بتایا کہ مجھ پر سے پانچ نمازیں کم کر دی گئی ہیں۔ موسیٰ نے کہا۔

" آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ اس لئے پھر اپنے رب کے پاس جائیے اور اس میں اور کمی مانگئے۔"

پانچ نمازوں کی فرضیت...... آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میں اپنے پروردگار اور موسیٰ کے درمیان اسی طرح آتا جاتا رہا یہاں تک کہ حق تعالی نے مجھ سے فرمایا۔

"اے محمد! ہر دن اور ہر رات میں یہ پانچ نمازیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا اجر و ثواب دس کے برابر ہوگا اور اس طرح یہ پانچ نمازیں پچاس نمازوں کے برابر ہیں۔ آپ کی امت میں سے جو شخص بھی نیکی کا ارادہ کرے اور پھر سے کر نہ سکے تو میں اس کے حق میں صرف ارادہ کرنے پر ایک نیکی لکھوں گا اور اگر اس نے وہ نیک عمل کر بھی لیا تو میں اس کے بجائے دس نیکیاں لکھوں گا۔ اور جو شخص کسی بدی اور برائی کا ارادہ کرے اور پھر اس کو نہ کرے تو بھی میں اس کے لئے ایک نیکی لکھ دوں گا۔ اور اگر اس نے وہ بدی کر لی تو اس کے نتیجہ میں ایک ہی بدی لکھوں گا۔"

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں واپس ہوا اور پھر موسیٰ کے پاس پہنچا۔ میں نے ان کو

پانچ نمازیں رہ جانے کے بارے میں بتلایا تو انہوں نے کہا کہ پھر اپنے رب کے پاس جاکر اس میں اور کمی مانگئے مگر اب آپ ﷺ نے فرمایا۔

"میں اتنی بار اپنے پروردگار کے پاس جاکر کمی مانگ چکا ہوں کہ اب مزید کمی مانگنے کے لئے جاتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ ہر مرتبہ آنحضرت ﷺ کے جانے پر حق تعالیٰ دس دس نمازیں کم فرماتا رہا یہاں تک کہ پانچ کا حکم دیا گیا۔ (موسیٰ نے اس امت کے لئے نمازوں میں کمی کرا کے جو احسان فرمایا ہے اس کی وجہ سے) حدیث میں آتا ہے۔

"موسیٰ پر زیادہ سے زیادہ درود پڑھو کیونکہ میں نے اپنی امت کے لئے ان سے زیادہ مہربان کسی نبی کو نہیں پایا۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: کتاب وفا میں ہے کہ پانچ نمازیں کم کئے جانے کی حدیث صرف مسلم نے بیان کی ہے اس لئے دس دس نمازیں کم کئے جانے کی حدیث زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں نے بیان کی ہے۔ وہ روایت جس میں پانچ پانچ کم کئے جانے کا ذکر ہے اس میں راویوں کی طرف سے بیان میں غلطی ہوئی ہے۔ یہ اختلاف قابل غور ہے۔

گذشتہ روایت میں ایک قول گزرا ہے کہ۔ "یہاں تک کہ پانچ کا حکم دیا گیا۔" اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان پچاس نمازوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں بلکہ نئی پانچ نمازیں فرض کی گئیں جو ان پچاس میں سے نہیں ہیں لہٰذا وہ پچاس جو پہلے فرض کی گئی تھیں تمام منسوخ کر دی گئیں اور پانچ نئی نمازیں فرض کی گئیں) لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ ان پچاس میں سے پانچ کے سوا باقی سب منسوخ کی گئی ہوں اور یہ پانچ جو باقی ہیں ان ہی پچاس میں کا ایک حصہ ہوں۔

ادھر اس معاملے میں گویا ایک حکم کے پہنچائے جانے سے پہلے اس کی منسوخی ہوئی ہے جبکہ اہل سنت اور یہاں تک کہ معتزلہ کا فرقہ بھی اس کے نہ ہو سکنے پر متفق ہیں۔ مگر اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہاں حکم کے پہنچائے جانے سے پہلے منسوخ نہیں ہوئی بلکہ پچاس نمازوں کا حکم آنحضرت ﷺ کی حد تک پہنچا دیا گیا تھا کیونکہ آپ کو پچاس کا پابند کر دیا گیا تھا اور اس کے بعد آسانی مانگنے پر اس میں کمی کی گئی۔"

شیخ الاسلام ذکریا انصاری نے لکھا ہے کہ یہ قول کہ معراج کی رات میں فرض ہونے والی پانچ نمازوں نے پچاس نمازوں کے حکم کو منسوخ کیا ہے تو یہ صرف آنحضرت کے حق میں درست ہے آپ کی امت کے حق میں درست نہیں کیونکہ امت تک تو پچاس نمازوں کا حکم پہنچا ہی نہیں البتہ آنحضرت ﷺ کو پچاس کا حکم پہنچا اور پھر اس سے پہلے کہ آپ یہ حکم اپنی امت تک پہنچائیں آپ نے ان پچاس میں کمی کرائی۔ یہاں تک شیخ الاسلام کا کلام ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جب ایک حکم آنحضرت ﷺ کے حق میں منسوخ ہو گیا تو وہ آپ کی امت کے حق میں بھی منسوخ ہو گیا جیسا کہ اصل یہی ہے یہاں کسی ایک کے لئے مخصوص ہونے کی کوئی صحیح دلیل موجود ہو تو علیحدہ بات ہے۔

شیخ الاسلام کے اس حوالے سے خصائص صغریٰ کی یہ بات غلط ہو جاتی ہے کہ پچاس نمازوں کا حکم

صرف اس امت کے لئے منسوخ ہوا تھا آنحضرت ﷺ کے لئے نہیں غالباً" اس قول کی بنیاد یہ حدیث ہو گی جس میں ہے کہ معراج کی رات میں اللہ تعالی نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔ پھر میں بار بار حق تعالی کے پاس حاضر ہو کر اس حکم میں کمی اور آسانی مانگتا رہا یہاں تک کہ حق تعالی نے ان پچاس کے بجائے روزانہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض کر دیں۔

اب اس حدیث میں چونکہ۔ میری امت پر۔ کا لفظ ہے اس لئے اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ان میں جو کمی کی گئی وہ بھی صرف امت کے لئے ہی کی گئی۔ اس طرح کمی مانگنے کے سلسلے میں موسیٰ نے جو مشورہ دیا تھا اس میں بھی انہوں نے امت ہی کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ۔ "آپ کی امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔" لہذا خصائص صغری کا جو قول پچھلی سطروں میں بیان ہوا ہے وہ بظاہر ان ہی باتوں کی بنیاد ہے۔ شاید اسی بات کی تائید علامہ سبکی کے قصیدے کے ان شعروں سے بھی ہوتی ہے۔

وقد كان رب العالمين مطالبا
بخمسين فرضا كل يوم وليلته

ترجمہ :- حق تعالی کے روزانہ دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض فرما کر ان کی پابندی کرنے کا حکم فرمایا تھا۔

فابقيت اجرا الكل ما اختل ذره
وخففت الخمسون عنا بخمسة

ترجمہ :- پھر ہمیں آسانی دی گئی اور پچاس کے بجائے پانچ باقی رکھی گئیں مگر ان پانچ کا اجر و ثواب پورے پچاس کے برابر ہی رکھا گیا۔

(چونکہ ان شعروں میں۔ ہمیں یعنی عنا۔ کا لفظ ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ بظاہر اس قصیدے کے شاعر علامہ سبکی کی رائے بھی یہی ہے کہ پچاس نمازیں امت پر فرض ہو کر امت ہی کے لئے منسوخ کی گئیں) مگر اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حکم کے لاگو ہونے سے پہلے اس کی منسوخی ہو گئی اور اس طرح معتزلہ کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ کسی حکم کے لاگو اور نافذ ہونے سے پہلے اس کی منسوخی نہیں ہو سکتی (یعنی اگر ایسا ہو تو اس کو منسوخی نہیں کہا جائے گا) جبکہ اس حکم کے نفاذ کا وقت ہی نہیں آیا تھا (تو اس کو حکم نہیں کہا جا سکتا)

<u>پچاس نمازوں کی تفصیل</u>...... پچاس نمازیں جو شروع میں فرض ہوئی تھیں ان سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو پانچ نمازیں اب موجود ہیں ان میں سے ہر ایک کو دس دس مرتبہ پڑھا جاتا اور اس طرح یہ پچاس ہوتیں مگر یہ احتمال بھی ہے کہ ممکن ہے باقی پینتالیس نمازیں ان کے علاوہ بالکل دوسری ہی رہی ہوں۔ مگر ہم ایسی کسی روایت سے واقف نہیں جس میں ان پچاس نمازوں کی تفصیل بیان کی گئی ہو۔ اسی طرح جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ پچاس نمازیں صرف اس امت کے لئے منسوخ کی گئی ہیں خود آنحضرت ﷺ کے لئے نہیں تو اس بارے میں بھی ہماری نظر سے ایسی کوئی روایت نہیں گزری جس سے معلوم ہوا کہ آپ پچاس نمازیں پڑھتے تھے اور نہ ہی یہ کہ ان نمازوں کی کیفیت اور نوعیت کیا تھی۔

معراج کی رات میں آنحضرت ﷺ کے آسمانوں پر تشریف لے جانے اور واپس آنے کے متعلق قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

وطوى الارض سائرا و السموات
العلا فوقها له اسراء

فصف اللیلته التی کان للمختار
فیها علی البراق استواء

وترقی به الی قاب 'قوسین
وتلك السیادہ القعساء

تب تسقط الامانی حسری
دونها ماوراء هن وراء

وتلقی من ربه کلمات
کل علم فی شمسهن هباء

زاخرات البحار یفرق فی قطر تها
العالمون و الحکاء

مطلب...... جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینے تشریف لے جارہے تھے تو آپ کے لئے زمین کے فاصلے سمیٹ دیئے گئے تھے اور یہ بالکل اسی طرح تھا جیسا کہ اس سے پہلے اس وقت آپ کے لئے بلند آسمانوں کے فاصلے سمیٹ دیئے گئے تھے جبکہ آپ معراج کی رات میں ساتویں آسمانوں سے بھی گذر کر چند لمحوں میں ان سے اوپر پہنچ گئے تھے۔ یہی وہ رات تھی جس میں آنحضرت ﷺ براق پر مسند نشین و جلوہ ریز ہو کر بلند ہوئے تھے اور تجلی باری تعالیٰ صرف دو کمانوں کے فاصلے تک پہنچ گئے۔ یہ مرتبہ ہی آنحضرت ﷺ کی وہ شان اور سعادت و خوش نصیبی ہے جس پر نہ کوئی زوال طاری ہو سکتا ہے اور نہ اس میں کوئی نقص پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ وہ بلند مرتبے جن کی آرزو کرنے والوں کو حسرت و ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آسکتا اور یہی وہ شان اعظم ہے جو نہ آپ سے پہلے کسی کو حاصل ہوئی اور نہ آپ کے بعد کسی کو حاصل ہو گی۔ یہاں آنحضرت ﷺ پر وہ کلمات نازل فرمائے گئے کہ ان کے مقابلے میں دوسرے گرد و غبار کے برابر ہیں جو سورج کی روشنی میں بھی نظر نہیں آسکتے۔ نیز یہاں حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو وہ علوم عطا فرمائے جن کا عشر عشیر اور ایک ذرہ بھی بڑے بڑے علماء اور حکماء کو حاصل نہیں ہے۔

جہاں تک آنحضرت ﷺ کے براق پر سوار ہو کر آسمانوں پر جانے کا قول ہے تو یہی بات کتاب حیات الحیوان میں بھی کہی گئی ہے۔ مگر یہاں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کو براق کے ذریعہ آسمانوں پر لے جایا گیا تھا تو واپس بھی اسی کے ذریعہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو دارالکرامت یعنی عظمت اور بزرگی کے مرکز پر اس کے ذریعہ پہنچایا گیا اور پھر حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ظاہر کرنے کے لئے اس کے بغیر آپ کو نیچے پہنچادیا۔ یہاں تک کتاب حیات الحیوان کا حوالہ ہے جو قابل غور ہے۔ پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ علامہ ابن کثیر نے آنحضرت ﷺ کے براق کے ذریعہ آسمانوں پر تشریف لے جانے کا انکار کیا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ معراج کو جاتے ہوئے جب میں موسیٰ کے پاس سے گزرا تو وہ میرے لئے سب سے زیادہ سخت ثابت ہوئے اور واپسی میں جب میں ان کے پاس سے گزرا تو وہ میرے لئے سب سے زیادہ

نرم ثابت ہوئے اور وہ تمہارے یعنی امت کے بہترین دوست ثابت ہوئے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ آسمانوں پر جانے کے وقت موسیٰ کے پاس سے گزرے تھے تو وہ رونے لگے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ اس پر ندا یعنی آواز آئی کہ تم کس لئے رو رہے ہو۔ موسیٰ نے عرض کیا۔

"پروردگار! یہ نوجوان۔ (ی) کیونکہ موسیٰ کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ بہت کم عمر تھے اس لئے اس موقعہ کے لحاظ سے آپ کو نوجوان کہنا ہی مناسب تھا۔ غرض انہوں نے عرض کیا۔ جس کو تو نے میرے بعد بھیجا اس کی امت کے لوگ میری امت کے مقابلے میں زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوں گے

رشک قابل تعریف جذبہ ہے...... ایک روایت میں موسیٰ نے یہ کہا۔

"بنی اسرائیل۔ اور ایک روایت کے لفظوں میں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ یعنی آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھ سے زیادہ معزز ہیں۔ اگر یہ بات تنہا ان کے یعنی آنحضرت ﷺ کے لئے ہی ہوتی تب بھی آسان تھی مگر ان کے ساتھ ان کی امت بھی ہے اور ان کی امت کے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام امتوں میں سب سے زیادہ افضل اور بلند مرتبہ ہیں۔"

یعنی آنحضرت ﷺ کے اعزاز کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں کے مقابلے میں آپ کی امت کے اعزاز کو بھی بلند فرمادیا ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: موسیٰ کا اس طرح کا جملہ اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے جو انہوں نے اس وقت کہا تھا جب کہ آنحضرت ﷺ ریت کے سرخ ٹیلے کے پاس ان کی قبر پر سے گزرے تھے۔ اس سے موسیٰ کی غرض آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کی فضیلت کو ظاہر فرمانا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ تمام نبیوں میں سب سے زیادہ افضل ہیں اور آپ کی امت تمام امتوں میں سب سے زیادہ افضل ہے۔

ابتدائی احکام...... (اس کے بعد پھر نمازوں وغیرہ کے ابتدائی احکام کے متعلق بیان کرتے ہیں) حضرت ابن عمرؓ سے ایک روایت ہے کہ ابتداء میں نمازیں پچاس فرض ہوئی تھیں، ناپاکی سے سات مرتبہ غسل کرنا فرض ہوا تھا اور کپڑے پر پیشاب لگ جائے تو اس کو سات مرتبہ دھونا ضروری کیا گیا تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ ان احکام میں برابر اللہ تعالیٰ سے کمی اور آسانی کی درخواست کرتے رہے یہاں تک کہ نمازیں پانچ کر دی گئیں، ناپاکی سے غسل ایک مرتبہ کر دیا گیا اور اسی طرح پیشاب سے کپڑے کو پاک کرنے کے لئے ایک مرتبہ دھونا کافی کر دیا گیا۔

قرض دینے کی فضیلت...... (قال) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات میں جنت کے دروازے پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔

"صدقہ کا صلہ دس گنا ہے اور قرض کا صلہ اٹھارہ گنا ہے۔"

میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ قرض صدقہ سے افضل ہے۔ انہوں نے کہا۔

"اس لئے کہ سائل یعنی جس کو صدقہ دیا جاتا ہے وہ مانگتا ہے تو اس وقت کچھ نہ کچھ اس کے پاس ہوتا ہے جبکہ قرض مانگنے والا اس وقت ہی قرض مانگتا ہے جب اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔"

مگر شافعی فقہاء کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ صدقہ کے طور پر دیا ہوا ایک درہم قرض دیئے ہوئے درہم سے زیادہ افضل ہے۔

یہاں قرض کے ایک درہم کو اٹھارہ درہم بتلانے کا سبب یہ ہے کہ قرض میں دیا ہوا ایک درہم صدقہ

کے درہم کی جزاء کے دو درہموں کے برابر ہوتا ہے جیسا کہ بعض احادیث سے ثابت ہے۔ اب صدقے کا ایک درہم جب دس کے برابر ہوا تو اس کا دو گنا بیس ہو گیا جو قرض کے درہم کی جزاء ہے۔ پھر چونکہ قرض کا درہم واپس مالک کو لوٹایا جاتا ہے تو وہ بیس میں سے دو کے برابر ہوتا ہے لہذا اس کی واپسی کے بعد اٹھارہ باقی رہ جاتے ہیں اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ قرض میں دبائے ہوئے ایک درہم کے بدلے میں اٹھارہ گنا ثواب ملتا ہے۔

جہنم کی تصویر......: پھر آنحضرت ﷺ کے سامنے جہنم کو پیش کیا گیا آپ نے اس میں حق تعالی کا اتنا زبردست غیظ و غضب دیکھا کہ اگر اس میں پتھر یا لوہا پھینک دیا جائے تو وہ آگ اس کو اسی گھڑی کھا لے۔ اس روایت میں پیچھے گزرنے والی روایت کے مقابلے میں یہ لفظ زیادہ ہیں کہ۔ آپ نے دیکھا کہ لوگ اس میں سڑا ہوا مردار گوشت کھا رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کا گوشت کھاتے ہیں۔ پیچھے یہ گزرا ہے کہ آپ نے ایسے لوگوں کو زمین پر دیکھا تھا اور یہ کہ ان کے لوہے کے ناخن ہیں جن سے وہ اپنے منہ اور سینے کو کھسوٹ رہے تھے۔ پھر آپ نے ان کو پہلے آسمان میں دیکھا تھا کہ وہ اپنے پہلوؤں کا گوشت نوچ کر کھا رہے ہیں۔

اب اس بارے میں یہ بات قابل غور ہے کہ جن گناہ کبیرہ کرنے والوں کا انجام آپ نے زمین پر اور پہلے آسمان پر دیکھا ان میں سے صرف ان ہی لوگوں کو دوبارہ دکھلانے میں کیا حکمت تھی (واضح رہے کہ یہ غیبت کرنے والے لوگ تھے) ممکن ہے اس میں یہ حکمت رہی ہو کہ چونکہ غیبت ایک ایسا گناہ ہے جو بہت عام ہے اس لئے اس کا انجام دو دو مرتبہ دکھلا کر لوگوں کو اس گناہ سے ڈرانا اور بچانا مقصود ہو۔

اسی جہنم میں آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا رنگ سرخ اور نیلا یعنی نیلگوں حد تک سرخ تھا۔ آپ نے پوچھا جبرئیل یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا۔

"یہ وہ شخص ہے جس نے حضرت صالحؑ کی اونٹنی کو مار ڈالا تھا۔"

(حضرت صالحؑ حق تعالی کے برگزیدہ پیغمبر تھے لوگوں نے ان سے معجزے کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالی نے اپنی قدرت سے ایک پتھر میں سے یہ اونٹنی پیدا فرمادی تھی جسے بعد میں ایک سرکش نے مار ڈالا تھا)

شاید آنحضرت ﷺ کو جنت میں داخل کئے جانے اور آپ کے سامنے جہنم کی تصویر پیش کئے جانے کا یہ واقعہ اس سے پہلے پیش آیا تھا جبکہ آپ کو اس بدلی نے سمیٹ لیا تھا اور آپ کو نور نے گھیر لیا تھا۔ اس بارے میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ آپ کے سامنے جہنم کی تصویر اسی حالت میں پیش کی گئی کہ آپ ساتویں آسمان پر تھے اور جہنم ساتویں زمین میں تھی۔

جنت کے نظارے اور جمعہ کی فضیلت......اقول۔ مولف کہتے ہیں: علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں ثعلبی سے روایت بیان کی ہے جو حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"معراج کی رات میں میں نے عرش الہی کے نیچے ستر شہر دیکھے جن میں سے ہر ہر شہر تمہاری اس دنیا سے ستر گنا بڑا تھا اور ہر شہر فرشتوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ فرشتے ہر وقت حق تعالی کی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہتے ہیں اور اپنی تسبیح میں یہ دعا پڑھتے ہیں۔

اللهم اغفر لمن شهد الجمعته اللهم اغفر لمن

اغتسل يوم الجمعته

ترجمہ :- اے اللہ! اس شخص کی مغفرت فرما جو جمعہ کی نماز میں حاضر ہوا۔ اے اللہ! اس شخص کی مغفرت فرما جس نے جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے غسل کیا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ جمعہ کے ذریعہ اس دن کا نام فرشتوں اور آنحضرت ﷺ کے نزدیک بھی مشہور تھا۔ اب اس سے اس قول کی تائید ہوتی ہے جس میں ہے کہ اس دن کا نام جمعہ رکھنے والا شخص کعب ابن لوئی تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

یوم جمعہ ...... مگر آگے آنے والی ایک روایت سے اس کی تردید ہوتی ہے جس میں ہے کہ اس دن کا نام جمعہ رکھنے کے سلسلے میں مدینے میں مسلمانوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور رہنمائی ہوئی تھی۔ اسی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینے والوں کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ اس دن اجتماعی نماز پڑھا کریں تو آپ نے اس دن کا نام جمعہ نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ نے صرف اتنا کہلایا تھا کہ وہ دن جو یہودیوں کے اس دن سے ملا ہوا ہے جس میں وہ زور زور سے زبور پڑھتے ہیں اور اس کو اپنا مقدس دن مانتے ہیں (یہودیوں کا یہ مقدس دن سنیچر کا دن ہوتا ہے)۔ اکثر روایتوں میں تو یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس دن کا نام متعین کر کے نہیں بتلایا تھا۔ مگر علامہ سہیلی نے ابن عباسؓ کی ایک حدیث بیان کی ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس دن کا نام جمعہ ہی متعین کر کے لکھا تھا۔ اس حدیث کا متن یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو یہ تحریر فرمایا تھا۔

"امابعد! اس دن کی طرف توجہ کرو جس سے ملے ہوئے یعنی جس کے بعد آنے والے دن میں یہودی عام طور پر بڑے زور سے زبور پڑھتے ہیں اور اس کو مقدس جانتے ہیں۔ تم اس دن اپنی عورتوں اور بچوں کو جمع کرو پھر جب جمعہ کے دن سورج نصف النہار سے ڈھل کر زوال کی طرف چل پڑے تو تم اللہ تعالیٰ کو دو رکعت نماز کی سوغات پیش کرو۔"

(اس روایت میں جمعہ کا دن صاف کر کے بتلایا گیا ہے) لہٰذا اکثر روایتوں کی بنیاد پر ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں معراج کے واقعہ میں اس کی جو خبر دی یعنی جمعہ کے دن کا نام ذکر فرمایا یہ جمعہ کا نام اور جمعہ کی نماز متعین ہونے کے بعد ذکر فرمایا ہو اور آپ نے یہ لفظ اس لئے استعمال فرمائے کہ یہ ان میں جانے پہچانے تھے۔ اب گویا آپ نے فرشتوں سے جو سنا تھا وہ مثلاً "یوم جمعہ کے بجائے یوم عروبہ رہا ہو (لیکن جب حق تعالیٰ نے اس دن کا نام متعین فرمایا تو آپ نے فرشتوں کی دعا ذکر فرماتے وقت ان کا اصل لفظ استعمال فرمانے کے بجائے اب جمعہ کا نام متعین ہو جانے کی وجہ سے یہ ہی نام استعمال فرمایا کیونکہ فرشتوں کی مراد یہی تھی)

داروغہ جہنم مالک سے ملاقات...... (قال) ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معراج کے دوران جہنم کے داروغہ مالک کو دیکھا۔ وہ انتہائی خشک طبیعت کا فرشتہ ہے اور اس کے چہرے سے غصہ اور غضب برستا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مالک کو دیکھ کر سلام فرمایا۔ اس کے بعد مالک کا چہرہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اصل یعنی عیون الاثر میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو نبیوں کی ایک جماعت کے درمیان پایا۔ اسی میں نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان کو نماز پڑھائی یعنی امامت فرمائی اسی وقت کسی پکارنے والے نے کہا۔

"یہ جہنم کا داروغہ مالک ہے اس کو سلام کیجئے۔"

اسی وقت مالک نے خود سلام کرنے میں پہل کی۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ سے کہا۔

"یہ کیا بات ہے کہ میں آسمان والوں میں جس سے بھی ملا اس نے مسکرا کر میرا استقبال کیا اور مجھے خوش آمدید کیا مگر ایک شخص کو میں نے سلام کیا تو اس نے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھے خوش آمدید کہہ کر دعا بھی دی مگر وہ مسکرایا نہیں۔"

جبرئیلؑ نے کہا۔

- "وہ جہنم کا داروغہ مالک ہے۔ وہ جب سے پیدا ہوا ہے آج تک کبھی نہیں ہنسا۔ اگر وہ ہنس سکتا تو صرف آپ ہی کے لئے ہنستا۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کے سلسلے میں جتنی بھی روایتیں بیان ہوئی ہیں ان میں ان نبیوں اور فرشتوں کے آپ کو دیکھ کر ہنسنے اور مسکرانے کا ذکر رہ گیا ہے کیونکہ گذشتہ روایتوں میں سے کسی میں بھی یہ نہیں گزرا کہ آسمانوں میں آپ سے ملنے والے آپ کو دیکھ کر مسکرائے تھے۔

اسی طرح اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ داروغہ جہنم مالک آپ کو ساتویں آسمان میں ملا تھا دوسرے یہ کہ کبھی تو آپ کو دیکھ کر اس نے آپ کو سلام کرنے میں پہل کی اور کبھی آپ نے اس کو سلام کرنے میں پہل کی۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بار جب وہ آپ کو آسمان کے دروازے پر ملے تو انہوں نے آپ کو سلام کرنے سے پہل کی ہو گی۔ علامہ طیبی نے بھی صاف طور پر یہی بات کہی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے

"پہلی بار داروغہ جہنم نے آپ کو سلام کرنے میں پہل کی تاکہ اس کو دیکھ کر آپ کے دل میں جو خوف اور دہشت پیدا ہو گئی تھی وہ دور ہو جائے۔ اس دہشت کا اندازہ حدیث کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جن میں ہے کہ آپ نے دیکھا کہ داروغہ جہنم نہایت خشک طبیعت کا ہے اور اس کے چہرے سے غصہ اور غضب ظاہر ہو رہا ہے۔"

<u>جہنم کی تخلیق کا فرشتوں پر تاثر</u>...... اس سے علامہ سہیلی کی اس روایت کی تردید نہیں ہوتی جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے داروغہ جہنم کو اس کی اس اصلی شکل میں نہیں دیکھا تھا جس میں اس کو دوزخی دیکھیں گے (کیونکہ مالک کی وہ اصلی شکل انتہائی خوفناک اور بھیانک ہو گی) اگر آنحضرت ﷺ اس کو اس کی اصلی شکل میں دیکھ لیتے تو اس کی طرف نظر نہ اٹھا سکتے۔

پچھلی روایت میں آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ سے فرمایا ہے کہ میں آسمان والوں میں جس سے بھی ملا وہ مسکرایا۔ مگر اس سے ایک دوسری حدیث کی مخالفت ہوتی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ آپ نے جبرئیلؑ سے پوچھا تھا کہ کیا بات ہے میں نے میکائیل کو ہنستے ہوئے نہیں پایا۔ جبرئیلؑ نے کہا۔

"جب سے جہنم پیدا کی گئی ہے وہ آج تک نہیں ہنسے۔"

ادھر اس حدیث میں یہ اشکال بھی ہوتا ہے کہ کیا جہنم کے پیدا کئے جانے سے پہلے میکائیلؑ موجود تھے۔

(اس کے بعد میکائیلؑ ہنسے ہیں یعنی دوزخ کے وجود کے بعد انہوں نے ہنسنا چھوڑ دیا تھا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ سے ان کے بارے میں پوچھا۔ پھر اس واقعے کے بعد وہ ہنسے ہیں) چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نماز کے دوران مسکرانے لگے۔ جب آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے

فرمایا۔

"میں نے میکائیلؑ کو غزوہ بدر کے دن کفار کا تعاقب کرنے کے بعد واپس جاتے ہوئے دیکھا۔ ان کے پروں پر گرد و غبار لگ رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر ہنسے تو میں بھی ان کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔"

ادھر ایک حدیث ہے جو مسند احمد نے پیش کی ہے اس میں ہے کہ آپ نے ایک دفعہ جبرئیلؑ سے پوچھا کہ کیا بات ہے میں نے میکائیلؑ کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا اس پر جبرئیلؑ نے وہی جواب دیا کہ جب سے جہنم پیدا کی گئی انہوں نے ہنسا چھوڑ دیا۔ یہ روایت شاید اس واقعے سے پہلے کی ہے جس میں آپ نماز میں مسکرائے تھے۔

جبرئیلؑ کے بارے میں ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی جہنم کے پیدا کئے جانے سے پہلے پیدا کئے گئے تھے۔ چنانچہ مسند احمد میں حضرت انسؓ سے ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ سے فرمایا۔

"آپ جب بھی میرے پاس آتے ہیں تو آپ کی پیشانی کھلی نہیں ہوتی۔ یعنی چہرے پر مسکراہٹ نہیں ہوتی۔"

جبرئیلؑ نے کہا کہ جب سے جہنم پیدا کی گئی ہے میں اس وقت سے نہیں ہنسا۔

فرقہ جہمیہ اور معتزلہ کا ایک دعوی...... اس روایت سے اور گذشتہ روایت سے فرقہ جہمیہ اور کچھ معتزلہ فرقہ کے لوگوں جیسے عبدالجبار اور ابوہاشم وغیرہ کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ جنت اور جہنم ابھی پیدا نہیں کی گئیں اور یہ کہ وہ اس وقت موجود نہیں ہیں بلکہ حق تعالی ان کو یوم جزاء یعنی حشر کے دن پیدا فرمائے گا۔ یہ لوگ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ حق تعالی حکیم و دانا ہے اس کی حکمت سے یہ بات بعید ہے کہ جنتیوں اور دوزخیوں کے پیدا ہونے سے پہلے وہ جنت کو نعمتوں کا گھر اور دوزخ کو عذاب کا گھر بنا کر پیدا فرمادے اور یہ کہ اگر جنت اور دوزخ آسمان اور زمین میں پیدا شدہ یعنی موجود ہوتیں تو قیامت میں آسمان و زمین کے فنا ہونے کے ساتھ یہ دونوں بھی فنا ہو جاتیں۔

دعوی کا جواب...... پہلی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ یہ بات حکیم مطلق کی حکمت کے عین مطابق ہے کہ اس نے جنت و دوزخ کو ان کے مستحق لوگوں کے پیدا کرنے سے پہلے پیدا کر دیا کیونکہ انسان کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عبادت اور نیکی کا ثواب جنت کی شکل میں پیدا ہو چکا ہے اور موجود ہے تو وہ اور زیادہ ثواب حاصل کرنے کی زیادہ کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ برائیوں کا بدلہ جہنم کی شکل میں پیدا شدہ موجود ہے تو وہ گناہوں سے بچنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرتا ہے تاکہ وہ اس عذاب سے دور اور محفوظ رہ سکے۔ یہ بات قابل غور ہے۔

دوسری بات کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ قیامت میں آسمان و زمین کے ساتھ جنت و دوزخ تباہ نہیں ہوں گی کیونکہ حق تعالی نے ان دونوں کو اس تباہی سے مستثنی فرمادیا ہے۔ چنانچہ حق تعالی کا ارشاد ہے۔

ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن
فی الارض الامن شاء الله

ترجمہ:- اور قیامت کے روز صور میں پھونک ماری جائے گی سو تمام آسمان اور زمین والوں کے ہوش اڑ جائیں گے

مگر جس کو خدا چاہے۔

اب یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں جس ہو شربا کڑا کے کا ذکر ہے وہ موت کا کڑکا ہے اور موت صرف جانداروں کو آتی ہے بے جان چیزوں کو نہیں (لہذا یہ استثناء قابل غور ہے)

بہر حال جنت و دوزخ کے تباہ نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جنت اور دوزخ جیسا کہ کہا جاتا ہے ساتویں آسمان اور ساتویں زمین میں نہیں ہیں بلکہ جنت ساتویں آسمان سے اوپر ہے اور جہنم ساتویں زمین سے نیچے ہے (لہذا زمین و آسمان کی تباہی کے ساتھ ان کی تباہی لازم نہیں رہتی) ادھر اب اس قول کی روشنی میں کہ جنت و جہنم ساتویں آسمان وزمین سے اوپر اور نیچے ہیں گذشتہ روایتوں میں جہاں یہی لفظ ہیں کہ یہ دونوں ساتویں آسمان وزمین میں محض بیان اور اظہار کے لئے کہلائیں گے حقیقت کے لحاظ سے نہیں۔ واللہ اعلم۔

<u>آنحضرت ﷺ کو دیدار خداوندی ہونے میں اختلاف</u>...... اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا معراج کی رات میں آنحضرت ﷺ کو حق تعالی کا دیدار ہوا ہے یا نہیں۔ اکثر علماء کا قول اس بارے میں یہی ہے کہ آپ کو دیدار خداوندی ہوا ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنی چشم سر اور دیدہ بینا سے ذات خداوندی کا جمال دیکھا ہے۔ اس قول کی دلیل میں یہ حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ۔ "میں نے اپنے پروردگار کو نہایت پاکیزہ اور بہترین صورت میں دیکھا۔ مگر اس عقیدے کا انکار کرنے والے اس حدیث کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کا متن و مضمون اور اس کی سند دونوں مضطرب یعنی غیر یقینی ہیں۔

<u>اس بارے میں عارفین واولیاء اللہ کی دلیل</u>...... بعض عارفین اور اولیاء اللہ کا قول ہے کہ حق تعالیٰ نے تمام انسانوں کے قلوب اور دلوں کا مشاہدہ اور معائنہ فرمایا ذات باری نے ان قلوب میں اپنے دیدار کے لئے آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک سے زیادہ مشتاق اور آرزو مند کوئی قلب نہیں پایا اسی لئے اس ذات کبریا نے آپ کو معراج کرائی تاکہ آپ کو جلد از جلد دیدار اور کلام کرنے کی سعادت نصیب ہو۔

<u>حضرت عائشہؓ کا انکار اور دلیل</u>...... حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ کی دیدار خداوندی ہونے سے انکار فرماتی ہیں وہ فرماتی ہیں کہ جس نے یہ سمجھا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی چشم سر اور دیدہ بینا سے دیدار خداوندی کیا تو اس نے حق تعالی پر بہت بڑا جھوٹ اور بہتان باندھا۔ حضرت عائشہؓ کے اس قول کی تائید صحابہ میں سے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور کچھ علماء نے بھی کی ہے۔ حافظ نے لکھا ہے کہ دارمی نے اس بارے میں صحابہ کا اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے (کہ آنحضرت ﷺ کو دیدار خداوندی نہیں ہوا) پھر حافظ نے اس قول میں شبہ ظاہر کیا ہے۔ مگر اکثر صحابہ اور محدثین اور متکلمین کی ایک بہت بڑی تعداد کا عقیدہ یہی ہے کہ آپ نے اپنی چشم سر اور دیدہ بینا سے حق تعالی کا دیدار کیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض محدثین نے اس بارے میں صحابہ کا اجماع اور اتفاق تک نقل کیا (کہ آپ کو دیدار خداوندی ہوا ہے) اسی قول کی طرف عیوان الاثر کے مصنف نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

ورآہ　وما　رآہ　سواہ
رویتہ　العین　یقظتہ　لاس　المرائی

ترجمہ :- آنحضرت ﷺ نے حق تعالی کا دیدار کیا ہے جبکہ آپ کے سوا کسی نے نہیں کیا۔ آپ نے جاگتے ہوئے اپنی چشم سر اور دیدہ بینا سے ذات باری کا جلوہ دیکھا خواب وخیال میں نہیں۔

حضرت عائشہؓ دیدار خداوندی کے ہونے سے اس آیت کی بنا پر انکار کرتی ہیں تالا تدرکہ الابصار یعنی ذات باری کو کسی کی نظریں نہیں پا سکتیں (یہ آیت اور اس پر تفصیلی بحث اسی قسط کے شروع میں بیان ہو چکی ہے) ایک روایت ہے کہ حضرت مسروق نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ حق تعالی نے یہ بھی تو فرمایا ہے کہ

ولقد راہ نزلتہ اخری۔ لآیہ پ ۲۷ سورہ نجم ع

ترجمہ :-اور انہوں نے یعنی پیغمبر نے اس فرشتے کو ایک اور دفعہ بھی صوت اصلیہ میں دیکھا ہے۔

(یہاں حضرت تھانویؒ نے ترجمہ میں لفظ فرشتہ ذکر کیا ہے) مگر اس میں ہ کی ضمیر کا اشارہ ایک قول کے مطابق حق تعالی کی طرف ہے) چنانچہ اسی بنیاد پر یہاں حق تعالی مراد ہیں اس کا مطلب ہے کہ آپ کو ایک اور دفعہ بھی دیدار خداوندی ہوا ہے۔ لہذا حضرت مسروق نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اس کے باوجود آپ آنحضرت ﷺ کو دیدار خداوندی ہونے سے انکار کیوں کرتی ہیں) حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

"میں اس امت کی پہلی شخص ہوں جس نے رسول سے یہ پوچھا تھا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے آپ نے جواب دیا تھا کہ میں نے دراصل جبرئیلؑ کو دیکھا تھا۔"

اب گویا ہ کی ضمیر جبرئیلؑ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ۔

"یہ جبرئیلؑ ہیں۔ میں نے ان کو صرف دو مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے۔ (ی) یعنی ایک دفعہ زمین پر اور ایک دفعہ آسمان پر۔"

<u>حضرت عائشہؓ کی حدیث کا جواب</u>...... جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ (ی) پھر آیت کے ظاہر کے لحاظ سے جس میں ہ کا اشارہ حق تعالی کی طرف کیا جائے اور حضرت عائشہؓ کی اس حدیث قطع نظر کرتے ہوئے بھی یہ لازم معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معراج کی رات میں دو مرتبہ حق تعالی کا دیدار کیا۔ ایک مرتبہ اس وقت جبکہ آپ دو کمانوں کے فاصلے پر تھے اور ایک مرتبہ سدرہ المنتہی کے پاس۔ اس بات میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔ شاید خصائص صغری میں یہی بات کہی گئی ہے جہاں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دو مرتبہ دیدار خداوندی کی سعادت نصیب ہونا آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔ آپ کو اس موقعہ پر دونوں سعادتیں نصیب ہوئیں کہ آپ نے دیدار کیا اور حق تعالی سے کلام بھی کیا۔ آپ نے سدرہ المنتہی کے پاس حق تعالی سے کلام کیا جبکہ موسیٰؑ نے کوہ طور پر کلام کیا تھا۔

جہاں تک حضرت عائشہؓ سے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ۔ دراصل میں نے جبرئیلؑ کو دیکھا تھا۔ تو اس کے بارے میں یہ ممکن ہے کہ آپ نے اس وقت حضرت عائشہؓ کے فہم اور شعور کو دیکھتے ہوئے یہ بات کہی ہو۔

<u>حدیث ابوذرؓ</u>...... حضرت عائشہؓ کے قول کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو حضرت ابوذرؓ نے بیان کیا ہے کہ میں نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا۔

"یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟"

آپ نے فرمایا۔

میں نے ایک نور دیکھا تھا۔ (ی) یعنی حق تعالی نے مجھے اپنے دیدار سے روکنے کے لئے ایک حجاب اور

پردہ قائم فرمادیا تھا۔"

ذات باری تعالیٰ...... چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ وہ ذات باری ایک نور ہے اسے میں کیسے دیکھ سکتا ہوں کیونکہ نور اگر آنکھوں پر چھا جائے تو وہ ماوراء کو دیکھنے سے روک دیتا ہے۔ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ حق تعالیٰ ہی وہ نور ہے جو آپ کو نظر آیا تھا اور جس سے آپ کی نگاہیں خیرہ ہو گئی تھیں۔ جیسا کہ بعض علماء نے سمجھا ہے۔ اس بات کی تائید خود اسی روایت میں موجود ہے کہ وہ ایک نور ہے اور نور کو میں دیکھ سکتا ہوں۔ کیونکہ جیسا کہ ایک قول ہے اس روایت میں تحریف اور ردوبدل ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ میں نے روایت کسی کتاب اور متن میں نہیں دیکھی۔ یہ بات محال اور ناممکن ہے کہ حق تعالیٰ ایک نور ہوں اس لئے کہ نور ان چیزوں میں سے ہے جو کسی دوسری چیز کے ذریعہ وجود میں آتی ہے یعنی نور ایک عرض ہے کیونکہ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جس کو پہلے بینائی اور دیکھنے کی قوت پاتی ہے اور پھر اس کیفیت کے ذریعہ دوسری وہ تمام چیزیں نظر کی قید میں آجاتی ہیں جو دیکھی جاسکتی ہیں۔ جیسا کہ آنکھوں سے نکلنے والی کیفیت ہوتی ہے جو ان مختلف ٹھوس جسموں یعنی چیزوں پر پڑتی ہے جو اس کے سامنے آجاتی ہیں (اور پھر وہ نظر آنے لگتی ہیں) جب کہ حق تعالیٰ کی ذات بابرکات اس سے کہیں زیادہ بلند ہے کہ اس کو پایا اور ادراک کیا جاسکے سوائے اس کے کہ وہ خود کسی کے لئے چاہے)۔ ی۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا حجاب اور پردہ وہ نور ہے (نہ کہ خود حق تعالیٰ وہ نور ہیں) جیسا کہ مسلم نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے کہ۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ الخ الآیہ پ ۱۸ سورہ نور ع ۵ آیت ۳۵

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نور ہدایت دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اس کے نور ہدایت کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے فرض کرو کہ ایک طاق ہے اور اس میں چراغ رکھا ہوا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نور والا ہے یا پھر یہاں اگر یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نور ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ وہ خود نور ہے بلکہ نور والا ہے لیکن اس کا نور اتنا زیادہ ہے کہ مبالغہ اور زیادتی بیان کرنے کے لئے خود اس کو نور کہہ دیا گیا۔

دیدار کی نوعیت کے متعلق ایک روایت...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو ایک ایسے نوجوان کی شکل میں دیکھا جس کے ابھی داڑھی مونچھیں نہیں نکلی ہوں اس کے اوپر ایک سبز رنگ کا حلہ تھا اور اسے پہلے موتیوں کا ایک پردہ تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے رب کو بہترین شکل و صورت میں دیکھا۔ اس بارے میں کمال ابن ہمام کہتے ہیں کہ اگر اس سے بیداری کی حالت میں دیدار مراد ہے تو یہ حجاب صورت یعنی ایک مادی پردہ تھا۔

دیدار چشم سر سے ہوا یا چشم دل سے...... (قال) ایک قول یہ ہے کہ آپ نے اپنے دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا ہے چشم سر سے نہیں۔ چنانچہ بعض صحابہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے حق تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا۔

"میں نے اپنے پروردگار کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا بلکہ اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ثم دنی فتدلی۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنی فتدلی دونوں کی فاعل حق تعالیٰ کی ذات ہے۔ حدیث میں فواد کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی اور مراد دل

ہے یعنی حق تعالیٰ نے آپ کے دل میں اپنے دیدار کو پیدا فرمادیا۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں آنکھ پیدا فرمادی جس سے آپ نے باری تعالیٰ کا دیدار فرمایا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: جہاں تک دل کی آنکھیں ہونے کا تعلق ہے تو یہ بات حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی واضح ہے۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی پ ۲۷ سورہ نجم ع ۱ آ ۱۷

ترجمہ:- نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی۔

حضرت عائشہ نے دیدار خداوندی سے انکار کرتے ہوئے جو دلیل دی ہے کہ قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے لا تدرکہ الابصار یعنی اس کو کوئی آنکھ احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس دلیل کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ دیکھنے اور دیدار کرنے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ آپ نے ذات باری کا احاطہ کر لیا تھا (یعنی اس کی ذات اقدس کا احاطہ کر کے اس کی حقیقت اور کیفیت کو پالیا تھا۔ تو گویا اس نور نے آپ کو ذات باری کی حقیقت کا اندازہ کرنے سے روک دیا مگر اس نے دیدار سے نہیں روکا۔ (یعنی آپ ذات باری کی جھلک دیکھ سکے تفصیل سے آپ نے نہیں دیکھا جس کو خود قرآن پاک نے ناممکن بتلایا ہے)

امام احمد کی رائے...... بعض علماء نے ایک دفعہ امام احمد سے کہا کہ حضرت عائشہؓ کا یہ قول ہے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے حق تعالیٰ پر سب سے بڑا بہتان باندھا۔ آپ نے ان کے اس قول کا کیسے جواب دیتے ہیں۔ امام احمد نے کہا۔

" آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے ذریعہ کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد حضرت عائشہؓ کے ارشاد سے زیادہ بلند و برتر ہے۔"

ابوالعباس ابن تیمیہ نے امام احمد کے اس قول کے سلسلے میں کہا ہے کہ ان کی مراد آنحضرت ﷺ کے حق تعالیٰ کا خواب میں دیدار کرنے سے ہے۔ کیونکہ جب ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہاں آپ نے حق تعالیٰ کو دیکھا ہے کیونکہ نبیوں کے خواب سچے اور حقیقت ہوتے ہیں۔ انہوں نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ آپ نے اپنی چشم سر اور دیدۂ بینا سے ذات باری کو دیکھا ہے۔ مگر جس نے امام احمد کا یہ واقعہ نقل کیا ہے اس کو وہم ہوا ہے اس کا متن موجود ہے اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس بات میں اشکال ہے کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ امام احمد یہ سمجھتے ہوں کہ حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ کے سچے خوابوں سے انکار کرتی ہیں یہاں تک کہ امام احمد نے ان کی تردید کی (لہذا یہی بات صحیح ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو دیدار خداوندی ہونا مانتے ہیں) ادھر انہوں نے حضرت ابوذرؓ کی اس حدیث کو کمزور بتلایا ہے جس میں انہوں نے آنحضرت ﷺ سے جب یہ پوچھا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ تو آپ نے یہ فرمایا کہ نور کو میں کہاں دیکھ سکتا ہوں۔ یہ مسلم کی ان حدیثوں میں سے ایک ہے جن کے بارے میں اشکال ہے۔ واللہ اعلم۔

غرض اس کے بعد ابوالعباس ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ تمام اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ کو دنیا میں کوئی اپنی چشم سر سے نہیں دیکھ سکتا نہ کوئی نبی اور نہ غیر نبی۔ اس بارے میں سوائے آنحضرت ﷺ کے اور کبھی کسی کے معاملے میں کبھی اختلاف بھی پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ آپ ﷺ کے معاملے میں بھی معراج کی جتنی

مشہور و معروف حدیثیں ہیں ان میں سے کسی میں ایسی کوئی بات نہیں جس سے معلوم ہو کہ آپ نے حق تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ جہاں تک ایسی روایتوں کا تعلق ہے جن سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ آپ کو دیدار ہوا ہے ان کے بارے میں تمام اہل سنت کا اتفاق ہے کہ ان حدیثوں کی سند موضوع اور من گھڑت ہے۔

صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث میں آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"یہ بات یاد رکھو کہ تم میں سے کوئی بھی مرنے سے پہلے ہرگز حق تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ موسیٰؑ نے حق تعالیٰ سے دیدار کرانے کی فرمائش کی تھی مگر اللہ جل شانہ نے انکار فرمادیا تھا۔"

<u>دوسرے علماء کی رائے</u>...... علامہ قرطبی نے محققین کی ایک جماعت کا یہ قول اور مسلک نقل کیا ہے کہ اس مسئلے میں خاموشی ہی بہتر ہے اس لئے کہ اس بارے میں کوئی مضبوط اور قطعی دلیل نہیں ہے بلکہ دونوں فریقوں نے جن باتوں کو اپنے اپنے لئے دلیل بنایا ہے وہ روایتوں کے ظاہری الفاظ ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور جن میں تاویل ممکن ہے۔ چونکہ یہ بات عقیدے کے درجے کی ایک چیز ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کے متعلق کوئی قطعی دلیل ہو۔ یہاں تک علامہ ابوالعابس ابن تیمیہ کا کلام ہے۔

مگر علامہ سبکی نے اسی بات پر بحث کی ہے کہ یہ بات کوئی اعتقادی مسئلہ ہے جس کے لئے کوئی قطعی دلیل ضروری ہے اور یہ کہ یہ بات حشر ونشر کی طرح کوئی ایسا عقیدہ ہے جس کا اعتقاد رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے بلکہ علامہ سبکی کہتے ہیں ہیں کہ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس پر یقین رکھنے کے لئے صحیح خبر واحد [1] بھی کافی ہے۔ یہ ایسا اعتقادی مسئلہ نہیں ہے جس پر اعتقاد رکھنا ہمارے لئے ضروری ہو اور اس پر نجات منحصر ہو۔

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھنے کی خصوصیت حاصل ہوئی یہاں تک کہ نہ تو نگاہ ہٹی اور نہ وہاں سے بڑھی۔ نیز آپ کو دو مرتبہ حق تعالیٰ کے دیدار ہونے کی خصوصیت حاصل ہوئی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لقدر ای من ایات ربه الکبری الآیہ پ ۲۷ سورہ نجم ع ۱

ترجمہ:- انہوں نے اپنے پروردگا کی قدرت کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ بڑے بڑے عجائبات میں سے یہ تھا کہ آپ نے آسمانوں سے اوپر بلندیوں میں حق تعالیٰ کی ذات مبارکہ کو دیکھا کہ وہ اس تمام نظام اور چہل پہل کے نوشاہ کی طرح ہے۔

ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ معراج کی رات میں آنحضرت ﷺ کو ایک ہزار خصوصیتیں حاصل ہوئیں ان ہی میں سے حق تعالیٰ کا دیدار، اس سے نزدیکی اور قرب بھی ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حق تعالیٰ کا دیدار ہونے کے سلسلے میں ابن عباس کی حدیثیں صحیح ثابت ہوئی ہیں لہذا ان کی روشنی میں دیدار کو ماننا واجب ہے۔ کسی کو یہ جرات نہیں کرنی چاہئے کہ وہ ابن عباسؓ کے بارے میں یہ سمجھے کہ انہوں نے یہ بات اپنے اندازے اور اجتہاد سے کہہ دی ہیں۔

<u>میدان حشر میں دیدار عام ہوگا</u>...... امام نووی کا قول یہ ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے رب کو اپنی چشم سر اور دیدہ بینا سے دیکھا ہے۔ اب جہاں تک قیامت کے دن حشر کے

۱ـ خبر واحد سند کے لحاظ سے حدیث کی ایک کمزور قسم ہے۔

میدان میں حق تعالی کے دیدار کی بات ہے تو وہ تمام مخلوقات کے لئے عام ہو گی کہ اس میں انسان اور جنات، مرد اور عورتیں، مومن اور کافر اور جبرئیل اور دوسرے فرشتے سب شامل ہوں گے کسی ایک شخص کے لئے مخصوص طور پر دیدار نہیں کرایا جائے گا۔

جنت میں عام فرشتوں کو دیدار نہیں ہو گا...... جہاں تک جنت میں حق تعالی کا دیدار ہونے کا تعلق ہے تو اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہاں فرشتوں کو یہ دیدار نہیں ہو سکے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ فرشتوں میں صرف جبرئیلؑ کو یہ خصوصیت حاصل ہو گئی کہ وہ بھی دیکھ سکیں گے۔

جنات کو دیدار ہونے کے متعلق ایک قیاس...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ جنت میں حق تعالی کو فرشتوں کے نہ دیکھ سکنے کا جو قیاس ہے اس سے یہ قیاس پیدا ہوتا ہے کہ وہاں جنات بھی حق تعالی کو نہیں دیکھ سکیں گے۔ مگر اس قیاس کو دوسرے علماء نے رد کیا ہے۔

عورتوں کو دیدار...... اسی طرح اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ اس امت کی عورتیں بھی جنت میں حق تعالی کو دیکھ پائیں گی یا نہیں۔ اس بارے میں ایک کمزور قول یہ ہے کہ عورتیں دیدار حق نہیں کر سکیں گی کیونکہ وہ خیموں اور چار دیواری میں بند رہنے والی مخلوق ہیں (مگر اس قول میں کلام ہے اور یہ کمزور ہے کیونکہ جنت میں عورتوں کا پردہ نشین ہونا سمجھ میں نہیں آتا)۔

ایک قول یہ ہے کہ عورتیں صرف عید کے دنوں میں حق تعالی کا دیدار کریں گی جمعہ کے دنوں میں نہیں۔ جبکہ مرد ہر جمعہ کو ذات باری کا دیدار کریں گے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دنوں کے طرح کے دنوں میں حق تعالی کی تجلی اور دیدار تمام جنتیوں کے لئے عام ہو گا۔ اب یہ بات ظاہر ہے کہ یقینی طور پر جنت میں مومن جنات بھی ہوں گے (اور وہ بھی دیدار کریں گے لہذا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ جنات کو حق تعالی کا دیدار نہیں ہو گا)

ایک حدیث میں ہے کہ وہ تمام دن جو دنیا میں مسلمانوں کے لئے عید کے دن ہیں جنت میں بھی ان کے لئے وہ عید کے ہی دن رہیں گے جن میں وہ اپنے رب کی زیارت کے لئے جمع ہوں گے اور حق تعالی کی تجلی کا دیدار کریں گے۔

خاص جنتیوں کو صبح وشام دیدار...... جنت میں جمعہ کے دن کا نام یوم مزید ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ جہاں تک صرف جمعہ کے دن حق تعالی کا دیدار ہونے کی بات ہے تو یہ عام جنتیوں کے لئے ہے ورنہ جہاں تک خواص کا تعلق ہے تو ان کے لئے ہر دن عید کا دن ہو گا جس میں وہ صبح وشام ذات حق کا جلوہ دیکھیں گے۔

خواب میں دیدار خداوندی کا مسئلہ...... جہاں تک خواب میں حق تعالی کا دیدار ہونے کا تعلق ہے تو اس بارے میں کتاب خصائص صغری میں ہے کہ۔ یہ بات آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ کے لئے حق تعالی نے خواب میں اپنے دیدار کو ممکن بنا دیا ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے سوا دوسروں کے لئے اس بات کو ممکن نہیں کیا گیا۔ مگر اس بارے میں دو قول ہیں (ایک کے مطابق آنحضرت ﷺ کے سوا دوسرے بھی خواب میں حق تعالی کا دیدار کر سکتے ہیں اور ایک قول کے مطابق دوسرے نہیں کر سکتے) یہ بات اختیاری ہے اور ابو منصور ماتریدی کا قول یہی ہے۔

امام نووی نے قاضی عیاض کے حوالے سے کہا ہے کہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے اور خواب میں

حق تعالی کا دیدار جائز اور ممکن ہے یعنی ایسا ہو سکتا ہے۔ پھر امام نووی کہتے ہیں کہ۔ چاہے دیکھنے والا حق تعالی کو ایسی شکل و صورت میں دیکھے جو اس کی ذات کبریائی کے مطابق نہ ہو یعنی جسم وغیرہ میں دیکھے تو بھی ممکن ہے کیونکہ یہ نظر آنے والی ہستی ذات باری کے علاوہ ہو گی۔ واللہ اعلم۔

(اس تفصیل کے بعد پھر معراج کے سلسلے میں لکھتے ہیں) یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اکثر علماء کا قول یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اسراء یعنی بیت المقدس تک سفر اور پھر وہاں سے آسمانوں پر معراج کرائے جانے کا واقعہ ایک ہی رات میں پیش آیا ہے۔ مگر ایک قول یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ کو صرف اسراء مسجد حرام سے مسجد اقصی تک کرایا گیا اور پھر ایک دوسری رات میں اسراء اور معراج دونوں ایک ساتھ کرائی گئیں۔

آسمان کا وجود کیوں او جھل ہے...... (قال) حدیث میں آتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ معراج سے واپسی میں آسمان دنیا پر پہنچے تو آپ نے نیچے کی طرف دیکھا وہاں آپ کو زبردست گرد اور دھواں نظر آیا۔ آپ ﷺ نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو انہوں نے کہا۔

"یہ شیاطین ہیں جو انسانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہتے ہیں تاکہ وہ آسمانوں کی بلندیوں پر غور و فکر نہ کر سکیں (یعنی یہ شیاطین فضا میں گرد و غبار اور دھواں کئے رکھتے ہیں تاکہ انسان آسمانوں کی بلندیوں کو صحیح طور پر دیکھ کر ان پر غور و فکر کرنا نہ شروع کر دے) اسی بناء پر انسان آسمانوں کی بلندیوں کو صحیح طور پر دیکھ کر ان پر غور بھی نہیں کر پاتا کیونکہ اس دھویں اور گرد و غبار کی دبیز تہوں کی بناء پر وہ حقیقت کو دیکھ ہی نہیں پاتا اگر درمیان میں یہ شیطانی رکاوٹیں نہ ہوتیں تو انسان عجائبات قدرت کو دیکھ سکتا اور ان پر غور و فکر کر کے ان کی حقیقت کو پا سکتا (جس کے نتیجہ میں وہ ایمان و یقین حاصل کر لیتا۔)"

ایک سائنسی نظریہ کی حدیث سے تائید اور تردید

تشریح...... موجودہ ترقی یافتہ سائنس کا یہ دعوی ہے کہ آسمان کا کوئی وجود نہیں ہے بلکہ یہ کائنات اور ایک عظیم خلا ہے انسانی نگاہ جہاں تک پہنچ کر رک جاتی ہے وہاں اس خلاء کی مختلف ارغوانی روشنیوں کے نتیجے میں ایک نیلگوں حد نظر آتی ہے جس کو انسان آسمان کہتا ہے۔ اب اس حدیث کی روشنی میں سائنس کے اس انکشاف پر غور کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ نگاہ کی حد تک یہی بات آنحضرت ﷺ نے آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے فرمادی تھی کہ انسان کی آنکھ آسمانوں کی بلندیوں تک نہیں پہنچ پاتی کیونکہ خلاؤں میں جو شیاطین موجود رہتے ہیں اور جو انسان کو گمراہ رکھنے کے لئے ہر وقت کوششیں کرتے رہتے ہیں وہ انسانی آنکھ اور آسمان کے درمیان ہر وقت دھواں، گرد و غبار اور ایسی کثافتیں پیدا کئے رکھتے ہیں جو آدمی کی نظر کو آسمانوں اور ان کی بلندیوں تک نہیں پہنچنے دیتی۔ اس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم جس چیز کو آسمان کہتے ہیں وہ دراصل جوازاً آسمان ہے ورنہ اصل میں آسمان ہمیں نظر نہیں آتا۔ تو گویا آنحضرت ﷺ نے اس امکان کو پہلے ہی ختم فرمادیا ہے کہ کوئی شخص آسمان کو نہ دیکھ سکنے کی وجہ سے اس کے وجود سے انکار کر دے۔ آسمان موجود ہیں اور اسی تفصیل اور ترتیب سے موجود ہیں جو قرآن پاک اور احادیث نے بتلائی ہیں مگر وہ ہماری نگاہوں کی زد میں نہیں ہیں کیونکہ درمیان میں شیطانی کار فرمائیاں حائل ہیں۔

لہٰذا موجودہ سائنس کے اس دعوی سے آسمان کے متعلق اسلامی عقیدے پر کوئی زد نہیں آتی بلکہ وہ عقیدہ اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے کہ اس پر نقل یعنی حدیث کے ساتھ ساتھ عقل اور سائنس کے ذریعہ بھی دلیل مل جاتی ہے۔ مگر خود سائنس داں چونکہ مذہب اور روحانیات کے نہ قائل ہیں اور نہ اس فلسفہ پر عقیدہ رکھتے ہیں اس لئے وہ صرف ان ہی باتوں پر یقین رکھتے ہیں جو ان کے مشاہدے میں اور نظر کے سامنے ہوں جبکہ مذہب کا فلسفہ اس سے زیادہ وسیع اور پھیلا ہوا ہے کیونکہ وہ مشاہدات اور دید کی حد پر آکر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ مشاہدات سے ماوراء اس کے اصل فلسفے کا آغاز ہوتا ہے کیونکہ یہ دنیا اور اس کے موجودات جو مادی اور مشاہدہ میں ہے یعنی MATERIAL ہیں اور OBSERVATION میں ہیں۔ چنانچہ سائنس نے آسمان کے نہ دیکھے جاسکنے کو اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل بنالیا لیکن اسلام اور شریعت نے اس کے نظر نہ آنے کو خیر و شر اور شیطان و انسان کے درمیان کشمکش کو عقیدے کی بنیاد بنایا۔

جس حقیقت کو سائنس نے آج پایا اور اس میں بھی آسمان کے وجود ہی کا انکار کر کے غلطی کی اس کو پیغمبر اسلام نے آج سے چودہ سو برس پہلے اصل اور صحیح صورت میں بیان فرما دیا کہ آسمان اور اس کی بلندیاں، وہاں کے عجائب اور حقائق حقیقت میں انسان کو نظر نہیں آتے مگر یہ اس لئے نہیں کہ اس شئے کا وجود ہی نہیں ہے۔ اس کا وجود ہے لیکن اس وجود کو شیاطین کی کار فرمائیوں نے انسان کی نگاہوں سے اوجھل کیا ہوا ہے تاکہ وہ قدرت کے ان عظیم مظاہر اور عجائبات کو دیکھ کر ان پر غور و فکر نہ کرنے لگیں اور ان کی تہہ کو پہنچ کر سب ایمان و یقین تک نہ پہنچ جائیں۔ مرتب)

غرض آسمان دنیا کے بعد آنحضرت ﷺ پھر براق پر سوار ہو کر واپس روانہ ہوئے۔ یہ بات اس روایت کی بنیاد پر ہے جس کے مطابق آپ براق کی ذریعہ آسمانوں پر تشریف نہیں لے گئے تھے۔ اس کے بعد آپ زمین پر ایک قریشی قافلے کے پاس سے گزرے۔ وغیرہ وغیرہ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان آپ پر جو وحی نازل ہوئیں ان میں سے یہ تین آیتیں ہیں۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ الآیہ ۱۶۴، ۱۶۶ پ ۲۳ سورہ صفت ع ۵

ترجمہ:-اور ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے اور خدا کے حضور میں حکم سننے کے وقت یا عبادت کے وقت ہم صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور ہم خدا کی پاکی بیان کرنے میں بھی لگے رہتے ہیں۔

(ان آیتوں کی تفسیر میں حضرت تھانویؒ بیان القرآن میں لکھتے ہیں۔ یعنی ان میں جو ملائکہ (فرشتے) ہیں ان کا یہ مقولہ (قول) ہے کہ ہم تو بندہ محض ہیں۔ چنانچہ جو خدمت ہم کو سپرد ہے اس کی بجا آوری (پورا کرنے) میں لگے رہتے ہیں اپنی رائے سے کچھ نہیں کر سکتے۔ حوالہ بیان القرآن۔ مرتب)

اسی طرح یہ آیت ہے۔

وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ط الآیہ ۴۵ پ ۲۵ سورہ زخرف ع ۴

ترجمہ:-اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے۔ کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود ٹھیرا دیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جاوے۔

اسی طرح اس موقعہ پر سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں بھی نازل ہوئیں۔ ان ہی دو آیتوں کے بارے میں پیچھے یہ بات گزری ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی تھیں جبکہ آپ دو کمانوں کے فاصلے پر تھے۔ واللہ اعلم

معراج کے بیداری میں ہونے کی قرآنی دلیل...... جہاں تک یہ سوال ہے کہ اسراء اور معراج دونوں کا واقعہ جاگنے کی حالت میں پیش آیا تھا جس میں آپ اپنے جسم مبارک کی ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ اس کی دلیل میں قرآن پاک کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا، اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الآیۃ پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۱

ترجمہ :- وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ (محمد) کو شب کے وقت مسجد حرام یعنی مسجد کعبہ سے مسجد اقصی یعنی بیت المقدس تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلا دیں۔

اس آیت میں حق تعالی نے آنحضرت ﷺ کے لئے بندے کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور بندہ حقیقت میں روح اور جسم کا نام ہے۔ حق تعالی کا ارشاد ہے۔

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی الآیۃ پ ۳۰ سورہ علق ع ۱

ترجمہ :- اے مخاطب عام بھلا اس شخص کا حال تو بتلا جو ہمارے خاص بندے کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ بندہ کا ہی لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔

وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا الآیۃ پ ۲۹ سورہ جن ع ۱

ترجمہ :- اور جب خدا کا خاص بندہ خدا کی عبادت کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ کافر لوگ اس بندے پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔

ان آیات میں اور جہاں بھی آنحضرت ﷺ کے لئے بندے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہاں جسم اور روح دونوں مراد ہیں کیونکہ حقیقت میں لفظ بندہ کی حقیقت ہی جسم اور روح دونوں سے ساتھ ہے۔ اسی طرح معراج کے واقعہ میں چونکہ حق تعالی نے آپ کے لئے بندے کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس لئے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کو معراج میں آپ کے جسم اور روح کے ساتھ لے جایا گیا تھا۔ اگر جسم مبارک نہ جاتا تو اسری بعبدہ کے بجائے اسری بروح عبدہ کہا جاتا ہے کہ حق تعالی کی ذات پاک اپنے بندے کی روح کو مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گئی۔

پھر یہ کہ براق ایک سواری کا جانور ہے اور سواری کے جانور جسم کو لے جانے کے لئے ہی استعمال کئے جاتے ہیں روحوں کی سواری کے لئے استعمال نہیں کئے جاتے۔

دیدہ بینا سے دیدار حق کی دلیل...... اسی طرح یہ سوال ہے کہ آیا آپ نے حق تعالی کا دیدار اپنی چشم سر اور دیدہ بینا سے ہی کیا تھا۔ اس کی دلیل میں یہ آیت پیش کی جاتی ہے۔

مازاغ البصر وما طغی

ترجمہ :- یعنی نگاہ نہ تو ہٹی نہ بڑھی۔

کیونکہ نگاہ کے نہ ہٹنے کا وصف اسی بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ دیدار جاگنے کی حالت میں ہوا تھا اس لئے کہ اگر دیدار چشم سر کے بجائے دل سے یعنی دل کی آنکھ سے ہوتا تو آپ میں ماذاغ قلبہ۔ ہوتا یعنی نہ ان کے دل ہٹا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس میں یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہاں بصر یعنی آنکھ سے مراد دل کی آنکھ ہو کیونکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ حق تعالیٰ نے دل کو بھی آنکھ دی ہے۔ واللہ اعلم۔

معراج روحانی کا نظریہ...... ایک قول یہ بھی ہے کہ اسراء یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر تو آپ نے اپنے جسم مبارک کے ساتھ کیا تھا لیکن مسجد اقصیٰ سے آسمانوں پر معراج کے لئے صرف آپ کی روح مبارک گئی تھی۔ یعنی روح کے ساتھ اس طرح اوپر تشریف لے گئے کہ آپ کا جسم مبارک مردہ نہیں ہوا تھا اور اس وقت آپ کی روح کی کیفیت اس کیفیت سے زیادہ لطیف اور پاکیزہ تھا جو موت کے بعد جسم سے جدا ہونے اور اوپر آسمانوں میں جانے کے وقت ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ حق تعالیٰ کے حضور میں ٹھہرتی ہے۔

اسراء و معراج کے الگ الگ ہونے کا نظریہ...... اب یہ معاملہ خواب کے معاملے سے زیادہ بلند اور بالاتر ہے۔ آنحضرت ﷺ کے سوا دوسرے آدمیوں کے روح کے جسم سے جدا ہونے کا یہ معاملہ صرف موت کے ہی وقت پیش آسکتا ہے اس کے علاوہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اسی قول میں ہے کہ اسی بناء پر کفار قریش نے صرف اسراء یعنی بیت المقدس کے سفر کے واقعہ کو جھٹلایا معراج کے بارے میں انہوں نے کچھ نہیں کہا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: روایتوں کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جس وقت اسراء یعنی بیت مقدس کے سفر کی لوگوں کی خبر دی اسی وقت آپ نے معراج کے واقعہ کی خبر نہیں دی تھی بلکہ معراج کے واقعہ کی خبر آپ نے اس کے کچھ عرصہ بعد دی۔ مگر یہ بات اس قول کی بنیاد پر ہے جس کے مطابق اسراء اور معراج کے واقعات ایک ہی رات میں پیش آئے ہیں۔ ورنہ کچھ علماء کا قول یہ بھی ہے کہ معراج کا واقعہ اس رات میں نہیں پیش آیا جس میں اسراء کا واقعہ پیش آیا تھا اور جس کی آپ نے مشرکوں کو اطلاع دی تھی۔

(قال) اسی قول میں ہے کہ اگر معراج کا واقعہ بھی اسی رات میں پیش آیا ہوتا تو آپ معراج کی خبر بھی اسی وقت دیتے جب اسراء کی خبر دی تھی۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ آپ نے اسراء کی خبر دینے کے وقت معراج کی خبر نہیں دی تھی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو روایتوں میں اس بات کا ذکر ہوتا۔ اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر یہ دونوں واقعے ایک ہی رات میں پیش نہیں آئے تھے تو پھر حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں اسراء اور معراج دونوں کو ایک ساتھ کیوں ذکر فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ معراج کا واقعہ چونکہ اسراء کے واقعہ سے بھی زیادہ عجیب، حیرتناک اور بلند ہے اس لئے اسراء کے ذکر کے ساتھ اس کو بھی بیان فرمایا گیا۔

اس نظریہ کی تردید...... اس قول کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اسراء اور معراج ایک ہی رات میں ہوئی ہیں اب جہاں تک آنحضرت ﷺ کے صرف اسراء کا واقعہ بتلانے کا تعلق ہے تو وہ اس لئے تھا کہ آپ نے قریش کو یقین و ایمان کی طرف لانے کے لئے صرف اسراء کا واقعہ بتلایا۔ پھر جب اس عجیب و غریب واقعہ کے سلسلے میں رفتہ رفتہ ان پر آپ کے سچائی کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں تب آپ نے اس سے بھی زیادہ بڑے اور حیرتناک واقعے کی اطلاع دی جو معراج کا واقعہ تھا۔ چنانچہ کفار نے اس واقعہ کو زیادہ تر اسی لئے نہیں جھٹلایا کہ رفتہ رفتہ ان پر آپ کی سچائی ظاہر ہوگئی تھی۔ یعنی یہ کہ آپ نے بیت المقدس تک سفر کا جو واقعہ ان کو پہلے بتلایا تھا اس کے متعلق ان

کو آپ کی سچائی کا ثبوت مل چکا تھا (اس لئے جب آپ نے بعد میں معراج کا حال سنایا اور اس واقعہ کی خبر دی تو ان کے پاس آپ کو جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں تھی)

یہ بات مواہب کے حوالے سے پیچھے گزر چکی ہے معراج کے واقعے میں چونکہ قریش آسمانوں کا حال کچھ بھی نہیں جانتے تھے اس لئے اس واقعہ میں انہوں نے نہ آپ سے کوئی جرح کی اور نہ وہاں کی علامتیں پوچھیں۔

اسراء اور معراج کا واقعہ رفتہ رفتہ اور اس ترتیب و تدبیر کے ساتھ بتلانے کے سلسلے میں خود حق تعالیٰ نے ہی آنحضرت ﷺ کی رہنمائی فرمائی تھی چنانچہ اسی وجہ سے معراج کا واقعہ سورہ اسراء میں نازل نہیں ہوا بلکہ علیحدہ سورہ نجم میں نازل فرمایا گیا۔

جہاں تک ان دلیلوں کا تعلق ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسراء اور معراج کے واقعات ایک ہی رات میں پیش آئے تھے۔ ان میں سے امام بخاری کا وہ قول ہے جو انہوں نے صحیح بخاری میں ذکر کیا ہے۔ وہ قول یہ ہے کہ امام بخاری نے لکھا ہے۔ اسراء کی رات میں نماز فرض ہونے کی کیفیت کا باب۔ ظاہر ہے کہ یہ بات معلوم ہے کہ پانچ نمازیں معراج ہی میں فرض ہوئیں (لہذا معراج کی رات کہنے کے بجائے اسراء کی رات کہنے کا مطلب یہی ہے کہ معراج اور اسراء کے واقعات کی رات ایک ہی ہے) اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ پھر امام بخاری نے اسراء اور معراج کے واقعات کی تفصیل علیحدہ علیحدہ کیوں بیان کی ہے جیسا کہ حقیقت میں بخاری میں دونوں واقعات علیحدہ علیحدہ ہی بیان کئے گئے ہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ دونوں واقعات ایک ہی رات میں پیش آئے لیکن دونوں واقعات اپنی مستقل تفصیلات اور عجائبات رکھتے ہیں (اس لئے دونوں کو الگ الگ بیان کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہو سکتی)

مگر علامہ حافظ دمیاطی نے سیرت کی اپنی کتاب میں اس بات کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اسراء کا واقعہ رمضان کے مہینے میں پیش آیا اور معراج کا واقعہ ربیع الاول کے مہینے میں پیش آیا ہے۔ واللہ اعلم

اس اختلاف کا سبب اور ازالہ...... ایک قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کے بعد اسراء کا واقعہ پہلے آپ کو دو مرتبہ خواب کی حالت میں پیش آیا اور پھر بعد میں جاگنے کی حالت میں پیش آیا۔ یعنی یہ واقعہ پہلے خواب میں اس لئے دکھلایا گیا تاکہ آپ اس سے مانوس ہو جائیں اور آپ کو یہ خوش خبری حاصل ہو جائے کہ یہ ہی عظیم واقعہ جاگنے کی حالت میں بھی پیش آسکتا ہے۔

اب اس قول کے ذریعہ اس بارے میں جو مختلف حدیثیں ہیں ان میں موافقت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بظاہر کچھ راویوں نے خواب میں پیش آنے والے اسراء کے واقعے کو مغالطے کی وجہ سے جاگنے کی حالت میں پیش آئے واقعے کے ساتھ ملا دیا۔ چنانچہ شریک کا جو قول پیچھے ذکر ہوا ہے اور جس کی روایت میں آنحضرت ﷺ کا یہ قول گزرا ہے کہ۔ پھر جب میں جاگا۔ تو اب اس قول سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ مگر انہوں نے کہا ہے کہ خواب کی حالت میں ایک دفعہ جو اسراء ہوئی وہ ظہور سے پہلے کا واقعہ ہے۔ چنانچہ اس کی دلیل میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے خواب میں اسراء کا ایک واقعہ بتلاتے ہوئے فرمایا کہ یہ مجھ پر وحی آنے سے پہلے کی بات ہے۔

مگر خطابی نے شریک کے اس قول کو نہیں مانا ہے اور کہا ہے کہ اسراء اور معراج کی حدیثوں میں یہ

روایت پیش کرنا اس کے دھموں میں سے ایک ہے۔ مگر پھر خود خطابی کی تردید حافظ ابن حجر نے کی ہے جس کی بناء پر اس کے بارے میں سکوت کیا جاتا ہے۔

معراج کے مکے سے ہونے کی رائے...... ایک قول یہ ہے کہ معراج کا واقعہ جاگنے کے حالت میں ہی ہوا، رات کے وقت نہیں ہوا اور آسمانوں کا یہ سفر بیت المقدس سے شروع نہیں ہوا بلکہ مکے سے شروع ہوا ہے اور دن میں ہوا۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے رب سے درخواست کیا کرتے تھے کہ وہ ان کو جنت و دوزخ دکھلا دے۔ چنانچہ ایک دن دوپہر کے وقت جبکہ آپ سوئے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس جبرئیل اور میکائیلؑ آئے اور آپ سے کہنے لگے۔

"آپ نے اللہ تعالیٰ سے جس چیز کی درخواست کی ہے اس کو دیکھنے کے لئے چلئے۔"

پھر وہ دونوں مجھے کعبے میں مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان لائے۔ پھر میرے لئے ایک ایسی حسین و خوبصورت سیڑھی لائی گئی کہ دنیا میں اس سے زیادہ خوبصورت چیز نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد وہ دونوں مجھے لے کر ایک ایک آسمان کو ہوتے ہوئے معراج پر گئے۔ حدیث

مگر اس حدیث کی تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خواب کی صورت میں پیش آیا اس لئے اس کو اس قول کی دلیل بنانا مناسب نہیں ہے کہ یہ معراج بیدار کی حالت میں ہوئی تھی۔

حضرت ابوذرؓ سے ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جیسا کہ پیچھے بھی گزرا فرمایا۔

"جبکہ میں مکے میں تھا ایک دن میرے مکان کی چھت پھٹی اور جبرئیلؑ نازل ہوئے۔ انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور اس کو زمزم کے پانی سے دھویا۔ پھر وہ سونے کا ایک طشت لائے جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا انہوں نے اس ایمان و حکمت کو میرے سینے میں بھر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے کر معراج کے لئے بلند ہوگئے۔ حدیث

اس حدیث کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ابوذرؓ کی اس روایت میں اختصار ہے اور اس میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ آیا یہ واقعہ خواب کی حالت میں پیش آیا تھا یا بیداری کی حالت میں۔

ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ جاگنے کی حالت میں ہی معراج کا واقعہ ایک سے زیادہ مرتبہ پیش آیا ہے۔ مگر یہ قول بہت غریب اور کمزور ہے (کیونکہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ واقعہ ایک سے زیادہ مرتبہ جاگنے کی حالت میں پیش آیا تو بھی اس واقعہ کی تفصیلات یہی ماننی پڑیں گی) لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ہر دفعہ جب آپ آسمانوں کے دروازوں پر پہنچے ہوں تو فرشتوں نے یہ پوچھا ہو کہ کیا ان کو یعنی آنحضرت ﷺ کو بلوایا گیا ہے۔ نیز یہ کیسے ممکن ہے کہ ہر مرتبہ آسمانوں میں پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے ایک ایک نبی کے متعلق پوچھا ہو کہ یہ کون ہیں۔ نیز یہ کیسے ممکن ہے کہ ہر مرتبہ پانچ نمازیں فرض ہوئی ہوں اور ہر دفعہ اس بارے میں آمد و رفت ہوئی ہو۔

لیکن اگر یہ مانا جائے کہ جاگنے کی حالت میں تو ایک مرتبہ ہی یہ واقعہ پیش آیا البتہ اس سے پہلے خواب کی صورت میں کئی بار پیش آیا تو پھر اس کو ماننے میں کوئی اشکال نہیں رہتا کیونکہ ظاہر ہے خواب میں آپ کو بار بار ان واقعات اور حالات سے اس لئے دو چار کیا گیا تاکہ آپ ان سے مانوس ہو جائیں اور بعد میں بیداری کی حالت میں جو واقعہ پیش آنے والا تھا اس کے لئے آپ کا دل اور دماغ تیار رہے۔

یہ سارا اختلاف دراصل اس لئے پیدا ہوا کہ کچھ راویوں نے خواب کے واقعے اور بیداری کے واقعے کو

مغالطے کی وجہ سے غلط سلط کر دیا جیسا کہ اسراء کے واقعہ میں اس کی ایک نظیر اور مثال گزر بھی چکی ہے۔

اودھر یہ کہ اسراء کی روایتیں اگر بہت سی ہیں جن سے یہ اندازہ ہو کر اسراء کا واقعہ ایک سے زیادہ مرتبہ (خواب اور بیداری میں) پیش آیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ معراج کے بارے میں بھی ایسی ہی روایات ہوں۔ اگرچہ بعض لوگوں کا خیال یہی ہے۔

علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ جس شخص نے ہر ایسی روایت کو ایک مستقل اسراء کا واقعہ مانا ہے جو دوسری سے مختلف ہے اور اس طرح اسراء کا کئی مرتبہ ہونا ثابت کیا ہے اس نے بہت دور از کار اور قیاس کے خلاف بات کہی۔ (ی) اس لئے حق یہی ہے کہ وہ اسراء جس میں آپ جاگنے کی حالت میں اپنی روح اور جسم مبارک کے ساتھ تشریف لے گئے ایک ہی بار ہوئی ہے۔ اور یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اسراء کا واقعہ چونتیس مرتبہ اور ایک قول کے مطابق تیس مرتبہ پیش آیا۔ ان میں سے ایک بار بیداری میں آپ کی روح اور جسم مبارک کے ساتھ اسراء ہوتی اور باقی مرتبہ میں خواب کی حالت میں صرف آپ کی روح نے یہ میسر کی۔ (ی) ان ہی میں سے ایک وہ واقعہ ہے جو آپ کو ہجرت کے بعد مدینے میں پیش آیا۔ اسی (خواب کے) واقعہ کی طرف حضرت عائشہؓ کے اس قول میں اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جسم مبارک میرے سامنے سے اوجھل نہیں ہوا (یعنی صرف آپ کی روح مبارک نے سیر کی جسم نے نہیں)

<u>فرضیت کے بعد نمازوں کے اوقات کی تعلیم</u>...... معراج کی رات کی صبح میں یعنی جس رات میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں اس کے بعد والے دن میں جب کہ سورج ڈھلنے لگا اس وقت جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کی امامت کر کے نماز پڑھائی تاکہ آپ کو نمازوں کے اوقات اور ان کی کیفیت و نوعیت کی تعلیم دیں۔ کیونکہ اس وقت تک آنحضرت ﷺ صبح و شام میں دو دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور رات میں قیام کیا کرتے تھے اس سے یہ ضروری نہیں تھا کہ آپ کو پانچ نمازوں کی کیفیت کا بھی پتہ ہوتا۔ اگرچہ ہم نے کہا ہے کہ ان میں سے چار رکعت والی نمازیں ابتداء میں دو رکعت کی نمازوں کی صورت میں فرض ہوئی تھیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے حکم پر صحابہ میں اعلان کیا گیا کہ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ جب سب جمع ہو گئے تو آنحضرت ﷺ کو جبرئیلؑ نے نماز پڑھائی اور لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے پڑھائی۔

اس نماز کا نام ظہر رکھا گیا کیونکہ یہ پہلی نماز تھی جس کی کیفیت ظاہر کی گئی یعنی بتلائی گئی۔ یا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ یہ نماز ظہیرہ یعنی دوپہر کے وقت میں ادا کی گئی جس وقت کہ گرمی شباب پر ہوتی ہے اور سورج اپنی بلندی پوری کر کے زوال کی طرف ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے (اس وقت کو عربی میں ظہیرہ کہتے ہیں)

اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو ظہر کی یہ نماز جو پڑھائی وہ جبرئیلؑ کے آپ کو پڑھانے کے بعد مگر ساتھ ہی اس سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ نماز ایک ساتھ ہوئی یعنی آنحضرت ﷺ کی امامت جبرئیلؑ کر رہے تھے اور صحابہ کی امامت خود آنحضرت ﷺ کر رہے تھے۔ چنانچہ بعض روایتوں میں ہے کہ جب نماز کے لئے جمع ہونے کا اعلان کیا گیا تو سب لوگ گھبرا کر دوڑ پڑے اور جمع ہو گئے تب آنحضرت ﷺ نے ان کو ظہر کی چار رکعت نماز پڑھائی اور اسی نماز میں آپ نے بلند آواز سے قرآن پاک بالکل نہیں پڑھا۔ اس نماز میں لوگوں کے سامنے آنحضرت ﷺ امام کی حیثیت میں) تھے اور جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ

کے سامنے (امام کی حیثیت میں) تھے۔ صحابہ آنحضرت ﷺ کے مقتدی تھے اور آنحضرت ﷺ جبرئیلؑ کی اقتداء کر رہے تھے۔ پھر اسی طرح عصر کی نماز پڑھی گئی۔

اس کے بعد جب سورج غروب ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو مغرب کی تین رکعت نماز پڑھائی۔ اس نماز میں آپ نے پہلی دو رکعتوں میں بلند آواز سے قرآن پاک پڑھا اور تیسری یعنی آخری رکعت میں بلند آواز سے نہیں پڑھا۔ اس نماز میں بھی صحابہ کے سامنے آنحضرت ﷺ تھے اور آنحضرت ﷺ کے سامنے جبرئیلؑ امام کی حیثیت میں تھے اور آنحضرت ﷺ ان کی اقتداء کر رہے تھے۔

آنحضرت ﷺ بیک وقت امام اور مقتدی...... (نماز سکھانے کے سلسلے میں جبرئیلؑ کے پاس آنے کی جو روایت بیان ہوئی ہے اس کے اصل الفاظ یہ ہیں نزل فصلی امام رسول اللہ اس میں امام کے لفظ کو اگر الف کے زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی سامنے اور آگے کے ہیں اور زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو امام نماز پڑھانے والے کو کہتے ہیں) اس بارے میں امام نووی کا قول یہ ہے کہ یہاں امام الف کے زیر کے ساتھ ہی ہے کہ جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ کے امام کی حیثیت سے نماز پڑھی.... اسی سے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ۔ پھر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے میرے امام کی حیثیت سے مجھے نماز پڑھائی (کیونکہ اگر امام الف کے زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ کو نماز سکھلانے کے لئے آپ کے سامنے نماز پڑھ کر دکھلائی یعنی امامت نہیں کی بلکہ اکیلے نماز پڑھ کر آپ کو اس کا طریقہ بتلایا۔ اب گویا آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ کے مقتدی کی حیثیت سے نماز پڑھی اور صحابہ نے آنحضرت ﷺ کے مقتدی کی حیثیت سے پڑھی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ ایک ہی وقت میں مقتدی بھی تھے اور امام بھی تھے) اسی سے بعض علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اس شخص کے پیچھے اقتداء کرنا یعنی اس کو امام بنانا جائز ہے جو خود دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو۔ مگر یہ بات ہمارے امام یعنی امام شافعیؒ کے مذہب کے خلاف ہے کیونکہ وہ اس کی ممانعت کے قائل ہیں۔

شافعی علماء اپنے مسلک کی دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے جبرئیلؑ کے مقتدی ہونے کا مطلب یہ تھا کہ آپ ان کے افعال اور جسم کی حرکتوں کو دیکھ کر ویسی ہی نقل کر رہے تھے لیکن اسی نیت سے نہیں کہ آپ ان کے مقتدی تھے نہ آپ کے افعال ان کے افعال پر موقوف تھے۔ لہٰذا اس روایت سے شافعی علماء کے مسلک پر کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا۔

ہاں شافعی علماء میں سے ان علماء پر اس روایت سے اعتراض ہو سکتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نماز شروع کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ یہ شخص نماز کی کیفیت اور طریقے کو جانتا ہو صرف کسی کو نماز پڑھتے دیکھ کر اسی طرح پڑھتے رہنا جائز نہیں ہے (جبکہ اس روایت کے ظاہری الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ نے نماز کا طریقہ معلوم کرنے سے پہلے یہ نماز شروع کر دی تھی۔

مگر ان علماء کی طرف سے اس اعتراض کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ شاید جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ کو پہلے زبانی طور پر نماز کا طریقہ سمجھا دیا تھا اور پھر عمل کے ذریعہ بتلایا اور اسی طرح آنحضرت ﷺ نے پہلے اپنے صحابہ کو زبانی طور پر نماز کا طریقہ سمجھا دیا تھا اور اس کے بعد عمل کے ذریعہ بتلایا۔

مگر اس ظہر کی نماز والی حدیث سے ہی ایک اور اشکال پیدا ہوتا ہے۔ اس حدیث سے یہ ثابت کیا گیا ہے

کہ آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ کے پیچھے ان کے مقتدی کی حیثیت سے نماز پڑھی۔ یہ نماز ظاہر ہے آنحضرت ﷺ کے لئے تو فرض تھی مگر جبرئیلؑ پر فرض نہیں تھی بلکہ ان کے لئے نفل کا درجہ رکھتی تھی کیونکہ فرشتوں پر یہ نماز لازم نہیں ہے۔ ادھر فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنے والا مقتدی نہیں بن سکتا (کیونکہ فرض نماز ایک قوی چیز ہے اور اس کے مقابلے میں نفل نماز ایک کمزور چیز ہے اور قوی چیز کمزور کی تابع نہیں بن سکتی۔ لہذا فرض نماز پڑھنے والے کی پیچھے دوسرا آدمی نفل کی نیت باندھ کر کھڑا تو ہو سکتا ہے مگر نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے دوسرا آدمی فرض نماز کی نیت باندھ کر مقتدی کی حیثیت سے نہیں کھڑا ہو سکتا) مگر یہاں ظہر کی نماز والی حدیث سے یہ اصول ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ جبرئیلؑ کی یہ نماز ان کے لئے نفل تھی جبکہ ان کے مقتدی کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ جو یہ نماز پڑھ رہے تھے وہ فرض کے طور پر تھی۔

اس اعتراض کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ نماز جبرئیلؑ کے لئے نفل کے درجے میں نہیں تھی بلکہ واجب اور فرض کے درجے میں تھی کیونکہ حق تعالیٰ کی طرف سی ان کو اسی طرح جا کر پڑھنے کا حکم کیا گیا تھا (لہذا یہ حکم خدا کے بعد اس وقت کی یہ نماز ان کے لئے فرض ہو گئی تھی) کہ اس کے ذریعہ وہ آنحضرت ﷺ کو قول اور فعل دونوں طرح نماز سکھلائیں۔

یہ نمازیں کس جگہ پڑھی گئیں...... یہ نماز بیت اللہ یعنی کعبے کے پاس پڑھی گئی تھی اور اس میں آنحضرت ﷺ کا رخ بیت مقدس یعنی اس کے مقدس پتھر کی طرف تھا۔ بیت المقدس کی طرف آنحضرت ﷺ کے رخ کرنے کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ ایسا آپ نے اپنے اجتہاد کے ذریعہ کیا تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم فرمایا گیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن پاک کی ایک آیت کے ذریعہ اس کا حکم ہوا تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم قرآنی آیت کے ذریعہ نہیں کیا گیا بلکہ جبرئیلؑ نے حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی اطلاع آپ کو دی تھی۔ اب اگر یہ قول مانا جائے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا یہ حکم قرآن پاک کی آیت کے ذریعہ دیا گیا تھا تو اس کی آیت وہ ہو گی جس کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ شافعی اماموں کا قول یہ ہے کہ پانچ نمازوں کی فرضیت کے ساتھ رات کی اس نماز اور قیام کا حکم منسوخ ہو گیا تھا جو آپ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔

آنحضرت ﷺ جب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو آپ اپنے اور بیت المقدس کے درمیان کعبے کو کر لیتے تھے (یعنی ایسی جگہ کھڑے ہو کر بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے کہ کعبہ آپ کے سامنے رہے۔ یہ جگہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان تھی (ی) یعنی جہاں آنحضرت ﷺ کے ظہور کی ابتداء میں جبرئیلؑ نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی جیسا کہ بیان ہوا۔

قبلہ اول...... چنانچہ اب یہ روایت صحیح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب تک مکے میں رہے ہمیشہ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے ہوئے آپ کعبے کی طرف پیٹھ نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ آپ مکے سے تشریف لے گئے مدینے پہنچ کر آپ صرف بیت المقدس کی طرف ہی منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور کعبے کی طرف یعنی کعبے کی سمت میں آپ کی پیٹھ ہو جاتی تھی۔

ان روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی طرف آپ کا منہ کرنا اور کعبے کو اپنے اور

بیت المقدس کے درمیان میں لے لینا آپ کی شان اور معمول تھا چاہے آپ مکے ہی میں مسجد حرام سے باہر نماز پڑھتے یعنی مکے کے قرب و جوار میں بھی جب نماز پڑھتے تب بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ بظاہر ایسا آپ کعبے کے احترام کی وجہ سے کرتے تھے اس لئے نہیں کہ یہ آپ پر واجب تھا۔ ورنہ ایک حدیث میں ہے کہ جبرئیلؑ نے آپ کے ساتھ جو نماز پڑھی وہ کعبے کے دروازے کے پاس کھڑے ہو کر پڑھی (جہاں سے صرف بیت المقدس کا سامنا ہوتا ہے کعبے کا سامنا نہیں ہوتا) جیسا کہ امام شافعی نے کتاب الام میں روایت کیا ہے۔

امام طحاوی نے بیان کیا ہے کہ بیت اللہ کے دروازے کے پاس آپ نے دو مرتبہ نماز پڑھی۔ یہ وہی جگہ ہے جس کو عوام معجنہ کہتے ہیں جس کی تفصیل (سیرت حلبیہ اردو کی کسی گذشتہ قسط میں) گزر چکی ہے۔

یہاں یہ بات ظاہر ہے کہ کعبے کے دروازے کے پاس معجنہ کے مقام پر جب آنحضرت ﷺ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تو آپ کا منہ کعبے کی طرف نہیں ہو سکتا بلکہ کعبہ آپ کی بائیں جانب آجائے گا کیونکہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں اگر کعبے کو بھی اپنے سامنے رکھا جائے تو یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھی جائے جیسا کہ بیان ہوا۔ بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ مکے میں رہتے ہوئے کبھی کبھی آنحضرت ﷺ بیت المقدس کی طرف اس طرح بھی سجدہ کرتے تھے کہ کعبہ آپ کی کمر کے پیچھے آجاتا تھا۔ مگر ایسا کبھی کبھی ہوتا تھا کیونکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ اکثر آپ دونوں کو اپنے منہ کے سامنے رکھتے تھے۔

کتاب زبدۃ الاعمال میں ہے کہ جبرئیلؑ کے نازل ہونے کے بعد سے آپ تیرہ سال تک مکے میں رہے اور مکے کے قیام کی پوری مدت میں آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ کعبہ بھی آپ کے سامنے رہے اس کی طرف پیٹھ نہ ہو۔

اس عبارت سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ مراد یہ نہیں کہ آپ ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھتے تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ اکثر آپ اسی طرح پڑھتے تھے البتہ کبھی کبھی مکے میں ہی آپ نے اس طرح بھی پڑھی ہے کہ کعبہ کی طرف آپ کی پیٹھ ہوئی تھی۔

جن روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکے میں رہتے ہوئے آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بیت مقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے ان میں سے براء ابن معرور کی روایت ہے جو آگے آئے گی کہ آنحضرت ﷺ کے مکے سے ہجرت کرنے سے پہلے انہوں نے ایک دفعہ بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کی طرف سے رخ کر کے نماز پڑھی اس کے بعد انہوں نے آپ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔

"تمہارے لئے اس وقت بھی قبلہ موجود تھا۔ بہتر ہوتا کہ تم ابھی اس پر ہی صبر کرتے۔"

جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ کو دو مرتبہ نماز پڑھائی ایک دفعہ نماز کے وقت کے ابتدائی حصے یعنی اول وقت میں اور ایک دفعہ آخر وقت میں مگر آخر وقت سے مراد حقیقی آخری وقت نہیں بلکہ عصر، عشاء اور صبح کی نمازوں کے اوقات کے لحاظ سے اختیاری وقت مراد ہے تاکہ آنحضرت ﷺ کو وقت کا علم ہو جائے۔

اوّلین اعلانِ نماز...... جب جبرئیلؑ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو ان کی ہدایت پر آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں اعلان کیا گیا تھا کہ نماز کے لئے جمع ہو جائیں جیسا کہ بیان بھی ہوا۔ (ی) اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کی اطلاع کا جو شرعی طریقہ یعنی اذان ہے وہ اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا بلکہ اذان مدینے میں فرض ہوئی ہے جیسا

کہ بیان ہوا اور آگے بھی آئے گا۔ غرض حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔

"یہ جبرئیلؑ آئے ہیں تاکہ تمہیں تمہارا دین سکھلائیں۔"

اول وقت میں اولین نمازیں...... اس کے بعد آپ نے ظہر کے اول وقت میں جبکہ سورج زوال کے لئے ڈھلا ان کے ساتھ نماز پڑھی جیسا کہ بیان ہوا مطلب یہ ہے کہ زوال شروع ہونے کے بعد نماز پڑھی۔ پھر جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل یعنی اس چیز کے برابر ہو گیا (یعنی سورج اتنا ڈھل گیا کہ ہر چیز کا سایہ اتنا ہی لمبا ہو گیا جتنی وہ چیز ہے) تو آپ نے جبرئیل کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی (ایک مثل سائے سے مراد وہ سایہ ہے جو اس چیز کے سایہ صفی کے بعد ہو یا زوال سے پہلے کا جو سایہ ہے اس پر ایک مثل سایہ ہو چکا ہو) پھر جس وقت روزہ دار روز افطار کرتا ہے اس وقت آپ کو جبرئیلؑ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ مراد ہے سورج کے غروب ہونے کا وقت جبکہ افطار کا وقت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پھر جب شفق کی سرخی غائب ہو گئی تو عشاء کی نماز پڑھائی۔ پھر اس کی صبح میں یعنی اگلے دن کی صبح میں جس وقت کے روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ یعنی جب یہ وقت شروع ہو جاتا ہے اور جو فجر کا وقت ہوتا ہے اس وقت فجر کی نماز پڑھائی۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جس وقت جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھائی تھی اس وقت تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے (اس لئے آپ نے روزے کے اوقات سے نماز کے اوقات کیسے سمجھائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اس وقت تک رمضان کے روزوں کے علاوہ دسویں محرم کا روزہ یا یہ مہینے کے ابتدائی تین دنوں کے روزے بھی فرض نہیں ہوئے تھے جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ تو بھی یہ شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ جو بیان ہوئے آپ نے روزوں کے فرض ہونے کے بعد بیان کئے ہوں۔

نمازوں کے آخر اوقات...... پھر یہ نماز کے اخیر وقت میں جبرئیلؑ نے آپ کو نماز پڑھائی (تاکہ آپ کو ہر نماز کے پورے وقت کا علم ہو جائے کہ کب سے کب تک ہے) چنانچہ جبرئیلؑ نے پھر آپ کو ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر یعنی ایک مثل ہو گیا۔ پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل یعنی دوگنا ہو گیا۔ پھر عشاء کی نماز پڑھائی جبکہ ابتدائی رات میں سے ایک تہائی حصہ گزر گیا۔ پھر تیسرے دن فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جبکہ سفیدی پھیل گئی (یعنی سورج طلوع ہونے سے پہلے جب کہ روشنی ہو گئی تھی)۔ اس کے بعد جبرئیلؑ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے کہا۔

"اے محمد! یہ تمہارا اور تم سے پہلے ہونے والے نبیوں کا (یعنی ان کی نمازوں کا) وقت ہے اور اسی طرح ان دونوں کے درمیان یعنی اول وقت اور آخر وقت کے درمیان کا وقت (ان نمازوں کا وقت) ہے۔"

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جس میں ہے کہ۔ جبرئیل نے آپ کو ظہر کی نماز پڑھائی وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر آگے ہے کہ۔ پھر فجر کی نماز پڑھائی اور جب اگلا دن ہوا تو انہوں نے ظہر کی نماز پڑھائی۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں فجر کی نماز کو جو ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے رات گزرنے کے بعد پڑھی گئی اگلے دن کی نماز نہیں کہا گیا بلکہ اسی دن کی نماز کہا گیا جس میں ایک رات پہلے ظہر و عصر، مغرب و عشاء پڑھی گئی تھیں اور گویا فجر کا وقت پچھلے دن کا تتمہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دن سورج کے طلوع ہونے کے وقت

سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ ماہرین فلکیات کہتے ہیں۔

واضح رہے کہ جبرئیلؑ نے ہر نماز کے آخر وقت میں نماز پڑھانے کے بعد جو یہ کہا کہ۔ ان دونوں یعنی اول وقت اور آخر وقت کے درمیان تک نماز کا وقت ہے۔ تو یہ عصر، عشاء، اور فجر میں اختیاری وقت ہے جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے۔ ورنہ عصر کا وقت سورج غروب ہونے کے وقت تک باقی رہتا ہے، اس طرح عشاء کا وقت فجر کے طلوع ہونے کے وقت تک رہتا ہے اور فجر کا وقت سورج کے طلوع ہونے کے وقت تک رہتا ہے۔

مگر علامہ اصطخری کا قول اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ عصر کا وقت اس وقت ختم ہو جاتا ہے جبکہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو چکا ہو اسی طرح عشاء کا وقت ایک تہائی رات گزر جانے کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور صبح کا وقت سفیدی پھوٹنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل میں وہ اسی حدیث کو پیش کرتے ہیں اور اس کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہیں۔

نمازوں کی تعلیم کی ترتیب...... جہاں تک نمازیں سکھلانے کے سلسلے میں اس ترتیب کا تعلق ہے تو اکثر روایتوں میں ظہر کی نماز سے ہی شروع کیا گیا ہے۔ ایک روایت ہے کہ یہ ترتیب صبح کی نماز سے فجر کے طلوع ہونے کے وقت سے کی گئی ہے۔ پہلی روایت میں ظہر سے ترتیب اور تعلیم نماز شروع کی گئی ہے حالانکہ معراج کی رات کے بعد جس میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں فجر کی نماز پہلی نماز تھی۔ مگر فجر سے اس لئے ترتیب نہیں شروع کی گئی کہ فجر کی نماز کی ادائیگی نماز کی تعلیم اور اس کے سیکھنے پر موقوف تھی اور نماز کی فرضیت بھی اس کی تعلیم پر منحصر تھی۔ گویا یہ کہا گیا ہے کہ یہ سب نمازیں آپ پر اس وقت فرض ہوئیں جب کہ آپ کو ان کی تعلیم دی گئی۔ اور ان کا طریقہ اور وقت بتلایا گیا۔ اب چونکہ صبح کی نماز کا طریقہ اس کے وقت میں معراج کی صبح میں نہیں بتلایا گیا تھا اس لئے وہ اس دن تک فرض نہیں ہوئی تھی۔

یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ ضرورت کے وقت کے بعد اس کی تعلیم دی گئی (اور جس وقت ضروری تھی اس وقت تعلیم نہیں دی گئی) اس شبہ کے جواب میں امام نووی کہتے ہیں کہ اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا بلکہ صاف طور پر یہ مطلب نکلتا ہے کہ پانچ نمازوں کی فرضیت کی ابتداء ہی ظہر سے کی گئی ہے۔ گویا یوں کہنا چاہئے کہ معراج کی رات کے بعد آنے والے دن میں فجر کی نماز کے علاوہ باقی چار نمازیں فرض ہوئیں۔ لہٰذا فجر کا اس دن واجب نہ ہونا اس لئے نہیں تھا کہ اس وقت تک آپ کو اس کا طریقہ اور صحیح وقت معلوم نہیں ہوا تھا (بلکہ یہ فجر کی نماز اس دن واجب ہی نہیں ہوئی تھی) اس لئے چاہے اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ اس دن آپ کو اس نماز کا وقت اور طریقہ بھی معلوم ہو گیا تھا تو بھی یہ نماز اس دن آپ پر فرض نہیں تھی (کیونکہ یہ نمازیں اس دن کی ظہر کی نماز سے واجب کی گئی تھیں)۔ اب اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ دن اور رات میں پانچ نمازیں معراج کی رات اور اس کے بعد والے میں نہیں رہیں اس کے سوا بقیہ دونوں میں ہی پانچ نمازوں کا وجود ہوگا۔

نماز فجر آدمؑ کی نماز...... (پچھلی سطروں میں حضرت جبرئیلؑ کا یہ قول گزرا ہے کہ۔ یہ آپ کی اور آپ سے پہلے نبیوں کی نمازوں کا وقت ہے۔ اس کے بارے میں ابو بکر ابن عربی کہتے ہیں کہ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی پانچ نمازیں اور ان ہی اوقات میں آپ سے پہلے گزرنے والے نبیوں میں بھی ہر ایک پر فرض تھیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس لئے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے یہ اوقات جن کی ایک ابتداء ہے اور ایک

انتہاء ہے آپ کی طرح آپ سے پہلے نبیوں کی عبادت کے لئے بھی یوں ہی حد بندی کے ساتھ تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ یہ نمازیں ان متعین اوقات میں صرف اسی امت کی خصوصیت ہیں۔ اگرچہ اس سے پہلی امتوں میں ان میں سے دو ایک نمازیں تھیں (مگر یہ پانچوں نمازیں اور ان اوقات کے ساتھ اس سے پہلے کسی امت میں نہیں تھیں) چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب آدمؑ کی توبہ قبول کی گئی تو اس وقت فجر کا وقت تھا۔ انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور وہی صبح کی نماز کہلائی۔

نماز ظہر اسحاقؑ کی نماز...... اسی طرح اس قول کی بنیاد پر جس کے مطابق ذبیح یعنی ذبح کئے جانے والے حضرت اسحاقؑ ہیں۔ ان کی جان کے بدلے میں مینڈھے کی شکل میں جو ذبیحہ آیا وہ روایت کے مطابق ظہر کے وقت آیا تھا۔ اس وقت انہوں نے چار رکعت نماز شکرانہ پڑھی جو نماز ظہر کہلائی۔

عصر اور مغرب سلیمانؑ و عزیزؑ کی نماز...... اسی طرح جب عزیزؑ کو دوبارہ زندہ کیا گیا تو ان سے پوچھا گیا تھا کہ آپ کو مرے ہوئے کتنا عرصہ گزرا ہے۔ انہوں نے کہا ایک دن۔ پھر جب انہوں نے سورج کو غروب ہونے کے قریب دیکھا تو وہ جلدی سے چار رکعت نماز شکرانہ پڑھنے کھڑے ہوئے مگر وہ اتنے تھک گئے کہ تیسری ہی رکعت میں بیٹھ گئے اور سلام پھیر دیا چنانچہ مغرب کی تین رکعت نماز ہو گئی۔

نماز عشاء آنحضرت ﷺ کی نماز...... جہاں تک عشاء یعنی دن کی آخری راز کا تعلق ہے تو اس کو پڑھنے والے سب سے پہلے شخص آنحضرت ﷺ ہیں اور اس طرح عشاء کی یہ آخری نماز آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔

مگر امام شافعی کی مسند کی شرح میں امام رافعی نے لکھا ہے کہ صبح کی نماز آدمؑ کی نماز ہے (یعنی ان سے شروع ہوئی) ظہر کی نماز داؤدؑ کی نماز ہے (یعنی ان سے شروع ہوئی)۔ یعنی ظہر کی نماز داؤدؑ اور اسحاق دونوں کی مشترکہ نماز تھی۔ عصر کی نماز سلیمانؑ کی نماز ہے (یعنی ان سے شروع ہوئی)۔ یعنی عصر کی نماز سلیمان اور عزیزؑ دونوں کی مشترکہ نماز تھی)۔ مغرب کی نماز یعقوبؑ کی نماز ہے۔ یعنی مغرب کی نماز یعقوب اور داؤدؑ دونوں کی مشترکہ نماز تھی۔ اور عشاء کی نماز یونسؑ کی نماز ہے (یعنی ان سے شروع ہوئی)۔ اس بارے میں امام رافعی نے ایک روایت بھی بیان کی ہے۔

اب اس قول کی بنیا پر یہ ثابت ہوا کہ عشاء کی نماز آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے نہیں ہے۔ ادھر اصول یہ ہے کہ جو بات نبی کے حق میں ثابت ہو وہی بات اس کی امت کے حق میں ثابت ہو جاتی ہے (لہٰذا عشاء کی نماز جب آنحضرت ﷺ کی خصوصیت نہیں ہوئی تو اسی اصول کے مطابق آپ کی امت کی خصوصیت بھی نہیں رہی جیسا کہ پچھلی سطروں میں دعویٰ کیا گیا ہے) ہاں اگر کسی معاملے میں نبی اور اس کی امت کو الگ کرنے والی خصوصیت کے متعلق کوئی دلیل ہو تو یہ اصول ٹوٹ سکتا ہے۔

دوسری روایات...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ مغرب کی نماز عیسیٰؑ کی نماز ہے (یعنی سب سے پہلے ان سے شروع ہوئی ہے) نیز یہ کہ ان کے لئے مغرب کی نماز کی چار رکعتیں تھیں جن میں سے دو وہ خود اپنی طرف سے پڑھتے تھے اور دو ان کی والدہ حضرت مریم کی طرف سے تھیں۔ اب گویا مغرب کی نماز عیسیٰؑ اور یعقوب و داؤدؑ تینوں کی مشترکہ نماز ہے)

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ فجر کی نماز پڑھنے والے سب سے پہلے انسان آدمؑ ہیں اور ظہر کی نماز پڑھنے

والے سب سے پہلے انسان ابراہیمؑ ہیں۔ اب گویا ظہر کی نماز ابراہیم، اسحاق اور داؤدؑ تینوں کی مشترکہ نما تھی۔

اسی طرح عصر کی نماز پڑھنے والے سب سے پہلے انسان یونسؑ ہیں۔ اس روایت کی بنیاد پر اب عصر کی نماز یونسؑ اور حضرت سلیمان و عزیرؑ تینوں کی مشترکہ نماز ہے۔

اسی طرح مغرب کی نماز پڑھنے والے سب سے پہلے انسان عیسیٰؑ ہیں۔ اور عتمہ یعنی عشاء کی نماز پڑھنے والے سب سے پہلے انسان موسیٰؑ ہیں۔ اب گویا عشاء کی نماز موسیٰؑ اور یونسؑ اور آنحضرت ﷺ تینوں کی مشترکہ نماز ہے۔

مگر کتاب خصائص کبریٰ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ سب سے پہلے عشاء کی نماز پڑھنے والے آپ ہیں اور آپ ہی وہ پہلے نبی ہیں جن پر یہ نماز ضروری کی گئی یعنی آپ کی امت کے علاوہ کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔

عشاء کی نماز اسی امت کی خصوصیت...... اس بارے میں بعض روایتوں میں تصریح بھی ملتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے

"اس نماز یعنی نماز عشاء کے ذریعہ تمہیں یعنی امت کے لوگوں کو دوسری تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔"

اب اس روایت کی بنیاد پر گویا عشاء کی نماز رسول اللہ ﷺ کی بھی خصوصیت ہے اور آپ کی امت کی بھی خصوصیت ہے (جیسا کہ گذشتہ سطروں میں بھی کہا گیا ہے)

ادھر تعمیر کعبہ کے بیان میں یہ بات گزری ہے کہ جبرئیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ یہاں یعنی پانچوں نمازیں پڑھی تھیں۔ لہذا روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

ابتداء میں نمازوں کی رکعتیں...... (قال) مگر ایک قول یہ ہے کہ معراج کی رات میں پانچوں نمازیں دو دو رکعت والی نمازوں کی صورت میں فرض ہوئی تھیں یہاں تک کہ مغرب کی نماز بھی دو رکعت کی تھی۔ اس کے بعد مقیم یعنی غیر مسافر کی نمازیں (یعنی جو سفر میں نہ ہو بلکہ اپنے گھر پر ہو اس کی نمازیں) اضافہ کیا گیا چنانچہ جمعہ کو چھوڑ کر باقی دنوں کے ظہر کی نماز چار رکعت کر دی گئی اور اسی طرح عصر اور عشاء کی نمازیں چار چار کر دی گئیں۔ اور مغرب کی نماز کو تین رکعت کر دیا گیا۔ لیکن مسافر کی نماز کو دو دو رکعت ہی باقی رکھا گیا یہاں تک کہ مغرب کی نماز بھی مسافر کے لئے دو رکعت ہی باقی رکھی گئی۔

مسافر اور مقیم کی نماز...... چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ

مسافر اور مقیم کی نمازیں دو دو رکعت فرض ہوئیں یعنی فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء (پانچویں) نمازیں دو دو رکعت کی تھیں۔ پھر جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مکے سے مدینے تشریف لے آئے تو اس کے ایک مہینے بعد۔ اور ایک قول کے مطابق۔ ایک مہینہ دس دن بعد مقیم کی نماز میں دو دو رکعتوں کا اضافہ کر دیا گیا یعنی سوائے فجر کی نماز کے کہ اس پر اس لئے اضافہ نہیں کیا گیا کہ اس میں ظہر اور عصر کے مقابلے میں زیادہ لمبی قرات پڑھنا مطلوب ہے یعنی طوال مفصل یعنی لمبی سورتوں کی قرات کا مطالبہ ہے۔"

(طوال مفصل اور قصار مفصل کے متعلق تفصیل سیرت حلبیہ اردو کی بارہویں یا تیرہویں قسط میں گزر چکی ہے)

غرض حضرت عائشہؓ آگے فرماتی ہیں۔

"اسی طرح مغرب کی نماز میں بھی دو رکعت کا اضافہ نہیں کیا گیا بلکہ اس میں صرف ایک رکعت کا اضافہ کیا گیا۔ اس طرح یہ نماز تین رکعت کی ہو گئی اس لئے کہ یہ دن کا وتر یعنی طاق حصہ ہوتا ہے۔"

چنانچہ حدیث میں وتر یعنی طاق عدد کی برکت کا اظہار فرمایا گیا ہے (طاق سے مراد وہ عدد ہوتا ہے جو دو جگہ پورا پورا تقسیم نہ ہو سکے جیسے ایک کا عدد اور تین وغیرہ کا عدد ہوتا ہے اس کو عربی میں وتر کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں جفت ہوتا ہے یعنی وہ عدد جو دو حصوں پر پورا پورا تقسیم ہو سکے جیسے دو یا چار وغیرہ کا عدد ہے) غرض اس حدیث میں ہے۔

"اللہ تعالیٰ وتر یعنی طاق یعنی ایک ہے اور وتر کو ہی پسند کرتا ہے۔"

یہاں مغرب کو وتر نماز کہنے کا مطلب یہ (بھی ہے کہ یہ تین رکعت یعنی طاق عدد کی نماز ہے اور یہ بھی) ہے کہ ان کی آخری نماز یعنی عصر اور رات یعنی عشاء کی نماز کے درمیان یعنی دو کے درمیان واقع ہے۔

غرض اس کے بعد حضرت عائشہؓ فرماتی ہے۔

سفر کی نماز کو جوں کے توں یعنی دو دو رکعت ہی باقی رکھا گیا اس میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا گیا سوائے مغرب کی نماز کے کہ اس کو سفر میں بھی تین ہی رکعت رکھا گیا اور وطن یعنی قیام کے زمانے میں بھی تین رکعت ہی باقی رکھا گیا۔"

یہ حضرت عائشہؓ کی روایت کا خلاصہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی نماز مغرب کے سوا دو رکعت ہی باقی رہی۔ مگر اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی نماز میں قصر یعنی کمی کرنا عزیمت یعنی ثواب کا کام ہے یہ شریعت کی طرف سے رخصت اور رعایت نہیں ہے۔ مگر یہ مطلب قرآن پاک کی اس آیت کے مطابق نہیں ہے جو یہ ہے کہ

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ پ ۵ سورہ نساء ع ۱ آیت ۱۰۱

ترجمہ :- سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا (بلکہ ضروری ہے) کہ تم نماز کو کم کرو۔

(اس آیت میں۔ بلکہ ضروری ہے۔ حضرت تھانوی کی تشریح ہے۔ لہذا اس آیت کے اصل ترجمے کے لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں یہ قصر اور کمی شریعت کی طرف سے رخصت ہے۔ اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہی ہے کہ سفر میں نماز میں قصر کرنا ضروری ہے)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں سفر کی نماز بر قرار رہنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ اصل کی حیثیت سے باقی رہی بلکہ مراد یہ ہے کہ بعد میں جب نماز کی چار رکعتیں متعین ہوئیں تو اس میں رعایت کر کے سفر کی نماز کو دو رکعت کر دیا گیا۔ (یعنی یوں نہیں کہنا چاہئے) کہ سفر کی نماز دو رکعت کی صورت میں بر قرار رہی بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ چار رکعت کی نماز فرض ہو جانے کے بعد سفر کی نماز دو رکعت کر دی گئی۔ اس سے یہ مفہوم اور مطلب پیدا ہوتا ہے کہ یہ قصر اور کمی بطور رعایت کی گئی ہے) کیونکہ نماز کا معاملہ آنحضرت ﷺ کے مدینے تشریف لانے کے ایک مہینہ یا چالیس دن بعد مکمل ہوا۔

اس کے بعد ہجرت کے دوسرے سال میں ربیع الاول کے مہینے میں سفر کی نماز یعنی قصر کی آیت نازل ہوئی۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سفر کی نماز جب سے فرض ہوئی اتنی ہی باقی رہی۔ اس تفصیل کے بعد یہ مطلب

نہیں نکلتا کہ قصر نماز رخصت یعنی رعایت نہیں بلکہ عزیمت اور ثواب ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ معراج کی رات میں مغرب اور فجر کی نماز کے سوا باقی سب نمازیں چار چار رکعت فرض ہوئیں۔ صرف مغرب کی نماز کی تین رکعتیں فرض ہوئیں اور فجر کی نماز دو رکعت فرض ہوئی۔ (ی) اور اسی طرح جمعہ کی نماز کے سوا کہ یہ بھی دو رکعت کی صورت میں فرض ہوئی۔

پھر اس کے بعد سفر کے لئے چار رکعتوں میں قصر اور کمی کر دی گئی۔ اب یہ بات اس آیت کے مطلب کے مطابق ہو جاتی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث کے سلسلے میں جمہور علماء یعنی اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے قول کا مطلب غالباً" یہ ہے کہ نمازیں اس طرح فرض ہوئیں کہ (چار رکعت نماز کو دو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا) پہلی دو رکعتیں تشہد کے ساتھ اور بعد کی دو رکعتیں تشہید یعنی التحیات اور سلام کے ساتھ پوری ہوتی ہیں۔

مگر اس تشریح میں یہ اشکال ہے کہ یہ بات مغرب اور فجر کی نمازوں پر صحیح نہیں ہوتی (کیونکہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں فجر کی اور مغرب کی نمازیں دو دو رکعت یا اور دو رکعت اور تین رکعت ہی تھیں اور ان کو ظاہر ہے دو دو رکعت پر دو جگہ تقسیم نہیں کیا جاسکتا)

دوسرے بعض علماء نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کا یہ مطلب پیدا کرنے پر ایک اور اعتراض کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی ایک اور حدیث ہے اس کی روشنی میں ان کی اس حدیث کا یہ مطلب غلط ہو جاتا ہے جو جمہور علماء نے نکالا ہے (بلکہ اس سے وہی مطلب ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء میں نماز صرف دو دو رکعت ہی فرض ہوئی تھی) کیونکہ حضرت عائشہؓ کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ۔

آنحضرت ﷺ مکے میں رہتے ہوئے یہ پانچوں نمازیں جو معراج میں فرض ہوئی تھیں۔ دو دو رکعت پڑھتے تھے۔ پھر جب آپ ہجرت کر کے مدینے تشریف لے آئے اور یہاں آئے ہوئے آپ کو ایک مہینہ یا ایک مہینہ دس دن ہوگئے تو نماز کی چار چار رکعتیں چار اور تین ہوگئیں لیکن مسافر کے لئے پوری دو رکعت ہی باقی رہنے دی گئیں۔

نماز خوف...... حضرت یعلی ابن امیہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے آیت فلیس علیکم جناح کے متعلق پوچھا۔

"تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم نماز کو کم کر دیا کرو۔ یہ حکم خوف یا ڈر کے زمانے کے لئے ہے جبکہ اس وقت عام لوگ امن سے ہیں۔

(یعنی عام بدامنی کا زمانہ نہیں ہے) حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے خود اسی بارے میں الجھن تھی۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

"یہ یعنی قصر کرنا ایک ایسا صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کیا ہے۔ اس لئے اس صدقے سے فائدہ اٹھاؤ۔"

لہٰذا اب قصر کرنے کے سبب صرف سفر میں ہونا رہ گیا خوف یا ڈر نہیں رہا۔ مگر کتاب اتقان میں جو کچھ ہے یہ بات اس کے خلاف ہے۔

اتقان میں ہے کہ ایک دفعہ بنی نجار کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ہم لوگ اکثر سفر میں رہتے ہیں۔اس لئے ہم کس طرح نماز پڑھیں؟"

اس پر حق تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔

واذا ضربتم فی الارض ولیس علیکم جناح ان تقصرو امن الصلوہ پ۵ سورہ نساء ع

ترجمہ :-اور جب تم زمین میں سفر کرو سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہو گا کہ تم نماز کو کم کر دیا کرو۔

پھر وحی منقطع ہو گئی (اور سال بھر تک کوئی وحی نہیں آئی) پھر اس کے بعد ایک دفعہ آنحضرت ﷺ ایک غزوے میں شریک تھے۔ ظہر کا وقت ہوا تو آپ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مشرکوں یعنی دشمن کی فوج نے آپ کو اور مسلمانوں کو نماز میں مصروف دیکھا تو کہنے لگے

"اس وقت تم پیٹھ پیچھے سے حملہ کر کے محمد اور ان کے ساتھیوں پر آسانی سے قابو پاسکتے تھے کاش تم حملہ کر دیتے!"

اس پر ان میں سے کسی نے کہا

"ان کے سلسلے میں تو اس کے بعد ایسا ہی موقعہ پھر بھی مل جائے گا۔"

اسی وقت دوسری طرف اللہ تعالی نے عصر کی نماز سے پہلے ہی یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا۔ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا الآیہ پ۵ سورہ نساء ع

ترجمہ :-اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے۔بلا شبہ کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں۔ اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں۔ پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں (یعنی مسلمانوں کو) تو یوں چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں۔ پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آجائے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں۔ کافر لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے غافل ہو جاؤ تو تم پر ایک بارگی حملہ کر بیٹھیں۔اور اگر تم کو بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تم کو اس میں کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اتار رکھو اور اپنا بچاؤ لے لو۔بلا شبہ اللہ تعالی نے کافروں کے لئے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔

(اس طرح اللہ تعالی نے مسلمانوں کو نماز خوف کی تعلیم دی اور کافروں کا منصوبہ ناکام ہو گیا) یہی نماز خوف ہے جو اس وقت نازل ہوئی (اور آنحضرت ﷺ کے بعد بھی ایسے مواقع پر اس کا حکم باقی ہے)

اس آیت کے شروع میں ہے کہ۔اگر تم کو اندیشہ ہو۔اس آیت کی تفصیل سے اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اندیشہ کا تعلق اس کے بعد آنے والی تفصیل سے ہے پچھلی تفصیل سے نہیں جس میں قصر نماز کا حکم ہے۔(واضح رہے کہ وان خفتم سے پہلی آیت واذا ضربتم ہے جو پیچھے گزری ہے اور جس میں قصر نماز کا حکم دیا گیا ہے)

مطلب یہ ہے کہ اندیشہ کا تعلق نماز خوف سے ہے جس کا بیان اندیشے کے بعد ہوا ہے۔اس اندیشہ کا تعلق قصر نماز سے نہیں ہے جس کا بیان اس سے پہلے آیت میں ہے

(علامہ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ تفسیر اور گنجائش صرف اسی صورت میں مناسب ہوتی جبکہ پچھلی آیت یعنی قصر کی نماز کی آیت میں واذانہ ہوتا جس کے معنی "اور جب" ہیں۔ (یعنی اگر لفظ واذا نہ ہوتا تو اندیشے کا تعلق بعد کی آیت سے ہو سکتا تھا)

ابن غرس کہتے ہیں کہ۔ واذا ہونے کے باوجود بھی اندیشے کا تعلق اگلی آیت سے ہی رہتا ہے اگر اس میں وائد کو زائد مان لیا جائے۔ مگر اس صورت میں شرط کا اعتراض شرط پر ہی ہو جائے گا (یعنی نحوی اعتبار سے دو شرطیں ہو جائیں گی اور دونوں کا ایک دوسرے پر اطلاق ہو گا)

وہ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر بات یہ ہے کہ واؤ کے بجائے اذا کو زائد مان لیا جائے۔ یہاں تک ابن غرس کا حوالہ ہے مگر یہ سب تفصیل قابل غور ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ قیام کے زمانے کے لئے چار رکعت والی نماز ہی نازل ہوئی اور دو رکعت والی نماز سفر ہی کے لئے نازل ہوئی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ سفر کی نماز دو رکعت ہے جمعہ کی نماز دو رکعت ہے اور صبح کی نماز بھی دو رکعت ہے جو سب بغیر قصر کے ہیں یعنی خود رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق دو رکعت کی نمازیں ہیں۔

مگر اس میں شروع میں سفر کی نماز دو رکعت کہا گیا ہے جو قصر ہے۔ البتہ بعد والی دونوں نمازیں خود آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق اصل کے لحاظ سے یہ دو رکعت کی ہیں۔ لہذا سفر کی حد تک اس میں گذشتہ روایت کی بنیاد پر شبہ ہو سکتا ہے۔

__نماز خوف کا طریقہ__...... حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت یہ ہے کہ قیام کی صورت میں نماز چار رکعت ہی نازل ہوئی اور سفر کی صورت میں دو رکعت ہی نازل ہوئی اور خوف کی نماز ایک رکعت نازل ہوئی۔

اس روایت کے لحاظ سے بھی سفر کی نماز کی حد تک اس میں وہی شبہ ہو سکتا ہے۔ جہاں تک نماز خوف کے ایک رکعت کی نماز ہونے کا تعلق ہے تو مطلب یہ ہے کہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھی جائے گی اور دوسری رکعت تنہا پڑھی جائے گی۔

یہ واقعہ عسفان میں پیش آیا تھا کہ سب لوگ ایک ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے لہذا سب کھڑے ہو گئے۔ جب آپ سجدے میں گئے تو پہلی صف نے آپ کے ساتھ سجدے کئے اور دوسری صف کھڑی ہوئی ان کا پہرہ دیتی رہی۔ پھر جب پہلی صف سجدہ کر کے کھڑی ہو گئی تو اب دوسری صف نے سجدہ کیا اور وہ آپ کے ساتھ نماز میں شامل ہو گئے انہوں نے آپ کے ساتھ دوسری رکعت میں سجدہ کیا اور پہلی صف والوں نے پہرہ دیا۔ اس طرح دونوں صفوں نے آپ کے یعنی امام کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھی۔

یہاں یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز میں بھی قصر ہونا چاہئے۔

__ابتداء میں التحیات کی جگہ سلام تھا__...... جہاں تک تشہد یعنی التحیات اور آنحضرت ﷺ پر نماز میں درود پڑھنے کا تعلق ہے تو یہ نماز فرض ہونے کے کچھ عرصہ بعد فرض ہوا چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ تشہد فرض ہونے سے پہلے نماز کے آخر میں یہ کہا کرتے تھے۔

السلام على الله قبل عباده السلام على جبريل السلام على ميكائيل السلام على فلان۔

ترجمہ :۔یعنی اللہ تعالیٰ پر اس کے بندوں سے پہلے سلام ہے، جبرئیلؑ پر سلام ہو اور فلاں فرشتے پر سلام ہو وغیرہ

دورد کا آغاز......اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"السلام علی اللہ مت کہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود سلام یعنی سلامتی والا ہے۔"

پھر ایک صحابی نے آپ سے عرض کیا۔

"اگر ہم نماز میں آپ پر درود پڑھیں تو کیسے پڑھیں؟"

آپ نے فرمایا۔

"یہ کہا کرو۔ اللهم صل على محمد۔ آخر درود تک۔"

میرے علم میں ایسی کوئی روایت نہیں آسکی جس سے تشہد اور درود کے فرض ہونے کا وقت معلوم۔ نہ ہی یہ معلوم ہو سکا کہ صحابہ کا السلام علی اللہ وغیرہ کہنا اس وقت آیا واجب تھا یا صرف مندوب اور نفل کے درجہ میں تھا۔

پانچ نمازوں کی حکمت......بعض علماء نے لکھا ہے کہ دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کئے جانے میں یہ حکمت ہے کہ انسان کے اندر حق تعالیٰ نے پانچ حواس یعنی حسیں رکھی ہیں اور گناہ ان ہی حواس کے ذریعہ سرزد ہوتے ہیں۔ لہذا نمازیں بھی پانچ رکھی گئیں تاکہ ان پانچ حواسوں کے ذریعہ دن اور رات میں انسان سے جو گناہ سرزد ہوں وہ ان پانچ نمازوں کے ذریعہ دھل جائیں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بھی اپنے ایک ارشاد میں اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے آپ نے فرمایا ہے۔

"اگر تم میں سے کسی کے دروازے سے ملی ہوئی ایک نہر بہہ رہی ہو اور وہ دن اور رات میں اس میں پانچ مرتبہ نہایا کرے تو کیا اس کے جسم پر میل کچیل کا کچھ اثر رہ سکتا ہے۔"

صحابہ نے عرض کیا۔ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔

"یہ پانچ نمازیں اسی کی طرح ہیں کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔"

نمازوں کی رکعتیں مختلف ہونے کی حکمت......اسی طرح نمازوں کی رکعتیں مختلف ہونے کی حکمت کے بارے میں ایک قول ہے کہ چونکہ فرشتوں کے پروں کی تعداد مختلف ہوتی ہے اس لئے نمازوں کی رکعتیں بھی دو اور تین اور چار کی صورت میں مختلف رکھی گئیں تاکہ یہ فرشتوں کے پروں سے ہم آہنگ رہیں۔ گویا حق تعالیٰ نے ان نمازوں کو انسانوں کے لئے فرشتوں کے پر بنا دیا جن سے انسان اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز کرتا ہے (اور جس طرح مختلف فرشتے مختلف پروں کی طاقت سے اڑتے ہیں اسی طرح انسان ان تمام مختلف پروں کی طاقت ایک ہی وقت میں حاصل کرے)

پانچ نمازوں کا قرآن سے ثبوت......حضرت ابن عباسؓ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا۔

کیا آپ پانچوں نمازوں کا ذکر قرآن پاک سے ثابت کر سکتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا۔ "ہاں!"۔

پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَسُبْحَانَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ الآیہ پ۲۱

سورہ روم ع ۲

ترجمہ :- سو تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت اور تمام آسمان وزمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے اور بعد زوال اور ظہر کے وقت۔

اس آیت میں شام کے وقت سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں۔ صبح کے وقت سے مراد فجر کی نماز ہے۔ بعد زوال یعنی عشیاء سے مراد عصر کی نماز ہے ظہر کے وقت سے مراد ظہر کی نماز ہے۔"

اب گویا اس آیت میں تسبیح بیان کرنے سے نماز مراد لی گئی ہے کہ نماز پڑھا کرو۔ تسبیح کہہ کر نماز مراد لینے کی نظیر قرآن پاک میں ایک اور جگہ بھی ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

فَلَوْلَا اَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ الآیہ پ ۲۳ سورہ صفت ع ۵

ترجمہ :- سو اگر وہ اس وقت تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اس کی پیٹ میں ہی رہتے۔

(یہ آیت یونسؑ کے متعلق ہے جن کا واقعہ پچھلی قسط میں گزر چکا ہے اس میں ان کے تسبیح کرنے یعنی مچھلی کے پیٹ میں سجدہ کرنے کا ذکر ہوا ہے۔) علامہ قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں تسبیح کرنے سے نماز پڑھنا مراد لیا ہے۔

تفسیر کشاف میں ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ قرآن پاک میں جہاں بھی تسبیح بیان کرنے کا ذکر ہوا وہاں ان سب جگہوں پر تسبیح سے نماز پڑھنا مراد ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالی اعلم با لصواب.

الحمد کہ سیرت الحلبیہ کی جلد اول مکمل ہوئی۔ اس کے بعد جلد دوم شروع ہو رہی ہے جس کے پہلے باب میں آنحضرت ﷺ کے عرب کے قبیلوں سے رابطہ قائم فرمانے اور اپنے سچے اور آسمانی پیغام کی تبلیغ کے سلسلے میں ان سے مدد اور حمایت حاصل کرنے کا بیان ہے۔

کتب ادعیہ عملیات وتعویذات، طب ومعالجات

آئینۂ عملیات	مجرب عملیات وتعویذات	صوفی عزیز الرحمٰنؒ
اصلی جواہر خمسہ	عملیات کی مشہور کتاب	شاہ محمد غوث گوالیاریؒ مجلد
اصلی بیاض محمدی	مجرب عملیات وتعویذات	شیخ محمد تھانویؒ
اعمال قرآنی	قرآنی وظائف وعملیات	مولانا اشرف علی تھانویؒ
مکتوبات وبیاض یعقوبی	علمائے دیوبند کے مجرب عملیات وطبی نسخے	مولانا محمد یعقوبؒ
بیماریوں کا گھریلو علاج	ہروقت پیش آنے والے گھریلو نسخے	
جنات کے پراسرار حالات	ان سے محفوظ رہنے کی تدابیر	شبیر حسین چشتی
حصن حصین	عربی دعائیں مع ترجمہ اور شرح اردو	امام ابن جزائیؒ
خواص حسبنا اللہ ونعم الوکیل	اردو	شیخ ابوالحسن شاذلیؒ
ذکر اللہ اور فضائل درود شریف		مولانا مفتی محمد شفیع
زاد السعید	فضائل درود شریف	مولانا اشرف علی تھانویؒ
شمس المعارف الکبریٰ	تعویذات وعملیات کی مستند کتاب	علامہ بونیؒ
طب جسمانی وروحانی	ایک مستند کتاب	امام غزالیؒ
طب روحانی مع خواص القرآن	قرآنی عملیات	مولانا محمد ابراہیم دہلویؒ
طب نبوی کلاں اردو		امام ابن القیم الجوزیہ مجلد
طب نبوی خورد	آنحضرت کے فرمودہ علاج ونسخے	حافظ اکرام الدین
علاج الغرباء	طب یونانی کی مقبول کتاب جس میں مستند نسخے درج ہیں	
کمالات عزیزی	حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے مجرب عملیات	
میرے والد ماجد اور ان کے مجرب عملیات		مولانا مفتی محمد شفیعؒ
مناجات مقبول مترجم	دعاؤں کا مستند ومقبول مجموعہ	مولانا اشرف علی تھانویؒ
مناجات مقبول	صرف عربی بہت چھوٹا جیبی سائز	مولانا اشرف علی تھانویؒ
مناجات مقبول	کا نظم میں مکمل اردو ترجمہ	مولانا اشرف علی تھانویؒ
نقش سلیمانی	عملیات ونقوش وتعویذات کی مشہور کتاب	خواجہ اشرف لکھنوی
مشکل کشا	تمام دینی ودنیوی مقاصد کے لئے مجرب دعائیں۔	مولانا احمد سعید دہلویؒ
مصیبت کے بعد راحت مع رسالہ دافع الافلاس		مولانا مفتی محمد شفیعؒ
نافع الخلائق	عملیات وتعویذات کی مشہور کتاب	حاجی محمد زردار خاں
مجموعہ وظائف کلاں	مستند ترین نسخہ	

دارالاشاعت اردو بازار کراچی
فہرست کتب مفت ڈاک سے ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں

عورتوں اور بچوں کے لئے بہترین اسلامی کتابیں

اسوۂ رسول اکرمؐ	حدیث کی مستند کتب سے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق جامع ہدایات	ڈاکٹر عبدالحئی
اسوۂ صحابیات اور سیر الصحابیات	صحابی خواتین کے حالات	مولانا عبدالسلام ندوی
تاریخ اسلام کامل	سوال و جواب کی صورت میں مکمل سیرت طیبہ	مولانا محمد میاں
تعلیم الاسلام	(اردو) سوال و جواب کی صورت میں عقائد اور احکام اسلام	مفتی محمد کفایت اللہ
تعلیم الاسلام	(انگریزی) سوال و جواب کی صورت میں عقائد اور احکام اسلام بزبان انگریزی	〃 〃
رسول عربیؐ	آسان زبان میں سیرت رسول اکرم اور نعتیں	
رحمت عالمؐ	آسان زبان میں مستند سیرت طیبہ	مولانا سید سلیمان ندوی
بیماریوں کا گھریلو علاج	ہر قسم کی بیماریوں کے گھریلو علاج و نسخے	طبیبہ اُم الفضل
اسلام کا نظام عفت و عصمت	اپنے موضوع پر محققانہ کتاب	مولانا ظفیر الدین
آداب زندگی	چار چھوٹی کتابوں کا مجموعہ حقوق و معاشرت پر	مولانا اشرف علی
بہشتی زیور	(کامل گیارہ حصے) احکام اسلام اور گھریلو امور کی جامع مشہور کتاب	〃 〃
بہشتی زیور	(انگریزی ترجمہ) احکام اسلام اور گھریلو امور کی جامع کتاب بزبان انگریزی	〃
تحفۃ العروس	صنف نازک کے موضوع پر اردو زبان میں پہلی جامع کتاب	محمود مہدی
آسان نماز	نماز مکمل ، شش کلمے اور چالیس مسنون دعائیں۔	مولانا محمد عاشق الٰہی
شرعی پردہ	پردہ اور حجاب پر عمدہ کتاب	〃 〃
مسلم خواتین کیلئے بیس سبق	عورتوں کے لئے تعلیم اسلام	〃 〃
مسلمان بیوی	مرد کے حقوق عورت پر	مولانا محمد ادریس انصاری
مسلمان خاوند	عورت کے حقوق مرد پر	〃 〃
میاں بیوی کے حقوق	عورتوں کے وہ حقوق جو مرد ادا نہیں کرتے	مفتی عبدالغنی
نیک بیبیاں	چار مشہور صحابی خواتین کے حالات	مولانا اصغر حسین
خواتین کیلئے شرعی احکام	عورتوں سے متعلق جملہ مسائل اور حقوق	ڈاکٹر عبدالحئی عارفی
تنبیہ الغافلین	چھوٹی چھوٹی قیمتی نصیحتیں، حکیمانہ اقوال اور صحابہؓ اور اولیاء اللہ کے حالات	فقیہ ابو اللیث سمرقندی
آنحضرتؐ کے ۳۰۰ معجزات	آنحضرتؐ ۳۰۰ معجزات کا مستند تذکرہ	
قصص الانبیاء	انبیاء علیہ السلام کے قصوں پر مشتمل جامع کتاب	مولانا طاہر سورتی
حکایات صحابہ	صحابہ کرامؓ کی حکیمانہ حکایات اور واقعات	مولانا زکریا صاحب
گناہ بے لذت	ایسے گناہوں کی تفصیل جس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں اور ہم مبتلا ہیں	

فہرست کتب مفت ڈاک کے ذریعہ طلب فرمائیں — **دارالاشاعت** اردو بازار کراچی ۱ فون ۲۱۳۷۶۸